یااللہ ﷻ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳) یارسول اللہ ﷺ

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے۔

سینکڑوں مسائل شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیۃ
فی
الفتاوی النقشبندیۃ

حصہ اول

تصنیف

فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی غفرلہ ولوالدیہ

فاضل دارالعلوم حقانیہ اخوڑہ خٹک، پشاور، پاکستان

ساکن شالپین ضلع سوات

حال فقیر کالونی کراچی

For More Books Click On
Ghulam Safdar
Muhammadi Saifi

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب: العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ جلد اول

مصنّف: حضرت علامہ سید احمد علی شاہ حنفی سیفی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظرِ ثانی: تراب اقدام الاولیاء فقیر سید عبد الحق شاہ سیفی

واستاذ العلماء شیخ القرآن والحدیث مفتی سید منور شاہ نقشبندی مجددی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اشاعتِ اول: رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ بمطابق مئی 2019ء

تعدادِ طباعت: ایک ہزار

کمپوزر: علامہ ڈاکٹر محمد افضل سیفی

ہدیہ: روپے

ناشر: شعبہ نشر واشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بالمقابل شیل پیٹرول پمپ والی گلی، فقیر کالونی

نمبر 10 اورنگی ٹاؤن کراچی

For More Books
Click On Ghulam
Safdar Muhammadi
Saifi

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

انتساب

فقیر اس تالیف کو اپنے پیر و مرشد سیّدی وسندی قبلی و روحی فداہ، اعلیٰحضرت عظیم البرکت، مجدّدِ دین وملّت، غوث الامّت امام العلماء، مخدوم الاولیاء والفقراء، محور الاتقیاء، عامل قرآن، منبع علم وعرفان، مظہر فیوضِ یزدان، قطب الاقطاب، امام الاصفیاء، رئیس الاولیاء، قطب السّالکین، سلطان العارفین والمجذوبین، شمس المسلمین، حاجی الحرمین الشریفین، جناب حضرت اخندزادہ سیف الرّحمن پیر ارچی خراسانی قدس سرّہ القوی نوّر روحہ واوصل الینا برکاتہ وفتوحہٗ کی بارگاہ عالیہ میں بصد عقیدت و احترام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جنہوں نے ایمان کے ڈاکوؤں، مکر وفریب کے پتلوں، جعلی پیروں اور نام نہاد علماء ومفتیوں سے مسلمانوں کی ایمان جیسی قیمتی دولت کو بچانے کے لئے اپنے علمی و روحانی جواہرات کے ذریعے صحیح مسلکِ حق اہل سنت والجماعت پیش کر کے دین اسلام کی آبیاری فرمائی اور مذہب کے دشمنوں اور راہزنوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ جن کی مبارک زندگی اسوۂ حسنہ کا آئینہ دار، قرآن مجید کی عملی تفسیر اور احادیث نبویہ کی صحیح تشریح ہے۔ جن کی خداداد صلاحیتِ عمل و اخلاص نے لاکھوں مردہ دل زندہ کئے۔ ہزارہا فاسق وفاجر، جابر اور ظالم قسم کے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔ تہہ دل سے دعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت جناب حضرت مبارک صاحب موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر انور کو نور سے بھر دے، ان کے درجات عالیہ میں مزید ترقیاں عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے عالم اسلام کو بہرہ ور ہونے کی توفیق فرمائے۔ آپ کی تبلیغی سعی کو روز افزوں ترقی سے ہمکنار کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین بجاہ النبیّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

فقیر سید احمد علی شاہ نقشبندی مجددی سیفی

بانی ومہتمم جامعہ امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن کراچی

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

یااللہ ﷻ　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　یارسول اللہ ﷺ

الحمد للہ الذی رفع اھل الحق و وضع اھل الباطل و احق الحق و ابطل الباطل و الصلٰوۃ و السلام علی نبینا و سیّدنا و وسیلتنا فی الدارین محمّد النبی المکمل الاکمل و علٰی آلہٖ و اصحابہٖ الذین جاھدوا لاحقاق الحق و ابطال الباطل و رفعوا الحق و وضعوا الباطل و علٰی التابعین الذین ناظروا الاظہار الحق و اخفاء الباطل و علٰی تبعھم الذین لایخافون لومۃ لائم فی احقاق الحق الراسخ و ابطال الباطل الزائل اللّٰھمّ انا نسئلک الفتح و الغلبۃ فی المناظرات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل اما بعد!

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حق و باطل کا مقابلہ رہا ہے اور اہلِ حق کے مقابلے میں اہلِ ھواء ہر دَور میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اہلِ ھواء کو ذلیل و رسوا اور تباہ و برباد کیا ہے۔ اور حق اور اہلِ حق کو اللہ تعالیٰ نے فتح اور غلبہ عطا کیا ہے۔ اسی طرح اس دَور میں بھی کئی اہلِ ھواء پائے جاتے ہیں جنہوں نے رنگا رنگ لباس اور نظریات میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ بعض اہلِ ھواء سلفِ صالحین کے دشمن ہیں۔ اور اُن کے خلاف خرافات اور بے ہودہ قسم کی باتیں اور طعن کرتے ہیں۔ اور سُنی صحیح العقیدہ مسلمان بھی ان کی خرافات سے محفوظ نہیں بلکہ اُن کو بھی بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔ کیونکہ سُنی مسلمان سلفِ صالحین کی اتباع اور اُن کی تقلید کرتے ہیں۔ اور تقلید کرنا کوئی ناجائز و حرام کام نہیں ہے بلکہ یہ تو واجبات میں سے ہے۔ تمام امت کا تقلید کے جواز بلکہ وجوب پر اجماع ہے۔ جیسا کہ حجۃ الخلف مفسرِ قرآن محدّث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے۔

ھٰذہ المذاھب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ او من یعتدّ منھا علی جواز تقلیدھا الیٰ یومنا ھٰذا۔[1]

صاحبِ ہدایہ بھی اس طرح لکھتے ہیں کہ:

لان علی العامی الاقتداء بالفقھاء لعدم الاھتداء۔[2]

من طعن فی علماء الامّۃ لایلو من الا أمّہ۔[3]

(۱) ﴿باب نمبر ایک ختم القرآن کے وقت دوست و احباب کو جمع کرنے کا بیان﴾

بعض علماء ختم القرآن شریف کے وقت اپنے اہل و عیال و دوست و احباب کو جمع کرنے اور اجتماعی دعا کرنے اور اس پر آمین کہنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ ختم شریف کے وقت اھل و عیال کو جمع کرنا برادری کا اجتماع اور اکٹھا کرنا۔ قراء و صلحاء کا جمع ہونا، صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس کے بارے میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اس سے انکار کرنے والا پکا بدعتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ**" یعنی ہر ختمِ قرآن کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔[4]

حضرت ابن مسعود اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ**

---

[1] (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۴)

[2] (ہدایہ کتاب الصوم ج ۱ ص ۳۲۶)

[3] (تکملہ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ بیروت، ہدایۃ الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشہادۃ ص ۴۸۹)

[4] (شعب الایمان جلد ۲ ص ۳۸۴، رقم الحدیث ۲۰۸۶/ جامع الصغیر رقم الحدیث ۸۱۸۳/ النشر لقراۃ العشر ۴۵۲ جلد ۲)

"یعنی جس نے قرآن کریم کا ختم کیا تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔[1]

حضرت حمید الاعرج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر دعا مانگے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قران کریم کی تلاوت کی یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا تو اس کے لئے نوری یا ذخیرہ کی ہوئی ایک مقبول دعا ہے[3] اس حدیث کی توضیح حسب ذیل حدیث سے ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان لقاری القران دعوۃ مستجابۃ فان شاء صاحبھا عجلھا فی الدنیا و ان شاء اٰخرھا الی الاخرۃ" یعنی بیشک قرآن کریم پڑھنے والے کیلئے ایک مقبول دعا ہے پس اگر وہ چاہے تو دنیا میں ہی جلد مانگ لے اور اگر چاہے تو آخرت تک موخر رکھے۔[4]

قیام اللیل میں لکھا ہے "حدثنا یحیٰ اخبرنا صالح المری عن ایوب عن ابی قلابہ فی حدیث کان یرفعہ من شھد فاتحۃ القرآن حین یستفتح القرآن کان کمن شھد فتحا فی سبیل اللہ و من شھد۔ خاتمتۃ حین یختم کان کمن شھد الغنائم۔ حین قسمت و کان انس اذا ختم القرآن جمع ولدہ و اھل بیتہ فدعاء لھم۔ و کان رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ فی مسجد رسول اللہ (قیام الیل ص ۱۸۸ مولفہ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ"

ترجمہ: "یحیٰی نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں صالح المری رضی اللہ عنہ نے ایوب رضی اللہ عنہ سے اور اس نے ابی قلابہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا جس سے وہ مرفوع بیان کرتا ہے کہ جو کوئی حاضر ہوا فاتحۃ القرآن میں یعنی وقت شروع کرنے قرآن مجید کے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی حاضر ہوا فتح فی سبیل اللہ میں۔ اور جو اس کے خاتمہ پر حاضر ہوا، اسکی حیثیت اس شخص کی ہے جو تقسیم غنائم کے وقت حاضر ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ختم قرآن کرتے تو جمع کرتے اپنی اولاد کو اور اھل بیت کو پس دعا فرماتے ان کے ساتھ اور تھا ایک شخص قرآن ختم کرتا اول سے اخر تک رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین و فی روایۃ "الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر و عند ختم القرآن" کذا فی الحصن الحصین۔

ترجمہ: مسلمانوں کے اجتماع میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذکر کی مجالس اور ختم قرآن کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی آیا ہے۔[5]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں: وروينا في مسند الدارمي، عن ابن عباس رضي الله عنهما، أنه كان يجعل رجلاً يُراقب رجلاً يقرأ القرآن، فإذا أراد أن يختمَ أعلم ابنَ عباس رضي الله عنهما فيشهد ذلك وروى ابن أبي داود بإسنادين صحيحين، عن قَتادَة التابعيّ الجليل الإمام صاحب أنس رضي الله عنه، قال كان أنسُ بن مالك رضي الله عنه إذا ختم

---

[1] [المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۵۹ / فضائل القرآن لابی عبید ص ۴۸ / الاتقان لسیوطی / مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۱۷۱۶ / جلاء الافہام ص ۲۳۲ / نتائج الافکار ج ۳ ص ۱۷۴ / مختص منہاج القاصدین ص ۱۷۷ / النشر للجوزری ج ۲ ص ۳۳۸ / انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۰]

[2] [سنن دارمی، رقم الحدیث ۳۴۸۱ / الاذکار للنووی ص ۱۳۶ / نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳ ص ۱۷۴-۱۷۷ / غیث النفع للصفاقسی ص ۳۳۴]

[3] (التذکار ص ۱۱۶)

[4] [جامع الصغیر رقم الحدیث ۲۴۰۲ / النشر لامام الجزری ج ۲ ص ۳۳۷]

[5] [خزینۃ الاسرار ص ۱۴۳ / تسہیل البخاری ص ۱۱۳]

القرآن جمع أهله ودعا. وروَى بأسانيد صحيحة، عن الحكم بن عُتَيبَةَ التابعي الجليل الإمام قال :أرسل إليّ مجاهد وعَبدَةُ بن أبي لُبابة فقالا :إنا أرسلنا إليك لأنّا أردنا أن نختم القرآن، والدعاء مستجاب عند ختم القرآن. وروى بإسناده الصحيح عن مُجاهد قال: كانوا يجتمعون عند ختم القرآن يقولون :إن الرحمة تنزل عند ختم القرآن. تنزل الرحمة ويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه۔

ترجمہ :مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا کرتے تھے اس آدمی کا جو قرآن پڑھتا تھا۔ پس جب وہ ختم کا ارادہ کرتا تو وہ نگران آپ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کو خبر دیتے تو آپ اس محفل میں شرکت فرماتے۔ ابن ابی داؤد سے صحیح دو سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ تابعی جلیل صاحب انس رضی اللہ عنہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ قرآن شریف ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔ تابعی جلیل امام حکم بن عتیبہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ بھیجا میری طرف مجاہد اور عبادہ نے ابی لبابہ کو پس کہا بے شک ہم نے بھیجا تمہاری طرف اس لئے کہ تحقیق ہم قرآن پاک کے ختم کا ارادہ رکھتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے ختم کے وقت۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ ختم شریف کے وقت اجتماع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم شریف کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور ختم کے وقت دعا مستجاب ہے۔[1]

ويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه. وروينا في مسند الدارمي، وعن حُميد الأعرج رحمه الله قال :مَن قرأ القرآن ثم دعا أمَّنَ على دعائه أربعةُ آلاف مَلَك. وينبغي أن يُلحّ في الدعاء، وأن يدعوَ بالأمور المهمة والكلمات الجامعة، وأن يكون معظم ذلك أو كله في أمور الآخرة وأمور المسلمين، وصلاح سلطانهم وسائر ولاة أمورهم، وفي توفيقهم للطاعات، وعِصمتهم من المخالفات، وتعاونهم على البرّ والتقوى، وقيامهم بالحقّ واجتماعهم عليها، وظهورهم على أعداء الدين وسائر المخالفين، وقد أشرت إلى أحرف من ذلك في كتاب "آداب القرآن"، وذكرتُ فيه دعوات وجيزة من أراد نقلَهَا منه، وإذا فرغ من الختمة، فالمستحبّ أن يشرع في أخرى متصلاً بالختم، فقد استحبّه السَّلفُ. واحتجّوا فيه بحديث أنس رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :"خَيرُ الأعْمالِ الحَلُّ وَالرِّحلَةُ"، قيل :وما هما؟ قال :"افْتِتاحُ القرآن وختمه"

ترجمہ :ختم قرآن پاک کے وقت دعا کے مستحب ہونے کے متعلق شدید تاکید پائی جاتی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ہم نے مسند دارمی میں حمید اعرج رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھنے کے بعد دعا کرے اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ وہ دعا میں الحاح سے کام لے اور اہم امور اور جامع کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا کا اکثر حصہ یا ساری دعا ہی امور آخرت، امور مسلمین، بادشاہ اور اس کے دیگر حاکموں کی درستگی، طاعات کیلئے ان کی توفیق، مخالف امور سے ان کی حفاظت، نیکی اور تقوی پر ان کے تعاون، متفقہ طور پر حق پر ان کے قیام اور مخالفین اور دشمنانِ دین پر ان کے غلبہ کے لئے ہو۔ اور جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہو تو مستحب امر یہ ہے کہ ختم کے ساتھ یہ دوبارہ تلاوت شروع کر دے۔ سلف رحمہم اللہ نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے اور اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین عمل حل اور رحلت ہے۔ دریافت کیا گیا یہ دونوں کیا ہیں؟ تو فرمایا قرآن کا شروع کرنا اور اس

---

[1] (کتاب الاذکار المنتخبۃ فی سید الابرار مطبوعہ مصر ص ۹۷)

کا ختم کرنا۔[1]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مصر ص ۳۵" پر لکھا ہے : "ویسن صوم یوم الختم وان یحضر اھلہ واصدقائہ لانّ الرحمۃ تنزل عندہ والدعا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ وکان النبی ﷺ اذا ختم فقراء قل أعوذ برب الناس وافتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی واولٰئک ھم لمفلحون۔ ثم دعا بعدھا الختمۃ۔

ترجمہ : اور ختم کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور حاضر ہونا اھل وعیال کا اور احباب کا تحقیق ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعا کرنا ہر ختم کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ جب ختم شریف فرماتے تھے پس پڑھتے تھے "قل اعوذ برب الناس" اور شروع فرماتے تھے الحمد شریف اور پھر پڑھتے تھے سورہ بقرہ شریف "اولئک ھم المفلحون" تک پھر دعائے ختم شریف فرماتے۔

النشر فی قرأۃ العشر (مطبوعہ دمشق) ج ۲ ص ۳۳۶ تا ۳۴۱، (مولفہ امام ابن جوزی، متوفی ۸۳۳ھ) میں لکھا ہے :

ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ عن مجاھد تنزل الرحمۃ عند ختم القرآن وعنہ ایضاً ان الدعاء مستجابۃ عند ختم القرآن عن قتادہ قال کان بالمدینۃ رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ علی اصحاب لہ فکان ابن عباس رضی اللہ عنہ یضع علیہ الرقباء فاذا کان عند الختم جآء ابن عباس رضی اللہ عنہ فشھدہ قال الامام النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یستحب الدعاء بعد قرأۃ القرآن استحباباً یتاکد تاکیدا شدیداً فینبغی ان یلح فی الدعاء ونص الامام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علی استحباب الدعاء عند الختم وکذا جماعۃ من السلف وکان بعض شیوخنا یختار ان القاریٔ علیہ اذا ختم ھو الذی یدعو ابظاھر ھذا الحدیث وسائر من ادرکناھم غیرہ یدعو الشیخ او من تلتمس برکتہ من حاضری الختم والامر فی ھذا سھل اذا الداعی والمؤمن واحد قال اللہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما قال ابو العالیۃ وابو صالح وعکرمۃ ومحمد بن کعب القرظی والربیع بن الانس رضی اللہ عنہ دعا موسیٰ وآمن ھارون علیھما السلام فالداعی والمؤمن واحد وکان انس بن مالک رضی اللہ عنہ یجمع اھلہ وجیرانہ عند الختم رجاء وبرکۃ دعاء الختم وحضورہ وروینا عنہ فی حدیث مرفوع ولفظہ ان النبی ﷺ کان اذا ختم القرآن جمع اھلہ قال البیھقی رفعوھم والصحیح عن انس رضی اللہ عنہ موقوفاً وکانوا یستحبّون جمع اھل الصلاح والعلم فقد روینا عن شعبۃ عن الحکم قال ارسل أبی مجاھد وعندہ ابن ابی لبابہ قال انما ارسلنا الیک انا نرید ان نختم القرآن وکان یقال ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن فلما فرغوا من ختم القرآن دعا بدعوات وکان کثیر من السلف یستحبّ الختم یوم الاثنین ولیلۃ الجمعۃ۔

ترجمہ : اور کہتے ہیں کہ ہر ختم قرآن پر دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا قبول ہوگی۔ حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ختم شریف کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی اپنے دوستوں کو ابتداء سے آخر تک قرآن پاک سنایا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر نگران مقرر فرمادیا کرتے تھے جب وہ شخص ختم قرآن کے نزدیک پہنچتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لاکر اس مجلس میں شمولیت اختیار فرماتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت قرآن پاک کے بعد دعا کی شدید تاکید پائی جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انسان دعا میں الحاح سے کام لے اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ختم قرآن

---

[1] (کتاب الاذکار مطبوعہ مصر ص ۹۸ بتفسیر روح البیان ج ۳ ص ۱۵۶-۱۵۷ مکتبہ داراحیاء)

پر دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے، ایسے ہی سلف کی ایک جماعت اور ہمارے بعض شیوخ ایک قاری کی خدمات حاصل کر لیتے تھے جب وہ قرآن پاک ختم کرتا تو اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق دعا کرتا اور اس کے علاوہ باقی لوگ جس کو ہم نے پایا وہ کسی بزرگ کو بلاتے یا حاضرین ختم میں سے وہ جو بابرکت ہوتے اس کو تلاش کرتے اور یہ طریقہ آسان ہے کیونکہ دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنھم نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی، پس داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ختم قرآن کے وقت دعائے ختم اور اس میں حاضری کی برکت کی امید پر اپنے اہل وعیال اور اپنے ہمسایوں کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے اور ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب ختم قرآن کرتے تو اپنے اھل وعیال کو اکٹھا کرتے، بیہقی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ موقوف ہے کہ وہ اہل صلاح اور اہل علم کو اکٹھا کرتے تھے اور ہم نے شعبہ سے انھوں نے حکم سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور آپ کے پاس عبادہ بن ابی لبابہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ہم نے آپ کو اس لئے پیغام بھیجا ہے کہ ہم ختم قرآن کروانا چاہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہوتے تو دعائیں مانگا کرتے۔ سلف میں سے بہت سے لوگ سوموار (پیر) کے دن اور جمعہ کی شب کو ختم قرآن کو مستحب خیال کرتے تھے۔[1]

جلاء الافھام مطبوعہ دمشق و بیروت ص ۳۵۵ لابن قیم الجوزیۃ میں لکھا ہے: فقال فی روایۃ أبی الحارث: کان أنس اذا ختم القرآن جمع اھلہ وولدہ، وقال فی روایۃ یوسف بن موسیٰ، وقد سئل عن الرجل یختم القرآن، فیجتمع الیہ قوم فیدعون؟ قال نعم، رأیت معمراً یفعلہ اذا ختم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن کا ختم فرماتے تو اپنے اھل وعیال کو جمع فرما لیتے تھے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ختم قرآن کے وقت برادری کو جمع کر لیتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" (یعنی صحیح ہے) میں نے معمر رضی اللہ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۱ (مولفہ قاری ظہور احمد فیضی) میں ہے: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جو از اول تا آخر قرآن کریم پڑھتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بعض ساتھیوں کے ذمے لگا رکھا تھا کہ وہ آپ کو اس کے ختم قرآن کی اطلاع کریں پس جب ختم کا وقت آتا تو آپ اپنی مجلس کے حاضرین کو فرماتے: قوموا بنا حتی نحضر الخاتمۃ یعنی اٹھو تا کہ ختم قرآن میں شمولیت اختیار کریں۔[2]

مزید ص ۹۰۶ پر ہے کہ: حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن کریم ختم کرے تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ختمِ قرآن فرماتے تو اپنے تمام گھر والوں کو جمع کرتے پھر آپ دعا مانگتے اور وہ آمین کہتے۔ مذکورہ بالا دلائل سے جسطرح ختم قرآن کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہوا اسی طرح نماز جنازہ کے

---

[1] (النشر فی قرائۃ العشر ص ۳۴۰، سنن سعید بن منصور فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۴۰ رقم الحدیث ۲۷ مطبوعۃ دار العصیمی، سنن الدارمی ج ۲ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۳۴۷۴ مطبوعۃ دار الکتاب العربی المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۴۲ رقم الحدیث ۶۷۴ مطبوعۃ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۷۱۳ مطبوعۃ دار المعرفۃ)

[2] (التذکار للقرطبی ص ۱۱۰ وغیرہ)

بعد اور سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے چنانچہ حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری نے روایت بیان فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :لایجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن سائرھم الا اجابھم اللہ۔ یعنی جب ایک جماعت اکٹھی ہوتی ہے پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[1]

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، إِذَا أَشْفَى عَلَى خَتْمِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ، بَقَّى مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى يُصْبِحَ فَيَجْمَعَ أَهْلَهُ فَيَخْتِمَهُ مَعَهُمْ۔

حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رات کو جب قرآن کریم کا ختم کرنے کے قریب ہوتے تو اس میں سے کچھ سورتیں بچا لیتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پھر اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے پھر ان کے ساتھ ختم فرماتے۔[2]

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف اپنے اہل وعیال ہی نہیں، دوست احباب بھی شریک ہوتے تھے بلکہ انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دیتے تھے۔

ہمارے فقہ احناف کے مشہور فتاویٰ الہندیہ میں ہے۔

ویستحب لہ ان یجمع اھلہ وولدہ عند الختم ویدعو لھم کذا فی الینابیع۔

اور قاریٔ قرآن کیلئے مستحب ہے کہ ختم قرآن کے وقت اپنے اہل واولاد کو جمع کرلے اور ان کیلئے دعا کرے۔[3]

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی لکھتے ہیں۔

(قولہ) وعند تلاوۃ القرآن لاسیما الختم)۔ واخرج الطبرانی مایدل علی مشروعیۃ الدعاء عند ختم القرآن واخرج ابن ابی شیبۃ عن مجاھد اذا ختم القرآن نزل الرحمۃ،

ترجمہ؛ دعا قبول ہوتی ہے تلاوت قرآن کے وقت خاص کر ختم قرآن کے وقت دعا کی مشروعیت پر طبرانی کی روایت دلالت کرتی ہے اور ابن ابی شیبہ سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ختم قرآن ہو تو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔[4]

مولوی محمد یوسف بنوری نے معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ "لایجمع قوماً فیدعو ابعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ" یعنی جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔[5]

حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ :عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثۃ یدعو قط الا کان حقاً علی اللہ ان لا یردّ ایدیھم صفراً۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی کبھی دعا پر جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔

وفی الھدایۃ الاجابۃ فی الجمع ارجی یعنی اجتماعی دعا میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔[6]

(۲) اجتماعی دعا اور آمین:

---

[1] (المعجم الکبیر ج ۴، ص ۲۶، ھکذا فی المستدرک للحاکم، المنح المطلوبۃ ص ۱۰۷، الدرۃ المکنھنۃ ص ۴۵)

[2] (۱) سنن الدارمی رقم الحدیث ۳۴۷۳ (۲) التبیان للنووی ص ۱۳۰ (۳) نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳ ص ۱۸۶

[3] (فتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۱۷)

[4] (تحفۃ الذاکرین ص ۴۹)

[5] (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷)

[6] (حلیۃ الاولیاء ص ۱۴۴، ج ۱) (وفی تسھیل المشکوٰۃ ص :۱۲۴ نکیر الدعاء بعد نفل وسنۃ :لمنکر دین ذاک اللہ جاحد)

ختم قرآن کی محفل میں یا کسی دینی مجلس میں ایک مسلمان کا دعا کرنا اور باقی سب لوگوں کا آمین آمین کہنا بہت پسندیدہ عمل ہے۔شریعت میں دعا کو عبادت فرمایا گیا ہے اور آمین کہنے والوں کو اس عبادت میں برابر کا شریک فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أفضل الْعِبَادَة آمين عِنْد تِلَاوَة الْقُرْآن۔

افضل عبادت تلاوت قرآن کے وقت آمین کہنا ہے۔[1]

حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَجْتَمِعُ مَلَأٌ فَيَدْعُو بَعْضُهُمْ وَيُؤَمِّنُ سَائِرُهُمْ إِلَّا أَجَابَهُمُ اللهُ.

نہیں کوئی گروہ اکٹھا ہوتا پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[2]

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں ماسوا ابن الھیعہ کے اور وہ حسن الحدیث ہے۔[3]

قرآن کریم میں بھی آمین کہنے والے کو دعا میں برابر کا شریک فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اسکے سرداروں کو سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں، اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں تیری راہ سے، اے ہمارے رب! برباد کردے ان کے مالوں کو اور سخت کردے ان کے دلوں کو تاکہ وہ ایمان نہ لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا۔ (تم دونوں کی دعا قبول ہوئی)[4]

غور کیجئے کہ دعا تنہا موسیٰ علیہ السلام نے کی لیکن ارشاد ہوا کہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی،، ایسا کیوں؟ علماء فرماتے ہیں اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کی دعا پر آمین آمین کہہ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مُوسَى كَانَ يَدْعُو وهرون يُؤَمن۔[5]

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دعاموسیٰ وامن هارون، فالداعی والمؤمن واحد۔[6]

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی پس دعا مانگنے والا اور آمین کہنے والا دونوں برابر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مارفع قوم اکفهم الخ کوئی قوم اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نہیں اٹھاتی اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انہوں نے سوال کیا۔[7]

ان احادیث مبارکہ میں اجتماعی طور پر دعا کرنے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ جب تین مومن بندے یا ان سے زیادہ کسی جگہ جمع ہو کر دعا مانگتے ہیں

---

[1] (فردوس الاخبار ج ۱ ص ۴۳۳)

[2] (۱) المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ (۲) المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۵۵۲۹ (۳) تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص ۷۰ (۴) المنح المطلوبۃ ص ۱۰۷ (۵) الدرۃ المکنونۃ ص ۴۵۔

[3] (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۷ رقم الحدیث ۱۷۳۴۷)

[4] (سورۃ یونس ۸۹)

[5] (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۸۵)

[6] (النشر لابن الجزری ج ۲ ص ۴۵۶)

[7] (۱) المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۵۴، رقم الحدیث ۶۱۴۲ (۲) مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۶۹ (۳) الدرۃ المکنونۃ ص ۴۴۔

اوران دعاؤں پرآمین کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے اس سے پتہ چلا کہ اجتماعی طور پر دعا کرنا بہت مبارک عمل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنے کی بہت اہمیت ہے حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کو باہر نکلے تو ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو بہت گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا تھا حضور ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مہر لگا دے تو اس کیلئے جنت واجب ہو جائے گی تو جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے ان میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کس چیز کی مہر لگائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آمین کی مہر، سو اگر اس نے دعا کے اخیر میں آمین کی مہر لگا دی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، تو جس شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا وہ اس دعا مانگنے والے کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اے فلاں! آمین کی مہر لگا دے اور (جنت کی) بشارت سن لے۔[1]

دعا کے ختم پر دعا کرنے والا بھی آمین کہے اور جو دعا سننے والا ہو وہ بھی آمین کہے نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے جو دعا پر ختم ہے اس کے ختم پر بھی آمین پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔آمین کا کیا معنی ہے؟ اس کے بارے میں حضرات علمائے کرام نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو دعا مانگی گئی آمین اس کی تاکید ہے یعنی اجمالاً دعا کو دہرایا گیا ہے اگر ایک آدمی دعا کرے اور حاضرین آمین کہتے جائیں تو یہ بھی مستحب ہے اور آمین کہنے والوں کا آمین کہنا دعا میں شریک ہونا ہے اگر ایسی صورت ہو تو دعا کرنے والا جمع کے الفاظ استعمال کرے تاکہ دعا میں سب شامل ہو جائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا اپنی شرائط کے ساتھ ضرور قبول ہوتی ہے۔اس لئے ختم قرآن کے مبارک موقع پر دعا کیلئے ضرور شریک ہونا چاہیئے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوتی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو جاتے، آپ انہیں ہر رکعت میں بیس آیات سناتے اور اسی انداز پر قرآن کریم کا ایک ختم فرماتے، اور تہجد کے وقت تہائی قرآن سے زیادہ پڑھتے اور ہر تیسری شب میں ختم فرماتے۔علاوہ ازیں ایک ختم دن میں کرتے اور ایک افطار کے وقت اور ارشاد فرماتے کہ عند کل ختمة دعوة مستجابة،، ہر ختم کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔،،[2]

(۲)﴿باب نمبر دو فجر کی نماز روشن کر کے پڑھنے کا بیان﴾

بعض علماء کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے حالانکہ حنفیوں کے نزدیک صبح کی نماز کا وقت اسفار ہے۔ صبح کی نماز کا مستحب وقت اسفار ہے یعنی روشنی اور اجالا میں نماز پڑھنا افضل ہے۔فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے ،اگر اس وقت کے دو حصے کیے جائیں تو اصطلاح شریعت میں پہلا نصف حصہ غلس اور دوسرا حصہ اسفار کہلاتا ہے۔

اکثر و بیشتر نبی اکرم ﷺ اسفار میں نماز پڑھتے تھے نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ دیکھئے۔

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے۔عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ،أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ۔[3]

---

[1] (جمع الفوائد)

[2] (۱) شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۴۵۴ (۲) ۲۲۵۴ (۲) النشر للجزری ج ۲ ص ۴۵۵ (۳) ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ص ۶۶۷

[3] (سنن الترمذی ماجاء فی الاسفار بالفجر ص ۲۲ ج ۱، مشکوۃ ص ۶۱، ابوداود نحوہ ج ۱ باب فی وقت الصبح، سنن النسائی ج ۱ ص ۹۴ باب الاسفار)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔،، یہ حدیث حسن صحیح ہے، حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں۔ وصححہ غیر واحد کہ بہت سے محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اسفار سے مراد یہ ہے کہ صبح کا اجالا خوب پھیل جائے۔

حدیث: عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُولُ لِمُؤَذِّنِهِ أَسْفِرْ أَسْفِرْ يَعْنِي صَلَاةَ الصُّبْحِ۔

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ رضی اللہ عنہ اپنے مؤذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اجالا کر، خوب اجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔[1]

حدیث: عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ بِالْأَجْرِ۔[2]

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا روشن کرو گے تم فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ اس کی سند صحیح ہے۔[3]

حدیث: رافع بن خديج يقول: قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لبلال: "يا بلال! نور صلاة الصبح حتى يُبصر القوم مَواقع نَبلهم من الإسفار". ورواه ابن أبي حاتم في "علله"

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔[4]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میری امت فطرت پر قائم رہے گی، جب تک کہ وہ صبح کی نماز اسفار میں ادا کرتی رہے گی۔،، اس مضمون کی مرفوع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[5]

اسفار کی مرفوع حدیثیں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (طبرانی)، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ (طبرانی، مسند البزار)، حضرت حوا انصاریہ رضی اللہ عنہا (طبرانی)۔

---

۱ (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۳)

۲ (نسائی ج ۱ ص ۶۵)

۳ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۳۸)

۴ (شرح ابوداود للعینی ج ۲ ص ۲۹۹، آثار السنن ص ۵۸)

۵ (طبرانی) (المعجم الاوسط ج ۴ ص ۶۴، مسند البزار)

ان احادیث کی تفصیل نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۷ اور عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۹۰ شرح صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ »يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الْغَدَاةِ۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے۔،،[1]

حدیث: حضرت ابراہیم نخعی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا أَجْمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا أَجْمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ بِالْفَجْرِ۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس قدر صبح کے اسفار پر اجماع فرمایا ہے اس قدر اجماع و اتفاق کسی اور چیز پر نہیں کیا۔،،یہ حدیث صحیح سند سے طحاوی جلد ا صفحہ ۱۳۶ میں بھی مروی ہے۔[3]

نوٹ: حضرت محدث سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الازھار المتناثرۃ میں لکھتے ہیں کہ اسفار کی حدیثیں متواتر ہیں۔

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، قَالَ :صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ ذَوُو الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ طَلَعَتْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ :فَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَقُلْتُ :أَيَّ شَيْءٍ قَالَ :فَقَالُوا :قَالَ :"لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"

بیہقی نے سنن کبری میں ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سورج نکلنے ہی والا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔،،[4]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: "صَلَّى بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا: كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ: "لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"

بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورۃ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔،،[5]

قَالَ: "مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ فَأَخْبَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَى ذَلِكَ فَلَا يَجُوزُ، عِنْدَنَا وَاللهُ أَعْلَمُ، اجْتِمَاعُهُمْ عَلَى خِلَافِ مَا قَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

طحاوی اور ملا خسرو محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ

---

[1] (مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۵۶۸، معجم طبرانی کبیر ج ا ص ۲۵۸)

[2] (طحاوی شریف ج ا ص ۱۳۶)

[3] (نصب الرایہ ج ا ص ۲۳۹)

[4] (السنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۵۵۸ باب الدلیل علی انھا لاتبطل بطلوع الشمس فیھا)

[5] (السنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۵۵۷ باب الدلیل علی انھا لاتبطل بطلوع الشمس فیھا)

اللہ علیہ سے روایت کی۔فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔[1]

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جائے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: يَا قَنْبَرُ أَسْفِرْ أَسْفِرْ۔

طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے، اے قنبر اجالا کرو اجالا کرو۔[2]

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفر دو بار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ احادیث مبارکہ بطور نمونہ پیش کی ہیں، اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمائیں۔بہر حال پتہ لگا کہ اجالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عمل ہے۔عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اجالے میں پڑھی جائے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اجالا اور روشنی لہذا نماز فجر اجالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا۔اور اندھیرے میں پڑھنا۔نام کے مخالف ہے۔دوسرے یہ کہ اجالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء، بعض کو غسل وضو کرنا۔سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔اول وقت میں فجر کی جماعت کر لینے سے۔بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔اجالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو درازقرأت سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔جس چیز سے جماعت گھٹ جائے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ، لہذا اسفار بہتر ہے۔تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔اجالے میں آسان، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اندھیرے میں عین زیادتی نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فجر میں بہت اجالا کرنے کا اہتمام کیا۔دیکھو طحاوی شریف، صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے فجر کاروبار کھلنے کا وقت، مغرب نیند کا، فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا، جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی تو جیسے نماز مغرب اجالے میں پڑھنا افضل ہے ایسے ہی نماز فجر اجالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

---

[1] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۸۴ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟)

[2] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۸۰ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟)

(۳)﴿باب نمبر تین اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گستاخی کا بیان﴾

بعض علماء وعوام اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں اور بعض نام نہاد سُنی جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جب کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا حلالی نہیں ہے، تو سُنی کیسے ہوسکتا ہے۔

حضور ختم الرسل ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ وعلا نے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ﷺ کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث "انما انا قاسم و اللہ یعطی" ناطق ہے۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابل احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ ﷺ سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ ﷺ سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ ﷺ پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔ دونوں طبقات کی نسبت آپ ﷺ سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت وعزت واحترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بغض ونفرت دوسرے کی نفرت و بغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک مصطفی ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی و بے ادبی سخت ترین جرم وگناہ و زندیقیت ہے۔ امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے: اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانہ زندیق و ذٰلک ان الرسول عند ناحق و القراٰن حق و انما ادیٰ الینا ھٰذا القراٰن و السّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ و انما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب و السّنۃ و الجرح بھم اولیٰ و ھم زنادقۃ۔ "جب کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن وسنت ہمیں اصحابِ رسول ﷺ نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنّت کو مجروح کرسکیں ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور زندیق ہیں۔"

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گردانے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والا قطعی طور پر سادات کے نقش قدم پر نہیں ہوسکتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی: اللھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا و اھدہ و اھد بہ۔ اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[1]

---

[1] (التاریخ الکبیر ۷:۳۲۴، طبرانی المعجم الاوسط ۱:۳۸۰، ترمذی ۲:۲۱۱، اسد الغابہ ۴:۳۸۶، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی ۲:۳۱۹، حلیۃ الاولیاء ۸:۳۵۸، طبقات ابن سعد ۷:۱۳۶، تاریخ بغداد ۱:۲۰۸، الاصابہ ۲:۴۰۶، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۲:۳۵۶، تہذیب الاسماء واللغات للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۱۰۳)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے :اللھمّ علّم معاویۃ الکتاب و الحساب و قہ العذاب۔ ''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔''[1]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :و لا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان ھٰذا حالہ فکیف یرتاب فی حقہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقینا قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جاسکتا ہے۔''[2]

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک تو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہوسکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہوسکتی ہیں جس سے خاص محبت او الفت کا رشتہ ہو۔

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصئون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیا میں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو ''المہدی'' کہنے پر مجبور ہوتا۔[3] اور کوئی ان کو ''المصحف'' کہتا۔[4] اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا۔'' لوگوں نے پوچھا : ''حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم و بردباری کا؟ فرمایا : نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔[5]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ جل شانہ

---

[1] (مسند امام احمد ۱۲۷:۴، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۳۱۸:۲، البدایہ والنہایہ ص ۱۲۱، کنزل العمال ۸۷:۷، الاستیعاب ۳۸۱:۳، انساب الاشراف بلاذری ۱۰۷:۴، مجمع الزوائد ہیثمی ۳۵۶:۹، صحیح ابن حبان ۱۶۹:۱۰، الاصابہ ۳۸۵:۱)

[2] (مرقاۃ ۱۳۸:۱۱)

[3] (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ ۱۳۵:۸)

[4] (البدایہ والنہایہ ۱۲۱:۸)

[5] '' (العواصم من القواصم ۳۰۵ تعلیقہ)

اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتا ہے، آپ ﷺ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا :ادعو امعاویة رضی اللہ عنہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔''
سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا :معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ :فانّه قویّ امینٌ (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)[1]

تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا :یامعاویة! ان ولیت امرًا فاتق اللہ و اعدل۔ ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر تجھے امور مملکت و خلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔''[2] اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ''یامعاویة! ان ولیت فاحسن۔ ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت و خلافت کو احسن طریق سے سرانجام دینا۔''[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔''

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔''[4]

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا :
ان معاویة لا یصارع احدًا الّا صرعه معاویة۔ ''معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔[5]

یہ تو دنیا کی کامیاب و کامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
یبعث اللہ تعالیٰ معاویه یوم القیمة و علیه رداء من الایمان۔ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)۔''[6]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۲، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

[2] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، مجمع الزوائد ۵:۱۸۶، ۹:۳۵۵، مسند احمد ۴:۱۰۱، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوۃ ۶:۴۴۶)

[3] (المصنف، ابن ابی شیبہ ۱۱:۱۱۷، اسد الغابہ ۴:۳۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴:۱۰۸)

[4] (نسیم الریاض ۳:۱۲۶)

[5] (کنز العمال ۷:۸۷)

[6] (کنز العمال ۶:۱۹۰)

فرمایا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ! تمارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی : ''یارسول اللہ ﷺ! میرا پیٹ اور سینہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔'' یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے دعا کے طور پر فرمایا: **اللھمّ املأہ علمًا** ۔اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا :**زاد ابو مسھر و حلماً**۔ ابومسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی ۔یعنی اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے۔''[1]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ان ولیت فاحسن پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈے سے ملے ۔جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے ،اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کو ''سید کریم'' فرمایا کرتے تھے۔

ابن تیمیہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے :**من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیہ و اعظم النّاس تالیفًا لمن یعادیہ**۔[2] ''آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔''

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سیدمعاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی، چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے :**وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافتہ وھرب الیٰ معاویۃ و شھد صفین معہ**۔[3]

''عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔''

آپ رضی اللہ عنہ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔[4]

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[5]

آپ رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے :**اِنی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا**

---

[1] (تاریخ الاسلام ۳۱۹:۲، التاریخ الکبیر ۴:۱۸)

[2] (منہاج السنّۃ ۲۱۹:۲)

[3] (عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

[4] (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۳۰۴:۲، ۱۶۵، مروج الذہب ۴۱۰:۵)

[5] (ہسٹری آف دی عربز، پروفیسر ہٹی انگریزی)

بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔ ''میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔''[1]

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے :انی لا احول بین الناس و بین السنتھم مالم یحولوا بیننا و بین سلطاننا (ملکنا) ''میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔''[2]

آپ کی وسعتِ قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا :احلم امّتی معاویۃ۔ ''میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔''[3]

غرضیکہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[4]

فتح مکہ تک تو آپ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[5]

لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔[6]

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابِ وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔[7]

---

[1] (طبری ۶:۱۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳)

[2] (طبری ۵:۳۳۶، الکامل لابن الاثیر ۳:۲۶۳، تاریخ الاسلام والحضارۃ الاسلامیہ ۲:۱۴۷)

[3] (تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی ص ۵۵)

[4] (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ۸:۱۴۱، فتح الباری ۱۳:۵۳، مہیج الاحزان ۴۸، ناسخ التواریخ ج ۶ کتاب دوم ص ۷۹، بحار الانوار از ملا باقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۶۴ وغیرہم)

[5] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۷، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، جیوۃ الحیوان ۱:۱۰۴، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۴:۳۸۵)

[6] (الاستیعاب ۳:۳۷۷)

[7] (تقریب التہذیب ص ۳۵۷، کنز العمال ۲:۲۴۹، البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۸، آداب السلطانیہ للفخری ص ۱۴۵، النجوم الزاہرہ ۱:۱۵۴، الاستیعاب ۳:۳۲۵)

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے : کان (معاویۃ رضی اللہ عنہ) احد کتاب رسول اللہ ﷺ۔ ''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔[1]

آپ کا کاتب نبوی ﷺ ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے :

ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ ﷺ و کان معاویۃ کاتبہ فیما بینہ و بین العرب۔ ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط وکتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔''[2]

اگر چہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے،لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحی الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وحی الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے : کنت العب فدعانی رسول اللہ ﷺ فقال ادع لی معاویۃ و کان یکتب الوحی۔ ''میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ وحی لکھا کرتے تھے۔[3]

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے،فرماتے ہیں''ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں حضور ﷺ کے کاتبِ وحی تھے،چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ پیغام دیا کہ سرکار ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو تم سے کوئی کام ہے۔''[4]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے،بعض نے لکھا ہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔چنانچہ علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔''[5]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی کتابت کیا کرتے تھے،یعنی وحی کی بھی اور مراسلات وفرامین کی بھی۔[6]

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ : ''ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھوایا۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ، کیسے لکھوں؟ آپ ﷺ نے

---

[1] (ابن ابی الحدید ۱:۲۳۸)

[2] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)

[3] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)

[4] (مسند امام احمد ص ۳۳۵)

[5] (البدایہ والنہایہ ۸:۲۱)

[6] (مجمع الزوائد ۹:۳۵۷)

فرمایا : پہلے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی لکھا۔''[1]

تاریخ میں مختلف فَرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضرموت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دے دیں، حضور ﷺ نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال ومتاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[2]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحاب ِتاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبیلۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطاء فرمایا۔[3]

محدّثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب ِرسول ﷺ ہونے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نزدیک ان کے بااعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ: ''سرورِ کائنات ﷺ مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپ ﷺ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مکتوب آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا)۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا : سبحان اللہ! اذا جاء اللیل فاین النھار؟ سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ ﷺ نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ ''آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔'' آپ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے

---

[1] (الاصابہ ۳۹۳:۳)

[2] (تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۸۱:۵، الاصابہ ۵۹۲:۳، صحیح ابن حبان ۱۶۶ :۹/۱۰ تحت وائل بن حجر الکندی ص)

[3] (المستدرک حاکم ۵۱۷:۳، معجم البلدان ۳۰۷:۱۵)

سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[1]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم ﷺ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطور گواہ پیش کیا۔[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے، بلکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرما رہے ہیں۔[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید رحمہ اللہ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ ﷺ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ رضی اللہ عنہ ہی تحریر فرماتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

و کان کتابه الّذین یکتبون الوحی و الکتب و العهود علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و عمرو بن العاص بن امیّه و معاویة بن ابی سفیان و شرحبیل بن حسنة"

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتبین جو آپ ﷺ کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہم تھے۔"[4]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: **و کان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاه معاویة بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابته بین یدیه ﷺ فی الوحی و غیر ذٰلک لا عمل لهما غیر ذٰلک۔**

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔"[5]

---

[1] (مسند امام احمد ۴۴۱:۳، ۷۴:۴، البدایہ والنہایہ ۱۶:۵، مجمع الزوائد ۲۳۵:۸)

[2] (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۲۴۱:۳)

[3] (سیرت حلبیہ ۲۴۰:۳)

[4] (تاریخ یعقوبی ۸۰:۲)

[5] (جوامع السیرۃ ص ۲۷)

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔[1]

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ :یامحمد اقراء معاویۃ السلام و استوص بہ خیرًا فانہ امین اللہ علیٰ کتابہ و وحیہ و نعم الامین۔ ''اے محمد (ﷺ)! معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔''[2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا :استکتبہ فانہ امین۔ ''آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔''[3]

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصبت پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونیکے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کرسکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کرسکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔ کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ من الفھم۔ کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علو مرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[4]

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ رضی اللہ عنہ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے گھر آپ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا :''اللہ اللہ فی اصحابی۔۔الخ'' ''میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔'' یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتد بہ حصہ سے انکار لازم آتا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بدعقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہوجائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی علیہ السلام تھے

---

[1] (الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابہ ۳:۳۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زاد المعاد ۱:۳۰)

[2] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

[3] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

[4] (الحضارۃ الاسلامیہ ص ۶۶)

کاانکارکیااورساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا :''انہ لیس من اھلک۔۔الخ''یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔''حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تا کہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔تو ان صحابی رضی اللہ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔(سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت وحرمت کی تلقین آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی وگستاخی کی وجہ سے سید دو عالم ﷺ کی ناراضگی لازم آتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت وحرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النّبی ﷺ قال :ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیھا أھل بیتی، وانّ کرشی الأنصار۔فاعفوا عن مسیئھم واقبلوا من محسنھم۔رواہ التّرمذی وابن أبی شیبۃ۔وقال أبو عیسی :ھذا حدیث حسنٌ۔

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکو کاروں سے (اچھائی کو) قبول کرو۔''اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1]

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ :انّی تارکٌ فیکم خلیفتین :کتاب اللہ حبلٌ ممدود ما بین السّماء والأرض۔أو ما بین السّماء الی الأرض، وعترتی أھل بیتی، وانّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض۔رواہ أحمد۔

---

[1] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب :المناقب، باب :فی فضل الأنصار وقریش، ۵/۷۱۳، الرقم ۳۹۰۴ :وابن أبی شیبۃ فی المصنف، ۶/۳۹۹، الرقم ۳۲۳۵۷ :، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۳/۳۳۲، الرقم ۱۷۱۶ :، وابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲/۲۵۲)

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔''اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔[1]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال :افتتح رسول اللہ ﷺ مكّة ثم انصرف الى الطّائف فحاصرهم ثمانية أو سبعة، ثمّ أدخل غدوة أو روحة ثم نزل ثمّ هجر۔ ثم قال، أيّها النّاس، انّى لكم فرطٌ وانّى أوصيكم بعترتى خيرًا، وانّ موعدكم الحوض۔۔۔۔۔ الحديث۔رواه الحاكم، وقال :هذا حديث صحيحٌ۔

''حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہو گئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا :اے لوگو! بے شک میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہوگا۔۔۔الحدیث۔''اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

عن زيد بن أرقم رضى الله عنه قال :قال رسول اللہ ﷺ :أيّها النّاس، انّى تاركٌ فيكم أمرين لن تضلّوا ان اتّبعتموهما، وهما : كتاب الله، وأهل بيتى عترتى۔ ثمّ قال :أتعلمون أنّى أولى بالمؤمنين من أنفسهم ثلاث مرّاتٍ قالوا :نعم، فقال رسول الله ﷺ :من كنت مولاه فعلىّ مولاه۔رواه الحاكم وقال الحاكم :صحيح۔

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا : کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی :ہاں یارسول اللہ ﷺ! تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔''اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[3]

عن ابن عباس رضى الله عنه قال :لمّا نزلت هذه الآية :{قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} قالوا :يارسول الله، من قرابتك هؤلاء الّذين وجبت علينا مودّتهم؟ قال :علىّ وفاطمة وابناهما۔رواه الطّبرانى۔

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت :{قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا :یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا :علی،

---

[1] (أخرجه أحمد بن حنبل فى المسند، ۵/۱۸۱، الرقم ۲۱۶۱۸ :، والهيثمى فى مجمع الزوائد، ۹/۱۶۲)

[2] (أخرجه الحاكم فى المستدرك، ۲/۱۳۱، الرقم ۲۵۵۹ :)

[3] (أخرجه الحاكم فى المستدرك، ۳/۱۱۸، الرقم ۴۵۷۷ :)

فاطمہ،اوران کے دو بیٹے (حسن وحسین)۔''اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1]

عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ فی روایۃ طویلۃ :قال :قال النبی ﷺ :انظروا کیف تخلفونی فی الثقلین۔ فنادی مناد وما الثقلان یارسول اللہ ﷺ، قال :کتاب اللہ طرف بید اللہ وطرف بأیدیکم فاستمسکوا بہ لاتضلّوا، والآخر عترتی وانّ اللّطیف الخبیر نبّأنی أنّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض، سألت ربّی ذلک لھما، فلا تقدّموھما فتھلکوا، ولا تقصروا عنھما فتھلکوا، ولا تعلموھم فانّھم أعلم منکم ثمّ أخذ بید علیّ فقال :من کنت أولی بہ من نفسی فعلیّ ولیّہ اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ رواہ طبرانی۔

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔پس ایک نداء دینے والے نے ندادی یارسول اللہ ﷺ! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا : پس میں جس کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی رضی اللہ عنہ اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔''اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[2]

عن مصعب بن عبد الرّحمٰن بن عوف عن أبیہ قال :لمّا فتح رسول اللہ ﷺ مکّۃ انصرف الی الطّائف فحاصرھا سبع عشرۃ، أو تسع عشرۃ، ثمّ قام خطیبًا فحمد اللہ وأثنی علیہ۔ ثمّ قال :أوصیکم بعترتی خیراً، وأنّ موعدکم الحوض۔ والّذی نفسی بیدہ لتقیمنّ الصلاۃ ولتؤتنّ الزّکاۃ، أو لأبعثنّ الیکم رجلاً منی۔ أو کنفسی یضرب أعناقکم۔ ثمّ اخذ بید علیّ رضی اللہ عنہ فقال : بھذا۔ رواہ البزّار۔

''حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ ﷺ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا :میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانہ حوض کوثر ہو گا اور نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا :اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔''اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[3]

---

[1] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۷، الرقم ۲۶۴۱ :، والھیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

[2] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۵/۱۶۶، الرقم ۴۹۷۱ :)

[3] (أخرجہ البزار فی المسند، ۳/۲۵۸، ۲۵۹، الرقم ۱۰۵ :، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۳)

حضور نبی اکرم ﷺ کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

اہل بیت النبی (ﷺ) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ درحقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (ﷺ) سے مربوط ومنسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (ﷺ) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور واصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بالترتیب محبت ومودت کا موجب ذکر فرمایا ہے :

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم احبو اللہ تعالٰی لما یغفر کم بہ من نعمۃ و احبونی لحب اللہ تعالیٰ و احبوا اھل بیتی لحبی۔

''فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔''

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے :**قُل لَّآ اَسۡـلُکُمۡ عَلَیہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی**[1] ''فرمادو میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :**ویجوز ان یراد بالقربی اھل قرابتہ قیل یارسول من قرابتک ھٰؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی و فاطمہ و ابنای ای الحسن والحسین رضی اللہ عنھما۔** ''یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (ﷺ) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ عنہم۔

علماء کرام اور مفسرین عِظام نے ''آل'' کی وضاحت یوں فرمائی ہے :**عترۃ الرجل :أھل بیتہ، ورھطہ الأدنون ,ولاستعمالھم "العترۃ" علی أنحاء کثیرۃ۔** یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔[2] ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب ونسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں (اخوات) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح ومخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا :(**السلمان منا اھل البیت**) اور فرمایا (**اٰلِ محمد کل تقی**) اس اعتبار سے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔ اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ جیسا کہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے :

والحق وجوب محبۃ قرابتہ ﷺ من حیث انّھم قرابتہ ﷺ کیف کانوا و کلما کانت جھۃ القرابۃ اقوی کان طلب المودۃ

---

[1] (سورۃ الشوری : آیت ۲۳)

[2] (نہج الرشاد فی نظم الاعتقاد ج ۱ ص ۱۶)

اشد فمودۃ العلویین الفاطمیین الزم من محبۃ العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) و اٰثار تلک المودۃ التعظیم و الاحترام و القیام باداء الحقوق اتم قیام۔ ''اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات (ﷺ) سے ہوگی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہوگا۔لہذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک کی موڈت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہوگی۔اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم و احترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔

آپ (ﷺ) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے :أخرج ابو سعید عن النبی ﷺ انہ قال لا تصلوا علی الصلاۃ البتیراء قالوا و ما الصلاۃ البتیراء یا رسول اللہ قال تقولون اللھم صلی علی محمد و تسکتون بل قولوا اللھم صلی علی محمد و اٰل محمد[1] ''سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا نامکمل صلاۃ کیا ہے۔فرمایا یہ کہ تم کہتے اللھم صلی علی محمد اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو اللھم صلی علی محمد و اٰل محمد اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ وسلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہوگا۔ایک اور حدیث شریف قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض و عترتی اھل بیتی و لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۹) ''آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا : میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم نے اسے تھاما (یعنی اسے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے،اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کروگے۔

فائدہ :اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایا ہے :

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید و لی بالبلاغ ان لا یعذبھم۔ ''سرور کائنات (ﷺ) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت رضی اللہ عنہم سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔[2]

ایک اور حدیث میں فرمایا :سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانی ذلک۔ میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء بہ علی ان ذریتہ ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ :''بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا'' یعنی مرتے وقت ان کو ولائیت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کرلیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ

---

[1] (خزینۃ الاسرار ص ۱۸)

[2] (رسائل الستہ لابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ ص ۵)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں : **فنظر الیٰ الدلیل فراہ قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغہ عن شرفاء مکہ المشرفہ فنام فرای حضرت صاحب الرسالۃ (ﷺ) فی منامہ وھو معرض عنہ فقال اتستبعد ان یموت اھل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔**[1]

''امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میری اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی۔

آلِ بیت النبی ﷺ کی فضیلت میں کئی ایک آیات قران حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ. ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿ال عمران ۶۱﴾

''تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔''[2]

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب ﷺ سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دو عالم ﷺ نے حضرت حسین کو گود میں اور حضرت حسن کا دا ہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی ان کے پیچھے (رضی اللہ عنہم) آپ ﷺ نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس ومنوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہو گئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دو عالم نورِ مجسّم ﷺ نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا وابنائکم دعا رسول اللہ ﷺ علیًا و فاطمۃ وحسنًا و حسیناً، فقال اللھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی۔ رواہ مسلم۔ ''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت **فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿آل عمران ۶۱﴾** نازل ہوئی، تو آنحضور

---

[1] (رسائل ستہ ص ۶)

[2] (سورہ آل عمران آیت ۶۱)

ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور یہ فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے۔"[1]

صاحب تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایا ہے :لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللہ ﷺ۔[2]

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ :فعلم انھم المراد من الاٰیۃ وان اولاد فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنھا) وذریتھا یسمون ابنائہ ﷺ وینسبون الیہ نسبۃً صحیحۃً نافعۃً فی الدنیا والاخرۃ۔ "معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلا شبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ ﷺ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذات بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے۔ اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے :قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمد واھل بیتہ۔ اللھم صلّ وسلم علی محمد وآلہ۔[3]

عن علی رضی اللہ عنہ قال :الدعاء محجوب عن السماء حتی یتبع بالصلاۃ علی محمدٍ وآلہ۔ "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[4]

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال :کل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی یصلی علی محمد ﷺ وعلی آل محمد ﷺ۔ "حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[5]

خلاصہ : قرآن وسنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات وممکنات کا ہر ذرہ آنحضرت ﷺ کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصف دائمی ہے کہ دنیا ومافیہا آنجناب کے زیر نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو :قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا وانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔ "اللہ تعالیٰ نے دنیا ومافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرما دیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔"[6]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا

---

[1] (مشکوۃ شریف، ج ۲ ص ۵۶۸)

[2] (تفسیر مظہری، ج ۲ ص ۶۲)

[3] (الدیلمی)

[4] (عسقلانی، لسان المیزان، ۵۳:۴، رقم ۱۵۰:)

[5] (بیہقی، شعب الایمان، ۶۱۶:۲، رقم ۱۵۷۵ :)

[6] (الفتوحات الاحمدیہ ص ۲۷ بحوالہ الطبرانی)

ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گزاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں :فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھا فجاءتہ امرأۃ فی الطریق وقالت لہ انی من أل بیت النبی ﷺ وبی ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم یقول لہ تقبل اللہ تعالیٰ منک فتعجب من قولھم فرای النبی ﷺ فی نومہ وقال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ تعالیٰ منک قال نعم یا رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ تعالیٰ خلق ملکًا علی صورتک حج عنک وھو یحج عنک الی یوم القیامۃ باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من أل بیتی۔[1]

''مسامرہ (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آ کر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آ گیا جب اس شہر کے حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آ گئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرورِ کونین نور العین ﷺ نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ (سبحان اللہ)

قال ﷺ حرمت الجنۃ علی من ظلم اھل بیتی وأذانی فی عترتی ومن اصطنع صنیعۃ الیٰ احد من ولد عبد المطلب ولم یجازہ فانا اجازیہ علیھا غدًا اذا لقینی یوم القیامۃ۔[2] ''آنجناب ﷺ نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہوگی۔''

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنھما قال :قال رسول اللہ ﷺ :أحبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ، وأحبونی بحبّ اللہ عزوجل۔ وأحبّوا أھل بیتی لحبّی۔ رواہ الترمذی والحاکم۔ وقال أبو عیسی :ھذا حدیث حسن۔

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔'' اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[3]

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ عنھما قال :کُنّا نلقی النّفر من قریش وھم یتحدّثون فیقطعون حدیثھم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أھل بیتی قطعوا حدیثھم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان

---

[1] (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)

[2] (روح البیان)

[3] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب :المناقب، باب :مناقب أھل البیت النبی ﷺ ۵/۶۶۴، الرقم :۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۲، الرقم :۴۷۱۶، والبیھقی فی شعب الایمان، ۱/۳۶۶، الرقم :۴۰۸)

حتّی یحبّهم الله و لقرابتهم منّی۔ رواه ابن ماجه و الحاکم۔ ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا : لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میرے قرب کی وجہ سے محبت نہ کرے۔'' اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[1]

عن العباس بن عبد المطلب رضی الله عنهما قال : قلت : یا رسول الله، انّ قریشًا اذا لقی بعضهم بعضا لقوهم ببشرٍ حسنٍ، و اذا لقونا لقونا بوجوه لا نعرفها۔ قال : فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شدیدًا و قال : و الّذی نفسی بیده لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبّکم الله و لرسولهم و لقرابتی۔ رواه أحمد و النّسائی و الحاکم و البزّار۔ و فی روایة : قال : و الله، لا یدخل قلب امریئٍ ایمانٌ حتّی یحبّکم الله و لقرابتی۔

''حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آ گئے اور فرمایا : اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔'' اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا : خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[2]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی الله عنه قال : سمعت النبی ﷺ یقول علی هذا المنبر : ما بال رجالٍ یقولون : انّ رحم رسول الله ﷺ لا تنفع قومه یوم القیامة، بلی و الله، انّ رحمی موصولة فی الدّنیا و الآخرة۔ و أنّی أیّها النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ : یا رسول الله أنا فلانٌ بن فلانٍ و قال : یتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ و قال لهم : أمّا النّسب فقد عرّفته و لکنّکم أحدثتم بعدی و أرتددتم القهقریّ۔ رواه احمد و الحاکم۔ ''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا یا رسول اللہ ﷺ! میں فلان بن فلان ہوں پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : اس کا

---

[1] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب : فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۱/۵۰، الرقم ۱۴۰ :، والحاکم فی المستدرک، ۴/۸۵، الرقم ۶۹۶۰ :، والمقدسی فی الأحادیث المختارة، ۸/۳۸۲، الرقم ۴۷۲ :، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۱۱۳، الرقم ۶۳۵۰ :، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۱۳، الرقم ۱۴۰ :)

[2] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۱/۲۰۷ الرقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۳/۳۷۶، الرقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰، والنسائی فی السنن الکبری، ۵/۵۱ الرقم: ۸۱۷۶، والبزار فی المسند، ۶/۱۳۱، الرقم: ۲۱۷۵، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۸، الرقم: ۱۵۰۱، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۶۱، الرقم: ۷۰۳۷)

فلان بن فلان کہنا پایۂ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرادی ہے لیکن تم میرے بعد احداث کرو گے اور الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔''اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[1]

عن أبی هریرة رضی الله عنه :قال :قال رسول الله ﷺ خیر کم، خیر کم لأهلی من بعدی۔ رواه الحاکم و أبو یعلی۔ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل کے لئے بہترین ہے۔'' اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[2]

عن عبد الرحمٰن بن أبی لیلی عن أبیه قال :قال رسول الله ﷺ :لا یؤمن عبدٌ حتی أکون أحبّ الیه من نفسه و أهلی أحبّ من أهله و عترتی أحبّ الیه من عترته و ذاتی أحبّ الیه من ذاته۔ رواه الطبرانی و البیهقی۔

''حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔'' اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[3]

عن الحسن بن علی :أنّ رسول الله ﷺ قال :الزموا مودّتنا أهل البیت، فانّه من لقی الله عز و جل و هو یودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، و الّذی نفسی بیده :لا ینفع عبد عمله الّا بمعرفة حقنا۔ رواه الطبرانی۔

''حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو اس حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہوگا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔''اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[4]

عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال :کانت لآل رسول الله ﷺ خادمة تخدمهم یقال لها :بریرة فلقیها رجلٌ فقال :یا بریرة، غطی شعیفاتک، فانّ محمّدًا لن یغنی عنک من الله شیئاً قال :فأخبرت النّبیّ ﷺ :فخرج یجرّ رداءه محمّرة وجنتاه، و کنا معشر الأنصار نعرف غضبه بجر ردائه و حمرة وجنتیه۔ فاخذنا السلاح ثم أتیناه فقلنا :یا رسول الله مرنا بما شئت فو الّذی بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمهاتنا و آبائنا و أولادنا، لأمضینا قولک فیهم، فصعد ﷺ المنبر فحمد الله عز و جل و أثنی علیه۔ و قال :من أنا؟ فقلنا :أنت رسول الله۔ قال :نعم، و لکن من أنا؟ فقلنا :محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشمٍ بن عبد منافٍ۔ قال :أنا سید ولد آدم و لا فخر، و اوّل من تنشقّ عن الأرض و لا فخر، و اوّل من ینفض التّراب عن رأسه و لا فخر، و أوّل

---

[1] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم :۱۱۱۵۴، و الحاکم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم :۶۹۵۸، و أبو یعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم :۱۲۳۸، و الهیثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

[2] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳/۳۵۲، الرقم ۵۳۵۹ :، و أبو یعلی فی المسند، ۱۰/۳۳۰، الرقم ۵۹۲۴ :، و ابن أبی عاصم فی السنة، ۲/۶۱۶، الرقم ۱۴۱۴ :، و الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۷۰، الرقم ۲۸۵۱ :، و الخطیب فی تاریخ بغداد، ۷/۲۷۶، الرقم ۳۷۶۵ :، و المناوی فی فیض القدیر، ۳/۴۹۷، و الهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۷۴)

[3] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۷/۷۵، الرقم ۶۴۱۶ :، و فی المعجم الأوسط، ۶/۵۹، الرقم ۵۷۹۰ :، و البیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۹، الرقم ۱۵۰۵ :، و الدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۱۵۴، الرقم ۷۷۹۵ :، و الهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱/۸۸)

[4] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ۳۶۰/۲، الرقم :۲۲۳۰، و الهیثمی فی مجمع الزوائد ۱۷۲/۹)

داخل الجنّة و لا فخر، ما بال أقوامٍ یزعمون أنّ رحمی لا ینفع۔ لیس کما زعموا انّی لأشفع و أشفّع، حتی أنّ من أشفَعُ له لَیشفَعُ فَیشَفَّعُ، حتّی انّ ابلیس لیتطاول طمعًا فی الشّفاعة۔

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول ﷺ کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے ''بریرہ'' کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا : اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کر رکھا کر بے شک محمد ﷺ تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ ﷺ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے درآنحالیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور ﷺ کے غصے کو آپ ﷺ کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آگئے اور عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ ! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں ہماری ماؤں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ ﷺ کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالی کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا : میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا : آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا : ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا : میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں ۔بے شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ یقیناً دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔''اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1]

تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا : خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت وعترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[2]

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبوب نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے ۔اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[3]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : و اللہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ و لقرابتھم منی۔ ''خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہوتا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔''[4]

امام الانبیاء تاج دارِ مدینہ ﷺ کو اپنی صاحبزادی والاشان رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ

---

[1] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۵/۲۰۳، الرقم ۵۰۸۲ : ،والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۳۷۶)

[2] (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۵)

[3] (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

[4] (الصواعق المحرقہ ص ۲۳۰)

نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا : میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت و محبت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا : مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[1]

عن أبی رافعٍ رضی اللہ عنہ :أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ عنہ :أنت و شیعتک تردون علیّ الحوض رواء مروّیین، مبیّضة وجوھکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظمأیً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔ ''حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اے علی رضی اللہ عنہ! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بدنما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔'' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[2]

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبداللہ قال :قال رسول اللہ ﷺ :انّما سمّیت بنتی فاطمة لأنّ اللہ عز و جل فطمھا و فطم محبّیھا عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔'' اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[3]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسم مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔ چنانچہ لفظِ فاطمہ تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے :**و فاطمة کما قال ابن درید مشتقة من الفطم و ھو قطع سمیت بذالک لان اللہ تعالیٰ فطمھا عن النار۔**

''اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابن درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیٰحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیٰحدہ کر دیا ہے۔[4]

و اخرج الدیلمی مرفوعا انھا سمیت فاطمة لان فطمھا و محبّیھا عن النّار۔ ''اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے۔[5]

ان فاطمة قد احصنت فرجھا فحرّمھا اللہ و ذرّیتھا علی النّار۔ ''بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔[6]

---

[1] (جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲/۳۶۰، الرقم ۲۲۳۰ :، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

[2] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/۳۱۹، الرقم ۹۴۸ :، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

[3] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم ۱۳۸۵ :، والخطیب فی تاریخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوی فی فیض القدیر، ۳/۴۳۲)

[4] (اسعاف الراغبین حاشیہ نور الابصار ص ۸۰، شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰)

[5] (صواعق محرقہ ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

[6] (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲، الامن والعلیٰ ص ۲۳۸، اشرف الموبد ص ۴۴، مراۃ شرح مشکوۃ ۴۵۲)

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔ چند ایک روایات مزید ملاحظہ فرمائیں۔

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ﴿الضحیٰ ۵﴾ (اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے :عن ابن عباس قال رضا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔ ''کہ سرکارِ دو عالم اکی رضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے۔[1]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔

عن عمران بن حسین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح ولم یخرجاہ)۔[2]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہو جائیں گے مگر ہمارا سبب ونسب منقطع نہیں ہوگا۔ چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے :

قال رسول اللہ ﷺ کل سببٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔[3]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ، عن النّبی ﷺ قال :حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :اہل بیتِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔'' اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[4]

قال علیہ الصلوۃ و السلام :''الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شھیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا و نکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجھا و فتح لہ فی قبر باب الجنۃ جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ رحمۃ۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔ ''اے مسلمانو : آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبّ آلِ محمد ﷺ میں مرا ملکُ الموت اور

---

[1] (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۱۴۸۲ اشرف الموبد ص ۴۴)

[2] (المستدرک ۱۵۰/۳، اشرف الموبد ۴۴)

[3] (المستدرک ۱۶۴/۳، خصائص کبریٰ ۲۲۵/۲ جامع الصغیر ۹۳/۲ اشرف الموجد ص ۱۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۴۸۲/۸)

[4] (اَخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۱۴۲/۲، الرقم ۲۷۲۱ :)

منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ سنت و جماعت پر مرا۔"[1]

عن علیّ بن حسین :أنّه ﷺ قال :یا علیّ انّ اللہ قد غفر لک ولذرّیتک ولولدک ولأھلک، ولشیعتک ولمحبّی شیعتک فابشر۔رواہ الدّیلمی۔ "حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :اے علی رضی اللہ عنہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو۔"[2]

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

واخرج ابن عدی والبیھقی فی شعب الایمان عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فھو الاحدی ثلاثٍ :أمامنافق، وأمالزِنیةٍ، وأما امرؤٌ حملت بہ اُمّہ لغیر طھر۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے :یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[3]

حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا :**لا یحبنا اھل البیت الا مؤمن تقی ولا یبغضنا الا منافق و شقی۔** "ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بدبخت ہے۔"[4]

ایک اور مقام پر سرتاج الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا :**من بغض اھل البیت فھو منافق۔** "جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔"[5]

امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا :**حرمت الجنة علی من ظلم اھل بیتی واذانی فی عترتی۔** "جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کی وجہ سے مجھے ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے۔"[6]

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا :**الا ومن مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیامة کتب بین عینیہ آئس من رحمة اللہ۔** "جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے۔"[7]

---

[1] (تفسیر کبیر ۷/۳۹۰، تفسیر ابن عربی ۲/۲۱۲، تفسیر روح البیان ۷/۴۰۷، تفسیر کشاف ۴/۳۳۹، اشرف المواید ۱۵۷، نزہۃ المجالس ۲/۲۲۲)

[2] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۳۲۹، الرقم ۸۳۳۷ :)

[3] (أخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، ۲/۲۳۲، الرقم ۱۶۱۴ :، الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/۶۲۶، الرقم ۵۹۵۵ :، والذہبی فی میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳/۱۴۸)

[4] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[5] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[6] (تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[7] (کشاف ۴/۳۹۹، روح البیان ۷/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزہۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔ آل محمد ﷺ سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[1]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفی علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد ﷺ سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابل ترمیم ہے۔ اب آپ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دفعہ تاجدار دو عالم امام الانبیاء ﷺ نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا: **من احبهما فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی**، جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[2]

حضور سید المرسلین ﷺ اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کو فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[3]

کائنات کی سلامتی آلِ نبی ﷺ ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دو عالم سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[4]

عن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّجوم أمان لأهل السّماء۔ فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السّماء۔ و أهل بیتی أمانٌ لأهل الأرض۔ فاذا ذهب أهل بیتی ذهب أهل الأرض۔ رواه الدیلمی۔ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔''اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[5]

---

[1] (تفسیر کبیر ۳۹۰؛۷، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزہۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[2] (البدایہ والنہایہ ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقہ علیہ)

[3] (خصائص الکبریٰ ۲/۱۲۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

[4] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۵، الرقم ۲۶۳۷ :، ۱۲/۳۴، الرقم ۲۳۸۸ :، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفی المعجم الاوسط، ۴/۱۰، الرقم ۳۴۷۸ :، ۵/۳۵۵، الرقم ۵۵۳۶ :، ۶/۸۵، الرقم ۵۸۷۰ :، فی المعجم الصغیر، ۱/۲۴۰، الرقم ۳۹۱ :، ۲/۸۴، الرقم ۸۲۵ :، والحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم ۴۷۲۰ :، والبزار فی المسند، ۹/۳۴۳، الرقم ۳۹۰۰ :، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۲۳۸، الرقم ۹۱۶ :، والقضاعی فی مسند الشہاب، ۲/۲۷۳، الحدیث ۱۳۴۳، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۸، صواعق محرقہ ص ۱۵۳، اشرف المؤبد ص ۱۵۲،)

[5] (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۱۱، الرقم ۶۹۱۳ :، مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ''بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا'' سو عرض کیا گیا : ''یارسول اللہ ﷺ! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا : ''اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔'' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن أنسٍ رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ :وعدنی ربّی فی أھل بیتی من أقرّ منھم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبھم۔ رواہ الحاکم وقال :ھذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی میری توحید کا اقرار کرے گا اسے یہ بات پہنچا دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔'' اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :**یا اھل بیت رسول اللہ حبّکم فرض من اللہ فی قرآن انزلہ۔** اے اہل بیت رسول ﷺ آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انّکم　　من لم یصلّ علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت آپ کی عظمت و شان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

رافضی اور ناصبی

اذا　نحن　فضّلنا　علیًا　فَإنّنا

روافض　باالتفضیل　عند　ذی　الجھل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

وفضل　ابی　بکرٍ　اذا　ما　ذکرتہ

رمیت　بنصبٍ　عند　ذکری　للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالو　الرفضت　قلت　کلا

ما　الرفض　دینی　ولا　اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

لکن　تولّیت　غیر　شکٍّ

خیر　امامٍ　و　خیر　ھادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

---

[1] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم ۴۷۱۸ :، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۸۲، الرقم ۷۱۱۲ :)

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد
فلیشهد الثّقلان انّی رافض

اگر آلِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ''اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت ونجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

وانا تارک فیکم الثقلین اوّلهما کتاب الله فیه النّور والهدیٰ فخذوا بکتاب الله واستمسکوا به۔ وقال واهل بیتی اذکر الله فی اهل بیتی وقال ثلاثاً۔

(یعنی) میں تم میں دو بیمثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں، اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔''

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو: **حبّ نبیکم وحبّ اهل بیته وقرأة قرآن۔**

اپنے نبی ﷺ کی محبت، اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت۔'' اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول ﷺ وحب اہل بیت رضی اللہ عنہم وحب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

اہل بیت مصطفیٰ ﷺ

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ اَهلَ الْبَیتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیرًا۔[1]

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایا ہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔ اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔ علماء ومفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ عنکم اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد واذکرما

---

[1] ﴿الاحزاب ۳۳﴾

یتلیٰ فی بیوتکن ہے۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں : فالأولیٰ ان یقال ھم اولادہ وازواجہ والحسن والحسین منھم وعلی منھم لانہ کان من اھل بیتہ بسبب معاشرہ بنت النبی ﷺ وملازمتہ النبی ﷺ۔ ''اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی ﷺ کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کی شہزادی سیدہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اس نسبت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اھل بیت سکنہ وھنّ ازواجہ واھل بیت نسبہ وھنّ ذریّۃ۔ ''آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہل نسب جو آپ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔ اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں :

''بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، و بیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبدالمطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب و ازواج مطہرات آن حضرت ﷺ اہل بیت سکنی اند و اولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند'' یعنی اہل بیت تین ہیں۔ (۱) بیت نسب، (۲) بیت سکنی، (۳) بیت ولادت، پس حضرت عبدالمطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی ﷺ کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آں حضرت علیہ السلام کی اہلبیت ولادت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے ساتھ خصوصی محبت و پیار ہے اس لئے ان کی فضیلت و بزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی ﷺ یقینا شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی از روئے قرآن

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیسِرُ وَ الاَنصَابُ وَ الاَزْلَامُ رِجسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیطٰنِ[1] ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔''

یہاں آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور فال کے تیروں کو ''رجس'' فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا اَن یَکُونَ مَیتَۃً اَوْ دَمًا مَسفُوحًا اَوْ لَحمَ خِنزِیرٍ فَاِنَّہٗ رِجسٌ اَوْ فِسقًا اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ[2]

''مگر یہ کہ مردار ہو یا لہو کا بہتا خون یا خنزیر کا گوشت ہو، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔''

وَ اُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیکُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴿الحج ۳۰﴾ ''اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔''[3]

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

---

[1] ﴿المائدۃ ۹۰﴾ (سورۃ مائدہ ۹۰ : پ ۷ ع ۲)

[2] ﴿الانعام ۱۴۵﴾ (سورۃ الانعام ۱۴۵: پ ۸ ع ۵)

[3] (سورۃ الحج ۳۰: پ ۱۷، ع ۱۱)

وَ اَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا ﴿یونس ۱۲۵﴾ ''اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی''

فَاَعْرِضُوا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴿توبة ۹۵﴾

''تو تم ان کا خیال چھوڑو وہ تو نرے پلید ہیں۔''

ان تین آیات میں منافقین کے نفاق، بے ایمانی اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِینَ لَا یَعْقِلُونَ ﴿یونس ۱۰۰﴾ ''اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔''

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیکُم مِّن رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ﴿الاعراف ۷۱﴾

''کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔''

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی و بے ایمانی اور عذابِ خداندی وغیرہم پر ''رِجس'' کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِیُذْهِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ اَهلَ الْبَیتِ ﴿الاحزاب ۳۳﴾ اے نبی ﷺ کے اہل بیت کرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھرانے کا اہل بیت اور اہل کساء ہونے کا بیان

عن صفیّة بنت شیبة قالت :قالت عائشة رضی الله عنها :خرج النّبی ﷺ غداةً وعلیه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن علی رضی الله عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسین رضی الله عنه فدخل معه، ثمّ جآءت فاطمة رضی الله عنها فأدخلاها، ثمّ جاء علیّ رضی الله عنه فأدخله، ثمّ قال :انّما یرید الله لیذهب عنکم الرّجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیرا۔ رواه مسلم۔

''حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی :''اے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک و صاف کر دے۔'' اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[1]

عن عمر بن أبی سلمة ربیب النبی ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآیة علی النبی ﷺ :{اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا} فی بیت اُمّ سلمة، فدعا فاطمة وحسنًا وحسینًا رضی الله عنهم فجلّلهم بکساء وعلیّ رضی الله عنه خلف ظهره فجلّله بکساء، ثمّ قال: اللهمّ هؤلاءِ أهلُ بیتی، فأذهب عنهم الرّجس وطهّرهم تطهیرًا۔ رواه التّرمذی وأحمد۔''

---

[1] (أخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب :فضائل الصحابة، باب :فضائل أهل بیت النبی، ۴/۱۸۸۳، الرقم ۲۴۲۴ :، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۷۰، الرقم ۳۲۰۱۲ :، وأحمد بن حنبل فی فضائل الصحابة، ۲/۶۷۲، الرقم ۱۱۴۹ :، وابن راهویه فی المسند، ۳/۶۷۸، الرقم ۱۲۷۱ :، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۹، الرقم ۴۷۰۷ :، والبیهقی فی السنن الکبریٰ، ۲/۱۳۹، والطبرانی فی جامع البیان، ۲۲/۶، ۷)

پر وُرد ہ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرمادے اور تم کو خوب پاک وصاف فرمادے۔۔۔نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا :الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک وصاف کر دے۔''اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[1]

سادات کرام رضی اللہ عنہم کی جو تعظیم وتکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔قلم کی ہر گز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل واکرام کا احاطہ کر سکے۔ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول ﷺ کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم وتکریم اولادِ مصطفی ﷺ سمجھ کر کریں، اور ہر گز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

ہم نے اشرف المؤبدو دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں اور اسے بتایا کہ میں سید زادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔وہ شہزادی بتول رضی اللہ عنہا پریشانی کے عالم میں واپس آگئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم وتکریم سے ضرورت پوری کر دی۔رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرمادیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں، اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ملعون ومردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔کراچی میں بھی ایسے پیران عظام ہیں جو کہ اپنا نسب بدلتے ہیں اور اپنے آپ کو سید شاہ جی کہلاتے ہیں اور مدرسہ بناتے ہیں اور اسے بھی شاجیہ مدرسہ لکھواتے ہیں وہ خود تو مردود وملعون ہیں اگر کسی کو ان کے نسب بدلنے کا پتہ ہو اور پھر بھی ان کو سید پکارے تو وہ بھی گناہگار ہیں کیونکہ پنجاب اور سندھ میں لوگ شاہ جی کو سید کہتے ہیں ہمارے صوبہ خیبر پختون خواہ سید کو بادشاہ صاحب اور میاں صاحب پکارتے ہیں اور افغانستان میں آغا صاحب پکارتے ہیں۔

حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرے، کسی کو بھی اُس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، غیر سیّد اپنے آپ کو سیّد نہ بتائے اور غیر سادات کو سادات نہ کہا جائے، اس ممانعت پر قرآن کریم اور حدیث شریف وارد ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم

اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی اولاد بتانے کا عام رواج تھا اور لوگ بھی لے پالک کو پالنے والے کا بیٹا کہتے

---

[1] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب : تفسیر القرآن باب : ومن سورة الأحزاب، ۵/۳۵۱، ۶۶۳، الرقم ۳۲۰۵ :، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۶/۲۹۲، وفی فضائل الصحابة، ۲/۵۸۷، الرقم: ۹۹۴، والحاکم فی المستدرک، ۲/۴۵۱، الرقم ۳۵۵۸ :، ۳/۱۵۸، الرقم ۴۷۰۵ :، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۵۲، الرقم ۲۶۶۲ :)

تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو پالنے والے کا بیٹا بتاتے تھے اور ابتداء اسلام میں یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

چنانچہ علامہ ابوالحسن علی بن حلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

ان أهل الجاهلية كانوا لا يستنكرون ذلک أن يتبنّى الرّجل منهم غير ابنه الذى خرج من صلبه فنسب اليه، ولم يزل ذلک أيضاً فى أوّل الاسلام۔

یعنی بے شک اہل جاہلیت اسے معیوب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے صُلبی بیٹے کے علاوہ کسی اور کو اپنا متبنی (لے پالک) بنالیں اور اُسے اپنی طرف منسوب کریں اور یہ امر اوّل اسلام میں بھی جاری رہا۔[1]

پھر اس سے منع کر دیا گیا، چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: قد كانوا يفعلونه فنهى عنه۔ یعنی لوگ ایسا کرتے تھے پھر اس سے روک دیا گیا۔[2]

اور ممانعت کے لئے قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوا، اس کی ابتداء یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (الأحزاب:۳۳/۴)

ترجمہ: اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ (کنزالایمان)

شانِ نزول

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ {وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ} أجمع أهل التفسير على أن هذا نزل فى زيد بن حارثة، وروى الأئمة أن ابن عمر قال: ما كنا ندعو ازيد بن حارثة الا زيد بن محمد حتى نزلت {اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِندَ اللّٰهِ}

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا''۔ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اور ائمہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پکارتے تھے مگر زید بن محمد'' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (جس میں حکم ہوا کہ) ''انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو (جن سے وہ پیدا ہوئے) یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ} کے بارے میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمالات ہیں چنانچہ امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں کہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا'' دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے، اُن میں سے ایک یہ کہ تمہارے لے پالکوں کو آباء کی طرف نسب کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا اور وہ جو کچھ واقعات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اس کی اولاد کے ساتھ اس کا وارث بنتا اور یہی وہ شیء ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (تو مطلب ہوگا کہ) جسے تم زمانہ جاہلیت میں مدد و نصرت کے لئے اپنا بیٹا بناتے ہو انہیں اسلام میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ اور دوسری

---

[1] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب ''من ادعی الی غیر أبیہ وھو یعلم الخ''، ۸:۳۸۳)

[2] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶:۳۹۶، مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، برقم ۳۳۱۵ :، ۶: ۴۳۶)

[3] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ ۴ :، ۱۴/۱۱۸/۷)

وجہ یہ ہے کہ تمہارے لے پالکوں کو نسبیت کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے۔[1] اور لے پالکوں کو اپنا بیٹا کہنا، یہ لوگوں کی اپنائی ہوئی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنانے سے وہ بیٹا بن جاتا، کسی کا نسب بدل دینے یا بدل لینے سے اس کا نسب نہیں بدل جاتا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِاَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب، ۳۳:۴)

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: قولہ تعالیٰ :{ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ} {بِاَفْوَاهِكُمْ}تأكيد ببطلان القول، أى أنه قول لا حقيقة له فى الوجود، انما هو قول لسانىٌ فقط۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ''یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے'' میں ''بِأَفْوَاهِكُمْ'' (تمہارے منہ) لوگوں کے قول کے بُطلان کی تاکید ہے (کہ تمہارا کسی اور کے بیٹے کو بیٹا بنانا باطل ہے) یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ فقط زبانی قول ہے۔[2]

اور حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ اللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيلَ ﴿الاحزاب ۴﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ (کنزالایمان)

پھر صریح حکم ہوا کہ اب تم انہیں ان کے نسبی باپوں کی طرف منسوب کر دو۔

چنانچہ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ :فأمر تعالىٰ بدعاء الأدعياء الى آبائهم للصّلب۔ یعنی پس اللہ تعالیٰ نے لے پالکوں کو ان کے صُلبی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارنے کا حکم فرمایا۔[3]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِندَ اللّٰهِ (الأحزاب ۵/۳۳)

ترجمہ: انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو۔

اس آیہ کریمہ میں ''اَقْسَطُ'' کا معنیٰ ''اَعْدَلُ'' ہے یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات، تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی آدمی کا اپنے آپ کو اپنے نسبی باپ کی طرف منسوب کرنا، باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل و انصاف والی بات ہے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا بھی انصاف والی بات ہے اور زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو نسبی باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ اپنے آپ کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے، گناہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیہ کریمہ میں اسم تفضیل ''اقسط'' مجازاً صفت مشبّہ کے معنیٰ میں ہے اور یہاں زیادتی مراد نہ ہوگی بلکہ مراد صرف عادلانہ فیصلہ اور انصاف کی بات ہے۔

اس آیت میں اپنے نسب کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس بات پر سختی فرمائی گئی کہ کوئی شخص دانستہ اپنے کو کسی غیر کا بیٹا نہ کہے اور نہ اپنا نسب کسی غیر

---

[1] (تأويلات أهل السّنة، سورة الأحزاب، الآية :۴، ۴/۱۰۰)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ الاحزاب، الآیۃ ۵ :۱۲۱/۱۴/۷)

[3] (تفسیر القرطبی، سورۃ الاحزاب، الآیۃ ۵ :۱۲۱/۱۴/۷)

کے ساتھ جوڑے۔

ناسخ ومنسوخ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی جائیداد میں وارث قرار دینے کا عام رواج تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عمل اسی پر جاری تھا کہ جب تک اسلام میں اس سے کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی اس پر عمل کی اجازت تھی پھر قرآن کریم میں اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا گیا چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں : دلیل علی أن التبنّی کان معمولاً بہ فی الجاھلیّۃ والاسلام، یتوارث بہ ویتناصر، الی أن نسخ اللہ ذلک بقولہ :{اُدْعُوھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِندَ اللہِ} أی أعدل، فرفع اللہ حکم التبنّی، ومنع من اطلاق لفظہ، وأرشد بقولہ الی أن الأولیٰ والأعدل أن ینسب الرّجل الی أبیہ نسباً۔ یعنی، اس پر دلیل کہ متبنّٰی (یعنی لے پالک بنانے) کا جاہلیت اور اسلام میں معمول تھا اور اُس کو وارث قرار دیا جاتا اور ان سے مدد حاصل کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس فرمان سے منسوخ فرمادیا کہ ''انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے (تو یہ نسخ اس پر دلیل ہے کہ زمانہ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں اس کا معمول تھا اور ''اَقْسَطُ'' بمعنی ''اَعْدَلُ'' کے ہے پس اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم اُٹھالیا اور اُسکے لفظ کے اطلاق سے منع فرمادیا اور اپنے فرمان سے ہمیں راہ یہ دکھائی کہ اَولیٰ اور اَعدل یہ ہے کہ مرد کو اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔[1]

اور اگر غلطی سے بلا ارادہ کہہ دیا جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

وَ لَیسَ عَلَیکُمْ جُنَاحٌ فِیمَا اَخْطَاتُم بِہٖ (الاحزاب :۵/۳۳)

ترجمہ: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہو جائے۔ (کنزالایمان)

جیسے کوئی کسی بزرگ یا استاد یا اپنے مرشد کو تعظیم کے طور پر باپ کہہ دے اور اس سے اس کی مراد یہ نہ ہو کہ وہ اس کے نسب سے ہے اسی طرح کوئی بڑا کسی بچے کو از راہِ شفقت بیٹا کہے یا کوئی استاد اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو شفقت کے طور پر بیٹا کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

گناہ تو اس صورت میں ہے جب کسی کو جانتے ہوئے اپنا نسبی باپ سمجھ کر باپ بتائے جیسے لوگ اپنا نسب بدل لیتے ہیں۔ غیر سادات، سادات کہلواتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ سادات سے نہیں ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نسب بدلنا حرام ہے، اور اسی طرح کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہے اُسے اپنا صُلبی بیٹا کہے یا بتائے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے :وَ لٰکِن مَّاتَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ (الأحزاب :۵/۳۳)

ترجمہ: ہاں وہ گناہ ہے جو (ممانعت کے بعد) دل کے قصد سے کرو۔ (کنزالایمان)

پھر اہل بیت کی طرف نسبت کا جرم غیر اہلبیت کی طرف نسبت کے جرم سے بڑا ہے چنانچہ امام قرطبی نے لکھا کہ حضرت مقداد بن اسود جو عمرو کے بیٹے تھے، اسود نے انہیں اپنا متبنّٰی (یعنی لے پالک) بنایا تھا اور وہ ان ہی کے نام سے معروف تھے، جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابن عمرو ہوں لیکن لوگوں میں ابن اسود کے نام سے ہی معروف رہے اور کسی نے بھی انہیں مقداد بن اسود کہنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب تھے اور اسی کے ساتھ مشہور تھے اور یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حال کے برخلاف ہے کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ انہیں زید بن محمد کہا جائے، اگر کسی نے قصداً اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ کے

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ ۵ : ۱۴/۱۱۹، ۷/۱۱۹)

فرمان :وَلٰكِنْ مَاتَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔[1]

تو معلوم ہوا کہ غیر سادات اقوام میں سے کوئی شخص کسی دوسری قوم کے ساتھ اپنا نسب جوڑے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو وہ ضرور مجرم ہے لیکن اس سے بڑا مجرم وہ ہے جو غیر سید ہو کر سادات کرام کے ساتھ اپنا نسب جوڑتا ہے۔

حدیث شریف

نسب بدلنے یعنی اپنے آباء کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی ممانعت میں احادیث مبارکہ میں شدید وعید آئی ہے۔اور ان احادیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن الجعد اور نور الدین ہیثمی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہم نے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت معاذ بن انس اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔اب ان احادیث مبارکہ کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے اور اُن احادیث پر شارحین حدیث کا کلام، کلماتِ حدیث کی تشریح، قابل تاویل کلمات کی نشاندہی، ان میں تاویلات و احتمالات اور ان سے مستفاد احکام، مستند و معتمد ائمہ و علماء کے حوالے سے بیان کئے جائیں گے۔

نسب بدلنے والے پر جنت حرام ہے

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۶ھ نے روایت کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم انّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔ یعنی جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔[2]

امام ابو داؤد سلمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان کہتے ہیں :حدّثنی سعد بن مالکٍ، قال سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد علیه الصلاة والسلام انّه قال :من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔قال :فلقیت أبابکرة فذکرت له، فقال :سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد ﷺ۔

یعنی حدیث بیان کی مجھے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد مصطفی ﷺ سے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔ فرمایا پھر میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[3]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ ابو عثمان راوی کہتے ہیں کہ :فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ، فَقَالَ :وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی پس میں نے اس کا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا :اسے رسول اللہ ﷺ سے میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ ۴ :، ۱۴/۱۲۰، ۷)

[2] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب :من ادعی الی غیر ابیہ، برقم ۶۸۶۶)

[3] (سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ، برقم ۵۱۱۳، ۵/۲۱۲)

رکھا۔[1]

''وھو یعلم'' ''اور وہ اسے جانتا ہے'' کا معنیٰ

حضور ﷺ کے ارشاد مبارک میں ''وھو یعلم'' کی قید مذکور ہے۔علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ شخص گناہگار تب قرار پائے گا جب اُسے علم ہو کہ جس کی طرف وہ اپنی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے یا جس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا منسوب کیا جاتا ہے وہ اس قوم سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے گزرا اور اس کے بارے میں علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ :

''وھو'' أی والحال أن ذلک الرّجل المنتسب لغیر أبیه ''یعلمه'' أی یعلم أن ذلک الغیر لیس أباه ووالده۔ یعنی اور وہ اسے جانتا ہے یعنی حال یہ ہے کہ بے شک وہ شخص جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا گیا، اسے جانتا ہے کہ وہ غیر اس کا باپ نہیں ہے۔[2]

اور دوسری جگہ لکھا کہ :قوله ﷺ :''وھو یعلم'' تقیید لابدّ منه، فان الاثم انما یکون فی حق العلام بالشیء۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ''حالانکہ وہ جانتا ہے'' یہ ایک ضروری قید ہے بے شک گناہ تو صرف عالم بالشی کے حق میں ہے۔[3]

اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ علم ہوتے ہوئے غیر باپ کی طرف نسبت حرام ہے چنانچہ علامہ شرف الدین طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں :

والادعاء الی غیر الأب مع العلم به حرام۔ یعنی غیر باپ کی طرف اس پر علم کے باوجود (کہ یہ میرا باپ نہیں ہے) نسبت کرنا حرام ہے۔[4]

''جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا'' کا مطلب

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ یہ کلمات حضرت سعد بن اَبی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن خارجہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث میں ہیں، جبکہ حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ عنہ میں ''لیس من رجل ادعی لغیر أبیه'' ہے۔عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے، اسے ''الدّعی'' کہتے ہیں، اس کی جمع ''الأدعیا'' ہے جو سورۃ (۳۳) الاحزاب کی آیت ۴ میں مذکور ہے اور اس کا مصدر ''الدّعوۃ'' ہے۔

اور ان کلمات کا مطلب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں ہے :''من انتسب الی غیر أبیه'' یعنی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب کرے۔[5]

تو اس کا معنیٰ ہے کہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ وشتانی اَبی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں :أیما رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، أی أنتسب۔ یعنی جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[6]

اور غیر کو اپنا باپ بنالینا جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی شافعی نے لکھا ہے :ادّعی انتسب لغیر أبیه والده أی انتسب الیه واتخذه أباً۔ یعنی ''ادّعی''

---

[1] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب : من ادعی الی غیر ابیه، برقم ۶۷۶۷)

[2] (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۱۶۴(۶۰)۲/۵۰۶)

[3] (شرح صحیح مسلم للھرری ۲/۲۰۷)

[4] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۴۳۶)

[5] (سنن ابن ماجۃ برقم ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

[6] (اکمال اکمال المعلم : کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم : ۱۱۲، (۶۱) ۱/۲۸۰)، (مکمل اکمال اکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم : ۱۱۲، (۶۱) ۱/۲۸۰)

کا معنی ہے انتساب کیا، اس نے اپنے باپ اور والد کے غیر کی طرف یعنی اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اور اسے اپنا باپ بنالیا۔ [1]

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ: أی انتسب الیه و اتخذه أباً۔ یعنی اس کی طرف منسوب اور اسے اپنا باپ بنالیا۔ [2]

اور اس میں علم ہونا شرط ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وھو یعلم" اور "وھو یعلمه" سے ظاہر ہے اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ اور علامہ محمد امین ہرری لکھتے ہیں:

أی انتسب لغیر أبیه رغبةً عنه مع علمه به۔ یعنی اپنے باپ سے اعراض کرتے ہوئے اس کے غیر کی طرف اپنی نسبت کی اس علم کے باوجود کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے۔ [3]

صرف غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں اپنے خاندان وقوم کے سوا دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ان سے ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قوله: "من ادّعی" الدّعوة بالکسر فی النّسب، وھو أن ینتسب الانسان الی غیر أبیه و عشیرته۔ یعنی، حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "من ادّعی" الدّعوة فی النسب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ اور کنبے کے غیر کی طرف منسوب کرے۔ [4]

اور اس میں دو باتیں پائی جائیں گی کہ وہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کو چھوڑے اور اُس نسبت کا انکار کردے اور ان کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے جیسا کہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۴۴ھ اور امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۷۶ھ "صحیح مسلم" کے ایک باب کے عنوان "من رغب عن أبیه" (جو اپنے باپ سے اعراض کرے) کے تحت لکھتے ہیں: یرید ترک الانتساب الیه و جحده و انتسب سواه یقال: رغبت عن الشیء ترکته و کرهته، و رغبت فیه أحببته و طلبته۔ یعنی وہ اس کی طرف (یعنی اپنے حقیقی باپ کی طرف) انتساب کے ترک اور اس کے انکار کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے سوا کی طرف منسوب ہوتا ہے عربی زبان میں کہا جاتا ہے "رغبت عن الشیء" یعنی میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مکروہ جانا اور کہا جاتا ہے رغبت فیه یعنی، میں نے اسے محبوب رکھا اور اسے طلب کیا۔ [5]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کا انکار کرے اور نہ غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے بلکہ دوسرے لوگ اسے اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہوں اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ محشی صحاح ستہ علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں: من ادّعی الی غیر أبیه أی رضی بأنه ینسبه النّاس الی غیر أبیه۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "جو شخص خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یعنی وہ اس بات پر راضی ہو کہ لوگ اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں۔ [6]

---

[1] (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[2] (شرح صحیح مسلم للھرری، ۲/۲۰۷)

[3] (المفہم، کتاب الایمان باب اثم من کفر مسلماً، برقم ۵۱، ۱/۲۵۴) (شرح صحیح مسلم للہرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم ۱۲۴: (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[4] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۳۹۶) (مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، برقم ۳۳۱۵: ۶/۴۳۶)

[5] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، ۱-۲/۴۵)

[6] (فتح الودود فی شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل ینتمی الی غیر أبیه، برقم ۵۱۱۳: ۴/۶۸۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۵ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :عن عاصم قال سمعت أباعثمان قال :سمعت سعداً و أبا بكرة، فقالا :سمعنا النّبيّ ﷺ يقول: من ادّعى الى غير أبيه، وهو يعلم، فالجنّة عليه حرامٌ۔ یعنی عاصم سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابوعثمان رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا، دونوں نے فرمایا :''ہم نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''[1]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

عن عثمان عن سعدٍ و أبي بكرة، كلاهما يقول :سمعته أذناي و وعاه قلبي محمداً ﷺ يقول :من ادعى الى غير أبيه وهو يعلم أنّه غير أبيه، فالجنّة عليه حرامٌ۔ واللفظ لمسلم۔

یعنی عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد (بن ابی وقاص) اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا دونوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہمارے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا :جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''[2]

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت میں ہے:

عن أبي عثمان، قال :لمّا ادّعى زياد لقيت أبا بكرة فقلت له :ما هٰذا الذي صنعتم؟ انّي سمعت سعد بن ابي وقاص يقول :سمع أذناي من رسول الله ﷺ وهو يقول :من ادّعى أبا في الاسلام غير أبيه يعلم أنّه غير أبيه، فالجنّة عليه حرامٌ، فقال أبو بكرة :و أنا سمعته من رسول الله ﷺ۔

یعنی ابوعثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد کے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا :جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص سے بیان کیا اس پر جنت حرام ہے، تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا تھا۔[3]

جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب

نسب بدلنے والے، غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے لئے فرمایا گیا کہ اس پر جنت حرام ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

---

[1] (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، برقم :۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۱۰۰/۳) (سنن الدارمي، كتاب السير، باب في الذي ينتمي الى غيره موالیه، برقم :۲۵۳۰، ۱۹۶/۲) (المسند: ۴۶/۵) (ونقله التبريزي في مشكاته، كتاب النكاح، باب العان، الفصل الاول، برقم :۳۳۱۴، ۲۰۸/۲-۱)

[2] (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، برقم :۱۱۵/۱۳۲-(۶۳) ص ۵۹) (سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من ادّعى الى غير أبيه الخ" برقم :۲۶۱۰، ۲۶۳/۳، ۲۶۴) (المسند امام احمد رحمة الله تعالىٰ عليه، ۱۷۴/۱)

[3] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن آبیہ وھو یعلم، برقم-۱۳۱/۱۱۴ :(۶۳) ص ۵۸)

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اگر وہ نسب بدلنے کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کرے گا تو جنت اُس پر حرام ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ جب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اس وقت یہ لوگ جنہوں نے اپنے نسب بدلے تھے جنت میں نہیں جائیں گے۔

اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :فيه تأويلان، أحدهما :أنه محمول على من فعله مستحلاًله، والثّاني :أن جزاءه أنها محرّمة أوّلاً عند دخول الفائزين وأهل السّلامة۔ یعنی پس اس میں دو تاویلیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہے جو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور دوسری یہ کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اولاً کامیاب اور اہل سلامۃ کے جنت میں دخول کے وقت اس کا ارتکاب مرتکب کو دخول جنت سے محروم کرنے والا ہے۔[1]

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں :أقول :معنى قوله :فالجنّة عليه حرام على الأوّل ظاهر، وعلى الثّاني تغليظ۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے فرمان کہ اس پر جنت حرام ہے کا معنی پہلی وجہ پر تو ظاہر ہے اور سدوسری وجہ تغلیظ (یعنی تشدید) ہے۔[2]

اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں :ابن زجر و تشديد ست يا محمول بر استحلال ست يا مراد عدم دخول جنت ست با مقربان و سابقان۔ یعنی یہ زجر اور تشدید ہے، یا اُس شخص کے بارے میں جو اسے حلال جانے، یا مطلب یہ ہے کہ وہ مقربین وسابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔[3]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :قوله :فالجنّة عليه حرامٌ أي ان استحلّ ذلك، أو محمول على الزّجر والتّغليظ للتنفير عنه۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ''اس پر جنت حرام ہے'' یعنی اگر اسے حلال جانتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے، یا یہ باپ سے نفرت کی وجہ سے زجر اور تغلیظ پر محمول ہے۔[4]

اور ایک مسلمان جب اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے حلال نہیں جانتا اس لئے کچھ علماء کرام نے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب ہی بیان کیا جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نورالدین محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں:

وفيه ''من ادّعى الى غير أبيه فالجنة عليه حرامٌ'' أي دخوله ابتداءً حرام أن جزاء عمله أن لا يدخل ابتداءً۔ یعنی اور اس حدیث میں ہے ''جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اس پر جنت حرام ہے'' یعنی اس کا ابتداء دخول حرام ہے، بے شک اس کے عمل کی جزا یہ ہے کہ وہ ابتداءً داخل نہ ہو۔[5]

اور لکھتے ہیں کہ :أي لا يستحق أن يدخل فيها ابتداءً۔ یعنی وہ اس کا مستحق نہیں کہ جنت میں ابتداءً داخل ہو۔[6]

---

[1] (شرح صحیح مسلم للنّووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کتاب الایمان، باب حال ایمان من رغب عن أبیہ الخ، برقم :۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۱۴۵)

[2] (شرح الطیب، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل أول، ۶/۳۹۶) (مرقاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، برقم ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

[3] (أشعۃ اللمعاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، ۳/۱۷۷، ۱۷۸)

[4] (حاشیۃ السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیہ، ۴/۲۲۶)

[5] (حاشیۃ السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف برقم :۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۱۴)

[6] (حاشیۃ السندی علی السنن لابن ماجۃ، برقم: ۲۶۱۰، ۳/۲۶۳)

اور لکھتے ہیں :أی لا یستحقه دخولها أوّلا۔ یعنی وہ اولاً جنت میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔[1]

اور دوسری تاویل کے مطابق جب اوّلا نسب بدلنے والوں کو سزا کے طور پر دخولِ جنت سے روک دیا جائے گا پھر بعد میں انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :ثم ان قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذلک۔ یعنی پھر یہ سزا دی جائے کہ کامیاب لوگوں کے جنت میں داخلے کے وقت انہیں روک دیا جائے پھر بعد میں جنت میں داخل کیا جائے۔[2]

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے،ان سے مؤاخذہ ہی نہ فرمائے چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وقد لا یجازی یعفو الله سبحانه وتعالیٰ عنه و معنی حرام ممنوعة۔ یعنی اور یہ بھی ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے سزا نہ دے بلکہ اسے معاف فرما دے اور حدیث شریف میں مذکور لفظ ''حرام'' کا مطلب روکنا ہوگا۔[3]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں :

و أما فضل الله واسع، فیمکن أنه تعالیٰ بفضله یدخله ابتداءً لقوله تعالیٰ {اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ} الآیة۔

یعنی مگر اللہ تعالیٰ کا فضل واسع ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے ابتداءً جنت میں داخل فرمادے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : {اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ}۔[4]

اور اس تاویل کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جنت سے محروم نہیں ہوتا چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تأویله علی ما تقدم من أهل السنّة من أن الذّنوب لا تحرّم علی أحد الجنّة البتّة، بل ان شاء الله تعالیٰ أخذ و عاقب و حرّمها للمذنب مدّة ثم یدخلها و ان شاء عفی، أو یکون تأویل الحدیث لفاعله مستحلاً۔ یعنی اس کی تاویل وہی ہے جو اہلسنت کی طرف سے پہلے گزری یہ ہے کہ گناہ کسی پر جنت کو حرام نہیں کرتے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مواخذہ فرمائے، عذاب دے اور جنت گنہگار پر ایک مدّت کے لئے حرام فرمادے پھر اس میں داخل فرمائے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے یا حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ وعید حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے ہے۔[5]

جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال :قال رسول الله ﷺ :من ادّعی الیٰ غیر أبیه لم یرح رائحة الجنة، فانّ ریحها لیوجد مسیرة خمس مائة عام۔

---

[1] (فتح الودود شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم:۴، ۱۳/۵۱۱، ۶۸۱، ۶۸۲)

[2] (شرح صحیح مسلم للنّووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم :۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۱۴۵)

[3] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم :۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۱۴۵)

[4] (حاشیۃ السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، برقم ۴۳۲۶-۷:، ۳/۱۱۵)

[5] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه، الخ ۲/۳۱۹)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔[1]

(بعض روایات میں سات سو سال بھی ذکر ہے لیکن محفوظ یہی ہے کہ پانچ سو سال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

خوشبو پانے سے مراد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ ''جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا'' تو جنت کی خوشبو نہ پائے سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ابتداء جنت میں داخل نہ ہونے سے کنایہ ہے یا اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اچھے اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلا گیا تو بھی جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، چنانچہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ ''لم یرح ریح الجنة'' (جنت کی بو نہیں پائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

أی لم یشمّ ریحها، وهو کنایة عن عدم الدّخول فیها ابتدائً، بمعنی أنه لا یستحقّ ذلک، والمعنی لا یجد لها ریحاً وان دخلها۔ یعنی اس کا معنی ہے کہ جنت کی بو نہیں سونگھے گا اور یہ ابتداء جنت میں عدم دخول سے کنایہ ہے اس معنی میں ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہوگا اور معنی یہ ہے کہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اگر چہ اس میں داخل ہو جائے۔[2]

نسب بدلنے کو کفر فرمایا گیا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں کہ : **عن أبی ذرّ أنه سمع النّبیّ ﷺ یقول :''لیس من رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، وهو یعلمه، الّا کفر، ومن ادّعیٰ قوما لیس له فیهم نسب فلیتبوّ أمقعده من النار۔**

ترجمہ : یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے (یا کسی اور نسب کی طرف خود کو منسوب کرے) حالانکہ وہ جانتا ہے (یہ نسبت غیر کی طرف ہے) وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے کسی ایسی قوم کی طرف خود کو منسوب کیا جس میں اس کا نسب نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔[3]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ کی روایت اس طرح ہے کہ :

عن أبی ذر أنه سمع رسول اللہ ﷺ یقول :لیس من رجل ادّعی لغیر أبیه وهو یعلمه، الا کفر، ومن ادّعی ما لیس له فلیس منّا ولیتبو أمقعده من النار۔ یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔[4] اور حدیث شریف میں ''لیس من رجل'' ہے اور اس میں ''من'' زائدہ ہے۔[5]

اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے چنانچہ امام شہاب

---

[1] (سنن ابن ماجة، کتاب الحدود، باب :من ادّعی الی غیر ابیه، الخ برقم :۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

[2] (حاشیة السّندی علی السّنن لابن ماجة، برقم :۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

[3] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، برقم :۳۵۰۸، ۲/۳۱۶)

[4] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، برقم :۱۲۹/۱۱۲-(۶۱)، ص ۵۸) ایضاً المسند ۵/۱۶۶ :۔

[5] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم :۳۵۰۸، ۸/۱۹)

الدین احمد قسطلانی شافعی اور علامہ محمد امین ہرری نے لکھا ہے کہ مردوں سے تعبیر کرنا بطور غلبہ کے جاری ہوورنہ عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔[1]

''وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے'' کا مطلب

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے''۔اس میں آخری جملہ ''جہنم ٹھکانہ بنالے'' ہے،اس سے مراد کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جہنم کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے کرتوت سے جہنم کو اپنے لئے واجب کرلیا،چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله :فليتبوّأ مقعده من النّار :أي استحق ذلک بقوله، واستوجبه لمعصية إلّا أن يعفو اعنه۔ یعنی اور حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ''چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے'' یعنی وہ اپنے قول سے اس کا مستحق ہے اور اس نے اپنی معصیت کے ذریعے اپنے لئے اسے واجب کرلیا مگر یہ کہ اسے معاف کردیا جائے۔[2]

پھر یہ جملہ یا تو مرتکب کے خلاف دعا ہے یا یہ اس کے انجام کی خبر ہے پھر اگر وہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے حلال جانتا ہے تو جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہے اور اگر حلال نہیں جانتا پھر یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے معاف فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے اور وہ گناہ اس سے ساقط ہوجائے ورنہ اسے مخصوص مدّت کے لئے بطور سزا جہنم میں رکھا جائے۔ چنانچہ علامہ محمد امین ہرری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ:

هذا دعاء عليه أو خبر الأمر وهو أظهر القولين فيه، أي يكون مقعده ومنزله من النار مخلدا فيها ان استحلّ ذلک أو هذا جزائه ان جوزي على ذلک ان لم يستحلّ لأنه يجاز عليه ان لم يغفر له، وقد يعفى عنه وقد يوفق للتوبة فيسقط عنه ذلک۔

یعنی اس مرتکب کے خلاف دعا ہے یا لفظِ امر کے ساتھ خبر ہے اور ان میں سے یہ قول اظہر القولین ہے یعنی اس کا ٹھکانہ اور منزل اگر اسے حلال جانتا ہے تو خلود فی النار ہے اور اگر اس گناہ کے ارتکاب پر سزا دیا گیا تو یہ اس کی سزا ہے اور اگر حلال نہیں جانتا کیونکہ اگر اسے نہ بخشا گیا تو وہ اس پر سزا دیا جائے گا اور کبھی بخش دیا جاتا ہے اور توبہ کی توفیق مرحمت کیا جاتا ہے تو اس سے وہ گناہ ساقط ہوجاتا ہے۔[3]

''ہم میں سے نہیں'' کا مطلب

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ ''جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں وہ ہم میں سے نہیں''۔مستحل کے حق میں یہ کلمات اپنے ظاہر پر ہیں اور غیر مستحل کے لئے اس کا مطلب ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کی ہدایت پر چلنے والا اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والا نہیں یا یہ کہ وہ اہل دین کے طریقے پر نہیں ہے۔چنانچہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله :ليس منّا على ما تقدّم أي ليس مهتدياً بهدينا ولا مستنّا بسنتنا۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ''وہ ہم میں سے نہیں'' کا مطلب بنا بر اس کے جو پہلے گزرا ہے یہ کہ وہ ہماری ہدایت پر چلنے والا اور ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں۔

---

[1] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم :۳۵۰۸، ۱۹/۸) (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه وهو یعلم الخ، برقم :۱۲۴ (۶۰)، ۵۰۷/۲، ۵۰۶)

[2] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲، (۶۱)، ۳۱۹/۱)

[3] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۵۰۸/۲)

اور حافظ ابو العباس احمد قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

ظاهر التبرّی المطلق فیبقی علی ظاهره فی حقّ المستحلّ لذلک علی ما تقدم ویتأویل فی حقّ غیر المستحلّ بأنه لیس علی طریقة النّبیّ ﷺ ولا علی طریقة أهل دینه، فان ذلک ظلم وطریقة أهل الدّین العدل، وترک الظّلم ویکون هذا کما قال :لیس منا من ضرب الخدود وشقّ الجیوب" ویقرب منه من لم یأخذ من شاربه فلیس منّا۔ یعنی ظاہر مطلق تبری (یعنی برأت) ہے اور یہ فرمان حلال جاننے والے کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے اور حلال نہ جاننے والے کے حق میں اس کی تاویل کی جائے گی، اس طرح کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اہلِ دین کے طریقے پر ہے اور اہلِ دین کا طریقہ عدل ہے اور ترکِ ظُلم ہے اور یہ فرمانِ نبوی ﷺ، حضور ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے رُخسار پیٹے اور گریبان چاک کئے وہ ہم سے نہیں، اس کے قریب حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ "جو اپنی مونچھوں سے نہ لے یعنی انہیں نہ تراشے وہ ہم سے نہیں۔"[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۶ھ، روایت کرتے ہیں کہ :عن عراک بن مالک أنه سمع أباهریرة یقول :انّ رسول اللہ ﷺ قال :لاترغبوا عن آبائکم فمن رغب عن أبیه فهو کفر۔ واللفظ لمسلم ونقله التبریزی فی "مشکاته" فی کتاب النّکاح، باب اللعان ال فصل الاول ۔یعنی عراک بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو (انکار نہ کرو) پس جس نے اپنے باپ کے نسب کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔"[2]

"اعراض نہ کرو" کا مطلب

حدیثِ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ "اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو" اس سے مراد ہے کہ اپنے نسب کو اپنے آباء کے غیر کی طرف نہ پھیرو اور یہ زمانہ جاہلیت کے کافروں کی عادات سے ہے، اسلام میں جب اس سے منع کر دیا گیا تو مرتکب کے لئے وعیدیں وارد ہوئیں۔ چنانچہ شارح صحیح البخاری حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

انما المراد به من تحوّل عن نسبت لأبیه الی غیر أبیه عامداً مختاراً، وکانوا فی الجاهلیة لایستنکرون أن یتبنّی الرّجل ولد غیره ویصیر الولد وینسب الی الذی تبنّاه حتی نزل قوله تعالیٰ {اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ} وقوله سبحانه تعالیٰ {وَمَا جَعَلَ أَدْعِیَآئَکُمْ أَبْنَآئَ کُمْ} فنسب کلّ واحدٍ الی أبیه الحقیقی، وترک الانتساب الی من تبنّاه۔ یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی طرف نسبت کو اپنے اختیار کے ساتھ عمداً غیر باپ کی طرف پھیر دے (تو وہ اس وعید کا مستحق ہے جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے) اور زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں یہ معیوب نہ تھا کہ وہ غیر کے بیٹے کو متبنّی بنالیں اور وہ اس (متبنّی بنانے والے) کا بیٹا ہو جائے اور اُسی کی طرف منسوب ہو کہ جس نے اسے متبنی بنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا "انہیں ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" تو ہر ایک اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دیا

---

[1] (رواہ البخاری برقم ۳۵۱۹ :، ومسلم :برقم ۱۰۳ :) (رواہ الترمذی برقم ۲۷۶۲ :)

[2] (صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب من ادّعی الی غیر أبیه برقم :۶۷۶۸، ۲۷۳/۴) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، برقم :۱۱۳/۱۳۰-(۶۲)، ص ۵۸) (المسند، ۵۲۶/۲) (برقم :۳۳۱۵، ۶۰۸/۲-۱))

گیااور متبنّی بنانے والے کی جانب انتساب کو ترک کر دیا گیا۔[1]

اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں : اعراض نکنید از پدرانِ خود بترک نسبت بایشان، کسیکہ اعراض کند از پدر خود وترک کند نسبت خود را بوے پس تحقیق کُفرانِ نعمت کردو چہ نعمت کہ اصل ہمہ نعمتہاست ۔یعنی اپنے آباء سے اعراض نہ کرو ان کی طرف اپنی نسبت کو ترک کرکے، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اور اپنی اسکی طرف نسبت کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفرانِ نعمت کیا، اس نعمت کا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔[2]

حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ : **عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: "کفر" بامرئٍ ادّعائُ نسبٍ لا یعرفه أو جحده وان دقّ۔** یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : آدمی کا ایسے نسب کی طرف انتساب کہ جسے وہ نہیں پہچانتا (یا وہ معروف نہیں) یا (اس کا اپنے) نسب کا انکار کرنا اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو کفر ہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے روایت کیا : **عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال : قال رسول اللہ ﷺ : کُفْرٌ تَبَرَّؤٌ من نسب وان دقّ أو ادّعاه الیٰ نسب لا یعرف۔**[4]

اور امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ "معجم اوسط" میں اور معجم صغیر میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا :

کفرٌ بامرىءادّعاه (وفی الصغیر ادّعا) الیٰ نسب لا یعرف وجحده وان دقّ۔[5]

اور حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے "الکامل" میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاروایت کیا:

کفر من ادّعی الیٰ نسب لا یعرف، أو جحده وان دقّ۔[6]

اور علامہ نورالدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے "مجمع البحرین" میں اور "مجمع الزوائد" میں اسے نقل کیا ہے۔[7]

کافر ہونے کا مطلب

حدیث شریف میں نسب بدلنے، غیر آباء کی طرف انتساب کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ نسب بدلنا جس سے قرآن میں ممانعت اور حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں اسے اگر حلال جانتا ہو تو کافر ہو جائے گا، دوسری یہ کہ اگر حلال نہیں جانتا تو مراد وہ کفر نہیں ہوگا جو اسے ملّتِ اسلام سے خارج کردے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے یا عمل کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ

---

[1] (فتح الباری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، برقم :۶۷۶۸، ۱۱-۱۲/۶۳)

[2] (أشعة اللمعات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۱۷۸/۳)

[3] (سنن ابن ماجه کتاب الفرائض، باب من أنکر ولده برقم: ۲۷۴۴، ۳۳۷/۳ وقال محققه اسناده صحیح)

[4] (المسند ۲/۲۱۵ :)

[5] (المعجم الأوسط، من اسمه محمود، برقم :۷۹۱۹، ۳۹/۲، ۴۰) (المعجم الصغیر، من اسمه محمود، ۱۰۸/۲)

[6] (الکامل لابن عدی، عمر بن شعیب (برقم ۳۱۴/۱۲۸۱ :)، ۶/۲۰۴)

[7] (مجمع البحرین، کتاب الایمان، باب فی الکبائر، برقم :۱۳۴، ۸۵/۱)

بولا گیاچنانچہ امام ابوزکریا نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد امین ہرری نے ان سے نقل کیا کہ:

قال النووی :فیه تأویلات أحدهما :أنه فی حق المستحلّ، والثانی :أنه کفر النّعمة والاحسان وحق الله وحق أبیه، ولیس المراد الکفر الذی یخرجه عن ملّة الاسلام وهذا کقوله "یکفرن" ثم فسّره بکفر انهنّ الاحسان وکفران العشیر۔

یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا :اس میں تاویلیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وعید حلال جاننے والے کے حق میں ہے اور دوسری یہ کہ یہ نعمت، احسان، اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے باپ کے حق کی ناشکری ہے اور وہ کفر مراد نہیں ہے جو مرتکب کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور حضور ﷺ کے فرمان "یکفرن" کی مثل ہے، پھر اس کی تفسیر عورتوں کی طرف سے احسان کی ناشکری اور ان کی اپنے شوہروں کی ناشکری کے ساتھ کی ہے۔[1]

اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت یا تو قذف (یعنی تہمت زنا) ہے یا کذب (یعنی جھوٹ) ہے یا والدین کی نافرمانی علماء کرام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، لہٰذا ظاہر حدیث کو حلال جاننے پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی حسنی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تاویل کی ضرورت ہے:

لأن انتسابه لغیر أبیه قذف أو کذب، أو عقوق، ولا شیء من ذلک بکفر فیحمل أیضاً علی المستحلّ، أو أنه أراد کفر النعمة أی حجد حق أبیه، أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا یفعلونه فی الجاهلیة۔ یعنی کیونکہ غیر باپ کی طرف انتساب تہمت ہے یا جھوٹ ہے یا نافرمانی ہے اور ان میں سے کوئی چیز کفر نہیں تو اسے بھی (غیر آباء کی طرف انتساب کو) حلال جاننے والے پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ حدیث شریف میں اس سے کفرانِ نعمت یعنی اپنے حقیقی باپ کے حق کے انکار کا ارادہ کیا گیا یا یہ کہ اس عمل کی اہلِ کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مجازاً اس پر کفر کا اطلاق کیا کیونکہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے۔[2]

علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ :**ذلک المنتسب کفراً حقیقیاً یخرجه عن الملّة ان استحل ذلک الانتساب، لأنه ما هو معلوم حرمته من الدّین ضرورة، والا کفر کفراً بمعنی کفران نعمة الأبوّة أی جحد حق أبیه، لأن انتسابه لغیر أبیه اما قذف، أو کذب، أو عقوق ولا شیء من ذلک کفر، قال القرطبی :أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا یفعلونه بالجاهلیة، وعبارته هنا۔**

یعنی اگر وہ غیر باپ کی طرف انتساب کو حلال جانتا ہے تو وہ منتسب حقیقی کفر کا مرتکب ہو جائے گا جو اسے ملتِ اسلامیہ سے نکال دے گا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جس کی حرمت کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے ورنہ (یعنی اگر وہ اسے حلال نہیں جانتا تو) یہ کفر بمعنی کفرانِ نعمت ابوۃ ہے یعنی اس نے اپنے باپ کے حق کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی اس لئے کہ اس کا اپنے باپ کے غیر کی طرف انتساب یا تو قذف (تہمت) ہے یا جھوٹ ہے یا عقوق (نافرمانی) ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ یا یہ ہے کہ اہل کفر کے فعل کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ

---

[1] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ۱۲۴-۲/۵۰۷)

[2] (اکمال اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۱، ۲۸۰) (مکمل اکمال الاکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۰)

بولا گیا کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے۔[1]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے غیر آباء کی طرف انتساب کرنے والا اگر اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوگا چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

فمن اعتقد اباحته كفر لمخالفة الاجماع، [ومن لم يعتقد اباحته ففي] فمعنى كفره وجهان، أحدهما :أنه قد أشبه فعله فعل الكفّار، والثّاني :أنه كافر نعمة الاسلام۔

یعنی پس جس نے اس (یعنی نسب بدلنے) کے مباح ہونے کا اعتقاد کیا وہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا اور جو اس کی اباحت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کے مرتکب کے کفر کے معنی میں دو وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس (نسب بدلنے والے) نے اپنا فعل کافروں کے فعل کے مشابہ کر دیا اور دوسرا یہ کہ وہ نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والا ہے۔[2]

شیخ الحدیث غلام رسول رضوی لکھتے ہیں :اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ انسان گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور حدیث میں اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مؤوّل ہے، تاویل یہ ہے کہ جو کوئی اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے یا مراد کفرانِ نعمت ہے، یا یہ مراد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے والد کے حق کا انکار کر دیا یا زجر و تہدید کے لئے فرمایا، حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی اپنی نسبت غیر کی طرف کرے یا اپنے آپ کو غیر خاندان میں شمار کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ شخص کافر ہے اس زمانہ میں دیکھنے میں آیا ہے بعض سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تا کہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔[3]

اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

فمن فعل ذلك مستحلا فهو كافر حقيقة تبقى الحديث على ظاهره، أما ان كان غير مستحل فيكون الكفر الذى فى الحديث محمولا على كفران النعم والحقوق فانه قابل الاحسان بالاساءة ومن كان كذا صدق عليه اسم الكافر، ويحتمل أن يقال :أطلق على ذلك، لأنه تشبه بالكفار أهل الجاهلية أهل الكبر والأنفة فانهم كانوا يفعلونه ذلك۔ یعنی پس جس نے اسے (یعنی نسب بدلنے کو) حلال جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ حقیقۃً کافر ہو جائے گا، (اس صورت میں) حدیث شریف اپنے ظاہر پر باقی رہے گی، اگر حلال نہیں جانتا تو جس کفر کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ کفرانِ نعم اور کفرانِ حقوق پر محمول ہوگا کیونکہ اس نے احسان کے مقابلے میں اساءت کی اور جو ایسا ہو اس پر کفر کا اسم صادق آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اس پر یہ لفظ بولا جائے گا کیونکہ اس نے اہل جاہلیت، اہل کبر کفار کے ساتھ مشابہت کی، بے شک وہ ایسا کیا کرتے تھے۔[4]

وان ثبت ذلك فالمراد من استحلّ مع علمه بالتّحريم وعلى الرّواية المشهورة فالمراد كفر النعمة، وظاهر اللفظ غير مرادٍ، وانما ورد على سبيل التّغليظ والزّجر لفاعل ذلك، أو المراد باطلاق الكفر أن فاعله فعل فعلاً شبيها بفعل أهل الكفر۔

---

[1] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ)

[2] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۳۹۶/۶) (مرقاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول برقم :۳۳۱۵، ۴۳۶/۶)

[3] (تفهیم البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم :۵، ۳۸۳/۳۲۸۱، ۳۸۴)

[4] (المفهم، کتاب الایمان، باب اثم من کفر مسلماً، برقم: ۵۱، ۲۵۴/۱)

یعنی اگر وہ ثابت ہوتو مراد وہ شخص ہوگا جو اس فعل کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے اور روایت مشہور کی بنا پر مراد کفرانِ نعمت ہے اور ظاہر لفظ مراد نہیں ہے اور یہ صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے تغلیظ و زجر کے طور پر وارد ہوا ہے یا یہ کہ اطلاقِ کفر سے مراد ہے کہ اس کے فاعل نے ایسا عمل کیا ہے جو اہل کفر کے عمل کے مشابہ ہے۔[1]

اور حافظ شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

وعلى ثبوتها مؤوّلة بالمستحلّ لذلك مع علمه التّحريم، أو ورد على سبيل التّغليظ والزّجر لفاعله۔ یعنی اس کے ثبوت کی بنا پر یہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اسے حلال جاننے والے کے ساتھ مؤوّل ہے یا یہ فاعل کے لئے بطور تغلیظ و زجر کے وارد ہوا ہے۔[2]

اور علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان کورانی شافعی ثم حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

وهو يعلمه الا كفر ان اعتقد ذلك، أو كفر بنعمة الله أو ذلك الفعل من أخلاق الكفّار۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وهو يعلم الا كفر" کا مطلب ہے کہ اگر اس (کے حلال ہونے) کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی یا یہ کہ یہ فعل (یعنی نسب بدلنا، غیر باپ کی طرف نسب) کفّار کے اخلاق سے ہے۔[3]

غیر مستحلّ کے حق میں اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ عمل کفر تک پہنچانے والا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

والكفر فيه بمعنى أن ذلك يؤدي اليه، أو استحل، أو كفر النّعمة۔ یعنی اس میں کفر اس معنی میں ہے کہ وہ (عمل) کفر تک پہنچانے والا ہے، اسے حلال جانتا ہے (تو کافر ہے) یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔[4]

نسب بدلنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر فرمایا گیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے "معجم الاوسط" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے: **عن أبي بكر يقول: قال رسول الله ﷺ: كفر بالله: ادّعاء نسب لا يعرف، وكفرٌ بالله تبرّئٌ من نسبٍ وان دقّ۔** یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے نسب سے برأت اگرچہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[5]

اور ان الفاظ سے کہ:

عن أبي بكر الصّديق قال: قال رسول الله ﷺ: من ادّعى نسباً لا يعرف كفر بالله وانتفاء من نسب وان دقّ كفر بالله۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ایسے نسب کی طرف نسبت کی جو معروف نہیں اس

---

[1] (فتح الباری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۸، ۶۷۰/)

[2] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم ۳۵۰۸، ۱۹۸)

[3] (الکوثر الجاری الی ریاض أحادیث البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۳۵۳/۶)

[4] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، برقم: ۲۹۳، ۱۰۰/۲)

[5] (المعجم الأوسط، من اسمه ابراهیم، برقم: ۲۸۱۸، ۴۴/۲)

نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور نسب سے نفی اگر چہ (یعنی حقیر) ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔[1]

اسی طرح امام طبرانی نے "الدعاء" میں روایت کیا۔[2]

اور حافظ بزار نے اپنی مسند میں اور امام حافظ نور الدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے "کشف الاستار" میں ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے : **کفر باللہ تبرّیئ من نسب و ان دقّ۔**[3]

اور حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی "سنن" میں، حافظ، ابو الحسن علی ابن الجعد متوفی ۲۳۰ھ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا ہے : **کفر باللہ ادّعائ الی نسبٍ لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیٔ من نسبٍ و ان دقّ۔** یعنی غیر معروف نسب کی طرف نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اگر چہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[4]

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "المصنف" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا : **قال أبو بکر : کفر من ادّعی نسباً لا یعلم و تبرأ من نسبٍ و ان دق۔**[5]

حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات میں "**کفر باللہ**" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے) اور "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) مذکور ہے، اسی طرح حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں "**الا کفر باللہ**" یعنی جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نسبت غیر کی جانب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا" آیا ہے، یہ حدیث ابی بکر اور حدیث أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اگر اسی طرح ہو تو غیر مستحل کے حق میں اس کی تاویل میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفہ سے پیدا کیا تھا اس شخص نے اس کا انکار کر کے کہا کہ مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے گویا اس نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور مستحل کے حق میں تاویل کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دیگر عبارات سے ظاہر ہے اور اس جواب کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی بعض شرّاح حدیث سے نقل کردہ یہ تاویل ہے، فرماتے ہیں:

قال بعض الشّرّاح : سبب اطلاق الکفر ھنا أنہ کذب علی اللہ کأنہ یقول : خلقنی اللہ من ماء فلان، و لیس کذلک لأنہ انما خلقہ من غیرہ۔ یعنی بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں اطلاقِ کفر کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، گویا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کے پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے (جس کے پانی سے پیدا ہونے کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کے غیر (کے پانی) سے پیدا کیا ہے۔[6]

اور حدیثِ أبی ذر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس صورت میں ہے جب یہ اضافہ ثابت ہو اور یہ اضافہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں

---

[1] (المعجم الأوسط، من اسمہ معاذ، برقم : ۸۵۷۵، ۲۲۱/۶)

[2] (کتاب الدّعاء، ذکر من لعنہ الرسول ﷺ، برقم: ۲۱۴۳، ص ۵۸۷)

[3] (البحر الزّخار، برقم : ۷۰، ۱۳۹/۱) (کشف الأستار، کتاب الایمان، باب من تبرّأ من نسبہ، برقم: ۱۰۴، ۷۰/۱)

[4] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیر أبیہ، برقم : ۲۸۶۱، ۲۷۰/۲) (مسند ابن الجعد، بقیۃ حدیث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[5] (المصنّف لابن أبی شیبہ، کتاب الأدب، باب مایکرہ الرّجل أن ینتمی الیہ الخ، برقم : ۲۶۲۳۳، ۳۳۱/۱۳، ۳۳۰)

[6] (فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب : من ادّعی الی غیر أبیہ، برقم : ۶۷۶۸، ۶۳/۱۲/۱۵)

نہیں ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ اس اضافہ کا حذف ہی مناسب ہے چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

ولیست هذه الزّیادة فی غیر روایته ولا فی روایة مسلم ولا اسماعیلی فحذفها أوجه لما لایخفی۔ یعنی یہ اضافہ اس روایت کے غیر میں نہیں ہے نہ مسلم کی روایت میں ہے اور نہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لہٰذا اس کا حذف اوجہ ہے اس لئے کہ اس کے حذف کا اوجہ ہونا مخفی نہیں ہے۔[1]

اور حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں یہ اضافہ مذکور ہے جب کہ بعض میں سے نہیں ہے اگر یہ اضافہ ثابت ہو اس کا وہی جواب ہوگا جو حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا۔

اور علماء کرام نے لکھا ہے کہ کفر کا لغوی معنی ہے کہ کسی شیء کو ڈھانپا تو کفر باللہ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ عزوجلّ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزوجل کے حق کو ڈھانپ دیا، چنانچہ شارح صحیح بخاری علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

فان قیل :فتقول للرّاغب فی الانتماء الی غیر أبیه وموالیه کافر بالله کما روی عن أبی بکر الصّدیق أنه قال: کفر بالله ادعاء نسب لا یعرف، وروی عن عمر بن الخطاب أنه قال :کان مما یقرء فی القرأن:"لا ترغبوا اباء کم فانه کفر بکم" قیل : لیس معناه الکفر الذی یستحق علیه التخلید فی النار، و انما هو کفر لحقّ أبیه ولحقّ موالیه، کقوله فی النّساء :"یکفرن العشیر" والکفر فی لغة العرب :التعظیة للشیء والستر له، فکأنه تغطیة منه علی حقّ الله عزّ و جلّ فیمن جعله ولداً، لا أن من فعل ذلک کافراً بالله حلال الدّم۔

یعنی پس اگر کہا جائے کہ تم غیر باپ اور غیر مالک کی طرف انتساب میں رغبت رکھنے والے کو کہتے ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جس نے غیر معروف نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا" اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "قرآن کریم میں جو پڑھا گیا ہے اس میں یہ تھا کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو پس یہ کفر ہے" تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کا معنی وہ کفر نہیں ہے کہ جس میں بندہ خلود فی النار کا مستحق ہوتا ہے، اور کفر صرف باپ کے حق اور مالکوں کے حق کی وجہ سے ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا عورتوں کے بارے میں فرمان ہے "یکفرن العشیر" (یعنی اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں) اور لغتِ عرب میں کفر کا معنی ہے کسی شیء کو ڈھانپنا اور اسے چھپانا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزوجلّ کے حق کو ڈھانپ دیا، یہ نہیں کہ جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ کفر باللہ کا مرتکب، حلال الدم ہو جائے گا۔"[2]

نسب بدلنے والے پر لعنت فرمائی گئی

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن أنس بن مالک، قال سمعت رسول الله ﷺ یقول :من ادّعی الی غیر أبیه، أو انتمی الی غیر موالیه، فعلیه لعنة الله المتتابعة الی یوم القیامة۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا اپنے

---

[1] (ارشاد الساری، کتاب الفرائض، باب :من ادعی الی غیر أبیه، برقم:۶۷۶۸، ۱۹/۸)

[2] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ" ۳۸۴/۸)

آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے۔"[1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عن أبی أمامة الباهلی قال :سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبة حجّة الوداع :ومن ادّعی الیٰ غیر أبیه، أو انتمی الیٰ غیر موالیه، فعلیه لعنة الله التابعة الیٰ یوم القیامة الحدیث۔ یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"[2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :عن ابراهیم التیمی عن أبیه قال :خطبنا علیّ بن أبی طالب فقال من زعم أنّ عندنا شیئاً نقرؤه الا کتاب الله وهٰذه الصحیفة۔ قال :وصحیفة معلّقة فی قراب سیفه فقد کذب فیها اسنان الابل وأشیاء من الجراحات، وفیها قال النبی ﷺ "ومن ادّعیٰ الی غیر أبیه أو انتمیٰ الیٰ غیر موالیه، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لا یقبل الله منه یوم القیامة فرضاً ولا عدلاً۔" واللفظ لمسلم۔ یعنی ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حالانکہ ان کی نیام کے ساتھ ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ (قرآن) اور صحیفہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، وہ جھوٹا ہے، اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور کچھ زخموں کی دیت کا بیان ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا :اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہ فرمائے گا اور نہ نفل۔"[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں کہ

عن ابن عباس قال :قال رسول الله ﷺ :من انتسب الی غیر أبیه، أو تولی غیر موالیه، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے غیر سے بیان کیا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔[4]

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ اور حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

---

[1] (سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب فی الرّجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم:۵۱۱۵، ۲۱۳/۵)

[2] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء "لا وصیة لوارث" برقم :۲۱۲۰، ۱۷۸/۳، ۱۷۹)

[3] (سنن الترمذی، کتاب الولاء والهبة، باب ماجاء فیمن تولّی غیر موالیه الخ، برقم :۲۱۲۷، ۱۸۳/۳، ۱۸۴) (المسند، ۸۱/۱)

[4] (سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب :من ادّعی الی غیر أبیه الخ، برقم:۲۶۰۹، ۲۶۳/۳)

عن عمرو بن خارجة قال : كنت تحت ناقة النبی ﷺ فسمعته يقول : من ادّعى الیٰ غير أبيه أو انتمى الیٰ غير موالیه رغبة عنهم فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين۔ و اللفظ للدارمی و زاد الطبرانی : لا يقبل منه صرف و لا عدل۔ یعنی حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھا تو آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا ان سے اعراض کرتے ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔"[1]

لعنت سے مراد

حدیث شریف میں نسب بدلنے والے کے لئے لعنت مذکور ہے، یہ لعنت اس پر ہے جو اپنے آباء سے بیزاری ظاہر کرے اور اپنے آباء کے غیر کے نسب کا دعویٰ کرے جیسے غیر سیّد ہو کر سیّد ہونے کا دعویٰ کرے چنانچہ شارح صحیح البخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

و انما لعن النبی عليه السلام المتبرئ من أبيه و المدّعی غير نسبه فيمن فعل ذلک فقد ركب من الاثم عظيماً و تحمل من الوزر جسيماً، و كذلک المنتمی الی غير موالیه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے صرف اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے حقیقی باپ سے برأت ظاہر کرے اور حقیقی باپ کے غیر کے نسب کا مدّعی ہو، جس نے اس طرح کیا تو اس نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا اور (گناہ کا) بڑا بوجھ اٹھالیا، اسی طرح وہ غلام جو اپنے مالک کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے۔[2]

اور لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس کی نعمتوں کی ناشکری پر اتر آتا ہے تو ظالم قرار پاتا ہے اور ظالموں پر قرآن کریم میں لعنت مذکور ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں :

اذا كفر نعمة مولاه فقد صار ظالماً، و قد قال الله تعالیٰ {اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿هود ۱۸﴾

یعنی جب وہ اپنے مولیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو وہ ظالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : {خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے}[3]

اور لعنت کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے، احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں نسب بدلنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت متتابعہ مذکور ہے تو لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی تو معنی ہوگا کہ وہ اس بندے کو رحمت سے دور فرما دیتا ہے، اور اسی طرح فرشتوں اور انسانوں کی لعنت بھی مذکور ہے، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرشتے چونکہ اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں، بندہ جب اس جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس پر نادم و پشیمان ہو کر توبہ نہیں کرتا تو وہ فرشتے اس کے لئے استغفار ترک کر دیتے ہیں اور اسی طرح انسانوں کی لعنت میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انسان اس کام کو قبیح گردانتے ہوئے مرتکب کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابو بکر ابن العربی لکھتے ہیں :

---

[1] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیة لوارث، برقم : ۲۱۲۱، ۳/۱۷۹، ۱۸۰) (سنن الدّارمی، کتاب السّیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر موالیه، برقم : ۲۵۲۹، ۲/۱۹۶) (المعجم الکبیر، برقم : ۶۰ تا ۷۱، ۱۵-۱۷/۳۲ تا ۳۶)

[2] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ، ۸/۳۸۳)

[3] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴، ۲۱۲۷، ۸/۲۱۹)

واللعنة هي الطرد، فيكون المراد كما تقدم في وقت أو حالٍ أو شخصٍ أو على صفةٍ، وأما لعنة الملائكة فانهم كانوا يستغفرون له، فقطعهم الاستغفار ابعاد له عنهم، ويجوز أن يحمل على ظاهره فيلعنونه، وأما لعنة الناس فهجرانهم، أو اطلاق اللعن له على ظاهر الحديث۔

یعنی اور لعنت دور کرنا ہے، دھتکارنا ہے جیسا کہ پہلے گزر امراد ہوگی کسی وقت یا کسی حال میں یا کسی صفت پر (دور کرنا یا دھتکارنا) اور ملائکہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں تو فرشتے اس شخص کی (اس ممنوع فعل کے ارتکاب کے ذریعے) ان سے دوری کے سبب اس کے لئے استغفار قطع کر دیتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس لعنت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں، اور لوگوں کی لعنت اُن کا اس شخص کو چھوڑنا ہے یا ظاہر حدیث کی بنا پر اس کے لئے لعنت کا اطلاق (یعنی لوگ اُن پر لعنت کرتے ہیں)۔[1]

نسب بدلنے والے پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے روایت کیا کہ:

عن سهل بن معاذ عن أبيه عن النبي ﷺ أنّه قال: انّ لله تبارك و تعالىٰ عباداً لا يكلّمهم الله يوم القيامة، ولا يزكّيهم ولا ينظر اليهم۔" قيل: من أولئك يا رسول الله؟ قال: متبر من والديه، راغبٌ عنهما، ومتبر من ولده، ورجل أنعم عليه قومٌ فكفر نعمتهم وتبرّا منهم۔ یعنی سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: "اپنے والدین سے برأت کا اظہار کرنے والا، ان سے اعراض کرنے والا اور اپنی اولاد سے برأت کا اظہار کرنے والا اور وہ شخص جس پر کسی قوم نے انعام کیا پس اس نے ان کی نعمت کی ناشکری کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا۔"[2]

اس حدیث شریف کو امام ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی "المعجم الکبیر" میں یحییٰ بن ایوب کلاهما عن زبان ان فائدة وبهذا الاسناد کے طریق سے روایت کیا ہے۔[3]

اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا، حقیقی باپ سے برأت اور اس سے اعراض ہے، اسی طرح نسب بدلنا اپنے آباء سے برأت اور ان سے اعراض ہے اور حدیث شریف میں برأت اور اعراض سے منع کیا گیا اور ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ وعیدیں بیان کی گئیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں ستھرا رکھے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔

اور اس میں بھی وہی تاویلیں ہیں جو پہلے ذکر کی جا چکیں کہ اگر کوئی شخص اس برأت و اعراض کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے تو حدیث شریف اپنے ظاہر پر رہے گی اور اگر حلال نہیں جانتا تو یہ کلمات صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے بطور تغلیظ وزجر وارد ہوئے۔

اور علمائے کرام نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام نہ فرمانا شدتِ غضب سے کنایہ ہے، چنانچہ علامہ ابو الحسن سندھی لکھتے ہیں: قوله: لا يكلّمهم الله: كناية عن شدّة الغضب۔ اور انہیں ستھرا نہیں کرے گا" کا مطلب ہے کہ انہیں گناہوں کے میل سے پاک نہیں کرے گا اور ان

---

[1] (عارضة الأحوذي، كتاب الولاء، باب ماجاء فيمن تولى غير موالیه، ۴، ۲۱۹/۸/۲۱۲۷)

[2] (المسند ۳/۴۴۰)

[3] (المعجم الكبير ۲۰/۱۹۵، برقم: ۴۳۷ وقال فيه: عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه)

کی طرف نہیں دیکھے گا کا مطلب ہے کہ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا ورنہ کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔[1]

نسب بدلنا بہت بڑا بہتان ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الواحد بن عبد الله النصری قال :سمعت واثلة بن الأسقع یقول :قال رسول الله ﷺ :انّ من أعظم الفری أن یدّعی الرّجل الیٰ غیر أبیه الخ۔ یعنی، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت اپنے والد کے غیر کی طرف کرے۔

اور وہ اس طرح کہ اس سے بڑا بہتان اور کیا ہوگا کہ آدمی اپنے خالق پر بہتان باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفے سے پیدا فرمایا وہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اپنے باپ پر بھی بہتان ہے کہ میں تیرے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں، اسی طرح ماں پر بھی یہ عظیم بہتان ہے۔[2]

ذکر کردہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وعیدیں

علماء اسلام نے ارشاداتِ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد کلمات کی جو توجیہات وتاویلات اور ان میں پائے جانے والے احتمالات ذکر کئے وہ اپنی جگہ درست ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نسب بدلنے والوں، غیر آباء کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے لئے حضور نبی کریم ﷺ نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں انہیں مدنظر رکھے، اور اس قبیح وشنیع عمل کی گرد سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا۔

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں فرمائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

۵۔ اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، اور احمد نے اسے حضرت سعد بن اَبی وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۶۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اسے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۸۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

---

[1] (تحقیق مسند امام احمد، ۲۴/۳۹۸)

[2] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۹، ۴۱۶/۲، ۴۱۷)

۹۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ نفل۔جیسا کہ امام مسلم،ترمذی اور طبرانی نے اسے حضرت علی المرتضیٰ اور عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔جیسا کہ امام مسلم اور امام احمد نے اسے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ وہ کافر ہو جائے گا۔جیسا کہ امام بخاری،مسلم،ابو داؤد اور احمد نے اسے حضرت ابو ذر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۲۔نسب کا انکار کفر ہے۔جیسا کہ امام ابن ماجہ،احمد،طبرانی اور ابن عدی نے اسے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۳۔آدمی کا ایسے نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا جو معروف نہیں،کفر ہے۔

۱۴۔ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔جیسا کہ امام طبرانی،ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۵۔نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔جیسا کہ امام طبرانی،براز اور ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۔نسب کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔جیسا کہ امام طبرانی نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۷۔وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حکم

علماء اسلام نے قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے نسب بدلنے کو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام و گناہ لکھا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے،شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ "صحیح البخاری" کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الحدیث تحریم الانتفاء النسب المعروف، والادعاء الی غیرہ۔

یعنی اور حدیث شریف میں معروف نسب کی نفی اور اپنے آپ کو حقیقی باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کا حرام ہونا مذکور ہے۔[1]

شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی لکھتے ہیں : جان بوجھ کر نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے یہاں تک کہ اس حدیث میں اسے کفر تک فرمایا گیا ہے،نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی یعنی اپنے باپ کے نسب سے انکار کرنا،دوسرے اثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے بڑی آسانی سے لوگ اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلانے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ سید نہیں غالباً یہ بیماری پہلے بھی رائج تھی۔[2]

اور امام جمال الدین عبدالرحمن بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنے ایک رسالہ میں والدین سے اعراض اور غیر باپ کی طرف نسبت کو گناہ قرار دیا اور مسند امام احمد اور صحیحین سے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء ذکر کی ہے۔[3]

---

[1] (عمدۃ القاری، کتاب المناقب، باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم :۳۵۰۸، ۱۱/۲۵۹) (فتح الباری، کتاب المناقب، باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم :۸، ۳۵۰۸/۶/۶۷۰) (صحیح البخاری، برقم :۳۵۰۸)

[2] (نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث :۱۸۵۳، ۷/۱۹)

[3] (بر الوالدین و صلۃ الرحم، فصل فیمن تبرأ من والدیہ الخ، وفصل اثم من ادّعی الی غیر أبیہ، ص ۶۱، ۶۲)

اور امام ذہبی نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب ''الکبائر'' میں ہے۔
اور علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے بھی اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔[1]

اہلِ بیت اِطہار

اہل بیت اِطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین روئے زمین پر سب سے بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ان ہی کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ تواتر سے ملتی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔(الاحزاب :۳۳)
ترجمہ :اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے، نبی اکرم ﷺ کے گھر والو! اور تم کو پاک وصاف فرمادے، جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

''مسند'' اور ''معجم کبیر'' میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ''نزلت ھٰذہ الاٰیۃ :فی خمسۃٍ :النبیّ ﷺ وعلیّ رضی اللہ عنہ وفاطمۃ رضی اللہ عنہا والحسن رضی اللہ عنہ والحسین رضی اللہ عنہ'' یعنی یہ آیۂ مبارکہ پانچ شخصیات کے لئے نازل ہوئی۔نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔

شرفِ انفرادی تطہیر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ''خرج النبی ﷺ ذات غداۃ وعلیہ مرطٌ مرجل من شعر اسود، فجاء الحسن رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم جاء الحسین رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم جائت فاطمۃ رضی اللہ عنہا فادخلھا ثم جاء علی رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم قال: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا}
ایک دن نبی پاک ﷺ اُونی دھاری دار چادر اوڑھے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو چادر میں داخل کر دیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل کر دیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمانے کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

خاص اہل بیتِ نبوی ﷺ

''سنن ترمذی'' میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ کر فرمایا ''اللّٰھمّ ھؤلاءِ اھل بیتی و حامتی -ای خاصتی -اذھب عنھم الرّجس و طھرھم تطھیراً۔(اے اللہ! یہ میرے ''خاص اہل بیت'' ہیں ان سے آلودگی کو دور فرما کر ان کو پاک وصاف فرمادے)۔حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو خیر پر ہے۔اس سے مراد ہے ''انت من ازواج النبی ﷺ'' کہ تو تو نبی ﷺ کے گھر والی ہے۔{ازواج اور اولاد کی مجموعی صورت ہی کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے}

یہ! میرے اہلِ بیت ہیں

''سنن ترمذی'' میں حضرت ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جس وقت آپ ﷺ حضرت امّ سلمہ

---

[1] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثانیۃ والثالثۃ والتسعون بعد المائتین ۲/ ۹۹، ۱۰۰)

رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلوایا اور ان کو چادر میں ڈھانپ کر فرمایا :''اللھمّ ھؤلاء اھلُ بیتی فاذھب عنھم الرِّجسَ و طھّرھم تطھیرا۔ کہ یارسول اللہ ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا :''تیرا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور تو نیکی اور بھلائی پر ہے۔''

''مسلم'' اور ''ترمذی'' میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ''آیتِ مباھلہ'' سورۃ آل عمران، آیت ۶۱ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور فرمایا ''اَللّٰھمّ ھَؤُلاءِ اَھلِی'' اے اللہ! یہ! میرے اہل (گھر والے) ہیں۔''

اھلُ بیتی حقّاً

''مستدرک'' میں حضرت واثلہ بن الأسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔میں وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بائیں ران پر بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سامنے بٹھا کر ان سب کو چادر یا اپنی عباء میں ڈھانپ کر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا :''اللھمّ ھؤلاء اھل بیتی حقًّا'' اے اللہ یہ! ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں۔''

''معالم العترۃ'' اور ''مسند امام احمد'' میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا صبح کے وقت ہنڈیا میں حلوہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور خدمتِ اقدس میں حلوہ پیش فرمایا۔آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ میرے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا : فاذھبی فادعیہ و آتینی ببنیہ! کہ تم جاؤ، ان کو اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں تشریف لائیں۔آپ ﷺ نے ان سب پر خیبر سے لائی ہوئی چادر ڈال کر فرمایا ''اے اللہ! یہ آلِ محمد ﷺ ہیں ان پر تو اپنا درود اور برکات بھیج جیسا کہ تو آلِ ابراہیم پر بھیجتا ہے، بے شک تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

''المطالب العالیۃ'' اور ''فتح الباری'' میں حضرت ابی الحمراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت ایک دروازے کی چوکھٹ پر تشریف لا کر فرماتے ''السلام علیک یا اھل البیت و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پھر فرماتے ''الصلاۃ رحمکم اللہ'' یعنی نماز کا وقت ہے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔پوچھا گیا کہ اس گھر میں کون ہے؟ فرمایا حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔

مصداقِ آیتِ تطہیر

''ضحاک'' فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ کے اہل ہیں کہ جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ناپاکی کو طہارت میں تبدیل فرما دیا ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ آدمی کی بیوی ہی پیار و محبت میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔''و الذی خصّ اللہ نبیّا، لقد خصّ اللہ بھٰذہ الاٰیۃ :فاطمۃ وزینب و رقیۃ و امّ کلثوم و علیّا و الحسن و الحسین و جعفراً و ازواج محمّد ﷺ خاصۃ و اقرباءہ۔ جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا

ہے تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیۃ مبارکہ ان سے مخصوص فرمائی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ کی ازواج مبارکہ رضی اللہ عنہن اور ان کے اقارب۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد جب شام تشریف لائے تو شام کے ایک شخص سے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت (انّما یرید اللہ۔۔۔) نہیں پڑھی، جس پر اس شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ ہی وہ شخصیات ہیں؟ جواب میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! ہم ہی اس آیتِ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

اہلِ بیتِ نسب

''صحیح مسلم'' میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواجِ مبارکہ بھی شامل ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نبی پاک ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت ہیں لیکن وہ اہل بیتِ نسب نہیں ہیں۔ **وانما اھل بیت نسبہ من حرم الصدقۃ** اور اہل بیت نسب وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں ''**ھم آل علی و آل جعفر و آل عقیل**'' کہ اولادِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ۔

اہل بیت کی فضیلت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول مبارک سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''**اللّھمّ انّھم منّی و انا منھم**'' اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! آگاہ رہو کہ جس نے میرے قرابت داروں کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

فضیلتِ بنو قریش و بنو ھاشم

حضرت سعد بن سہل الساعدی سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ ''**احبّوا قریشاً، فانّ من احبّھم احبّہ اللہ**'' قریش سے محبت کرو، جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائے گا۔

''صحیح مسلم'' میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من بنی اسماعیل و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم**'' تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

مسلم، ترمذی، ابوحاتم، اور حمزہ السھمی نے فضائل العباس میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پسند فرما کر ان کو اپنا دوست بنایا، پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پسند فرمایا، پھر نزار سے مضر اور مضر سے کنانہ اور کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنی ھاشم اور بنی ھاشم سے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور پھر اولاد عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مجھے منتخب فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ پر بنی ھاشم کی دوسری فضیلت سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ **قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا** میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو تلپٹ کیا **فلم اجد رجلا افضل من محمد** ﷺ لیکن مجھے محمد ﷺ سے افضل کوئی شخصیت نہیں ملی۔ **و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا** کہ میں نے

زمین کا مشرق ومغرب چھان ڈالا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

اہل بیت کرام سے احسان کا صلہ

دیلمی نے الفردوس میں حدیثِ نبوی ﷺ نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص میرے وسیلے سے روزِ قیامت شفاعت کا طلبگار ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میری اہلِ بیت سے تعلق رکھے اور انہیں خوشیاں بہم پہنچائے۔''

''ذخائر العقبیٰ'' میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''کیا تمہیں معلوم نہیں؟ بنی ہاشم کی عیادت فرض ہے اور ان کی زیارت نفل کا درجہ رکھتی ہے۔''

زیارتِ بنی ھاشم کی فضیلت

دار قطنی نے الفضائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''ہمارے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کو چلو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عیادت فرض میں اور ان کی زیارت نوافل میں شمار ہوتی ہے۔''

طبرانی نے الاوسط میں حدیث حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کسی نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے کسی بھی فرد سے نیکی کا ہاتھ بڑھایا اور وہ شخص اس نیکی کا بدلہ ادا نہ کرسکا، تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے، کل جب وہ مجھے ملے گا تو میں ادا کروں گا۔''

ایک علوی عورت کی خدمت کا صلہ

''تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمۃ'' میں ''سبط ابن الجوزی'' نے حضرت عبداللہ ابن المبارک رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ایک سال حج ادا کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت فرمایا کرتے، سالِ حج میں انہوں نے پانچ سو دینار نکالے اور کوفہ میں اونٹوں کی خریداری کے لئے چل پڑے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ جو گندگی کے ڈھیر سے ایک مردہ بلخ کو صاف کر رہی ہے، میں اس کے قریب گیا اور مردہ بلخ کو صاف کرنے کی وجہ دریافت کی، جس پر اس عورت نے جواب دیا کہ اے عبداللہ! تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق پوچھ رہا ہے جس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گزرا اور حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے میں نے دوبارہ اصرار کیا، جس پر اس عورت نے کہا کہ اے عبداللہ تو نے مجھے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب میں تجھے اصل صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں :انا امرأۃ علویۃ ولی اربع بنات یتامیٰ مات ابوھنّ من قریب، کہ میں ایک علوی خاتون ہوں میری چار یتیم بچیاں ہیں ان کا باپ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گیا ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً اب ہم پر مردار بھی حلال ہو گیا ہے، اس لئے اب اس بلخ کو صاف کر کے اپنی بچیوں کے کھانے کے لئے لے جا رہی ہوں۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا ''ویحک یا ابن المبارک'' کہ اے ابن مبارک، حیف ہے تجھ پر، یہ سب کچھ کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل سے حج ادا کرنے کی خواہش جاتی رہی اور میں نے مذکورہ رقم اس پریشان خاندان کے حوالہ کر دی۔ زمانہ حج گزر گیا اور لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنا شروع ہو گئے۔ میں جس حاجی کو بھی حج کی مبارک باد دیتا تو وہ جواباً مجھے بھی حج کی مبارک باد پیش کرتا اور کہتا کہ ہم نے آپ سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے، اور ہم فلاں مقام پر آپ سے ملے تھے، حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے مجھے اس قسم کی باتیں بتائیں کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ متفکر ہو گیا۔ فرأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام، وھو یقول :یا عبداللہ، لا تعجب فانک اغثت ملھوفۃ من ولدی، فسألت اللہ ان یخلق علیٰ صورتک ملکاً یحج عنک

کل عامٍ الیٰ یوم القیامۃ، فان شئت ان تحج، و ان شئت لا تحج۔ تو خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور آپ ﷺ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اے عبداللہ! تو اس بات پر تعجب نہ کر، تو نے میری اولاد کی ایک حاجت مند خاتون کی مدد کی، تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تیری شکل وصورت کا ایک فرشتہ پیدا کردے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کرتا رہے، اب تو حج ادا کر یا نہ کر یہ تیری مرضی ہے۔

جامع کرامات اولیاء از علامہ محمد یوسف اسماعیل النبھانی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، آپ بہت بڑے امام اور عارفین میں عظیم شخصیت ہوگزرے ہیں۔ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنی دونوں آنکھیں کھولیں، پھر ہنسے اور کہا لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون کہ کام کرنے والوں کو ایسے ہی کام کرنے چاہئیں۔

ایک علوی خاتون سے نیکی پر مجوسی کو زیارتِ رسول ﷺ اور جنت میں محل

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الملتقط میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علوی بزرگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر بلخ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد اس علوی بزرگ کا انتقال ہوگیا اور ان کی خاتون دشمنوں کے خوف سے اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر شدید سردی کی حالت میں سمرقند چلی گئیں۔ بچیوں کو مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے کی تلاش میں باہر نکلی، وہ خاتون بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک بزرگ شخص کے ارد گرد جمع ہیں، میں نے اس شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ "ھٰذا شیخ البلد" کہ یہ شہر کے بڑے بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی، اپنی ساری داستانِ غم سنائی جس پر انہوں نے کہا "اقیمی عندی البینہ انک علویۃ" تو مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کر کہ تو علویہ (خاندانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس نے میری کوئی بات نہ سنی اور میں مایوس ہو کر واپس مسجد کی طرف چل پڑی تو راستے میں دیکھا کہ ایک اور بڑے آدمی چبوترے پر بیٹھے ہیں، اور ان کے گرد بھی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ھذا ضامن البلد" کہ یہ شہر کا ذمہ دار آدمی ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اس شخص کے ہاں میری مشکل کا حل نکل آئے، میں آگے بڑھی اور اپنی داستانِ غم اسے بھی سنادی اور "شیخ البلد" سے بھی اپنی ملاقات کا ذکر کردیا، مجوسی نے فوراً اپنے ملازم کو بلایا اور کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو پیغام دو کہ فوراً تیار ہو کر باہر آئے۔ کچھ ہی دیر میں اس مجوسی کی بیوی تیار ہو کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ باہر آگئی، مجوسی نے اسے کہا کہ اس خاتون کے ہمراہ فلاں مسجد میں جاؤ اور ان کی بچیوں کو گھر لے کر آؤ۔ علوی خاتون بیان کرتی ہیں کہ مجوسی کی بیوی میرے ساتھ چلی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، ہمارے لئے بہترین رہائش کا انتظام کیا، قیمتی لباس پہنائے اور مختلف قسم کے کھانوں سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے انتہائی آرام وسکون کے ساتھ رات گزاری۔ آدھی رات کے وقت اس مسلمان "شیخ البلد" نے ایک خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور سرکار ﷺ تاجِ شفاعت پہنے ہوئے ہیں۔ ایک سبز مرد کا محل بھی اس نے دیکھا، جس پر "شیخ البلد" نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا یہ ایک مسلمان کا محل ہے۔ "شیخ البلد" رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ نے اس سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جس پر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جب کہ میں مسلمان ہوں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: "اقم البینۃ عندی انک مسلم" کہ تو اپنے مسلمان ہونے پر دلیل دے۔ وہ شخص حیران و پریشان ہوگیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کہا کہ کیا اب تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے اس علوی خاتون سے کہی تھی؟ وہ علوی خاتون اپنی بچیوں کے ہمراہ جس شخص کے گھر میں اب قیام پذیر ہیں، یہ اس شخص کا محل ہے۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا، روتا ہوا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا اس علوی خاتون کی

تلاش کے لئے باہر نکل آیا۔اسے پتہ چلا کہ وہ خاتون اس مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں،وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور اس علوی خاندان کے بارے میں پوچھا جس پر مجوسی نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس مقیم ہیں۔اس نے کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دو،مجوسی نے جواب دیا کہ اب یہ ناممکن ہے۔"شیخ البلد" نے اس مجوسی سے کہا کہ یہ ہزار دینار ہیں ان کے بدلے اس خاندان کو میرے ساتھ کر دو۔مجوسی نے جواب دیا"لا و اللہ و لا بمائۃ الف" کہ نہیں خدا کی قسم!اگر تو ایک لاکھ دینار بھی دے تو اب یہ ممکن نہیں!"شیخ البلد" نے جب زیادہ منت سماجت شروع کر دی تو اس مجوسی نے کہا کہ جو خواب تو نے دیکھا ہے،وہ خواب میں نے بھی دیکھا ہے،اور جس محل کا تو نے نظارہ کیا ہے تو میرے ہی لئے تیار کیا گیا ہے،اور اگر تو اپنے مسلمان ہونے پر نازاں ہے تو پھر سن لے،خدا کی قسم!میں اور میرے اہل خانہ رات کو اس وقت تک نہ سوئے کہ جب تک ہم سب نے اس علوی خاتون کے دستِ مبارکہ پر اسلام قبول نہیں کر لیا۔اور اب ہم پر اسلام کی برکات کا نزول بھی شروع ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بھی شرف حاصل کر لیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :القصر لک و لاھلک بما فعلت مع العلویۃ و انتم من اھل الجنۃ خلقکم اللہ مؤمنین فی القدم، یعنی یہ محل تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لئے ہے اور یہ اس نیکی کا بدلہ ہے جو تو نے اس علوی خاتون کے ساتھ کی اور تم اہل جنت میں سے ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سب کو بہت پہلے سے مسلمان پیدا کیا تھا۔

امیر تیمور کو اہل بیت سے محبت کا صلہ

"بلخی" نے"ینابیع المودۃ" اور"صواعق محرقۃ" میں نقل کیا ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد قرأ حضرات اس کی قبر پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ایک قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب قرأ حضرات کی جماعت کے ساتھ اس کی قبر پر آتا تو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا اور جب کبھی اکیلا قبر پر آتا تو سورۃ الحاقۃ کی آیت ۳۰ اور ۳۱ تلاوت کیا کرتا :"پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو،پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔" اور یہ آیات میں اکثر تلاوت کیا کرتا،ایک رات جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا،میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں اور پہلو میں امیر تیمور بھی بیٹھے ہوئے ہیں،قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا"الی ھنا یا عدوّ اللہ وصلت" کہ اے دشمن خدا!تو یہاں تک پہنچ گیا ہے۔میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ ﷺ سے دور کر دوں جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :دعہ فانہ کان یحبّ ذرّیتی! کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ میری اولاد سے محبت کرتا تھا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور امیر تیمور کی قبر پر جو خلوت میں پڑھا کرتا تھا،اس کو ترک کر دیا۔

"صواعق محرقۃ" میں "الزین عبد الرحمن البغدادی الخلال' بیان کرتے ہیں کہ امیر تیمور کے کچھ وزراء نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ امیر تیمور سخت بیمار ہوا،چند دن شدت اضطراب میں گزارنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد خود ہی دوبارہ اس کا چہرہ ٹھیک ہو گیا،اس کی وجہ جب پوچھی گئی تو امیر تیمور نے خود بیان کیا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے اور اسی دوران رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ شخص میری اولاد سے محبت اور ان سے احسان کیا کرتا تھا۔

نسب بدلنے کا شرعی حکم میں حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کا مطالعہ کیجئے۔میں نے اس کتاب سے کچھ عبارات یہاں لکھ دی ہیں۔

(۴)﴿باب نمبر چار فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرنے کا بیان﴾

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں

ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلاً ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

کما فی الاحادیث و الفقہ۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد عا کرنا اسی طرح تسبیحات پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ

"والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء و التسبیح۔[1]

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے :وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السنۃ اھ۔[2]

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

و فی قطب الارشاد ص ۲۵۲ ویستحب فی حق المقتدی و المنفرد وصل السنۃ بالمکتوبۃ الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یؤدی تاخیرہ الی الکراھۃ روی ان جلوس الامام فی مصلاہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ مستقبل القبلۃ بدعۃ۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلیٰ (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ اللھم انت السلام الخ پڑھ کر فوراً کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور ﷺ سلام پھیرتے تو اللھم انت السلام الخ کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے :

قال الطحطاوی ص ۱۸۶ فی باب الاذکار اللھم انت السلام الخ لیس بدعا بل ثناء۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اللھم انت السلام الخ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ مولانا عبدالمتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

و العلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر و العصر عقیب الفرض و فی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ[3]۔

احناف نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرے گا اور یہ مستحب طریقہ ہے :

و القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون۔[4]

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے یعنی اللھم انت السلام الخ سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہئے۔ بحر الرائق ص ۱۳۷ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے :

---

[1] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۲۷ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶ باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم)"

[2] (قسطلانی باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم ۲، ص ۱۳۶ نقال عن فتح الباری بحوالہ اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

[3] (الرسائل الستۃ)

[4] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ۔

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔قطب الارشاد ص ۲۵۲، شامی ص ۳۵۶ میں ہے۔وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن مؤکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ آثار و اخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ و اذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق و تابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔

فاسقنا (ذیل المدعا، ص ۱۸) اللہ تعالی و رسولہ الاعلی اعلم بالصواب

والظاهر ان الدعاء ليس بين السنة والفرض لان الفصل بين السنة والفرض بما زاد على اللهم انت السلام مكروه قال العلامة الشامي في ج ۱، ص ۴۷۷ وكذا لو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللهم انت السلام حتى لو زاد تقع سنته لا في محلها المسنون۔[1]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں :

فعلم من هذا ان الدعاء بين الفرض والسنة مكروه (البصائر ص ۱۲۳) ۔علامہ ابوعبدالرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ ﷺ سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔ابن تیمیہ نے بھی اس کی بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتوی دیا :

مسئلة :اذا دعا الامام والماموم عقيب صلوة الفرض جائز ام لا؟ الجواب :دعاء الامام والمأمومين جميعا عقيب الصلوة فهو بدعة لم يكن على عهد النبي ﷺ۔[2]

عن مجاهد قال قال عمر رضى الله عنه جلوس الامام بعد التسليم بدعة۔[3] فاما في صلوة الظهر والمغرب والعشاء يكره له المكث قاعدا لانه مندوب الى التنفل بعد هذه الصلوة والسنن لجبر نقصان ما يمكن في الفرائض فيشتغل بها وكراهية القعود في مكانه مروى عن علي وعمر وابن مسعود رضى الله عنهم[4] قال قال العلامة ملك العلماء علاؤ الدين ابو بكر بن مسعود كاساني حنفي وان كانت صلوة بعدها سنة يكره له المكث قاعدا وكراهية المكث مروية عن الصحابة روى عن ابى بكر وعمر وانهما كانا اذا فرغا من الصلوة قاما كانهما على الرضف۔[5]

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللهم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت مؤخر کرنا مکروہ ہے امام محمد علیہ

---

[1] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمداللہ دیوبندی)

[2] (زاد المعاد ج ۱، ص ۶۶، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)

[3] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)

[4] (مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)

[5] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۶۰)

الرحمہ فرماتے ہیں :

قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰۃ ان یقعد فی مکانہ الذی یصلی فیہ او یقوم قال اذا کانت صلوٰۃ الظھر او المغرب او العشاء فانی اکرہ لہ ان یقعد فی مقعدہ حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔[1]

عبدالرحمن (جزری) فرماتے ہیں :

الحنفیۃ قالوا یکرہ تنزیھا ان یفصل بین الصلوٰۃ و السنۃ الا بمقدار اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔[2]

صاحب کبیری فرماتے ہیں :

ویکرہ للمصلی ان یمکث فی مکانہ الذی صلی فیہ بعد ما سلم فی صلوٰۃ بعدھا سنۃ کالظھر و الجمعۃ و المغرب و العشاء الا قدر ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔[3]

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں :

ویکرہ الدعاء عند الختم بجماعۃ بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[4]

علامہ عبدالمتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص ۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ :

و استنبط من مجموع الادلۃ ان الامام لہ احوال لان الصلوۃ اما ان تکون مما یتنفل بعدھا او لا فان کان الاول ھل یشتغل قبل التنفل بالذکر الماثور ثم یتنفل و بذاک اخذ الاکثرون و عند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السدالخ۔[5]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج ۲ ص ۴۹ میں ہے :

القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون و کان النبی ﷺ اذا سلم لم یمکث الا مقدار اللھم انت السلام الخ۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :

و اما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[6]

مولوی زکریا لکھتے ہیں :والسنۃ ماتؤدی متصلا بالمکتوبۃ۔[7]

صاحب کبیری لکھتے ہیں۔

فان کان بعد المکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام الخ و یکرہ تاخیر السنۃ عن حال

---

[1] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)

[2] (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱، ص ۳۳۰)

[3] (کبیری شرح منیہ ص ۳۱۹)

[4] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۰۵)

[5] (الرسائل الستہ ص ۶۸)

[6] (الکوکب الدری ج ۱، ص ۱۹۳)

[7] (الغابر ج ۱، ص ۱۹۳)

اداء الفريضة باكثر من نحو ذالک المقدار لما روى مسلم عن عائشة (كبيرى ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ويكره تاخير السنة الا مقدار اللهم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فى ج ۱ ، ص ۳۹۱ قوله اللهم انت السلام الخ لما رواه مسلم والترمذى عن عائشة قالت كان كان رسول الله ﷺ لا يقعد الا بمقدار ما يقول اللهم انت السلام الخ۔[۱]

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

قال فى الاختيار كل صلوٰة بعدها سنة يكره القعود بعدها والدعاء بل يشتغل بالسنة كيلا يفصل بين السنة والفرض اھ۔[۲]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا :

بعد الفريضة الاشتغال بالسنة اولى من الاشتغال بالدعاء۔[۳]

قسطلانی فرماتے ہیں :

وعند الحنفية يكره له المكث قاعدا يشتغل بالدعاء لان القيام الى السنة بعد اداء الفريضة افضل من الدعاء والتسبيح والصلوٰة۔[۴]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض وسنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں :

ان المسنون عدم الفصل بين الفريضة والسنن الا قدر ما يقول اللهم انت السلام كما فى حديث عائشة عند مسلم والترمذى وهو الذى ذكره فى شرح الحاكم الشهيد۔[۵]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[۶]

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں :وكذا ذكر فى عقائد النسفية والمختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة ويكره ان يشتغل بالدعاء والتسبيح۔[۷] مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبد الہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں :وعند الحنفية يكره المكث قاعدا ان يشتغل بالدعاء لان القيام الى السنة بعد اداء الفريضة افضل من الدعاء والتسبيح والصلوة۔[۸]

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا :كراهة الدعاء بين

---

[۱] (نفائس مطلوبہ ص ۲۹)

[۲] (ثم المراقى اذكار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

[۳] (خلاصة الفتاوى، ج ۱، ص ۹۵)

[۴] (ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[۵] (فتح القدير، ج ۱، ص ۳۱۳)

[۶] (طحطاوى ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الكبير ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، هكذا فى الفتاوى الهندية والدر المختار مراقى الفلاح ص ۱۷۱، حاشية الغرغشتوى ج ۱، ص ۹۴، نور الايضاح، الاشباه والنظائر ص ۸۴، خلاصة الفتاوى ج ۱، ص ۹۵، منهاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، رد المحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

[۷] (معارف السنن، جامع الكمالات، مقالات غازى ص ۱۸، ۱۷)

[۸] (ارشاد الساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ كمالات الحقانى على مقالات الغازى ص ۱۷)

الفرض والسنة۔ اور دوسرا رسالہ بنام "توضیح المرام فی کراھۃ الدعاء بعد السلام" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔ علامہ عبد الجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں : وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء (تنبیہ الاخوان ص ۴) حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر اللھم انت السلام الخ کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[1] اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں :

وفی شرح صدر الشھید ان القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وفی تاتارخانی الاشتغال بالسنۃ بعد اداء الفرائض اولی من الاشتغال بالورد وان اخذ بالدعاء یکرہ۔[2]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

اذا سلم الامام من الظھر او المغرب او العشاء کرھت لہ المکث قاعدا لکنہ یقوم الی التطوع۔[3]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دار العلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "السیف المبیر علی اتباع ملا فنجفیر" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

دلیل والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح الخ۔[4]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن وفرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں :

وکذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنۃ لا فی محلھا المسنون۔[5]

عمدۃ القاری میں ہے : والنص ان التاخیر مکروہ ج ۳، ص ۱۲۲۔ فتاوی برہنہ میں ہے : وبعد از سلام فرض زود برخیزد و درنگ نکند مگر بقدر اللھم انت السلام الخ زیادہ ازین کراھت ست و بدعت۔ فتاوی ہندیہ میں ہے :

وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التاتارخانیہ (ھندیہ ج ۱، ص ۷۷) لان الاوراد تکون بعد السنۃ لانھا بین الفرض والسنۃ مکروہ۔[6]

علامہ ظاہر شاہ نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف (چند) فتاویٰ ذکر کئے ہیں۔ مفتی فضل سبحان قادری نے فتوی دے کر فرمایا نیز امام ابن ہمام و بقالی و دیگر علماء کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہو اور ان فرائض کے بعد صرف اللھم انت السلام الخ فصل بین الفرائض والسنن کرنا چاہئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے۔[7]

حضرت علامہ مفتی ابو عیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتوی دیتے ہوئے فرمایا : نماز فرض سنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم

---

[1] (اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[2] (شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضا فی فتح القدیر ص ۴۱۶ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرۃ النیرۃ ص ۷۲، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمہ ص ۹۰، عقائد سنیہ ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

[3] (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

[4] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۳۷ نقلا عن فتح الباری والقسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶، السیف المبیر ص ۷۰)

[5] (شامی ج ۱، ص ۱۷۰)

[6] (اطفاء الفتن ص ۷)۔ (دعا بعد السنن والنوافل ص ۱۴، ۱۳)

[7] (فتوی دار العلوم قادریہ، مردان ۳۱ جنوری، ۱۹۸۱ء)

انت السلام الخ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہیں۔[1]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے اللھم انت السلام الخ کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد و دعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے اللھم انت السلام کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ (فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو) علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

وقال صاحب خلاصة الفتاوی بعد الفریضة الاشتغال بالسنة اولی من الاشتغال بالدعاء ج ۱، ص ۹۵۔ وفی الاشباہ والنظائر والاشتغال بالسنة عقب الفرض افضل من الدعاء ص ۱۲۷۔

(فتوی مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی) علامہ مفتی عبد السبحان قادری فرماتے ہیں :

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ اھ۔[2]

قولہ لیس بدعاء الخ۔ یعنی فرض کے بعد جو اللھم انت السلام الخ پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ **:اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء وقولہ حَیِّنَا الخ لا اصل لہ بل مختلق بعض الناس۔**[3]

اسی وجہ سے مسلم و ترمذی و مشکوۃ وغیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوۃ میں نقل کئے ہیں لہٰذا اللھم انت السلام کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[4]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں :

قال الفقھاء ان اللھم انت السلام کما ھو وارد فی الاحادیث لیس بدعاء بل ذکر کما قال العلامة الطحطاوی فی شرح المراقی ص ۱۷۱ قولہ والدعاء ھذا لا ینافی الاتیان باللھم انت السلام اھ لانہ لیس بالدعاء بل ثناء۔

آگے فرماتے ہیں **:فعلم من ھذا الکلام ان انت السلام کما ھو الماثور فی الروایات لیس بدعاء۔**[5]

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر اللھم انت السلام الخ پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں **:ان ھم الا یخرصون۔** کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں **:کقولہ لانہ لیس بدعاء بل ثناء، طحطاوی ص ۱۷۱۔**

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں :

---

[1] (شامی ج ۱ ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰، فتاوی برہنہ وغیرہ) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

[2] (بحر الرائق صفۃ الصلوۃ ج ۱ ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی) (دعا بعد السنن والنوافل ظاہر شاہ میاں قادری)

[3] (القصاص) شرح المشکوۃ ثم طحطاوی ص ۱۸۶، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰۶، واشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوۃ ص ۴۴۸ وفتح القدیر نوافل ج ۱، ص ۱۸۶ وغیرھا)

[4] (کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ ص ۶)

[5] (البصائر ص ۱۲۲)

ان ادعیۃ النبی ﷺ قد اخذت مأخذ الاذکار ولیس فی الاذکار رفع الایدی۔[1]

مولوی یوسف بنوری لکھتے ہیں :

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار واکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[2]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں : نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر ومغرب وعشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہئے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[3]

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے۔[4]

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد و وظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[5]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان کے بعد صرف اللھم انت السلام تایا ذا الجلال والاکرام یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[6]

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعا کرنا چھوڑ دیں اور مختصر دعا مانگیں۔ اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب.

(۵) ﴿باب نمبر پانچ سماع الموتیٰ کے اثبات کا بیان﴾

بعض علماء اس سے انکار کرتے ہیں کہ مردے نہ تو زندوں سے کلام کر سکتے ہیں اور نہ زندہ مردوں سے کلام کر سکتے ہیں اور نہ قبر میں تلاوت قرآن پاک کر سکتے ہیں اور نہ قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں حالانکہ مُردہ زندوں سے کلام کر سکتا ہے اور زندہ مُردوں کی بات سُن سکتا ہے اور مُردہ قبر میں تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتا ہے۔ اور قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو بھی پہچانتا ہے۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

''اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مُردوں کی بات زندہ

---

[1] (فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۱)

[2] (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۴)۔ (مخزن الدلائل ص ۸۴، ۸۵)

[3] (رد المحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

[4] (بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

[5] (فتاوی دار العلوم دیوبند)

[6] (وقار الفتاوی ص ۱۲۲، ج ۲)

بھی سُن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں"۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلاف میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں نے ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی! "السلام علیکم انصتوا انصتوا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "بعد الموت تکلم" کرنے کا واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور آئمہ حدیث و روایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے۔ "کما فی الاصابة" بحوالہ تذکرہ شاہ عبدالرحیم و شاہ ابوالرضا دہلوی مرتبہ : نسیم احمد فریدی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع ضمیمہ "اہلِ قبور کی زندوں سے ہم کلامی" از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۷۱، ۱۷۲)[1]

مرتبہ: مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا دیوبندی "فضائل صدقات میں روض الریاحین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ۔

ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چُرایا کرتا تھا اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا تو لوگوں نے قصہ پوچھا تو اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنّا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔[2]

نیز فضائل صدقات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ "شیخ ابو یعقوب سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[3]

---

[1] تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین :بحوالۂ :ملفوظاتِ محدث کشمیری مرتب :سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری ص ۱۲۸ بحوالۂ فتاوی رحیمیہ :ص ۲۰۳۔

[2] (روض الریاحین، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)

[3] (روض الریاحین، فضائل صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)

فضائل صدقات میں ہی مذکور ہے کہ۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو نہلانے کیلئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی ایک اور بزرگ ان کے رفیق (دوست) آئے تو انہوں نے غسل دیا۔[1]

اس کے بعد شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ۔

غرض صاحب روض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ! اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی تصنیف ''شوقِ وطن'' میں ہے۔

عن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اما و اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد ادخلت ثابتا البنانی فی اللحد و معی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فإذا ھو فی قبرہ یصلی و کان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا فما کان اللہ لیرد دعائہ۔[3]

ترجمہ: حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے اُن پر کچی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے۔ سو خُدا تعالیٰ نے ان کی دُعا رد نہیں فرمائی۔ (بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے) (اخرجہ مسلم) اس طرح ان کو عطا ہوئی۔[4]

مولانا سید نور الحسن بخاری دیوبندی ''حیات الاموات'' میں لکھتے ہیں کہ۔

حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم و رفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء کا بھی قبر میں نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات تابعین میں سے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اصحاب میں تھے ان کا فرمان ہے! ''ہر شئ کی ایک کنجی ہوتی ہے اور ثابت خیر کی کنجی ہے''۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

---

[1] (روض الریاحین، فضائل صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

[2] (فضائل صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۲)

[3] (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

[4] (شوقِ وطن ص ۲۳، ۳۹، ۴۰ مطبوعہ مکتبۂ اشرفیہ، محمد علی روڈ بمبئی بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو۔

عن ثابت البنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلوۃ فی قبری۔ [۲]

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الٰہی! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرما۔ ابونعیم کی روایت ہے، جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "واللہ الذی لا الٰہ الا ھو" میں حمید طویل کے ساتھ بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر تھا "یصلی فی قبرہ" وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ نے اس کی دعا قبول کرلی۔ [۳]

ابن جریر نے "تہذیب الآثار" میں اور ابونعیم نے ابراھیم بن الصمہ المہلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرأۃ القرآن کی آواز سُنی ہے۔ [۴]

ابن مندہ نے بسند روایت کی ہے کہ ابوحماد الحفّار جو ثقہ اور متقی تھے، نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سُنی۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی "شوق وطن" میں لکھتے ہیں کہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال ان بعض اصحاب النبی ﷺ جلس علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فإذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی ﷺ فاخبرہ فقال رسول اللہ ﷺ ھی المانعۃ وھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔ [۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی ہے جو سورۂ مُلک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو آکر خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورۃ عذاب سے بچانے والی اور نجات دینے والی ہے کہ مُردے کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔

ابوالقاسم السعدی نے کتاب "الروح" میں لکھا ہے کہ۔

ھٰذا تصدیق من النبی ﷺ بان المیت یقرأ فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذٰلک وصدّقہ رسول اللہ ﷺ۔

ترجمہ: یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرآت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ امام کمال الدین "کتاب العمل المقبول فی زیارۃ رسول ﷺ" میں لکھتے ہیں کہ۔

ھٰذا الحدیث واضح الدلالۃ علی ان المیت کان یقرأ فی قبرہ سورۃ الملک۔

---

[۱] (تابعین۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

[۲] (طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وابونعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸، حیات الاموات ص ۶۳)

[۳] (شرح الصدور ص ۷۸ ایضًا)

[۴] (شرح الصدور ص ۷۸)

[۵] (اخرجہ الترمذی، شوق وطن ص ۴۰، ۲۴، ۲۳، فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں تلاوت کرتی ہے۔اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فإذا كان من كرامة الله لاولیائه تمكين من الطاعة و العبادة في القبر فالانبياء بطريق الاولى۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان و الاقامة عند الدارمي و قرأة القرآن عند الترمذي الخ۔[1]

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا ترمذی کی روایت میں۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''اخبار الاخیار'' میں شیخ محمد ترک نارنومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیب زمین نشیب شہید کہتے ہیں۔کہ یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے۔کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی ہے جو بطریق دَور پڑھتے تھے۔[2]

صاحبِ خزینۃ الاصفاء شیخ روزبان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ۔

شیخ ابوطاہر جو شیخ روزبان کے اصحاب میں سے ہیں، کہتے ہیں! کہ میں اور شیخ روزبان ہر روز صبح کو قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔جب ان کا انتقال ہوگیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہوگئی ایک دن میں نے پچھلی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرھانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر سے تلاوت کی آواز سُنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سُنتا رہا۔یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر ایک دوست سے کر دیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہوگیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

ایک شخص ہر روز بوقتِ سحر اپنے شیخ کے ساتھ دس پارے دَور کرتا تھا اس کے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے تو وہ مُرید حسبِ عادت وقتِ سحر شیخ کی قبر پر پہنچا اور پڑھنا شروع کر دیا جب اس نے دس پارے پورے پڑھ لیے تو اس قبر سے آواز آئی کہ شیخ پڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ جب دس پارے پورے ہوئے تو شیخ خاموش ہو گئے۔دَور کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اس شخص نے یہ راز اپنے بعض ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔[3]

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا سرِ اقدس مصر میں دفن کیا گیا تو لوگ ان کی قبرِ اطہر سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنتے تھے۔[4]

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳، کتاب العلم باب من اجاب الفتیا۔ مطبع مجلس علمی دابھیل)

[2] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۰۹)

[3] (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

[4] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۳۸۴)

حضرت احمد بن محمد الطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ہر جمعہ کی شب میں تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[1]

حضرت آمنہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبرِ انور سے رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی آواز آتی تھی۔[2]

امام شعرانی کے جد کریم حضرت علی بن شہاب الدین شعراوی کے متعلق شیخ علی العیاشی جو اہلِ قلب حضرات میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ۔

ایک مرتبہ وہ امام شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے اندر قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز آرہی ہے۔شیخ نے سورۃ مریم سے تلاوت شروع فرمائی اور سورۃ رحمٰن پر اختتام فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو خاموش ہو گئے۔[3]

مولانا قاری ظہور احمد فیضی ''انوار العرفان فی اسماء القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ۔

قبر کے اندر تلاوتِ قرآن کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ آپ کی قبر شریف سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[4]

یہ سعادت بھی اس امت کے خواص کو حاصل ہے کہ ان کی قبر پر اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرے اور اسے پڑھتے پڑھتے متشابہ لگ جائے یا غلطی ہو جائے تو وہ قبر کے اندر سے غلطی بتلاتے تھے۔چنانچہ حضرت علی بن عمر الحمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ۔

ایک مرتبہ ان کی قبر پر ان کے فرزند حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش پائے گئے ایک شخص نے چند ساتھیوں کے ساتھ ملکر انہیں اُٹھایا اور ان کے گھر پر پہنچا دیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے مدہوشی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ابا حضور کی قبرِ انور پر تلاوت کر رہا تھا اچانک مجھے غلطی لگی تو میں نے سُنا کہ میرے والد محترم قبر کے اندر سے مجھے لقمہ دے رہے ہیں پس میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔[5]

حضرت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۳۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ۔

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی آزمائش کی گئی یہاں تک کہ وہ بادشاہ واثق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ابراہیم بن اسمٰعیل بن خلف کہتے ہیں کہ جب ان کی گردن تن سے جُدا ہو کر زمین پر آرہی تو میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ ان کا سر قرآن پڑھ رہا ہے۔میں اس طرف گیا تو وہاں کچھ گھوڑوں پر اور کچھ کھڑے کھڑے ان پر پہرا دے رہے تھے جب سب آنکھیں سو گئیں تو اُن کے سر نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا جو کچھ ان سے سُنا گیا اس میں یہ آیت بھی تھی، ''الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ (العنکبوت) الف لام میم کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔[6]

یہاں یہ واقعہ بھی کافی مناسبت رکھتا ہے کہ۔حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ سکندری شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۰۹ھ

---

[1] (الکواکب الدریۃ ج ۲ ص ۳۸۴)

[2] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۲۳۰)

[3] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۴۵۹)

[4] (طبقات الکبریٰ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۶، الکواکب الدریۃ للمناوی قسم اول ج ۱ ص ۲۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۶)

[5] (جامع کراماتِ اولیاء ج ۶ ص ۲۸۶، ۲۹۰)

[6] (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۳۷، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۶، شرح الصدور ص ۲۱۰، الکواکب الدریۃ ص ۵۴۰)

کے حالات میں ہے کہ۔

ایک مرتبہ ان کی قبر پر مشہور ترین حنفی فقیہ حضرت امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ حاضر ہوئے اور سورۃ ھود پڑھنا شروع کی، جب ان الفاظ پر پہنچے ''فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيدٌ ﴿ھود ۱۰۵﴾ تو قبر سے آواز آئی :''یا کمال! لیس فینا شقی، فاوصی ان یدفن ھناک'' اے کمال! ہمارے اندر کوئی شقی نہیں ہے، اس پر امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وصیت پوری کرائی اور آپ کو حضرت ابن عطااللہ سکندری کی قبر کی غربی جانب دفن کیا گیا۔[2]

مفتی سید عبدالرحیم دیوبندی سے سوال کیا گیا کہ بزرگانِ دین حین حیات یا بعد الوفات حج کیلئے یا دیگر مقامات پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟ مفتی عبدالرحیم جواب دیتے ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کرسکتے ہیں، حج کے لیے بھی جاسکتے ہیں، مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یادِ الٰہی، سنت کی پیروی اور اتباعِ شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہوگا۔ حقیقتِ السورت میں ہے کہ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۲ھ میں وفات ہوئی، جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا آپ فرمارہے تھے کہ میں حج کے لیے جارہا ہوں چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہوکر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔[3]

اسی طرح فتاوی رحیمیہ میں اور واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''کفایۃ المعتقد'' میں کہا ہے کہ۔

بعض فقہاءِ صالحین سے فقیہ الکبیر ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر میں سورت نور کی قرآت کی سماعت مشہور ہے۔[4]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ علماءِ اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ غیر انبیاء بھی قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قبر مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔

مولانا محمد شعیب دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنی کتاب ''معجزے او دلیلونہ'' ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ ''الحق'' رسالے میں ایک طالبِ علم کی شہادت کا واقعہ چھپا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح تھا کہ ایک طالبِ علم مولوی محمد شریف جو زرمل علاقے افغانستان کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے والد سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی مگر والد نے اجازت نہیں دی بالآخر والد کی اجازت کے بغیر ہی جہاد پر چلا گیا اور شاہ توری علاقہ ارگون پر پہنچ گیا اور معاون عبدالحمید کے ساتھ حرکتِ انقلابِ اسلامی سے ملکر جہاد میں شریک ہوگیا۔ شدید جنگ شروع ہوگئی اور مختلف مقامات سے مسلمان امداد کے لیے امیر ارسلا خان کی قیادت میں پہنچ گئے۔ یہ طالبِ علم بہت بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک کلاشنکوف کی گولی اس

---

[1] (الکواب الدریۃ ج ۳ ص ۱۰)

[2] (شرح حکم ابن عطااللہ السکندری ص ۲۲)

[3] (حقیقت سورت فارسی ص ۹۳، فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۳)

[4] (شرح الصدور ص ۸۷)

کے دل پر لگی جس سے وہ شہید ہوگیا۔سخت سردی اور برف باری کے موسم کی وجہ سے اس کی لاش اپنے مورچہ میں دو دن تک پڑی رہی۔ تیسرے دن اس شہید کو اپنے مرکز میں لا کر وہاں دفن کر دیا۔اس شہید طالب علم کے گاؤں کا ایک دوست زرمل پہنچا تو اس کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی پھر اس نے شہید کے والدین کو خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہوگیا ہے۔سات دنوں بعد اس شہید کے دوست نے مرکز میں آ کر امیر حرکت انقلابِ اسلامی سے عرض کی کہ اس شہید کا بوڑھا باپ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اس کے شہید بیٹے کو یہاں سے نکال کر اس کو دیں تا کہ وہ اسے اپنے گاؤں میں دفن کرے۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد امیر نے اجازت دے دی کہ اسے نکال لیا جائے۔جب اس شہید کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کا جسم تر و تازہ تھا اور نہایت خوبصورت تھا اور اپنا ہاتھ اُس نے اپنے دل پر رکھا ہوا تھا۔معاون عبدالحمید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے سات مرتبہ اس کے ہاتھ کو سیدھا کیا مگر جیسے ہی میں اس کا ہاتھ سیدھا کرتا وہ فوراً اپنا ہاتھ دل پر رکھ لیتا۔آخر کار ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔پھر مجاہدین نے اس کی لاش کو اُٹھا کر اس کے گاؤں پہنچا دی۔جب اس شہید کی لاش اپنے گاؤں پہنچی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے تو اس کا بوڑھا باپ اس کے پاس کھڑا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے باپ نے چیختے ہوئے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اے میرے جگر گوشے! اگر تم حق عقیدے اور اچھی نیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اگر اللہ رب العزت تم سے راضی ہے تو ابھی تم مجھ سے مصافحہ کرو تو میں اپنے تمام حقوق معاف کر دوں گا اور اگر تم نے مصافحہ نہیں کیا تو میں اپنے حقوق معاف نہیں کروں گا کہ تم میری بغیر اجازت کے میرے بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔سینکڑوں لوگ وہاں موجود تھے جن میں مجاہدین بھی تھے،اُن تمام لوگوں نے دیکھا کہ اس شہید نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے باپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔پھر اس کے باپ نے بلند آواز سے اُس کو معاف کیا۔اس واقعہ کی گواہی تقریباً بیس ہزار لوگ دیتے ہیں۔[1]

ان مذکورہ تمام واقعات و دلائل سے ثابت ہوا کہ مردہ قبر میں تلاوت کر سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے اور زندوں کا کلام سُن سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے اور گھوم پھر بھی سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے۔جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ۔

ان اللہ یعطی لارواحھم قوّۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاء ون وینصرون اولیاء ھم ویدمّرون اعدائھم إن شاء اللہ تعالٰی۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام علیہم السلام،صدیقین،شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا کرتا ہے تو وہ زمین،آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۶)﴿باب نمبر چھے سفید عمامے کا بیان﴾

بعض علماء سفید عمامہ شریف کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سفید لباس اور سفید عمامہ زندوں اور مردوں دونوں کا لباس ہے۔

دلیل ۱) حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خَیْرَ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیھَا مَوْتَاکُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔[2]

دلیل ۲) حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قَالَ رسول

---

[1] (ماہانہ "الحق" شمارہ نمبر ا ج ۱۷ ص ۱۴۰۲۲۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء)

[2] (ابن ماجہ ص ۲۵۵،کنزل عمال جلد ۵،ص ۳۰۱)

اللہ ﷺ اَلْبِسُوْ ثِیَابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَب ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں ۔[1]

تم پر سفید لباس لازم ہے

دلیل ۳) اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمة جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابة عن سمرة بن جندب اَنَّ رَسُوْل اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم قَالَ عَلَیکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ فَیلْبِسْھَا اَحْیَائُکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مُوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے ۔تمہارے زندہ سفید کپڑے پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو ۔[2]

سفید لباس مامور بہ ہے

دلیل ۴) اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت و حدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرة بن جندب اَنَّ رَسُوْل اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ قَالَ اَلبِسُوْا لِثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو ۔

دلیل ۵) اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیٰی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عرر به یحدث عن ایوب عن ابی قلابة عن ابی المھلب عن سمرة عن النبیّ صلّی اللہ علیه و سلّم قال اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے نبی کریم ﷺ سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو ۔[3]

دلیل ۶) اخبرنا الفضل بن دکین و یحیٰی بن عباقالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیه و سلّم اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو ۔[4]

سفید لباس اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس میں نماز پڑھنی چاہیئے

دلیل ۷) اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابة قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیه و سلّم اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ ابوقلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ

---

[1] (ابن ماجہ ص ۲۵۵)

[2] (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۲۱۹)

[3] (نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)

[4] (طبقات ابن سعد، جلد ۱ ص ۴۵۰)

محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[1]

دلیل ۸) حدثنا محمد بن بشار نا عبد الرحمٰن بن مهدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم اَلْبِسُوْا اَلْبَیَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2]

دلیل ۹) حدثنا احمد بن یونس نا زهیر نا عبد الله بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیْضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ اَلْاِثْمِدُ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ اثمد ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا کالا عمامہ اتروانا اور سفید عمامہ پہنانا

دلیل ۱۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ، ثَنَا أَبُو الْجُمَاهِرِ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو مَعْبَدٍ حَفْصُ بْنُ غَيْلَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَأَتَاهُ فَتًى يَسْأَلُهُ عَنْ إِسْدَالِ الْعِمَامَةِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: سَأُخْبِرُكَ عَنْ ذَلِكَ بِعِلْمٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، قَالَ: كُنْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَابْنُ مَسْعُودٍ، وَحُذَيْفَةُ، وَابْنُ عَوْفٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ بِهِمْ أُولَئِكَ مِنَ الْأَكْيَاسِ، ثُمَّ سَكَتَ الْفَتَى وَأَقْبَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ، خَمْسٌ إِنِ ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَنَزَلَ فِيكُمْ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يَعْمَلُوا بِهَا إِلَّا ظَهَرَ فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمْ، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَأَخَذُوا بَعْضَ مَا كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ يَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ إِلَّا أَلْقَى اللَّهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ" ثُمَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ يَتَجَهَّزُ لِسَرِيَّةٍ بَعَثَهُ عَلَيْهَا، وَأَصْبَحَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَدِ اعْتَمَّ بِعِمَامَةٍ مَنْ كَرَابِيسَ سَوْدَاءَ، فَأَذْنَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَقَضَهُ وَعَمَّمَهُ بِعِمَامَةٍ بَيْضَاءَ، وَأَرْسَلَ مِنْ خَلْفِهِ أَرْبَعَ أَصَابِعَ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ وَقَالَ: هَكَذَا يَا ابْنَ عَوْفٍ اعْتَمَّ فَإِنَّهُ أَعْرَبُ وَأَحْسَنُ ثُمَّ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ اللِّوَاءَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: خُذِ ابْنَ عَوْفٍ فَاغْزُوا جَمِيعًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ، لَا تَغُلُّوا وَلَا

---

[1] (طبقات ابن سعد، جلد ۱ ص ۲۱۹)

[2] (ترمذی شریف، جلد ۲ ص ۱۰۴)

[3] (ابو داود، جلد ۲ کتاب اللباس ص ۵۶۲)

تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، فَهَذَا عَهْدُ اللهِ وَسِيرَةُ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ.

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس آدمی یہ ہیں، ۱) ابو بکر، ۲) عمر، ۳) عثمان، ۴) علی، ۵) ابن مسعود، ۶) حذیفہ، ۷) ابن عوف، ۸) ابوسعید خدری، (نواں عبداللہ بن عمر خود اور دسواں سرور کونین رسول اللہ ﷺ) کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا مومن افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مومنوں میں سے اچھا اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمانا شروع کیا کہ اے مہاجرین کے گروہ! اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوٰۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہوگئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھا وہ چھین لیا۔ ۵) اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سریّہ کیلئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کو بھیجا جا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھردرے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ (کالے رنگ کا) عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کہ اے ابن عوف رضی اللہ عنہ! اس طرح عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلال رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابن عوف! (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول ﷺ کی سیرت ہے۔[1]

آپ ﷺ کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۱) وَلَبِسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِمَامَةَ الْبَيْضَاءَ وَالسِّوَادَ وَالصَّفْرَاءَ وَالْأَكْثَرَ الْبَيْضَاءُ۔[2]

"نبی اکرم ﷺ نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"۔

امام محمد رحمہ اللہ کا کالا عمامہ اتار کر دوبارہ نہ پہننا

دلیل ۱۲) وَكَانَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ يَتَعَمَّمُ بِالْعِمَامَةِ السَّوْدَاءِ فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ يَوْمًا مَسْتُورَةً" فَبَقِيَتْ تَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ وَهِيَ مُتَحَيِّرَةٌ

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۴۶۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

[2] (الدعامہ صفحہ ۸۶)

فَقَالَ لَهَا مَاشَأْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَ جْهِکَ تَحْتَ سِوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَهَا عَنْ رَاْسِهٖ وَ لَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَةِ اَلسَّوْدَآءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔

امام محمد رحمہ اللہ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔آپ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔تو امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔[1]

شعارِ اہلِ بدعت سے بچنا چاہئے

دلیل ۱۳) اِنَّ کُلَّ سُنَّةٍ تَکُوْنُ شِعَارَ اَهْلِ الْبِدْعَةِ تَرْکُهَا اَوْلٰی۔

ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔[2]

تفسیر روح البیان میں اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَ مِنْ سُنَّةِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَهْلِ اللَّغْوِ وَ اللَّهْوِ وَ الْمُجَانَبَةُ عَنْ اِتِّبَاعِ اَهْلِ الْهَوٰی وَ الْبِدَعِ۔

(ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔)

وَ رُوِیَ اَنَّ ابْنَ الْمُبَارَکِ رُئِیَ فِی الْمَنَامِ فَقِیْلَ لَهٗ مَا فَعَلَ رَبُّکَ بِکَ فَقَالَ عَاتَبَنِیْ وَ اَوْ قَفَنِیْ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً بِسَبَبِ اَنِّیْ نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ یَوْمًا اِلٰی مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِیْ فِی الدِّیْنِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

اولین مہاجرین کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۴) امام عبداللہ محمد بن ابی شیبہ المتوفٰی ۲۳۵ھ فرماتے ہیں

عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المهاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر۔[3]

سلیمان ابن ابی عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والے کیلئے دعا مانگنا

دلیل ۱۵) مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط

---

[1] ((۱) البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔ (۲) تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[2] (مرقاۃ جلد ۴، ص ۶۳)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

دلیل ہے۔اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم ان للہ ملائکۃ وقوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض (بحوالہ حکم العمامۃ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والوں پر درود بھیجنا

دلیل ۱۶) اخرج ابوبکر الھیثمی و عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔[1]

صحابی رسول ﷺ اور سفید عمامہ

دلیل ۱۷) ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء۔**

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔[2]

سفر میں کالا عمامہ

دلیل ۱۸) وقال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء و کل منھا سبعۃ اذرع۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا اور وہ دونوں سات گز تھے۔[3]

انبیاء اور ملائکہ کا لباس سفید ہے

دلیل ۱۹) ہدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ : **و فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ۔** رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔[4]

غزوہ احد کے موقع پر ملائکہ کا لباس سفید تھا

دلیل ۲۰) علامہ عینی لکھتے ہیں : **الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللہ ﷺ یوم احد وغیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ۔**

---

[1] (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم)

[3] (فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چہارم)

[4] (شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹)

لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یوم اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ ﷺ خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔[1]

غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۱) غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقوله ﷺ خیر ثیابکم البیاض۔ یعنی کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔[2]

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کا سفید عمامہ پر دوام

دلیل ۲۲) مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بِاَنَّ الَّذِیْ وَاظَبَ عَلَیْهِ اَلنَّبِی ﷺ وَالْخُلَفَائِ الرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَا هُوَ الْبَیَاضُ۔

ترجمہ : حضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنا۔[3]

آپ ﷺ کے عمامہ شریف کا نام سحاب تھا اور سحاب سفید کو بولتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے :

أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ (الواقعۃ ۶۹) وقیل هو السحاب الابیض۔[4]

واحده مزنة قیل المزن السحاب الابیض۔[5]

والمزن :السحاب الأبیض۔[6]

وَظَلَّلْنا عَلَيْكُمُ الْغَمامَ وهو السحاب الأبیض۔[7]

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّماءُ بِالْغَمامِ يعني عن الغمام، والغمام :هو شيء مثل السحاب الأبیض فوق سبع سموات۔[8]

جمع ظل من الغمام وهو السحاب الأبیض۔[9]

المزن :السحاب الأبیض.[10]

مِنَ الْغَمامِ، وهو السَّحَابِ الْأَبْيَضِ۔[11]

{مِنَ الْغَمَامِ} السَّحَابِ الْأَبْيَضِ۔[12]

---

[1] (عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)

[2] (الغنیہ ص ۲۹ جلد اول)

[3] (مرقاۃ جلد ۳ ص ۲۶۹)

[4] (روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۴۹)

[5] (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۷۹۔ السحاب الابیض۔ مدارک ج ۴ ص ۲۱۹)

[6] (جامع البیان في تأویل القرآن)

[7] (بحر العلوم)

[8] (بحر العلوم)

[9] (الکشف و البیان عن تفسیر القرآن)

[10] (الکشف و البیان عن تفسیر القرآن)

[11] (معالم التنزیل فی تفسیر القرآن = تفسیر البغوی)

[12] (معالم التنزیل فی تفسیر القرآن = تفسیر البغوی)

والرباب :السحاب الأبيض۔[1]

والأزهر :السحاب الأبيض۔[2]

والْمُزْنِ السحاب :الواحدة مزنة.وقيل :هو السحاب الأبيض خاصة۔[3]

وَقَالَ السُّدِّيُّ :الْغَمَامُ السَّحَابُ الْأَبْيَضُ.[4]

(وإِذَا السَّماءُ انْشَقَّتْ)أَيِ انْصَدَعَتْ،وَتَفَطَّرَتْ بِالْغَمَامِ،وَالْغَمَامُ مِثْلُ السَّحَابِ الْأَبْيَضِ.[5]

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلاَّ أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ۔(٢١٠)

هَلْ يَنْظُرُونَ استفهام في معنى النفي ولذلك جاء بعده.إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ أي يأتيهم أمره أو بأسه كقوله تعالى :وْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ۔

فَجاءَها بَأْسُنا أو يأتيهم الله ببأسه فحذف المأتي به للدلالة عليه بقوله تعالى :أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ فِي ظُلَلٍ جمع ظلة كقلة وقلل وهي ما أظلك،وقرئ ظلال كقلال.مِنَ الْغَمامِ السحاب الأبيض۔[6]

أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ من السحاب واحده مزنة،وقيل الْمُزْنِ السحاب الأبيض وماؤه أعذب.[7]

{أَأَنتم أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ المزن}السحاب الأبيض۔[8]

وقيل :الغمامُ :السحابُ الأبيضُ خاصةً۔[9]

{وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ}وَهُوَ جَمْعُ غَمَامَةٍ،سُمِّيَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ يَغُمُّ السَّمَاءَ،أَيْ :يُوَارِيهَا وَيَسْتُرُهَا.وَهُوَ السَّحَابُ الْأَبْيَضُ۔[10]

وقيل :الغمام :السَّحاب الأبيض خاصّة۔[11]

والغَمَامُ هو السَّحاب الأبيض الرَّقيق۔[12]

والغمام مثل السَّحَاب الْأَبْيَض۔[13]

---

[1](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[2](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[3](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[4](الجامع لأحكام القرآن=تفسير القرطبي)

[5](الجامع لأحكام القرآن=تفسير القرطبي)

[6](أنوار التنزيل وأسرار التأويل)

[7](أنوار التنزيل وأسرار التأويل)

[8](تفسير النسفي(مدارك التنزيل وحقائق التأويل)

[9](الدر المصون في علوم الكتاب المكنون)

[10](تفسير القرآن العظيم)

[11](اللباب في علوم الكتاب)

[12](اللباب في علوم الكتاب)

[13](تنوير المقباس من تفسير ابن عباس)

المزن وهو السحاب الأبيض خاصة.[1]

{من المزن} أي السحاب المملوء الممدوح الذي شأنه الإسراع في المضي، وقال الأصبهاني، وقيل :السحاب الأبيض خاصة۔[2]

وَأخرج أَبُو الشَّيْخ عَن قَتَادَة {وظللنا عَلَيْكُم الْغَمَام} قَالَ :هُوَ السَّحَاب الْأَبْيَض۔[3]

الْغَمام السحاب الأبيض۔[4]

المزن السحاب۔[5]

المزن بضم الميم والسكون الزائے جمع مزنة وهى السحاب الابيض۔[6]

وهى السحاب الابيض۔[7]

كان اسم عمامة النبى ﷺ السحاب سميت به تشبيهاً بسحاب المطر لانسحابه فى الهواء۔[8]

كان رسول الله ﷺ يسمى كل شيئ له فكان لرسول الله ﷺ عمامة تسمىٰ السحاب۔[9]

وقد كان له ﷺ عمامة تسمىٰ السحاب۔[10]

الْمُزْن السَّحَاب هُوَ تَفْسِير مُجَاهِد وَقَتَادَة أَخْرَجَهُ الطَّبَرِيّ عَنْهُمَا وَقَالَ غَيْرهمَا الْمُزْن السَّحَاب الْأَبْيَض وَاحِدهَا مُزْنَة۔[11]

(المزن) بِضَم الْمِيم وَسُكُون الزَّاي، جمع :مزنة، وَهِي السَّحَاب الْأَبْيَض، وَهُوَ تَفْسِير مُجَاهِد وَقَتَادَة، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُمَا،[12]

فَقَالَ :(وظللنا عَلَيْكُم الْغَمَام) وَهُوَ جمع غمامة، سمي بذلك لِأَنَّهُ يغم السَّمَاء أَي يواريها ويسترها، وَهُوَ السَّحَاب الْأَبْيَض۔[13]

الْغَمَام أَي السَّحَاب الْأَبْيَض۔[14]

---

[1](غرائب القرآن ورغائب الفرقان)

[2](نظم الدرر في تناسب الآيات والسور)

[3](الدر المنثور)

[4](الفواتح الإلهية والمفاتح الغيبية الموضحة للكلم القرآنية والحكم الفرقانية)

[5](صحیح بخاری ص ۳۱۶ کتاب المساقاة)

[6](حاشية ۸ ص ۳۱۶ بخاری بحواله عینی)

[7](عمدة القاری ج ۱۲ ص ۲۶۶ وفتح الباری ص ۲۹)

[8](النهاية لابن الاثير ج ۲ ص ۳۴۵)

[9](اسد الغابة ج ۱ ص ۴۳)

[10](المواهب اللدنية للقسطلانی ج ۲ ص ۱۵۲ دار الكتب العلمية بيروت والمواهب اللدنيه لبيجوری ص ۷۰ ملتان وجمع الوسائل فی شرح الشمائل لعلی قاری ج ۱ ص ۲۰۴ نور محمد کراچی واشرف الوسائل الی فهم الشمائل لابن حجر الهيتمی ص ۱۶۹ دار الكتب العلميه بيروت)

[11](فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۹)

[12](عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۸۹)

[13](عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۸ ص ۸۷)

[14](التيسير بشرح الجامع الصغير ج ۱ ص ۳۱)

الغمام أي السحاب الأبيض۔[1]

قوله :((المزن))نه :هو الغيم والسحاب واحدته مزنة، وقيل :هي السحاب الأبيض۔[2]

"المُزْن" :السحاب الأبيضُ، واحدُه مُزْنَةٌ۔[3]

وقال الطيبي :هو الغيم والسحاب، واحدته مُزنة، وقيل :هي السحاب الأبيض انتهى۔[4]

"فوقَ الغَمَام" :قيل :هو السَّحَاب الأبيض فوق السماء السابعة.[5]

"قال :والمُزْنُ، قالوا :والمُزْنُ" بضم الميم وسكون الزاء المعجمة :هو السَّحاب الأبيض.[6]

(المزن) جمع مزنه :وهي السَّحاب الأبيض.[7]

الغمام أي السحاب الأبيض۔[8]

والمزن السحاب وقيل المزن السحاب الأبيض وماؤه عذب (ابن سعد) في طبقاته عن خزيمة ابن ثابت رضي الله تعالى عنه۔[9]

ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں: كانت له عمامة تسمى السحاب كساها علیا رضی الله عنه۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عمامہ تھا جسے سحاب کہا جاتا تھا جو بعد میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا آپ رضی اللہ عنہ اس کو باندھتے تھے۔[10]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

قال النوفلي وحدثني ابو بشر قال صليت الغداة في يوم خروج الحسين صاحب فخ المدينة فصلى بنا وصعد المنبر وعليه قميص ابيض وعمامة بيضاء قد سدلها من بين يديه وسيفه مسلول قدامه۔

ترجمہ مختصر :ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سفید قمیص اور سفید عمامہ پہنے ہوئے تھے۔[11]

فرشتوں کے عماموں کا رنگ:

صورة الملك الذي يقوم صفا والملئكة صفا ويسمى الروح عظيما جدا.....وعلى رأسه عمامة عظيمة بيضاء۔ (ص ۴۵۰)

---

[1] (الغمام أي السحاب الأبيض ج ۱ ص ۱۴۱)

[2] (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى ب (الكاشف عن حقائق السنن ج ۱۱ ص ۳۶۲۳)

[3] (المفاتيح في شرح المصابيح ج ۶ ص ۷۷)

[4] (مشارق الأنوار الوهاجة ومطالع الأسرار البهاجة في شرح سنن ال إمام ابن ماجه ج ۴ ص ۳۱)

[5] (شرح مصابيح السنة لل إمام البغوي ج ۳ ص ۸۰)

[6] (شرح مصابيح السنة لل إمام البغوي ج ۶ ص ۱۷۷)

[7] (منحة الباري بشرح صحيح البخاري المسمى تحفة الباري ج ۵ ص ۱۲۲)

[8] (السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير ج ۱ ص ۴۰)

[9] (السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير ج ۲ ص ۱۷۴)

[10] (زاد المعاد ج ۱ ص ۸۲)

[11] (تاريخ الاسلام الطبقة السابعة عشرة جديد ج ۴ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الكتب العلمية بيروت)

اسرافیل علیہ السلام وعمامتہ کمالملک الذی یقوم صفا۔(ص ۴۵۰)

جبرائیل علیہ السلام وعلی رأسہ عمامۃ بیضاء کمالملک الذی یقوم صفا۔(۴۵۰)

میکائیل علیہ السلام ذوائبہ کمالملک الذی یقوم صفا وعمامتہ کعمامتہ۔(۴۵۰)

عزرائیل علیہ السلام عمامتہ کمالملک الذی یقوم صفالکن اصغر شیئا یسیرا۔(۴۵۰)[1]

اگر کسی کو مزید تحقیق چاہیئے ہو تو ہماری کتاب "شمامۃ العنبر فی الوان عمامۃ خیر البشر ﷺ" عربی کا مطالعہ فرمائیں۔

(۷) ﴿باب نمبر سات آپ ﷺ پر امت کے اعمال کے پیش ہونے کا بیان﴾

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر العیاذ باللہ امت کے اعمال پیش نہیں ہوتے۔ حالانکہ امام حارث بن ابی اسامۃ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا الحسن بن قتیبۃ ثنا جسر بن فرقد عن بکر بن عبداللہ المزنی قال قال رسول اللہ ﷺ ثم حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔[2]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علی۔

ترجمہ: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اس دن آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس روز ان کی روح قبض کی گئی اور اسی روز صور پھونکا جائے گا پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[3]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عرضت علی امتی باعمالھا حسنھا وقبیحھا۔

ترجمہ: میری ساری امت اپنے سب اعمال نیک و بد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی۔[4]

---

[1] (عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات للامام زکریا بن محمد بن محمود القزوینی متوفی ۶۸۲ھ مکتبہ دار احیاء التراث العربی ص ۴۵۰)

[2] (مسند الحارث زوائد الھیثمی کتاب علامات النبوۃ باب فی حیاتہ ووفاتہ ج ۲ ص ۸۸۴ رقم الحدیث ۹۵۳ مطبوعہ مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ المدینۃ المنورۃ)

[3] (سنن ابی داؤد باب تفریع ابواب الجمعۃ باب وفضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵ رقم الحدیث ۱۰۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھما باب فی فضل الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الجمعہ باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۳ ص ۹۱ رقم الحدیث ۱۳۷۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن الکبریٰ للنسائی باب الامر باکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۵۱۹ رقم الحدیث ۱۶۶۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۱۵۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۶۹۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۵۸۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۳ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۵۷۸۹ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[4] (صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن البصاق فی المسجد ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (دلائل النبوۃ للاصبھانی ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۲۸۰ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)، (مسند ابو عرانہ ج ۱ ص ۴۰۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (سنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۲۹۱ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عرضت علی امتی البارحۃ لدی ھذہ الحجرۃ حتی لانا اعرف بالرجل منھم من احدکم بصاحبہ۔

ترجمہ : گزشتہ رات مجھ پر میری امت اس حجرے کے پاس میرے سامنے پیش کی گئی بے شک میں ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے۔[1]

امام احمد بن عمرو بن عبدالخالق عتکی بزار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

حیاتی خیر لکم تحدثون و نحدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ و ما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔

ترجمہ : میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تم سے باتیں کرتے ہیں۔اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جب بھلائی دیکھوں گا حمد الٰہی بجالاؤں گا اور جب برائی دیکھوں گا تمہاری بخشش چاہوں گا۔[2]

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح۔[3]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حیاتی خیر لکم تحدثون و نحدث لکم فاذا انامت کانت وفاتی خیراً لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ و ان رأیت شرا ذلک استغفرت اللہ لکم۔

ترجمہ: میرا جینا تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں اور جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے خیر ہوگی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا۔[4]

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

ان اعمال امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ و اشتد غضب اللہ علی الزناۃ۔

ترجمہ : بے شک ہر جمعہ کے دن میری امت کے اعمال مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور زانیوں پر خدا کا سخت غضب ہے۔[5]

امام ترمذی محمد بن علی والد عبدالعزیز سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

تعرض الاعمال یوم الاثنین و یوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ و تعرض علی الانبیاء و علی الاٰباء و الامھات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتھم و تزداد وجوھھم بیضا و نزھۃ فاتقوا اللہ تعالیٰ و لا تؤذوا اموتاکم۔

ترجمہ : ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ہر جمعہ کو انبیاء اور ماں باپ کے سامنے وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۳ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۳۰۵۴ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت)، (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۸ رقم الحدیث ۳۱۹۱۱ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۵ ص ۳۰۸۔۳۰۹ رقم الحدیث ۱۹۲۵ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم المدینۃ المنورۃ)

[3] (مجمع الزوائد باب ما یحصل لامتہ ﷺ استغفار بعد وفاتہ ج ۹ ص ۲۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[4] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر ما قرب لرسول اللہ ﷺ من اجلہ ج ۲ ص ۱۹۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷ رقم الحدیث ۳۱۹۰۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (جامع الصغیر ج ۱ ص ۲۲۹ رقم الحدیث ۱۷۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفا باحوال المصطفیٰ الباب السابع و الاربعون فی عرض اعمال امتہ علیہ ج ۲ ص ۸۰۹۔۸۱۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)، (المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ مکہ مکرمہ)، (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۴۵۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (البدایۃ و النہایۃ ج ۴ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۹۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[5] (حلیۃ الاولیاء ترجمۃ عمران القصیر ۳۵۸ ج ۶ ص ۱۷۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

کے چہروں کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے تو اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنی بداعمالیوں سے ایذا نہ دو۔[1]

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

لیس من یوم الا تعرض فیه علی النبی اعمال امته غدوة وعشیة فیعرفهم بسیماهم واعمالهم۔

ترجمہ: کوئی دن ایسا نہیں جس میں نبی ﷺ پر ان کی امت کے اعمال صبح وشام دو دفعہ پیش نہ ہوتے ہوں تو حضور ﷺ انھیں ان کی نشانی صورت سے بھی پہچانتے ہیں اور ان کے اعمال سے بھی ﷺ۔[2]

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم فاذا انا مت کانت وفاتی خیراً لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت الله وان رأیت شرا ذلک استغفرت الله لکم۔

ترجمہ: میرا جینا تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں۔ اور جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے خیر ہوگی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا۔[3]

علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ تیسیر شرح جامع صغیر امام سیوطی کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وذلک کل یوم کما ذکره المؤلف وعده من خصوصیاته او تعرض علیه ایضا مع الانبیاء والاباء یوم الاثنین والخمیس۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیشی تو ہر روز ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا اور اسے حضور ﷺ کے خصائص سے شمار کیا ہے اور ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو بھی حضور ﷺ پر اعمال امت انبیاء اور آباء کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔[4]

نسیم الریاض میں ہے۔

ذکر العراقی فی شرح المهذب انه اعرضت علیه الخلائق من لدن اٰدم علیه الصلوة والسلام الی قیام الساعة فعرفهم کلهم کما علم ادم الاسماء۔

ترجمہ: امام عراقی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور ﷺ پر پیش کی گئیں تو حضور ﷺ نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔[5]

(۸) ﴿باب نمبر آٹھ اہل سنت وجماعت کا فرقہ ناجیہ ہونے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نجات پانے والا گروہ صرف اہل سنت وجماعت ہے اور باقی اہل نار ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے نیز علماء کرام محدثین عظام اور بزرگان دین کے اقوال مبارکہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

---

[1] (نوادر الاصول الاصل السابع والستون والمائة الخ ص ۲۱۳ مطبوعه دار صادر بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۳۳۱۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)، (نوادر الاصول فی احادیث الرسول ﷺ ج ۴ ص ۱۷۶ مطبوعه دار الجیل بیروت)، (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۱۸۳۔۱۸۴ رقم الحدیث ۶۸۶ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[2] (کتاب الزهد باب فی عرض عمل الاحیاء علی الاموات الجزء الرابع ص ۴۲ رقم الحدیث ۱۶۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[3] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۲۲۹ رقم الحدیث ۳۷۷۱ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[4] (التیسیر شرح الجامع صغیر تحت الحدیث حیاتی خیر لکم الخ ج ۱ ص ۵۰۲ مطبوعه مکتبة الامام الشافعی ریاض)

[5] (نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض الباب الثالث فصل فیما ورد من ذکر مکانته ج ۲ ص ۲۰۸)

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدع۔

یعنی قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور بدمذہبوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔[1]

حدیث مبارکہ ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے یہ حدیث پاک بیان کر کے حضرت وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا **فلاشک ولا ریب انهم اهل سنة والجماعة۔** یعنی اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت وجماعت ہے۔[2]

امام الاولیاء شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واما الفرقة الناجية فهي اهل السنة والجماعة۔ یعنی نجات پانے والا گروہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔[3]

سیدنا امام ربانی مجدد منور الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا: شیخ (پیر) اپنے مریدوں کو اس بات کی نصیحت کرے کہ وہ اپنے عقائد نجات پانے والی جماعت یعنی اہل سنت وجماعت کے موافق رکھیں اور اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کریں کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو پروں یعنی عقیدہ اور عمل کے اڑنا محال ہے۔[4]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دوسرا ارشاد مبارک: اصل مقصد یہ ہے کہ ہمیں عقائد اہلسنت وجماعت عطا ہوئے اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر ہمیں یہ احوال ومواجید عطا کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اگر یہ احوال ومواجید نہ بھی ملیں تو ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد کو کافی جانتے ہیں کیونکہ جب یہ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کیونکہ احوال ومواجید جو بغیر عقیدہ اہلسنت وجماعت کے ہوں ہم اسے استدراج اور سراسر خرابی جانتے ہیں۔[5]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا تیسرا ارشاد گرامی: آدمی کیلئے اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو کیونکہ اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے جو کہ ہمیشہ کی موت اور دائمی عذاب کا سبب ہے۔ عمل میں کوتاہی ہو تو نجات کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اگر عقیدہ میں کوتاہی ہو تو بخشش کی گنجائش نہیں رہتی۔[6]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چوتھا فرمان ذیشان۔ فرمایا۔ دین کے دو جزو ہیں (عقیدہ) (عمل) لیکن عقائد دین کے اصولوں میں سے ہیں اور اعمال فرع ہیں لہذا جس کے عقائد درست نہیں وہ نجات نہیں پاسکتا اور اس کے حق میں عذاب الٰہی سے خلاصی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جس کے عقائد درست ہوں اگر اعمال صالحہ نہ ہوں اس کی نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔[7]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا پانچواں ارشاد گرامی: پس چاہیئے کہ اپنا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق

---

[1] (تفسیر مظہری سورۃ آل عمران زیر آیۃ مبارکہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

[3] (غنیۃ الطالبین)

[4] (مبداء معاد)

[5] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلد سوم

[6] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۷۱ جلد سوم

[7] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۷۱ جلد سوم

رکھے اور زید وعمرو کی بات پر کان نہ دھرے دوسروں کی لفاظیوں اور بناوٹی باتوں پر اعتبار کرنا اپنی آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔[1]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چھٹا فرمان ذیشان ۔فرمایا: اہلسنت وجماعت جو کہ نجات پانے والی جماعت ہے کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ بات کشف صحیح سے بھی یقین کے درجے تک پہنچ چکی ہے اس لئے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے پس خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اہلسنت وجماعت کی پیروی کی توفیق ملی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہوا اور ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو اہلسنت وجماعت کے خلاف چلے اور ان سے منہ موڑا اور ان کی جماعت سے نکل گئے اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔[2]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ساتواں فرمان ذیشان ۔فرمایا: عقلمندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہلسنت وجماعت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ اہلسنت وجماعت ہی جنتی گروہ ہے۔[3]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا آٹھواں فرمان ذیشان ۔فرمایا: حاصل کلام یہ ہے کہ نجات کا راستہ اقوال میں افعال میں اصول میں فروع میں اہلسنت وجماعت کے ساتھ مطابقت رکھنا ہے کیوں کہ یہی جنتی گروہ ہے اور اہلسنت وجماعت کے سوا جتنے گروہ ہیں وہ ہلاکت کے کنارے پر ہیں آج اس کو کوئی جانے نہ جانے مگر کل قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا مگر اس وقت کا جاننا کام نہ آئے گا یا اللہ ہمیں بیدار کر اس سے پہلے کہ ہمیں موت بیدار کرے۔[4]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نواں ارشاد گرامی: **اللھم ثبتنا علی معتقدات اھل السنة والجماعة وامتنا فی زمرتھم واحشرنا معھم۔** یا اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اسی گروہ کے ساتھ موت دے اور ہمارا حشر اسی جماعت کے ساتھ کر۔[5] اے میرے عزیز! اے میرے آقا کے بھولے بھالے امتی! ذرا غور کرو اور سوچ پھر سوچ کہ اس ولیوں کے ولی نے عقائد اہلسنت وجماعت پر اتنا زور کیوں دیا ہے یہ اس لئے کہ کہیں ہم لوگ دوسروں کی بناوٹی باتیں سن کر ان کے پیچھے نہ لگ جائیں اور اپنی آخرت تباہ نہ کر بیٹھیں۔ **فافھم ولا تکن من الممترین۔**

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک: **فعلیکم یا معشر المؤمنین اتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فان نصرة اللہ تعالیٰ وحفظه وتوفیقه فی موافقھم وخذلانه وسخته ومقته فی مخالفتھم وھذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة وھم المالکیون والحنفیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذه المذاھب الاربعة فی ذلک الزمان فھو من اھل البدعة والنار حاشیة الدر المختار المسماة بطحطاوی کتاب الذبائح ثم الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص۴۵۱-۴۵۷، المقاصد السنیة ص۵۶** یعنی اے مسلمانو! تم پر اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے (کیوں کہ) یہ فرقۂ ناجیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور مصیبتوں سے نجات تب ہی حاصل ہوگی جب مسلمان ان چار اماموں کی اتباع کریں

---

[1] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۵۱ جلد اول

[2] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۵۹ جلد دوم

[3] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۲۶ جلد اول

[4] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۴ جلد اول

[5] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلد دوم

گےاورجوشخص ان کی مخالفت کرے گاسواللہ تعالیٰ جل جلالہ اس پرسخت ناراض ہوگانیزاس پراپناقہرنازل فرماتاہے،اور(مخالفت کرنے والے کیلئے)ذلت ورسوائی ہے،اورفرقہ ناجیہ بلاشبہ تمام کے تمام مذاہب اربعہ(چاروں مذاہب)پرجمع ہوچکے ہیں،وہ چارمذاہب یہ ہیں۔(۱)مالکی(۲)حنفی(۳)شافعی(۴)حنبلی۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں جومذاہب اربعہ سے خارج ہووہ بدعتی اورجہنمی ہے نیزصاحب فتح المبین رقم طراز ہیں۔فلذلک تری ان الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فی المذاهب الاربعة قداجتمعت لان الشريعة من غيرهذه المذاهب فی الدنياماوجدت واطاعة احكام الشريعة للناس قدفرضت فان لم يحتست هذه المذاهب الاربعة للشريعة معتبرة فالشريعة فی الدنياعدمت۔[1]

علامہ لکھتے ہیں اس وجہ سے تمام مسلمان انہی مذاہب(اربعہ)کواختیاررکھے ہوئے ہیں(کیوں کہ اہلسنت وجماعت یہ نجات والی جماعت ہے۔)شریعت مطہرہ ان مذاہب اربعہ کےعلاوہ پائی ہی نہیں جاتی۔(مسلمان یاتوحنفی ہے یامالکی یاشافعی یاحنبلی)چونکہ شریعت اسلامیہ کی اطاعت مسلمانوں پرفرض ہے(اطاعت کیلئے ضروری تھا کہ ایسے مجتہدین کوتلاش کیاجائے جنہوں نے اجتہادکرکے شریعت کی راہ متعین کی ہوجن مجتہدین نے اجتہادکرکے شریعت کی راہ متعین کی ہے وہ مجتہدین چارہی ہیں امام اعظم،امام مالک،امام شافعی،امام احمدبن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔)اگرمذاہب اربعہ(حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی)کواخذشریعت میں معتبرنہ مانا جائےتودنیاسے شریعت مطہرہ معدوم ہوجائے گی

۔

اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے:

سیدناعبداللہ بن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمن هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وأصحابي«.رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاعنقریب میری امت تہترفرقوں میں تقسیم ہوگی سب کے سب فرقے جہنم میں داخل ہوں گےسوائے ایک کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ(ناجیہ)کون سا ہے؟نبی کریم ﷺ نے فرمایاوہ(لوگ)جومیرے اورمیرے صحابہ کےعقیدہ وعمل پرہیں۔رواہ الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائد الجلالی ج ا ص ۱۹۔

سیدناامام احمداورابوداؤدحضرت سیدنامعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔وَأَبِي دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ :ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دخله۔رواہ الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائد الجلالی ج ا ص ۱۹۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایابہترفرقے جہنمی ہیں اورایک جنتی وہ ایک فرقہ(ناجیہ جوجنتی ہے)(اہل سنت)وجماعت ہے۔

مفسرقرآن علامہ شیخ احمدالصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔وستفرقون ثلاثاوسبعون فرقة ثنتان وسبعون فی

---

[1] الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵،المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

الناروواحدة فی الجنة والمرادبالفرقة الواحدة اهل السنة والجماعة ،تفسیرالصاوی ج۲پاره باره سورة هودرکوع ص ۲۳۱رکوع ۱۰

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاعنقریب تم تہترفرقوں میں بٹ جاؤ گے بہتر داخل جہنم ہوں گے مگرایک فرقہ جنتی ہوگا(ایک فرقہ جوجنتی ہوگا) سے اہل سنت وجماعت مراد ہیں۔

حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوکہ بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔**لکن بالتحقیق والصدق فمن کان علی طریق السنة والجماعة**۔لیکن تحقیق اورسچائی سے یہ معلوم ہواہے کہ اہل سنت وجماعت کاطریقہ درست ہے۔تفسیرات احمدیہ ص ۲۳۷۔

صاحب تفسیرمواہب الرحمن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اہل سنت سچامذہب ہے۔تفسیرمواہب الرحمن الجزءالتاسع ص ۱۶۳۔

خاتم المفسرین علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔**وعلی اللہ قصد السبیل** ۔پاره چوده سورة النحل کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں **ان قصدالسبیل هو دین الاسلام والسنة والجماعة**۔

بےشک دین اسلام ہی سیدھاراستہ (طریقہ) ہےاوروہ راستہ (طریقہ) اہل سنت وجماعت کاطریقہ ہے۔[1]

مفسرقرآن قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ۔**فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة علی اربعة مذاهب ولم یبق مذهب فی فروع المسائل سوی هذه الاربعة فقدانعقدالإجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم**۔

کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت چارمذاہب حنفی ،شافعی،مالکی ،حنبلی پرجمع ہواہےاورجوشخص ان چارمذاہب سےخارج ہےوہ اہل بدعت ونارہے۔[2]

امام المحدثین علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریرفرماتے ہیں کہ اسماعیل فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نےحافظ ابواحمدحاکم کوخواب میں دیکھااورپوچھا۔**ای الفرق اکثرنجاة عندکم** ۔تمہارےنزدیک کونسافرقہ نجات پانےوالاہےپس انہوں نےارشادفرمایا۔اہل سنت۔[3]

غیرمقلدین کےامام عبدالعزیزبن عبداللہ بن عبدالرحمن بن بازاپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔**العقیدة الصحیحة التی بعث اللہ بهارسوله محمداﷺوهی عقیدةالفرقةالناجیةاهل السنةوالجماعة**۔[4]

اس طرح ابن تیمیہ اپنی کتاب العقیدۃ الواسطہ میں لکھتے ہیں ۔**امابعدفهذااعتقادالفرقة الناجیة المنصورة الی قیام الساعة اهل السنة والجماعة**۔[5]

اس طرح مولوی وحیدالزمان غیرمقلدلکھتے ہیں ۔**اماالاحناف والشوافع والمالکیة والحنابلة فهم مسلمون داخلون فی زمرة اهل**

---

[1] تفسیرروح البیان ج ۵ ص ۱۳ سطر ۱۴،۱۵ مطبوعہ مصر

[2] تفسیرمظہری ج ۲ ص ۶۴ سورۃ آل عمران آیت ۶۴۔

[3] شرح الصدورص ۱۱۹۔

[4] مجموع الفتاویٰ ص ۲۴۔

[5] العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ص ۹۔

السنة والجماعة۔[1]

دوسرے مقام پر اہل سنت و جماعت تشریح کرتے ہیں ۔هم اهل السنة والجماعة لأن السنة هو الحديث والجماعة عبارة عن الصحابة والتابعين فهم على طريقهم۔[2]

الحمدللہ! اہل سنت و جماعت کی حقانیت و ناجیت پر مخالفین نے بھی گواہی دی تھی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر تم احوال و مواجید ہمیں عطا کر دیے جائیں لیکن اہلسنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہم اہلسنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز کر دیے جائیں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔[3]

حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا پس جو تمام جہانوں کی غذا ہے یعنی عقائد اہلسنت و جماعت اسے ہم بیان کرتے ہیں تا کہ ہر کوئی اس عقیدے کو اپنے دل میں جگہ کیوں کہ یہ عقیدہ اس کی سعادت کا بیج ہوگا۔

خواجہ عبدالشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث پاک بیان کر کے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی سب دوزخ جائیں گے فرمایا وهي اهل السنة والجماعة یعنی وہ نجات پانے والی جماعت اہلسنت و جماعت ہے۔

قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد مبارک: آپ نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائد اہلسنت و جماعت سے واقف ہو۔[4]

حضرت خواجہ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ان لا يفتح على العبد الا اذا كان على عقيدة اهل السنة والجماعة وليس لله ولي على عقيدة غيرهم ولو كان عليها قبل الفتح لوجب عليه ان يتوب بعد الفتح ويرجع الى عقيدة اهل السنة۔[5]

یعنی کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلسنت و جماعت کا عقیدہ نہ ہو اسے ولایت نہیں مل سکتی اور کوئی ولی ایسا نہیں جس کا عقیدہ اہلسنت و جماعت کے خلاف ہو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ولایت عطا کرنا چاہے تو اس بندے پر واجب ہوگا کہ وہ اہلسنت و جماعت کے عقائد کو اپنائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ذیشان: فرمایا ہمارے طریقے کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔

۱۔اہلسنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔ ۲۔دوم آگاہی۔ ۳۔عبادت۔

لہذا اگر کسی کو ان تینوں چیزوں میں سے ایک میں خلل آجائے تو وہ ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا۔[6]

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک: عقیدہ اہلسنت و جماعت کا ملتزم ہو کر حدیث و فقہ سیکھنا چاہیئے۔[7]

---

[1] نزول الابرار ص ۹۔

[2] نزول الابرار ص ۸۔

[3] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔

[4] انوار قدسیہ۔

[5] الابریز ص ۲۴۔

[6] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[7] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

اور یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جولوگ عقائد اہلسنت و جماعت سے الگ ہو کر قرآن وحدیث سیکھتے ہیں وہ گمراہی میں دھکیلے جاتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔قرآن مجید خود فرمارہا ہے۔یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا۔(البقرۃ ۲۶)

نیز بزرگان دین کا ارشاد ہے۔الاحادیث مضلۃ الا الفقھا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے۔[1]

حضرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: عقیدہ اہلسنت و جماعت کو لازم پکڑو۔[2]

قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا فرمان عالی شان ہے۔المراد بالسواد الاعظم ھم من کان اھل السنۃ والجماعۃ ولو واحدا فاعلم ذلک۔یعنی سواد اعظم سے اہلسنت و جماعت مراد ہیں خواہ وہ ایک ہی ہو۔اے عزیز اس کو جان لے۔[3]

ظاہر ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب آتی جائے گی اہل سنت کم ہوتے جائیں گے اور بدمذہب زیادہ ہوتے جائیں گے جیسے کہ ارشاد گرامی:ثم لایزالون یخرجون۔قیامت کے نزدیک بدعقیدہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اس بات کو دیکھ کر کچھ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھو ہم زیادہ ہیں لہذا سواد اعظم ہم ہیں اس کے پیش نظر اس ولیوں کے ولی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہلسنت و جماعت ہی سواد اعظم ہیں خواہ وہ ایک رہ جائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ کی دعا:اللھم امتنا علی السنۃ والجماعۃ والشوق الی لقائک یاذالجلال والاکرام۔یعنی یااللہ ہمیں اہلسنت و جماعت کے عقائد پر اور اپنے دربار حاضری کے شوق پر موت دے یاذوالجلال والاکرام۔[4]

خواجہ خضر اور خواجہ الیاس نیز تمام اولیائے کرام مسلک اہلسنت پر ہیں۔

قطب زمان خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا: واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیائے کرام خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب وہ سب مسلک اہلسنت و جماعت پر ہیں۔[5]

مندرجہ بالا (۲۴) ارشادات مبارکہ پیش کئے ہیں۔مسلمان بھائیوں کی خدمت میں خیر خواہی کے طور پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا ارشادات عالیہ کو غور سے پڑھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر سیدھے جنت پہنچ جائیں۔وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی حبیبہ سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

سوال: بہت ساری مذہبی جماعتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ اہلسنت و جماعت ہم ہیں لہذا بتایا جائے کہ ہمارے پاس کونسا معیار ہے جس سے دیکھ سکیں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

جواب: اگر بوتل میں شراب یا پیشاب بھرا ہو اور اس پر خوشنما لیبل لگا دیا جائے شربت روح افزا کا تو صرف لیبل لگانے سے اندر کی چیز شربت روح افزا نہیں بن سکتی بلکہ معیار صداقت خوشبو اور پاکیزگی ہے۔

یوں ہی اگر دل میں حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کا بغض اور بے ادبی بھری ہو اور اس پر اہلسنت و جماعت کا خوشنما لیبل

---

[1] اقامۃ القیامۃ۔

[2] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[3] میزان شریعت کبریٰ۔

[4] دلائل الخیرات ص ۵۰۔

[5] رسالہ ابدالیہ۔

لگا دیا جائے تو صرف لیبل لگانے اور دعویٰ کرنے سے اہلسنت و جماعت نہیں بن سکتا بلکہ خالص اور صحیح اہلسنت و جماعت وہ ہے جس کے قلم اور زبان سے رحمت کائنات والیٔ دو جہاں ﷺ کی عظمت اور محبت کی خوشبو آئے۔

جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کا بغض بھرا ہوا تھا وہ حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر دعوے کرتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اصلی اہل سنت کی علامت: آج کل دیوبندی ،وہابی ،غیر مقلد حضرات بھی اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں شب و روز مصروف ہیں۔سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سنت کی نشانی جو بتائی ہے ان نشانی کو امت محمدیہ ﷺ کے عظیم مرتبت آٹھویں صدی کے مجدد علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف القول البدیع فی الصلوۃ الحبیب الشفیع میں درج فرمایا ہے۔**علامۃ اھل السنۃ کثرۃ الصلوۃ علی رسول اللہ** ﷺ۔اہل سنت کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں۔[1]

ناظرین حضرات!دیوبندیوں اور وہابیوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہوگا کہ اذان کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔نماز کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیے۔تقریر کے بعد صلوۃ وسلام نہ پڑھنا چاہیے بلکہ وہ اس پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ان کے ایسا کرنے اور پابندی لگانے سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں۔پڑھنے والوں پر فتوے لگاتے ہیں بلکہ درود شریف کو بند کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے کئی مسجدوں میں تنازعہ،جھگڑا اور اختلاف برپا ہے۔

اس لئے وہ اہل سنت نہیں ہیں بلکہ اصلی اہل سنت وہ ہیں جو کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اہل سنت (بریلوی) حضرات ہی ہیں۔جب جعلی اور نقلی اہل سنت عوام میں رونما ہوئے اور عقائد حقہ کا غلاف سرگرم عمل ہوئے۔تب سے اصلی اہل سنت و جماعت والوں نے عوام کو ان جعلی اور نقلی لوگوں سے بچانے کیلئے اہل سنت و جماعت کے آگے بریلوی کا لفظ استعمال کرنا پڑا ہے۔

نقلی اہل سنت وہابی دیوبندی حضرات کے مقتداء کا حیاء سوز کارنامہ حرم شریف کے مفتی اور امام علامہ سید احمد بن ذنبی و چالان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابو حامد بن مرزوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے مقتداء محمد بن عبدالوہاب علیہ ماعلیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب درود شریف سے منع کرتا تھا اور سننے سے ناراض ہوتا تھا جو ایسا کرتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو کہ ایک صالح شخص اور خوش آواز مؤذن تھا اس کو بعد اذان مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا۔مؤذن نہ مانا اور اس نے درود شریف پڑھا تو اس کو قتل کرنے کا حکم دے کر قتل کرا دیا اور کہا زانیہ کے گھر میں رباب و چنگ کا گناہ مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے کم ہے۔دلائل الخیرات شریف جو کہ درود شریف کی کتاب ہے وغیرہ اور دیگر کتب درود شریف کو جلا دیا۔[2]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: آنچہ غذائی جہان است یعنی عقائد اہلسنت والجماعت آنرا بیان کنند تا ہر کس ایں را خود جاد ہد زیرا آنچہ عقائد اہل سنت والجماعت کیمیائے سعادت است۔[3]

---

[1] القول البدیع ص ۵۲۔

[2] الدرر السنیۃ ص ۵،التوسل بالنبی ﷺ ص ۲۴۴،فرقہ ناجیہ ص ۳۹،

[3] کیمیائے سعادت۔

مفسر شیخ اسماعیل حقی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :ولکنی علی مذھب اھل السنۃ والجماعۃشریعۃ وطریقۃ ومعرفۃ وحقیقۃ فعرفونی ھکذا واشھدوا لی بھذا فی الدنیا والآخرۃ فھذہ وصیتی۔ یعنی میں اہل وسنت وجمات کے مذہب پر ہوں شریعت طریقت معرفت اور حقیقت کے اعتبار سے پس مجھے پہچان لو اسی راستے پر اور میرے لیے گواہی دے دو اس اقرار پر دنیا اور آخرت میں یہ میری وصیت ہے۔[1]

آخر میں مذہب حق اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بالاختصار درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ عقائد من گھڑت اور بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ ان کا ثبوت قرآن، احادیث اور سلف صالحین کی مستند کتابوں میں درج ہے۔

عقائد در بیان خدا تعالیٰ جل جلالہٗ

عقیدہ-:۱

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، وہی رازق ہے وہی خالق ہے وہی شافی ہے وہی کافی ہے۔ وہی معین ومددگار ہے وہی سمیع وبصیر ہے وہی حیی وقیوم ہے۔ اسی کی شان ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰) اس کی شان ہے۔ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس ۸۲) اس کی ہر صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی نہیں ہوسکتی مخلوق کی کوئی صفت ذاتی نہیں اور یہ وہ حد فاصل ہے جس پر توحید کا مضبوط ترین محل قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں اور ولیوں کے علم ہے تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اختیار رہے تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تصرف ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ یعنی ان حضرات کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدہ-۲

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا کفر ہے شرک ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

لیکن عبادت اور چیز ہے اور تعظیم وتوقیر اور چیز ہے۔ تعظیم وتوقیر کو عبادت قرار دینا یہ سراسر حماقت ہے۔ مرزا غالب نے سچ فرمایا۔

الفت کو احمقوں نے پرستش دیا قرار یعنی ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں ولیوں سے محبت کرتے ہیں ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں تو احمق لوگ کہتے ہیں تم نبیوں ولیوں کی عبادت کرتے ہو اور یہ وہ کجروی ہے جس نے امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی عبادت اور تعظیم کا الگ الگ مفہوم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ حج میں ہے۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (۳۱) ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲) جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

---

[1] روح البیان ج ۵ ص ۱۰۱۔

عقیدہ-۳

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری خدائی اسی کی محتاج ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

عقیدہ-۴

عقائد در بیان انبیاء علیہم السلام: اللہ تعالیٰ کے سارے نبی، رسول برحق ہیں سچے ہیں معصوم ہیں ان سب نبیوں، رسولوں میں سے سب سے افضل، سب سے اکمل، سب سے اجمل، سب سے اشرف، سب سے امجد، سب سے اشہر، سب سے اولی، سب سے اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفےٰ ﷺ ہے آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی پیدا نہیں ہوسکتا نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی۔ لہذا جو شخص یہ کہے کہ حبیب خدا محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی پیدا ہوسکتا ہے وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو کوئی اس کو کافر نہیں کہے وہ خود کافر ہے۔

عقیدہ-۵

حضور ﷺ سراپا نور ہیں اور بے مثل بشر ہیں: محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر۔

عقیدہ-۶

ساری امتوں میں سے حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کی امت افضل ہے اور اس امت میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سب سے افضل ہیں اور ان صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں۔ علی ترتیب الخلافۃ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عادل ہیں متقی ہیں پرہیزگار ہیں۔ الصحابہ کلھم عدول صغیرھم و کبیرھم۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں مرتبہ میں اگرچہ سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہیں ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلفاء راشدین میں سے ہیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔ کوئی ولی غوث کوئی قطب کوئی امام کوئی قلندر کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جو شخص کسی بھی صحابی کی شان میں بے ادبی کرے وہ گمراہ بد دین ہے ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہوسکتا اور ایسے آدمی سے ایسے بھاگنا چاہیئے جیسے آدمی شیر سے بھاگتا ہے وہ آدمی حلالی نہیں ہے۔ جیسا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے۔ من طعن فی علماء الامۃ لایلو من الا امہ۔ ہم اہلسنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بالفرض سو دو سال عبادتیں، ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہوئے ولایت کی ساری منزلیں طے کرلے مثلاً وہ ولی بھی بن گیا غوث اور قطب بھی ہوگیا ادھر ایک شخص کفر و شرک میں مبتلا حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کی عین حیات ظاہری میں آیا اور اس نے صدق دل سے کلمہ پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی اور پھر ایک وقت نماز پڑھنے کا بھی وقت نہیں ملا وہ فوت ہوگیا تو یہ صحابی بن گیا یہ اس صد سالہ عبادت گزار غوث، قطب، قطب ارشاد سے افضل ہوگیا اور یہ ساری برکتیں اس چہرہ انور کی زیارت کی ہیں۔ جس کی تعریف قرآن پاک میں یوں ہے۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (البقرۃ ۱۴۴) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے

مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔"

عقیدہ-۷

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں ملائکہ کرام یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ۔ جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے۔" فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث۔ فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر ۳۱) اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے تمام کتب عقائد میں موجود عقائد کے مطابق ہو۔ اور جو عقائد و معمولات ہم نے اس کتاب میں درج کیے ہیں ان کا عامل اور یقین رکھنے والا وہ اہلسنت وجماعت ہے اور اگر ان عقائد سے مخالفت کرے تو پکا وہابی ہے۔

(۹) ﴿باب نمبر نو تصوف اور توجہ کی قسام توجہ کا بیان﴾

بعض علماء تصوف میں توجہ اور اقسام توجہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ توجہ اقسام توجہ پر علامہ سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی صاحب نے ایک مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا کچھ حصہ اور عبارات یہاں پر نقل کی جاتی ہیں۔

توجہ وتصرفِ مشائخ کرام:

انسان گوشت پوست کا بنا ہوا ہے، دھڑکنے والا دل رکھتا ہے، یہ متاثر کرتا بھی ہے اور متاثر ہوتا بھی ہے۔ متاثر کرتا ہے اچھے اخلاق سے عقلمندی سے، علم سے، ایثار و قربانی سے، تواضع سے یعنی اگر اخلاق حمیدہ اس کے اندر ہوں تو دوسرے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر اس کے اندر قوت ارادی بڑھ جائے تو اس کے متاثر کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے، جس بندے میں بھی قوت ارادی بڑھ جائے تو وہ دوسروں کو متاثر کر لیتا ہے حتی کہ مسمریزم و ہپناٹزم وغیرہ کا عمل کرنے والے بھی اسی سے کام لے کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں۔ شریعت میں اس کو "نظر کا لگ جانا" کہتے ہیں حدیث پاک میں ہے: العین حق، نظر لگ جانا حق ہے، یہ عداوت، حسد، کینہ کی وجہ سے یا پیار سے دیکھنے کی وجہ سے لگ جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظر لگی اور آپ ﷺ نے اس کے اتارنے کا طریقہ بتایا۔ بہرحال ہم نظر لگنے کو شرعاً حق مانتے ہیں۔

تو اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہو، دشمنی ہو، حسد ہو جب وہ لگتی ہے تو جس کے اندر شفقت ہو، رحمت ہو، اخلاص ہو، تو یہ نظر دوسرے پر اثر کیوں نہیں دکھا سکے گی۔ بہرحال اچھی نظر کے لگ جانے کو توجہ کہتے ہیں۔ اب بری نظر سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث پاک میں اس کا ذکر ہے۔

امام ابن کثیر نے نظر لگنے کے متعلق 25 احادیث و روایات ذکر کی ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر بندے کے دل پر جو اثر ہوتا ہے، یہ اصل میں ان کی توجہ ہوتی ہے اسی وجہ سے سالک نیک بننے اور گناہ چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی توجہ نقطۂ کمال پر تھی، اگر کسی پر ایک نظر رحمت پڑتی تو اسے دھو کر پاک وصاف بنا دیتے اور آپ ﷺ کی ایک صحبت دل کی کایا پلٹ کر رکھ دیتی تھی، لوگ مردہ آتے تھے مسیحا بن

کرلوٹتے تھے اور اہل طریقت بھی اسی فیضانِ نبوت کے ذریعے سالکین کے دل پر ان کی اصلاح کیلئے اثر ڈالتے ہیں ۔تصوف وسلوک القائی اور انعکاسی عمل ہے،اس لئے اس راہ پر چلنے اور حصول ترقی کیلئے صحبت ومحبت شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذ فیض اور حصول توجہ کیلئے اعتماد علی الشیخ نہایت ضروری ہے،توجہ،تصرف،ہمت اور جمع خاطر اس سلسلے کی خاص اصطلاحات ہیں اور ان کا ماخذ کتاب الٰہی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ای تغلیب ملکیة علی بشریة۔[1]

ترجمہ: ہم نے عیسی علیہ السلام کی تائید پاک روح سے کی یعنی وصف ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا۔

حدیث نبوی ﷺ سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے:

قال النبی ﷺ اللھُمَّ أَیِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حق میں) دعا کی کہ یا اللہ! ان کی مدد پاک روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے فرما۔[2]

فائدہ: درج بالا آیت اور حدیث سے تائید وتاثیر باطنی ثابت ہوئی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں جا آباد ہوئے اور روح کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے ۔حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ حسان (رضی اللہ عنہ) کے دل میں جبرئیل علیہ السلام کے القاء والہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں:

قال اللہ تعالیٰ :اِذْ كُنتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهٖ اِخْوٰنًا۔ (ال عمران ۱۰۳)

ترجمہ :جب تم آپس میں دشمن تھے،اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔

وقولہ تعالیٰ :اِذْیُوحِی رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّی مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِینَ اٰمَنُوا (انفال آیت ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مامور کیا گیا یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القا کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دل جمعی سے کریں۔

مسئلہ: جو مواقع شریعت مطہرہ میں جائز اور محمود ہیں ان میں توجہ اور تصرف کا استعمال جائز اور امراض باطنیہ (حسد،کینہ وغیرہ) میں اور سلب امراض اور کشف ونسبت وغیرہ میں جائز ومستحسن اور کسی کے دل پر زور ڈال کر اس کے دل کا حال معلوم کرنے یا اس سے کوئی رقم حاصل کرنے وغیرہ میں ممنوع ہے۔

حکایت: مثنوی شریف میں مولانا روم رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے :ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی،یا رسول اللہ ﷺ! پانی نہیں ہے اور ہم کافی زیادہ

---

[1] (تفسیر تبصیر الرحمٰن)

[2] (رواہ مسلم ج ۴ ص ۱۹۳۳ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

پیاسے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ میں سے کوئی ایک چلا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو لے آئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ساتھ لے آئے۔آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ یہ سامنے پہاڑ جو نظر آرہا ہے،اس کے پیچھے تین میل کے فاصلے پر ایک کالا حبشی غلام اونٹنی پر سوار ہے اور پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اس کے پاس ہے، اس غلام کو میرے پاس لے آؤ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس طرف تشریف لے گئے اور اس حبشی کو اسی مقام پر پایا جس کی نشاندہی آپ ﷺ نے فرمائی تھی،تو اسے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا :''ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔''حبشی غلام نے کہا کہ میں تو آپ کے آقا و مولا کو نہیں پہچانتا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں پہچان کرا دوں گا۔حبشی ڈر گیا اور زور سے آواز دینے لگا کہ''اے لوگو! یہ آدمی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے،مجھے بچاؤ!''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا''میں آپ کو قتل نہیں کرنا چاہتا،بلکہ رسول اللہ ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔''آخر حبشی غلام کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا :اے حبشی! آپ کہاں جا رہے ہو؟حبشی نے جواب دیا کہ مجھے میرے آقا نے پانی لینے کے لئے بھیجا تھا،اور میں نے پانی پا لیا لیکن ابھی کافی دیر ہو چکی ہے لہٰذا مجھے جانا ہے،کہیں میرا آقا یہ نہ سوچے کہ کسی نے اس کے غلام کو قتل کر دیا ہے۔لیکن جب حبشی غلام نے آپ ﷺ کے والضحیٰ چہرۂ انور کا دیدار کیا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال پر نظر پڑی تو حبشی غلام حیران ہوا اور ہر چیز بھول گیا اور زور سے چلانے لگا اور کہنے لگا،اے میرے بھائیو،دنیا اور زمین میں میں نے ایسا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا :ہاتھ دو۔حبشی نے ہاتھ دے دیا تو آپ ﷺ اسے کلمہ پڑھانے لگے،اور وہ مسلمان ہو گیا۔پھر آپ ﷺ نے حبشی غلام سے پانی کا مشکیزہ لیا اور اس پر اپنی انگلیاں مبارک رکھیں،اصل میں اس وقت آپ ﷺ کا دست مبارک حوضِ کوثر کے ساتھ ملا ہوا تھا اور واسطہ وہ مشکیزہ بنا۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس سے وضو بھی کیا اور پانی بھی پی لیا یعنی آپ ﷺ کی انگلی مبارک کی برکت سے اس مشکیزے سے چشمے جاری ہوئے لیکن پھر بھی اس مشکیزہ کا پانی کم نہیں ہوا۔حبشی غلام نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا عقیدہ اور بھی مضبوط ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا :اب آپ واپس چلے جایئے۔حبشی نے کہا کہ مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔حتیٰ کہ مجھے اپنے مالک کے گھر کا بھی پتہ نہیں۔آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس پر ڈالی اور اسے اپنے سینے کہ ساتھ لگا کر توجہ اتحادی فرمائی۔جب حضور ﷺ نے اس سے چادر ہٹائی تو اس کالے حبشی غلام کا کالا رنگ تمام بدن سے ختم ہو چکا تھا،اور اس کا چہرہ سفید چمک رہا تھا۔تمام حالات اس کے بدل گئے۔آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا کہ آپ کو میرا امر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔حبشی غلام اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور چلا گیا۔وہاں اس کے گاؤں کے پاس اس کا آقا اور اسکے ساتھ کچھ لوگ اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔جب اس کے آقا نے اس اونٹنی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اونٹنی بھی وہی ہے،مشکیزہ بھی وہی ہے،صرف آدمی بدلا ہوا ہے،یہ میرا غلام نہیں ہے کیونکہ وہ تو کالا تھا اور یہ تو بالکل سفید اور نورانی چہرہ والا انسان۔اسکے آقا کو شک ہوا کہ اس کے غلام کو اس شخص نے قتل کیا ہے اور اب اونٹ کو چوری کر کے لے جا رہا ہے۔اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کو پکڑ لو۔حبشی سمجھ گیا کہ میرے آقا نے مجھے نہیں پہچانا تو یہ بھی اپنے لئے فکرمند ہوا اور آواز لگائی''کہ میں وہی کالا حبشی غلام ہوں''۔تو گاؤں کے لوگوں نے اس کی آواز سے اس کو پہچان لیا۔حبشی غلام نے تمام واقعہ ان کے سامنے بیان کیا،تو حبشی نے اپنے آقا اور گاؤں کے تمام لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں

پیش کیااور سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

فائدہ: اس واقعہ سے آپ ﷺ کا علم غیب عطائی بھی ثابت ہوااور توجہ اتحادی بھی ثابت ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہوگئی۔

توجہ کے بارے میں ابوالزہراء اویس بن عبداللہ المجتبی الحسینی لکھتے ہیں۔

کیفیۃ التوجہ الی اللطائف و المقامات: (لطائف اور مقامات کی طرف توجہ کی کیفیت)

اعلم ان مشائخنا یتوجھون "اولاً: علی اللطائف و طریقۃ التوجہ أن یجعل الشیخ قلبہ حذاء قلب الطالب ملتجئاً الی حضرۃ الحق و مستمداً من ارواح مشائخ الطریقۃ و یصرف ھمتہ لإلقاء أنوار الذکر التی وصلت إلی قلبہ لتصل إلی قلب الطالب حسب استعدادہ و یتوجہ الی جمیع اللطائف مثل ذلک۔

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے مشائخ توجہ فرماتے ہیں، سب سے پہلے مشائخ کی توجہ لطائف پر ہوتی ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو طالب (مرید) کے قلب کی طرف کرکے اس حال میں کہ شیخ بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ سے التجا کرنے والا ہو اور مشائخ طریقت کی ارواح سے استمداد لینے والا ہو اور اپنی ہمت کو صرف کرے ذکر کے انوار کے القاء کیلئے جو اس کے سینے سے پہنچتی ہے مرید کے قلب کی طرف، اس کی استعداد کے موافق، اسی طرح تمام لطائف کی طرف توجہ کرے۔

و کذلک یتوجہ فی أی مقام من مقامات السلوک و ینبغی اولاً أن ینصبغ بأنوار ذلک المقام و کیفیاتہ ثم یلقیھا بصرف ھمتہ التوبۃ إلی زیادۃ باطن الطالب۔ و کذلک یتوجہ الشیخ إلی المراقبۃ کل نوع منھا بحسبہ و یتوجہ کذلک لحصول نسبۃ الجمعیۃ و حضور القلب۔

ترجمہ: اسی طرح شیخ توجہ کرے گا سلوک کے مقامات میں سے کسی مقام میں، مناسب ہے کہ اول رنگ دے اس مقام کو انوار کے ساتھ اور اسکی کیفیت کے ساتھ، پھر یہ کثرت توبہ کی إلقاء کرے اپنی ہمت کو صرف کرتے ہوئے طالب کے باطن پر، اور اسی طرح شیخ توجہ کرے گا مراقبے کی طرف اسکی ہر اک قسم سے اندازے کے مطابق اور اسی طرح توجہ کرے گا تاکہ نسبتی جمعیت اور اسے حضور قلب حاصل ہوجائے۔

و جمعیۃ القلب عبارۃ عن زوال الخطرات و الحضور عبارۃ عن توجہ قلب الطالب إلی الحق فإن حصلت لہ نسبۃ الجمعیۃ و الحضور توجہ إلیہ لحصول الجذب إلی الفوق فإن حصل لہ ذلک و ظھرت لہ الانوار التی علامتھا توجہ القلب إلی اصلہ فوق العرش و کذلک تصل کل لطیفۃ إلی اصلھا أو یحصل لہ جذب ببرکۃ توجہ الشیخ الکامل و حصول السرعۃ فی سیر السالک یکون من دوام استنفاعہ بالاذکار و الانقطاع عن الخلق و دوام التوجہ إلی اللہ و من کثرۃ توجھات الشیخ الکامل و من قوۃ استعداد المرید۔

ترجمہ: جمعیت قلب عبارت ہے خطرات (وسواس) کو زائل کرنے سے اور حضور عبارت ہے طالب کے قلب کی توجہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اگر اس کو نسبت جمعیت اور حضور حاصل ہوجائے تو یہ حصول جذب کیلئے فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس جب اس کو یہ حاصل ہوجائیں اور ظاہر ہوجائیں اس فوق کی نشانیاں اور انوارات تو پھر قلب متوجہ ہوجاتا ہے اپنی اصل کی طرف جو فوق العرش ہے اسی طرح ہر ایک لطیفہ اپنے اصل کی طرف پہنچتا ہے یا اسکو جذب حاصل ہوتا ہے شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے، اور سالک کے سلوک میں سرعت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے

---

[1] (التجلیات الرحمانیہ فی معادن الحقائق الاسلامیہ ج ۱ ص ۳۱۶)

اذ کار سے ہمیشہ نفع طلب کرتا رہے اور مخلوق خدا سے انقطاع تعلق رکھے وراللہ کی طرف ہمیشگی کے ساتھ تعلق رکھے یا اسی طرح سیر السلوک میں اسکو تیزی شیخ کامل کی کثرت توجہات اور مرید کی استعداد کی قوت سے بھی ملتی ہے۔[1]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اور توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے اور پھر اپنے دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور خدا کے اسم ذات کی ضرب اس کے دل پر لگائے اور یہ خیال کرے کہ موجودہ ذکر کی کیفیت میری وجہ سے اس کو حاصل ہو رہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور یہ ضربیں ایک سو ایک بار ہونی چاہیئے تا کہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے بعد ازیں جو ذکر اس کی حیثیت کے مطابق ہو اس کو دینا چاہیئے اور مرید کو مرشد کے بتائے ہوئے اشغال میں مشغول ہونا اور باطنی اسرار کو چھپانا چاہیئے تا کہ انوار و اسرار اس کو حاصل ہو جائیں۔[2]

مشائخ کے تصرفات اور توجہ کا طریقہ:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ تمام باتوں سے خالی ہو اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں جس کا القاء مرید پر منظور ہو متوجہ ہو اور توجہ قلبی مرید کی طرف مائل کرے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے خیال کرے ان شآء اللہ حسب استعداد نور و برکتیں حاصل ہونگی اور لطیفۂ قلب کے جاری کرنے کے بعد ہر لطیفہ پر تدریجا توجہ کرے اور اس طرح انوار مراقبات و لطائف کے القاء میں توجہ کرے اور اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچائے۔[3]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۳ میں فرماتے ہیں: عرض داشت آنکہ یار آں کہ این جا اند و ہم چنین یاران آنجائے ہر کدام بامقام محبوس اند طریق برآوردن آنہا از آن مقامات متعسر ست آن قدر قدرت کہ مناسب آن مقام ست در خود نمی یابد حق سبحانہ ببرکت توجہات علیہ حضرت ایشان ترقی بخشد

ترجمہ: گزارش ہے کہ وہ ساتھی جو یہاں ہے اور ایسے ہی وہاں کے ساتھی ہر کوئی کسی نا کسی مقام پر رکا ہوا ہے ان کو ان مقامات سے باہر نکالنے کا طریقہ مشکل ہے یہ فقیر اپنے اندر اس قدر قدرت نہیں پاتا جو اس مقام کے مناسب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی بلند توجہات کی برکت سے انہیں ترقی بخشے۔

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے یاران طریقت کے باطنی حالات کا تجزیہ اپنے مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ احباب جو یہاں سرہند شریف میں زیر تربیت ہیں اور وہ یار جو آپ نے دہلی سے بندہ کی تربیت میں سلوک طے کرنے کیلئے بھیجے ہیں وہ کسی نا کسی خاص مقام پر پہنچ کر رکے ہوئے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر رہے یہ فقیر بھی (ابھی تک) اپنے اندر اتنی ہمت اور وسعت نہیں پاتا کہ انہیں اس مشکل سے نکال سکے۔اس لئے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے انہیں ترقی عطا فرمائے۔

---

[1] (الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیہ ص ۶۸)

[2] (کلیات امدادیہ ص ۱۲ و ص ۵۴)

[3] (کلیات امدادیہ ص ۵۴)

یاران اینجا سے مراد صوفیائے سرہند شریف اور آپ کے خاص وخدام ہیں یاران آنجا سے مراد صوفیائے دہلی شریف اور وہ خاص خدام ہیں جو حضرت خواجہ قدس سرہ نے منازل سلوک طے کرنے کیلئے حضرت امام ربانی قدس سرہ کے زیر تربیت رہنے کیلئے بھیجے ہوئے تھے۔ یار فارسی زبان کا لفظ ہے جو دوست خلیل محب اور محبوب کے معنی میں مستعمل ہے۔اصطلاح طریقت میں مرید یا پیر بھائی کو یار کہا جاتا ہے۔قرآن کریم کی رو سے متقین کے باہمی اخلاص وتعلق پر بھی یہ لفظ صادق آسکتا ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾

گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (الزخرف)

اور حدیث مبارکہ این المتحابون بجلالی ابھی اسی مفہوم کی غماز ہے۔

سالکین کی تین اقسام:

منازل سلوک میں سیر کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

واقفین راجعین سابقین

واقفین

اثنائے سلوک میں کسی مقام پر تھوڑی دیر کیلئے رک جانے والوں کو واقفین کہا جاتا ہے۔

راجعین

وہ سالک جو زیادہ دیر تک کسی مقام میں رکے رہیں اور ترقی نہ کریں انہیں راجعین کہا جاتا ہے۔یہ مقام خطرے سے خالی نہیں زیادہ دیر رکے رہنے سے رجعت واقع ہوجاتی ہے اور سالک تنزل کا شکار ہوکر اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔

سابقین

وہ خوش نصیب سالکین جو رحمت خداوندی سے ہر آن ترقی پذیر ہوتے رہیں اور قرب ووصل کے مقام تک جا پہنچیں۔سابقین کہلاتے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں۔(سورۃ واقعہ) میں ایسے ہی حال ومقام کی طرف اشارہ ہے۔

دلیل نمبر ا حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مکتوب میں اپنے احباب کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے بعض ساتھی واقفین ہیں اور بعض سابقین ہیں لیکن ہمارے ساتھی راجعین کے زمرے میں نہیں آتے۔والحمدللہ علی ذالک۔آپ قدس سرہ نے احباب کی باطنی تکمیل کے بارے میں جو اپنے عجز کا اظہار فرمایا ہے یہ آپ کی کسر نفسی ہے یا اثنائے سلوک میں ہونے کی وجہ سے اپنی ہمت صرف کرنے کی بجائے اپنے شیخ کی توجہ کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھ کر یہ عرض داشت پیش کی ہے۔

توجہ شیخ کیا ہے۔۔۔۔۔؟

شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔

ا (ترمذی ص ۶۲ ج ۲)

سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کیلئے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے اس کو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے

توجہ کے اس مفہوم کی قرآن وحدیث سے تائید ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اولاد کیلئے اصلاح احوال کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیکُمْ وَتَکُونُوا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِینَ ﴿۹﴾

کہ تمہارے باپ کا چہرہ (رخ) صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا (یوسف)

یہاں صالحیت سے مراد اصلاح دینیہ بھی ہے اور دنیویہ بھی (فافهم)

دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے۔

اِذْ یُوحِی رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّی مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِینَ اٰمَنُوا[1]

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو (سورۃ انفال ۱۲) یعنی ان کی ہمت بڑھاؤ،،فرشتوں کا ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت اور جذبہ القاء کریں کہ وہ کفار کے مقابلے میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر لڑیں،یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا۔

اسی طرح پہلی وحی کے نزول کے وقت غار حراء میں جبریل امین علیہ السلام کا حضور سرور عالم ﷺ کو سینے سے لگا کر دبانا قوت توجہ اور صرف ہمت کا واضح ثبوت ہے جیسا کہ

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

فَغطنی حتی بلغ منی الجهد۔ یعنی جبریل علیہ السلام نے مجھ (ﷺ) کو دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی۔اس حدیث کی شرح میں عارف کامل حضرت عبداللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔فیه دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغط وضمه الیه تحدث به فی الباطن قوة نوریة۔ یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

وقد وجد ذلک اهل المیراث من اهل الصوفة المتبعین المحققین حتی لقد حکی عن بعض فضلائهم انه اتاه ناس یتکدون علیه فابی عن اجابتهم وکان بحضرته رجل من العوام راعی غنم فدعاه الشیخ فضمه الیه ثم قال له اجب هؤلاء عما سئلوا عنه فاجاب الرجل وابلغ فی الجواب ثم اعرضوا علیه مسائل فبکی یفصل ویمنع ویجیز حتی قطع من حضره من الفقهاء فی البحث ثم دعاه الشیخ فضمه الیه فاذا هو قد رجع الیٰ حاله اولاً لا یعرف شیئاً فقال له رجل یا ایها السیدان الفقراء اذا وهبوا شیئا لا یرجعون فیه فقال له نعم هو کذلک ولکن لیس لک نسبة فی ذلک الشان ثم بشره بخیر وکان کذلک۔

ترجمہ: فیض کا جو فیضان ہے یہ میراث ہے ان صوفیاء محققین کرام کیلئے جو آپ ﷺ مبارک کی کامل تابعداری کرتے ہیں حتی کہ بعض علماء

---

[1] (بخاری ص ۲ ج ۱)

نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک اللہ والے کے پاس کچھ علماء (اہل ظاہر) آئے اور ان پر اعتراضات اور سوالات کرنے لگے تو اس اللہ کے ولی نے جواب دینے سے انکار کیا تو ان کی مجلس میں ایک عام آدمی جو کہ بھیڑ بکریوں کا چرواہا تھا اس اللہ والے نے اسے بلوایا اور اسے اپنے سینے سے لگایا (اور توجہ اتحادی اس کی طرف کی) پھر اس اللہ والے نے کہا کہ ان لوگوں کو جواب دو تو اس چرواہے نے ان لوگوں کو جواب دیئے جو انہوں نے سوالات کیے تھے اور حق جواب دیئے پھر انہوں نے کچھ مسائل پیش کئے تو کسی میں تفصیل بیان کی تو کسی میں ممنوعیت بیان کی اور کسی میں اجازت دی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے فقہاء بحث کرنے میں خاموش کھڑے رہ گئے پھر اس اللہ والے نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو وہ شخص پہلے کی طرح چرواہا بن گیا جو کچھ نہیں جانتا تھا، تو اس چرواہے نے کہا کہ اے اللہ کے ولی! اے سید! اللہ والے جب کوئی چیز کسی کو عطا کر دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بالکل ایسا ہی ہے لیکن تو اس کا اہل نہیں ہے پھر اس اللہ والے نے اسے خیر کی بشارت دی۔[1]

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا حضرت سیدنا عمر، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت سیدنا معاذ بن جبل، حضرت ابومحذورہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر، سینے پر ہاتھ رکھ کر، سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر، نظر خاص فرما کر توجہ کے ذریعے احوال وکیفیات بدل دینا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔[2]

اسی طرح اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہات اور تصرفات سے بیشمار انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا ہونا، توبہ کی توفیق ملنا اور فیض ولایت حاصل ہونا بھی تسلسل کے ساتھ ثابت ہے جس سے کسی بھی اہل عقل وفہم کو انکار نہیں ہوسکتا۔

دلیل نمبر ۲ شیخ کی توجہ کیلئے طالب اور مرید کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے اس لئے یہ اعتراض بے جا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوطالب وغیرہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالےٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

یُضِلّ بِہٖ کَثِیرًا وَّیَھدِی بِہٖ کَثِیرًا ؕ اللہ بہت سے لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے۔ (البقرہ ۲۶)

اقسام توجہ:

صوفیائے کرام نے توجہ وتصرف کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین اقسام زیادہ معروف ہیں۔

۱۔ توجہ انعکاسی

جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس اور پرتو پڑنا یا اہل مجلس کا عطر وغیرہ کی خوشبو پانا انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ اس قسم کا اثر بھی تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے اسلئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔

۲۔ توجہ القائی

اس توجہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص دیئے (چراغ) میں بتی اور تیل ڈال کر لایا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا۔ یہ تاثیر کچھ طاقت

---

[1] (بہجۃ النفوس ص ۱۶ ج ۱ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[2] (تفصیلات کیلئے مستدرک ص ۸۴ ج ۳، مجمع الزوائد ص ۶۸ ج ۹، مسند احمد ص ۱۴۹ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۴۹ ج ۲، مسند احمد ص ۷۸ ج ۵، ابن ماجہ ص ۵۲)

رکھتی ہے اور کچھ دیر اس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی، بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کرسکتی۔ اس لئے مرید کو مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ اتحادی:

یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کرکے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں القاء کر دیتا ہے اس طرح کہ دونوں روحیں باہم جذب ہوجاتی ہیں جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نانبائی کو توجہ اتحادی دے کر اس کے ظاہر و باطن کو اپنے جیسا بنادیا جس کو وہ ضبط نہ کرکے وصال پاگیا۔[1]

دلیل نمبر: ۳

اولیائے کرام سے ازالہ گناہ، القائے توبہ، حل مشکلات، سلب امراض اور احیائے اموات کیلئے بھی توجہ ڈالنا ثابت ہے اور یہ معاملہ ان کی کرامات کے زمرے میں آتا ہے۔

طریق توجہ:

شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو اس کے قلب پر غالب کرے اور خطرۂ غیر کو اس کے قلب پر آنے سے روک کر جذبہ قلبی کے ساتھ مرید کے دل پر اپنی نسبت القا کرے اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کرکے اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں متوجہ ہوجائے جس کو طالب کے دل میں ڈالنا منظور ہو اور اپنی پوری باطنی ہمت کے ساتھ یہ تصور کرے کہ میرے دل سے فیوض و انوار طالب یا مرید کے دل میں سرایت کررہے ہیں ان شآء اللہ تعالےٰ طالب کی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس کو فیوض و برکات حاصل ہونگے اسی طرح مرید کے جس لطیفے میں ذکر جاری کرنا مقصود ہو اپنے اسی لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل سمجھ کر ہر قسم کے خیال کو دونوں طرف سے روک کر مرید کے دل کو اپنے دل کی طرف کھینچے اور اسم ذات کی ضرب لگائے تاکہ اس توجہ اور ضرب کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش پیدا ہوکر ذکر جاری ہوجائے۔ اسی طرح دیر تک متوجہ رہے اور روزانہ اس عمل کا تکرار جاری رکھے تاکہ توجہ کی تاثیرات راسخ ہوجائیں اور مرید کے دل میں حرارت اور نفی خاطر کی کیفیت پیدا ہوجائے اگر مرید غیر حاضر ہو تو اس کی صورت کا تصور کرکے غائبانہ توجہ بھی دی جاسکتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ کا معمول منقول ہے۔ صرف ہمت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جمعیت اور یکسوئی رہے اور ارادہ مضبوط رہے تاکہ دل میں اس مراد کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آسکے۔[2]

حضرت ابوالعباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الرجل من یربی بحالہ لا من یربی بمقالہ، و اذا جمع بین الحال و القال فھو الرجل الأکمل۔

ترجمہ: مرد وہ ہے جو اپنے حال سے (مریدوں کی) تربیّت کرے نہ وہ جو تنہا باتوں ہی سے تربیّت کرے اور جو شخص حال و مقال دونوں کا جامع ہو (کہ حال سے بھی تربیّت کرتا ہو اور زبان سے بھی، روک ٹوک کرنا، نصیحت کرنا، علوم و معارف بیان کرتا رہتا ہو) وہ تو بڑا کامل مرد ہے۔[3]

سراج السالکین سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[1] (تفسیر عزیزی سورۂ علق)

[2] (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳ ص ۱۶۷ تا ۱۷۳)

[3] (البرھان المؤید، آداب الذکر، ص ۴۳، مکتبۃ المعارف، بیروت)

ادخال السرور فی قلب المؤمن کالبحر و سائر العبادات کالقطر۔

''مومن کے دل میں سرور داخل کرنا سمندر کی طرح ہے اور دیگر عبادات قطرے کی طرح ہے۔''[1]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان شیخ الشیوخ امیر کلال رحمہ اللہ کے حالات میں، جب بزرگ والدین نقشبند سرتاج اولیاء بہاؤ الحق رحمہ اللہ نے آپ پر توجہ کی تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر وقت جذب وسکر میں رہتے۔لوگوں سے قطع تعلق ہوگیا اور کسی کے پاس آرام وسکون نہ ملتا۔[2]

وھم ایشان (حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ: خواجہء بزرگ (بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرّف کردند و من بیخود بیفتادم۔چون باخود آمدم، خواجہ از من گزشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم۔پیرھائے من درھم منی پیچید۔بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم۔فرمودند کہ مبارکباد۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق والدین رحمہم اللہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ پر توجہ تصرف فرمائی جس سے میں بیخود ہو کر گر پڑا۔جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔بڑی محنت سے خواجہ کی خدمت میں پہنچا۔آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک ہو۔[3]

وھمہء مریدان ابو القصر چنان بودند کہ ایشان را نعرہ ھای عظیم بود، وھر دو از وی حکایت کردی۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ المشائخ خواجہ کاکا ابو الفقیر رحمہ اللہ بستی کے حالات میں ابو قصر کے سب مرید ایسے تھے کہ نعرے بڑے مارا کرتے تھے۔اور یہ دونوں اپنے پیر کی حکایات بیان کرتے تھے۔[4]

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ غلام محمد خان صدور یافتہ در بیان استفسار حالات معہ امر بتوجہ گرفتن از ین جامع مکاتیب نالائق کارو دیگر نوازشات در بارۂ این ناہنجار : خان صاحب عالی مراتب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام اشتیاق معلوم نمایند دیر است کہ ورود عنایت نامہ مسرت رسان نگردیدہ امید کہ بہ تحریر احوال خود شاد کام فرمودہ باشند درین ولایت صاحب جامع کمالات حضرت رؤف احمد صاحب بعنایت الٰہی طریقہ از فقیر گرفتہ اجازت یافتہ اند مناسب آن نمود کہ ایشان دران ضلع الفت دارند و طریقہ را رواج بخشند و شمارا اگر فرصت باشد از ایشان توجہ بگیرند بس مناسب است اللہ تعالیٰ بیمن قدم ایشان دران ضلع برکت و آبادی کرامت فرماید والسلام۔[5]

ترجمہ: ''غلام محمد خان (صاحب رحمہ اللہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا، حالات کے استفسار، نیز اس جامع مکاتیب، نکمے (حضرت شاہ رؤف احمد رحمہ اللہ) سے توجہ لینے کا حکم فرمانے اور اس ناچیز پر دیگر نوازشوں کے بیان میں : (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) عالی مراتب خان صاحب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ سے شوق بھرے سلام کے بعد معلوم فرمائیں کہ مدت سے آپ کا مسرت رساں عنایت نامہ نہیں آیا۔امید ہے کہ اپنے احوال لکھ کر خوش کریں گے۔اس ملک میں کمالات کے جامع حضرت رؤف احمد صاحب نے عنایت الٰہی سے اس فقیر سے طریقت کی اجازت حاصل کی ہے۔یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ اس ضلع میں الفت رکھتے ہیں، اور وہاں اس طریقے کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔آپ کو اگر فرصت ہے تو ان سے توجہ حاصل کریں، بس مناسب ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے قدم مبارک سے اس ضلع کو برکت اور آبادی کرامت فرمائے۔والسلام''

---

[1] (مکتوباتِ اشرفی / پہلا ایڈیشن، ص ۲۳۹:)

[2] (خزینۃ الاصفیاء ص، ۷۲)

[3] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۴۱۶، مرکز پخش : انتشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران) (نفحات الانس ص 442)

[4] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۳۴۳، مرکز پخش : انتشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران) (نفحات الانس ص 369)

[5] (مکاتب شریفہ، مکتوب بیست وہفتم، صفحہ ۴۷)

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بجناب شاہ عبد اللطیف در ترغیب افادہ نمودن ازین ہیچمدان کہ فی الحقیقۃ فیض حضرت ایشان است : بخدمت شریف شاہ صاحب والا مناقب حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب معروف بمیاں نتھے صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام نیاز گزارش مینماید عنایت نامہ بورود مسعود مسرت بخشید با این ہمہ الطاف سلامت باشند یاد آوری بزرگان خوردان را موجب سعادت ایشان است امید کہ بدعای خیر حسن خاتمہ و دوام عافیت وسلامت ایمان ومغفرت مدد فرما باشد حضرت میان رؤف احمد پیرزادہ سلمہ اللہ تعالیٰ ازین فقیر طریقہ گرفتہ بشغل ومراقبہ فیض حاصل کردہ اجازت یافتہ اند، اَثیر در صحبت وتوجہ ایشان اللہ تعالیٰ عنایت فرمودہ است فالحمد للہ علی ذلک ایشان را آنجا فرستادہ شدہ تا ہر کہ خواہد از ایشان استفادہ نمایند اللہ تعالیٰ آنچہ گمان بندہ در حق ایشان است صادق فرماید آمین والسلام۔[1]

ترجمہ: ''جناب شاہ عبد اللطیف (رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا، اس نادان (حضرت شاہ رؤف احمد رحمہ اللہ) سے استفادہ کرنے کی ترغیب میں، جو دراصل حضرت اقدس ہی کا فیض ہے : (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) بلند مناقب شاہ صاحب، حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب، معروف میاں نتھے صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت شریف میں سلام نیاز کے بعد التماس ہے کہ آپ کے عنایت نامہ کے ورود مسعود خط پہنچنے نے مسرت بخشی۔ ان تمام مہربانیوں کے ساتھ سلامت رہیں۔ بزرگوں کا چھوٹوں کو یاد فرمانا، ان کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ امید ہے کہ خاتمہ بالخیر، ہمیشہ کی عافیت، ایمان کی سلامتی اور بخشش کی دعائے خیر کے ساتھ مدد فرماتے رہیں گے۔ پیرزادہ حضرت رؤف احمد سلمہم اللہ تعالیٰ نے اس فقیر سے طریقہ سیکھ کر شغل ومراقبہ حاصل کر کے اجازت (کی سعادت) پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت وتوجہ میں تاثیر عنایت فرمائی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ انہیں اس جگہ بھیجا گیا ہے تاکہ جو بھی چاہے ان سے استفادہ کرے۔ بندہ کے بارے میں جو گمان ہے، اللہ تعالیٰ اسے ان کے حق میں سچ فرمائے۔ آمین۔''

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بقاضی صدور یافتہ در تقید ذکر ودوام توجہ وانکسار وتعمیر اوقات بمراقبات واذکار : قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام نیاز واضح می نماید رقیمہ کریمہ رسید مسرت بخشید مندرجہ اش واضح گردید در یاد حضرت حق سبحانہ عمر وانفاس متبرکہ بگزرانند وذکر ودوام توجہ ونیاز وانکسار لازم گیرند وبمراقبہ وتلاوت اوقات خود را معمور دارند مردمان کہ برای توجہ پیش ایشان بیایند باید کہ باین فقیر متوجہ شدہ توجہ نمایند وخود را درمیان نہ بینند۔ مصرع:

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

والسلام وبدوستان سلام رسانند وبآکید نمایند کہ برنماز وذکر واستغفار ودرود وتلاوت مواظبت بکنند۔ بیت:

بسیار دیدہ ام کہ یکی راد و کرد تیغ
شمشیر عشق بین کہ دو کس را یکی کند

آن شمشیر الٰہی بشمشیر الٰہی بشمشیر محبت خودی را بریدہ اتحادی پیدا می نماید۔[2]

ترجمہ: ''قاضی (شمشیر خان رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا ذکر ودوام توجہ اور انکسار کی پابندی اور مراقبات واذکار سے اوقات کو آباد کرنے کے بیان میں:

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب سوم صفحہ ۴۸)

[2] (مکاتب شریفہ، مکتوب چہل وچہارم، صفحہ ۵۷)

(بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ کی طرف سے سلام نیاز کے بعد واضح فرمائیں کہ آپ کا عنایت نامہ ملا، خوشی ہوئی۔ اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ کی یاد میں عمر اور مبارک سانسیں گزاریں، ذکر دوام توجہ اور نیاز و انکساری کو لازم پکڑیں۔ اپنے اوقات کو مراقبہ اور تلاوت سے لبریز رکھیں۔ جو لوگ توجہ کے لئے آپ کے پاس آئیں چاہیئے کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر توجہ کریں اور خود کو درمیان میں نہ دیکھیں۔ مصرع: ہم اور تم کا بہانہ ختم کر دیا گیا ہے۔

والسلام۔ دوستوں کو سلام پہنچائیں اور تاکید کریں کہ نماز و ذکر، استغفار، درود اور تلاوت کے ہمیشہ پابند رہیں۔

شعر: میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار نے ایک کے دو ٹکڑے کئے
لیکن عشق کی تلوار کو دیکھ! جو دو آدمیوں کو ایک بنا دیتی ہے۔
وہ شمشیر الٰہی محبت کی تلوار سے خودی کو کاٹ کر ایک اتحاد پیدا کر دیتی ہے۔

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیز باین جامع مکاتیب صدور یافتہ در تقیید توجہات نمودن بحال مولوی حبیب اللہ صاحب معہ نصائح دیگر: حضرت سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مولوی حبیب اللہ بخدمت میرسند بحال ایشان توجہات فرمایند تا حضور وجمعیت وجذبات وواردات وتہذیب لطائف وتبدل رذائل بحمایت وتفویض وتسلیم ورضا ومقامات عشرہ صوفیہ حاصل شود واز احوال خود ومستفیدان نوشتہ باشد واز ورود واہب العطیات سرنیاز والتجا حرکت نکند انت حسبی فلا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین موطاء امام محمد وسنن ابو داود وابن ماجہ وترجمہ حضرت عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وآنچہ از کتب تحصیلی میسر شود درکار است بتوجہ ودعا وہمت درین وقت پیری وضعف مدد فرما باشند جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ [1]

ترجمہ: ''نیز اس جامع مکتوب (حضرت شاہ رؤف احمد مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ) کو تحریر فرمایا، مولوی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال پر توجہات کی قید لگانا، معہ دوسری نصیحتوں کے بارے میں: حضرت سلامت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مولوی حبیب اللہ خدمت میں پہنچ رہے ہیں، ان کے حال پر توجہات فرمائیں، تاکہ انہیں حضور وجمعیت، جذبات وواردات، لطائف کی اصلاح، برائیوں کی (نیکیوں میں) تبدیلی ہاتھ لگ جائے اور تسلیم ورضا اور صوفیہ کے مقامات عشرہ حاصل ہو جائیں۔ اپنے اور مستفید ہونے والوں کے حالات لکھ کر بھیجیں اور عطیات بخشنے والے (رب قدوس) کی درگاہ سے سرنیاز اور التجا کو (ادھر ادھر) حرکت نہ دیں (یعنی ہر وقت اس کے حضور سر جھکا کر التجا کرتے رہیں)۔

انت حسبی فلا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین۔ یعنی: (اے اللہ!) میرے لئے (تو ہی) کافی ہے، پس تو مجھے پلک جھپکنے کی دیر تک بھی میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔ [2]

آپ توجہ، دعا اور ہمت سے اس بڑھاپے اور ضعف کے وقت میں (میری) مدد فرماتے رہیں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔''

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ سید احمد بغدادی در جواب عریضہ ایشان معہ احوال خانقاہ عرش اشتباہ وطریقہ توجہ نمودن وبیان مقام اجازت طالبان: بخدمت شریف سیادت ومنقبت مرتبت صاحبزادہ عالی نسب حضرت سید احمد بغدادی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون ودعای برآمد مطالب ترقی درجات واضح می نماید الحمد للہ کہ فقیر بعنایت الٰہی سبحانہ بخیریت است وشب وروز بحلقہ ومراقبہ باتباع پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اوقات خوش دارد وطالبان گاہی صد وہفتاد

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب ہشتاد وسیوم، صفحہ ۱۰۷)

[2] (مظہر جمال مصطفائی ۳۱۴)

گاہی از ان کم بالفعل صد و چہل باشد می باشد درین کثرت توجہ کم میشود لیک می گویند ما را فائدہ می شود اگر سی کس بنوبت بیایند توجہ جذب وحضور و واردات حاصل شود بسیار باینہا گفتہ است وآنجناب ہم فرمودہ بودند پٹھانان خود رائی کردہ اند و می کنند باکو د بد فرمایند در عمر ہمین بالقای نور و جمعیت و حضور شغل نمودہ ام اللہ تعالیٰ قبول فرماید و بفضل خود بواسطہ آنجناب و دیگر مردم کہ بعنایت الہی فیضہا یافتہ اند طریقہ مرا پایدار و باقی دارد و عنایت نامہ دیروز سید مسرتہا بخشید در آمدن خطوط بسیار خوش میشوم شدت انتظار مکدر داشتہ بود الحمد للہ کہ بعنایت الہی بواسطۂ تحریر آنجناب رفع شد از ترقیات باطن شریف و مستفیدان نوشتہ باشند ہمت و توجہ بالتجا بجانب حضرت حق سبحانہ بواسطۂ مشایخ کرام رحمۃ اللہ علیہم و خود را در خیال این فقیر را متخیل نمودہ در ترقی طالبان سعی نمایند ہر گاہ حضور و جمعیت و توجہ و جذبات و واردات لطائف علام اُمر را در یابد توجہ بر لطیفۂ نفس نمایند پس بلطائف عالم خلق و دیگر درجات باید نمود کسی را حضور قلب و لطیفہ نفس حاصل شود قاب اجازت است و آنچہ از تقدیر ملائم و ناملائم ظہور نماید شکر و استغفار لازم شناسند مطالعہ و ملاحظہ بکنند کہ این ناموافق چرا رسیدہ و از ان احتراز واجب شناسند حضرت مولوی بشارت اللہ صاحب سلمہم اللہ تعالی یکسال درین جا بودہ بوطن رفتند (خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ﴿الاعراف ۱۹۹﴾) خلق کریم خود نمایند و مرا در دعا یاد دارند چہ خوش بود کہ در بغداد شریف و آن دیار بعافیت رسیدہ اشاعت طریقہ فرمایند از دوستان سلام و بدوستان سلام رسانند۔ (مکاتب شریفہ، مکتوب صد و چہارم، صفحہ ۱۰۷)

ترجمہ: ''نواب شمشیر خان (صاحب رحمہ اللہ) کو ظاہری و باطنی ترقیوں کی دعا اور ان کے عریضہ کے جواب میں بعض تحریر فرمائے :

(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نواب صاحب، بلند مناقب، عالی مراتب، مخلصوں پر مہربانی فرمانے والے، تمام مطالب کی ترقی چاہنے والے نواب شمشیر بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ! ایمان و عرفان میں ایسی ترقی کہ گویا حضرت حق کو مشاہدہ کرتے ہیں، اسلام میں ایسی ترقی کہ ظاہری اعمال میں ایک کامل حصہ حب الٰہی کے ذوق میں بڑھاتے ہیں۔ محبت میں ایسی ترقی کہ دلکشا نالہ سے اندر جلنے کے شوق کو تازہ رکھتے ہیں۔ صداقت میں ایسی ترقی کہ زندگی صدیقوں کے اخلاص پر بسر کرتے ہیں۔ دنیا کے جاہ و دولت میں ایسی ترقی کہ جہاں کو کام بکشی سے معمور رکھتے ہیں۔ عافیت اور کامیابیوں کے لئے دعا کی جاتی ہے اور کامیابی نہیں ہوتی، مگر ان ترقیوں کے حصول سے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان مطالب سے بہرہ کامل عطا فرمائے اور دوام اذکار اور تمام اشغال کو ان مقاصد سے محظوظ فرمائے۔

دو دن ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا اور (اس نے) آپ کی بلند صفات والی شخصیت کی خیریت کی خبر دے کر خوشی بہم پہنچائی۔ الحمد للہ! لکھا تھا کہ تین آدمی حافظ قرآن مقرر کر کے باندہ میں بھیجے گئے ہیں۔ ہر آدمی بیس پارے ہر روز تلاوت کرتا ہے۔ اتنی تلاوت مشکل ہو جاتی ہے دو وقت میں منزل پڑھنا آسان رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہی پسند ہے۔ لیکن ہمارے بزرگوں میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں ختم فرماتے تھے۔ حضرت غوث الثقلین (شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) اور حضرت خواجہ معین الدین (چشتی) رحمۃ اللہ علیہ ہر روز ایک ختم قرآن فرمایا کرتے تھے۔ ارباب شوق و محبت جینا عبادت میں گزارتے ہیں۔ بغیر بندگی کے زندگی کام نہیں آئے گی۔ والسلام۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ خوش و خرم رکھے، کہ آپ چشم عنایت کا گوشہ فقیروں کے حال پر رکھتے ہیں۔ اہل خانہ اور تمام عزیزوں کی خدمت میں سلام، شوقِ ملاقات، تاکید نماز و ذکر، (حضرت) محمد ﷺ پر درود و سلام، استغفار، کلمات طیبات اور آنجناب کی رضا (ملاحظہ) فرمائیں۔''

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کہ آنحضرت ﷺ روزے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ را امر کردند کہ چادر خود را دراز کن ایشان چادر خود را دراز کردند پس آنحضرت ﷺ بہر دو دست

مبارک خود سہ نوبت نوری انداختند وفرمودند کہ برسینۂ خود بمال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمچنیں کردند حق تعالیٰ قوت حافظہ چناں ایشان راعطا فرمود کہ ہیچ شی از یاد نمیرفت چنانچہ ہفت ہزار و پانصد حدیث از آنحضرت ﷺ روایت کردند پس عرضہ نمودہ شد از ینجا معلوم شد کہ توجہ وہمت نمودن ہم مروی از پیغمبر ست۔ حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در جواب عارض فرمودند کہ از یں حدیث القاء مفہوم میشود کہ آنحضرت ﷺ بسینۂ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کردند لیکن توجہ وہمت آنحضرت ﷺ از حدیث دیگر ظاہر و باہر ست کہ ابن کعب رضی اللہ عنہ را خطرۂ جہالت بدل آمد آنحضرت ﷺ بہمت دست مبارک خود را بقلب ایشان زدند فی الحال از قلب ایشان آن خطرہ مرتفع شد و از سینۂ آن باطل محو شد و گفت کانی انظر الی اللہ فرقا۔

ترجمہ : حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی چادر بچھاؤ۔ انہوں نے اپنی چادر بچھائی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے تین دفعہ اس چادر میں نور ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے کہ ساتھ لگاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگایا تو اللہ جل شانہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایسی قوت حافظہ عطا فرمائی کہ کوئی چیز آپ سے نہ بھولتی تھی، جیسا کہ ۵۰۰ ۷ احادیث مبارکہ انہوں نے آپ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توجہ اور ہمت کرنا یہ سب آپ ﷺ سے مروی ہے۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خط کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے القائے توجہ مفہوم ہوتا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سینہ کی طرف فرمایا۔ لیکن آپ ﷺ مبارک سے توجہ اور ہمت دیگر احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ ابن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں جہالت والی بات دل میں آئی تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پہ مارا تو فی الحال ان کے قلب سے وہ خطرہ اور وسوسہ ختم ہوا اور وہ فرمانے لگے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میرے سینے پہ مارنے سے میرا ایسا حال ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔[1]

مکتوب چہارم:

باین بندہ لاشی عفی عنہ صدور یافتہ در جواب عرضی کہ متضمن بعضی از حالات قلبی بود در بیان حضور بی غیبت مبرا از جہت فوق کہ نسبت نقشبندیہ عبارت از ان است و استھلاک توجہ وما یناسب ذلک۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔ حضرت سلامت رقعہ شریفہ رسید بمضامین مندرجہ اش مسرور گردانید اللہ تعالیٰ شما را بمقامات وعلوم ومعارف آباء کرام رساند در سیر قلبی تلوینات بسیار پیش مے آید این ہمہ از تلوینات مبارک است سعی فرمایند و بجناب الٰہی سبحانہ التجا نمایند کہ احوال باطن بہ تمکین رسد و حضوری کہ حضرت حق سبحانہ را بذات مبارک است پرتو آن بر باطن شریف ظہور نماید حضور بی غیبت مبرا از جہت فوق کہ متوہم مے شود دوام پذیرد و شامل جمیع جہات ستہ گردد تا نسبت نقشبندی حاصل شود و از کیفیات و حالات گذشتہ بغیر توجہ تام نقد وقت نباشد بلکہ آنہم مستہلک گردد و این استھلاک علامت تمامی سیر لطیفہ قلبی است والسلام۔

ترجمہ: اس بندۂ ناچیز (حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ علیہ) کو لکھا گیا، اس التماس کے جواب میں جو بعض قلبی حالات پر مشتمل تھی۔ بے غیبت حضوری، جو جہت فوق سے پاک ہے جس سے مراد نسبت نقشبندیہ ہے اور توجہ کو نابود کرنے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔ حضرت سلامت رہیں۔ (آپ کا) رقعہ شریف ملا۔ اس کے لکھے گئے مضامین نے خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے آبائے کرام اسلاف کے مقامات، علوم اور معارف تک پہنچائے، سیر قلبی میں بہت سے مقامات پیش آتے ہیں، یہ سب مقامات (فقر) ہیں۔ کوشش فرمائیں، اور جناب الٰہی سبحانہ میں التجا کریں کہ باطنی احوال (مقام) تمکین پر پہنچ جائیں ور حضرت حق سبحانہ کی ذات مبارک

---

[1] (حجۃ السالکین فی رد المنکرین، صفحہ ۴۶ ۷)

کی حضوری کا نور باطن شریف پر ظاہر ہو جائے ۔جہت فوق سے پاک حضور، جس کا وہم ہوتا ہے وہ دوام (ہمیشگی) پائے اور سب چھ جہتوں میں شامل ہو جائے، تا کہ نسبت نقشبندیہ حاصل ہو جائے ۔گزشتہ کیفیات وحالات کامل توجہ کے بغیر ہاتھ نہیں لگتے ،بلکہ وہ بھی نابود ہو جاتے ہیں اور یہ نابودی لطیفہ قلبی کی سیر کے مکمل ہونے کی علامت ہے ۔والسلام ۔[1]

صاحبزادہ حافظ شاہ ابوسعید دہلوی نقشبندی مجددی جو کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں ۔آپ لکھتے ہیں کہ

ارباب قلوب کے سیر وسلوک کے بیان میں ولایت صغریٰ کے دائرہ میں واقع ہوتا ہے، حضرت پیر دستگیر اور آپ کے خلفاء کا معمول یہ ہے کہ شروع شروع میں طالب کے لطائف میں ذکر ڈالنے کیلئے توجہ فرماتے ہیں ،اور توجہ دینے کا ان کے ہاں طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو اسکے قلب کے مقابل کر کے جناب الٰہی سے بتوسل مشائخ کرام یوں عرض کرے کہ خداوند! جو انوار ذکر پیران کبار سے مجھ کو حاصل ہوئے ہیں اور میرا دل ان سے منور ہو چکا ہے، تو اس طالب کے دل میں ڈال دے اور ان سے ان کے دل کو منور فرما دے ۔پھر اپنی توجہ وہمت بڑے زور سے طالب کے قلب کی طرف مصروف رکھے، حق سبحانہ سے قوی امید ہے کہ چند ہی بار کی توجہ سے اس کے قلب کے اندر ذکر کی حرکت پیدا ہو جائے گی ،پھر اسی طرح اپنی روح کو اس کی روح کے مقابل رکھ کر توجہ کرے اور خیال میں لائے کہ پیران عظام کے ارواح شریفہ سے جو نور ذکر میرے لطیفہ روح میں پہنچا ہے، میں اس کو اس طالب کے روح میں القاء کرتا ہوں ۔اور اسی طرح اس کے دوسرے لطائف (سر وخفی واخفیٰ ولطیفہ نفس وقالب) پر متوجہ ہو کر ذکر القاء کرے ۔پھر طالب کے تمام لطائف میں ذکر جاری ہونے کے بعد نفی واثبات کا ذکر تلقین فرما کر جمعیت وحضور کی نسبت القاء کرے ۔دل کے بے خطرہ یا کم خطرہ ہونے کو جمعیت کہتے ہیں ،اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف طالب کے دل میں توجہ پیدا ہونے کو حضور کہتے ہیں ۔اور جب طالب کے قلب میں حضور وجمعیت پیدا ہو جائے تو شیخ مرید کے قلب کو اپنی ہمت اور توجہ سے فوق (اوپر) کی طرف جذب فرمائے (کھینچ لے) ۔(مصنف رحمۃ اللہ علیہ) میں نے اکثر طلاب کو دیکھا ہے کہ اول جذب کا ادراک کرتے ہیں ،اور جب لطیفہ قالب سے برآمد ہوتا ہے تب نسبت حضور دریافت کرتے ہیں، شیخ کو لازم ہے کہ اسی طرح جس مقام کے فیض کے واسطے توجہ کرے پہلے اپنے تئیں اس مقام کے فیض کے رنگ سے رنگین کر کے اس مقام کا فیض طالب کے باطن میں القاء کرے ۔علاوہ برآں اس فیض کے مورد کو بھی ملحوظ رکھے ۔[2]

فیض القاء کرنا:

ملفوظات غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف درالمعارف میں ہے کہ حضرت شاہ گل محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ توجہ کے بارے میں پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو طریقہ ہم تک پہنچا ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ارواح طیبہ کیلئے فاتحہ خوانی کرے یعنی حضور امام الانبیاء سید الاصفیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیران کبار اور صاحبان اسرار خصوصاً خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے فاتحہ خوانی کرے اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کر کے عاجزی پیش کرے اور اپنے مشائخ سے مدد طلب کرنے کے بعد قلب طالب کی طرف متوجہ ہو حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو قلب طالب کے سامنے کر کے توجہ ڈالتا ہوں اور ذکر کا نور اپنے مشائخ عظام کے ذریعے عاجز کے دل میں آیا ہے اسے طالب کے دل

---

[1] (مکتوب نمبر ۴ ص ۱۸)

[2] (ہدایۃ الطالبین ص ۳۱-۳۲)

میں القاء کرتا ہوں، یہاں تک کہ طالب کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے، اس طریقے کے مطابق لطیفہ روح سری خفی اخفیٰ کے ذریعے ذکر القاء کرتا ہوں۔[1]

تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے منقول ہے کہ ایک سانپ ہوتا ہے اس کی نظر میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے وہ اس وقت جل جاتی ہے جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حیوان کی نظر میں یہ تاثیر رکھی ہے تو ایک کامل کی نظر میں جو کہ اشرف موجودات ہے کیا کچھ تاثیر ہوگی۔ جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے بلکہ اللہ والوں کی نظر میں تو ایسی تاثیر ہوتی ہے جس پر پڑ جائے اسے کمال حاصل ہو جائے۔

آناں کہ خاک را بہ کیمیا کنند — سگ راولی کنند مگس راہما کنند
آناں کہ چشم را بہ دوصد حیلہ را کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکر ولایت تھا پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا اتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا تو انہوں نے فرمایا: میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے اس قسم کے جملے ازراہ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے میں کمی کر دی۔ جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا۔ (اس بزرگ کو) تو وہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہلاک کرنے پر کمربستہ ہو گیا۔ انہوں نے مدافعت کی یہاں تک کہ اس کا بھیجا ہوا اثر اسی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرید اس طرف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا رہا۔ کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی (حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ) سے اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہوا الغرض اس طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا اور انکار کرتا رہا اس سبب سے کوئی نفع نہ حاصل کر سکا ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے خود ہو گیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا اس نے واقعہ سن کر اعتراف کیا مگر فطرتاً منکر ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا کاتب (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے مگر مجھے سبز خلعت والے جملے تک ہی یاد رہ سکا۔ حضرت والد صاحب سے اجمالاً اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک بکری پر حالت غلبہ میں توجہ کی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی، کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔[3]

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مجذوب نے سوال کیا کہ اگر اولیاء کرام اپنے تصرف اور توجہ سے لوگوں کی زندگی بدلتے ہیں تو سب کی زندگیاں کیوں نہیں بدلتے۔ کتنے خالی لوٹتے ہیں اور اگر یہ لوگ تصرف نہیں کر سکتے ہیں تو لوگ ان کے پاس کیا لینے آتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم مشائخ عظام طبیب قلبی ہوتے ہیں دوا تجویز کرتے ہیں نسخہ بناتے ہیں لیکن آنے والا دوائی کے اجزاء خود لاتا ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس ہرڑ اور نمک ہے تو طبیب ان دونوں چیزوں کی ترتیب ٹھیک کر کے جو نسخہ بن سکے گا وہی بنائے

---

[1] (درالمعارف فیض نقشبند ملفوظات غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مترجم مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہ جہاں پوری ص ۴۶)

[2] (تذکرہ خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم صاحبزادہ محمد حسین اللہ شریف)

[3] (انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مترجم سید محمد فاروق قادری ایم اے ص ۱۲۹)

گااور جو مریض آٹھ یا دس مختلف جڑی بوٹیاں لاتا ہے اسے ان کے مطابق نسخہ تیار کر دے گا اور ان کے پاس کوئی اجزاء نہ لے کر آئے تو اپنی طرف سے اسے کوئی چیز نہیں دے گا آپ نے یہ مثال دے کر واضح کیا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتا ہے اور کسی میں بالکل استعداد نہیں ہوتی وہ محروم رہتا ہے۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

کہ سیدنا غوث اعظم جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ اپنی محفل میں پہلے وعظ فرماتے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قیل وقال کا وقت اب ختم ہوگیا ہے اور حال کی طرف آتے ہیں تو مجمع میں آہ و بکاء شروع ہو جاتی کچھ لوگ تڑپتے کچھ کپڑے پھاڑ دیتے اور دوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے اور کچھ مر جاتے تھے۔[2]

بعض سیرت نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ شہادت کی انگلی کے اشارے سے لاالہ الااللہ فرماتے اور مجمع میں مختلف کیفیات کا ورود ہوتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ،،لمعات،، میں نقل فرماتے ہیں کہ سارے اولیائے امت اور اصحاب سلاسل میں جنکی روحانیت کا مقام سب سے بلند ہے اور جنکی قوت نسبت سب سے اتم واکمل ہے وہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں بزرگوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

سلطان احمد فاروقی سیالوی اپنی کتاب" چشت اہل بہشت،، میں نقل کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو آدمی ہاتھ ملاتا تھا اس پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس کے باطن میں عجیب ذوق پیدا ہوتا تھا۔[3]

سیر العارفین میں درج ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی وفات پا گئے وہ بہت امیر اور ایک لمبے چوڑے باغ کے مالک تھے والد صاحب کی یہ تمام جائیداد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آئی۔ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ اس موروثی باغ میں بیٹھے تھے کہ خواجہ ابراہیم مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا گزر وہاں سے ہوا جو کامل ترین ولی اللہ تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے لئے اٹھے،بڑی تواضع کے ساتھ انہیں بٹھایا اور اپنے باغ سے انگور کے کچھ خوشے چن کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کئے۔خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے انگور خوشی سے تناول فرمائے۔پھر انہوں نے اپنی بغل میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیا اس ٹکڑے پر انہوں نے لعاب دہن بھی لگا دیا مذکورہ ٹکڑا کھاتے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا باطن روشن ہوگیا اور دنیاوی جائیداد سے دل اچاٹ ہوگیا۔چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ باغ غربا میں تقسیم کر دیا اور خود سفر پر روانہ ہو گئے۔روٹی کے ٹکڑے سے دل کی دنیا بدلنا تصرف کی کیفیت ہے۔[4]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی توجہ کا طریقہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہی لکھا ہے۔[5]

---

[1] (مکتوبات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ)

[2] (اخبار الاخیار شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

[3] (چشت اہل بہشت،سلطان احمد فاروقی سیالوی)

[4] (سیر العارفین)

[5] (کلیات امدادیہ)

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نسمات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کبار مشائخ متقدمین میں سے کسی کی عظمت کے احوال سنا رہے تھے کہ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو بھی یہ بلند مرتبہ حاصل ہوتا۔اس خیال کا آنا تھا کہ اسی لحظہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پاؤں حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کی پشت پر رکھ دیا اسی وقت حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو وہ تمام برکات حاصل ہوگئیں جو ان بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کو اتنے زیادہ سالوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔نیز حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاملات عظیمہ کے حصول کی محبت کی زیادتی اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے رابطے کے بعد ایک دن حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا:

"تو مارا دوست می داری۔یا ما ترا معروض داشتم کہ من ایشاں را دوست میدارم،،(تو مجھے دوست رکھتا ہے یا میں تجھ سے کہوں کہ میں انہیں دوست رکھتا ہوں)اور پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لمحہ تصرف فرمایا کہ میں نے اپنے دل وجان کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے خالی پایا یعنی حضرت خواجہ کی وہ محبت میرے دل سے اچانک غائب ہوگئی۔ناچار میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں پر گر گیا اور معذرت کی یہاں تک آپ رحمۃ اللہ علیہ پھر وہ محبت دوبارہ عنایت فرمادی کہ ہمیشہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت یقینی صمیمی قدیمی وجدیدی میں سرشار رہا۔اگرچہ حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے اور ان کے چاند نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب سے کسب نور کیا تھا۔آپکا بھی عظیم درجہ تھا،فرماتے ہیں": بہ عنایت حق سبحانہ وتعالیٰ ونظر عنایت بزرگ قدس سرہ اگر اختیار کنم ہمہ عالم مقصود حقیقی واصل شوند،،(حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم سے اگر چاہوں تو سارا عالم مقصود حقیقی پالے اور واصل ہوجائے۔)اور آپ نے ایک بیت بھی ارشاد فرمایا۔

گر نشکستے دل دربان راز　　قفل جہاں را ہمہ بکشودمے

(اگر دل دربان راز نہ فاش کر دیتا تو میں تمام دنیا کے قفل کھول ڈالتا۔)حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عنایت کی توجہ خاص کی بناء پر فرمایا کہ" ہر چہ گوید ہمہ شود،،(آپ جو کہتے وہ ہوتا)کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ شریف سے دوسرے کو یہ مرتبہ حاصل ہوجاتا تو پھر خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ کیا ہوگا۔حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں مذکور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاضر وغائب،موجود وغیر موجود مریدوں کی جزئیات وکلیات کو ان سے بہتر جانتے تھے چنانچہ ایک بار دور دراز کے سفر کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"احوالیکہ دریں مدت برتو گزشتہ است تو میگوئی یا ما میگوئم۔،،(جو حالات اس مدت میں تم پر گزرے ہیں میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے۔)اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرمانا شروع کر دیتے اور ارشاد فرماتے" روئے زمین در نظر ما چوں روئے ناخن است۔،،(روئے زمین ہماری نظر میں روئے ناخن کی طرح ہے۔)پس باوجود باطنی احوال،ظاہری متابعت،علو مرتبت،تصرفات کونیہ وتصرفاتِ ارشادیہ وکشوفات عالیہ کے ظہور وانکسار ودید کسور احوال آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ اس طرح درجہ غالب تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

سید کائنات ﷺ ایسے مرتبہ پر فائز تھے کہ تمام عالم اور جمیع مخلوقات کو وجود آپ ﷺ کے وجود کے طفیل ملا کہ آپ ﷺ باعثِ تخلیق کائنات ہیں اور محبوبیت کے اعلیٰ درجے پر فائز۔حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے غایت قوتِ مناسبت اور مرتبہ محبوبیت کی بناء پر فرماتے ہیں۔

یالیت رب محمدلم یخلق محمدا۔ (اے کاش! محمد ﷺ کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا۔) خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی محمد تھا۔اس عبارت میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات ہی مراد لی ہے،معاذ اللہ یہ بات حضور اکرم ﷺ کیلئے نہیں کہہ رہے۔اور غایت خضوع اور انکساری کی بناء پر اس حدیث کو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے۔

انہ لیغان علی قلبی و انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔[1]

"ترجمہ: میرے دل پر کبھی بادل چھا جاتے ہیں اور میں ہر روز ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں"

اور ابتداء میں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں اتنا خشوع اور اتنی خاکساری تھی کہ قوت بشری سے بھی بعید ہے۔یہاں تک کہ زخمی خارش زدہ کتے کو بھی اگر آپ دیکھ لیتے تو جبکہ دوسرے لوگ تو اس کے پاس جانا بھی پسند نہ کرتے آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دست مبارک سے اسے دھوتے اور اس پر مرہم رکھتے۔نیز خود کا انتہائی کم درجہ کی مخلوقات اور معمولی جانوروں سے موازنہ کیا کرتے اور خود کو سب سے کمتر جانا کرتے تھے۔آخری عمر میں انتہائی انکساری کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔

"بایں مہ خرابی وافلاسی وبیحالی وعاجزی کہ من دارم لیاقت ندارم کہ کسے سلام مرا جواب گوید وحق تعالیٰ مرا درمیان خلق رسوا کردہ است ومردم را بمن مشغول گردانیدہ"

ترجمہ: میری اس تمام خرابی،افلاس،تہی دامنی اور عاجزی ومسکینی کے باعث مجھ میں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ کوئی میرے سلام کا جواب دے۔حق تعالیٰ نے مجھے مخلوق میں رسوا کیا ہے کہ لوگوں کو میرے ساتھ مشغول کر دیا ہے کہ مخلوق کا میری طرف یہ رجوع ہے"اسی فروتنی وانکساری کے باعث جب ایک شخص نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کا مطالبہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

کدام کرامات مرا برابر آنست کہ بایں ہمہ بارگناہ بہ زمین می رویم فرو نمی شویم

"ہماری کونسی کرامت اس کے برابر ہے کہ گناہوں کے اس تمام بوجھ کے باوجود ہم زمین پر چل رہے ہیں اور دھنس نہیں جاتے"ایک موقع پر ارشاد فرمایا"نفی وجود نزدما اقرب طرق است وایں جز بترک کار وبار و دید قصور اعمال میسر نشود"(ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب سے زیادہ قریب کا راستہ ہے اور یہ ترکِ کار وبار اور انکسار کے بغیر میسر نہیں) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"در عبادت طلب وجود ست و در عبودیت تلف وجود تا ہستیٔ ما باماست ہیچ عمل نتیجہ نہ دہد"

(عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا مٹنا اور ختم ہو جانا۔جب تک ہماری ہستی ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کا احساس ہم میں موجود ہے،اسوقت تک کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔اسکا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا) از راہ بردباری وتحمل اور استقامت احوال کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"درویش در مقام بارکشی باید کہ چوں دہل باشد کہ ہر چند طبانچہ خورد صدائے مخالف از وظاہر نشود"

(درویش کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو مقام بارکشی میں جانے۔بوجھ کھینچنے والے بچھڑے کی طرح کہ جب ڈھول بجے یہ کتنے ہی طمانچے کھائے مگر کوئی مخالفانہ آواز اس سے ظاہر نہ ہو۔) آں سرور ﷺ کی کمال اتباع کے باعث باوصف اسکے کہ آخر زمانے کے تقاضے بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری فقر بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی فقر کی طرح کامل تھا۔وہ کہا گیا **اذا تم الفقر فھو اللہ**۔(جب فقر مکمل ہو جائے تو وہ اللہ ہے یعنی ظاہر و باطن کا فقر سب اللہ کی رضا کیلئے) آپ رحمۃ اللہ علیہ پر پوری طرح صادق آتا تھا۔چنانچہ سالہا سال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بوسیدہ عمامہ اور پرانی پوستین میں گزارے ہیں۔اور کئی شب و روز ایک پرانا کپڑا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لباس رہا۔سخت سردی کے موسم میں بھی گھاس آپ

---

[1] (مسلم،کتاب الذکر،باب ۱۲ رقم الحدیث ۲۷۰۲)

رحمۃ اللہ علیہ کے تکیہ کی جگہ ہوتی اور پرانا بوریا اور پانی کا لوٹا۔اس تمام فقر کے باوجود خلق نبوی ﷺ کا شیوہ اپناتے ہوئے مہمانوں اور درویشوں پر خرچ کرنے میں بڑی سعی فرماتے تھے اور خود بنفس نفیس مہمان اور اس کی سواری کی خدمت کرتے ۔اپنی روزی کے حصول کیلئے قلیل زراعت کرتے اور خود زمین کاشت کرتے ۔مزاج کی اس تمام لطافت کے باوجود سورج چمک رہا ہوتا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ زراعت میں سعیٔ بلیغ فرما رہے ہوتے اور اپنے ظاہری و باطنی احوال کے چھپانے میں پوری کوشش فرمایا کرتے تھے ۔چنانچہ ایک عالم کئی سال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک گھر میں رہے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال اور کمال پر مطلع نہ ہو پائے ۔

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ایک مخلص بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزشتہ ادوار میں بڑے بڑے بزرگ ہوئے مگر یہ شہرت جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو دو سو سال میں ملی کہ ماوراء النہر کے تمام تشنہ لب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رحمت خاص کی نہر سے سیراب، ترکستانیوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ اخلاص سے ترتکتاز، کاشغر و خطا والوں کی مشام جان آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نافۂ نسبت روح سے معطر، ختن والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب ہدایت سے منور، ساکنانِ عراق کی عروق جان (رگیں) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کی حبل متین (مضبوط رسی) سے مضبوط و متیقن، شام والوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی چودھویں رات کی روشنی سے روشن، مصر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی برکات کی مٹھاس سے شیریں کلام، اہل روم الغ بحکم آیت کریمہ اذا غلبت الروم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مغلوب محبت، سیستان زابلستان میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت و ناموری ایسی گویا نصف النہار کا سورج، کابل و کشمیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رخسار مبارک سے رشک کے باعث ارغوانی و زعفران زار، اہل مملکت ہندوستان، مانند طوطی شیریں مقال آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے تاج الرجال کی مدحت میں نغمہ سنج قدس اللہ سرہ الاقدس ۔تو اس سوال کے جواب میں مخلص بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ صاحب برکات نے اپنی تمام زندگی اپنے احوال فضل و کرامات کو مخلوق خدا سے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری کوشش فرمائی تو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی مکافات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مثل چاند سورج کے ظاہر فرمایا اور دنیا والوں کے کانوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ڈال دی ۔

ایک دوسرے شخص نے اس فقیر راقم (حضرت ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ اللہ پاک کی صفت کاملہ میں سے ایک صفت کلام بھی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے اور خرس و سکوت اس کی صفت نہیں پس جو بزرگ اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہوں انہیں چاہیئے کہ سکوت کے مقابلہ میں کلام کرنے کو پسند کریں حالانکہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ سکوت و خاموشی ہے ۔اس عاجز نے حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ و امداد سے جواب دیا کہ وہ کلام الٰہی جسے تم نے کلام سمجھا ہے وہ حرف و آواز والا کلام نہیں بلکہ اس سے وراء الوراء ہے اور کلام بشر سے مختلف ۔حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین نے اس لئے ایسے کلام کو چھوڑا ہے جو کلام بشر کی طرح حرف و آواز والا ہو اور ایسے کلام کو اختیار کیا ہے جو کلام بیچون الٰہی کی طرح ہے ۔اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ ایسے کلام کے تخلق کے باعث متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تو درحقیقت اصل کی طرف گئے ہیں ۔مختصر یہ کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت و بزرگی تحریر و بیان سے باہر ہے ۔قیامت تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کی نشانیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات و معونت و امداد ان پر بھی جو دور ہیں اور ان پر بھی جو قریب ہیں ظاہر و آشکار ہے ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کے تصرفات آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی ظاہر ہوئے ہیں جو مختلف رسائل میں بیان ہوئے ہیں ۔بعض بزرگوں نے وہ خود دیکھے اور بعض نے دوسرے صادق القول حضرات سے سنے ۔اگر ہم انہیں بیان کرنا شروع کریں تو دفتر کے دفتر مرتب ہو جائیں ۔میں صرف ایک قصہ اور ایک کرامت کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں ۔اس فقیر کے ایک مخلص بخاری بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا و تکریماً (اللہ تعالیٰ ان دونوں کے شرف و عزت کو زیادہ کرے) سے واپس ہو رہے تھے کہ ضرورت وقت کے پیش نظر انہوں

نے ساتھیوں سے ایک خاص کشتی میں بیٹھنے کیلئے کہا۔ساتھیوں نے جوتعداد میں تقریباً پچاس تھے شروع میں انکارکیالیکن جب ان کااصرار بڑھا تووہ سب ناچاراس کشتی میں بیٹھ گئے۔حالت سفرہی میں تھے،دریائے شورمیں پہنچناتھا کہ اچانک زبردست ہوائیں چلناشروع ہوگئیں بادل کی گرج اورپھرطوفانِ بادوباراں اوربجلی کی زبردست کڑک،شدیدتاریکی کشتی والوں کی جان پربن گئی اورانہوں نے مجھے برابھلاکہناشروع کردیاکہ مجبوراًمیرے کہنے سے وہ کشتی میں بیٹھے تھے۔میں بھی زندگی سے مایوس ہواکہ اچانک مجھے خیال آیاکہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ توہندواورفرنگیوں کی پکارپربھی ان کی مددفرماتے ہیں مگرکیاہم ان سے بھی کمترہیں اوراس غوث الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارااخلاص ان غیرمسلموں سے بھی کم ہے کہ وہ ہماری دستگیری نہ فرمائیں گےاوراسی طرح غرق ہونے دیں گے میں نے یہ کہااوراسی جوش میں میں نےآپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزارفائض الانوارکاتصورکیااورمیں اسی تصورمیں گم ہوگیا۔کیادیکھتاہوں کہ ایک بزرگ نورانی شکل پانی کی سطح پرنمودارایک کشتی میں بیٹھےعجلت کے ساتھ ہماری طرف تشریف لارہے ہیں۔مجھے غیب سے القاءہواکہ یہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندبخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اورتمہاری مددکوتشریف لائے ہیں جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک ہوئےتومیری جانب تبسم فرمایا۔میں نےشکوہ کیاکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تودشمنوں کی بھی مشکل آسان فرماتے ہیں۔میری اس مشکل میں مددفرمائیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پھرتبسم فرمایااورشفقت فرمائی کہ خاطرجمع رکھوہم اسی مقصدسے آئے ہیں مجھ پرعجیب جوش اورسکرکی کیفیت طاری ہوگئی۔جب افاقہ ہواتودیکھتاہوں کہ نہ وہ بارش،نہ وہ کڑک،نہ بجلی،نہ وہ طوفان،نہ وہ تاریکی۔میں چلایا۔ساتھیوخوشخبری ہو کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مددکوآپہنچے ہیں اورہم سب غرق وہلاکت سے بچ گئے ہیں۔خوش ہوجاؤ،شکربجالاؤاورجان ودل سے حضرت کی نذرکروو ہ سب بے اختیارروپڑے۔شکربجالائے اورغریبوں کوکھاناکھلانے کی جومنتیں مانی تھیں ساحل پرآکروہ پوری کیں۔**الحمدللہ علی انعائہ بتوسط اولیائہ**۔(خداکی نعمتوں کاشکراسکے اولیاء کےتوسط سے)ایک اوربزرگ رحمۃ اللہ علیہ جوآپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رابطۂ طریق رکھتے تھےاپناایک کشف اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب نمازتہجد کے بعدمیں نے دیکھاکہ قیامت قائم ہے۔اولین وآخرین ایک میدان میں جمع ہیں۔دھوپ کی تیزی کایہ عالم کہ بیان سے باہراوردورایک بارگاہ ہےعظیم اورعجیب۔لوگ کہنے لگےکہ یہ بارگاہ شفاعت محمدی ﷺ ہےعلی صاحبہاالصلوۃ والسلام۔اسی دوران ایک عجیب سازلزلہ اورزبردست شوراٹھاکہ لوگ حیرت میں پڑگئےکہ یہ کیاچیز ہے۔لوگ کہنے لگے یہ دوزخ ہے۔اسے زنجیروں میں جکڑکرلایاگیاہےاورمیدان حشرکےکناروں سے اسے گزاررہے ہیں۔اسی دوران میں نے دیکھاحکم ہواتمام کافروں کودوزخ میں ڈال دواورحساب کتاب کیلئے ایک گروہ پرنظررکھوچنانچہ انتہائی ذلت کے ساتھ کفارکوجہنم کی طرف گھسیٹاگیا۔اسی دوران ایک شخص کوگھسیٹ کرلے جارہے تھےاوروہ گڑگڑارہاتھا۔ہرایک نے اپنے نیک اعمال کاجائزہ لیامگران سے کچھ فائدہ نہ ہوسکاکہ ناگاہ اس نے کہا۔میں نے ایک بارپانچ فلس(پیسے)نذرخواجہ بہاؤالدین نقشبندرحمۃ اللہ علیہ کیے تھےکہ وہ خداکے کامل دوستوں میں سے ہیں۔چنانچہ فرمان صادرہواکہ اس پرنگاہ رکھوپھرمجھے معلوم نہیں اس کے ساتھ کیامعاملہ گزرا۔ہاں میں نےلوگوں کویہ کہتے سناکہ اے کاش ہم دنیامیں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندبخاری رحمۃ اللہ علیہ کےسلسلے سے منسلک ہوتے۔شاعرنےخوب کہا:

بس کنم خودزیرکاں راایں بس است　　بانگِ اوکردم اگردردہ کس!ست

میرے لئے یہی کافی ہےکہ میں خودکوان کے زیرفرمان کردوں،اگردس میں سےکوئی ایک ہےتومیں اسی کانعرہ ماروں۔اورفرمایا:

درنیابدحال پختہ ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ بایدوالسلام

کاملین کےمرتبہ کوناتجربہ کارونا پختہ کیاسمجھے۔پس گفتگومختصرکرکےوالسلام کہناہی بہترہے۔[1]

---

[1](نسمات القدس ص ۶۵)

اللہ کے ولی کی توجہ سے پتھر دو ٹکڑے ہوگیا:

علامہ نورالدین ابوالحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی فرماتے ہیں:

اجتمع الشیخ علی بن وھب، والشیخ عدی ابن مسافر، والشیخ موسی الزولی رضی اللہ عنھم، عند صخرۃ عظیمۃ، بجبل السلو، ببلاد المشرق، فقالا للشیخ علی بن وھب :ما التوحید؟ فقال :ھکذاو اشار بیدہ الی تلک الصخرۃ ،قال :اللہ فانفلقت نصفین، وھی الی الآن معروفۃ، یصلی الناس بین نصفیھا۔

ترجمہ: شیخ علی بن وہب، شیخ عدی بن مسافر اور شیخ موسی زولی رحمہ اللہ ایک بڑے پتھر کے پاس جو کہ "السلو" بلاد مشرق میں تھا جمع ہوئے پھر ان دونوں نے شیخ علی بن وہب رحمہ اللہ سے پوچھا کہ توحید کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس طرح، اور اپنے ہاتھ سے اشارہ اس پتھر کی طرف کیا اور کہا اللہ : پھر وہ پتھر دو ٹکڑے ہوگیا اور وہ اب تک مشہور ہے لوگ ان دونوں کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔[1]

جس طرح اولیاء کرام رحمہم اللہ اجمعین اپنی توجہات کی برکات سے لوگوں کے دلوں کو منور فرماتے ہیں اسی طرح توجہ سلبی بھی فرماتے ہیں لیکن یہ توجہ یا تو منکرین کو زیر کرنے کیلئے یا کسی حکمت کی بناء پر یا کسی کو راہ راست پر لانے کیلئے توجہ فرماتے ہیں۔

توجہ کے ذریعے شیخ رضی اللہ عنہ کا شیخ شہاب الدین سہروردی کے سینہ سے علم کلام کو دور کرنا:

امام ابوالحسن الشطنوفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خبر دی ہم کو ابومحمد حسن بن ابی عمران موسیٰ بن احمد قرشی خالدی اور ابومحمد سالم بن علی بن عبداللہ دمیاطی نے قاہرہ میں ۶۷۱ھ میں ان دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو شیخ عالم ربانی شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد عبداللہ سہروردی نے کہا کہ خبر دی ہم کو حسن نے حلب میں ۶۱۸ھ میں کہا خبر دی ہم کو سالم نے بغداد میں ۶۱۴ھ میں کہا کہ میں اس حالت میں کہ جوان تھا علم کلام میں مشغول ہوا اور اس میں میں نے بہت سی کتابیں حفظ کیں اس میں فقیہ بن گیا میرا چچا اس پر مجھے بہت جھڑکتا رہتا تھا لیکن میں باز نہ آتا تھا وہ ایک دن مجھے ساتھ لیکر حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی زیارت کو آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! جب تم رسول ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنے آؤ تو صدقہ دے لیا کرو۔ اور ہم ایک ایسے شخص کی خدمت میں چلے ہیں کہ اس کا دل خدا تعالیٰ کی طرف سے باتیں کرتا ہے تم سوچو کہ ہم ان کی خدمت میں کیسے جاتے ہیں کہ ان کی زیارت کی برکت حاصل کریں پھر جب ہم ان کی خدمت میں بیٹھے تو میرے چچا نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ عمر میرا بھتیجا ہے علم کلام میں مشغول ہے میں اس کو منع کرتا ہوں لیکن یہ باز نہیں آتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! تم نے کون کون سی کتاب علم کلام کی حفظ کی ہے میں نے کہا فلاں فلاں کتاب۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر پھیرا تو خدا کی قسم اس علم کو میرے سینہ سے ایسا نکالا کہ مجھ کو ایک لفظ بھی اس کا یاد نہ رہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تمام مسائل بھلا دیئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں اسی وقت علم لدنی بھر دیا پھر میں آپ کے پاس سے اٹھا تو حکمت کی باتیں کرتا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ اے عمر تم عراق میں سب سے آخر میں مشہور ہوں گے وہ کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ سلطان حقیقت اور حقیقت وجود میں تصرف کرنے والے تھے۔[2]

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی فردوسی قدس سرہ کے ملفوظ "گنج لایخفیٰ" میں منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین

---

[1] (بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ص ۴۳۱، مؤسسۃ الشرف بلاہور، پاکستان) (امام اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۶۴:)

[2] (بہجۃ الاسرار ص ۶۵)

سہروردی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ایک مجلس میں ہم جنب و ہم پہلو تشریف فرما تھے کہ اس اثنا میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دونوں بزرگوار کے بیچ میں بیٹھ گئے اور حضرت شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جو حضرت کے ہم پہلو بیٹھے ہوئے ہیں ۔''شیخ الشیوخ نے فرمایا'' ایشان از خلفائے بندگی خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی اند'' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا بم عرفت اللہ کہ آپ نے خدا کو کس طرح اور کس دلیل سے پہچانا۔حضرت نے جواب دیا کہ بالواردات الالھیۃ الغیبیۃ التی لاتحملھا الافھام الضعیفۃ'' یعنی ہم نے خدا کی معرفت ان واردات الہیہ غیبیہ کے ذریعہ سے حاصل کی جو افہام ضعیفہ کے ادراک وتحمل وطاقت سے باہر ہیں ۔امام رازی یہ جواب سن کر عالم حیرت میں آ کر ساکت ہو رہے ۔اس واقعہ کو دیگر کتب میں تفصیل کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ وعلماء حاضر تھے ۔امام رازی علیہ الرحمۃ نے مشائخ طریقت پر علمی تفوق اور عالمانہ شان کا اظہار چاہا اور علمی مباحث پر گفتگو فرمانے لگے ۔ پہلے شیخ الشیوخ کو مخاطب فرما کر کوئی مسئلہ پوچھا شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ پیرایہ میں اسکا جواب شافی دیدیا۔لیکن امام فخر الدین رازی نے اس پر اکتفا نہ کی اور طول طویل تقریریں کرنے لگے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی طرف متوجہ ومخاطب ہوئے ،آپ کو یہ بحث مباحثہ ناگوار خاطر عاطر ہوا۔ظاہراً سکوت اختیار فرمایا اور زبان مبارک سے کوئی جواب نہ دیا مگر ان کے باطن کی طرف ایک نگاہ کی اور انکے قلب کی طرف متوجہ ہو گئے تمام علم وفضل سب سلب ہو گیا امام رازی خود فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا عجب حال ہو گیا تمام علوم میرے دل سے مٹ گئے سارا علم غائب ایک حرف حروف تہجی کا یاد نہ آتا تھا مناقب الاصفیاء میں ہے چنانچہ امام فخر الدین رحمہ اللہ خود در رسالہ آوردہ است کہ ہر چند اندیشہ مے کردیم کہ مراحرفے از حروف تہجی یاد آید نمی آمد غرض امام رازی سخت گھبرائے اور توبہ واستغفار کیا اور بعد برخاست مجلس شیخ نجم الدین کبریٰ کے حضور میں حاضر ہو کر با کمال ادب نہایت معذرت وعذر خواہی کی شیخ نے فرمایا اور تمام علوم وفنون اپنے سینے میں موجود پائے اس واقعہ کے بعد امام فخر الدین رازی آپ سے نہایت ہی عقیدت رکھنے لگے اور با کمال ادب آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں جیسے کہ امام سبکی رحمہ اللہ نے[1] میں لکھا ہے کہ اس حکایت وروایت سے حضرت نجم الدین کبریٰ کے زور ولایت وکرامت وتصرف کے علاوہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر کے ان دونوں خلیفوں یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کے انداز وروش کے تفاوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور دونوں بزرگوار کے روش کی علیحدگی صاف معلوم ہوتی ہے حضرت شیخ الشیوخ کا طریقہ ستر واستتار حال اور ظاہر شریعت کی پابندی اور تحمل وبردباری اور لسانی اتمام حجت اور ابلاغ وتبلیغ ورشد وارشاد اور وعظ وپند وغیرہ کا تھا اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے یہاں کثرت کرامات وخوارق عادات کا سلسلہ تھا اور زیادہ تر اپنی پاک روحانیت اور باطنی تصرفات اور قوی تاثیرات سے کام لیتے اور رشد وہدایت فرماتے تھے حقیقت میں دونوں بزرگوار اپنی روش اور انداز میں ٹھیک اور اپنی اپنی خدمتوں اور روشوں پر مامور من اللہ تھے ۔[2]

اولیاء اللہ جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اپنے توجہات کی برکت سے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

این بزرگواران ہمچنان کہ قدرت کاملہ براعطاء نسبت دارند وحضور وآگاہی رادراندک وقت بہ طالب صادق، عطامے فرمایند، درسلب آن نسبت نیز قدرت تامہ دارند وبہ یک بی التفاتی ،صاحب نسبت رامفلس می سازند بلی آنھا کہ می دہند می ستانند ہم ۔ اعاذنا اللہ سبحانہ من غضبہ وغضب اولیاء الکرام۔

---

[1] (طبقات ج ٦ ص ١١)

[2] (تذکرہ حضرت عبد القاہر السہر وردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ١٣٩-١٤١، مناقب الاصفیاء ص ٩٦-٩٧)

بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے غضب سے بچائے۔[1]

حضرت نجم الدین کبریٰ کی توجہ کی برکت سے ہزاروں طالب علم منزل مقصود تک پہنچے:

آپ کی روحانی قوت اس قدر پرزور اور قوی تھی کہ آپ کی ادنیٰ ہمت سے ایک دم میں جذب وسلوک کے سارے مرحلے طے ہو جاتے تھے اور صرف ایک توجہ میں ایک عامی عارف کامل ہو جاتا تھا۔آپ مستی و وجد و خروش کی حالت میں جس پر ایک نگاہ ڈالتے وہ ولی ہو جاتا تھا۔یہی سبب ہے کہ آپ کو ولی تراش کا لقب دیا گیا۔[2]

ایک دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں (نبظر سیر) حاضر ہوا۔شیخ پر اس وقت ایک خاص حالت وجد طاری تھی وہ شخص شیخ کی نظر مبارک کے سامنے آ گیا آپ نے اس پر ایک پر فیض نگاہ ڈالی وہ اسی وقت مرتبۂ ولایت سے فائز المرام ہو گیا۔آپ نے پوچھا ''تو کس ملک یا کس شہر کا باشندہ ہے'' اس نے شہر کا نام بتایا۔آپ نے اسے ارشاد ہدایت کی اجازت وخلافت لکھ دی اور فرمایا ''جاؤ'' اپنے وطن میں خلق خدا کو ہدایت وارشاد کرو۔[3]

شیخ اوحدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں حضرت شیخ کا توسل اس طور پر کرتے ہیں۔

یارب بہ ولی تراش مطلق　　آن نجم و نجوم ملت حق

یارب بہ ولی تراشیٔ او　　خاصیت فیض پاشیٔ او

توجہ کے ذریعے سے مقامات طے کرانا:

خبر دی ہم کو ابو محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے بغداد میں شیخ بزرگ عارف ابو عبداللہ محمد بن احمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سال تک خدمت کی اور ان سے ان کے ابتدائے حال کی بابت پوچھا لیکن انہوں نے اس کو چھپایا پھر میں نے دوسرے سال ان کی خدمت کی تب کہا کیا تم ضرور سنو گے؟ میں نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں۔انہوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں کسی کو یہ خبر نہ سنانا میں نے کہا ہاں (بہت اچھا) جب ان کو میرے راز چھپانے کا یقین ہو گیا تو کہا کہ میں بلخ سے بغداد کی طرف جوانی کی حالت میں اس لئے آیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کروں میں ان سے ایسے حال میں ملا کہ وہ اپنے مدرسے میں نماز پڑھ رہے تھے پہلے اس سے نہ میں نے ان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سلام پھیر چکے اور لوگ ان کی طرف سلام کیلئے دوڑے تو میں بھی آگے بڑھا اور میں نے مصافحہ کیا آپ نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور ہنس کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے بلخی! اے محمد تم کو مرحبا ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ جان لیا، تیری نیت کو معلوم کر لیا۔شیخ مذکور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام زخمی کی دوا، بیمار کی شفا تھا تب میری آنکھیں خوف الٰہی کے مارے بہہ نکلیں میرے شانہ کا گوشت ہیبت کے مارے پھڑکنے لگا میری آنتیں شوق ومحبت کی وجہ سے کٹ گئیں میرا نفس لوگوں سے گھبرانے لگا میں نے اپنے دل میں ایسی بات پائی کہ جسے میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا پھر یہ حالت بڑھتی اور قوی ہوتی گئی اور میں اس سے مقابلہ کرتا رہا۔میں اندھیری رات میں اپنے وظیفہ کیلئے کھڑا ہوا تب میرے دل سے دو شخص ظاہر ہوئے ایک کے ہاتھ

---

[1] (مکتوبات امام ربانی ج ۱ مکتوب ۲۲۱ ص ۲۴۰)

[2] (نفحات ومناقب الاصفیاء وتذکرۃ الاولیاء)

[3] (سفینۃ الاولیاء)

میں محبت کی شراب کا پیالہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں خلعت تھا مجھ کو صاحب خلعت نے کہا کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں اور یہ ایک فرشتہ مقرب فرشتوں میں سے ہے یہ محبت کی شراب کا پیالہ ہے اور یہ رضا کے حلول کی خلعت ہے۔ پھر جب مجھے یہ خلعت پہنادی ان کے ساتھی نے پیالہ مجھے دیا جس کے نور سے مشرق ومغرب روشن ہوگیا جب میں نے وہ پیا تو مجھ پر غیبوں کے اسرار اور اولیاء اللہ کے مقامات وغیرہ عجائبات ظاہر ہو گئے ۔ان میں سے ایک مقام ایسا تھا کہ عقلوں کے قدم اس کے بھید میں پھسلتے ہیں اور فکروں کے فہم اس کے جلال میں گم ہو جاتے ہیں عقلوں کی گردنیں اس کی ہیبت کی وجہ سے جھکتی ہیں اس کی قدر و قیمت میں طبیعتوں کے بھید بھول جاتے ہیں اس کے انوار کی شعاعوں کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں مدہوش ہوتی ہیں۔ ملائکہ کروبی وروحانی ومقربین اس مقام کا مقابلہ کرتے ہیں اپنی پیٹھوں کو رکوع کرنے والے کی طرح اس مقام کے قدر کی تعظیم کی وجہ سے جھکائے ہیں اور اللہ عزوجل کی تسبیح طرح طرح کی تقدیس وتنزیہ کے ساتھ کرتے ہیں اس مقام والوں پر سلام کرتے ہیں کہنے والے کہتے ہیں کہ اس سے اوپر سوائے عرش رحمٰن کے اور کچھ نہیں اس کی طرف دیکھنے والا تحقیق نظر سے دیکھتا ہے کہ واصل کا ہر مقام یا مجذوب کا ہر حال یا محبوب کا سر یا عارف کا علم یا مقرب کا مقام ہر ایک کا مبداء اور انجام اجمال وتفصیل کل بعض اول وآخر اس میں قرار یافتہ ہے، اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے صادر ہوا ہے۔ اسی سے کامل ہوا ہے۔ پھر میں کچھ عرصہ وہاں پر ٹھہرا۔ اس کی طرف دیکھنے کی مجھے طاقت نہ تھی، پھر مجھ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی اور ایک مدت ٹھہرا مجھے طاقت نہیں تھی کہ اس کے اندر والے شخص کو معلوم کروں پھر ایک مدت کے بعد میں نے اس شخص کو معلوم کیا جو اس میں ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کے دائیں طرف حضرت آدم وابراہیم وجبرائیل علیہم السلام تھے اور بائیں جانب حضرت نوح وعیسیٰ علیہم السلام تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے بڑے بڑے اصحاب واولیاء کرام خادموں کی طرح کھڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جن صحابہ کرام کو میں پہچانتا تھا ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم تھے اور جن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو میں پہچانتا تھا وہ معروف کرخی، سری سقطی، جنید، سہل تستری، سرتاج العارفین ابوالوفا شیخ عبدالقادر، شیخ ابوسعید، شیخ احمد رفاعی اور شیخ عدی رضی اللہ عنہم تھے۔ صحابہ میں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے قریب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور اولیاء اللہ میں سے زیادہ قریب حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ تھے۔ تب میں نے کسی قائل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مقرب فرشتے اور انبیاء ومرسلین اولیاء مجمعین محمد ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں تو آپ ﷺ اعلیٰ مقام سے جو آپ ﷺ کے اپنے رب کے نزدیک ہے اتر کر اس مقام پر اترتے ہیں تب ان کے انوار آپ کے دیدار سے دگنے ہو جاتے ہیں آپ ﷺ کے مشاہدہ سے ان کے حالات پاکیزہ بن جاتے ہیں ان کے مرتبے اور مقامات آپ ﷺ کی برکت سے بلند ہوتے ہیں پھر آپ ﷺ رفیق اعلیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ تب میں نے سب کو یہ کہتے ہوئے سنا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیکَ الْمَصِیرُ (البقرہ:۲۸۵) یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے رب ہمارے اور تیری طرف بازگشت ہے) پھر میرے لئے قدس اعظم کے نور سے ایک چمک ظاہر ہوئی جس نے مجھ کو ہر ایک حاضر چیز سے غائب کر دیا ہر ایک موجود سے مجھ کو اچک لیا تمام مختلف چیزوں میں تمیز کرنا مجھ سے چھین لیا اور اس حال پر میں تین سال تک رہا۔ پھر مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ایک دم باتیں کرنے لگا اور شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ میرے سینے کو تھامے ہوئے ہیں ایک پاؤں آپ کا میرے پاس اور ایک بغداد شریف میں ہے۔ میری عقل لوٹ آئی اور میں اپنے امر کا مالک ہوا تب مجھ کو شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا اے بلخی! بے شک مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو تمہارے وجود کی طرف لوٹا دوں اور تیرے حال کا تجھ کو مالک بنا دوں تجھ سے وہ چیز چھین لوں جس نے تجھ کو مغلوب کر رکھا ہے۔ پھر میرے تمام مشاہدات واحوال کی اول سے لے کر اب تک سب خبر دی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو میرے حال کی ذرہ ذرہ کی خبر ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بارے میں

رسول اللہ ﷺ سے سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تجھ کو اس مقام کے دیکھنے کی طاقت ہوئی۔ پھر سات دفعہ سوال کیا تو تب آپ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی اور سات دفعہ پوچھا تب تو وہاں کے اندر کی باتوں پر مطلع ہوا اور سات دفعہ پوچھا تب تو نے منادی کی آواز سنی اور بے شک اللہ تعالیٰ سے تیرے بارے میں سات اور سات اور سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تیرے لیے وہ روشنی اور چمک ظاہر ہوئی اور پہلے اس سے میں نے ستر دفعہ تیرے لیے سوال کیا یہاں تک اس نے تجھ کو اپنی محبت کا پیالہ پلایا اور اپنی رضامندی کا خلعت پہنایا اے میرے پیارے فرزند! اب تو تمام فوت شدہ فرائض کو قضا کر۔[1]

شیخ کی توجہ سے شراب کا سرکہ بن جانا:

خبر دی ہم کو ابوالحسن علی بن ابوبکر ابہری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کہا: میں نے قاضی القضاۃ ابوصالح نصر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرے والد یعنی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ایک دن نماز جمعہ کیلئے نکلے میں اور میرے دو بھائی عبدالوہاب اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہما آپ کے ساتھ تھے۔ راستہ میں ہم کو سلطان کے شراب کے تین مٹکے ملے جن کی بو بہت تیز تھی۔ ان کے ساتھ کوتوال اور دیگر کچہری کے لوگ تھے ان سے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ وہ نہ ٹھہرے اور جانوروں کے چلانے میں انہوں نے جلدی کی پھر آپ رضی اللہ عنہ نے جانوروں سے کہا کہ ٹھہر جاؤ، وہ اپنی جگہ پر ایسے ٹھہر گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں وہ بہتیرا مارتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ چلتے تھے اور ان سب کو قولنج کا درد شروع ہوگیا اور زمین پر دائیں بائیں سخت درد کی وجہ سے لوٹنے لگے۔ پھر تسبیح کے ساتھ چلانے لگے اور علانیہ توبہ استغفار کرنے لگے۔ پھر ان سے درد فوراً جاتا رہا اور شراب کی بو سرکہ سے بدل گئی انہوں نے برتنوں کو کھولا تو وہ سرکہ تھا جانور بھی آدمیوں کی طرح چلانے لگے شیخ رضی اللہ عنہ تو جامع مسجد کو چلے گئے اور یہ خبر سلطان تک پہنچ گئی تب وہ ڈر کے مارے رونے لگا بہت سے محرمات کے فعل سے ڈر گیا۔ شیخ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا اور حضرت رضی اللہ عنہ کی جناب میں نہایت عاجزانہ بیٹھا کرتا تھا۔[2]

ایک سوداگر کو مجلس میں حاجت براز ہونا اور شیخ رضی اللہ عنہ کی توجہ سے اس کا دور تک جانا اور پھر اسی وقت لوٹ آنا:

خبر دی ہم کو فقیہ ابوالفتح نصر اللہ بن القاسم بن یوسف بن خلیل بن احمد ہاشمی بغدادی کرخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے قاہرہ میں ۶۶۹ھ میں کہا کہ خبر دی ہم کو دو بڑے شیخوں قاضی القضاۃ ابوصالح نصر بن الحافظ ابوبکر عبدالرزاق بن امام محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم اور شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہم نانبائی نے بغداد میں ۶۳۱ھ میں کہا ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو ہمارے والد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور میرے چچا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۹۱ھ میں کہا ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو عمران کیماتی رحمۃ اللہ علیہ اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۹۰ھ میں اور خبر دی ہم کو ابوعبداللہ بن عبادہ عبدالمحسن بن منذر انصاری جیلی رحمۃ اللہ علیہم نے قاہرہ میں ۶۷۲ھ میں اور کہا خبر دی ہم کو دو شیخوں شیخ پیشوا ابومحمد عبداللہ بن عثمان یونینی رحمۃ اللہ علیہم نے دمشق میں ۶۱۶ھ میں اور شیخ عارف ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بن جوہر بعلبکی رحمۃ اللہ علیہ پھر عقیبی نے وہاں پر ۶۲۳ھ میں ان دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابومحمد عبداللہ بطائحی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں مدرسہ بغداد میں ۵۵۳ھ میں ابوالمعالی محمد بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تاجر حاضر ہوئے پھر ان کو حاجت براز نے ایسا تنگ کیا کہ

---

[1] (بہجۃ الاسرار ص ۷۵)

[2] (بہجۃ الاسرار ص ۸۲)

چلنے پھرنے سے روک دیا بڑی سخت تکلیف ہوئی اس نے شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف فریادرس ہو کر دیکھا اور شیخ رضی اللہ عنہ اپنے منبر کی سیڑھی سے نیچے اتر آئے اور پہلی سیڑھی پر ایک سر آدمی کے سر کی طرح ظاہر ہوا پھر اور نیچے اتر آئے یہاں تک کہ کرسی پر ایک صورت شیخ رضی اللہ عنہ کی صورت کی طرح برابر ہوگئی۔لوگوں کے سامنے شیخ رضی اللہ عنہ کی آواز کی طرح بولتی تھی اور شیخ رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرح کلام کرتی تھی اس بات کو سوا اس شخص کے اور جس کو خدا نے چاہا اور کوئی نہ دیکھتا تھا۔آپ لوگوں کو چیرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور اس کے سر کو اپنی آستین سے ڈھانک لیا عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اپنے رومال سے ڈھانک لیا۔وہ کہتا ہے کہ میں ایک دم ایک بڑے جنگل میں پہنچ گیا جس میں نہر ہے اس کے پاس ایک درخت ہے اس میں اس نے وہ کنجیاں جو اس کی جھولی میں تھیں لٹکا دیں اور خود قضاء حاجت سے فارغ ہوا اس نہر سے وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھے جب سلام پھیر لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آستین کو یا رومال کو اس پر سے اٹھالیا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اسی مجلس میں ہے اور اس کے اعضاء پانی سے تر ہیں اور قضاء حاجت کی حالت جاتی رہی شیخ رضی اللہ عنہ اپنی کرسی پر ہیں گویا کہ وہ وہاں سے اترے ہی نہیں۔وہ چپ رہا کسی سے ذکر نہ کیا اپنی کنجیوں کو گم پایا اور اپنے پاس نہ دیکھیں۔پھر وہ ایک مدت بعد بلاد عجم کی طرف قافلہ تیار کر کے چلا۔بغداد سے چودہ دن تک چلے اور ایک منزل جنگل میں اترے جس میں نہر تھی تب وہ اس جنگل میں گیا کہ قضاء حاجت کرے۔کہنے لگا یہ جنگل اس جنگل سے بہت مشابہ ہے اور یہ نہر اس نہر کے مثل ہے اور اس دن کے واقعہ کو یاد کیا تو اتفاقاً وہی نہر وہی زمین وہی درخت وہی قضاء حاجت کی جگہ نکلی۔جو اس روز دیکھی تھی تب اس کو پہچان لیا اور کوئی بات نہ بھولی۔اپنی کنجیوں کو اسی درخت میں معلق پایا۔پھر جب بغداد کی طرف لوٹے تو وہ شیخ رضی اللہ عنہ کی جناب میں آیا کہ آپ کو خبر دے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر دینے سے پہلے کان پکڑ کر فرمایا کہ اے ابوالمعالی! میری زندگی میں کسی سے یہ ذکر نہ کرنا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا رہا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا۔

شیخ رضی اللہ عنہ کے تصرف سے علماء کا علم جاتا رہنا:

خبر دی ہم کو ابومحمد عبداللہ بن احمد بن علی قطفنی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا خبر دی ہم کو شیخ علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہما نانبائی نے کہا کہ میں نے شیخ ابوالحسن جوسقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں زاہران میں سیدی شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ کی مجلس سماع میں حاضر ہوا تھا۔اس میں مشائخ وصلحاء،فقہاء،قراء کی ایک جماعت موجود تھی جب مشائخ کو سماع کا مزہ آیا (یعنی وجد میں ہوئے) تو فقہاء وقرأ نے اپنے اپنے دلوں میں انکار کیا۔تب شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ نے ان فقہاء وقراء پر چکر لگایا۔ان میں سے جب کسی پر کھڑے ہو کر دیکھتے تو وہ اپنے سینے سے تمام علم وقرآن کو مفقود پاتا۔یہاں تک کہ ان کے اخیر تک پہنچے وہ سب چل دیئے اور ایک مہینہ ان کی یہ کیفیت رہی (یعنی محض بے علم بن گئے) پھر سب کے سب شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں چومے آپ سے معافی مانگنے لگے تب شیخ رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے دسترخوان بچھوایا۔انہوں نے کھانا کھایا شیخ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ کھایا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لقمہ کھلایا تب ان میں سے ہر ایک نے جو کچھ علم گم کیا تھا اس شیخ رضی اللہ عنہ کے لقمہ کی برکت سے سب پالیا پھر وہ خوشی خوشی گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

تانبے کے برتن شیخ کی توجہ سے بعض چاندی اور بعض سونے کے بن گئے:

راوی کہتا ہے کہ ان کے پاس ایک مغربی شخص بھی آیا جس کا نام عبدالرحمان بن احمد اشبیلی تھا۔اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک سونے کی ڈلی رکھ دی اور ان سے کہا اے میرے سردار! یہ میری ترکیب سے ہے۔فقراء کیلئے پیش کرتا ہوں پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا کہ جس

---

[1] (بہجۃ الاسرار ص ۲۹۹)

کے پاس تانبے کا برتن ہو وہ میرے پاس لے آئے ۔تب لوگ بہت سے تانبے کے برتن از قسم طشت طباق وغیرہ لائے ۔ان کو حکم دیا کہ حجرہ کے اندر رکھ دو ۔آپ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ان کی طرف گئے پھر ان میں سے بعض سونے کے ہو گئے اور بعض چاندی کے بن گئے مگر صرف دو طشت باقی رہے ۔پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے برتن والوں سے کہا کہ جس کا جو برتن ہو وہ لے لے پھر انہوں نے وہ برتن سونے چاندی کے لے لئے پھر عبدالرحمان سے کہا کہ اے فرزند عزیز! بے شک اللہ عزوجل نے ہم کو یہ سب کچھ دیا ہے لیکن ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے ۔تمہارے ٹکڑۂ زر کی ہم کو حاجت نہیں پھر ہم نے ان سے برتنوں کے اختلاف کا سبب پوچھا تو کہا کہ جب میں نے کہا تھا کہ جس کے پاس کوئی برتن ہو تو وہ ہمارے پاس لے آئے ۔اب جو شخص میرے کلام پر اٹھ کھڑا ہوا ۔اس کے دل میں کوئی شبہ پیدا نہ ہوا تو اس کا برتن سونے کا بن گیا اور جس کے دل میں شبہ پیدا ہوا ۔اس کا برتن چاندی بن گیا اور دو شخصوں کے دل میں مجھ سے بدظنی پیدا ہوئی ۔تو ان کے برتن نہ بدلے ۔[1]

حضرتِ امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی، قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ ((حکیم صدر)) در بیان سلامتی قلب ونسیان اومر مادون حق راسبحانه اهلُ الله، اَطِبَّاءِ اَمْراضِ قلبیه اند ۔از الۂ علل باطنیہ، منوط به توجہ این بزرگواران است ۔((حکم کلام ایشان دواست ونظر ایشان شفا (هم قوم لا یشقی جلیسهم وهم جلساءُ الله بهم یمطرون و بهم یرزقون)۔

رأس امراض باطنیہ ورئیس علل معنویہ، گرفتاری قلب است بہ مادون حق سُبْحَانَہ وَتعَالیٰ ۔وتا از ین گرفتاری بہ تمام آزادی میسر نشود ۔سلامتی محال است ۔چہ شرکت را در آن حضرت جل سلطانہ اصلاً بار نیست (اَلَا لِلّٰهِ الدِّینُ الْخَالِصُ) (الزمر/۴)

حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا ۔سلامتی قلب اور اس کے غیر حق سبحانہ کو بھلا دینے کے بیان میں ۔اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں ۔باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے ۔ان کا کلام دوا اور ان کی نظر شفاء ہے ۔

حدیث پاک میں وارد ہے ۔هم قوم لا یشقیٰ جلیسهم، یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بدنصیب نہیں ۔[2]

وهم جلساء الله، یعنی یہ لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں ۔بهم یمطرون و بهم یرزقون، (بخاری شریف) انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے رزق ملتا ہے ۔امراض باطنی اور علل معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے ۔جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتی قلب کا نصیب ہونا محال ہے ۔کیونکہ اس ذات اقدس جل سلطانہ کے لیے کسی اور کی شرکت کا قطعاً کوئی دخل نہیں ۔

أَلَا لِلّٰهِ الدِّینُ الْخَالِصُ، ترجمہ: سن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے ۔ (سورۂ زمر ۳:)[3]

شرح:

زیر نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اہل اللہ کے فیوض و برکات وتوجہات اور ان کی صحبت ومجلس کی فوائد وثمرات کا تذکرہ فرمارہے ہیں دراصل اہل اللہ امراض باطنیہ اور علل معنویہ کے طبیب ہوتے ہیں اس لئے سالک کو اپنے ذاتی مفادات نفسانی خواہشات

---

[1] (بہجۃ الاسرار ص ۴۴۶)

[2] (بخاری ومسلم)

[3] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۰۹، ج ۱، ص ۲۷۸، مرکز بخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

اور دنیاوی اغراض کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ ان کا نیاز مند رہنا چاہیئے تا کہ ان کی توجہات قدسیہ اور ارشادات عالیہ کی بدولت اسی قلبی امراض اور ماسواء اللہ کی محبت سے نجات حاصل ہو جائے۔ بقول شاعر۔

ہم نشینی اولیاء چو کیمیا است　　کیمیائے خود بایں خوبی کجا است

حضرت شیخ ابو بکر بن سعدان رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

من صحب الصوفیۃ فلیصحبھم بلا نفس و لا قلب و لا ملک فمتی نظر الی شیٔ من اشیائہ قطعہ ذالک عن بلوغ مقصدہ۔

ترجمہ: یعنی جو شخص صوفیاء کی صحبت اختیار کرے تو اسے چاہیے کہ بے نفس و بے قلب اور بے ملکیت ہو کر ان کی صحبت اختیار کرے۔ پس جب وہ اپنی اشیاء میں سے کسی شئے کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے مقصود تک رسائی سے روک دیتی ہے۔[1]

بلکہ بقول شاعر طالب صادق کی کیفیت یوں ہونی چاہیے

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام　　دل ترا مے طلبد دیدہ ترا مے خواہد

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کا تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ جَلِيسِ الصَّالِحِ ,وَجَلِيسِ السَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ ,وَنَافِخِ الْكِيرِ ,حَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ ,وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ, وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً ,وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يَحْرِقَ ثِيَابَكَ ,وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ,وَمُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ ,عَنْ أَبِي كُرَيْبٍ ,عَنْ أَبِي أُسَامَةَ۔[2]

ترجمہ: یعنی اچھے اور برے مصاحب کی مثال کستوری اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تمہیں کستوری تحفے میں دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تمہیں اس کی خوشبو آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس کی ناگوار بدبو آئے گی۔

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

نیکاں لوکاں دی صحبت یار وجیویں دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیے حلّے آوَن ہزاراں
بریاں لوکاں دی صحبت یار وجیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے چنگاں پین ہزاراں

جب کوئی مرید صادق کسی اہل اللہ کی صحبت میں عقیدت و نیازمندی سے سرشار ہو کر چند لمحے گزارتا ہے تو باہمی اخلاص کی بدولت اس مقام کی فضا میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے کیونکہ وہاں رحمتوں کا ورود اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ **تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ** (حم سجدہ آیت ۳۰) سے واضح ہے۔ بقول شاعر

آسمان سجدہ کند پیش زمینے کہ درو
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

چونکہ اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے اور اس کے جلیس و ہم نشین ہوتے ہیں اس لئے گناہگار بھی ان کی مجلس سے محروم نہیں لوٹتے جیسا کہ حدیث

---

[1] (مکتوبات معصومیہ ج ۲ مکتوب ۱۱۰)

[2] (شعب الایمان ج ۱۲ ص ۴۳، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۲۶)

میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کو مغفرت کا مژدہ سنایا تو فرشتوں نے عرض کی ۔ رَبِّ فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ، إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ، قَالَ : فَيَقُولُ :وَلَهُ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ ۔ یعنی اے رب تعالیٰ ان میں فلاں شخص بڑا گناہگار تھا وہ تو فقط گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوتا۔ [1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ :هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ " ان میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ان میں سے نہیں بلکہ وہ تو کسی کام کیلئے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا یہ وہ ارباب مجلس ہیں کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص کبھی بد بخت نہیں ہوتا۔ [2]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُم ۔ یعنی ضعیفوں کی بدولت تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تم کو رزق دیا جاتا ہے۔ [3]

نیز حضور اکرم ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمایا : يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ، وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ، یعنی ان اہل اللہ کی برکت سے بارشیں برستیں اور دشمنوں پر فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔ [4]

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضاء لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اسی طرح حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۱۶۸ البینات جلد چہارم میں فرماتے ہیں: متن: نسبت ایشاں فوق ہمہ نسبتہا آمدہ کلام ایشاں دواء امراض قلبیہ است و نظر ایشاں شفاء علل معنویہ و توجہ وجیہہ ایشاں طالبان را از گرفتاری کونین نجات می بخشد و ہمت رفیع ایشاں مریداں را از حضیض امکاں بذروۂ وجوب می برد... لیکن دریں اوان کہ آن نسبت شریفہ عنقاء مغرب گشتہ است۔

ترجمہ: ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگئی ہے۔ ان کا کلام قلبی امراض کیلئے دوا اور ان کی نظر روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہے اور ان کی زبردست توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔ ان کی بلند ہمت، مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی پر لے جاتی

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ و الاستغفار الرقم ۲۶۸۹، باب فضل مجالس الذکر ج ۴ ص ۲۰۶۹، احمد بن حنبل فی المسند، ج ۲ ص ۲۵۲، الرقم: ۷۴۲۰، و المنذری فی الترغیب و الترھیب، ج ۲ ص ۲۵۹ الرقم ۲۳۱۶)

[2] (صحیح البخاری، باب فضل ذکر اللہ ج ۸ ص ۸۶، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

[3] (مشکوٰۃ ۴۴۶، صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۶، شرح السنۃ للبغوی باب فضل الفقراء، ج ۱۴ ص ۲۶۴)

[4] (مشکوٰۃ ۵۸۳، فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۹۰۶، مسند احمد الرسالہ ج ۲ ص ۲۳۱)

ہے... لیکن اس زمانے میں یہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب ہوگئی ہے۔

شرح: یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز طریقت نقشبندیہ کی فوقیت اور مشائخ نقشبندیہ کی توجہات قدسیہ کی برکات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم کی نسبت وتوجہ وکلام اس قدرقوی اور پرتاثیر ہوتی ہیں جن کی بدولت انکے مریدین کے باطن کا تصفیہ اورنفوس کا تزکیہ ہوجاتا ہے اوروہ ہرماسوی سے چھٹکارہ حاصل کرکے توحید عیانی، وصل عریانی اور تجلی ذاتی دائمی سے شادکام اور فیضیاب ہوتے ہیں ۔مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز نے خوب کہا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

مرورزمانہ،لوگوں کی کم ظرفی اوردوں ہمتی کی وجہ سے نسبت نقشبندیہ کبریت احمر کی مانندکمیاب، پوشیدہ اورعنقاء ہوگئی ہے۔چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو" عنقائے مغرب،،سے تشبیہ دی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عنقائے مغرب کے متعلق قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق۔

عنقاءمغرب ایک عجیب الخلقت اورمقطوع النسل دراز گردن پرندہ ہے جسے فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں چنانچہ روایت ہے!اللہ تعالیٰ نے دوراول میں ایک پرندہ تخلیق فرمایاجسے عنقاء کہاجاتا تھا۔بلادحجاز میں اس کی نسل کثرت سے پائی جاتی تھی۔وہ بچوں کو اچک کرلے جاتا تولوگوں نے قبیلہ بنی عبس کے سردارخالد بن سنان سے اس کی شکایت کی توانہوں نے اس کی انقطاع نسل کیلئے دعائے ضرر فرمائی،اس لئے وہ نابود ہوگیا۔اب بزم گیتی میں محض اس کانام باقی ہے۔[1]

دلیل: قطب الارشاد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ الغفار نسبت نقشبندیہ کی جامعیت وعظمت کے متعلق ارشادفرماتے ہیں۔نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم آں نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست وخلاصہ ومنتہائے مجموع طریقہاست۔[2] یعنی نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم وہ نسبت شریفہ ہے جوجمیع نسبتوں کی جامع ہےاورتمام طریقوں کا خلاصہ ومنتہا ہے۔ایک اورمقام پر یوں ارشادفرماتے ہیں کہ خواجگان ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم بہرزراقی ورقاصی نسبت ندارد کارخانۂ ایشاں بلنداست اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کسی مکاراورقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے،ان کا کارخانہ بلند ہے۔[3]

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ:

بہ برکت توجہ حضرت ایشاں بحقیقت بندگی رساندوعروج برفوق محدد بسیارواقع شد بعدازطی مسافت چوں برفوق محدد رسید دارالخلداز آنجا بماتحت مشہود گشت وفوق محدد آں مقدارعروج واقع شدکہ ازمرکز خاک تامحدد یااندکہ کمترازین۔

ترجمہ:اپنے شیخ مبارک کی توجہات کی برکت سے حقیقت بندگی نصیب ہوئی اورمیراعروج محدد سے اوپرواقع ہوایعنی جب پہلی مرتبہ عروج واقع ہوااورمیں عرش پر پہنچااورجنت عرش کے نیچے مشاہدے میں آئی اورپھرمحدد سے اتناعروج واقع ہوا کہ زمین کے مرکز سے لے کرمحدد تک یااس

---

[1] (کنزالعمال ج ۱۲ص ۳۳۷)

[2] (فقرات ص ۳۸)

[3] (مکتوب نمبر ۱۶۸البینات جلد چہارم)

سے کم۔[1]

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جب مجھے پہلی بار فوق العرش عروج روحانی نصیب ہوا تو میں نے جنت کو عرش کے نیچے دیکھا۔آپ کا یہ کشف وشہود فرمان نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے عین مطابق ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے۔سقفھا عرش الرحمٰن۔یعنی عرش جنت کی چھت ہے۔[2]

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

الجنۃ فوق السموات تحت العرش۔یعنی جنت آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔[3]

اور اسی پر اکثریت کا اتفاق منقول ہے۔واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مکشوفات اور مشاہدات علوم شرعیہ کے عین مطابق ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نسبت مجددیہ میں اتباع شریعت اور التزام سنت کا لحاظ غالب ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم امر کے پانچوں لطائف کا وطن اصلی عرش کے اوپر ہے لہذا حکمائے یونان کا یہ قول کہ" عرش سے اوپر کچھ نہیں،، محض باطل ہے۔

توجہ بھی کرامت کی مانند ہے

حضرت محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خارق اول آنکہ یکی از فضلای دہلی کہ با کرے بعقد در آوردہ بود سالہا رفتہ اورا فتحی روی نداد ہ از ادعیہ وادویہ اثر ندیدہ چون وصف ایشان شنیدہ روزے کہ ایشان بجای سوارہ میرفتہ اندو رعنان در آمدہ بہ نیاز تمام قصّہ را معروض داشتہ التماس زوال عنیت نمودہ حضرت خواجہ رادل برشفقت کشودہ از مرکب فرود آمدہ اورا در کنار شریف کشیدہ مُعانقہ سخت نمودہ اندو فرمودہ اند کہ رفتہ متوجہ شوید کہ فتح ست دی ہمان لحظہ در خود قوت غریب دیدہ رفتہ وبسہولت تمام ہمان لحظہ فتح نمودہ

ترجمہ: ایک کرامت یہ ہے کہ دہلی کے ایک فاضل نے ایک لڑکی سے شادی کی لیکن کئی سال تک دوری جیسی رہی۔دوا اور دعا بھی مفید نہ ہوسکی آپ کی تعریف سن کر آپ کے پاس آیا۔آپ سواری پر کہیں جارہے تھے۔اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ سے اپنا حال بیان کیا اور مقصد میں کامیابی چاہی۔آپ سواری سے اتر پڑے اور زور سے تین دفعہ اس سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ جاؤ اس شخص میں بھرپور قوت آگئی اور وہ کامیاب ہوا۔[4]

فنا میں اولیاء کرام کا تصرف

نقل کردند خدمت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ کہ روزی قدم مبارک حضرت خواجہ ما رامی مالیدم واتفاقا شریف زادہ در آن صحبت حاضر بود وخواجہ سخن در مقام فنا می گفتند۔در آن اثنا فرمودند کہ اولیا را در فنا تصرف می دھند۔آن شریف زادہ از حضرت خواجہ سوال کرد کہ اولیا در فنا چگونہ تصرف می کنند؟ خواجہ قدم مبارک خود را بہ سینہ من رسانیدند۔در من کیفیتی پیدا شد واز خود رفتم۔آن عنایت پیش از وقت نماز دیگر بود، تا وقت نماز بامداد داشت۔چون بہ جای اصلی باز آمدم وبہ حضرت خواجہ مشرف گشتم، فرمودند ما این معاملت با تو بجھت آن کردیم کہ آن شریف زادہ را یقینی بحالی درویشان بحاصل آید۔

یعنی"حضرت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ نے نقل فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ ما قدس اللہ روحہ کی خدمت اقدس میں آپ کے قدم

---

[1] (مکتوب نمبر ا ج ا ص ۴)

[2] (تفسیر خازن ج ا ص ۲۸۳)

[3] (تفسیر خازن ج ا ص ۲۸۳)

[4] (برکات احمدیہ، نام دگر زبدۃ المقامات، ص، ۲۱،)

مبارک مل رہا تھا۔ اتفاق سے ایک شریف زادہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مقام فنا کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ اسی وقت آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کرام فنا میں تصرف کرتے ہیں۔ اس شریف زادہ نے حضرت خواجہ رحمہ اللہ سے سوال کیا اولیاء فنا میں کیسے تصرف کرتے ہیں؟ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنا قدم مبارک میرے سینے پہ رکھا تو مجھ میں ایک کیفیت پیدا ہوگئی اور میں از خود رفتہ ہوگیا۔ مجھ پہ یہ عنایت نمازِ عصر سے لے کر نماز صبح تک رہی۔ جب میں اصلی حال میں لوٹ آیا تو حضرت خواجہ رحمہ اللہ سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس شریف زادہ کو درویشوں کے حال پر یقین ہو جائے۔[1]

اولیاء کرام کی توجہ کی برکت سے جذب وسکر میں رہنا:

حضرت زبدۃ المؤرخین عمدۃ المحققین علامہ مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ بہاؤالدین والدین نقشبند تفویض فرمود چوں شاہ متوجہ حال وہ شد حالتے رو داد کہ مدام در جذبہ قوی وسکر بودی وقطع علائق نمود و ہرگز باکسی انس وآرام نمی گرفت۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان بن سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں جب بزرگ والدین نقشبند سرتاج الاولیاء بہاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توجہ کی تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر وقت جذب وسکر میں رہتے تھے۔ لوگوں سے قطع تعلق ہوگیا اور کسی کے پاس آرام نہیں ملتا تھا۔[2]

اولیاء کرام کا خواب میں توجہ پر تصرف:

حضرت فخر صوفیاء علامہ نورالدین محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وہم ایشان (حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرف کردند ومن بیخود بیفتادم۔ چون باخود آمدم، خواجہ از من گذشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم۔ پایمائے من درہم می پیچید۔ بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم۔ فرمودند کہ مبارک باد۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق عرف والدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ کو توجہ کرتے تھے۔ میں بے خود پڑ گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ بڑی محنت سے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک باد ہو۔[3]

اولیاء کرام کا بعد الوفات توجہ اور تصرف اور مقامات طے کروانا:

قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ حاجی محمد فضل اللہ مجددی لکھتے ہیں: خدمت ایشان بعد وصال والد صاحب کمال پنجاہ وشش سال برمسند ارشاد وا کمال اتکاد اشتند واز ان جملہ شش سال بکسب زوائد فوائد چنانچہ ایما بر آن رفتہ بخدمت حضرت عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلوک نمودند از نسبت ہائے مخصوص ایشان بھرہ ورشدہ فقیر از زبان مبارک حضرت شاہ عطاء اللہ قدس سرہ کہ والد والدہ فقیر اند شنیدہ ام وخدمت ایشان از اکابر مسموع

---

[1] (انیس الطالبین عدۃ السالکین، ص ۹۹)

[2] (خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱ ص ۵۶۵)

[3] (نفحات الانس من حضرات القدس، صفحہ ۴۱۶)

داشتند کہ روزی جناب حضرت عروۃ الوثقی رحمۃ اللہ علیہ بحضرت وحدت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمودند کہ وعدہ بتو می نمایم کہ چہل توجہ بتو عنایت نمایم وبھر توجہ آن قدر ترقی در حال تو خواھد شد کہ در مدت مدید حصول آن بدشواری باشد از ان جملہ سی و چھار توجہ عنایت شدہ بود کہ مقدمہ انتقال حضرت عروۃ الوثقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعام رخ نمود پس از این واقعہ جان کاہ روزی حضرت وحدت قدس اللہ تعالیٰ سرہ بر قبر متبرکہ ایشان رفتہ معروض داشتند کہ از جملہ توجہ ہائے موعود شش عدد توجہ باقی است امید از الطاف حضرت آنکہ بوفا انجامد بایشان چنان ایما شد کہ بر قبر متوجہ شدہ بنشین تا آنچہ معدود و موعود جود ایفا رود خدمت حضرت وحدت عرض نمودند کہ وعدہ در حالت حیات بود الحال نیز بہ ہیت حیات شدہ توجہ عنایت شود معلوم ایشان شد کہ در خلوت آمدہ باش یعنی وقتیکہ دیگرے بر قبر حاضر نہ باشد ایشان وقت را مراعت نمودہ بر قبر مبارک می رفتند وحضرت عروۃ الوثقی بہ ہیئت حیات شدہ از قبر مبارک خروج می فرمودند وتوجہ می دادند روز ششم کہ اتمام موعود بود حضرت وحدت قدس سرہ سیاہی وقلم ہمراہ داشتند بعد از فراغ توجہ عرض نمودند کہ بدستخط مبارک نوشتہ عنایت شود کہ آنچہ بعد الاحد وعدہ رفتہ بود کہ چہل توجہ خواہم داد از آنھا سی و چہار توجہ در حالت حیات دادہ شدہ بود شش توجہ باقی را بہیئت حیات شدہ ایفائ موعود دادا شد خدمت حضرت عروۃ الوثقی قدس سرہ العزیز را بدستخط مبارک خود عبارتے کہ قرین این مدعا بودہ باشد نوشتہ دادند حضرت وحدت قدس سرہ آن نوشتہ را بسائر بنی اعمام خود نمودند ہمہ مخدوم زادہ گان دستخط والد شریف خود را شناختہ وحضرت حجۃ اللہ رضی اللہ عنہ بر پشت آن کہ کاغذ نوشتند ۔ ھذا ھو الحق الیقین بلی الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار۔

ترجمہ : آپ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ۵۵ سال تک مسند ارشاد پر تشریف فرما رہے ۔اور ان میں سے چھ سال کے لئے آپ کے حکم پر مزید فوائد کے حصول کے لئے روانہ ہوئے ۔اور حضرت خواجہ عروہ وثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور مخصوص نسبت سے بہرہ ور ہوئے ۔فقیر نے آپ کے متعلق اپنے نانا حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے انہوں نے یہ اپنے اکابر سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ رحمہ اللہ نے حضرت وحدت قدس اللہ سرہ سے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے اوپر چالیس توجہات کروں گا کہ جس سے تمہارے احوال میں اتنی ترقی ہوگی کہ ایک لمبی مدت میں اتنی ترقی حاصل کرنا محال ہے اس وعدہ کے مطابق ابھی ۳۴ توجہات کی تھیں کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قدس سرہ کا وصال مبارک ہوگیا۔اس واقعہ جانکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ وحدت قدس سرہ آپ کی قبر مبارک پر گئے وہاں جا کر عرض کیا کہ حضور آپ نے مجھ سے چالیس توجہ کا وعدہ کیا تھا ابھی ان میں سے ۳۴ مکمل ہوئی تھیں اور چھ رہتی تھیں کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور وعدہ مکمل نہ ہوا۔امید ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو مکمل فرمائیں گے ۔آپ کو اشارہ ہوا کہ اس فقیر کی قبر کی طرف توجہ کر کے بیٹھو تا کہ وعدہ مکمل ہو جائے ۔آپ نے عرض کیا کہ یہ وعدہ حالت حیات کا تھا لہذا اب بھی حالت حیات میں یہ وعدہ مکمل ہونا چاہیے ۔تو آپ کو پھر بتایا گیا کہ ہمارے پاس اس وقت آنا جب کوئی اور نہ ہو۔تو حضرت نے اس وقت پر نظر رکھی اور جانا شروع کیا، وہاں جا کر دیکھا کہ آپ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں، چھ دن وعدہ کے مطابق ایسا ہی ہوتا رہا اور وعدہ مکمل ہوگیا۔

آخری دن آپ قلم سیاہی ساتھ لے گئے تھے فراغت کے بعد گزارش کی کہ آپ اپنے ہاتھ سے یہ تحریر فرمائیں کہ عبد الاحد کے پاس چالیس توجہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جن میں سے ۳۴ حالت زندگی میں اور باقی چھ وصال کے بعد حالت زندگی میں آ کر مکمل چالیس کی ہیں ۔اور وعدہ مکمل کیا ہے ۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس اللہ سرہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے مطابق عبارت لکھ کر دستخط بھی کئے حضرت وحدت قدس سرہ نے اپنے تمام چچا زادوں کو یہ لکھا ہوا دکھایا، سب اپنے والد محترم کے خط کو جانتے تھے ۔حضرت حجۃ اللہ رحمہ اللہ نے اس کاغذ کی پشت پر یہ لکھا : یہ حق الیقین ہے کیوں نہیں اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ۔[1]

---

[1] (تفسیر روح البیان) (عمدۃ المقامات، ص ۳۶۰)

خشک لکڑی پر توجہ کا اثر:

حضرت علامہ امام یوسف اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں :قال قدس اللہ سرہ رأیت الکعبۃ المطھرۃ تطوف بی تشریفاً منہ تعالیٰ وتکریما لی، وقال ان اللہ اعطانی قوۃ عظیمۃ من امر الھدایۃ بحیث لو توجھت الی خشبۃ یابسۃ لاخضرت۔ یعنی حضرت امام مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کعبہ مطہرہ کو دیکھا کہ اللہ کریم کی عطا فرمودہ میری عظمت کو دیکھ کر وہ میرا طواف کر رہا ہے اللہ کریم نے مجھے ہدایت کے معاملہ میں عظیم قوت عطا فرما رکھی ہے اگر میں خشک لکڑی پر توجہ ڈالوں تو وہ سبز ہو جائے۔[1]

توجہ میں اثر ہے یا نہیں؟

حضرت علامہ شیخ بدرالدین نقشبندی مجددی سرہندی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں :

وقتے کہ حضرت ایشان قدس سرہ وے را خلافت دادہ رخصت بوطن مالوف کردند، گویند کہ در اثنائے راہ بخاطرش رسید کہ حضرت ایشان مرا اجازت تعلیم طریقہ فرمودند، در طالبان تصرف باید کرد۔ بارے بیاز مایم کہ مرا قوت و قدرت تصرف ہست یا نہ و توجہ من اثرے دارد یا نے، ناگاہ ڈولی دختر کافرے کہ وے کہ خدا کردہ می بردند بنظر افتاد، تصرف را بروے سرد ادم، بالفور آن عروسہ قطع نظر از حیائے کہ دختران را می باشد کردہ و بے اختیار شدہ از ڈولی خود را انداختہ بجانب شیخ بشتافت و خود را بر قدم وے انداخت۔ شیخ، نظر باثارت فتنہ کردہ مطلب کہ تجربۂ توجہ بود حاصل نمودہ تصرف خود را از وے باز داشت، ہمان ساعت وے حیا عود نمود باز گشت و در ڈولی نشست۔

حضرت امام مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جب آپ (شیخ بدیع الدین سہارنپوری رحمہ اللہ) کو خلافت دے کر آپ کے وطن مالوف کی طرف رخصت کیا تو کہا جاتا ہے کہ آپ کو خیال آیا کہ جب حضرت نے مجھے تعلیم طریقہ کی اجازت دی ہے تو طالبوں میں تصرف کرنا چاہیئے میں آزما کر دیکھوں کہ مجھے تصرف کی قوت اور قدرت ہے بھی یا نہیں اور میری توجہ میں اثر ہے یا نہیں ہے، اتفاق سے ایک کافر لڑکی کی ڈولی پر کہ جس کی ابھی شادی ہوئی تھی نظر پڑی میں نے اس پر تصرف کیا تو اس دلہن نے حیاء شرم جو لڑکیوں کو ہوتی ہے ترک کر کے فوراً بے اختیار ہو کر ڈولی میں سے چھلانگ لگائی اور شیخ کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور ان کے قدموں پر گر پڑی، شیخ نے فتنے کو فرو کرنے کے لئے اور اپنا مطلوب جو توجہ کے تجربے کے لئے تھا، حاصل کر کے اس کی طرف سے اپنا تصرف واپس کر لیا تو اسی وقت اس کی حیاء واپس آ گئی اور وہ پلٹ کر ڈولی میں بیٹھ گئی۔[2]

توجہ سے جذبہ، شوق اور رونے کی حالت ہو جانا:

حضرت خواجہ محمد عبدالکریم نقشبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

بعض اوقات آپ کی توجہ کی یہ حالت ہوتی کہ تلقین کرنے کے بعد اسی وقت آدمی بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اور جو بے ہوش نہیں ہوتے تھے، تو ان کے دل میں ذکر کا جوش اور عجیب حالت اور شہودِ حق کا ظہور ہوتا تھا۔ اکثر اوقات، آپ رحمہ اللہ کے ساتھ توجہ میں مولانا غلام نبی اور سید جماعت علی شاہ صاحب بیٹھتے تھے، اور شاہ صاحب کی یہ حالت تھی کہ جس کی طرف توجہ کرتے تو اس کو اسی وقت جذبہ و شوق و گریہ ہو جاتا تھا۔ حافظ جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر آپ کی نظر مہربانی بہت تھی۔ جس روز آپ رحمہ اللہ نے ان کو تلقین فرمایا اور باطنی توجہ سے معمور فرمایا تو حافظ صاحب کی یہ حالت تھی کہ مثل ماہی بے آب زمین پر تڑپتے تھے۔ ایک برس تک ان کی یہی حالت رہی، اور تلقین کے بعد اسی وقت آپ نے تاج مبارک ان کے سر پر

---

[1] (جامع کرامات اولیاء ج ۱ ص ۴۹۲)

[2] (حضرات القدس ج ۲ ص ۳۴۰)

رکھااور ماذون کیا جس وقت مولانا و مرشدنا راولپنڈی تشریف لائے تو میں نے عرض کی یا سیدی رحمہ اللہ آپ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت جلدی ماذون کیا ہے، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا میں حکم کا بندہ ہوں اور نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ کی محبت اور علم وحلم مجھے کو پسند آیا۔[1]

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

وقد قال العارفون رضی اللہ عنھم۔ من لا ینفع لحظہ لا ینفع قولہ

یعنی ''جس کی توجہ نافع نہیں، اس کی باتیں بھی نفع نہیں دے سکتیں۔''

فالعارف من یسلک الناس وھم فی حرفھم

یعنی ''پس عارف وہ ہے جو لوگوں کو ان کے کاروبار کی مشغولی ہی میں سلوک طے کرادے۔''[2]

مردہ دلوں کو توجہ سے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

کہ پیر دل مردہ را زندہ گردانیدہ است و بہ مشاہدہ و مکاشفہ رسانیدہ (است) نزد عوام، احیای جسدی، عظیم الشان است ونزد خواص، احیای قلبی و روحی، برھان رفیع الشان است (خواجہ محمد پارسا)۔ قدس سرہ در رسالہ (قدسیہ) می فرماید کہ احیای جسدی پیش اکثر مردم چون اعتبار داشت، اہل اللہ از آن احیا اعراض نمودہ بہ احیای روحی پرداختہ اند و متوجہ احیای دل مردۂ طالب گشتہ اند والحق کہ احیای جسدی نسبت بہ احیای قلبی، کالمطروح فی الطریق است ونظر بہ این، داخل عبث چہ، این احیا سبب حیات چند روزہ است و آن احیا، وسیلۂ حیات دائمی است، بلکہ گوییم کہ فی الحقیقت وجود اہل اللہ کرامتی است از کرامات و دعوت ایشان مر خلق را بہ حق۔ جل سلطانہ۔ رحمتی است از رحمت ھای حق۔ جل سلطانہ۔ و احیای قلوب اموات، آیت است از آیت ہای عظمیٰ۔ ایشان امان ارض اند و غنیمت روزگارند (**بھم یمطرون و بھم یرزقون**) در شان شان است کلام شان دواست ونظر شان شفا۔ **ھم جلساء اللہ و ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم و لا یخیب انیسھم۔**

یعنی ''پیر کا اس کے مردہ دل کو زندہ کرنا عظیم ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا ہے، اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسم چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں اور زمانے کے لئے غنیمت ہیں۔ (**بھم یمطرون و بھم یرزقون**) 'ان ہی کے سبب بارشیں ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے لوگوں کو رزق ملتا ہے'' ان ہی کی شان میں ہے۔ ان کی گفتگو دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا، اور نہ ان سے دوستی رکھنے والا نامراد ہوتا ہے۔ ''[3]

---

[1] (ہدایۃ الانسان الی سبیل العرفان، ص ۱۱۲)

[2] (الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ، ص ۹۹)

[3] (مکتوبات امام ربانی، ج ۲ مکتوب ۹۲، ص ۲۸۲)

اللہ والے کے وضو کے پانی کی چھینٹوں سے بے خودی طاری ہوئی

شیخ روز بہان کبیر مصری رحمہ اللہ گازرونی الاصل ہیں مگر مصر میں سکونت اختیار فرمائی اور یہیں آپ سے رشد وارشاد کا سلسلہ جاری ہوا۔آپ اکابر صوفیاء اور اعاظم اولیاء اللہ سے ہیں۔حضرت ابو النجیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختص لوگوں میں سے ہیں۔حضرت جامی فرماتے ہیں''از مریدان شیخ ابو النجیب سہروردی است''اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں''وشیخ روز بہان نسبت بحضرت ابو النجیب سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد''[۲] آپ اکثر عالم استغراق میں رہتے تھے۔''در اکثر اوقات در مقام استغراق می بودہ''مگر باوجود اس کے شریعت کی اتباع و پابندی سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔مصر میں آپ کی خانقاہ شریف فقراو درویشوں کے لئے مرکز تھی۔حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ایک مدت تک آپ کی تربیت حسب تعلیم وتلقین آپ کے ریاضات کرتے رہے۔شیخ روز بہان کبیر رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ آپ کو خلوت میں بٹھایا اور آپ سے متعدد چلے اور اربعین کرائے۔[۳] اور لطائف اشرفی صفحہ ۳۷۵ پر ہے''تکمیل وتحصیل سلوک الٰہی وعبور بر مقامات نامتناہی بحضرت شیخ روز بہان کبیر میسر شد۔''حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت میں مصر پہنچا اور شیخ روز بہان کی خانقاہ میں داخل ہوا تو شیخ کے تمام مریدان واصحاب کو مشغول ومراقب پایا۔میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور صرف اپنے کام میں مصروف رہے۔میں نے کسی دوسرے شخص سے دریافت کیا کہ شیخ کون اور کہاں ہیں؟اس نے بتایا کہ شیخ خانقاہ سے باہر وضو فرمارہے ہیں۔میں اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ شیخ تھوڑے سے پانی میں وضو کررہے ہیں۔میرے دل میں یہ خطرہ آیا کہ شیخ کو یہ مسئلہ شاید معلوم نہیں کہ اتنے قلیل مقدار پانی میں وضو جائز نہیں ہے۔پھر ایسا شخص جسے ایسا مسئلہ بھی نہ معلوم ہو،شیخ کیونکر ہوسکتا ہے۔ادھر شیخ کو انکشاف ہوگیا۔آپ نے وضو کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو میرے منہ پر لاکر چند چھینٹیں دیں،پانی کی چھینٹیں میرے چہرے پر پڑنا تھیں کہ مجھ پہ بے خودی طاری ہوگئی۔شیخ اپنی خانقاہ میں آئے اور دو رکعات شکرانہ وضو ادا فرمانے لگے۔میں کنارہ پہ کھڑا رہا کہ نماز سے فارغ ہوں تو میں سلام کروں اور قدم بوس ہوں اسی درمیان میں مجھ پر بے خودی طاری ہوگئی اور میں اس عالم سے گزر گیا۔اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہے اور دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے۔لوگ گرفتار ہوکر اس میں ڈالے جارہے ہیں۔اور جہنم کے اوپر ایک پشتہ ہے جس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اس بزرگ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ بالکل رہا کر دیا جاتا ہے۔اور دوسروں کو اس آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ناگاہ مجھے بھی فرشتے گرفتار کرکے دوزخ کی طرف لے چلے۔میں کہنے لگا کہ مجھے اس بزرگ سے تعلق ہے۔میری زبان سے یہ کلمہ سن کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔میں اس پشتہ کے اوپر پہنچا،دیکھا شیخ روز بہان رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور وہ بزرگ آپ ہی ہیں جن کے دامن پاک کے تعلق کی وجہ سے لوگ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔میں نے آگے بڑھ کر قدموں پر سر رکھ دیا۔شیخ روز بہان رضی اللہ عنہ نے زور سے میری پشت پر ایک دھول ماری جس کی وجہ سے میں منہ کے بل زمین پر گر گیا۔شیخ نے دھول لگاتے ہوئے فرمایا:''پیش ازین اہل حق راانکار مکن''یعنی بے سمجھے پہلے ہی سے اہل حق پر انکار مت کرو۔زمین پر گرنے کے ساتھ ہی میں اس عالم سے عالم ہوش وحواس میں آیا اور اپنے آپ کو زمین پر پڑا پایا۔اور شیخ رضی اللہ عنہ بھی تحیۃ الوضو سے فارغ ہوچکے تھے۔میں دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔شیخ نے عالم شہادت میں بھی اسی طرح ایک دھول مجھ پر رسید کی اور وہی جملہ فرمایا کہ''پیش ازین اہل حق راانکار مکن''اس وقت

۱(نفحات ص ۴۸۰)

۲(لطائف اشرفی ص ۳۷۶)

۳(نفحات الانس ص ۱۲)

میرے قلب سے تمام خیالات ووساوس اور ساری کدورتیں دور ہوگئیں۔[1]

حضرت شیخ روزبہان کبیر مصری قدس اللہ سرہ نے حضرت شیخ ابوالنجیب نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی اپنی صاحبزادی سے شادی بھی کروادی تھی جن کے بطن مبارک سے حضرت نجم الدین کبریٰ کی متعدد اولاد ہوئی۔[2]

توجہ قسری:

خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان مجددی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

درین سال حضرت ایشاں توجہ قسری بفرزند چہارم حضرت خواجہ محمد اشرف دادند توجہ قسری آنراگویندکہ دریک توجہ سالک راشیخ کامل از ابتدا تا انتہا برساند حضرت خواجہ محمد اشرف در بیاض بدستخط خود رقم نمودہ اندکہ حضرت ایشاں درکوشک نشستہ بودند مرا فرمودند سال درزندگانی من باقی ماندہ است با تو توجہ برتو بکسنم کہ تاحال ہیچ کس برہیچ مریدے نکردہ باشد وبعد ازین نیز نکند ومرا القاء نسبت کردند وتوجہ کامل دادند می فرمودند دریک توجہ مارا بمنتہائے کمالات الہیٰ مافوق آن متصور نباشد رسانیدن وتمامی این مقامات ولایت صغریٰ وکبریٰ وعلیا وکمالات نبوت وکمالات رسالت وحقیقت کعبہ وحقیقت قرآن وحقیقت صلوٰت وملاحت وصباحت وغیرہ باستقلال تمام درہمہ نوقت مرا حاصل شد وجمیع این مقامات درفہمیدم الحمدللہ علی ذلک۔

اس سال حضرت قیوم ثانی رحمہ اللہ نے اپنے چوتھے فرزند خواجہ محمد اشرف رحمہ اللہ پر توجہ قسری کی۔ توجہ قسری کا مطلب یہ ہے کہ ایک توجہ میں شیخ کامل سالک کو ابتداء سے لے کر انتہا تک پہنچا دیتا ہے حضرت خواجہ محمد اشرف رحمہ اللہ اپنے بیاض میں خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں کہ حضرت قیوم ثانی رحمہ اللہ محل میں بیٹھے تھے۔ مجھے فرمایا کہ اب میری زندگی کا صرف ایک سال اور ہے آؤ! میں تم پر ایسی توجہ کروں کہ اب تک کسی نے اپنے مرید پر نہ کی ہو۔ اور نہ آئندہ کوئی کرے۔ پھر مجھے القائے نسبت کیا اور کامل توجہ دے کر فرمایا کہ ہم نے تمہیں کمالات الٰہی کے انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ جس کے آگے وہم وخیال میں نہیں آسکتا۔

آنحضرت رحمہ اللہ نے ولایتِ صغریٰ۔ کبریٰ۔ علیا اور کمالاتِ نبوت وکمالات رسالت۔ حقیقتِ کعبہ حقیقت قرآن اور حقیقتِ صلوٰۃ اور صباحت وملاحت وغیرہ سب کچھ ایک ہی وقت میں مجھے حاصل کروادیئے۔ چنانچہ ان تمام مقامات کا احساس میں اپنے آپ میں کرنے لگا۔ الحمدللہ علی ذٰلک۔[3]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

قدسیہ: حضرت حق سبحانہ از عنایت بے غایت خویش این درویش را آنقدر بخشیدہ است کہ اگر باین چوب خشک ہمت گمارم جہانے از وے منور گردد، اما این آخر زمان مرضی دادار جہان در اظہار آن نمی یابم۔

قدسیہ: آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت سے اس فقیر کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ اگر ایک خشک لکڑی پر توجہ دوں تو یہ عالم اس سے منور ہو جائے گا لیکن اس آخر زمانے میں اس طرح کی توجہ کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔[4]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ توجہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وللنقشبندية تصرفات عجيبة من جميع الهمة على مرادفيكون على وفق الهمة والتاثيرفى الطالب ودفع المرض عن المريض وافاضة التوبة على العاصى والتصرف فى قلوب الناس حتى يحبوا ويعظموا وفى مدار كهم حتىٰ تتمثل فيها واقعات عظيمة والاطلاع على نسبة اهل الله من الاحياء واهل القبور والاشراف على خواطر الناس ومايختلج فى الصدور وكشف

---

[1] (نفحات الانس ۴۸۴ تا ۴۸۸)

[2] (نفحات ص ۴۸۰) (بحوالہ تذکرۃ حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر السہروردی رحمہ اللہ، صفحہ ۱۴۶)

[3] (روضۃ القیومیہ، ج ۲، ص ۲۴۱)

[4] (حضرات القدس، ص ۱۶۳، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور) (حضرات القدس، ج ۲، ص ۱۸۰)

الوقائع المستقبلة ودفع البلية النازلة وغيرها ونحن ننبهک علی نموذج منها۔

ترجمہ: نقشبندیوں کے عجیب تصرفات ہیں ہمت باندھنا کسی مراد پر وہ مراد ہمت کے موافق اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا تا کہ وہ محبوب اور معظم ہو جاویں یا ان کے خیالات میں تصرف کرنا تا کہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر خواہ زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر اور جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں اور ہم تجھ کو اسے کتاب کے دیکھنے والے ان میں سے بعض تصرفات پر آگاہ کرتے ہیں بطریق نمونے کے۔

طریقہ تاثیر طالب یعنی توجہ دادن: سالک کو توجہ کرنے کا طریقہ

اماهذه التصرفات عند کبرآئهم اصحاب الفناءفی الله و البقآء به فلها شأن عظیم و اماعندسائرهم فالتاثیر فی الطالب ان یتوجه الشیخ الی نفسه الناطقة و یصادمها بالهمة التامة القویة ثم یستغرق فی نسبته بالجمعیة و هذا بعد ان تکون نفس الشیخ حاملة لنسبة من نسب القوم و کانت ملکة راسخة فیها فتنتقل نسبته الی الطالب علی حسب استعداده و منه من یشوب بهذا التوجه الذکر و الضرب علی قلب الطالب و اذا غاب الطالب فانهم یتخیلون صورته و یتوجهون الیها۔

ترجمہ: اور اس قسم کے تصرفات کاملین نقشبندیوں کے نزدیک جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے لوگ ہیں تو انکی تو اور شان عظیم ہے اور اکابر کے سوا باقی متوسطین کے نزدیک طالب میں تاثیر کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مرشد طالب کے نفس ناطقہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی پوری قوی ہمت سے ٹکرائیں پھر ڈوب جائیں اپنی نسبت میں جمعیت خاطر سے اور یہ تصرف اس کے بعد ہوگا کہ نفس مرشد کسی نسبت کا حامل ہو ان بزرگوں کی نسبتوں میں سے اور اس نسبت کا اس کو ملکہ راسخہ ہو کہ ہر دم اس کے قابو میں ہو پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف منتقل ہوگی اسکی لیاقت اور استعداد کے موافق اور بعضے نقشبندی اس توجہ کی ساتھ ذکر کو اور طالب کی دل پر ضرب لگانے کو بھی ملا دیتے ہیں اور جب کہ طالب غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی غائب کو توجہ دیتے ہیں اس کی صورت کو تصور کر کے۔

حقیقت ہمت:

و اما الهمة عن اجتماع الخاطر و تأکد العزیمة بصورة التمنی و الطلب بحیث لا یخطر فی القلب خاطر سوی هذا المراد کطلب المآء للعطشان و اخبرنی من اثق به ان من الشیوخ من یشتغل بالنفی و الاثبات و یعنی به لا راد بهذه الآفة او لا رازق او ما یناسب هذا الا الله فانه الفاعل بهذا الفعل۔

ترجمہ: اور ہمت تو عبارت ہی اجتماع خاطر اور قصد کے مضبوط ہو جانے سے بصورت آرزو اور طلب کے اس طرح پر کہ دل میں کوئی خطرہ نہ سماوے سوا اس مراد کے جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اور مجھ کو خبر دی اس نے جس پر مجھ کو اعتماد ہے کہ بعضے شیوخ نفی اور اثبات میں مشغول ہوتے ہیں اور لا الہ الا اللہ سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ آفت کا ٹالنے والا نہیں اور کوئی روزی دینے والا نہیں یا اس کے مناسب جو مدعا ہو سوائے اللہ کے۔

توجہ کے ذریعے سبب مرض:

و اما رفع المرض فعبارة عن ان یتخیل نفسه المریض و ان به هذا المرض و یجمع الهمة بحیث لا یخطر فی قلبه خطرة دون هذا فان المرض ینتقل الیه و هذا من عجائب صنع الله فی خلقه۔

ترجمہ: اور بیماری کا دور کرنا اس سے عبارت ہے کہ مرد صاحب نسبت اپنی ذات کو بیمار خیال کرے اور یہ جانے کہ یہ بیماری مجھ میں ہے اور اس پر ہمت کو جمع کرے اس طرح پر کہ اس کے دل میں کوئی خطرہ نہ آوے سوائے اس تصور کے تو مریض کی بیماری اس شخص کی طرف منتقل ہو جاوے گی اور یہ امر عجائبات قدرت اور صنعت ایزدی سے ہے اس کی خلق میں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کی برکت سے ایک صاحب دل کے عجب کا علاج:

جیسے ظاہری مرض کی طرف اگر شیخ متوجہ ہو جائے اور اس بندے سے ظاہری بیماری دفعہ ہو جاتی ہے اسی طرح باطنی بیماریاں جو کہ تقریباً ننانوے ہیں وہ بھی شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک صاحب دل سید صاحب حاضر ہوئے، ان کا دل ایسا ذاکر تھا کہ پاس بیٹھنے والے بھی ذکر کی آواز سنتے تھے، خصوصاً جب وہ سوتے تھے تو دور دور تک ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی اور ان کو بعض مشائخ سے خلافت بھی حاصل تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی اسی توقع سے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ صاحب استعداد ہیں مگر غلبۂ ذکر اور خلافت مشائخ نے ان کو عجب وغرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی راہ ترقی مسدود ہو گئی ہے، لہٰذا ان کا علاج ان کے حالات سلب کر لینے سے ہوگا۔ چنانچہ دو روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت نے ان کے حالات سلب کر لئے۔ سید صاحب نے جب اپنے کو بے حال پایا تو بہت پریشان ہوئے، گریہ وزاری شروع کی اور اشک حسرت آنکھوں سے جاری ہو گئے، لیکن حضرت نے ان کے حال پر ذرا التفات نہ کی۔ جب چند روز کے بعد ان کے دماغ سے عجب و پندار نکل گیا اور روتے روتے بری حالت ہو گئی تو حضرت نے ان کو خلوت میں طلب فرما کر ایسے مقامات عالیہ پر پہنچا دیا کہ اس کا پہلا ذکر ان کے مقابلے میں زینۂ اول حیثیت بھی نہ رکھتا تھا، وہ سید صاحب خود بھی اپنی پہلی حالت کے نقص کے معترف ہو گئے۔[1]

طریقہ توبہ بخشی:

واما افاضة التوبة فصورته ان يتخيل نفسه ذلک العاصی بعدان اثر فيه نوع تاثير كان نفسه افاضت الى نفسه ووقع بين النفسين اتصال ماثم يستانف فيندم ويستغفر الله فان ذلک العاصی يتوب عن قريب۔

ترجمہ: اور افاضہ توبہ کی صورت یہ ہے کہ صاحب نسبت اس عاصی شخص کے نفس کا تصور کرے بعد اس کے کہ کچھ اس میں تاثیر کرے اس طرح پر کہ گویا اس کی ذات اس کی ذات سے مل گئی اور دونوں میں اتصال پیدا ہو گیا پھر ندامت کا اظہار کر کے حق تعالیٰ سے استغفار کرے تو اس سے وہ عاصی بھی جلد توبہ کرے گا۔

طریقہ تصرف قلوب:

والتصرف فی قلوب الناس حتی يحبوا او مدارکهم حتی يتمثل فيها الواقعات صورته يصادم نفس الطالب بقوة الهمة ويجعلها متصلة بنفسه ثم يتخيل صورة المحبة او الواقعة ويتوجه اليها بجامع قلبه فان المتوجه اليه يتاثر ويظهر فيه الحب وتتمثل له الواقعة۔

ترجمہ: اور تصرف کرنا لوگوں کے دل میں تاکہ ان میں محبت آجائے یا ان کی محل ادراک میں تصرف کرنا تاکہ ان میں واقعات متمثل ہو جائیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ بقوت ہمت طالب کے نفس سے لڑے اور اس کو اپنے نفس سے متصل کر لے پھر محبت یا واقعے کی صورت کو خیال کرے اور ان

---

[1] (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸، حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۶)

کیطرف متوجہ ہوا پنے دل کی جمعیت سے تو اس میں اثر ہوگا جس کی طرف ہوا اور اس میں محبت ظاہر ہو جاوے گی اور واقعہ اسکے ذہن میں صورت پکڑ جاوے گا۔

طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ:

و اما الاطلاع علی نسبۃ اھل اللہ فطریقہ ان یجلس بین یدیہ ان کان حیا او عند قبرہ ان کان میتا و یفرغ نفسہ عن کل نسبۃ و یفضی بروحہ الی روح ھذا الشخص زمانا حتی یتصل بھا و یختلط ثم یرجع الی نفسہ فکل ما وجد من الکیفیۃ فھو نسبۃ ھذا الشخص لامحالۃ۔

ترجمہ: اور اہل اللہ کی نسبت سے مطلع ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اس کے سامنے اگر وہ زندہ ہو یا اس کی قبر کے پاس بیٹھے اگر وہ مردہ ہو اور اپنی ذات کو ہر نسبت سے خالی کر ڈالے اور اپنی روح کو اسکی روح تک پہنچاوے چند ساعت یہاں تک کہ اس کی روح سے متصل ہو اور مل جاوے پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے پھر جو کیفیت کہ اپنے نفس میں پاوے تو البتہ وہی اس شخص کی نسبت ہے۔

طریقہ اشرافِ خواطر:

و اما الاشراف علی الخواطر فطریقہ ان یفرغ نفسہ من کل حدیث و خاطر و یفضی بنفسہ الیٰ نفس ھذا الشخص فان اختلج فی نفسہ حدیث من قبیل الانعکاس فھو خاطرہ۔

ترجمہ: اور اشراف خواطر یعنی دل کی باتوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی ذات کو ہر بات اور ہر خطرے سے خالی کرے اور اپنے نفس کو اس شخص کے نفس تک پہنچا دے پھر اگر اس کے دل میں کچھ کھٹکے اور کوئی بات معلوم ہو بطریق پرتو پڑنے کے تو وہی بات اس کے دل کی ہے۔

طریقہ کشفِ وقائع آئندہ: آئندہ کے حالات کا کشف حاصل کرنا:

و اما کشف الوقائع المستقبلۃ فطریقہ ان یفرغ نفسہ عن کل شیئ الا انتظار معرفۃ ھذہ الواقعۃ فاذا انقطع عنہ کل حدیث و کان الانتظار کطلب الماء للعطشان جعل یربو ابنفسہ زمانا بعد زمان الی الملاء الاعلی او السافل بقدر استعدادہ و یتجرد الیھم فانہ عن قریب ینکشف علیہ الامر بھتف ھاتف او رؤیۃ واقعۃ فی الیقظۃ او رؤیا فی المنام۔

ترجمہ: اور آئندہ آنے والے واقعات کے کشف کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو خالی کرے ہر چیز سے سوائے اس واقعے کے دریافت کے انتظار کے پھر جب اسکے دل سے ہر خطرہ منقطع ہو جائے اور انتظار اس مرتبہ پر ہو جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اپنی روح کو ساعت بساعت ملاء اعلیٰ یا اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کرے بقدر اپنی استعداد کے اور ان ہی کی طرف یک سو ہو جائے تو جلد اس پر حال کھل جائے خواہ ہاتف کی آواز سے یا جاگتے میں اس واقعہ کو دیکھ کر یا خواب میں۔

طریقہ دفع بلا:

و اما دفع البلیۃ النازلہ فطریقہ ان یتخیل تلک البلیۃ بصورتھا المثالیۃ و یتخیل مصادمتھا و دفعھا بقوۃ ثم یجمع ھمتہ علیٰ ذالک و یربو ابنفسہ زمانا بعد زمان الیٰ حیز الملاء الاعلیٰ او السافل و یتجرد الیھم فانھا عن قریب تندفع۔ واللہ اعلم۔

و شرط ھذہ التصرفات و ما یجری مجراھا اتصال نفس الموثر فیہ و الالمام بھا و الافضاء الیھا و الاصحاب التجرید

من غواشی البدن یعرفون ھذا الاتصال ویقدرون علیٰ تحصیلہ واللہ اعلم و ھذا الذی ذکرنا من الاشغال ھو الذی کان یختار سیّدی الوالد قدّس سرہ۔

ترجمہ: اور آنے والی مصیبتوں کے دفع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس بلا و مصیبت کو اس کی صورتِ مثالی کے ساتھ خیال کرے اور اس کی مصادمت اور دفع کرنے کو بقوتِ تمام خیال کرے پھر اپنی ہمت کو اس پر مجتمع کرے اور اپنی روح کو ساعت بساعت ملاءِ اعلیٰ یا ملاءِ سافل کے مکان کی طرف بلند کرے اور ان ہی کی طرف یکسو ہو جاوے تو عنقریب وہ دفع ہو جاوے گی۔ واللہ اعلم۔

اور ان تصرفات کی شرط اور جو ان کے قائم مقام ہیں متصل کرنا ہے اثر دینے والے کے نفس کو اس کے نفس سے جس میں تاثیر کرنا منظور ہے اور ملا دینا اس کے ساتھ اور اس تک پہنچا دینا اور جو لوگ کہ بدن کے حجابوں سے پاک ہو گئے ہیں وہ اس اتصال کو جانتے ہیں اور یہ وہ اشغال ہیں کہ وہ اسکے حصول پر قادر ہیں واللہ اعلم اور یہ جو اشغال ہم نے ذکر کیے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کو ہمارے والد مرشد پسند کرتے تھے۔[1]

ایک مرید کے دل سے غیر عورت کی محبت کا دور کرنا اپنی توجہ کی برکت سے:

خواجہ حسام الدین احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے خواجہ جمال الدین حسین اپنے والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ جب میں خدمت عالی میں حاضر ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ کو ذکر کی تعلیم دے کر توجہ فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا: میں تمہارے دل میں کسی عورت کی محبت کا نقش ایسا جما ہوا پاتا ہوں جس طرح کہ پتھر مٹی میں، سچ کہو کیا بات ہے جب تک کہ اس کی محبت کا نقش تمہارے دل سے نہ نکل جائے گا خدا کی محبت سے تم مستفیض نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا کہ پھوپھی کی کنیز سے میرا تعلق ہے اور میں اس کا شیفتہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے توجہ فرمائی اور اس کے تعلق سے میرے دل کو پاک کر دیا۔ اس کی محبت میرے دل سے اس طرح جاتی رہی گویا کبھی اس سے الفت ہی نہ تھی۔[2]

آپ کی توجہ کا اثر:

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے یہ راز دریافت کیا'' کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں غیر صحابی کامل اولیاء سے افضل ہوئے کیا اسی ایک صحبت میں ان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام اولیاء سے افضل ہو گئے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا'' اس سوال کا حل صحبت و خدمت سے تعلق رکھتا ہے'' اس درویش کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوا، اول ہی صحبت میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس کی شرح بیان میں نہیں آسکتی۔ آخر اسی روز حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا'' آج ہی تمہاری صورت حال کچھ اور ہو گئی ہے اسی سے اپنے سوال کا حل سمجھ سکتے ہو۔[3]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

---

[1] (شفاء العلیل القول الجمیل ص؛ ۱۱۱ تا ۱۱۹)

[2] (زبدۃ المقامات ص ۱۴۷-۱۴۸)

[3] (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸)

عرض داشت کمترین بندگان احمد آنکہ مرشدِ علی الاطلاق جلّ شانہ بہ برکتِ توجہ عالی بہر دو طریق جذبہ وسلوک تربیت فرمود و بہر دو صفت جمال و جلال مربی ست حالا جمال عین جلال ست و جلال عین جمال۔

ترجمہ : حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ھدایت کرنیوالے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ شانہ نے آنجناب کی توجہ عالی کی برکت سے جذبہ اور سلوک کے دونوں طریقوں اور جمال و جلال کی دونوں صفتوں سے تربیت فرمائی ہے۔اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال ہے۔

شرح:

ابتداءِ مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ذات حق سبحانہ وتعالی کے لئے۔"مرشد علیٰ الاطلاق" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ کیونکہ رشد وھدایت دراصل اللہ تعالی کے فضل وکرم پر موقوف ہے اور وہی حقیقی طور پر مرشد و ہادی ہے بندگانِ خدا پر لفظ مرشد و ہادی کا اطلاق مجازاً ہے۔ بعد ازاں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے متعلق جذبہ وسلوک کے دونوں طریقوں اور جمال و جلال کی دونوں صفتوں سے تربیتِ باطنی کی نعمت حاصل ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

جذبہ وسلوک کیا ہے۔۔۔؟

جذبہ : جذبہ سیر انفسی کا نام ہے اللہ تعالی کے فضل اور مرشد کامل کی توجہات سے سیر انفسی میں عالم امر کے لطائف کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور لطائف اپنی اصل میں فنا ہو جاتے ہیں یہ کیفیتِ جذب ہے اور اس تربیت کے حاصل کرنے والے کو مجذوب کہتے ہیں

سلوک: سلوک سیر آفاقی کا نام ہے۔مرشد کامل کی ھدایت کے مطابق اتباعِ سنت وشریعت اور ریاضت ومجاھدہ کے ذریعے طہارتِ نفس و عناصر حاصل کرنا سیرِ آفاقی ہے۔اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس قسم کی تربیت حاصل کرنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔

جذبہ سلوک سے مقدم ہو تو ایسے مرید کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔اگر سلوک جذبے پر مقدم ہو تو ایسے مرید کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔حضراتِ نقشبندیہ جذبے کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اسی لئے اکثر نقشبندی صوفیاء مجذوب سالک ہوتے ہیں دیگر سلاسل کے بزرگ سلوک کو جذبے پر مقدم کرتے ہیں اسی لئے ان کے اکثر صوفیاء سالک مجذوب کہلاتے ہیں۔

یہاں مجذوب کا عوام میں متعارف معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجذوب کا لفظ توجہِ شیخ سے فیضیاب ہونے والے پابند شریعت صوفی پر استعمال فرمایا ہے۔

اقسامِ جذبہ

جذبہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جذبہ بدایت (۲) جذبہ نہایت

جذبہ بدایت کو جذبہ صوری اور جذبہ نہایت کو جذبہ حقیقی کہتے ہیں۔جذبہ بدایت سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے جو حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کا خصوصی فیضان ہے۔اندراج النہایت فی البدایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔جذبہ نہایت تمام سلاسل،طریقت میں مشترک ہے۔

تعبیراتِ جمال وجلال

صوفیاء کرام کے نزدیک جمال وجلال کے متعدد مفہوم ہیں مثلاً

(۱) جمال سے مراد اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ہے جو بصورتِ راحت ورحمت اور صحت وشفاء ظاہر ہوتا ہے۔
(۲) جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب ہے۔ جو بصورتِ رنج والم وتکلیف ومصیبت ظاہر ہوتا ہے۔
(۳) جمال سے مراد تجلّی لطف ورحمت ہے۔ تمام افعال وآثار خیرات وطاعات اور اعمالِ عبادات وحسنات کا مصدر اسی تجلی جمال سے وابستہ ہے۔
(۴) جلال سے مراد تجلی قہاری ہے۔ تمام افعال وآثار ضلالت وشرارت اور اعمالِ کثافت کا صدور اسی تجلی جلال سے ظاہر ہوتا ہے۔
(۵) جمال سے مرتبہء وحدت اور جلال سے مرتبہء احدیت بھی مراد لیا گیا ہے۔
(۶) جمال سے التفاتِ محبوب اور جلال سے استغناءِ محبوب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

سالک جب تزکیہ نفس کے بعد مقامِ معرفت پر فائز ہوتا ہے اور جذبہ وسلوک کی دونوں جہتوں سے حصہ پاتا ہے اور جمالی وجلالی صفتوں کے ساتھ تربیت پاتا ہے تو اس کو ذات حق سبحانہ وتعالی کے ساتھ محبت ذاتی کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اس مرتبے میں اسے جمال اور جلال دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جمال اور جلال دونوں اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں۔ محبوب کے فعل بھی محبوب ہوتے ہیں۔ اسی لئے جمال وجلال کی خصوصیات اس کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں اور اس کی ساری توجہ صرف محبوب کی طرف رہتی ہے۔[1]

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : چون حدوثِ این قضیۂ نزول پُر زود بود وحقیر را بواسطۂ تناول جلاب ضعفے طاری شدہ بود بانجام کار این نزول نپر داخت ان شآء اللہ تعالیٰ ظاہر خواہد شد۔

ترجمہ: چونکہ نزول کے اس معاملہ کا واقع ہونا قوی اور زوردار تھا اور اس حقیر کو اسہال (جلاب آور دوا) لینے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوگئی تھی، اس لئے نزول کے نتیجہ میں مشغول نہیں ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ظاہر ہو جائے گا۔

شرح: آپ کے اس فرمان سے دو امر ثابت ہوئے پہلا یہ کہ راہِ طریقت میں سالک کے لئے مجاہدہ وریاضت کے ساتھ ساتھ شیخ کی باطنی توجہات بھی ضروری ہیں اور اس کے لئے سالک کو کمالِ اہتمام اور اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سالک کو جس طرح عروجی مراتب میں مرشد کی توجہ درکار ہے اسی طرح نزول کے مرتبوں میں بھی خصوصی توجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے اور سالک (مرید) کسی وقت بھی اپنے شیخ کی توجہات سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

دوسرا یہ کہ باطنی امور کے کشف وظہور میں صرف ہمت اور وظائف طریقت کی ادائیگی کے معاملات کے لئے سالک کی ظاہری جسمانی صحت و تندرستی بھی لازمی ہے کیونکہ جسمانی صحت روحانی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت اور طب نبوی ﷺ میں حفظانِ صحت کے اصول وقواعد بتائے گئے اور معاملاتِ زندگی میں اعتدال وتوازن کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ وظائف عبودیت بجالانے اور آدابِ طریقت ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت وعلاج معالجہ کے اصولوں پر بھی مکمل طور پر کاربند رہے۔ حدیث نبوی ﷺ **فان لجسدک علیک حقا** (تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے) اسی امر پر دال ہے۔

ہمارے مشائخ کے نزدیک عبادات ومعاملات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رزق، صحت اور دوا جیسی نعمتوں کا بھی مناسب اہتمام و استعمال ہونا چاہیئے، غیر شرعی جسمانی مشقتوں اور غیر مسنون چلوں وریاضتوں کے ذریعے روحانی ترقی حاصل کرنے کی بجائے سنت وشریعت پر عمل کرکے روحانی ارتقاء حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ عزیمت پر عمل کرنا خصوصیتِ نقشبندیہ میں سے ہے۔[2]

---

[1] (مکتوب ۶، البینات جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۰)
[2] (مکتوب ۱۷، البینات جلد ۱ صفحہ ۵۱۳ تا ۵۱۴)

حضرت پیر حافظ عبدالکریم نقشبندی عیدگاہ شریف والے کی جب کسی طالب پر نظر پڑتی تھی اس کا حال متغیر ہو جاتا تھا اور بے خودی اور جذب ومحویت کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے ۔[1]

ایک ہی توجہ کی نگاہ سے موت آپڑی:

حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری لکھتے ہیں۔

نقل است کہ بوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ مریدے داشت عظیم گرم وصاحب وجد ہر دو بیامدند بہ بسطام کہ چشم مرید بوتراب بر بایزید افتاد بلرزید، و درحال خشک شد و بمرد، شیخ گفت درنھاد این جوان کارے بود ہنوز وقت کشف آن نبود درمشاہدہ بایزید آن کار بہ یکبار بر او افتاد طاقت نداشت فروشد۔

شیخ ابوتراب کا ایک مرید بڑا گرم اور صاحب وجد تھا ایک دن شیخ ابوتراب اس کو سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے ۔جب سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمہ اللہ کی نظر اس مرید پر پڑی تو مرید زمین پر گر پڑا اور تڑپ کر واصل بحق ہوگیا۔سلطان العارفین حضرت شیخ تراب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت ایک ہی نگاہ اور موت تو آپ نے فرمایا ابوتراب رحمہ اللہ اس نوجوان کے بدن میں ایک نور تھا جس کا افشاں ہونے کا ابھی تک وقت نہیں آرہا تھا حضرت سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمہ اللہ کی نگاہ توجہ سے وہ فوراً افشاں ہوگیا اسے اس جلال کی قوت برداشت نہ تھی اس نے دم توڑ دیا۔[2]

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال:

حضور اکرم ﷺ جب غارِ حرا میں تھے ۔تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایا اقرأ دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیا ما انا بقاری ۔مگر تیسری بار حضرت جبریل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبداللہ ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخذنى فغطنى۔ الخ فيه دليل على ان اتصال جرم الغاط بالمغط وضمه اليه تحدث به فى الباطن قوة نورية متشعشعةتكون عونا على حمل مايلقى اليه لان جبريل عليه السلام لما اتصل جرمه بذات محمد السنية حدث له بذلك ماذكرناه وهو حمله ماالقى اليه ووقوفه لسمع خطاب الملك ولم يكن قيل له ذلك وقد وجدذلك اهل الميراث من اهل الصوفة المتبعين المحققين۔

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا۔جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے ۔تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے ۔چنانچہ جب جبریل علیہ السلام کا جسم مبارک رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ۔مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی ۔اور متبعین سنت اور محققین صوفیاء (جو اصل وارث ہیں) نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے ۔اس حدیث مبارکہ کے تحت لامع الدراری علی جامع البخاری میں لکھتے ہیں:

شاہ عبدالعزیز اور توجہ کی اقسام اربعہ

واجادشيخ مشائخنا الشاه عبدالعزيز فى تفسيره فى حكمة هذه الضغطة فقال مامعربه ان هذه الضغطة كانت الانشاء

---

[1] (کنزالقدیم فی آثارالکریم،ص۱۹۰)

[2] (تذکرۃ الاولیاء،ص ۱۵۳)

اثرروحانية جبرئيل عليه السلام فی روحه ﷺوذالک ان تاثيرالمشائخ الكاملين فی نفس الاخرالذی يعبرو نه فی اصطلاحهم بالتوجه علی اربعة انحاء الاول تاثيرانعكاسی مثاله رجل لطخ علی جسده طيباكثيرااومعطرات غالية يفوح منهاالرياح الطيبة الكثيرة فجلس فی مجلس وحوله عصابة تمتعوابهذه الرياح وتدخل هذه الرياح الطيبة فی مشامهم فيتاثرون بهاوهذااضعف التاثيرات لان اثره يبقی مادامو افی مجلس هذاالشيخ والثانی تاثيرالقائ بمنزلة رجل اخذسكرجة والقی فيهامن الزيت والفتيلة وذهب عندالشيخ فاخذمنه لهبانورمصباحه كان الشيخ القی فيه انواره وهذااقویٰ من الاول اذيبقی اثره بعدصدوره من مجلس الشيخ ومع ذالک لوعارض مصباحه شیئ من الريح الشديدوغيره اطفیٰ نوره وايضالايكون فی هذاالنوع مزيد اصلاح لنفس المريدلانه لم يوثرفيه الشيخ الابالقاء نوره فمدار اصباحه علی نظافة زيته وجودة فتيلته ان كانتااجودكان الضياء ايضاجيداوالافلا۔الثالث تاثيراصلاحی بمنزلة رجل حفرنهراًواصلح صنعته واوصله الی البحرليجری منه الماء فی نهره وجعله فی نزول عندالبحرحتیٰ يجری منه السيل فی نهره بالسرعة والشدة وهذاالتاثيراقویٰ من الاولين فان فيه يزول العوارض المانعة من جريان الماء كالتراب والاوراق وغيرذالک فانهاتسيل مع الماء الاان يقع عارض فی النهرمن الخرق والنقب وغيرذالک۔الرابع تاثيراتحادی بان يجعل روحه الحامل للكمالات العليةمتحدابروح المسترشدبالقوة والشدة والضغطة ومعلوم ان هذاالتاثيراقویٰ التاثيرات السابقة وذكرفی ذالک قصة معروفة لشيخ مشائخناالنقشبندية الخواجه باقی بالله شيخ حضرت المجددالف ثانی رحمة الله تعالیٰ عليه التی وقعت مع الطباخ الذی هيأضيافة اضياف شيخ المشائخ رحمة الله تعالیٰ عليه قال الشيخ فغطة جبرئيل عليه السلام كان من هذاالقبيل حتی تاثرروحه الشريف بروحانية جبرئيل عليه السلام الملكية واصطبغ به اصطباغاتاماًقلت وهذاتوجيه لطيف لاينكره الامن جهل هذاالطريق۔

ترجمہ: شیخ المشائخ الشاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر میں اس حدیث کی حکمت میں اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ دبانا اس لیے تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کی روحانیت حضور علیہ السلام کی روح میں شامل ہو جائے اس لیئے کہ کاملوں کی تاثیر جو دوسرے کے اندر اثر پیدا کرتی ہے جس کو اہل طریقت کے عرف میں توجہ کہتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔

اول : تاثیر انعکاسی وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر مجلس میں آئے اور اس عطر کی خوشبو سب ہمنشینوں کے دماغ کو معطر کر دے پس یہ قسم سب قسموں میں توجہ کی ضعیف ہے کیونکہ اس کا اثر تب تک ہی ہے جب تک اس کی صحبت ہے بعد اس کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

دوسری : تاثیر القائی : وہ اس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص بتی اور تیل دیے میں ڈال کر لایا اور دوسرے شخص کے پاس آگ تھی اس نے اس کو روشن کر دیا پس چراغ تیار ہو گیا اس قسم کی تاثیر البتہ کچھ قوت رکھتی ہے کہ سیکھنے سکھانے کی صحبت کے بعد بھی اس کو اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی صدمہ پہنچا جیسے آندھی یا مینھ یا کوئی اور آفت تو اسکا اثر جاتا رہتا ہے کیونکہ یہ تاثیر نفس اور لطیفوں کو درست نہیں کر سکتی ہے جیسے خام تیل اور بتی اور دیے کو فقط شعلہ سنوار نہیں سکتا۔

تیسری: تاثیر اصلاحی :اس کی مثال گویا کہ ایک شخص کی ہے کہ جو ایک نہر کھود کر اس کو درست کرتا ہے پھر دریا تک پہنچاتا ہے تا کہ دریا سے اس نہر میں پانی آجائے اور اس نہر کو دریا سے نیچے کر دیتا ہے تا کہ دریا سے اس میں پانی شدت اور تیزی سے آجائے کیونکہ اس میں پانی

کو روکنے والی اشیاء مثلاً مٹی، پتے اور خس وخاشاک پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جاتی ہیں ہاں اگر نہر میں کوئی پھٹن یا سوراخ ہو تو پھر پانی کا نقصان ہوگا۔اس قسم کی تاثیر پہلی دو تاثیروں سے بہت قوی ہے اسی طرح نفس کی اصلاح اور ستھرائی لطیفوں کی بھی اس میں ہوتی ہے لیکن خزانے (دل) کی استعداد راہ کی مسافت کے موافق فیضان ہوتا ہے نہ کنوئیں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ بھی اگر خزانے (دل) میں کچھ آفت یا فتور واقع ہو جائے تو البتہ نقصان پڑ جاتا ہے۔

چوتھی تاثیر اتحادی : کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملائے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب میں اثر کر جائے اور یہ مرتبہ سب قسم کی تاثیروں سے زیادہ ترقوت رکھتا ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہو جانے سے دونوں کے جو کچھ کہ شیخ کی روح میں ہے طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار حاجت فائدہ لینے کی نہیں رہتی ہے سو اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر بہت کم پائی گئی ہے چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ کے مکان پر کئی مہمان آگئے اور اس روز آپ کے ہاں کچھ کھانے کی قسم سے موجود نہ تھا اس واسطے ان کو کمال تشویش ہوئی اور ان کے کھانے کی تلاش کرنے لگے اتفاقاً ایک نان بائی کی دکان آپ کے مکان کے متصل تھی اس نے اس بات کی خبر پا کر ایک خوان روٹیوں کا بھرا ہوا روٹیوں کا خوب مکلف مرغن نہاری کے ساتھ آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا آپ اس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اس نے عرض کی کہ مجھ کو اپنے جیسا کر دیجئے فرمایا کہ تو اس حالت کا تحمل نہ کر سکے گا کچھ اور مانگو مگر وہ اسی بات کا سوال کئے جاتا تھا اور خواجہ انکار کرتے تھے جب وہ بہت سی عاجزی کرنے لگا تو ناچار ہو کر اس کو اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے اور توجہ اتحادی اس پر کی جب حجرے سے باہر نکلے تو خواجہ میں اور اس نان بائی کی صورت شکل میں کچھ فرق باقی نہ رہا تھا لوگوں کو پہچاننا مشکل پڑا تھا لیکن اس قدر تھا کہ خواجہ ہوش میں تھے اور وہ نان بائی بے ہوش اور سرشار القصہ اس نان بائی نے تین روز کے بعد اسی سکر اور بے ہوشی میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر جبرئیل علیہ السلام کی اس بھینچنے میں تاثیر اتحادی تھی کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے آنحضرت ﷺ کے بدن میں داخل کر کے آپکی روح مبارک سے ملا دی اور شیر وشکر کے مانند گھل مل گئیں تو ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔اور جو توجیہ بیان کی گئی حدیث مبارکہ کی بہت ہی لطیف ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا مگر وہ جو اس طریق سے بے خبر ہو۔[1]

توجہ شیخ اور فقہاء:

تصوف وسلوک کی خصوصیت میں سے منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے جیسے کہ شامی ج ۴ ص ۲۳۹ پر ہے **الطریقة هی السیرة المختصة بالسالکین الی الله تعالیٰ من قطع المنازل و الترقی فی المقامات**۔اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور یہ ذریعہ محض ایجاد بندہ نہیں بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے چنانچہ۔[2]

و قال هذاالقدر من الحدیث اصل عظیم من اصول الدین و قاعدة مهمة من قواعد المسلمین و هو عمدة الصدیقین و بغیة السالکین و کنز العارفین و اداب الصالحین و قدندب اهل التحقیق الی مجالسة الصالحین لیکون ذالک مانعامن التلبس بشئ من النقائص احتراما لهم و استحیأمنهم۔

ترجمہ: فرمایا یہ حدیث (جبرئیل یا حدیث حسان رضی اللہ عنہ) اصول دین میں سے عظیم اصل ہے۔اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔اور یہ حدیث

---

[1] (لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۱ ص ۵، تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۴۵ سورۃ علق، فتاوی عزیزی ص ۱۰۰ ایچ ایم سعید کمپنی)

[2] (فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۸۹)

صدیقین کی معتمد علیہ اور سالکین کی مطلوبہ چیز ہے۔اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ان اولیاء اللہ وصلحاء کی مجلس،عیوب ونقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یا ان سے حیا کرنا ہوگا۔[1]

اور تحفۃ الباری میں توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے۔

فاخذنی وغطنی ای ضمنی وعصرنی قال علماء الشریعة کان هذا الغط ضربا من التنبیه لاحضار القلب لیقبل بکلیة الی مایلقی الیه وعلیه وقال علماء الطریقة کان هذا الغط توجها باطنیا لایصال الفیض الروحانی وتغلیب الملکیة عن البشریة۔

ترجمہ: پس جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنا دل کو متوجہ کرنے کیلئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہو وہ اسے قبول کرلے اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کیلئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔

قیل الغط الاول فیتخلی عن الدنیا والثانیة یستفرغ لمایوحی الیه الثالثة للموانسة ومثل هذا التصرف الباطنی ثابت بالکتاب والسنة وعلیه السادة الصوفیة قال الله عزوجل اذیوحی ربک الی الملائکة انی معکم فثبتوا الذین امنوا ای بالقاء الخضیة والتوجهات الباطنیة۔

پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا،دوسری مرتبہ وحی کیلئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کیلئے تھا۔اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔[2]

فائدہ: ہمارے سلسلہ میں اس فعلی حدیث کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آرہا ہے۔

مشکوۃ میں حدیثِ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے۔

فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وكأنما أنظر إِلَى الله عزوجل۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی۔جب رسول اکرم ﷺ نے مجھ پر چھائی ہوئی کیفیت دیکھی تو میرے سینے پر دست اقدس مارا تو میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔[3]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری،حنفی نقشبندی،قدس سرہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا نَالَهُ بَرَكَةُ يَدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - زَالَ عِنْهُ الْغَفْلَةُ وَالْإِنْكَارُ وَصَارَ فِي مَقَامِ الْحُضُورِ وَالْمُشَاهَدَةِ اهـ.

ترجمہ: حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے صحابی کی غفلت زائل ہوگئی اور فوراً ہی مقام حضور ومشاہدہ حاصل ہوگیا۔[4]

وعن ابی بن کعب قال :قال رسول الله ﷺ یا ابا المنذر! اتدری أی آیة من کتاب الله تعالیٰ معک اعظم؟ قلت :الله

---

[1] (فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۸۹)

[2] (تحفۃ الباری جلد ۱ ص ۲۱)

[3] (صحیح مسلم،رقم: مشکوۃ المصابیح،رقم ۲۲۱۳:)

[4] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح،کتاب،فضائل القرآن،باب،اختلاف القراءت،ج،۵،ص،۹۳،المکتبۃ الرشیدیہ،کوئٹہ)

ورسوله اعلم، قال :یا ابا المنذر! أتدری أیّ آیة من کتاب الله تعالیٰ معک أعظم؟ قلت :اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (بقره ۲۵۵)قال :فضرب فی صدری وقال لیهنک العلم یاأبا المنذر"[1]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابومنذر کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے عظیم ہے۔میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے پوچھا :اے ابومنذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے کہا :اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پہ مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر، خدا کرے تمہارا علم خوش گوار ہو۔(تمہیں تمہارا علم مبارک ہو)

اس حدیث شریف کے تحت العلامہ المحدث عبدالحق الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :وفی الحقیقة کان درکه ایضاً من تصرفه ﷺ وتعلیمه فی الباطن۔ یعنی حقیقت میں ان کے سینے میں علوم کا آنا، یہ آپ ﷺ کے تصرفات میں سے تھا اور علم باطن کی تعلیم تھی۔[2]

علامہ ابوزہرا اویس بن عبداللہ المجتبیٰ الحسینی لکھتے ہیں:

التوجہ:

بعدفتح مکة همّ فضالة بن عمیر أن یقتل رسول الله ﷺ وهو یطوف بالبیت، فلمادنامنه قال له رسول الله ﷺ :ای فضالة، قال:نعم یارسول الله ﷺ فقال :ماذاکنت تحدث به نفسک؟قال:لاشئ، کنت اذکر الله، فضحک النبی ﷺ ثم قال :(استغفر الله)، ثم وضع یده علی صدره فسکن قلبه وکان فضالة یقول :والله مارفع یده عن صدری حتی ماخلق الله شیئاًاحب منه۔وتأثیره ﷺ بمجردتوجیه نظره اِلی شخص فی السنة کثیر، وهذه الافاضة ممایتوارثه الأولیاءعن سیدالمرسلین ﷺ فیستطیعون باذن الله أن یزکوا مریدهم المستعدین لذلک بافاضة الأنوار علی قلوبهم حتی تخلص وتزکوانفوسهم۔

ترجمہ: توجہ: فتح مکہ کے بعد فضالہ بن عمیر نے قصد اور ارادہ کیا کہ آپ ﷺ مبارک کو قتل کردے اور آپ ﷺ مبارک طواف فرمارہے تھے جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فضالہ؟ تو اس نے جواب دیا، جی یارسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ تو فضالہ نے کہا کہ کچھ نہیں میں تو اللہ کا ذکر کررہا ہوں۔تو آپ ﷺ مبارک مسکرانے لگے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کر۔پھر آپ ﷺ مبارک نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا پس اس کے دل کو سکون اور قرار ملا۔فضالہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اپنا دست مبارکہ میرے سینے سے اٹھایا ہی نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب مجھے آپ ﷺ کی ذات ہوگئی۔آپ ﷺ کی تاثیر خالص کسی کی طرف دیکھنے کے ساتھ احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ مروی ہے۔اور یہ افاضہ (یعنی توجہ) وراثت میں اولیاء کرام کو ملی ہے آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے۔تو یہ طاقت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کہ یہ مریدین مستعدین کا تزکیہ کریں انوار کے فیضان سے ان کے دلوں پر۔یہاں تک کہ مخلصین اور ان کا تزکیہ نفوس ہوجائے۔[3]

فائدہ:

ا۔توجہ کرنے کی غرض وغایت، سالکین کے دلوں سے غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

---

[1] (رواہ مسلم)

[2] (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، جلد ۴ ص ۵۴۶)

[3] (الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیۃ ص ۴۶ انظر القصۃ فی البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۸)

۲۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔
۳۔مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔
۴۔شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے کیونکہ سلوک اور تصوف، القائی اور انعکاسی عمل ہے۔
۵۔توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے۔[1]

(۱۰)﴿باب نمبر دس نماز کیلئے شلوار وغیرہ ٹخنوں سے اونچا کرنے اور نیفہ موڑنے کا بیان﴾

بعض مفتیان کرام فقہ حنفی سے بے خبر کہتے ہیں کہ نماز میں شلوار کو موڑنا اور پینٹ کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے حالانکہ یہ بات کسی بھی سلیم العقل اور سلیم الفطرت شخص سے پوشیدہ نہیں کہ آج جتنا مشکل اور تکلیف دہ وقت دین اور دین والوں پر آچکا ہے چشم فلک نے شاید ہی اتنے درد اور کرب والے لمحات پہلے کبھی دیکھے ہوں۔آج کفر اور اس کے کارندے پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ مسلح ہو کر تاجدارِ کائنات ﷺ کے لائے ہوئے دین فطرت کے خلاف اور مسلمانوں کی رہی سہی عزت کو بھی اپنے ناپاک قدموں تلے روندنے کے لئے میدان میں اتر چکے ہیں۔محسن کائنات آقائے دو عالم ﷺ کے خاکے شائع کر کے مسلمانوں کے ایمان اور جذبات کو ٹھیس پہنچائی جارہی ہے۔کائنات کی سب سے سچی اور محفوظ کتاب قرآن مجید کی توہین کر کے اہل ایمان کی غیرت کو للکارا جارہا ہے۔دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں صلیبی جنگ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر کے مسلمانوں کے املاک، عزت و آبرو کو پامال کیا جارہا ہے۔مختلف این جی اوز کی صورت میں اپنے گماشتوں کے ذریعے غریب اور پس ماندہ علاقوں میں مسلمانوں کو عیسائیت اور قادیانیت کی طرف پھیرنے کے لئے تحریک بڑے زور و شور سے چلائی جارہی ہے۔

تو ایسے پُرفتن اور فساد کے دور میں ہم سب پر لازم ہے کہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کا دامن تھام لیں اور اپنے دین و مذہب، جو کہ فقہ حنفی ہے، پر کماحقہ عمل کریں۔

خادمِ اولیاء و اصفیاء، فقیر الحاج عبدالحق شاہ سیفی عرض کرتا ہے کہ استدلال کرنے والا مجتہد ہوگا یا مقلد۔اگر مجتہد ہوگا تو وہ استدلال کرے گا قرانِ مقدس سے یا سنتِ رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصولِ فقہ شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہوگی۔جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے صفحہ ۱۱ پر اپنے اس قول میں لکھا ہے : ''واما المقلد فمسنده قول مجتهده (الخ) ترجمہ : اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہوگا۔

شرح طریقہ محمدیہ (ج ۱ ص ۶۵) کے مؤلف لکھتے ہیں : ولذا کان دلیل المقلد هو قول المجتهد الخ ایضاً ج ۱ ص ۲۵۴، ج ۱ ص ۱۴۷، ج ۲ ص ۱۰۱ میں بھی ایسا ہی ذکر ہے (ترجمہ) اور اس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے، پس جاننا چاہیئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا وہ قول نہ نص سے ہوگا اور نہ وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کی دوسری نص معارض ہوگی یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہوگی، یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہوگا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن

---

[1] (بحوالہ احسن الصناعۃ فی تشریح اقسام التوجہ والافاضۃ مصنف مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمہ اللہ)

نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد لا النصوص اذ استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء اذ یحتمل کون النص اجتھادیا ولہ معارض قوی وتاویل وتخصیص وناسخ وغیرھا مما یختص بمعرفتہ المجتھد وان ذالک کالرائے فی مقابلۃ النص الخ.

ترجمہ: ''اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا، اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابل نص میں واقع ہو۔''[1]

اور اسی مؤلف بریقہ نے ذکر کیا ہے :وکان احتجاج المعترض بالحدیث والکتب الضعیفۃ کان رایا فی مقابلۃ النص وترجیح المرجوح علی الراجح وقد کان دلیل المقلد ھو قول من قلدہ لا غیر فالاحتجاج بالنص ھو منصب الاجتھاد الخ۔

ترجمہ : ''اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور کتب ضعیفہ سے اور رائے نص کے مقابلہ میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہوگی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج نص کے ساتھ اجتہاد کے قبیل سے ہے۔[2]

آگے لکھتے ہیں: ''وان ادلۃ المقلد لیست الا قول المجتھد لھذا اذا ظھر التعارض بین اقوال الفقھاء وبین آیات وحدیث فیقدم قول الفقھاء لان معرفۃ علی وجہ التحقیق المجتھد فلعل لتلک الآیۃ مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخاً اطلع علیہ المجتھد ولم تطلع انت۔

ترجمہ: اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیات وحدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھو گے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہ آیت معارض ہوگی یا مخصص یا اس میں تاویل ہوگی یا اس کے لئے ناسخ ہوگی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہوگی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو۔''[3]

اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی میزانِ شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :ومن شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامہ۔

ترجمہ: مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[4]

اور اسی بات کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھا ہے :فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتھد

---

[1] (بریقۃ ج ۱ ص ۶۵)

[2] (بریقہ ج ۲ ص ۱۰۱، وایضاح ج ۱ ص ۱۴۷، ص ۹۱)

[3] (بریقہ ج ۱ ص ۲۵۴)

[4] (میزان شعرانی ص ۱۳)

الی ان قال و کذالک یجب علیه الاعتقاد الجازم بان ذالک الامام علی هدی من ربه فی ذالک۔ [1] تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے کہ اور اس طرح اس چیز پر پختہ یقین رکھنا واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے : ''فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک الخ۔''

ترجمہ: تو اے میرے بھائی، ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تم پر واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے۔ [2]

اور اسی بات کو مؤلف تفسیرات احمدیہ لکھتے ہیں : ولیس للمقلد ان ینازع المجتهد فی حکمه۔ [3]

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے اور کسی مقلد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولوالامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے گویا شارع علیہ السلام کی طرف خطاء کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔

اور اسی بات کو صاحبِ میزان شعرانی نے اپنی کتاب ''میزان الکبریٰ'' میں یوں لکھا ہے : لا ینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتهدا و یطعن فی کلامه لان الشرع الذی هو حکم الله تعالیٰ قد قدر حکم المجتهد فصار شرع لله تعالیٰ بتقریر الله تعالیٰ ایاه فکل من خطأ مجتهدا بعینه فکانه خطأ الشارع فیما قرره حکماً الخ۔

ترجمہ: کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرع اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پایا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شرع اللہ کا ہوا خاص اسکے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاء وار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔ [4]

تقلید اور فقہ حنفی کی ضرورت اور اہمیت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ حنفی کی تقلید خود بھی کی اور مریدین ومحبین کو بھی اس امر پر کاربند رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب مقامات کمالات نبوّت کا حامل ہے اور امت کی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ ہے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے مکتوب ۸۶ ۲ دفتر اول میں یوں رقم طراز ہیں : جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب وسنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال وحرام، فرض وواجب، اور سنت ومستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلدین کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔ عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں، چنانچہ دفتر اول مکتوب ۳۱ میں اپنے عزیز کو یوں نصیحت فرماتے ہیں ''تقلید اول (اہل کشف) برتقدیر احتمال خطا جائز نباشد وتقلید ثانی (المجتہد) برتقدیر احتمال خطا جائز است۔''

---

[1] (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۹)

[2] (میزان الکبریٰ ج ص ۶۲)

[3] (تفسیراتِ احمدیہ ص ۲۰۹)

[4] (میزان، ص ۲۶)

یعنی اہل کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں ہے اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز ہے۔'' آپ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں ملا مقصود علی تبریزی کو لکھتے ہیں : ''بر مجتہد چہ جائے اعتراض است کہ خطاء او را نیز یک درجہ ثواب است وتقلید او اگر چہ خطا کند موجب نجات است'' یعنی ''اور مجتہد پر کیا اعتراض کہ اس کی غلطی بھی ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے اور اگر چہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔'' امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اولیاء اللہ اور صوفیا باوجود اپنی عظمت و بزرگی کے، تقلید کے مکلف ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بچوں کے نام مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں لکھتے ہیں : ''ارباب ولایت خاصہ اور عام مؤمنین مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، اور شبلی رحمہم اللہ احکام اجتہاد میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمر، بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مؤمنین ہیں، برابر ہیں۔'' امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونکہ حنفی المسلک تھے اس لیے اپنے مکتوبات اور دیگر تصانیف میں جا بجا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔ ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں راقم ہیں : ''حاسدوں اور بیہودہ اور فاسد نظریوں پر ہزار ہا افسوس ہے، فقہ کے بانی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں، اور فقہ کے تین چوتھائی حصے آپ کو مسلم ہیں اور باقی چوتھائی حصہ میں باقی ائمہ سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ آپ رحمہ اللہ ہیں اور باقی سب ان کے اعیال۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت ذاتی ہے اور میں ان کو بزرگ جانتا ہوں اسی واسطہ سے بعض اعمال نافلہ میں اس کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم وان کے تقویٰ کے امام صاحب رحمہ اللہ کے آگے بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔'' اسی مکتوب میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں : ''مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ ببرکت فروع وتقویٰ و بدولت متابعت سنۃ درجہ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است دیگر ان در فہم آن عاجز و قاصر اند'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سی ہے، جنہوں نے ورع وتقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔'' بعد میں فرمایا : ''امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ جس نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے، فرمایا ہے کہ الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفۃ۔ فقہاء سب ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے مذہب حنفی کے تقلید کرنے والے بلکہ اپنے ساتھ جڑے ہر اس شخص کو مذہب حنفیہ کا پابند ہونے کی تلقین کرتے ہیں جو ان کا مرید ہے یا ان سے محبت رکھتا ہے۔ خود بھی ایک سرے بھی مذہبِ حنفیہ کے اقوال سے عملی اختلاف نہیں کیا، اس بات کی شہادت ایک مکتوب شریف میں موجود ہے : مکتوب ۲۹ دفتر اول : ''وہ پانی جس سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت وثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو لوگوں کے لئے اس کا پینا جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ پانی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفاء کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔ اس فقیر کو ایک دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آئی، بعض دوستوں کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پییئں ورنہ ضرر عظیم لاحق ہوگا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہوگا۔ اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فقہ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بنا پر مکتوب ۵۵ دفتر دوئم میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں : بغیر تکلف کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی سب کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب پر ہے۔'' مکتوب ۲۸۲ دفتر اول میں فرماتے ہیں : ''

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کا منسب فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض محال اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب ہے مگر مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''اور یہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے، ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لکھا ہے۔ یعنی روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہاد کے موافق عمل ہوگا۔ نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ روح اللہ علیہ السلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فقہ حنفی سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کتب کا نہ صرف خود مطالعہ فرماتے بلکہ مریدین کو بھی مطالعہ کی تلقین فرماتے۔ علم فقہ کے مقابلے میں باقی تمام علوم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ مکتوب ۸ دفتر اول میں اپنے پیر و مرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''اور علماء وطلباء سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے اور ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے گروہ میں ہوں اور تلویح کے مقدمات اربعہ سے طالب علمی کے وقت سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور کتاب ہدایہ فقہ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مکتوب ۲۹ دفتر اول میں کتب فقہ کی کتب تصوف پر فوقیت کا ذکر کر کے ان کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں : پس چاہیئے کہ جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر رہتا ہے، اسی طرح فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں۔ مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، اور کنز خاری وغیرہ کتب تصوف اگر نہ بھی مذکور ہوں تو کچھ خوف نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور قال میں نہیں آتی اور کتب فقہ کے مذکور نہ ہونے میں ضرر کا احتمال ہے۔ مکتوب ۲۴۴ میں فرماتے ہیں : ''عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے اور فرض وواجب حلال اور حرام سنت ومندوب ومشتبہ ومکروہ کے جانے بغیر چارہ نہیں ہے اور ایسا ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں اور اعمال صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مدنظر رکھیں۔ مکتوب ۴ دفتر دوئم میں فرماتے ہیں : مطالعہ کتب فقہ از دست نہ دہد ونشر احکام از شریعت فرماید وبمتابعت سنۃ سنیہ ترغیب کند واز بدعت تحذیر نماید۔'' یعنی فقہ کی کتب کا مطالعہ نہ چھوڑیں اور احکام شریعت کو پھیلائیں۔ اور سنت نبویہ ﷺ کی ترغیب دیں اور بدعات سے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ فقہ کی فارسی کتابیں ترغیب الصلوۃ وتیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ اور مسائل شرعیہ کو ان میں سے دیکھ کر ان پر عمل کریں۔ ان تمام مکاتیب میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی اہمیت دلائی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوری عزیمت سے فقہاء کبار کے مختار اور مفتیٰ بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں کچھ جواز اور کچھ کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ کراہیت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے کہ اگر جواز وعدم جواز اور حل وحرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیئے۔ جیسے مکتوب ۳۱۳ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا : ''گویم اگر تعارض در جواز وعدم جواز وحل وحرمت واقع شود ترجیح بجانب عدم جواز است وجانبہ حرمت را۔'' میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان جواز وعدم جواز اور حلال وحرام کا تعارض واقع ہو جائے تو عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی جائے۔ بعض علماء کے نزدیک سنت اور دوسروں کے نزدیک بدعت ہو تو اس کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : اذا تردد الحکم بین سنۃ

وبدعة كان ترک السنة راجحاً على فعل البدعة۔[1]

اور امام اہل سنت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ ج ۳ ص ۶۸۴ میں سنت اور مکروہ میں تعارض کی صورت میں ترک ہی اولیٰ سمجھتے ہیں۔اور علماء کو اپنے مذہب کے مفتیٰ بہ قول کے خلاف فتویٰ دینا اور عمل کرنا بغیر اشد ضرورت صحیح نہیں ہے۔لہٰذا علماء وقت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو اپنے مذہب سے آگاہ کریں اور مذہب کی کتابیں پڑھیں اور پڑھائیں۔خصوصاً صوفیانِ وقت کو درکار ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح اپنے مریدین کو بھی فقہ حنفی کے پابند رہنے کی تلقین کریں۔

اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی کامل نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) امتثالِ اوامر (یعنی اوامر فرائض، واجبات اور سنن مؤکدہ کو بجالانا)۔

(۲) اجتناب عن النواھی (یعنی منکرات ومعاصی سے پرہیز کرنا)۔

پھر منکرات اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ظاہری گناہ اور باطنی ومخفی گناہ، اور دونوں کا چھوڑنا نجات کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وذروا ظاهر الاثم وباطنه،[2] یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو۔البتہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ظاہری گناہ بہ نسبت باطنی گناہ کے زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے میں پہلے خوب اپنی ہمت استعمال کرنی چاہیئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا :كل امتي معافى الا المجاهرين۔

یعنی میری پوری امت لائق عفو ہے مگر وہ جو ظاہری گناہ کرتے ہیں۔[3]

وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔۔۔اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری گناہ مخفی گناہ کی نسبت زیادہ شدید ہے۔

حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر جہراً کھانے پینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ :ولو أكل عمداً شهرةً بلا عذر يقتل وتمامه في شرح الوهبانية۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ :قوله :وتمامه في شرح الوهبانية) قال في الوهبانية:

ولو أكل الانسان عمداً أو شهرة ولا عذر فيه قيل بالقتل يؤمر

قال الشرنبلالي رحمه الله تعالىٰ :صورتها :تعمد من لا عذر له الأكل جهاراً يقتل لانه مستهزئ بالدّين او منكر لما ثبت منه بالضرورة، ولا خلاف في حلّ قتله والامر به فتعبير المؤلّف بقيل ليس بلازم الضعف اهـ[4]

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہری گناہ بہت سنگین گناہ ہے، گویا بزبانِ حال یہ شخص اعلانیہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔

قارئین کرام :ان سنگین اور جہری گناہوں میں سے جس طرح رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر کھلے عام کھانا پینا اور ڈاڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم کاٹنا وغیرہ ہیں اسی طرح ''مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا'' بھی ایک جہری اور سنگین گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۰)

[2] (پارہ ۸، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰)

[3] (بخاری ۸۹۶:۲)

[4] (الشامیة ۴۴۹/۳، ط، رشیدیه کوئٹه)

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ۔[1]

ترجمہ: بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِترا نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔[2]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، لکھتے ہیں:

قوله تعالى :(فَبَغَى عَلَيْهِمْ) بغيه أنه زاد في طول ثوبه شبرا؛ قاله شهر بن حوشب وفي الحديث" :لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا"

فَبَغَى عَلَيْهِمْ اس (قارون) کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی، یہ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے۔اور حدیث شریف میں ہے : جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔[4]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ الثَّامِنِ قَالَ :إِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الثِّيَابُ الْمَلْبُوسَاتُ، فَلَهُمْ فِي تَأْوِيلِهِ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ :أَحَدُها- مَعْنَاهُ وَثِيَابَكَ فَأَنْقِ، وَمِنْهُ قَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ :ثياب بني عوف طهارى نقية

الثَّانِي- وَثِيَابَكَ فَشَمِّرْ وَقَصِّرْ، فَإِنَّ تَقْصِيرَ الثِّيَابِ أَبْعَدُ مِنَ النَّجَاسَةِ، فَإِذَا انْجَرَّتْ عَلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يُصِيبَهَا مَا يُنَجِّسُهَا، قَالَهُ الزَّجَّاجُ وَطَاوُسٌ. الثَّالِثُ- وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ مِنَ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ، قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْفُقَهَاءُ. الرَّابِعُ- لَا تَلْبَسْ ثِيَابَكَ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ حَلَالٍ لِتَكُونَ مُطَهَّرَةً مِنَ الْحَرَامِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :لَا تَكُنْ ثِيَابُكَ الَّتِي تَلْبَسُ مِنْ مَكْسَبٍ غَيْرِ طَاهِرٍ. ابْنُ الْعَرَبِيِّ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ :لَيْسَ بِمُمْتَنِعٍ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلَى عُمُومِ الْمُرَادِ فِيهَا بِالْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَإِذَا حَمَلْنَاهَا عَلَى الثِّيَابِ الْمَعْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ مَعْنَيَيْنِ :أَحَدُهُمَا- تَقْصِيرُ الْأَذْيَالِ، لِأَنَّهَا إِذَا أُرْسِلَتْ تَدَنَّسَتْ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِغُلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَدْ رَأَى ذَيْلَهُ مُسْتَرْخِيًا :ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى وَأَنْقَى وَأَبْقَى. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَايَةَ فِي لِبَاسِ الْإِزَارِ الْكَعْبَ وَتَوَعَّدَ مَا تَحْتَهُ بِالنَّارِ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يُرْسِلُونَ أَذْيَالَهُمْ، وَيُطِيلُونَ ثِيَابَهُمْ،

---

[1] (القصص ۷۶)

[2] (سورۃ القصص، ۷۶)

[3] (تفسیر القرطبی، القصص، تحت الایۃ ۷۶:، ج، ۱۳، ص، ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (سورۃ المدثر ۴:)

ثُمَّ يَتَكَلَّفُونَ رَفْعَهَا بِأَيْدِيهِمْ، وَهَذِهِ حَالَةُ الْكِبْرِ، وَقَائِدَةُ الْعُجْبِ، وَأَشَدُّ مَا فِي الْأَمْرِ أَنَّهُمْ يَعْصُونَ وَيَنْجُسُونَ وَيُلْحِقُونَ أَنْفُسَهُمْ بِمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ مَعَهُ غَيْرَهُ وَلَا أَلْحَقَ بِهِ سِوَاهُ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَلَفْظُ الصَّحِيحِ:" مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". قَالَ أَبُو بَكْرٍ :يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :(لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ) فَعَمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهْيِ، وَاسْتَثْنَى الصِّدِّيقَ، فَأَرَادَ الْأَدْنِيَاءُ إِلْحَاقَ أَنْفُسِهِمْ بِالرُّفَعَاءِ ،وَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُمْ.

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں

(۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو: اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے: ثياب بني عوف طهارى نقية

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسٹیں تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کیساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین ابن زید اور فقہاء (رحمۃ اللہ علیہم) کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑا پہنو تا کہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔ جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہوگا۔

(۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انھیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقوی، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے'' نبی کریم ﷺ نے تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر دھمکی دی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جا ملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا'' صحیح کے الفاظ یہ ہیں: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا''۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپکو بلند مرتبہ لوگوں کیساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لئے جائز نہیں۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

(وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) جميع ثوب من اللباس أي فطهرها مما ليس بطاهر بحفظها و صيانتها عن النجاسات و غسلها بالماء الطاهر بعد تلطخها فإنه قبيح بالمؤمن الطيب أن يحمل خبيثاً سواء كان في حال الصلاة أو في غيرها و بتقصيرها أيضاً فإن طولها يؤدي إلى جر الذيول على القاذورات فيكون التطهير كناية عن التقصير لأنه من لوازمه و معنى التقصير أن تكون إلى إنصاف الساقين أولى، الكعب فإنه عليه السلام جعل اية طول لإزار إلى الكعب و توعد على ما تحته بالنار. و حضرت مرتضى رضي الله عنه كفت كوتاه كن جامهرا. فإنه أتقى و أنقى و أبقى و هو أول ما أمر به عليه السلام من رفض العادات المذمومة فإن المشركين ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

ترجمہ: اپنے کپڑے پاک رکھو۔ ثیاب، ثوب کی جمع ہے یعنی لباس، کپڑوں کو اس سے پاک رکھیں جو پاک نہیں ہے اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیں کیونکہ پاک مومن کے لیے یہ کام قبیح ہے کہ وہ خبیث (ناپاک) اشیاء کا حامل (اٹھانے والا) ہو، نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور اسے لمبا بھی نہ رکھے کیوں کہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر گھسیٹا جائے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔ تطہیر (پاک کرنے) تقصیر (لمبا نہ کرنے) سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے۔ اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک یا ٹخنوں تک اونچا ہونا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی لمبائی کی انتہاء ٹخنے تک بیان فرمائی، اور اس سے جو نیچے ہو اس پر آگ کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنے تہبند کو لمبا نہ کر کیونکہ اس میں تقویٰ زیادہ ہے اور طہارت و نفاست زیادہ ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا چھوڑنا لازم ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے۔[2]

قال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم كان المشركون ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات فأمره الله تعالى بأن يصون ثيابه عن النجاسات۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نجاسات سے اپنے کپڑے بچانے کا حکم فرمایا۔[3]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

أن المراد من قوله فَطَهِّرْ أي فقصر و ذلك لأن العرب كانوا يطولون ثيابهم و يجرون أذيالهم فكانت ثيابهم تتنجس و لأن تطويل الذيل إنما يفعل للخيلاء و الكبر فنهى الرسول (صلى الله عليه و سلم) عن ذلك۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَطَهِّرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے زیادہ لمبے نہ کر۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے کپڑے لمبے رکھتے تھے اور اپنے

---

[1] (تفسیر القرطبی، المدثر، تحت الآیۃ ۴:، ج ۱۹، ص ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان، المدثر، تحت الآیۃ ۴، ج ۱۰، ص ۲۲۷، ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (تفسیر کبیر، المدثر، تحت الآیۃ ۴:، ج ۳۰، ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دامنوں کو گھسیٹتے تھے، تو ان کے کپڑے نجاست آلود ہو جاتے تھے، کیونکہ دامن کا لمبا کرنا فخر و تکبر ہی کے لیے کیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

(وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ)بالماء من النجاسة لأن الصلاة لا تصح إلا بها وهي الأولى في غير الصلاة , أو فقصر مخالفة للعرب في تطويلهم الثياب وجرّهم الذيول إذ لا يؤمن معه إصابة النجاسة, أو طهر نفسك مما يستقذر من الافعال۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔یعنی پانی کے ساتھ اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک کریں کیونکہ نماز اس کے بغیر درست نہیں ہوتی ہے اور نماز کے علاوہ میں پاک رکھنا اولیٰ ہے، یا اپنے کپڑوں کو زیادہ لمبا نہ کرو۔عرب والوں کی اس عادت کی مخالفت کرتے ہوئے، کہ وہ اپنے کپڑوں کو لمبا رکھتے ہیں اور چادروں کے دامن کو زمین پر گھسیٹتے ہیں اس لیے کہ ایسی حالت میں نجاست سے حفاظت نہیں رہ سکتی۔[2]

وقال طاوس رضی اللہ عنہ :ثیابک فقصر لأن تقصیر الثوب طھارۃ لھا۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :اپنے کپڑوں کو لمبا نہ رکرو کیونکہ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی پاکی (کا سبب) ہے۔[3]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۳۳ھ) لکھتے ہیں :

وقال بعضھم :ای قصر ثیابک, ولا تطول لھا, فتبلغ الطرافھا [الارض, فتصیبھا] النجاسۃ۔

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا :اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں، مبادا وہ ان کپڑے کے کنارے زمین تک پہنچیں، تو ان کو نجاست لگ جائے۔[4]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں عمدۃ المفسرین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

احتمال دویم آنکہ جامۂ طاہر را از نجاسات معنوی پاک دارد نجاست معنوی جامہ آنست کہ از کسے بغصب نگرفہ باشد وبدزدی وخیانت ودیگر وجوہ حرام کسب نکردہ وآنچہ استعمال آن حرام ست مثل ریشمین باف برائے مرد باستعمال نیارندو در قطع ودوخت آن اسراف وامور نامشروعہ را مرتکب نشوند مثل دراز کردن دامن از شتالنگ

ترجمہ: دوسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا ہوا نہ ہو، اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔[5]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ۔

---

[1] (تفسیر کبیر، المدثر تحت الایۃ ۴:، ج ۳۰ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل، المدثر تحت الایۃ: ج ۴، ص ۴۸۳)

[3] (تفسیر مظہری المدثر تحت الایۃ ۴: ج ۷ ص ۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (تفسیر تاویلات اہل سنت، المدثر تحت الایۃ ۴:، ج ۵ ص ۳۱۱، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ)

[5] (تفسیر عزیزی مسمیٰ بہ فتح العزیز المدثر تحت الایۃ ۴ ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔[1]

عَن قَتَادَة (وَإِذا قيل لَهُم ارْكَعُوا) قَالَ :عَلَيكُم بِإِحسَان الرُّكُوع فَإِن الصَّلَاة من الله بمَكَان قَالَ :وَذكر لنا أَن حُذَيْفَة رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع كَأَنَّهُ بعير نافر قَالَ :لَو مَاتَ هَذَا مَاتَ على شَيْء من سنة الإِسلام قَالَ :وَحدثنَا أَن ابْن مَسْعُود رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع وَآخر يجر إِزَاره فَضَحِك قَالُوا :مَا يضحكك يَا ابْن مَسْعُود قَالَ :أضحكني رجلَانِ أَحدهمَا لَا ينظر الله إِلَيْهِ وَالْآخر لَا يقبل الله صلَاته۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان إِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ کی تفسیر میں فرمایا : تم پر اچھے طریقے سے رکوع کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے۔ فرمایا : ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع نہیں کرتا، گویا کہ وہ بدکنے والا اونٹ ہے تو فرمایا : اگر یہ آدمی اسی حالت میں فوت ہو گیا تو یہ اسلام کے طریقوں میں سے کسی پر نہیں مرے گا۔ فرمایا : ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع نہیں کرتا اور دوسرا اپنے تہبند کو گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے کہا : اے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : مجھے دو آدمیوں نے ہنسایا ہے، ان میں سے ایک وہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور دوسرا وہ جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔[2]

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

الْأُولَى - قَوْلُهُ تَعَالَى :(وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً) هَذَا نَهْيٌ عَنِ الْخُيَلَاءِ وَأَمْرٌ بِالتَّوَاضُعِ. وَالْمَرَحُ :شِدَّةُ الْفَرَحِ. وَقِيلَ :التَّكَبُّرُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ :تَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ. وَقَالَ قَتَادَةُ :هُوَ الْخُيَلَاءُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ :هُوَ الْبَطَرُ وَالْأَشَرُ. وَقِيلَ :هُوَ النَّشَاطُ وَهَذِهِ الْأَقْوَالُ مُتَقَارِبَةٌ وَلَكِنَّهَا مُنْقَسِمَةٌ قِسْمَيْنِ :أَحَدُهُمَا مَذْمُومٌ وَالْآخَرُ مَحْمُودٌ، فَالتَّكَبُّرُ وَالْبَطَرُ وَالْخُيَلَاءُ وَتَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ مَذْمُومٌ وَالْفَرَحُ وَالنَّشَاطُ مَحْمُودٌ. وَقَدْ وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ بِأَحَدِهِمَا، ففي الحديث الصحيح لله أفرح بتوبة العبد من رجل ... الحديث. والكسل مَذْمُومٌ شَرْعًا وَالنَّشَاطُ ضِدُّهُ. وَقَدْ يَكُونُ التَّكَبُّرُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَحْمُودًا، وَذَلِكَ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَالظَّلَمَةِ. أَسْنَدَ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حِبَّانٍ عَنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُبْغِضُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي الدِّينِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ دِينِهِ وَالْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ اخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالِاخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْخُيَلَاءُ فِي الْبَاطِلِ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي مُصَنَّفِهِ وَغَيْرِهِ. وَأَنْشَدُوا:

وَلَا تَمْشِ فَوْقَ الأرض إلا تواضعا		فكم تحتها قوم هموا مِنْك أَرْفَعُ

---

[1] (سورۃ المرسلات ۴۸:)

[2] (وأخرج عبد بن حمید وتفسیر طبری ابن جریر ج ۲۹ ص ۲۹۰ دار احیاء التراث العربی بیروت وابن المنذر الدر المنثور المرسلات تحت الآیۃ ۴۸: ج ۶ ص ۵۳۲ مکتبۃ الرحاب القاہرہ)

وَإِنْ كُنْتَ فِي عِزٍّ وَحِرْزٍ ومنعة		فكم مات من قوم هموا مِنْك أَمْنَعُ

مسئلہ نمبر:ا۔قولہ تعالیٰ :وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً۔یہ غرور اور تکبر سے نہی ہے اور تواضع اور انکساری کا حکم ہے۔المرح کا معنیٰ ہے۔بہت زیادہ خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے :اس کا معنیٰ چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) ہے۔بعض نے کہا ہے :انسان کا اپنی قدر اور مقام سے تجاوز کر جانا ہے۔اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے :اس سے مراد چال چلن میں غرور اور خود پسندی کا اظہار کرنا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے :اس کا معنیٰ کسی نعمت پر اترانا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا ہے۔اور اکڑنا ہے۔بعض نے کہا ہے :اس سے مراد نشاط اور چستی کا اظہار کرنا ہے۔یہ تمام اقوال معنوی اعتبار سے قریب قریب ہیں لیکن یہ دو قسموں میں منقسم ہیں :ان میں سے ایک قسم مذموم (قابل مذمت) ہے اور دوسری محمود (قابل تعریف) ہے،پس تکبر کرنا،اترانا،غرور کرنا،اور انسان کا اپنی قدر سے تجاوز کرنا یہ سب مذموم ہے اور فرحت وانبساط اور نشاط وچستی کا اظہار کرنا محمود اور اچھا ہے۔تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کے ساتھ (یعنی فرحت اور نشاط) اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے،پس صحیح حدیث میں ہے:اللہ افرح بتوبۃ العبد من رجل۔۔۔۔الحدیث۔اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔[1]

اور سستی شرعاً مذموم ہے اور نشاط اس کی ضد ہے۔اور کبھی تکبر اور جو چیزیں اس کے معنیٰ میں ہیں محمود اور اچھی ہوتی ہیں،اور وہ یہ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف ہوں۔حضرت ابو حاتم محمد بن حبان نے ابن جابر بن عتیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسند روایت بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''غیرت میں سے وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند جانتا ہے اور وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور غرور اور تکبر میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے اور اس میں سے ایک وہ یہ جسے اللہ تعالیٰ مبغوض قرار دیتا ہے،پس وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے بارے میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے معاملہ میں نہ ہو اور وہ رعونت وتکبر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ آدمی کا جنگ کے وقت اور صدقہ دیتے وقت اپنے نفس کے ساتھ اظہار فخر کرنا ہے اور وہ تکبر وغرور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ باطل اور غلط کاموں میں اس کا غرور اور تکبر کرنا ہے''۔[2]

اسے ابو داؤد نے اپنی مصنف وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

و لا تمش فوق الارض الا تواضعا		فكم تحتها قوم همو منک ارفع

ترجمہ:تو زمین کے اوپر تواضع اور انکساری کے بغیر نہ چل پس اس کے نیچے کتنی قومیں ہیں جو تجھ سے بلند اور ارفع تھیں۔

و ان كنت فی عز و حرز و منعة		فكم مات من قوم هم منک امنع

ترجمہ:اور اگر تو عزت،حفاظت اور قوت میں ہے تو قوم میں سے کتنے مر گئے جو تجھ سے زیادہ محفوظ اور طاقتور تھے۔[3]

---

[1] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

[2] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

[3] (تفسیر القرطبی،ج ۱۰،ص ۱۶۹،۱۷۰،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

علامہ موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔

ترجمہ: اور زمین میں اترا تا نہ چل بیشک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے، وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دے کر سر بلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے، حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔

ترجمہ: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔[2]

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔[3]

انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرام فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سر بلند ہے، اگر انسان اپنی ابتدا اور انتہاء پر غور کر لیتا کہ اس کی ابتدا بھی مٹی ہے اور انتہاء بھی مٹی میں مل جانا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔[4]

علامہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، لکھتے:

يَنْهَاهُ عَنِ التَّبَخْتُرِ فِي الْمِشْيَةِ عَلَى وَجْهِ الْعَظَمَةِ وَالْفَخْرِ عَلَى النَّاس كَمَا قَالَ تَعَالَى :(وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) [الإسراء:(٣٧)يَعْنِي لَسْتَ بِسُرْعَةِ مَشْيِك تَقْطَعُ الْبِلَادَ فِي مشيتك هذه، ولست بدقك الأرض برجلك تخرق الْأَرْضَ بِوَطْئِك عَلَيْهَا، وَلَسْتَ بِتَشَامُخِك وَتَعَاظُمِك وَتَرَفُّعِك تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا، فَاتَّئِدْ عَلَى نَفْسِك فَلَسْتَ تَعْدُو قَدْرَك. وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي بُرْدَيْهِ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا، إِذْ خسف الله به الأرض فهو يتجلل فيها إلى يوم القيامة وَفِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ :إِيَّاكَ وَإِسْبَالُ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا من المخيلة لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ (كَمَا قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ :(إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) وَلَمَّا نَهَاهُ عَنِ الِاخْتِيَالِ فِي الْمَشْيِ أَمَرَهُ بالقصد فيه، فإنه لا بد لَهُ أَنْ يَمْشِيَ فَنَهَاهُ عَنِ الشَّرِّ وَأَمَرَهُ بالخير، فقال: (واقصد في مشيك) أَيْ لَا تَتَبَاطَأْ مُفْرِطًا وَلَا تُسْرِعْ إِسْرَاعًا مُفْرِطًا وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا كَمَا قَالَ تَعَالَى :(وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ

---

[1] (سورۃ بنی اسرائیل ۳۷:)

[2] (سورۃ بنی اسرائیل ۸۵:)

[3] (سورۃ یوسف ۷۶:)

[4] (فتح المنعم، ج ۸، ص ۳۳۹، دار الشرق، القاہرہ ۱۴۲۹ھ) (نعم الباری، ج ۱۲، ص ۲۵۲)

يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً)[1]

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز نہیں کرسکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھوسکتا،لہذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر ناز ونخر ے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔[2] دوسری حدیث شریف میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔[3]

قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا "إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿لقمان ۱۸﴾ کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے،اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ جل وعلی شانہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔[4]

حدیث شریف ہے :ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔

یعنی ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند میں ڈھکا رہے گا وہ جہنم میں ہوگا۔[5]

اس حدیث میں اس گناہ پر جہنم کی وعید آئی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے لہذا کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں اوپر سے آنے والے کپڑے (مثلاً شلوار، پتلون، تہہ بند، جبہ وغیرہ) سے مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

محمد اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی، لکھتے ہیں:

قلت قال میرک ظاهر بعض الاحادیث تحریم الاسبال یقتضی ان تحریم اسبال الازار مخصوص بالجر لاجل الخیلاء وقال بعض العلماء یعلم من بعض الاخبار تحریم الاسبال لغیر الخیلاء ایضاً لحدیث ابی هریرة فی البخاری ما سفل من الکعبین فی النار وکحدیث لایقبل الله صلاة رجل مسبل ازاره وکحدیث فان جر الثوب من المخلیة ان الثوب مطلقاً ممنوع وان کان فی المخیلة اشد کراهة۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ میرک نے کہا بعض احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اسبال کی حرمت تکبر کی بناء پر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا کہ مطلق اسبال حرام ہے خواہ تکبر سے ہو یا نہ ہو جیسے بخاری کی حدیث ابو ہریرہ میں ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہوں وہ آگ میں ہے اور حدیث ہے "بے شک ازار لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا" اور حدیث شریف ہے کہ ازار کا کھینچنا تکبر سے

---

[1] (الفرقان:۶۳)

[2] (صحیح البخاری، فی احادیث الانبیاء، باب ۵۴، وصحیح مسلم فی اللباس والزینۃ رقم ۳:، ومسند احمد، ج، ۲، ص، ۳۱۵)

[3] (سنن ابو داؤد، فی اللباس، باب، ۲۸، مسند احمد، ج، ۵، ص، ۶۳)

[4] (البدایۃ والنہایۃ، ج، ۲، ص، ۱۳۵، ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[5] (بخاری صفحہ ۲/۸۶۱)

ہے۔پس کپڑے کالمبا کرنا(ٹخنوں سے نیچے ہوجانا) مطلقاً ممنوع ہوااگر چہ تکبر کی وجہ سے زیادہ سخت کراہت ہے۔[1]

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی لکھتے ہیں:

باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار اي هذا باب يذكر فيه ما أسفل من الكعبين فهو في النار ويذكر معناه في الحديث لأن قوله ما أسفل من الكعبين من لفظ الحديث وقوله فهو في النار ليس لفظ الحديث هكذا بل هو ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار واقتصر في الترجمة في الجزء الثاني وأطلقها ولم يقيدها بلفظ الإزار قصدا للتعميم في الإزار والقيمص ونحو ذلك۔

(باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار) یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ (جس کا) جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ، میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیا ہے اور اس کو مطلق رکھا ہے اور تہبند کیساتھ مقید نہیں کیا تا کہ عموم رہے، خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔[2]

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

في هذا الحديث ما أسفل من الكعبين ففي النار من الثياب ذلك قال وما ذنب الثياب؟ وقال الخطابي يريد أن الموضع الذي يناله الإزار من أسفل الكعبين من رجله في النار كنى بالثوب عن بدن لابسه ۔ وهذا مطلق يجب حمله على المقيد وهو ما كان للخيلاء قوله ففي النار۔

ترجمہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہوگا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ (اس کا جواب یہ کہ) حضرت خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں وہ جگہ ہوگی جو اس کے پاؤں کے ٹخنوں کے نیچے والے حصہ کو شامل ہوگا۔کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔اور یہ مطلق ہے اس کو مقید پر محمول کرنا (قید لگانا) ضروری ہے، اور وہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہوگا۔[3]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

:أَيْ فَهُوَ أَيْ صَاحِبُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ بِسَبَبِ الْإِسْبَالِ النَّاشِئِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالِاخْتِيَالِ. قَالَ الْأَشْرَفُ :مَا مَوْصُولَةٌ وَصِلَتُهُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ كَانَ، وَأَسْفَلَ مَنْصُوبٌ خَبَرًا لِكَانَ، وَيَجُوزُ أَنْ يُرْفَعَ أَسْفَلَ أَيِ الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ، وَعَلَى التَّقْدِيرِ هُوَ أَفْعَلُ، وَيَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ فِعْلًا وَهُوَ مَعَ فَاعِلِهِ صِلَتُهُ أَيِ الَّذِي سَفَلَ مِنَ الْإِزَارِ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ :وَيَجُوزُ كَوْنُ مَا شَرْطِيَّةً وَأَسْفَلَ فِعْلُ مَاضٍ اهـ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَفِي غَيْرِهِ تَكَلُّفٌ مُسْتَغْنًى عَنْهُ، وَيُؤَيِّدُهُ رِوَايَتُهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِلَفْظِ :(فَفِي النَّارِ) قَالَ الْخَطَّابِيُّ :يُتَنَاوَلُ هَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا :أَنَّ مَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ مِنْ قَدَمِ صَاحِبِهِ فِي النَّارِ عُقُوبَةً لَهُ عَلَى فِعْلِهِ، وَالْآخَرُ :أَنَّ فِعْلَهُ ذَلِكَ فِي النَّارِ أَيْ هُوَ مَعْدُودٌ وَمَحْسُوبٌ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ النَّارِ، قَالَ النَّوَوِيُّ :الْإِسْبَالُ يَكُونُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ

---

[1] (کشف المغطا عن وجہ الموطا حاشیہ مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبہ، ص ۵۶۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

[2] (عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۴۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

إِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ، وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيُّ عَلَى أَنَّ التَّحْرِيمَ مَخْصُوصٌ بِالْخُيَلَاءِ لِدَلَالَةِ ظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَيْهَا، فَإِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَمْنُوعٌ مَنْعَ تَحْرِيمٍ، وَإِلَّا فَمَنْعُ تَنْزِيهٍ، وَأَجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ الْإِسْبَالِ لِلنِّسَاءِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ، وَأَمَّا الْقَدْرُ الْمُسْتَحَبُّ فِيمَا يَنْزِلُ إِلَيْهِ طَرَفُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ فَنِصْفُ السَّاقَيْنِ، وَالْجَائِزُ بِلَا كَرَاهَةٍ مَا تَحْتَهُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَبِالْجُمْلَةِ يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ، وَالْمُعْتَادُ فِي اللِّبَاسِ مِنَ الطُّولِ وَالسِّعَةِ اهـ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمُعْتَادُ الشَّرْعِيُّ لَا الْمُعْتَادُ الْعُرْفِيُّ.۔

ترجمہ: یعنی اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہوگا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔ "من الازار" یہ "ما" کے لئے بیان ہے۔ ای من ازار الرجل اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ "کان" ہے اور "اسفل" منصوب ہے کیونکہ "کان" کی خبر ہے۔ اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ ای "الذی ھو اسفل" اور دونوں تقدیروں کی بنا پر یہ "افعل" (اسم تفضیل) ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہوگا۔ ای "الذی سفل من الکعبین" امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" کا شرطیہ ہونا اور "اسفل" کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔ اھ۔ اور یہی بات زیادہ واضح ہے اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید "جامع الصغیر" کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں "ففی النار" کے الفاظ ہیں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں دو توجیہات ہیں : ایک توجیہ یہ کہ "مادون الکعبین من قدم صاحبہ فی النار" پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہوگا۔ اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔ دوسری توجیہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہوگا۔

ای "ھو معدود و محسوب من افعال اھل النار"۔

یعنی مادون الکعبین کو شمار کیا گیا ہے جہنمیوں کے افعال میں سے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ 'اسبال' ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت کی کی ہے کہ یہ تحریم "خیلاء" کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے اگر اسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے، ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہوگا۔ عورتوں کے لئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر ثابت ہے : "لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ" البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی و چوڑائی میں زائد ہو، معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے انتہی۔ ظاہر یہ ہے کہ معتاد میں اعتبار معتاد شرعی کا ہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔[1]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

قوله : (المسبل) هذا هو محل الشاهد، وهو مطلق يدل على تحريم الإسبال مطلقاً، ولكن إذا كان بقصد خيلاء صار أشد وأعظم، وإذا كان بدون خيلاء فهو شديد وعظيم۔

ترجمہ: حدیث شریف میں المسبل کپڑا لٹکانے والا، یہ جگہ اس پر شاہد ہے، اور یہ مطلق طور پر کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور لیکن

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ج ۸ ص ۱۹۸، المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

جب تکبر کے ارادہ سے ہوتو زیادہ سخت اور زیادہ عظیم گناہ ہے،اور جب بغیر تکبر کے ہوتو شدید اور عظیم گناہ ہے۔[1]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں :

(ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار)، فهذا يدلنا على تحريم الإسبال، وهو محرم في الصلاة وفي غير الصلاة، ولكنه إذا كان في الصلاة يكون الأمر أخطر۔

ترجمہ:ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار یہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے،اور یہ نماز اور غیر نماز میں حرام ہے اور لیکن نماز میں زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔[2]

رہی یہ بات کہ کف ثوب،لف ثوب اور اسبال کا مسئلہ جو پاک وہند میں بہت ہی وسیع پیمانے پر مشہور کر دیا گیا ہے اور کہا جاتا رہا ہے کہ اگر کوئی کف ثوب کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی،اور کف ثوب کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ ''کوئی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس نے لمبی شلوار یا پینٹ کے پائنچے موڑے ہوئے ہوں یا اس کو نیفہ سے اڑس (سمیٹ) لیا ہو'' اور اس طرح لف ثوب کے معنی بھی یہی کرتے ہیں۔اور خاص کر یہ مسئلہ علماء اہلسنت کے مابین زبان زد عام وخاص ہے۔یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا اور اب بھی ہے کیونکہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر جانبین کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اظہار حق کے لئے تحقیق کر سکتا ہے۔

کف ثوب،لف الثوب اور اسبال کی وضاحت اور احادیث مبارکہ میں یا فقہ حنفی میں جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور جس سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء کے مابین اس مسئلہ میں مابہ النزاع کیا ہے؟ یعنی وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ نوبت آپہنچی کہ لوگوں کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دی جاتی ہے۔

اسبال

سب سے پہلے ہم اسبال کی تعریف،اسبال سے متعلق احادیث اور اسبال کا حکم بیان کریں گے۔

اسبال کا معنی : قصداً اپنے اختیار سے اوپر سے آنے والے کپڑے کے ساتھ کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں ٹخنے ڈھانکنے کو اسبال کہتے ہیں۔

اسبال سے متعلق احادیث:

اسبال سے متعلق کتب احادیث میں چار قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

پہلی قسم : وہ احادیثِ مبارکہ جن میں تکبر کی قید ذکر کئے بغیر مطلقاً اسبال کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔

وعنه (اى عن أبى هريرة) عن النبى ﷺ قال ما اسفل من الكعبين من الازار فى النار۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند کے نیچے ہوگا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

فائدہ : ظاہر ہے کہ جہنم کی وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ٹخنے ڈھانکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے،نیز اس میں تکبر کا ذکر بھی

---

[1] (شرح سنن ابی داود،عبدالمحسن العباد،ج،۴۵۸،ص،۱۴)

[2] (شرح سنن ابی داود،عبدالمحسن العباد،ج،۴،ص،۱۴۷)

[3] (بخاری شریف ۸۶۱/۲)

نہیں۔

(۲) عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجرّ ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک شخص اپنے تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ (سخت تکلیف کے ساتھ) قیامت تک زمین میں مسلسل دھنستا جائے گا۔

فائدہ :اس حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھانک کر چل رہا تھا بلکہ اس شخص کو مطلقاً ٹخنے ڈھانپنے پر قیامت تک سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا گیا۔

محترم قارئین! سوچنے کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعید کے بعد بھی کیا یہ کہنا درست ہے کہ تکبر کے بغیر قصداً ٹخنے ڈھانپنا محض مکروہ وتنزیہی ہے؟

(۳) عن ابی ذر عن النبی ﷺ انہ قال ثلثۃ لا یکلمھم اللہ و لا ینظر الیھم یوم القیامۃ و لا یزکیھم و لھم عذاب الیم قال من ھم یا رسول اللہ فقد خابوا و خسروا فاعادھا ثلثا من ھم یا رسول اللہ خابوا و خسروا قال المسبل و المنان و المنفق سلعۃ بالحلف الکاذب او الفاجر۔[2]

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا : تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔(ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ ﷺ؟ وہ تو ذلیل ورسوا ہو گئے اور خسارے میں چلے گئے، تین مرتبہ (یہ کلمہ) دہرایا۔میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ ﷺ؟ وہ تو رسوا ہوئے اور خسارے میں چلے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا : ایک اپنی شلوار، تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، تیسرا اپنا سامان جھوٹی قسم سے فروخت کرنے والا یا فاجر۔

اس حدیث مبارکہ میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر اس عمل پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے بات نہ کرنے، ان کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمانے، ان کو پاک نہ کرنے اور "عذابِ الیم" اور ناکامی اور خسارہ میں پڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اتنی سخت وعیدیں کسی بڑے گناہ پر ہی ہوسکتی ہیں۔

اور اولاً تو مرد حضرات کے ٹخنے سے نیچے لباس لٹکانے کی اصل وجہ تکبر ہی ہوتی ہے، کہ اس غرض سے وہ ایسا کرتے ہیں، گویا کہ یہ عمل تکبر سے ہی ناشی اور پیدا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے مرد حضرات کا ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا خود تکبر کے قائم مقام ہے (احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے) اور اگر اس کے ساتھ کسی کی مستقل تکبر کی نیت بھی ہو تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث میں "لٹکانے" کا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑا اوپر سے نیچے کی طرف کو لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ شلوار، پائجامہ، تہبند وغیرہ ہوتا ہے، اور موزہ کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے اس میں ممانعت نہیں۔

---

[1] (بخاری شریف، ۸۶۱/۲)

[2] (مسلم، حدیث ۳۰۶، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیۃ الخ، واللفظ لہ، ورواہ ابو داؤد باب ماجاء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجہ حدیث ۲۱۹۹، مسند أحمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابی شیبۃ، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۶۰، شعب الایمان للبیہقی، حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴)

دوسری قسم :وہ احادیث مبارک کہ جن میں تکبر کی قید ہے:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً۔[۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جس نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکایا۔

(۳) عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الی ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔[۳]

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (یہ فرمان سنتے ہی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے تہہ بند کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا : آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔

(۴) عن عطیۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ :من جرّ ازارہ من الخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔ قال :فلقیت ابن عمر بالبلاط فذکرت لہ حدیث ابی سعید عن النبی ﷺ فقال و اشار الی أذنیہ :سمعتہ اذنای و وعاہ قلبی۔[۴]

حضرت عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ حضرت عطیہ کہتے ہیں کہ میں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے ان کے سامنے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ہی حدیث ذکر کی تو انہوں نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میرے کانوں نے اس کو (رسول اللہ ﷺ سے) سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا صلی فلم یتم صلاتہ خشوعھا و لا رکوعھا و اکثر الالتفات لم تقبل منہ، و من جرّ ثوبہ خیلاً لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ و ان کان علی اللہ تعالی کریماً"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے خشوع (خضوع) اور رکوع (وسجود) کو مکمل نہیں کرتا بلکہ اِدھر اُدھر توجہ کرتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص نماز میں اپنے کپڑے (تہبند شلوار وغیرہ) کو تکبر کی وجہ سے (لٹکاتا ہوا) گھسیٹتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر

---

[۱] (بخاری شریف ۸۶۰/۲، قدیمی کراچی)

[۲] (بخاری، ۸۶۱/۲)

[۳] (بخاری شریف ۸۶۰/۲)

[۴] (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس مطبوعہ بیروت ۵۱۴)

مرتبے والا ہو۔[1]

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وَيُكْرَهُ إِسْبَالُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ وَالسَّرَاوِيلِ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمَرَ بِرَفْعِ الْإِزَارِ. فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْخُيَلَاءِ حَرُمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ» :مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرْ اللَّهُ إلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَرَوَى أَبُو دَاوُد عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: مَنْ أَسْبَلَ إزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنْ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔

قمیص اور تہبند اور شلوار کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا : جس شخص نے نماز میں کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔[2]

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

المعنى :فليس عند الله في شيء، وقد شاع بَيْنَ العَرب ضربُ المثل بقولهم فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، ويُريدون به أنه ساقط من الأعْين، لا يُلتفتُ إليه، ولا يُعبا به وبأفْعاله، وكذلك معنى الحديث :من أسْبل إزاره في صلاته خُيلاء فليس هو عند الله في شيء، ولا يَعْبا الله به ولا بصلاته، ثم إسبالُ الثوْب خارج الصلاة إن كان لأجل الاختيال يكره- أيضاً۔وإن لم يكن للاختيال لا يكره، وكرهه البعض مطلقا في الصلاة وغَيْرها للاختيال وغيرها۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، عرب میں ضرب المثل مشہور ہے، وہ کہتے ہیں : فلان لا ینفع للحلال ولا للحرام،، (فلاں کو نہ حلال سے نفع ہے اور نہ حرام سے نفع ہے) اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ نظروں سے گر گیا ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی پروا کی جائے گی، اور نہ اس کے کاموں کی پروا کی جائے گی، اور اسی طرح اس حدیث کا مطلب ہے : جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی پروا کرے گا اور نہ اس کی نماز کی پروا کرے گا، پھر خارج نماز کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض نے مطلق طور پر نماز میں اور نماز کے علاوہ میں، اور تکبر کی وجہ سے اور بغیر تکبر کے مکروہ قرار دیا ہے۔[3]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں :

(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)، وهو حرام مطلقاً في الصلاة وفي غير الصلاة۔

ترجمہ: (من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه) اور یہ مطلقاً حرام ہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں ہو۔[4]

---

[1] (طبرانی فی الکبیر والترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۰۴ کنز العمال رقم ۱۹۹۶۹ ج ۷ ص ۲۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت والترغیب والترھیب ج ۳ ص ۶۷، مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور)

[2] (المغنی ج ۱ ص ۳۴۱ دار الفکر، بیروت)

[3] (شرح ابی داود للعینی ج ۲ ص ۳۰۰ دار الکتب العلمیہ)

[4] (شرح سنن ابی داود عبدالمحسن العباد ج ۴ ص ۱۴۷)

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

إسبال الإزار بغير قصد الخيلاء من الكبائر؛ لأن النهي عنه جاء مطلقاً يشمل ما كان بخيلاء وما كان بغير خيلاء، والكبائر تتفاوت، فليست على حد سواء؛ والاحاديث في تحريم الإسبال وردت على سبيل الإطلاق، فلا يقال: إنه يحمل على الخيلاء فقط، وإنه يجوز في غير الخيلاء، وإنما الراجح أن الإسبال يحرم وهو من الكبائر وإن انضاف إليه قصد الخيلاء فهو أعظم إثماً۔

ترجمہ: بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ ممانعت مطلق طور پر آئی ہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو کو شامل ہوگی، اور کبیرہ گناہوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو حد میں برابر نہیں ہیں، اور لٹکانے کی تحریم میں احادیث مطلق طور پر وارد ہوئی ہیں، تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف تکبر پر محمول ہیں، اور بغیر تکبر جائز ہے، اور بے شک راجح لٹکانا حرام ہوگا اور وہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر تکبر کے قصد کی اضافت اس کی طرف کر دی جائے تو وہ اعظم گناہ ہے۔[1]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

قوله: ((وجر الإزار)). يعني: إسبال الثياب، وهذا من الأمور المحرمة، وسواء كان مع قصد الخيلاء أو بدون قصد الخيلاء، ما دام الإنسان قد جر ثوبه فهو آثم، ولكنه إذا كان مع قصد الخيلاء يكون شراً إلى شر۔

قولہ: (وجر الازار) یعنی کپڑوں کا لٹکانا، اور یہ حرام کیے ہوئے کاموں میں سے ہے، برابر ہے کہ تکبر کے قصد کے ساتھ ہو یا تکبر کے قصد کے بغیر ہو، جب تک انسان اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور لیکن جب تکبر کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے تو برے سے بھی برا ہوگا۔[2]

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو تکبر کی علامت اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سليم (في حديث طويل) قال قال النبي ﷺ اياک واسبال الازار فانها من المخيلة وان الله لا يحب المخيلة۔[3]

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا: تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

(۲) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعا واياک وجر الازار فان جرّ الازار من المخيلة۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ تہبند کو لٹکانا تکبر کے سبب سے ہوتا ہے۔[4]

شیخ ابو محاسن رکن الاسلام محمد بن ابو بکر المعروف امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واسبال الازار والقميص بدعة، اى تطويلهما، وهو من أعلام الكبر والخيلاء، ولبس السراويل سنة، وهو من أستر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه خليل الله عليه السلام۔

---

[1] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج ۲۳، ص ۱۰۵)

[2] (شرح سنن ابی داود عبدالمحسن العباد ج ۲۳ ص ۳۹۹)

[3] (ابو داؤد ۲/۵۶۴)

[4] (فتح الباری ۱۰/۳۲۳، قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: اور قمیص اور تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا بدعت ہے، یعنی ان کو لمبا رکھنا، اور یہ تکبر اور اترانے کی علامات میں سے ہے، اور شلوار پہننا سنت ہے، اور یہ مردوں اور اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، اس کو سب سے پہلے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے پہنا۔[1]

اور بعض احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک اس طرح مروی ہے: اتق اللہ و لا تحقرن من المعروف او الخیر شیئا، و ایاک و اسبال الازار فانہ من المخیلۃ، و ان اللہ لا یحب المختال۔ فقال رجل یا رسول اللہ ذکرت اسبال الازار، و قد یکون بساق الرّجل القرح او الشیئ یستحیی منہ۔ فقال لا بأس الی نصف الساق، او الی الکعبین، انّ رجلا ممن کان قبلکم لبس بردۃ فتبختر فیھا فنظر اللہ من فوق عرشہ فمقتہ فأمر الأرض فاخذتہ فھو یتجلل بین الأرض۔ فاحذروا وقائع اللہ عزّ و جل۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور نیکی یا خیر کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، اور اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ وہ تکبر میں سے ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ازار لٹکانے کا تذکرہ فرمایا؛ جب کہ کبھی کبھی ایک آدمی کی پنڈلی میں زخم ہوتا ہے یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے اظہار سے وہ شرماتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آدھی پنڈلی تک یا ٹخنوں تک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے چادر (لنگی وغیرہ) پہنی، پھر اس میں اترایا (یعنی ٹخنوں سے نیچے اسے لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف نظر کی اور اس پر ناراضگی فرمائی اور زمین کو حکم دیا۔ زمین نے اس کو دبوچ لیا پس وہ زمین کے درمیان دھنسا جا رہا ہے، پس اللہ عزوجلّ کی پکڑ اور مؤاخذہ سے بچو اور ڈرو۔"

مسند أبی جری جابر بن سلیم الھجیمی التمیمی رضی اللہ عنہ عن أبی تمیمۃ الھجیمی قال: قال أبو جری جابر: رکبت قعودا لی فأتیت مکۃ فی طلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فإذا ھو جالس، فقلت السلام علیک یا رسول اللہ، قال: وعلیک، قلت إنا معشر أھل البادیۃ، قوم فینا الجفاء، فعلمنی کلاما ینفعنی اللہ بہ، قال: اتق اللہ، و لا تحقرن من المعروف أو الخیر شیئا، و إیاک و إسبال الإزار، فإنہ من المخیلۃ، و إن اللہ لا یحب المختال فقال رجل: یا رسول اللہ ذکرت إسبال الإزار، و قد یکون بساق الرجل القرح أو الشیء یستحی منہ؟ فقال: لا بأس إلی نصف الساق أو إلی الکعبین، إن رجلا کان ممن قبلکم لبس بردۃ فتبختر فیھا، فنظر اللہ إلیہ، من فوق عرشہ، فمقتہ، فأمر الأرض فأخذتہ، فھو یتجلجل بین الأرض فاحذروا وقائع اللہ۔

(مسند ابی جری جابر بن سلیم ہجیمی تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو تمیمۃ ہجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو جری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری پر سوار ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب میں مکہ آیا، دیکھا تو آپ تشریف فرما ہیں، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا علیک، میں نے عرض کیا ہم دیہاتی لوگوں میں سخت مزاجی ہوتی ہے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور کسی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، اور ازار (شلوار) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا، اتنے میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ازار لٹکانے کا ذکر کیا، بعض دفعہ کسی انسان کی پنڈلی پر کوئی دانہ، پھوڑہ یا کوئی قابل حیا چیز ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدھی پنڈلی اور ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں

---

[1] (شرعۃ الاسلام اسبال الازار والقمیص ص ۱۴۱ دار البشائر السلامیۃ بیروت بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء ج ۳ ص ۷۵ مکتبۃ العلوم الدینیۃ کانسی روڈ کوئٹہ)

[2] (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم اصبھانی، حدیث ۵۳۲۱، جلد ۲ صفحہ ۵۴۷، واللفظ لہ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۲۶۲)

تم سے پہلے کسی شخص نے ایک چادر اوڑھی اور اس میں اترانے لگا اللہ تعالیٰ نے عرش سے اس کی طرف دیکھا، اور اس سے ناراض ہو کر زمین کو حکم دیا (کہ اسے نگل) تو زمین نے اسے پکڑ لیا سو وہ زمین کے درمیان حرکت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) واقعات سے بچو۔[1]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

هذا باب في بيان حكم من جر إزاره من غير قصد التخييل فإنه لا بأس به من غير كراهة وكذلك يجوز لدفع ضرر يحصل له كأن يكون تحت كعبيه جراح أو حكة أو نحو ذلك إن لم يغطها تؤذيه الهوام كالذباب ونحوه بالجلوس عليها ولا يجد ما يسترها به إلا إزاره أو ردائه أو قميصه وهذا كما يجوز كشف العورة للتداوي وغير ذلك من الأسباب المبيحة للترخص وقال شيخنا زين الدين، وأما جوازه لغير ضرورة لا لقصد الخيلاء فقال النووي إنه مكروه وليس بحرام، وحكى عن نص الشافعي رضي الله تعالى عنه، التفرقة بين وجود الخيلاء وعدمه۔

ترجمہ: جس شخص نے بغیر قصد تکبر تہبند ٹخنوں کے نیچے رکھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے، اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو، یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو، اور لمبی قمیص یا لمبے تہبند کے علاوہ کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو، یہ ایسا ہے جیسا کہ علاج کے لیے شرمگاہ کو کھولنا جائز ہے، ہمارے شیخ زین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : اگر کوئی عذر نہ ہو اور نہ ہی تکبر کا قصد ہو تو پھر علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔[2]

شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی آں پارہ از قدم زیر شتا لنگ کہ بروی از ار مسبل ست و بعضے گویند معنی آنست کہ این فعل مذموم ست و از افعال نارست کذا قال الطیبی۔ رواہ البخاری تنبیہ بدانکہ جرو اسبال اکثر در ازار در و دیافتہ و وعید شدید در آن آمدہ تا آنکہ فرمود سبل از ارراکہ نماز میگزارد باعادہ نماز و وضو چنانکہ در اوائل کتاب گذشت و در احادیث آمدہ کہ در شب نصف شعبان ہمہ آمرزیدہ شوند الاعاق و مدمن خمر و مسبل ازار و تحقیق آنست کہ اسبال در جمیع ثیاب رود ہر چہ کہ زیادہ بر قدر حاجت و وفق سنت بود اسبال ست و باعث تخصیص باز از بجہت کغرت وقوع است و چہ لباس اکثر مردم در عہد نبوت روا و ازار بود و در فصل ثانی از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آمدہ کہ آنحضرت فرمود ﷺ الاسبال فی الازار و القمیص و العمامۃ من جر منہا شیئاً خیلاء الحدیث۔ و در حدیث اول از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ پیش ازین حدیث مذکور شد جر ثوبہ مطلق شدہ وعزیمت در ازار تانصف ساق ست و ازار آنحضرت ﷺ این چنین بودی و فرمود ازار مومن تا نصف ساق ست ورخصت تابالامی شتالنگ وحکم وامان قبا وپیراہن نیز ہمین ست و سنت در آستینہا تابند دست ہست و اسبال در عمامہ بارسال عذبہ زیادت بر عادت تعدد او وغایت آن تا نصف ظہر ست وزیادہ بران

---

[1] (ابونعیم، کنز العمال، رقم ۸۸۷۰: ج، ۳، ص، ۳۳۲، ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (عمدۃ القاری کتاب اللباس ج ۲۱ ص ۴۳۷، ۴۳۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بدعت و داخل اسبال محرم و این توسیع و تطویل که در بعضے از دیار عرب متعارف شدہ است خلاف سنت و ھر چہ از ان بطریق خیلاء ست حرام و انچہ بطریق عرف و عادت شائع شدہ و شعار قومی گشتہ لا باس بہ است اگر چہ افراط خالی از کراھت نیست و اسبال مرزنان را نیز حرام است، و در حق ایشان زیادتی بر مردان بقدر شبر و بقدر ذراع کہ در شبر ست نیز رخصت ست بلکہ مستحب ست بقصد تستر۔

یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ: ۔خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیئے جاتے ہیں سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی، اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلاف سنت ہے۔ اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لئے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ کی زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[1]

چوتھی قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو دیکھ کر اصلاح کی گئی ہے۔

(۱) عن الاشعث بن سلیم قال سمعت عمّتی فحدثت عن عمھا قال بینما انا امشی بالمدینۃ اذا انسان خلفی یقول ارفع ازارک فانہ اتقی و ابقی فالتفت فاذا ھو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ انما ھی بردۃ ملحاء قال امالک فی اسوۃ؟ فنظرت

---

[1] (اشعۃ اللمعات، کتاب اللباس، ج۳، ص۵۷۴، ۵۷۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فاذاازارہ الی نصف ساقیہ۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا ''ارفع ازارک فانہ اتقی وابقی'' اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا : کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[1]

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال بینما رجل یصلی مسبلاً ازارہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ اذھب فتوضا فذھب فتوضا ثم جاء فقال اذھب فتوضا فقال لہ رجل یا رسول اللہ مالک امرتہ ان یتوضا ثم سکت عنہ ثم قال انہ کان یصلی وھو مسبلّ ازارہ وان اللہ لا یقبل صلوٰۃ رجل مسبل۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا : جاؤ وضو کر آؤ، وہ چلا گیا پھر وضو کیا، پھر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ، تو ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ پھر وہ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا : وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس نے اپنا ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہوا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس نے ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہو۔''[2]

فائدہ : آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ارشاد فرمایا۔

اس طرح گزری ہوئی حدیث میں حضرت عبید اللہ بن خالد سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے بلکہ مطلق کپڑا لٹکا ہوا دیکھ کر ان کو منع فرمایا۔

قال الھیثمی :رواہ أحمد ورجالہ رجال الصحیح۔[3]

بعض حضرات نے اس حدیث کو ابوجعفر انصاری مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجے کے راوی ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد اور افعال العباد میں اور نسائی نے الیوم واللیلہ میں اور امام ابوداؤد، امام ترمذی وغیرہ نے سوائے مسلم کے روایات لی ہیں۔

اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو مقبول قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور بعض نے جو ان کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجہول قرار دیا ہے، یا ان کا نام محمد بن علی قرار دیا ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ابوجعفر محمد بن ابراہیم مؤذن انصاری مدنی ہے۔

روی لہ البخاری فی الأدب وفی أفعال العباد والنسائی فی الیوم الیلۃ والباقون سوی مسلم۔ روی لہ النسائی حدیث النزول،

---

[1] (شمائل ترمذی ۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

[2] (ابوداؤد ۲/۵۶۵، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۲۵)

وروی له الباقون حدیث :ثلاث دعوات مستجابات لاشک فیهن وقال الترمذی :لا یعرف اسمه۔[1]

وقال ابن حبان فی صحیحه :هو محمد بن علی بن الحسین۔

قلت :ولیس هذا بمستقیم لان محمد بن علی لم یکن مؤذنا لان أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبی هریرة فی عدة أحادیث، وأما محمد بن علی بن الحسین فلم یدرک أبا هریرة فتعین أنه غیره واللہ تعالیٰ أعلم وفی مصنف ابن أبی شیبة حدثنا أبو معاویة عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری قال دخلت مع المصریین علی عثمان فلما ضربوه خرجت اشتد قدملات فروجی عدوا حتی دخلت المسجد فاذا رجل جالس فی نحو عشرة وعلیه عمامة سوداء فقال :ویحک ما ورائک؟ قال قلت :واللہ قد فرغ من الرجل قال فقال تبا لکم آخر الدهر۔ قال فنظرت فاذا هو علی بن أبی طالب۔ وبه عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری/قال :رأیت أبا بکر الصدیق ولحیته ورأسه کأنهما جمر العضا وقد فرق أبو أحمد الحاکم بین هذا وبین الراوی عن أبی هریرة وأظن أنه هو وعنه أبو داؤد فی الصلاة عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی جعفر غیر منسوب عن عطاء بن یسار عن أبی هریرة وأظنه هذا۔[2]

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد بن علی بن الحسین فقد وهم۔[3]

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی اسمه محمد بن ابراهیم :عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ وعنه یحیی بن أبی کثیر حسن الترمذی حدیثه۔[4]

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

قال أبو عیسی هذا حدیث حسن وأبو جعفر الرازی هذا الذی روی عنه یحیی بن أبی کثیر یقال له أبو جعفر المؤذن ولا نعرف اسمه وقد روی عنه یحیی بن أبی کثیر غیر حدیث۔[5]

(۳) عن عمرو بن میمون....وجاء رجل شاب فقال ابشر یا امیر المؤمنین ببشری اللہ لک من صحبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقدم فی الاسلام ما قد علمت ثم ولیت فعدلت ثم شهادة قال وددت ان ذلک کفافا لا علی ولا لی فلما ادبر اذا ازاره یمس الأرض قال ردّوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک واتقی لربّک۔[6]

''حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (امیر المؤمنین کے زخمی ہونے کے بعد) ایک نوجوان شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو مبارک اور خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے نوازا اور شروع شروع میں اسلام لانے سے نوازا جو کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمران بنایا گیا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] (تهذیب الکمال ج۳۳ص ۱۹۱)

[2] (تهذیب التهذیب ج ۱۲، ص ۴۸، ۴۹)

[3] (تقریب التهذیب ج ۲ ص ۳۷۵)

[4] (لسان المیزان، ج۳ص ۲۶۹)

[5] (ترمذی حدیث نمبر ۳۳۷۰، ابواب الدعوات، باب ماذکر فی دعوة المسافر)

[6] (بخاری شریف ۱/۵۲۴، مطبوعه قدیمی کتب خانه)

نے عدل وانصاف کیا اب شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ یہ (حساب وکتاب میں) نمٹا دیا جائے، نہ میرے اوپر کچھ ہو، نہ میرے لئے کچھ ہو، پھر جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو اس کا تہبند زمین کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اوپر اٹھالو کیونکہ اس میں تیرے کپڑے کی زیادہ صفائی ہے اور تیرے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیادہ پرہیزگاری ہے۔"

فائدہ: دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم نے تکبر کی وجہ سے تہہ بند لٹکا رکھا ہے، بلکہ مطلقاً منع فرمایا۔

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة "بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ اذ الحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار و رداء قد اسبل فجعل رسول اللہ ﷺ یأخذبنا حیة ثوبه یتواضع للہ ویقول: عبدک وابن عبدک وامتک، حتی سمعها عمرو فقال: یا رسول اللہ انی حمش الساقین، فقال: یا عمرو ان اللہ قد احسن کل شئ خلقه، یا عمرو ان اللہ لا یحب المسبل" الحدیث وأخرجه احمد من حدیث عمرو نفسه "عن عمرو بن فلان" وأخرجه الطبرانی ایضاً فقال: "عن عمرو بن زرارة" وفیه "وضرب رسول اللہ ﷺ باربع اصابع تحت رکبة عمرو فقال: یا عمرو هذا موضع الازار" الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمرو المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء، وقد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (جا رہے) تھے کہ پیچھے عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں آ کر ملے، انہوں نے تہہ بند اور چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی، تو آپ ﷺ نے اسکے کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتے ہوئے فرمایا (یا اللہ! یہ) تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہے یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کو سن لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں پتلی پنڈلی والا ہوں (اس لئے تہہ بند نیچے لٹکا رکھا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اے عمرو! اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والوں کے ساتھ محبت نہیں فرماتا اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے کے نیچے چار انگلیوں سے مارا اور فرمایا کہ اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک ازار کی جگہ ہے۔"[1]

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تکبر کی وجہ سے ازار نہیں لٹکا رکھی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔"

(۵) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث الشرید الثقفی قال: "ابصر النبی رجلاً قد اسبل ازاره فقال: ارفع ازارک فقال: انی احنف تصطک رکبتای، قال: ارفع ازارک، فکل خلق اللہ حسن" واخرجه مسدد وابو بکر بن ابی شیبة من طرق عن رجل من ثقیف لم یسم۔ وفی آخره "ذاک اقبح مما بساقک"

"حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے

---

[1] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

فرمایا :اپنا ازار اوپر اٹھالو!اس نے کہا کہ میں ٹیڑھے پاؤں والا ہوں،میرے گھٹنے آپس میں ٹکراتے ہیں،آپ ﷺ نے فرمایا :اپنا تہہ بند اٹھا لو،اللہ تعالیٰ کی تمام پیدا کردہ چیزیں خوبصورت ہیں!''اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس عیب سے زیادہ قبیح ہے جو آپ کی پنڈلی میں ہے۔''[1]

فائدہ : ظاہر ہے کہ یہ صاحب جو محض اپنا عیب چھپانے کے لئے ڈھانپ رہے تھے نہ کہ تکبر کی وجہ سے،پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں منع فرمادیا، معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے ٹخنے ڈھانپنا مطلقاً ممنوع ہے۔

(۶) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ :واخرج النسائی وابن ماجة وصححه ابن حبان من حديث المغيرة بن شعبة ''رأيت رسول الله ﷺ اخذ برداء سفيان بن سهيل وهو يقول :يا سفيان لا تسبل،فان الله لا يحب المسبلين۔

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا،آپ ﷺ سفیان بن سہیل رضی اللہ عنہ کی چادر کو پکڑ کر فرمارہے تھے :اے سفیان!(چادر کو) نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔[2]

فائدہ: یہ نہیں فرمایا کہ جو تکبر سے لٹکائے اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا بلکہ مطلق ارشاد فرمایا،معلوم ہوا کہ مطلقاً ممنوع ہے۔

عورتوں کا ازار

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَيْلِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ شِبْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ الله إِذًا تَبْدُوَ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عورت کے دامن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا :ایک بالشت (مرد سے) زیادہ کرے،میں عرض کیا یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! پھر تو عورت کے قدم نظر آئیں گے تو ارشاد فرمایا :ایک گز (ہاتھ) زیادہ کرے اور اس سے زیادہ نہ کرے۔[3]

وَعَن أم سلمة قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ذَكَرَ الْإِزَارَ :فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ. تُرْخِي شِبْرًا فَقَالَتْ :إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ» :فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہیے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے کہ عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے۔یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلاً فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

---

[1] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴،مطبوعہ قدیمی کتبخانہ کراچی)

[2] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

[3] (سنن الدارمی،باب فی ذیول النساء،ج۲،ص۳۶۱)

عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

رسول کریم ﷺ نے اسبال سے جو مباح فرمایا ہے، وہ صرف ضرورت کے تحت اجازت دی ہے کیونکہ دامن ڈھیلا کرنے سے منع کرنے کے بعد جو عورت کو اسبال کا حکم دیا ہے وہ صرف اتنی مقدار کہ جس سے وہ اپنا ستر قائم رکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شلوار اور چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب اور نیچے رکھنا حرام ہے۔[2]

کفِ ثوب

یہ جاننا چاہیے کہ صورت مسئولہ میں جس کف ثوب کا تذکرہ ہے اور جس سے نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یہ بعض علماء اہل سنت کی تحقیق ہے کیونکہ جمہور فقہائے احناف، افغانستان کی اکثریت اور پاکستان کے دیہاتی اور قبائلی علاقہ جات اور دیگر ممالک کے علماء اہل سنت کے ہاں صورت مسئولہ میں نماز میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی اور نماز بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح علماء دیوبند بھی اس مسئولہ طریقے اور کیفیت پر نماز کے جواز اور عدم کراہت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی اگر کسی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے شلوار یا پتلون کو نیفے یا پائنچے سے موڑا ہوا ہو تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے کیونکہ ان جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہل سنت کے ہاں کف ثوب کی وہ تعریف نہیں ہے جو بعض علماء اہل سنت کرتے جس سے مکروہ قرار دی جائے۔

علماء دیوبند کے حکیم الامت لکھتے ہیں: مسئلہ: نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمینا، سنبھالنا کہ مٹی نہ بھرنے پاوے مکروہ ہے۔[3]

امام اہلسنت مجدد دین وملت حضرت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں آستین چڑھانے کے مسئلے میں مسلم شریف کی دو حدیثیں لکھنے کے بعد فقہائے احناف کے حوالے سے لکھتے ہیں: تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے..... اور بعض کتابوں میں ہے کرہ لف ثوبہ۔

غنیۃ میں ہے: یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔ عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے یا بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔[4]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں: کپڑے یا بدن یا داڑھی کے ساتھ کھیلنا، کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھا لینا اگرچہ گرد سے بچانے کے لئے ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ، کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں طرف کنارے لٹکتے ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[5]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب یعنی کپڑا سمیٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی

---

[1] (سنن ابو داؤد، رقم ۴۱۷: ، وسنن الترمذی، رقم ۱۷۳۱: ، وسنن النسائی، رقم ۵۳۳۶: ، وسنن ابن ماجہ، رقم ۳۵۸۰: ، وموطا امام مالک، رقم ۱۳: ، ومسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۹)

[2] (حاشیہ مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبہ، ص ۵۶۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

[3] (بہشتی زیور، ص ۳۳، حصہ دوم، جو چیزیں نماز میں مکروہ اور منع ہیں ان کا بیان، ایچ ایم سعید)

[4] (فتاوی رضویہ، ج ۷ ص ۳۱۰-۱۱، باب مکروہات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[5] (عامہ کتب) (بہار شریعت حصہ سوم، ص ۱۶۲، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

سجدہ کے لئے جاتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بغیر کسی وجہ کے اٹھاتا ہے تو یہ مکروہ ہے نہ کہ نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ سے موڑنا۔

یاد رہے کہ بہار شریعت کی تیسری جلد پر امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تصدیق وتقریظ بھی موجود ہے۔

کف ثوب کی یہی تعریف اور کیفیت جمہور فقہائے احناف، امام احمد رضا خان محدث بریلوی سمیت اکثر علماء اہل سنت اور علماء دیوبند نے بیان کی ہے۔ اگرچہ بعض علماء اہلسنت یوں لکھتے ہیں:

پائنچوں کو نیچے سے موڑ لینا یا ازار بند کی جگہ سے اڑس لینا ''کف ثوب'' ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے حکم کے ساتھ ساتھ ''کف ثوب ہونے کی وجہ سے'' جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہلسنت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کف ثوب کی ایسی تعریف بیان فرمائی ہے جو ان علماء نے نہیں کی، جس کی وضاحت آرہی ہے۔

اب ہم احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی سے کف ثوب اور لف ثوب کی وضاحت کرتے ہیں کہ کف ثوب اور لف ثوب کیا ہے جو مکروہ ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں : **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال امر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔** یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں اور موئے مبارک اور کپڑے کو نہ سمیٹیں۔[1]

فقہائے احناف کف ثوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : **ای رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود و قیل ان یجمع ثوبه و یشده فی وسطه۔۔۔ و لما فیه من التجبر المنافی لوضع الصلوة و هو الخشوع و الخضوع۔** کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا۔ ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو نماز کے مقصد یعنی خشوع وخضوع کے منافی ہے۔[2]

(۲) علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : **(و قیل ان یجمع ثوبه الخ) لانه صنیع اهل الکتاب۔۔۔ (قوله لما فیه من التجبر) قال فی منیة المصلی و یکره کل ما کان من اخلاق الجبابرة۔** ''ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا کیونکہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔۔۔ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ متکبرین کا کوئی بھی عمل نماز میں مکروہ ہے۔''[3]

(۳) شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں : **(و قوله و لا یکف ثوبه) و الکف ان یرفع الثوب من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود کذا فی المغرب۔** (شارح کا قول کپڑے نہ سمیٹنے) کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائے۔[4]

(۴) ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کف ثوب کی تعریف یوں لکھتے ہیں : **المراد من کف الثوب القبض و الضم و أن یرفعه من**

---

[1] (بخاری ص ۱۱۲ ج ا باب السجود علی سبعۃ اعظم نور محمد کراچی)

[2] (امداد الفتاح ص ۳۷۹ فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز کراچی)

[3] (طحطاوی ص ۳۵۰ فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

[4] (کفایہ علی الہدایہ، مع فتح القدیر ص ۳۵۹، ج ا، فصل ویکرہ للمصلی الخ، حقانیہ پشاور)

بین یدیه أو من خلفه اذا أراد السجود۔ یعنی کف ثوب سے مراد ہے کہ کپڑوں کو ضم کر لینا، یا سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لینا۔

(۵) عبدالرحمن الجزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی مکروہات کے بارے میں باب لگاتے ہیں :{رفع المصلی ثوبه من خلفه أو قدامه وهو یصلّی۔} منها رفع ثوبه بین یدیه أو من خلفه فی الصلاة لقوله ﷺ :"أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم و أن لا أکف شعراً و لا ثوباً" ورواه الشیخان۔ بعض مکروہات میں سے یہ ہے کہ کپڑوں کو نماز میں آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[۱]

(۶) علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں :(وکره کفه) سواء کان من بین یدیه أو من خلفه عند الانحطاط۔ یعنی کف ثوب مکروہ ہے اور اس کی تعریف یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت کپڑوں کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لے۔[۲]

(۷) البرجندی شرح المختصر الوقایہ میں ہے :وکفه ای کف الثوب وهو القبض والضم وان یرفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود۔ یعنی کف ثوب یہ ہے کہ کپڑوں کو ضم کر لینا یا سجدہ میں جاتے وقت آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔[۳]

(۸) علامہ ابو بکر بن علی بن محمد حداد یمنی لکھتے ہیں :ولا یکف ثوبه وهو ان یرفعه من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود قال علیه السلام امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف ثوبا ولا اعقص شعرا۔ نمازی کپڑے کو نہ سمیٹے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے لئے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا : مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[۴]

(۹) علامہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں :(وکفه) ای ضم الثوب ورفعه من بین یدیه او من خلفه عند السجود کما فی الکرمانی۔ (کف ثوب یہ ہے) کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا اور اٹھانا جیسا کہ کرمانی میں ہے۔[۵]

(۱۰) امام برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری لکھتے ہیں :کذلک یکره له ان یکف ثیابه او یرفعها لئلا یتترب لان فیه نوع تجبر ویکره للمصلی ماهو من اخلاق الجبابرة۔

ترجمہ: اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی میں نہ لگے۔ اور اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے اور نمازی کے لئے متکبرین کی روش اختیار کرنا مکروہ ہے۔[۶]

(۱۱) علامہ کاسانی لکھتے ہیں :ویکره ان یکف ثوبه لما روی عن النبی ﷺ انه قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اکف ثوبا ولا اکف شعرا ولان فیه ترک سنة وضع الید۔ نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا : مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑوں کو نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں اور اس میں (ناف پر) ہاتھ رکھنے کے سنت طریقے کا ترک آرہا

---

[۱] (کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، ج ۱، ص ۲۵۰)

[۲] (حاشیہ طحطاوی ج ۱، ص ۲۷۰)

[۳] (ج ۱، ص ۱۳۰)

[۴] (الجوہرۃ النیرۃ، ص ۷۵، ج ۱، باب صفۃ الصلوۃ، قدیمی کراچی)

[۵] (جامع الرموز، ص ۱۹۴، ج ۱، فصل یفسد الصلوۃ، ایچ ایم سعید)

[۶] (المحیط البرہانی، ص ۱۳۹، ج ۲، الفصل الرابع : مایکرہ فی الصلوۃ، ادارۃ القرآن کراچی)

ہے۔[1]

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے :یکرہ للمصلی۔۔۔ ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایۃ۔اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے یا اٹھائے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔[2]

(۱۳) علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں :وکذلک یکرہ لہ ان یکف ثوبہ او یرفعہ لئلا یتترب۔ اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی نہ لگے۔

(۱۴) علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں :ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔ وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔ کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[3]

(۱۵) علامہ حصکفی لکھتے ہیں :وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔ کپڑا اٹھانا اور چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو، جیسا کہ آستین یا دامن کو چڑھانا۔[4]

(۱۶) علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :(قولہ رفعہ) ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود۔ بحر۔ ماتن کا قول کپڑے سمیٹنا، خواہ آگے سے ہو یا پیچھے سے، جب سجدہ کے لئے جھکتا ہو۔[5]

(۱۷) علامہ شلبی لکھتے ہیں :وھو ان یضم اطرافہ اتقاء التراب ونحوہ۔ کف ثوب یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹ لئے جائیں۔[6]

احادیث مبارکہ اور فقہاء کے اقوال میں لفظِ ''کف'' آیا ہے جس کا مطلب سمیٹنا ہے اسی طرح بعض فقہاء کرام کی عبارات میں لفظ ''لف'' آیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے :لف الثوب۔۔۔ الخ (الباب السادس فی المکروھات)۔ اس کا ترجمہ کف ہی کی طرح ہے، جیسا کہ صاحب خلاصہ نے خود اس کی وضاحت کی ہے :وھو رفع الثوب من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود وھو نوع تجبر۔

اجلہ حنفی فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب اور لف ثوب اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جائے تو اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بلا وجہ آگے یا پیچھے سے اٹھائے، ان مذکور فقہاء نے وہ تعریف نہیں کی جو بعض علماء اہلسنت نے کی کہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچوں یا نیفے کو موڑ کر لپیٹ لیا جائے، اور ان فقہاء نے (سوائے علامہ شامی کے جس کی وضاحت آرہی ہے) اس کے ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ اس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کف ثوب کی تعریف یہی ہے جو عبارات فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

---

[1] (بدائع الصنائع، ص ۲۱۶ ج ۱، فصل واما بیان ما یستحب فیہا ومایکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[2] (فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۱۰۵، باب السابع فیما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[3] (النہر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، امدادیہ ملتان)

[4] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[5] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[6] (حاشیہ علی تبیین الحقائق ص ۴۱۰، ج ۱، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، ایچ ایم سعید، کراچی)

کیا کف ثوب مکروہ تحریمی ہے؟

بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب (جس کی تعریف فقہاء احناف کی عبارات سے واضح کر دی گئی یعنی سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) کو علامہ شامی کے حوالے سے مکروہ تحریمی قرار دیا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا :وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ۔ علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ کف ثوب مکروہ تحریمی ہے۔[1]

علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جم غفیر فقہائے احناف کے مقابلے میں واجب القبول نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کی طرف کسی اور فقیہ نے التفات نہیں فرمایا، اور علامہ رملی (علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد نہیں ہیں اور اگر مجتہد مان بھی لیا جائے پھر بھی ان کا قول خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں مانا جائے گا) نے کف ثوب کی کراہت تحریمی کی کوئی علت اور دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی حالانکہ علامہ شامی نے مکروہ تحریمی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھا ہے :قلت :وَيُعْرَفُ أَيْضًا بِلَا دَلِيلِ نَهْيٍ خَاصٍّ، بِأَنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ وَاجِبٍ أَوْ تَرْكَ سُنَّةٍ. فَالْأَوَّلُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَالثَّانِي تَنْزِيهًا۔ میں (شامی ج ا ص ۶۳۹ مطلب فی الکراھۃ التحریمیۃ والتنزیھیۃ) کہتا ہوں کہ مکروہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اگر چہ اس میں کسی خاص نہی کی دلیل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی واجب یا سنت کے ترک کو متضمن ہو تو اس صورت میں پہلا (جب واجب ترک ہو جائے تو) مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا (جب سنت ترک ہو جائے تو) مکروہ تنزیہی ہے۔

اور یہ معلوم ہوا کہ کف ثوب کے عمل سے کسی ایسے عمل کا ترک لازم نہیں آتا جو نماز کے واجبات میں سے ہو۔ بلکہ علامہ شامی نے خود بحر کے حوالے سے اس کراہت تحریمیہ کا رد فرمایا ہے، لکھتے ہیں :

وقیل لا بأس بصونہ عن التراب۔ بحر عن المجتبیٰ۔

اگر مٹی سے کپڑوں کو بچانے کے لئے کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی مکروہ نہیں ہے)۔[2]

معلوم ہوا کہ علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول واجب العمل والافتاء نہیں ہے۔[3] کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول کو لے کر کف ثوب پر کراہت تحریمی کا فتویٰ لگا کر لوگوں کی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کراہت کا یہ اختلاف اس کف ثوب کے بارے میں ہے جس کی تفصیل اور وضاحت فقہائے احناف کی عبارات میں کر دی گئی ہے، پائنچے موڑنے یا نیفہ سے شلوار کو اڑسنے کو کسی فقیہ نے حتی کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کف ثوب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ سب حضرات نے حدیث کی روشنی میں کف ثوب کی تعریف یہ کی ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا اور اٹھانا۔)

کف ثوب مکروہ نہیں ہے:

بعض فقہاء احناف نے کف ثوب کو مکروہ بھی قرار نہیں دیا، اور جنہوں نے مکروہ قرار دیا اس کی دو علتیں ذکر فرما دیں، ایک یہ کہ اس میں متکبرین کی نشانی پائی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں اہل کتاب (غیر مسلموں) سے تشبیہ آتی ہے، جیسا کہ عبارات فقہاء سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ علت بھی نہ ہو تو (حکم) کراہت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے بعض علماء نے کف ثوب کو مکروہ قرار نہیں دیا بلکہ کپڑے چڑھا کر نماز ادا کرنا خود

---

[1] (شامی ص ۶۴۰، ج ا، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[2] (شامی ص ۶۴۰، ج ا، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[3] (بلکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ حق وہی ہوتا ہے جو جمہور کہتا ہے کما فی البدر الساری الی فیض الباری ج ۲ ص ۱۶۴ مکتبہ عزیزیہ فلعمل علی ماعلیہ جمھور العلماء فتح الملھم ج ۲ ص ۴۴۰ و بالجملۃ ان مذھب الامام وھو مذھب المنصور والیہ ذھب الجمھور فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۴)

رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اگر آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر اگر کوئی اس طریقے پر (کپڑا سمیٹ کر) نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب قرار دینا چاہیئے اور یہی محبت رسول اللہ ﷺ کا تقاضا بھی ہے کہ محبوب کی ادا بھی محبوب ہونی چاہیئے نہ کہ مکروہ۔

امام بخاری لکھتے ہیں :وَعَنِ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ» :رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ. مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ.

ابوجحیفہ نے کہا میں نے بلال کو دیکھا کہ نیزہ لا کر زمین میں گاڑ دیا پھر اقامت کہی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حلہ کو چڑھائے (سمیٹے) آئے اور نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو آپ ﷺ کے سامنے نیزے کے آگے چلتے دیکھا۔[1]

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: رواہ الثوری عن عون بن ابی جحیفۃ فقال فی حدیثہ کأنی انظر الی بریق ساقیۃ قال الاسماعیلی :وھذا ھو التشمیر، ویؤخذ منہ ان النھی عن کف الثوب فی الصلوۃ محلہ فی غیر ذیل الازار۔ ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا : گویا میں رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں" اسماعیلی نے کہا یہی تشمیر (کپڑے کو چڑھانا، سمیٹنا) ہے۔اس حدیث سے یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ نماز میں جس کف ثوب سے منع کیا گیا ہے اس کا محل تہبند (یا شلوار وغیرہ) کے علاوہ کپڑوں کو سمیٹنا اور چڑھانا ہے۔[2]

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ازار (تہبند) مبارک کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھی کہ آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک کی چمک بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار اوپر چڑھا کر (نیفہ سے یا پائنچوں سے موڑ کر) نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ ممنوع کف ثوب کا مقام نہیں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں : التشمیر :بالشین المعجمۃ ازارہ اذا رفعہ ۔۔۔ وفیہ التشمیر فی الصلوۃ مباح وعند المھنۃ والحاجۃ الیہ وھو من التواضع ونفی التکبر والخیلاء۔ تشمیر شین کے ساتھ شمر ازارہ سے مشتق ہے جب کوئی کپڑے اٹھائے (سمیٹے) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا مباح ہے اور کام کاج یا ضرورت کے تحت کپڑے چڑھانا (بھی مباح ہے) اور یہ (کپڑے سمیٹنا) عاجزی کی دلیل ہے اور اس میں تکبر اور خود پسندی کی نفی ہے۔[3]

علامہ عینی کی تحقیق نے ان حضرات کو لا جواب کر دیا جو عوام الناس سے کہتے رہتے ہیں کہ نماز میں کف ثوب مکروہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کپڑا اڑسنا یا سمیٹنا تکبر کی نشانی ہے حالانکہ علامہ عینی نے کف ثوب کو غیر مکروہ (مباح) اور عاجزی کی نشانی بتائی اور اسی نیت سے عوام نماز میں کپڑے سمیٹتے ہیں جو احسن طریقہ ہے۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں :وفی الخلاصۃ انہ لا یکرہ قال الحلبی وھو المختار۔ خلاصہ میں ہے کہ کف ثوب (کپڑے سمیٹنا) مکروہ

---

[1] (بخاری ص ۵۴ ج ۱ باب فی الثوب الاحمر قدیمی کراچی)

[2] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۶۹ ج ۱۲ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب مکتبہ مصطفی البابی مصر) (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۵۰۸، کتاب الباس، باب التشمیر فی الثیاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

[3] (عینی شرح بخاری، ص ۲۹۶ ج ۲۱ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب، بیروت)

نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔[1]

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں :وقیل لا بأس به لصونه عن التتریب کما فی الزاهدی۔ کہا گیا کہ مٹی سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں :وقیل لا بأس بصونه عن التراب کما فی المجتبیٰ۔ کہا گیا کہ مٹے سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ کپڑوں کو مٹی سے پاک رکھنے کی نیت سے یا بغیر اس نیت کے بلاوجہ کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے عمل کی وجہ سے محبوب ہونا چاہیئے۔

کف ثوب کی کراہت نماز کے اندر ہے نہ کہ باہر :

جیسا کہ احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی کتب سے معلوم ہوتا ہے،مثلاً السنن الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۲۴۳ میں ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب باندھا ہے:

باب کراهیة اسبال الازار فی الصلوة۔یعنی باب شلوار کو نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی کراہیت پر۔جیسا کہ اس باب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی ظرفیت کے لئے ہے،اور مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے۔

اسی طرح کتاب کے شروع میں مذکورہ حدیث میں بھی کف ثوب کا جو ذکر ہے وہ نماز کے اندر مکروہ ہے۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔[3]

اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:أخبرنا حمید بن مسعدة عن یزید قال حدثنا شعبة و روح عن عمرو بن دینار عن طاوسٍ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال :أمرت أن أسجد علی سبعة و لا أکف شعراً و لا ثوبا۔[4]

اسی طرح عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد ۶ صفحہ ۹۱) میں حدیث کے اس حصے (و لا یکف شعرا و لا ثوبا) کی تشریح میں لکھتے ہیں :وفیه کراهة کف الثوب و الشعر و ظاهر الحدیث النهی عنه فی حال الصلاة و الیه مال الداودی۔ ظاہرِ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے اور داؤدی بھی اس طرف گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے،خاص طور پر سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ لینا۔اس ہی بات کی تائید فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے جیسا کہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے :ویکره ایضا کف ثوبه۔۔۔وهو رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود۔ کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[5]

فقہائے کرام نے باب باندھا ہے :باب فی کراهیة الصلوة۔یعنی یہ باب نماز کے مکروہات کے بارے میں ہے،اور یہاں پر بھی

---

[1] (طحطاوی،ص ۳۵۰،فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ،قدیمی کراچی)

[2] (البحر الرائق،ص ۲۴،ج ۲،کتاب الصلوۃ،باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیہا،رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (بخاری،ص ۱۱۲،ج ۱،باب السجود علی سبعۃ اعظم،نور محمد کراچی)

[4] (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۵،باب النهی عن کف الشعر فی السجود)

[5] (النہر الفائق ص ۲۸۱،ج ۱،باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیہا،امدادیہ ملتان)

فی ظرفیت کے لئے آیا ہے۔اوران ہی ابواب میں کف ثوب کا مسئلہ بھی مندرج ہے۔یعنی کف ثوب نماز میں مکروہ ہے،نہ کہ باہر۔

اگر چہ بعض علماء اہل سنت نے علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کف ثوب یعنی مسئولہ صورت مطلقاً (خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے اندر) مکروہ تحریمی ہے اوراس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب درمختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پہ ہی موقوف نہیں بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔

لیکن فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ کف ثوب یعنی کپڑے اٹھانا سمیٹنا اس وقت مکروہ ہے جب نماز کے اندر ہو جیسا کہ فتاوی رضویہ صفحہ ۳۱۰،ج ۷ کے حوالے سے گزر گیا یعنی نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ موڑنے یا سمیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہوگی۔

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں : **ویکرہ ایضا ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین او من خلفہ عند السجود۔** نمازی کے لئے نماز کی حالت میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا چڑھانا مکروہ ہے وہ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے اٹھائے۔

علامہ طاہر بن عبدالرشید لکھتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ او یرفعھا۔ نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔[1]

فقہاء احناف کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کرنے یا کسی کام کاج (محنت مزدوری) کے لئے آستین چڑھائی اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔

آستین کہنی تک یا آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو تو مکروہ ورنہ نہیں : بعض علماء بریلوی کا شامی کے حوالہ سے لکھنا کہ جس نے آستین چڑھا کر نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہے،لیکن انہوں نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ کتنی حد تک آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے،اگر مطلق آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے (جیسا کہ ان کے فتوے سے معلوم ہو رہا ہے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض فقہائے احناف نے اس کی تحدید آدھی کلائی سے زیادہ کی فرمائی ہے اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی صاحب کا فتویٰ بھی ان بعض علماء کے خلاف ہے۔

علامہ طاہر بن عبدالرشید لکھتے ہیں : **ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین یکرہ۔** اگر کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو تو مکروہ ہے۔[2]

علامہ سدیدالدین کاشغری لکھتے ہیں : **وان یرفع کمیہ الی المرفقین۔** آستین کو کہنیوں تک چڑھانا مکروہ ہے۔[3]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں : **ویدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمّین کما فی فتح القدیر وظاھرہ الاطلاق وفی الخلاصۃ ومنیۃ المصلی قید الکراھۃ بان یکون رافعاً کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لا یکرہ اذا کان یرفعھا الی ما دونھا۔** اور کپڑا موڑنے میں آستینوں کا اڑسنا بھی شامل ہے اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور بظاہر مطلق ہے لیکن خلاصہ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر آستینوں کو کہنیوں تک چڑھالیا تو

---

[1] (خلاصۃ الفتاوی،ص ۵۸ ج ۱ مایکرہ فی الصلوۃ،امجد اکیڈمی،لاہور)

[2] (خلاصۃ الفتاوی،ص ۵۸،ج ۱،مایکرہ فی الصلوۃ،امجد اکیڈمی لاہور)

[3] (منیۃ المصلی،ص ۴۲۱،فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ،مکتبۃ الحرم لاہور)

مکروہ ہوگا اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائی تو مکروہ نہیں ہوگا۔[1]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : علماء محققین فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔[2]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی دوسری جگہ لکھتے ہیں : حیلہ میں ہے :ینبغی ان یکرہ تشمیر ھما الی ما فوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا۔ آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے۔[3]

درج بالا عبارات احناف سے معلوم ہوا کہ آستین چڑھائے ہوئے نماز اس وقت مکروہ ہے جب کہنیوں تک ہو اگر کہنیوں سے کم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی، اسی لئے تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے لفظ ''ینبغی (چاہیئے)'' والی عبارت نقل فرمائی جو اس بات پر دال ہے کہ حتمی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔مسئلہ۔کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[4]

معلوم ہوا کہ آدھی کلائی یا اس سے کم آستین چڑھا کر پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آدھی آستین چڑھانے میں بھی کپڑے کو کئی دفعہ موڑنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ میں اس قدر موڑنا نہیں آتا یعنی وہ آدھی پنڈلی تک نہیں موڑے جاتے، معلوم ہوا کہ جس طرح اس سے (آستین کو آدھی کلائی تک چڑھانے میں) نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں تو اس (یعنی شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ موڑنے) سے بھی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب (جس کی تعریف وتشریح اور کیفیت عبارات فقہ سے مبرہن ہوئی، یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) ان دو علتوں کی وجہ سے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی جس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔مراد وہ کف ثوب نہیں جو دور حاضر یا ماضی قریب کے علماء ومفتیان اہل سنت کی تحقیق ہے کہ شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑنا۔دوسری بات یہ کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے مکروہ تحریمی کے بعد یہ قاعدہ قانون لکھا : جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

جب کہ ان ہی علماء اہل سنت نے ایک اور فتویٰ یوں دیا ہے کہ نماز میں ایک کام کو مکروہ تحریمی قرار دیا مگر بعد میں یہ لکھا کہ اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لکھتے ہیں : نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے یہ احکام قرأت قرآن کے ہیں احکام الصلوۃ کے نہیں، اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔مسئلہ۔الٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[5]

---

[1] (البحر الرائق ص ۲۴۰، ج ۲ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروہات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروہات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[4] (بہار شریعت، ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

[5] (بہار شریعت ص ۱۶۶، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

معلوم ہوا کہ ایک کام اگر چہ مکروہ تحریمی ہوگا مگر پھر بھی اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی، ان بعض علماء نے اگر چہ اس کو احکام صلوۃ میں شمار نہیں کیا مگر مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو نماز کے مکروہات تحریمہ میں شمار کیا ہے۔

کن مکروہات سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :تعاد الصلوۃ للاحتیاط علی وجہ لیس فیہ کراھۃ وھو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوۃ انتھی لان الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ۔ نماز کو احتیاط کے طور پر اس طرح لوٹادی جائے کہ جس میں کراہت نہ ہو اور یہ حکم ہر اس نماز کے لئے ہے جو کراہت سمیت ادا کی جائے جیسا کہ کسی نماز میں نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کو دوبارہ پڑھنا جواب ہے، یہ قاعدہ قانون بھی مطلقا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کراہت تحریمی ہے جس کا تعلق احکام نماز (یعنی واجبات نماز کے ترک کرنے) سے ہو، اب اگر مکروہ تحریمی کام جس کا تعلق نماز کے ساتھ نہ ہو (یعنی وہ نماز کے واجبات کا ترک کرنا نہ ہو) تو اس کی موجودگی میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی جیسا کہ اس کی ایک مثال گزر گئی ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : کوئی ایسا واجب ترک ہوا جو واجباتِ نماز سے نہیں بلکہ اس کا وجوب امر خارج سے ہو تو سجدہ سہو واجب نہیں مثلاً خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر موافق ترتیب پڑھنا واجباتِ تلاوت سے ہے واجباتِ نماز سے نہیں لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں۔[1]

جب یہ معلوم ہوا کہ نماز ان مکروہات تحریمیہ سے واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا تعلق نماز کے واجبات چھوڑنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی حنفی فقیہ نے نماز سے پہلے کپڑے کو نہ موڑنا (نہ سمیٹنا اور نہ اڑسنا) نماز کے لئے واجب قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کف ثوب کا تعلق نماز کے واجبات اور مکروہات سے نہیں بلکہ خارجی امور میں سے ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے شلوار کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے کیوں اڑستے اور موڑتے ہیں؟

نماز شروع کرنے سے پہلے بعض وہ اہل علم حضرات اور اکثر عوام الناس جن کی شلواریں یا پینٹ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں (خواص اور اکثر اہل علم حضرات عام حالت میں بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اونچی ہی رکھتے ہیں) وہ اپنی شلواروں کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے موڑ کر نماز شروع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہوتا ہے وہ جہنم میں ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات خاص کر نماز کی حالت میں اپنے ذہن کے مطابق اس گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم (علماء وطلباء، مدرسین و متعلمین) کا اس بات کی طرف کہ وہ عام زندگی میں یا نماز سے پہلے اپنے لباس کو ٹخنوں سے اونچا رکھ کر اس وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے، التفات کرنا تو درکنار بلکہ ان لوگوں کو بھی جو لباس کو سنت کے مطابق ٹخنوں کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں یہ کہہ کر کہ ''شلوار کو اڑسنا اور پتلون کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز

---

[1] (بہار شریعت ص ۴۹، حصہ چہارم، سجدہ سہو کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

واجب الاعادہ ہوجاتی ہے" ان کو بھی گناہ اور وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں حالانکہ دلائل ظاہرہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس طرح کرنا نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

یہ اہل علم حضرات خواہ جس مکتبہ فکر سے بھی متعلق ہوں ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں لباس کو ٹخنوں سے اونچا نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) لباس کو ٹخنوں سے نیچے کرنا اس وقت گناہ اور ناجائز (حرام اور مکروہ تحریمی) ہے جب تکبر کی نیت ہو، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

(۲) لباس کو ٹخنوں سے اونچا کرنے میں تبلیغی جماعت (دیوبندی، جبریہ، جہمیہ) سے تشبیہ آتی ہے جو اپنے چھوٹے بھائی کی شلوار پہنے گھومتے رہتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند، منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لئے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے، سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ نہ رکھے تاکہ ان کی مشابہت سے بچے، **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔[1]

معلوم ہوا کہ بعض اہل علم وغیرہ کے نزدیک ان دو وجوہات کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ اب ہم ان دونوں وجوہات پر بحث کرتے ہیں کہ ان اہل علم کی بات کس حد تک مقبول اور صحیح ہے۔

لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ ہے:

اگرچہ بعض احادیث جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مذمت اور وعید کے لئے علت تکبر کو قرار دیا ہے مگر چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مطلقاً ٹخنوں کو چھپانے کی وعید ہے اور تکبر کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: **عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار**۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تہبند (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ دوزخ میں ہے۔[2]

عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال بینما رجل ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہبند گھسیٹتا چل رہا تھا، کہ اسے دھنسایا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔[3]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا کل شیء جاوز الکعبین من الازار فی النار۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ تہبند (شلوار وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔[4]

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ماتحت الکعبین من الازار ففی النار۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

---

[1] (مرآت شرح مشکوٰۃ، ص ۱۰۱، ج ۶، لباس کا بیان)

[2] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، قدیمی کراچی)

[3] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جرثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

[4] (صحیح البخاری)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[1]

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :ما خلف الکعبین ففی النار۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا : آپ ﷺ نے فرمایا : جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[2]

رہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جو امام بخاری نے روایت کی، لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر سے نیچے رکھے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں۔[3]

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں : کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے۔۔۔(ابو بکر نے کہا) یعنی میں تو خود نہیں لٹکاتا خود ہی لٹک جاتا ہے، شکم کسی قدر بھاری ہے اس لئے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔۔۔(آپ ﷺ نے فرمایا) یعنی ہم نے تکبر و غرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہٰذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ آپ ﷺ نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء فرمایا نہ کہ سب لوگوں کا کہ اب ہم میں سے ہر کس و ناکس اپنے لئے یہ دلیل بنائے کہ میں اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے حالانکہ اس دور میں ایسا کرنے والے اور اس کے جواز کو ڈھونڈنے والے کے دل میں اتنا تکبر ہوتا ہے کہ وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں ہے اور وہ خود اس کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو تم نے کب کسی ٹیلر (درزی) سے کہا کہ میری شلوار ٹخنوں سے اوپر تک کی مقدار تک سینا اس سے زیادہ نہیں سینا تاکہ میرے کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ اور مفتی نعیمی صاحب کی تحقیق (''تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے'') سے بھی معلوم ہوا کہ آج کل فیشن کا ایسا دور چل رہا ہے کہ عوام تو عوام خواص (علماء اور طلباء) بھی ہر ٹیلر اور درزی سے کپڑے نہیں سلواتے بلکہ فیشن ایبل لوگوں سے سلواتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والوں کے تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی شلوار تکلفاً ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند خود بخود (کوشش کے باوجود) سرک جاتا تھا، اتنی صراحت کے باوجود اپنے مکروہ فعل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل نہ کرنا تکبر کی نشانی ہے :

تکبر نہ ہونے کی رٹ لگانے والے کے تکبر کی ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کے عمل کو اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

---

[1] (اخرجہ احمد)

[2] (صحیح البخاری)

[3] (بخاری، الصحیح ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ۔[1]

اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم فرمایا ہے :فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[2]

دوسری حدیث میں ہے :فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[3]

لباس کے معاملے میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ ﷺ کے لباس کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس بارے میں کیا حکم دیا تھا کہ تہبند کتنی حد تک ہونا چاہیئے۔حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیه حلة حمراء کأنی انظر الی بریق ساقیه۔[4]

امام ابن ماجہ روایت فرماتے ہیں :عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا قصیرا الیدین و الطول۔ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چھوٹی آستینوں اور کم لمبائی والی قمیص زیب تن فرماتے تھے۔[5]

ملا علی قاری لکھتے ہیں :وفی روایة ابن عساکر عنه :کان یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعه۔ ابن عساکر کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے کہ جو ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں کے پوروں کے برابر ہوتی تھیں۔[6]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و کانت ثیابه کلها مشمرة فوق الکعبین و یکون الإزار فوق ذلك إلی نصف الساق۔

ترجمہ: اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے، اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔[7]

یہ تو آپ ﷺ کا اپنا عمل تھا کہ آپ ﷺ کی قمیص مبارک ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی تو کیا تکبر لگانے والے سے یہ بھی ثابت کریں گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں تھا اس لئے ان کا استثناء فرما کر تہبند نیچے ہونے پر کوئی وعید نہیں سنائی اور (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے دل میں تکبر تھا اس لئے خود بنفس نفیس اپنے لباس مبارک کو ہمیشہ ٹخنوں سے اونچا رکھا۔(العیاذ باللہ)

معلوم ہوا کہ تکبر کی رٹ لگانے والے چونکہ فیشن ایبل دور میں رہ رہے ہیں اور ان کو اپنا بھرم بھی دکھانا ہے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس غیر ارادی فعل کو اپنے لئے دلیل بنا کر سنت رسول ﷺ سے روگردانی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر اختیاری فعل ہے جو صرف اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کا عمل مبارک ہے۔

---

[1] (الاحزاب : ۲۱)

[2] (حدیث صحیح اخرجہ ابو داؤد والترمذی ومشکوۃ ص ۳۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (صحیحین)

[4] (متفق علیه)

[5] (ابن ماجه ص ۲۶۴، کتاب اللباس، باب کم القمیص کم یکون)

[6] (مرقات ص ۱۲۹ ج ۸ کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

[7] (احیاء العلوم اخلاقه وآدابه فی اللباس ج ۲ ص ۵۲۸ المکتبة التوفیقیة القاهرة)

کیااس دور کے علماء واعظین (مقررین)، مدارس کے طلباء اور پیرزادے اس مرض وو با (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں مبتلا نہیں ہیں؟

درج بالا وذیل دلائل کے مابین ناچیز نے اس مکروہ کام کے مرتکب علماء اور خواص کو جا بجا متکبرین کے نام سے لکھا تو کیا ایسا نہیں ہے؟ اور کیا عوام کی بنسبت اکثر خواص اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟ ناچیز (بریلوی مکتبہ فکر کے) ایک عظیم محدث مفتی ہند، اہلسنت محمد شریف الحق امجدی صاحب کی عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف ''باب ما اسفل من الکعبین'' کے تحت لکھتے ہیں : بطور عادت اور شوق ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے آج کل کے علماء خصوصا واعظین اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔[1]

مفتی صاحب موصوف ''باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا'' میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہبند والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں : آج کل مقررین و پیرزادگان کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ پائجامے اور تہبند ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ آج کل علماء جبے بھی زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، ٹوکنے پر کہہ دیتے ہیں ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے (ان کا یہ کہنا درحقیقت اس ارشاد ربانی کی تردید ہے وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ۔ تَرْكُ الْمُوَاسَاةِ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاسَاةُ وَاجِبَةً. وَقَدْ يُذَمُّ الْمَرْءُ بِتَرْكِ النَّوَافِلِ لَا سِيَّمَا إِذَا أُسْنِدَ إِلَى النِّفَاقِ وَعَدَمِ الدِّينِ[2] یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام اس کو سخت معیوب مانتے ہیں حتی کہ ان کی اکثریت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، ان مدعیان رہنمائی کو خبر نہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اتقوا مواضع التھم، تہمت کی جگہوں سے بچو اور فرمایا : ایاکم و ما یعتذر منہ۔ ایسے کاموں سے بچو جس کا عذر بیان کرنا پڑے۔[3]

نزہۃ القاری کی درج بالا عبارات سے تین مسائل کا استخراج ہوتا ہے :

ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے (اور فاسق کی وضع تشبیہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

دوسرا یہ کہ آج کل کے علماء خصوصاً واعظین، پیرزادگان اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلا ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ان علماء کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں''، یہ ان کی اپنی من مانی ہے نہ کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کر کے اہل سنت اور سنی بننا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سُنّی کہلانے والا ہر شخص پابندِ سنتِ مصطفی ﷺ نہیں ہوتا، کبھی کبھی وہ خلافِ سنت پر عمل کر کے بھی سنی کہلانے پر فخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

بلکہ محسن کائنات، مربی عالم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا جن کی شلوار (یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور اہل خواص کو تو شریعت کی پابندی اور بھی زیادہ ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے پیر و مرشد قدوۃ الاولیاء

---

[1] (نزہۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۱۸، ج ۵، کتاب اللباس، فرید بکسٹال لاہور)

[2] (التفسیر الکبیر ج ۳۲ ص ۳۰۲)

[3] (نزہۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۶۹، ج ۴، کتاب المناقب، فرید بکسٹال لاہور)

والعلماء شیخ المشائخ پیران پیر خواجہ خواجگان حضرت سیدنا ومرشدنا سیف الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز وطریقہ ہے۔جیسا کہ
حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی،شافعی،قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم لا يخفى عليك يا أخي أن من شأن أهل الله عز و جل كونهم يأخذون العهد على المريد بتركه المباح زيادة على الأمر والنهي طلب الترقية إذ المباح لا ترقي فيه من حيث ذاته وإنما هو أمر برزخي بين الأمر والنهي جعله الله تعالى مرتبة تنفيس للمكلفين يتنفسون به من مشقة التكليف إذ الإقبال على الله تعالى في امتثال الأمر واجتناب النهي على الدوام ليس من مقدور البشر فأراد أهل الله تعالى للمريد أن يقلل من المباح جهده ويجعل موضعه فعل مأمور واجتناب منهي أو مرغب في فعله أو تركه لأخذهم بالعزائم دون الترخيصات۔

ترجمہ: پھر اے بھائی تم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اللہ والے لوگ اپنے مرید کی ترقی کے لئے اللہ کے امر ونہی کے علاوہ ان سے یہ عہد لیا کرتے ہیں کہ وہ صرف جائز ہونے والے کاموں سے رکے رہیں گے کیونکہ صرف جائز ہونے والے کام میں ذاتی طور پر اس کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو امر ونہی کے درمیان ایک کام ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تسلی کا سبب بنایا ہوتا ہے جن پر اس کے احکام لاگو ہوتے ہیں چنانچہ ایسے مباح کاموں کی وجہ سے انہیں تسلی ملتی رہتی ہے کیونکہ ہمیشہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے رکتے ہوئے اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی بندے کی ہمت میں نہیں ہوتا چنانچہ اللہ والے اپنے مرید کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نرے جائز کہلانے والے کاموں کی کوشش کم سے کم کریں البتہ ان کی جگہ وہ کام کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان سے بچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا جن کے کرنے اور چھوڑنے کا شوق دلایا گیا ہے تاکہ ایسے کام کرسکیں جن کا پختہ حکم ہے اور وہ کام نہ کریں جن میں ڈھیل دی گئی ہے یعنی عزیمت کو اختیار کریں۔[1]

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی،شافعی،قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن أهل الله عز و جل لا يسامحون المريد بارتكابه شيئا من المكروهات فضلا عن المحرمات الظاهرة أو الباطنة وأن طريقهم محررة على موافقة الكتاب والسنة كتحرير الذهب بخلاف ما يظنه من لا علم له بطريقهم۔

ترجمہ: اللہ والے اپنے مرید کو مکروہ کام کرنے پر بھی معاف نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر حرام کاموں میں پڑیں اور ان کا طور طریقہ کتاب وسنت کی طرح سنہری حروف میں لکھا ملتا ہے،وہ نہیں جیسے ان کے طریقے سے ناواقف لوگ بتاتے ہیں۔[2]
جیسے کہ الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وبلغ من اعتناء الحق تعالىٰ بأحدهم: أنه كان يعاقب أحدهم على خلاف الأولىٰ۔

---

[1] (لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العہود المحمدیۃ ج ۱ ص ۷۸، دار التقویٰ)
[2] (لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العہود المحمدیۃ ج ۱ ص ۸۲، دار التقویٰ)

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔ پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان الجنید رضی اللہ تعالی یقول: طریق الفقهاء هی أساس طریقنا التی بنیت علیه ولکن زاد الصوفیة علی الفقهاء کثرة مراعاة العمل بالشریعة وعدم التساهل فی ترک العمل بشیء منها ای طریقهم ترک الرخص والتاویلات والاخذ بالعزائم والتمسک بالمندوب کالواجب واجتناب المکروه وخلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی بناء پر ہے لیکن صوفیاء فقہاء نے جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[2]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنه یقول :الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلا عن المکروه والحرام۔

ترجمہ : اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[3]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وسمعت سیدی علی المرصفی رحمه اللہ تعالی یقول :لایصح لمرید قدم فی الارادة حتی یترک المباحات جملة ویجعل مکان مباح ترکه فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانه خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانه منهی عنه کراهة تنزیه وحتی یجتنب الحرام کانه کفر وحتی یفعل المندوب کانه واجب ویفعل الاولی کانه مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونهیه۔

ترجمہ : اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ

---

[1] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۱)

[2] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۲۷)

[3] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[1]

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبدالله بن المبارک رضی الله تعالی عنه من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الواجبات ومن تهاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او کما قال۔

یعنی فرمایا عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[2]

کیا مکروہ تنزیہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ متقی پرہیزگار کے لیے بڑی بات ہے۔

حضرتِ عالی مقام امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

پس رعایتِ ادبی و اجتناب از مکروهی اگرچه تنزیهی باشد فکیف که تحریمی بمراتب از ذکر وفکر ومراقبه وتوجه بهتر باشد آرے این امور باین رعایت واجتناب اگر جمع کند "فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْماً" وبدونه خرط القتاد۔

ترجمہ: لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگرچہ تنزیہی ہی ہو اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔[3]

چھوٹے بڑے گناہوں کو معمولی نہ جانو

حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(أخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه وسلم) أن لا ننتهاون بارتكاب شيء من صغائر الذنوب فضلا عن كبائرها ولا بارتكاب شيء من مكروهاتها حتى خلاف الأولى منها ولا نصر على ذنب بل نتوب منه على الفور وذلك لأن ارتكاب المعاصي وما قارب بها مع الإصرار يظلم به القلب حتى يصير لا يحن إلى فعل شيء فيه خير وتتفاوت الناس في مقدار ظلمة القلب بحسب مقاماتهم فربما أن بعض الناس لا يحس بظلمة القلب عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الضغائر دون المكروهات وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الأولى ولكل مقام رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة وأدركها بصر صاحبها كالحبر على الورق وكلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة ولم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم۔

---

[1] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

[2] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ عوارف المعارف دار الکتب العلمیہ)

[3] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب ۲۹، ص ۷۶، مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

فيحتاج من يريد العمل بهذا العهد إلى السلوك على يد شيخ ناصح يسد عليه جميع المخارس التي يدخل منها الشيطان ويشغله بالطاعات المتوالية حتى تتراكم عليه الأنوار ويخلص من سائر الذنوب ويدخل حضرة الإحسان فهناك لا يتهاون بذنب ولو خلاف الأولى فضلا عن المكروهات فضلا عن الصغائر فضلا عن الكبائر فإن أهل كل حضرة يساعدون بعضهم بعضا بمشاهدة بعضهم أحوال بعض ومن هنا شرطوا في إتمام التوبة هجر إخوان السوء لئلا يزلزلوا توبته بمشاهدتهم لمعاصيهم وأمروا التائب أن يخالط أهل الطاعات ليشاهد طاعاتهم وينقل نفسه من المعاصي والطباع تسرق من الجليس الأفعال التي يشاهدها منه من خير وشر ولو على طول فينتقل جميع ما في ذلك الجليس لك يا أخي فالعاقل من أتى البيوت من ابوابها (والله عليم، حكيم)

وقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه مرفوعا (إن العبد المؤمن إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن هو نزع واستغفر صقلت فإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه فهو الران الذي ذكره الله تعالى بقوله (كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون) (المطففين، ١٤) والنكتة :هي نقطة تشبه الوسخ في المرآة۔

روى الإمام أحمد والطبراني والبيهقي مرفوعا :[إياكم ومحقرات الذنوب فإنهن يجتمعن على الرجل حتى تهلكه كمثل قوم نزلوا أرض فلاة فحضر صنيع القوم فجعل الرجل ينطلق فيجئ بالعود والرجل يأتي بالعود حتى جمعوا سوادا وأججوا نارا وأنضجوا ما قذف فيها]۔

وروى النسائي بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه وغيرهما مرفوعا :[إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه].

روى الطبراني عن ابن مسعود :[إني لأحسب الرجل ينسى العلم كما تعلمه بالخطيئة يعملها]۔

.وروى البخاري وغيره عن انس رضي الله عنه قال :[إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينهم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من الموبقات يعني المهلكات]۔

.وروى ابن حبان في صحيحه مرفوعا :[[لو أن الله يؤاخذني وعيسى بن مريم بذنوبنا لعذبنا ولا يظلمنا وأشار بالسبابة والتي تليها].وفي رواية :[لو يؤاخذني الله وعيسى بن مريم بما جنت هاتان يعني الإبهام والتي تليها لعذبنا ثم لم يظلمنا شيئا]۔

.وروى الإمام أحمد والبيهقي مرفوعا :[لو غفر لكم ما تأتون إلى البهائم لغفر لكم كثيرا].وفي رواية انه من كلام ابي الدرداء.

وروى الحاكم وقال صحيح الإسناد أن عبدالله بن مسعود قرأ (ولو يؤآخذ الله الناس بما كسبوا ما ترك على ظهرها من دابة ولكن يؤخرهم إلى أجل مسمى) ثم قال (كاد الجعل يعذب في جحره بذنب ابن آدم) والجعل بضم الجيم وفتح العين دويبة تكاد تشبه الخنفساء تدحرج الروث بأنفها۔

رسول اکرم ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ کرنے کو بھی معمولی نہ سمجھیں، نہ مکروہ کام کرنے کو معمولی جانیں اور نہ ہی زیادہ بہتر کے مقابلے میں کم درجہ کام کو معمولی بنائیں، یونہی کسی گناہ پر جمے نہ رہیں بلکہ فوراً اس سے توبہ کریں کیونکہ گناہ اور اس کے قریب قریب کام جم کر

کرنے سے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کسی بہتر کام کی طرف جھکاؤ نہیں کرتا، پھر لوگوں کے دل ان کے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق تاریک ہوتے ہیں چنانچہ کسی کو دل کی تاریکی کا پتہ بڑے گناہ کرنے ہی سے چلتا ہے، چھوٹوں پر نہیں، کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اس تاریکی کے بارے میں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں، مکروہ کاموں پر نہیں چلتا، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جنہیں مکروہ کام کرنے پر پتہ چلتا ہے، خلاف اولیٰ کرنے پر نہیں کیونکہ بندے ہر طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ جس کا دل صاف ہو تو جب بھی اس میں تاریکی آتی ہے تو دل والے کی آنکھ اسے یوں دیکھتی ہے جیسے کاغذ پر سیاہی لگی ہو اور جب بھی دل پر میل ہو اور تاریکی کم ہو جائے تو اسے دل والے کی آنکھ یوں دیکھتی ہے جیسے کوئلے پر سیاہی لگی ہو چنانچہ جو اس ہدایت پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے ایسے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو نیک ہو اور شیطان کے داخل ہونے کے سب راستے بند کر دے اور مسلسل اسے عبادتوں میں لگائے رکھے تاکہ اس پر انوار کی بارش شروع ہو جائے، وہ سب گناہوں سے پاک ہو جائے اور احسان کے مرتبہ میں چلا جائے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر وہ خلاف اولیٰ سمیت کسی بھی گناہ کو معمولی نہیں جانے گا، مکروہات بلکہ بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ بھی ہلکے نہیں جانے گا کیونکہ ہر مقام والے ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے حالات دیکھ رہے ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر علماء نے توبہ کے پورا ہونے میں شرط لگائی ہے کہ برے بھائیوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کے گناہ دیکھ کر اپنی توبہ کو خراب نہ کر لیں اور توبہ کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں میں گھل مل کر رہیں تاکہ وہ ان کی عبادتوں کا مشاہدہ کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے نکال لیں کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ ہے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں سے اچھے برے وہ کام سیکھتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے خواہ دیر ہی سے سیکھے چنانچہ اے بھائی! اس بیٹھنے والے ساتھی سے سب کچھ تمہارے پاس آجاتا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہوتا ہے جو اصل راستے سے مقصد تک پہنچے۔ واللہ علیم حکیم۔

☆ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے کہ ''جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اسے صاف کرتے ہوئے استغفار کرے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر دوبارہ کرے تو زیادہ ہو جاتا ہے اور آخر اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، چنانچہ یہ وہی ''ران'' ہے کہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔'' کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، ان کی کمائیوں نے'' اس نکتہ سے مراد وہ نقطہ ہے جو شیشے پر میل جیسا ہوتا ہے۔

☆ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا ''اپنے آپ کو حقیر گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ یہ آدمی میں جمع ہو جاتے ہیں اور آخر کار اسے یوں ہلاک کر دیتے ہیں جیسے کچھ لوگ کہیں جنگل میں ٹھہریں اور کھانے کا وقت ہو جائے چنانچہ ایک شخص جا کر لکڑی لے آئے، دوسرا آدمی ایک اور لکڑی لائے اور یوں وہ گٹھا جمع کر لیں اور آگ جلا کر اس میں ڈالی چیز کو پکا لیں۔''

☆ نسائی اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا ''انسان گناہ کر لینے پر روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔''

☆ امام طبرانی کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ ''میں اس آدمی کا خیال رکھتا ہوں جو علم سیکھ کر اس لئے بھلا دیتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہوتا ہے۔''

☆ حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں لیکن جنہیں ہم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تباہ کرنے والے سمجھتے تھے۔

☆ ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا ''اگر بالغرض اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہما کو ہماری خطا کی وجہ سے پکڑ لے اور تکلیف دے تو اس میں اس کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا، پھر انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر بتایا'' (کہ اتنا ظلم بھی نہیں ہوگا)

☆ ایک اور روایت میں ہے ''اگر مجھے اور عیسیٰ بن مریم کو ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور ساتھ والی انگلی) کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کے بدلے میں پکڑ کر تکلیف پہنچانا چاہے تو اس میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔''

☆ امام احمد اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے ''اگر اللہ تعالیٰ تمہارا وہ گناہ معاف کر دے جو تم جانوروں کے ساتھ برائی کی وجہ سے کرتے ہو تو تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دے گا۔''

☆ امام حاکم کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں پڑھا ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کئے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔'' پھر فرمایا ہوسکتا ہے کہ جعل نامی (گوبرا) کیڑے کو حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہی کی بناء پر عذاب دیتا۔[1]

پر اصل مقصد کی طرف چلتے ہیں

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی لکھتے ہیں : **وعن عطاء بن یسار، عن بعض أصحاب النبی ﷺ قال : بینما رجل یصلی وھو مسبل ازارہ، [اذ] قال لہ رسول اللہ ﷺ : ''اذھب فتوضا'' قال : فذھب فتوضا، ثم جاء فقال لہ رسول اللہ ﷺ : ''اذھب فتوضا'' ثم جاء فقال : یا رسول اللہ، مالک أمرتہ یتوضأ ثم سکت عنہ؟ فقال : ''انہ کان یصلی وھو مسبل ازارہ وان اللہ تبارک وتعالیٰ لا یقبل صلاۃ عبد مسبل ازارہ''۔**

عطاء بن یسار بعض اصحابِ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور ابو داؤد شریف اور سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کرو۔ وہ وضو کر کے آیا تو پھر اسے فرمایا جا پھر وضو کر۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، تو تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اپنا تہبند ٹخنوں کے نیچے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا اللہ تعالیٰ اسبال والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔''[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَإِطَالَةُ الذَّيْلِ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ازار (دامن کا طویل ہونا) کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔[3]

اور السنن الکبریٰ میں اس حدیث کے آخر میں ہے :

وفی الاحادیث الثابتۃ المطلقۃ فی النھی عن جر الازار دلیل علی کراھیتہ فی الصلاۃ وغیرھا۔ ان احادیثِ مبارکہ سے ازار کے

---

[1] (لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العھود المحمدیۃ، ج ۲ ص ۴۴۶، دار التقویٰ)

[2] (''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' جلد ۵، صفحہ ۲۱۸، کتاب الباس) (السنن الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۴۲، باب کراہیۃ اسبال الازار فی الصلاۃ)، (ابو داؤد، کتاب الباس ص ۵۶۵)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الستر، ج ۲، ص ۴۳۵، المکتبۃ الرشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

لٹکانے کی نہی مطلقاً ثابت ہوئی، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔یعنی نماز کے اندر بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے،اور نماز سے باہر بھی۔[1]

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی الفتاوی العتابیۃ :یکرہ للرجال لبس السراویل (المخرفۃ و)ھی التی تقع علی ظھر القدمین۔

ترجمہ: فتاویٰ عتابیہ میں ہے مردوں کو ایسی شلوار پہننا جو پاؤں کی پشت تک لٹکتی ہو (یعنی جس کے پائنچے پاؤں کو مس کریں) مکروہ ہے۔[2]

حضرت علامہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تقصیر الثیاب سنۃ ،واسبال الازار والقمیص بدعۃ ، ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وھذا فی حق الرجال،واما النساء فیرخین ازارھن اسفل من ازار الرجال لیستر ظھر قدمھن۔ اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃتنزیہ کذافی الغرائب۔

ترجمہ: لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور تہبند اور قمیص کا لٹکانا بدعت ہے، مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو۔ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اپنے تہبند کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کی پیٹھ ڈھکی رہے۔مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔یہ غرائب میں ہے۔[3]

حضرت علامہ ابوالحسین بن علی بن محمد سغدی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

کل لِبَاس یکون علی خلاف السّنۃ یکون لبسہ مَکْرُوھا وَھُوَ مثل أَثْوَاب الْکفَّار واثواب الْفسق والفجور وَأھل الاشر والبطر مثل القرطق واسبال الازار وَتَطْوِیل الْکمّ وتوسیعہ۔

ترجمہ: ہر خلاف سنت لباس پہننا مکروہ ہوتا ہے اور جیسے کفار کے کپڑے اور فسق و فجور کے کپڑے شریر اور متکبرین کے کپڑے، جیسے قرطق اور تہبند کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اور آستین کو لمبا اور کھلا رکھنا۔[4]

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

ودل الحدیث علی ان النھی انما یتعلق خبرہ لھذاہ العلۃ ، فمن استعجل فجرّ ثوبہ خلفہ او کان ازارہ لا یثبت علی کتفیہ فلاحرج۔ وکذلک جر خیلاء علی الکفار فی الحرب لان فیہ اعزاز الاسلام واحتقار عدوہ۔ وروی ابن عمر رضی اللہ عنہ کراھۃذلک فی، کل حال۔

ترجمہ: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے، سو جو شخص جلدی کی وجہ کپڑا گھسیٹ کر چلا، یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح میدانِ جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں

---

[1] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۵)

[2] (فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج ۵، ص ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب الکراہیۃ، الفصل فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ، ج ۱۸، ۱۱۸، مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الکراہیۃ، ج ۸، ص ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ج ۹، ص ۵۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج ۵، ص ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[4] (النتف فی الفتاوی، اللباس المکروہ، ج ۱، ص ۱۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔[1]

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

معنی مازاد فی النار اذازادہ خیلاء لانہ مطلق فیراد الی المقید وان لم یکن خیلاء فھو مکروہ۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہوگا وہ جہنم میں ہوگا، بشرطیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو، کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔[2]

حضرت علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، حنبلی لکھتے ہیں:

ویکرہ أن یکون ثوب الرجل إلی فوق نصف ساقہ وتحت کعبہ بلا حاجۃ۔

ترجمہ: اور بغیر حاجت کے مرد کا کپڑا نصف پنڈلی سے اوپر ہونا اور ٹخنوں سے نیچے ہونا مکروہ ہے۔[3]

انور شاہ کشمیری، دیوبندی لکھتے ہیں:

وجرُّ الثوب ممنوعٌ عندنا مطلقًا، فھو إذاً من أحکام اللباس، وقصرَ الشافعیۃُ النھي علی قید المخیلۃ، فإن کان الجرُّ بدون التکبر، فھو جائز، وإذاً لا یکون الحدیث من أحکام اللباس والأقرب ما ذھب إلیہ الحنفیۃ، لأن الخُیَلاء ممنوع في نفسہ، ولا اختصاص لہ بالجرِّ، وأما قولہ صلی اللہ علیہ وسلّم لأبي بکر » :إنک لست ممن یجر إزارہ خیلاء «، ففیہ تعلیلٌ بأمر مناسب، وإن لم یکن مناطًا فعلۃ الإباحۃ فیہ عدمُ الاستمساکِ إلا بالتعھد، إلا أنہ زاد علیہ بأمر یفید الإباحۃ، ویؤکدھا. ولعل المصنف أیضًا یوافقنا، فإنّہ أخرج الحدیث في اللباس، وسؤال أبي بکر أیضًا یؤید ما قلنا، فإنّہ یدلُّ علی أنہ حملَ النھي علی العموم، ولو کان عندہ قیدُ الخیلاء مناطًا للنھي، لما کان لسؤالہ معنًی. والتعلیل بأمر مناسب طریقٌ معھود. ولنا أن نقول أیضًا :إن جرّ الإزار خیلاء ممنوعٌ لمن یتمسک إزارہ، فلیس المحطُّ الخیلاء فقط۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہوگی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کا کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کیلئے مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بطور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند

---

[1] (اکمال اکمال المعلم، کتاب اللباس والزینۃ، ج۷، ص۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (مکمل اکمال اکمال، کتاب اللباس والزینۃ، ج۷، ص۲۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت) ج۵، ص۳۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، فصل یکرہ فی الصلاۃ السدل، ج۱، ص۹۱)

گھسیٹنا ممنوع ہے)اور اگر انکے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام !میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔[1]

اور کسی مناسب امر کو بطور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لئے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔[2]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ)

الجواب : پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔[3]

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں۔مگر علماء درصورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔[4]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق (پنڈلی) تک پائنچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تک ہوتی تھی۔[5]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :ازقسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[6]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہوگا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے۔ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے۔

بہر حال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند و پائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت وآسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند و پائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جاسکتا ہے، کرتے وقمیص اور عباوشیروانی وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح قمیص وکرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۷۸۴:)

[2] (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج،۶،ص،۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج،۲۲،ص،۱۶۴، رضا فاونڈیشن، لاہور)

[4] (فتاویٰ رضویہ، ج،۲۲،ص،۱۶۷، رضا فاونڈیشن، لاہور)

[5] (فتاویٰ رضویہ، ج،۲۲،ص،۱۶۸، رضا فاونڈیشن، لاہور)

[6] (بخاری)

جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا چاہئے جو نصف پشت تک رہے، جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہوگا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہوگا جو ممنوع ہے، چنانچہ بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں، جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع و عریض دامنوں والے کرتے، کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑی کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و غرور کی نیت سے ہوگا تو اس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہوگا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں کیلئے بھی ممنوع ہے مگر مردوں کی بہ نسبت ایک بالش یا دو بالش کے بقدر زائد ہونا جائز ہے، بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو۔[1]

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لباس ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا:

اب ہم وہ احادیث ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ مسلمان کے لباس کے لئے حد مقرر فرمائی کہ کپڑے کہاں تک رکھنے چاہیئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے لباس کو آدھی پنڈلی یا اس سے نیچے مگر ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔

مشکوۃ شریف اور السنن الکبریٰ میں ہے : وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ» : إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ «قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ » وَلَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں جو اس سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا، یہ تین بار فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے گا۔[2]

نسائی اور ابوداؤد شریف میں ہے : عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال سول اللہ ﷺ ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولھم عذاب الیم المنان بما اعطاہ والمسبل ازارہ والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) دینے کے بعد احسان جتلانے والا، (۲) اپنی تہبند لٹکانے والا، (۳) جھوٹی قسم سے اپنے مال و اسباب کو رواج (شہرت) دینے والا۔[3]

امام مسلم اور امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی روایت کرتے ہیں : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال مررت برسول اللہ ﷺ وفی ازاری استرخاء فقال : یا عبد اللہ : ارفع ازارک فرفعتہ ثم قال زد فزدت فمازلت اتحراھا بعد فقال بعض القوم الی این؟ قال الی انصاف الساقین۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی، تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کرلیا، فرمایا اور زیادہ اونچا کرو، میں نے اور زیادہ اونچا کرلیا پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے؟ فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔[4]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : وروی احمد عن انس مرفوعا : الازار الی نصف الساق او الی الکعبین لا خیر فی

---

[1] (مظاہر حق ۴ جدید ص ۱۵۲۔ ۱۵۳)

[2] (مشکوۃ ص ۳۷۴، کتاب الباس، الفصل الثانی، قدیمی، کراچی، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۴۶، باب موضع الازار من الرجل)

[3] (نسائی ص ۲۹۴ ج ۲ ابوداؤد ۲۱۰، ج ۲)

[4] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب الخ، قدیمی کراچی)

اسفل من ذلک۔

حضرت انس نے مرفوع روایت بیان کی کہ تہبند (شلوار وغیرہ) آدھی پنڈلی یا ٹخنوں کے اوپر تک ہونی چاہئے اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔[1]

اور اس حدیث شریف کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وفی هذه الأحاديث أن إسبال الإزار للخيلاء كبيرة وأما الإسبال لغير الخيلاء فظاهر الأحاديث تحريمه أيضا لكن استدل بالتقييد فی هذه الأحاديث بالخيلاء على أن الإطلاق فی الزجر الوارد فی ذم الإسبال محمول على المقيد هنا فلا يحرم الجر والاسبال إذا سلم من الخيلاء۔ قال ابن عبد البر مفهومه أن الجر لغير الخيلاء لا يلحقه الوعيد إلا أن جر القميص وغيره من الثياب مذموم على كل حال فأما لغير الخيلاء فيختلف الحال فإن كان الثوب على قدر لابسه لكنه يسدله فهذا لا يظهر فيه تحريم ولا سيما ان كان عن غير قصد كالذی وقع لأبی بكر (رضی اللہ تعالیٰ عنه) وان كان الثوب زائدا على قدر لابسه فهذا قديتجه المنع فيه من جهة الإسراف فينتهی إلى التحريم وقد يتجه المنع فيه من جهة التشبه بالنساء وهو أمكن فيه من الأول وقد صحح الحاكم من حديث أبی هريرة أن رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم لعن الرجل يلبس لبسه المرأة وقد يتجه المنع فيه من جهة أن لابسه لا يأمن من تعلق النجاسة به وإلى ذلک يشير الحديث الذی أخرجه الترمذی فی الشمائل والنسائی من طريق أشعث بن أبی الشعثاء وأسم أبيه سليم المحاربی عن عمته واسمها رهم بضم الراء وسكون الهاء وهی بنت الأسود بن حنظلة عن عمها واسمه عبيد بن خالد قال كنت أمشی وعلی برد أجره، فقال لی رجل أرفع ثوبک فإنه أنقى وأبقى فنظرت فإذا هو النبی صلى اللہ عليه وسلم فقلت إنما هی بردة ملحاء فقال أما لک فی أسوة قال فنظرت فإذا إزاره إلى أنصاف ساقيه وسنده قبلها جيد وقوله ملحاء بفتح الميم وبمهملة قبلها سكون ممدودة أی فيها خطوط سود وبيض وفی قصة قتل عمر أنه قال للشاب الذی دخل عليه أرفع ثوبک فإنه أنقى لثوبک وأتقى لربک وقد تقدم فی المناقب ويتجه المنع أيضا فی الإسبال من جهة أخرى وهی كونه مظنة الخيلاء وحاصله أن الإسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ويؤيده ما أخرجه أحمد بن منيع من وجه آخر عن بن عمر فی أثناء حديث رفعه وإياک وجر الإزار فإن جر الإزار من المخيلة۔

ترجمہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے، اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث سے سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے لیکن احادیث میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اسے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر ہی محمول ہیں، لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید نہیں ہے البتہ قمیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

---

[1] (مرقات، ج ۸، ص ۱۴۰، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اسے حرام ہونا ظاہر نہیں ہوگا، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا، اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہوگا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے، اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے، کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہوگا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہوتا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم ۱۲۱ :) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم ۹۶۸۳ :، ۹۶۸۲) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے فرمایا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقا ہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶۴) اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑے گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت احمد بن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند گھسیٹنا تکبر سے ہے۔[1]

أَبِي أُمَامَةَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَحِقَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ فِي حُلَّةِ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ قَدْ أَسْبَلَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهِ ويتواضع لله وَيَقُول عَبدك وبن عَبْدِكَ وَأَمَتِكَ حَتَّى سَمِعَهَا عَمْرٌو فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلَ (الْحَدِيثَ)۔

ثم قال رسول الله صلى الله عليه و سلم بكفه تحت ركبة نفسه فقال :يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلك فقال :يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلك فقال :يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے کہ حضرت عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند اور چادر کے لباس میں ملبوس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ تہبند ٹخنوں کے نیچے تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کے کپڑے کے کنارے کو پکڑ کر اللہ

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جرثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۴-۳۲۵، دار السلام)

تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ دعا فرمانے لگے :اے اللہ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری کنیز کا بیٹا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو سنا تو نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا :یارسول اللہ ﷺ! میں زیادہ باریک پنڈلیوں والا ہوں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بڑی اچھی تخلیق فرمائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہتھیلی (چار انگلیوں) کو اپنے گھٹنے نیچے رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا :اے عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کو اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا :اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وظاهره أن عمرا المذكور لم يقصد بإسباله الخيلاء وقد منعه من ذلك لكونه مظنة۔

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور نے اپنے (کپڑے) لٹکانے میں تکبر کا قصد نہیں کیا اور اس کو لٹکانے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدگمانی ہوتی ہے۔[2]

درج ذیل عبارت کئی شارحین نے لکھی:

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: لَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يُجَاوِزَ بِثَوْبِهِ كَعْبَيْهِ وَيَقُولَ لَا أَتَكَبَّرُ بِهِ؛ لِأَنَّ النَّهْيَ قَدْ يَتَنَاوَلُهُ لَفْظًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ اللَّفْظُ حُكْمًا فَيَقُولُ إِنِّي لَسْتُ مِمَّنْ يُسْبِلُهُ؛ لِأَنَّ تِلْكَ الْعِلَّةَ لَيْسَتْ فِي فَإِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ وَدَعْوَى لَا تُسَلَّمُ لَهُ بَلْ مِنْ تَكَبُّرِهِ يُطِيلُ ثَوْبَهُ وَإِزَارَهُ فَكَذِبُهُ فِي ذَلِكَ مَعْلُومٌ قَطْعًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''شرح الترمذی'' میں فرمایا :مرد کو جائز نہیں کہ اس کا کپڑا اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں تکبر کی نیت سے نیچے نہیں رکھتا، کیونکہ الفاظ کے اعتبار سے نہی اس پر مشتمل ہے، اور حکم کے اعتبار سے اس کو لفظ کا شامل ہونا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کو لٹکاتے ہیں، کیونکہ مجھ میں وہ علت نہیں ہے، پس بے شک وہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنے کپڑے اور تہبند کو لمبا کرنا ہی اس کے متکبر ہونے سے ہے، تو اس کا اس میں جھوٹا ہونا قطعاً معلوم ہے۔

(جہاں لفظ نہی شامل ہو وہاں اس کی تعلیل بیان کرنا دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ دامن کا لمبا کرنا تکبر پر دلیل ہے)[3]

محمد ابن الشیخ علامہ علی بن آدم بن موسیٰ ایتوبی ولولوی، مدرس دار الخیریہ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں:

هذا الذى قاله ابن العربى رحمه الله تعالى هو عين التحقيق، الذى لا يستقيم غيره مع هذه النصوص الظاهرة فى التحريم، وحاصله أن الاسبال يستلزم جر الثوب، وجر الثوب يستلزم الخيلاء، ولو لم يقصد اللابس الخيلاء، فيحرم عليه، كما دلّت على ذلك ظواهر النصوص الواردة فى النهى عن الاسبال۔

---

[1] (المعجم الکبیر رقم ۷۰۹۰ ج ۸ ص ۲۳۲ مسند الشامیین ج ۲ ص ۲۲۷ فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (طرف التثریب ج ۹ ص ۳۴، ۳۵ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۳، ۲۶۴ تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۴۰۵ دار احیاء التراث العربی بیروت سبل السلام باب الادب ج ۴ ص ۱۵۸ عون المعبود ج ۱۱ ص ۷۶ دار احیاء التراث العربی بیروت نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۲ حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۸۶۱)

ترجمہ: یہ جس کو ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے یہی عین تحقیق ہے، جو تحریم ان ظاہری نصوص کے ساتھ ہے اس کے علاوہ درست نہیں ہو سکتا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا کپڑے کے گھسیٹنے کو مستلزم ہے، اور کپڑے کو گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے، اگر چہ لباس پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، تو اس پر حرام ہوگا، جیسا کہ لٹکانے کے متعلق نہی کے بارے میں نصوصِ واردہ کا ظاہر اس پر دلیل ہے۔[1]

محمد ابن الشیخ العلامۃ علی بن آدم بن موسیٰ الأیتوبی الوَلَوِیْ، مدرس ''دار الخیریّۃ مکۃ المکرمۃ'' لکھتے ہیں:

قد تلخّص مما ذُکر من الأدلة أن جرّ الازار تحت الکعبین حرام، ولو لم یکن بقصد الخیلاء، لأنه ﷺ جعله من المخیلة، وأما بقصد الخیلاء، فهو أشدّ تحریماً، وله الوعید المذکور فی حدیث الباب، وأما ماتقدّم من قول النوویّ: انه مکروه تنزیهًا، فلا یخفی ضعفه، فتبصّر۔

ترجمہ: تحقیق جن دلائل کو ذکر کیا گیا ان کی تلخیص یہ ہے کہ بے شک تہبند کو ٹخنوں کے نیچے گھسیٹنا حرام ہے، اگر چہ تکبر کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو تکبر سے بتایا ہے، اگر تکبر کے ارادہ سے ہو، تو زیادہ سخت حرام ہے، اور باب حدیث میں مذکور وعید اس کے لیے ہوگی اور رہا وہ جو امام نووی کے قول میں سے پہلے گزرا: وہ مکروہ تنزیہی ہے، پس اس کا ضعیف ہونا مخفی نہیں ہے، فتبصر۔[2]

محمد ابن الشیخ العلامۃ علی بن آدم بن موسیٰ الأیتوبی الوَلَوِیْ، مدرس ''دار الخیریّۃ مکۃ المکرمۃ'' لکھتے ہیں:

وخلاصة القول فی هذه المسألة أن الاسبال م حرّم مطلقاً، سواء کان خیلاء، وهو أشد تحریما، أم لا۔

اور اس مسئلہ میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ (کپڑا، یا تہبند، شلوار) لٹکانا مطلقاً حرام ہے، بااعتبار تکبر ہو یا بغیر تکبر کے ہو۔ بااعتبار تکبر ہو تو زیادہ سخت حرام ہے۔[3]

شیخ عبد الحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازار آنحضرت ﷺ از بالائے ناف تا فوق کعبین بودہ واینقدر سنت و ازناف تا زانو ستر فرض ست و بعضے ناف را در عورت نگرفتہ اند چرا کہ ناف حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را آنحضرت ﷺ بوسیدہ اند وہمبریں قیاس سراویل کہ در عجم متعارفست وآنرا شلوار میگوئند بمقدار ازار آنحضرت ﷺ باید اگر زیر شتالنگ باد وسہ چین واقع شود بدعت وگناہ ست ودر حدیث آمدہ کہ گفت رسول علیہ الصلوۃ والسلام: ''لا ینظر اللہ یوم القیامة الی من جر ازارہ بطرا'' یعنی نظر نمیکند خدائے تعالی جلشانہ روز قیامت سوئے کسے کہ بکشد ازار خود را و درازار سازد بطریق تکبر و اسراف وطغیان نعمت وازیں قید معلوم میشود کہ اگر ازروئے تکبر نباشد وبجہت عذرے باشد مثل مرض وردقت کردہ بود ونزد فقہا ازار کہ فروتر از شتالنگ باشد حرام است وبدعت ست محض چنانچہ فرمود رسول علیہ الصلوۃ والسلام: ''من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامة'' وقال علیہ الصلوۃ والسلام: ''ما أسفل من الکعبین من الازار فهو فی النار''۔

ترجمہ: اور آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند مبارک ناف کے اوپر سے ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا اور اسی قدر مسنون ہے اور ناف (کے نیچے) سے گھٹنوں (کے نیچے) تک ستر (یعنی ڈھانکنا) فرض ہے، بعض نے ناف کو ستر عورت (یعنی جس کا چھپانا فرض ہے) قرار نہیں دیا کیونکہ

---

[1] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج ۳۹، ص ۹۲، دار المعراج للنشر الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

[2] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

[3] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ناف کو آنحضرت نے بوسہ دیا ہے۔اسی قیاس پر سراویل (پاجامہ یا شلوار) ہے۔جو سراویل عجم میں متعارف ہے اسے شلوار کہتے ہیں وہ آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازار کی مقدار کے برابر ہونی چاہئے اگر ٹخنوں سے دو تین شکن نیچے ہو تو بدعت وگناہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خدائے عزوجل بروز قیامت اس شخص کی جانب نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو ازراہ تکبر فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری کے طور پر اپنی چادر گھسیٹے اور اسے لمبا کرے۔اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر (چادر کا لمبا ہونا) از روئے تکبر کے نہ ہو بلکہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً (چادر کو) مرض اور تکلیف کی وجہ سے لمبا کیا ہو (تو حرج نہیں)۔اور فقہا کے نزدیک ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو حرام ہے اور محض بدعت ہے چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر (عنایت) نہیں فرمائے گا''۔اور فرمایا: ''تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہے''۔[1]

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز لکھتے ہیں :

اسئلة متفرقة والأجوبة عليها حكم إطالة الثوب سواء كان للخيلاء أو بحكم العادة۔

س. ما حكم إطالة الثوب إن كان للخيلاء أو لغير الخيلاء؟ وما الحكم إذا اضطر الإنسان إلى ذلك سواء إجبارا من أهله إن كان صغيرا أو جرت العادة على ذلك؟

الجواب :حكمه التحريم في حق الرجال، لقول النبي صلى الله عليه وسلم» :ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار « رواه البخاري في صحيحه، وروى مسلم في الصحيح عن أبي ذر رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : »ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم :المسبل إزاره، والمنان فيما أعطى، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. وهذان الحديثان وما في معناهما يعمان من أسبل ثيابه تكبرا أو لغير ذلك من الأسباب، لأنه صلى الله عليه وسلم عمم وأطلق ولم يقيد، وإذا كان الإسبال من أجل الخيلاء صار الإثم أكبر والوعيد أشد لقوله صلى الله عليه وسلم : »ومن جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة « ولا يجوز أن يظن أن المنع من الإسبال مقيد بقصد الخيلاء؛ لأن الرسول لم يقيد ذلك عليه الصلاة والسلام في الحديثين المذكورين آنفا، كما أنه لم يقيد ذلك في الحديث الآخر وهو قوله لبعض أصحابه »وإياك والإسبال فإنه من المخيلة، فجعل الإسبال كله من المخيلة، لأنه في الغالب لا يكون إلا كذلك، ومن لم يسبل للخيلاء فعمله وسيلة لذلك، والوسائل لها حكم الغايات، ولأن ذلك إسراف وتعريض لملابسه للنجاسة والوسخ، ولهذا ثبت عن عمر رضي الله عنه أنه لما رأى شابا يمس ثوبه الأرض قال له :ارفع ثوبك فإنه أتقى لربك وأنقى لثوبك. أما قوله لأبي بكر الصديق رضي الله عنه لما قال» :يا رسول الله إن إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده فقال له صلى الله عليه وسلم :إنك لست ممن يفعله خيلاء « فمراده صلى الله عليه وسلم أن من يتعاهد ملابسه إذا استرخت حتى يرفعها لا يعد ممن يجر ثيابه خيلاء لكونه لم يسبلها، وإنما قد تسترخي عليه فيرفعها ويتعاهدها ولا شك أن هذا معذور، أما من يتعمد إرخاءها سواء كانت بشتا أو سراويل أو إزارا أو قميصا فهو داخل في الوعيد وليس معذورا في إسباله ملابسه، لأن الأحاديث الصحيحة المانعة من

---

[1] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس، ص، ۴۵، ۴۶، ۴۷، رسالہ ضیاء القلوب فی لباس المحبوب، خلاصۃ الفتاوی، ج، ۳، ص، ۱۵۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

الإسبال تعمه بمنطوقها وبمعناها ومقاصدها فالواجب على كل مسلم أن يحذر الإسبال وأن يتقي الله في ذلك، وألا تنزل ملابسه عن كعبه عملا بهذا الحديث الصحيح، وحذرا من غضب الله وعقابه. والله ولي التوفيق۔

سوال: کپڑا دراز رکھنے کا کیا حکم ہے۔خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں۔اگر وہ چھوٹا ہو یا عادت ہی ایسی رائج ہوگئی ہو؟

جواب: مردوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔(بخاری ،مسلم) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ایک اپنا تہبند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا از راہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ از راہ تکبر ہو، درست نہیں۔کیونکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو یہ بھی تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔یہ کام اسلئے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے :''اپنا کپڑا اونچا کر لے۔یہ تیرے پروردگار کے لئے تقوی اور تیرے کپڑے کے لئے صفائی والا کام ہے''۔رہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد۔جب انہوں نے کہا: ''اے اللہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا تہبند سرک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں''۔تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں''۔اس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہوگا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو اور پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے۔مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم ومعنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے ڈرے۔۔۔اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[1]

قال يحرم على الرجل أن يجاوز بثوبه الكعبين ويستحب أن يكون في أنصاف الساق إلى ما فوق الكعبين ففي الصحيح سترة المؤمن إلى أنصاف ساقيه فإن زاد فإلى الكعبين فما زاد ففي النار۔

فرمایا: مرد پر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور ٹخنوں کے اوپر سے لے کر نصف پنڈلی تک مستحب ہے، پس صحیح (قول) میں مومن کا

---

[1] (مجموع فتاویٰ ابن باز، اطالۃ الثوب، ج۶، ص۳۸۲، ۳۸۳)

پردہ نصف پنڈلیوں تک ہے اگر زیادہ کرے تو ٹخنوں تک ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ حصہ دوزخ میں جائے گا۔[1]

ابو مالک کمال بن سید سالم، لکھتے ہیں:

فالحاصل أن إسبال الثوب تحت الكعبين حرام ويستحق فاعله أن يُعذَّب، ماتحت الكعبين في النار -

ترجمہ: پس حاصل کلام یہ ہے کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، اور کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا عذاب کا مستحق ہے، جو ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔[2]

محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں:

واختلف العلماء في صحة صلاته، فمنهم من قال :إن صلاته صحيحة لكنه آثم بإسبال ثوبه، ومنهم من قال :إن صلاته غير صحيحة؛ لأنه لبس ثوباً محرماً والراجح أن صلاته صحيحة، لكنه آثم بالإسبال۔

ترجمہ: اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکانے والا گناہ گار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے حرام لباس پہنا ہے، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا گناہ گار ہے۔[3]

سعید بن علی بن وھف قحطانی، لکھتے ہیں:

وهذه الأحاديث تدل على أن إسبال الثياب والعمائم، والمشالح، والسراويل من كبائر الذنوب. وأن المسبل من الرجال إن كان متكبراً فقد ارتكب كبيرتين :الكبر، والإسبال، وإن لم يكن متكبراً فقد ارتكب كبيرة الإسبال۔

ترجمہ: اور یہ (مذکورہ بالا) احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ کپڑے اور عمامے اور شلواریں ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور بے شک ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اگر متکبر ہے تو اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر متکبر نہیں ہے تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔[4]

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند، لکھتے ہیں:

س :هل إسبال الملابس لغير الخيلاء محرم أم لا؟

ج :إسبال الملابس للرجال محرم سواء كان الخيلاء أو لغير الخيلاء، ولكن إذا كان للخيلاء فإن عقوبته أشد وأعظم۔

س : کیا بغیر تکبر کے ٹخنوں سے کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام ہے یا نہیں؟

ج : مردوں کے لیے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو، اور لیکن جب تکبر کے طور پر ہو تو اس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ بڑی ہے۔

---

[1] (الذخرۃ، باب فرع، ج ۱۳، ص ۲۶۵)

[2] (صحیح فقہ السنۃ وادلتہ وتوضیح مذاہب الائمۃ، اللباس والزینۃ للرجال، ج ۳، ص ۱۲)

[3] (اللقاء الشہری ج ۴ ص ۱۵)

[4] (الصیام فی الاسلام فی وعاء الکتبا والسنۃ، ج ۱، ص ۶۵۹، صلاۃ العیدین، ج ۱، ص ۱۵۰، صلاۃ المومن، ج ۲، ص ۹۶۱)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

ان الاسبال یکون فی الازار والقمیص والعمامة وأنه لایجوز اسباله تحت الکعبین ان کان للخیلاء فان کان لغیرها فهو مکروه وظواهر الأحادیث فی تقییدها بالجر خیلاء تدل علی أن التحریم مخصوص بالخیلاء وهکذا نص الشافعی علی الفرق کماذکرنا وأجمع العلماء علی جواز الاسبال للنساء وقد صح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم الاذن لهن فی ارخاء ذیولهن ذراعا واللہ أعلم وأما القدر المستحب فیما ینزل إلیه طرف القمیص والازار فنصف الساقین کما فی حدیث ابن عمر المذکور وفی حدیث أبی سعید ازاره المؤمن إلی أنصاف ساقیه لاجناح علیه فیما بینه وبین الکعبین ما أسفل من ذلک فهو فی النار فالمستحب نصف الساقین والجائز بلا کراهة ماتحته إلی الکعبین فما نزل عن الکعبین فهو ممنوع فان کان للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والافمنع تنزیه وأما الأحادیث المطلقة بأن ماتحت الکعبین فی النار فالمراد بها ما کان للخیلاء لانه مطلق فوجب حمله علی المقید۔

ترجمہ: تہبند، قمیص اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث میں کپڑا لٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حرام ہونا تکبر کے ساتھ مخصوص ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے، اور عورتوں کے لیے کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے، لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک تہبند لٹکانا مستحب ہے، اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے، اور جن احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو، کیونکہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔[1]

محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

وبهذا نعرف قول النووي رحمه الله بتحریم الإسبال خیلاء وکراهیته لغیر الخیلاء والصحیح أنه حرام سواء کان لخیلاء أم لغیر خیلاء بل الصحیح أنه من کبائر الذنوب لأن کبائر الذنوب کل ذنب جعل الله علیه عقوبة خاصة به وهذا علیه عقوبة خاصة ففیه الوعید بالنار إذا کان لغیر الخیلاء وفیه وعید بالعقوبات الأربع إذا کان خیلاء لا یکلمه الله یوم القیامة ولا ینظر إلیه ولا یزکیه وله عذاب ألیم۔

ترجمہ: اور اس سے ہم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہچانتے ہیں کہ تکبر کے ارادہ سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو حرام ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ہر کبیرہ گناہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، اور اس (اسبال) پر بھی ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، پس جب بغیر تکبر کے ہو تو اس پر آگ کی وعید ہے، اور جب تکبر کے ساتھ ہو تو اس پر چار سزاؤں کی وعید ہے:

---

[1] (شرح النووی علی مسلم، ج ۲، ص ۱۹۴، ۱۹۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا، (۲) اور اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں دیکھے گا، (۳) اور اس کو پاک نہیں فرمائے گا، (۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔[1]

محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ شوکانی یمنی لکھتے ہیں:

وَقَدْ جَمَعَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ رِسَالَةً طَوِيلَةً جَزَمَ فِيهَا بِتَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ مُطْلَقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق بعض متاخرین نے ایک بہت بڑا رسالہ جمع کیا ہے، اس میں جزم کیا ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً حرام ہے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ورأى ابن عمر رجلا يجر إزاره فقال إن للشيطان إخوانا كررها مرتين أو ثلاثا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔[3]

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ جسے آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ہندولی خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا لکھتے ہیں:

ٹخنوں کے نیچے لباس کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تہبند، شلوار اور پاجامہ کے پائنچہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منافقوں کی علامت ہے اور جو شخص تہبند، شلوار کا پائنچہ لمبا کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان ہے پھر فرمایا جو شخص شلوار، پاجامہ، تہبند کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

پھر حضرت ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑے میں اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ صرف کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں کہ مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں کے بدلے عذاب ہوتا ہے، ایک کفن کی فضول خرچی کرنے سے اور دوسری چیز لباس کا ٹخنوں نیچے کرنا ہے۔[4]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَنَّ أُزْرَهُمْ إِلَى أَنْصَافِ سُوقِهِمْ. قَالَ الطِّيبِيُّ فِيهِ إِدْمَاجٌ بِمَعْنَى التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ، لِأَنَّ مَنْ شَدَّ إِزَارَهُ إِلَى سَاقِهِ تَشَمَّرَ لِمُزَاوَلَةِ مَا اهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، أَوْ يَكُونَ كِنَايَةً عَنِ التَّوَاضُعِ، كَمَا أَنَّ جَرَّ الْإِزَارِ كِنَايَةٌ عَنِ الْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ۔

---

[1] (شرح ریاض الصالحین ج ۴ ص ۲۸۷)

[2] (نیل الاوطار کتاب اللباس باب الرخصۃ فی اللباس الجمیل ج ۱ ص ۶۴۱ دار الکلم الطیب بیروت)

[3] (احیاء العلوم بیان ذم الاختیال واظہار الکبر فی مشی وجر الثیاب ج ۳ ص ۴۶۲، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ)

[4] (انیس الارواح، ہشت بہشت، ص ۵۳)

ترجمہ: ان کا ازار تہبند نصف ساق تک ہوگا۔ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں ادماج ہے اس معنی: التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ۔ کیونکہ جو شخص تہبند پنڈلی تک کس لیتا ہے تو اس سے کسی اہم کام کے لئے تیار ہونا سمجھا جاتا ہے، یا یہ کنایہ ہے تواضع سے۔ جیسے ازار کا لٹکانا تکبر سے کنایہ ہوتا ہے۔[1]

وفی الشمائل عن عبید بن خالد المحاربی قال بینما انا امشی بالمدینة اذا نسان خلفی یقول :ارفع ازارک فانه اتقی وفی روایة انقی۔۔ فالتفت فاذا هو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ ﷺ انما هی بردة ملحاء قال امالک فِیَّ اسوة، فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔۔۔ وعن حذیفة قال اخذ رسول اللہ ﷺ بعضلة ساقی او ساقه فقال :هذا موضع الازار، فان ابیت فاسفل فان ابیت فلا حق للازار فی الکعبین۔ شمائل میں ہے کہ عبید بن خالد محاربی نے کہا کہ میں مدینہ میں جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند کو اونچا کرو کیونکہ یہ تقویٰ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح یہ پاک رہے گی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ بہت قیمتی اور عمدہ چادر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : کیا تمہارے لئے میرے طریقے (سنت) میں کامل نمونہ نہیں ہے؟ پس جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک آدھی پنڈلی تک اونچا تھا۔۔۔ حضرت حذیفہ ص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری یا اپنی پنڈلی کے درمیان سخت گوشت کو پکڑ کر فرمایا : یہ تہبند کی جگہ ہے اور اگر تم یہاں تک نہیں رکھنا چاہتے تو اس سے ذرا نیچے کرلو اور اگر اس سے اور نیچے کرنا چاہتے ہو تو ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔[2]

اور ابو داؤد شریف میں ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :نعم الرجل خریم الاسدی لو لا طول جمته واسبال ازاره فبلغ ذلک خریما فجعل فاخذ شفرة فقطع بها جمته الی أذنیه ورفع ازاره الی انصاف ساقیه۔ آپ ﷺ نے فرمایا خریم اسدی بہت اچھا شخص ہے اگر اس کے سر کے بال بڑے نہ ہوتے اور تہبند نیچا نہ ہوتا، جب یہ خبر خریم اسدی کو پہنچی تو چھری لے کر بال کاٹ ڈالے اور کانوں تک کرلئے اور تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا کرلیا۔ [3]

درج بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عمر جیسے صحابی کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خود فرمایا :**نعم الرجل عبد اللہ۔** عبد اللہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔ (بخاری ص ۱۵۱، ج ۱، باب التہجد، نور محمد کراچی) حضرت خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنا تہبند اونچا کرو جو اس وقت ٹخنوں سے نیچے تھا اور اتنا زیادہ اونچا کرادیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا اور اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ آدھی پنڈلی تک رہتا۔

درج بالا حدیث سے ان باتوں کا استنباط ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو تہبند اونچا کرنے کا جو حکم دیا تو کیا ان کے دل میں تکبر تھا؟ کیونکہ تہبند نیچے کرنا متکبرین کی نشانی ہے، اور اگر ان کے دل میں تکبر نہیں تھا تو آپ ﷺ نے ان کو تہبند لٹکانے کی رخصت کیوں عطا نہیں فرمائی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرما کر رخصت دی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ جب آپ ﷺ نے بار بار عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کو جو تہبند اوپر کرنے کا حکم فرمایا، اگر عام حالت سے اوپر کرنے کے لئے فرمان نبوی ﷺ کے موافق بار بار اوپر چڑھانا (سمیٹنا اور اڑسنا) مکروہ ہے تو پھر تو ان صحابہ نے بھی

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ج ۱۰ ص ۴۲ المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[2] (مرقات ج ۸ ص ۱۶۹، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ، پشاور)

[3] (ابو داؤد شریف، کتاب الباس ص ۵۶۵) (المستدرک علی الصحیحین، ج ۵ ص ۱۱۹)

(نعوذ باللہ!) مکروہ کام کیا کیونکہ اس عمل کو بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب کے حکم میں داخل مان کر مکروہ قرار دیا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ جب عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کا اس طرح اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور اڑسنا مکروہ ہے تو آپ ﷺ کی موجودگی میں مکروہ کام ہو رہا ہے اور آپ ﷺ اس کو منع نہیں فرما رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی خلاف شرع کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کے دل میں تکبر نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو بار بار کپڑا اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا، اسی طرح ان صحابہ کا اپنے تہبند کو اوپر اٹھانا (اڑسنا سمیٹنا) بھی مکروہ نہیں تھا ورنہ آپ ﷺ ضرور ان کو اس طرح کرنے سے منع فرماتے۔

درج بالا روایات سے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ کو سچا عاشق رسول ﷺ کہتے ہیں اور شلوار کو فرمان نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور جمہور صحابہ کے عمل کو پس پشت ڈال کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تخصیصی عمل کو دلیل بنا کر مکروہ کام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اب ہم ذیل میں وہ روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو تہبند (شلوار وغیرہ) ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا حکم دیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ہستیوں کے بارے میں ہم بدگمانی نہیں کر سکتے کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی تکبر تھا اس لئے ایک دوسرے کو اس کام کا حکم دیتے تھے تاکہ کراہت تحریمی سے (بوجہ خیلاء، تکبر) بچیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ **فلما ادبر اذا ازاره يمس الارض قال ردوا علی الغلام قال يا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک واتقی لربک۔** ایک لڑکا آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ جب واپس جانے لگا، اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس بلاؤ۔ پھر اس سے فرمایا: اے بھتیجے، اپنا کپڑا (ازار یا شلوار) اوپر کر۔ بے شک یہ تیرے کپڑے کے لئے پاکیزگی اور صفائی ہے اور تیرے ربّ کے لئے تقویٰ ہے۔ [1]

۲۔ **عن جبير بن مطعم أنه كان جالساً مع ابن عمر اذ مر فتى شاب عليه حلة صنعانية يجرها مسبل قال: يا فتى هلم قال له الفتى: ما حاجتک يا أبا عبد الرحمٰن قال: ويحک أتحب أن ينظر الله اليک يوم القيامة قال: سبحان الله وما يمنعنى أن لا أحب ذلک قال: سمعت رسول الله ﷺ [يقول] لا ينظر الله الى عبد يوم القيامة يجر ازاره خيلاء قال: فلم ير ذلک الشاب الا مشمراً حتى مات بعد ذلک اليوم۔** [2]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان صنعانی لباس پہنے ازار کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے گزرا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان یہاں آؤ! اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو برباد ہو، کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے نظر رحمت سے دیکھے؟ اس نوجوان نے کہا: پاک ہے اللہ۔ مجھے کس نے منع کیا ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت

---

[1] (بخاری ص ۵۲۴، ج ۱، کتاب المناقب، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان، نور محمد کراچی)

[2] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۴)

کے دن اس بندے کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے ازار کو تکبراً گھسیٹتا ہو۔ پھر اس نوجوان کو مرتے دم تک اپنے ازار کو اونچا رکھتے دیکھا گیا۔

عن أبی الحجاج بن سعید الثقفی عن رجل من قومه قال :مر برسول الله ﷺ رجل یجر ازاره فقال رسول الله ﷺ: ارفع ازارک فان الله عز و جل لا یحب المسبلین فقال :ان بساقی حموشة فقال رسول الله ﷺ :ما بازارک أقبح ما بساقک۔[1]

ترجمہ : حجاج بن سعید ثقفی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس سے اپنا ازار لٹکائے ہوئے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنا ازار اونچا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس شخص نے کہا میری پنڈلی میں زخم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا : جو برائی تیرے ازار لٹکانے میں ہے وہ تیرے پنڈلی کے زخم سے زیادہ بری ہے۔

۳۔ أخبرنا أبو بکر الفارسی أنا أبو اسحاق الأصبهانی ثنا أبو أحمد بن فارس ثنا محمد بن اسماعیل قال :وقال خطاب الحمصی ثنا بقیة عن مسلم بن زیاد قال :رأیت أربعة من أصحاب النبی ﷺ أنس بن مالک و فضالة بن عبید و أبا المنیب و فروخ بن سیار بن فروخ یرخون العمائم من خلفهم و ثیابهم الی الکعبین۔[2]

ترجمہ : مسلم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے چار اصحاب، حضرت انس بن مالک، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو منیب، اور فروخ بن سیار بن فروخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کو دیکھا کہ وہ اپنے عمامے (کے شملے) اپنی پیٹھ پر ڈالتے اور اپنے ازار کو ٹخنوں تک رکھتے۔

عن الأشعث بن سلیم عن عمته عن عمها قال :بینما أنا أمشی فی سکة من سکک المدینة اذ نادانی انسان من خلفی: ارفع ازارک فانه أتقی و أنقی قال :فنظرت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت :یا رسول الله انما هی بردة ملحاء قال :أما لک فیّ أسوة فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقه۔[3]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا ''ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی'' اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا : کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :دخل شاب علیٰ عمر، فجعل الشاب یثنی علیه، قال : فرآه عمر یجر ازاره، فقال :له :یا ابن أخی، ارفع ازارک، فانه اتقیٰ لربک و انقیٰ لثوبک، قال :فکان عبد الله یقول :یا عجباً لعمر أن رأی حق الله علیه، فلم یمنعه ما هو فیه أن تکمل به۔[4]

---

[1] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۶)

[2] (شعب الایمان، ج ۵، ص ۱۷۶)

[3] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۵۰)

[4] (مصنف ابن ابی شیبة حدیث ۲۵۳۱۲ کتاب اللباس باب فی جرّ الازار و ما جاء فیه، و مکتبة امدادیة ملتان ج ۶ ص ۲۷ رقم ۱۰)

ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنا شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے ازار کو (ٹخنے سے نیچے) لٹکایا ہوا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اپنے ازار کو اوپر کرو، یہ تمہارے رب کے نزدیک تقویٰ میں بہتر اور تمہارے کپڑے کے لئے زیادہ صفائی کا باعث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عجیب شخصیت تھی کہ اگر اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھتے تھے تو ان کو وہ چیز جو ان کے اندر تھی (یعنی کسی کی تعریف وغیرہ کرنا) اللہ کے حق کی ادائیگی میں کلام کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی ایک اور روایت میں ہے۔

عن خرشة بن الحر قال: رأيت عمر بن الخطاب ومر به فتى قد أسبل إزاره وهو يجره، فدعاه فقال له: أحائض أنت؟ قال: يا أمير المؤمنين! وهل يحيض الرجل؟ قال: فما بالك قد أسبلت إزارك على قدميك، ثم دعا بشفرة ثم جمع طرف إزاره فقطع ما أسفل الكعبين، وقال خرشة: كأني أنظر إلى الخيوط على عقبيه۔

ترجمہ: حضرت خرشہ بن الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کا تہبند گھسٹ رہا تھا اور وہ اسے گھسیٹے جا رہا تھا تو آپ نے اسے بلا کر کہا: کیا (عورتیں کی مخصوص بیماری) حیض سے ہو؟ اس نے کہا: امیر المومنین! کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنا ازار اپنے پیروں پر ڈال رکھا ہے۔ پھر چھری منگوائی اور اس کا ازار مٹھی میں پکڑ کر ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا، خرشہ فرماتے ہیں: گویا میں دھاگوں کو اس کی ایڑیوں پر دیکھ رہا ہوں۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

ان الاسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللباس الخيلاء ويؤيد ما رواه ابن عمر مرفوعا الى النبي ﷺ قوله: وإياك وجر الازار فان جر الازار من المخيلة۔[2]

یعنی اسبال کے ساتھ کپڑے لٹکانا لازم ہے اور کپڑے لٹکانے کے ساتھ تکبر لازم ہے اگرچہ کپڑے پہننے والے کی نیت تکبر کی نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے مرفوع روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کہ یہ تکبر کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جابر بن سلیم کی روایت کردہ حدیث میں ہے: **قال النبي ﷺ إياك واسبال الازار فان اسبال الازار من المخيلة ولا يحبها الله۔** آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں: **قال ابن العربي: لا يجوز للرجل ان يجاوز بثوبه كعبه ويقول لا اجرّه خيلاء لان النهي قد تناوله لفظا ولا يجوز لمن تناوله اللفظ حكما ان يقول لا امتثله لان تلك العلة ليست فيّ فانها دعوىٰ غير مسلمة بل اطالته ذيله دالة على تكبره۔** ابن عربی نے کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کو تکبر کی نیت سے نہیں لٹکاتا کیونکہ ممانعت اس کو بھی لفظاً شامل ہے، اور ہر اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس کے کسی کام کے ساتھ ممانعت لفظی طور پر شامل ہو کہے کہ میں اس ممنوع کام کا مرتکب نہیں ہوں کیونکہ مجھ میں ممانعت کی وہ علت نہیں پائی جاتی (اس کہنے کے

---

[1] (جامع الاحادیث، رقم ۳۰۰۵۸: بیہقی، کنز العمال، رقم ۴۱۸۸۷: ج ۱۵، ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (فتح الباری، ص ۳۷۷ ج ۱۲ کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

باوجود) اس کا یہ دعویٰ باطل اور غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ اس کا اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے سے لٹکانا اس کے تکبر (متکبر ہونے) کی علامت ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو تکبر کی نشانی قرار دیا اگر چہ اس کی نیت تکبر کی نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیا اگر چہ متکبرین دعویٰ کریں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے :عن عمرو بن شرید قال ابعد (ابصرہ من بعد) رسول اللہ ﷺ رجلا یجر ازارہ فأسرع الیہ او ھرول فقال :ارفع ازارک واتق اللہ قال انی احنف تصطک رکبتای، فقال :ارفع ازارک فان کل خلق اللہ عزو جل حسن فما رؤی ذلک الرجل بعد الا ازارہ یصیب انصاف ساقیہ او الی انصاف ساقیہ۔[1]

عمر بن شرید نے کہا آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دور سے دیکھا جو اپنے ازار (تہبند) کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے ہوئے جا رہا تھا آپ ﷺ اس کی طرف دوڑ کر گئے اور فرمایا۔ اپنے تہبند کو اونچا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے کہا میرے پاؤں ٹیڑھے (بدصورت) ہیں اس سے میرے گھٹنے چھپ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ازار کو اونچا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (انسان) خوبصورت ہے، اس کے بعد وہ آدمی جب بھی دیکھے گئے تو ان کا ازار آدھی پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر یہ نہیں فرمایا : کیا تم تکبر کی نیت سے اس طرح کرتے ہو؟ اگر وہ جواب دیتے کہ ہاں تو آپ ﷺ اس کو منع فرماتے ورنہ رخصت عطا فرماتے کہ جب تکبر نہیں تو ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ اس حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ اس صحابی نے تکبر کی نفی فرما کر پاؤں کی بدصورتی کی علت کا تذکرہ کیا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھو، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شلوار کو مطلقاً ٹخنوں سے نیچے رکھنا تقویٰ کے منافی اور ممنوع ہے۔

مفتی ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صحیح بخاری کے باب ''من جر ثوبہ من الخیلاء'' کے تحت لکھتے ہیں : نسائی اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا جو اپنے کپڑے کو براہ تکبر گھسیٹے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، چونکہ حدیث میں لفظ ''من'' عام تھا جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہے تو اس سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت لٹکائیں، عرض کیا کہ اتنے سے ان کے قدم کھل جائیں گے؟ فرمایا ایک ہاتھ لٹکائیں اس سے زیادہ نہ کریں۔

یہاں ایک بات یہ قابل غور ہے کہ عورتیں اپنے دامن کو تکبراً نہیں لٹکاتی تھیں بلکہ اپنے قدموں کو چھپانے کے لئے لٹکاتی تھیں جو فرض ہے تو اگر ازار کا تکبراً ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہوتا تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی، اس سے سمجھ میں آیا کہ ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے اگر چہ براہ تکبر نہ ہو جیسا کہ علامہ نووی نے افادہ فرمایا۔[2]

اب دور حاضر میں فیشن اور فخر سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے اہل علم و عوام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیر اختیاری فعل کو اپنے لئے دلیل بنا لیا ہے یہ بھی ان لوگوں کے تکبر کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کو ثواب کمانا ہوتا اور شریعت پر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تو ان تمام دلائل کو مدنظر رکھتے جن میں آپ ﷺ کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور ایک دوسرے کو تہبند اور شلوار اونچا

---

[1] (مسند احمد، فتح الباری، ص ۳۷۸ ج ۱۲، کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

[2] (نزہۃ قاری ص ۵۱۹، ج ۵، کتاب اللباس فرید بک اسٹال لاہور)

کرنے کا حکم موجود ہے، اور علامہ مفتی ہند مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے نہ کہ تکبر کی نیت ہے۔

آدھی پنڈلی تک تہبند (شلوار وغیرہ) اونچا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا فرشتوں کی سنت ہے : دور حاضر میں کپڑے لٹکانے والے حضرات اپنے تکبر کو برقرار رکھنے اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لئے یہ جواز ڈھونڈتے ہیں کہ شلوار کو آدھی پنڈلی تک اٹھانا اچھا نہیں لگتا اور یہ اس لئے مکروہ ہے کہ جب کوئی اس حال میں دنیاوی اشراف کے پروگراموں میں ان کے سامنے نہیں جاسکتا تو اس لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا بھی نامناسب اور مکروہ ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس لباس کو یہ لوگ مکروہ اور بدمذہب سے مشابہ قرار دیتے ہیں عین وہی لباس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا لباس ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں :عن بريدة قال قال رسول الله ﷺ :اتزروا كما رأيت الملائكة تتزر عند رب العالمين، قالوا :كيف تتزر الملائكة عند رب العالمين؟ قال الى انصاف سوقها۔

ترجمہ : حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :اس طرح تہبند (شلوار وغیرہ) باندھا کرو جس طرح میں نے فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ میں باندھے دیکھا ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا فرشتے کیسے ازار باندھے ہوئے تھے؟ فرمایا : آدھی پنڈلی تک۔

عن عبد الله بن عبيد بن عمير قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لأصحابه ارفعوا أزركم ارفعوا ارفعوا قال فرفعوها إلى ركبهم ثم قال اخفضوا اخفضوا فخفضوها إلى أنصاف سوقهم ثم قال إني رايت الملائكة ولباسهم هكذا أو أزرهم هكذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: اپنے تہبندوں کو اونچا کرو، اونچا کرو، راوی فرماتے ہیں کہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھٹنوں تک اونچے کر لیے، پھر فرمایا : نیچے کرو، نیچے کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی نصف پنڈلیوں تک کر لیے، پھر فرمایا : میں نے فرشتوں کو اور ان کے لباس کو اسی طرح دیکھا یا ان کے تہبندوں کو اسی طرح دیکھا۔[1]

متکبرین کے لئے آنسو بہانے کا مقام عبرت : درج بالا حدیث کو دیکھ کر وہ حضرات (علماء وخواص) اپنے کئے اقوال واعمال پر پشیمان و رنجیدہ ہو کر سر بسجود ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔ جنہوں نے آج تک سنت نبوی ﷺ کی مخالفت بھی کی اور دوسروں کے لئے بھی مانع رہے اور اپنے عمل اور اپنے عمل کے درست ہونے کے دلائل بھی دیئے جو کہ محض باطل ہیں حالانکہ یہی لباس جس کو یہ اہل علم باعث شرم و عار سمجھتے ہیں عین یہی لباس اللہ تعالیٰ کے نورانی ومعصوم فرشتوں کا لباس ہے اور بارگاہ خداوندی کے شایان شان بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی لباس نصیب فرمائے۔ آمین۔

سنت لباس

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام مفتی محمد بن ابو بکر حنفی المعروف، امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (مصنف عبد الرزاق، باب اسبال الازار، رقم ۲۰۱۵۹ : دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَمِيصًا كُمَّهُ إِلَى الرُّسْغِ وَ يَلْبَسُ قَمِيصًا ذَيْلُهُ فَوْقَ الْكَعْبَيْنِ ، مُسْتَوِيَ الْكُمَّيْنِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ، فَعَلَى هَذَا تَقْصِيرُ الثِّيَابِ سُنَّةٌ۔

ترجمہ: اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی قمیص پہنتے اس کے بازو کلائی تک پہنتے ،اور قمیص پہنتے اس کا دامن ٹخنوں کے اوپر ہوتا، بازو اپنی انگلیوں کے کناروں کے برابر رکھتے تھے، اسی وجہ سے کپڑوں کا لمبا نہ کرنا سنت ہے۔[1]

حضرت علامہ قطب العارفین غوث الواصلین ابوسعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(تَقْصِيرِ الثِّيَابِ) إِذْ السُّنَّةُ جَعْلُهَا لِأَنْصَافِ السَّاقِ، وَهُوَ مُبَاحٌ إِلَى الْكَعْبِ وَمَا جَاوَزَهُ حَرَامٌ مَعَ الْخُيَلَاءِ مَكْرُوهٌ عِنْدَ فَقْدِهَا۔

ترجمہ: (کپڑوں کو لمبا نہ کرنا) اس کو جب نصف پنڈلی تک بنانا سنت ہے، اور یہ ٹخنے تک جائز ہے اور تکبر کے ساتھ ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے، بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔[2]

کیا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وہابیوں کی نشانی ہے؟

دور حاضر کے وہ اہل علم وعوام جو فیشن یا فخر کی وجہ سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں، استفسار کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کرنا وہابیوں، دیوبندیوں کا طرز عمل ہے اس لئے ہم ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں بدمذہبوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اب ہم اس بات کی ذرا وضاحت کرتے ہیں کہ کسی بدمذہب سے کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع ہے اور کن میں جائز، اور آیا ان متکبرین کا ایسا کہنا کہاں تک درست ہے، اور اس تشبیہ کے علاوہ ان متکبرین میں کوئی اور ایسے اعمال ہیں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی بدمذہب کی نشانیاں بھی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے :عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا : جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: یعنی جو شخص دنیا میں کفار، فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا، اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاء اللہ متقیوں کے زمرے میں اٹھے گا۔[3]

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے :

''امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں :انا ممنوعون من التشبیہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ و لو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفر و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

---

[1] (شرعۃ الاسلام، فصل فی سنن اللباس واجبہ، ص ۱۴۱، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج ۳، ص ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج ۳، ص ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[3] (مرآت شرح مشکوٰۃ، ج ۶ کتاب اللباس، الفصل الثانی نعیمی، کتب خانہ گجرات)

''ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکیا گیا، خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے، لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے۔

اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ تشبہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بدمذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔''[1]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں :

مسئلہ : جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت ولباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ ونیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[2]

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں ''درمختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبه بهم لا يكره في كل شيء بل في المذموم وما يقصد به التشبه۔ اور شرح فقہ اکبر میں ہے : **فانا ممنوعون من التشبه بالكفرة واهل البدعة المنكرة في شعارهم لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة او من افعال الكفرة واهل البدعة فالمدار على الشعار۔** لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[3]

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر وگمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنا منافقین کی نشانی ہے نہ کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا بدمذہبوں کی نشانی ہے : ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات حدیث ''من تشبه بقوم فهو منهم'' کو سامنے رکھ کر اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے سنت نبوی ﷺ اور سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بدمذہبوں کی تشبیہ قرار دے کر اپنے نفس کی غلامی پر خوش ہو رہے ہیں مگر اس حدیث کی طرف التفات تک نہیں فرماتے کہ جس میں شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں :-**علامة المنافق تطويل سراويله فمن طول سراويله حتى يدخل تحت قدميه فقد عصى الله ورسوله، ومن عصى الله ورسوله فله نار جهنم۔** منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کی شلوار لمبی ہوگی، جس نے اپنی شلوار اتنی لمبی سلوائی کہ وہ قدموں کے نیچے داخل ہو جاتی ہو تو اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اور جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔[4]

---

[1] (فتاوی رضویہ، ص ۳۴۵-۳، ج ۲۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[2] (مرآت شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج ۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

[3] (فتاوی جمیلیہ ص ۵، کتاب الحظر والاباحۃ، شبیر برادز)

[4] (کنز العمال، ص ۳۱۷، ج ۱۵، الفصل الثانی فی محظوارت اللباس، الاکمال، البیروت)

معلوم ہوا کہ آج کل جو خواص وعوام فیشن اور فخر کے لئے جو لمبی لمبی شلواریں سلواتے ہیں تو یہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کا سامان ہے۔

کیا شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھنا آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں؟

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا بظاہر یہ کہنا کہ چونکہ شلوار کو اونچی رکھنے میں وہابیوں سے تشبیہ آتی ہے اس لئے ہم اس سے قاصر ہیں (حالانکہ دل میں فخر اور فیشن کی بات ہوتی ہے جو ان کے طرز عمل سے معلوم ہو رہا ہے) تو کیا ان لوگوں کو اتنی تعداد میں درج بالا دلائل معلوم نہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچی رکھنا کسی بدمذہب قوم کی نشانی یا شعار نہیں بلکہ ہمارے آقا و مولیٰ جہان محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبوب سنت اور حسین ادا ہے، اور یہی عمل ان کی طرف سے مامور بہ بھی ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس محبوب سنت کو کسی بدمذہب کی نشانی قرار دیتا ہے تو از روئے شریعت اس کا ایمان ضرور خطرے میں ہے، اور کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنت مصطفیٰ ﷺ کو ترک کریں ورنہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ تو کیا احکامِ خداوندی پر بظاہر بہت سے گمراہ اور بے دین لوگ مسلمانوں سے بڑھ کر عامل ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ہم فرائض کو بھی ترک کریں گے؟

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سنت کو کسی ناپسند گروہ یا جماعت کی مخالفت کی نیت سے کار ثواب سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کا مرتکب جاہل، بدترین قسم کا بدعتی اور گمراہ ہے، اور اس عمل کے مرتکب علماء وخواص اور عوام سب کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علی الاعلان مکروہ کام کی وجہ سے توبہ بھی علی الاعلان کریں۔

متکبرین پر ایک الزامی سوال : ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کے اس قول پر کہ ہم دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کے لئے اس مکروہ کام کا ارتکاب کر کے خلاف سنت سنی کہلانے پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کی مشابہت نہیں کریں گے تو ان حضرات سے التماس ہے کہ کتب احادیث وسیرت میں آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں (لمہ، جمہ، وفرہ) تو آج کل کے اہل علم حضرات کے جو سر کے بال آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسموں سے خارج ہیں تو یہ کس کی سنت اور طریقہ ہے کیونکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک تو ان تین قسموں کے اندر اندر تھے۔ تو کیا اس وقت ان کو حدیث ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' یاد نہیں رہتی کہ انگریزوں (غیر مسلموں) کے طرز پر بال رکھ کر فرائض و واجبات ادا کرتے ہیں تو کیا اس تشبیہ سے ان کی نمازوں، دیگر اعمال اور عشق مصطفی ﷺ کے دعوؤں میں کوئی کراہت اور نقصان نہیں آتا حالانکہ عشق ومحبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر ادا محب اور عاشق کے لئے تسکین کا سامان ہے۔

غیر سلامی (انگریزی) بال رکھنا کفار اور فساق سے تشبیہ کی بناء پر ممنوع وناجائز ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں : بالوں کی نسبت شرع مطہر میں دو طریقے آئے ہیں : ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں، یہ خاص سنت حضور سید المرسلین ﷺ کی ہے، حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا ﷺ سے حلق ثابت نہیں، حضور ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ وعمرہ القضاء وحجۃ الوداع میں حلق، **علی ما نقلہ علیّ القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابیح**، (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے) دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں، یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی

بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے، ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت، اور یہ نئی نئی تراشیں مثلاً ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروا دینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے ۔۔۔۔۔ یہ باتیں مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔[1]

مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں : انگریزی اور ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ و ناجائز ہے کہ کافروں اور فاسقوں کا طریقہ ہے، وھو تعالیٰ اعلم۔[2]

درج بالا عبارات اہلسنت بلکہ امام اہلسنت سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے تشبیہ کی رٹ لگانے والے اہل علم وتصوف کا عمل بالوں کے حوالے سے کس کے مشابہ ہے؟ آیا سید المرسلین ﷺ یا مولی علی رضی اللہ عنہ کے یا پھر ان حضرات اور اسلام دشمن کافر اقوام کے؟ کیا ان حضرات کو اس طرح بال رکھتے ہوئے یہ تشبیہ یاد نہیں رہی کہ اس طرح بال رکھنا بقول محدث بریلوی ''مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں'' جبکہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے میں کسی کفار کی تشبیہ لازم نہیں آتی بلکہ عین سنت آقا دو جہان ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

محبوبان خدا کی نقل اتارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نجات عطاء فرماتا ہے :

دلائل کثیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا امام الانبیاء محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے محبوب ومحب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے نہ کہ کسی شخص کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنا، کیونکہ کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے وہ سنت گمراہی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ گمراہ شخص بھی اللہ والوں کی اس ادا پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آ کر ظاہری نجات پالیتا ہے اور کبھی کبھی وہ نجات معنوی کا بھی سبب بن جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی نیت اللہ والوں کی نقل اتارنے کی ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تشبہ والی حدیث کی شرح میں ایک واقعہ لکھا ہے، لکھتے ہیں : **وقد حکی حکایۃ غریبۃ ولطیفۃ عجیبۃ، وھی انہ لما اغرق اللہ سبحانہ فرعون وآلہ ولم یغرق مسخرتہ الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فی لبسہ وکلامہ ومقالاتہ فیضحک فرعون وقومہ من حرکاتہ وسکناتہ، فتضرع موسیٰ الی ربہ : یاربّ ھذا کان یؤذینی اکثر من بقیۃ آل فرعون، فقال الرب تعالیٰ : ما اغرقناہ فانہ کان لابسا مثل لباسک، والحبیب لا یعذب من کان علی صورت الحبیب۔**

ترجمہ : حکایت : غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی : مولیٰ یہ کیوں بچ گیا؟ فرمایا : اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا اور ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔[3]

یہی واقعہ روح البیان جلد ۴، ص ۱۳۷ پر تفصیلاً مروی ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نماز روزے وغیرہ عبادات میں اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب ﷺ کی نقل کرنے کی نیت کرے، دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضوری کی سی بن جاتی ہے۔[4]

---

[1] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲، ص ۵۷۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (فتاویٰ فیض الرسول، ص ۵۵۶، ج ۲ شبیر برادرز لاہور)

[3] (مرقاۃ المفاتیح، ص ۱۵۵، ج ۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حقانیہ پشاور)

[4] (مرآت شرح مشکوۃ، ج ۶، ص ۱۱۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی نعیمی کتب خانہ گجرات)

تکبر اور وہابیوں سے تشبہ کی رٹ لگانے والوں کے لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت:

درج بالا واقعہ لکھنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ سے یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر من کان متشبھا بأھل الحق علی قصد الباطل حصل له نجاة صوریة وربما ادت الی النجاة المعنویة فکیف بمن یتشبه بأنبیائه و اولیائه علی قصد التشرف و التعظیم و غرض المشابهة الصوریة علی وجه التکریم یعنی ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو اہل حق (اللہ والوں) کی بری نیت سے نقل اتارتے ہیں پھر بھی ان کو ظاہری نجات ملتی ہے، اور کبھی کبھی یہ نجات ظاہری نجات معنوی (ہدایت) کا سبب بن جاتا ہے، تو لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نقل ان کی تعظیم اور شرافت کی نیت سے اتارتے ہیں اور انکی یہ ظاہری مشابہت تکریم کے لئے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا محبوبانِ خدا اور خاص کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ اور عمل ہے (اگرچہ کہ اس پر کوئی بھی عمل کرے) اور جو مسلمان ان کی نقل اتارتے ہیں تو وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور جو (دل نہ خواہد بہانہ بسیار کے طور پر) اس سنت پر عمل نہیں کرتے تو خود بھی اس سعادت سے محروم اور دوسروں کے سامنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب عمل کو مکروہ کی شکل میں پیش کر کے منع کرنے کی حیثیت سے ''مناع اللخیر'' کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

لہٰذا ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ ''ہم اس لئے شلوار کو ٹخنوں سے اونچا نہیں رکھتے ہیں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے اور یہ بدمذہبوں کے ساتھ تشبیہ ہے'' اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فرض محال اگر تکبر نہ بھی ہو تو پھر بھی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کو فقہاء اسلام اور علماء اہل سنت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تشبیہ نہیں ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انگریزی اور فاسقوں کے مشابہ بال کاٹ کر بقول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو قسم شرعی بال (زلفیں رکھنے یا گنجا ہونے) پر عمل کر کے اپنے سنی ہونے کا علمی ثبوت دیں۔

اچھی نیت سے مکروہ کام غیر مکروہ اور مستحسن قرار دیا جاتا ہے : ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا کف ثوب ہے اور یہ نماز کے لئے مکروہ ہے (اگرچہ ہم نے دلائل قاہرہ، باہرہ قویہ سے ان کا رد کر دیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یعنی اس طرح کوئی کراہت نہیں آتی جس سے نماز واجب الاعادہ ہو) تو ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا مکروہ ہے لیکن ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں اور کوئی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا یہ کام کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طرز سادگی کا ہے اور اس میں اس حرام اور مکروہ تحریمی کام (لباس کا ٹخنوں کے نیچے ہونا جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے) سے بچنا ہے اور اس سے ان کے دل میں خشوع کی نیت ہوتی ہے، اور یہ بھی فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام مکروہ ہو تو اس کو اچھی نیت سے کرنے کی وجہ سے وہ کراہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام مستحسن بھی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ان متکبرین نے خود بھی ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کو عدم تکبر کی نیت کی وجہ سے مکروہ تحریمی سے مکروہ تنزیہی تک لے آئے۔

شرح وقایہ میں ہے: **وصلوٰته حاسراً رأسه او للتهاون۔۔۔ لا للتذلل۔** یعنی سُستی اور بے رغبتی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ عاجزی کے طور پر۔[1]

---

[1] (شرح وقایہ ص ۱۹۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا، المصباح لاہور)

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :وتکرہ الصلاۃ وھو مکشوف الرأس۔۔۔ لما فیہ من ترک الوقار اذ لا یکرہ للتذل والتضرع للہ تعالیٰ ویستحب لہ ذلک۔ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں وقار کو ترک کرنا آتا ہے، اور عاجزی اور تواضع کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔[1]

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز وانکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔[2]

درج بالا فقہاء کرام کے علاوہ جم غفیر فقہاء احناف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے مگر عاجزی، تواضع اور انکساری کی نیت سے مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اگر کوئی شخص کسی مکروہ کو اچھی نیت سے کرے تو اس کی کراہت ختم ہو کر اس میں پسندیدگی آجاتی ہے۔ (یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کو کسی ایک مکروہ پر حمل کر دے جو کبھی ممدوح قرار نہیں دیا جاسکتا)۔

خلاصہ کلام :

الحاصل یہ کف ثوب اور لف ثوب نماز کے لئے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نہ ہی علاوہ نماز کے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ فقہاء احناف کے ہاں کف ثوب کی تعریف میں داخل نہیں اور جس کو مکروہ قرار دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو اٹھایا جائے اور وہ بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے مکروہ ہے اور وہ بھی مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور اگر وہ علتیں بھی ختم جائیں تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے لہذا اگر کوئی شخص اسی کیفیت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے، مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ نہیں ہے، البتہ تکبر کی وجہ سے یا کسی ناپسندیدہ جماعت یا گروہ کی مخالفت کی وجہ سے شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اور اس کو کار ثواب اور اچھا عمل سمجھنا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا ضرور ناجائز، گناہ، حرام، بدعت اور گمراہی ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، لہذا اس عمل سے اجتناب واجب اور لازمی ہے۔

تمام مؤمن مسلمانوں سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پاجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خداوندی سے محروم ہوگا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو ننگے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔[3]

(۱۱) ﴿باب نمبر گیارہ آپ ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں مواجہ شریف کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت اور حرام ہے حالانکہ آپ ﷺ کے مواجہ شریف کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض کرنا زندیقیت ہے۔

قبر انور پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت فتاوی عالمگیری سے نقل کی تھی "ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ" یہ عبارت دیگر فقہاء احناف نے بھی نقل کی ہے۔

---

[1] (امداد الفتاح ص ۳۸۸ فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز)

[2] (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب مکروہات الصلوۃ، مکتبہ رضویہ کراچی)

[3] (بحوالہ اصدق المقال فی کف الازار والاکمام والاذیال وجزاء الاسبال مصنف مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ۔

ترجمہ: روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔[۱]

نیز امام عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

ثم یقف عند وجھہ مستدبر القبلۃ ویصلی علیہ ماشاء۔[۲]

امام عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان افندی متوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں: **ویقف کما یقف فی الصلاۃ ویقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یارسول اللہ۔**[۳]

احناف کے مستند عالم علامہ شیخ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

ثم انھض متوجھا الی القبر الشریف فتقف بمقدار اربعۃ اذرع بعیدا عن المقصورۃ الشریفۃ بغایۃ الادب مستدبر القبلۃ محاذیا لراس النبی ﷺ ووجھہ الاکرام ملاحظا نظرہ السعید الیک وسماعہ کلامک وردہ علیک سلامک وتامینہ علی دعائک۔[۴]

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(ثم تنھض) ای تقوم الادب والمراد انہ لا یتراخی وان کان بالتانی والتمھل قولہ مستدبر القبلۃ ای کما ھو السنۃ فی زیارۃ الاموات۔[۵]

علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ لکھتے ہیں:

ثم وقف مستدبر القبلۃ مستقبل راس القبر الشریف۔[۶]

علامہ شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی متوفی ۹۷۷ھ لکھتے ہیں:

ثم وقف مستدبر القبلۃ مستقبل راس القبر الشریف۔[۷]

ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بَحُضُوْرِکَ وَقِیَامِکَ وسَلَامِکَ ای بَلْ بَجَمِیْعِ اَفْعَالِکَ وَاَحْوَالِکَ وَاِرْتِحَالِکَ وَمَقَامِکَ۔

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام

---

[۱] (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[۲] (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[۳] (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر مسائل منثورۃ فی کتاب الحج ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[۴] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۷۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[۵] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۷۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[۶] (فتح الوھاب بشرح منھج الطلاب ج ۱ ص ۷۵ ۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[۷] (الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع ج ص مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سے آگاہ ہیں۔[1]

امام مجیر الدین عبدالرحمن بن محمد حنبلی علیمی متوفی ۹۲۷ھ لکھتے ہیں:

وياتى القبر الشريف من باب المقصورة القبلى فاذا وصل المقصورة استقبل وجهه الكريم ﷺ وذلك بان يستدبر القبلة ويستقبل الجدار القبر الشريف على نحو اربعة اذرع من السارية التى فى زاوية المقصورة ويجعل القنديل على راسه ولا يمس الجدار بيده ولا بشى من بدنه ويقف متادبا بين يديه كما لو كان حيا مظهرا لاحترامه ويستحضر فى نفسه ان رسول الله ﷺ عالم بحضوره وقيامه تجاهه وسلامه عليه وانه يجيب من سلم عليه من بعيد فكيف بالقريب ويسلم على رسول الله ﷺ ويصلى عليه۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سنت:

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو مصعب قال حدثنا مالک عن عبدالله بن دينار انه قال رايت عبدالله بن عمر يقف على قبر النبى ﷺ فيصلى على النبى ﷺ ويدعو لابى بكر وعمر رضى الله عنهما۔[3]

اسی طرح دوسرا نسخہ "الموطا لامام مالک روایۃ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ج ۱ ص ۱۶۶ رقم الحدیث ۳۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث مصر بتحقیق محمد فواد عبدالباقی" میں بھی یقف علی قبر النبی ﷺ کے الفاظ موجود ہیں۔

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن عبدالله بن دينار انه قال رايت عبدالله بن عمر يقف على قبر النبى ﷺ ويصلى على النبى ﷺ وابى بكر وعمر رضى الله عنهما۔

ترجمہ: عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور وہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر درود (وسلام) پڑھتے تھے۔[4]

فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی کے محقق غیر مقلد عبدالحق الترکمانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اسناده موقوف صحيح۔ یعنی اس کی سند موقوف صحیح ہے۔[5]

العلامہ محمد عابد بن احمد بن علی السندی الانصاری المدنی الحنفی متوفی ۱۲۵۷ھ لکھتے ہیں۔

ابو حنيفة رضى الله عنه عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ، وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ إِلَى الْقِبْلَةِ، وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ لِوَجْهِكَ، ثُمَّ تَقُولَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ"

---

[1] (مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل ج ۱ ص ۳۴۵ مطبوعہ مکتبۃ دندیس الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء عمان بتحقیق عدنان یونس)

[3] (المؤطا لامام مالک (روایۃ ابی مصعب الزھری المدنی) کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی الصلاۃ علی النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۹۶ رقم الحدیث ۵۰۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۹۸ء بتحقیق الدکتور بشار عواد معروف ومحمود محمد خلیل)

[4] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۳۔۱۹۴ رقم الحدیث ۹۸ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء بتحقیق عبدالحق الترکمانی)

[5] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۳ تحت رقم الحدیث ۹۸ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء بتحقیق عبدالحق الترکمانی)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کے پاس قبلہ کی طرف سے آؤ اور اپنی پیٹھ کو قبلہ کی طرف پھیر دو اور اپنے چہرے کو آپ ﷺ کے قبر اطہر کے سامنے کرلو پھر کہو :السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ"

اس حدیث شریف کی شرح میں شیخ محمد عابد سندھی لکھتے ہیں:

واستدبار القبلة واستقبال الوجه الشريف مذهبنا ومذهب الجمهور العلماء۔قال ابن الهمام وما روى عن ابى الليث يقف مستقبل القبلة فمردود بحديث الباب وسبقه ابن جماعة ومايدل على أن استقبال الوجه مطلوب لاتفاق العلماء على أنه ﷺ حى فى قبره،يعلم بزائره وهو ﷺ لو كان حيالم يأت زائره إلا لاستقباله۔

وقدسأل المنصور مالكاًفقال:أستقبل القبلة وادعو،أم أستقبل رسول الله ﷺ ؟فقال مالك ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم عليه السلام إلى الله يوم القيامة؟

ترجمہ: قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا اور آپ ﷺ مبارک کی قبر کی طرف منہ کرنا یہ ہمارا مذہب ہے اور جمہور علماء کا مذہب ہے علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ جو روایت ابو اللیث کی طرف سے کی گئی ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے کی ہے پس وہ مردود ہے اس حدیث کے باب سے۔اور ابن جماعۃ نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مواجہ شریف کی طرف چہرہ کرنا مطلوب ہے علماء کے اتفاق کی وجہ سے اس بات پر کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ ہر آنے والے کو جانتے ہیں اور آپ ﷺ مبارک کی ظاہری زندگی میں نہیں آتے مگر آپ ﷺ کی طرف چہرہ کر کے آتے اور منصور نے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا میں قبلہ کی طرف چہرہ کر کے دعا مانگوں یا آپ ﷺ کی طرف چہرہ کر کے دعا مانگوں؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے اپنے چہرے کو کیوں پھیرتے ہو آپ ﷺ کی ذات بابرکات آپ کیلئے اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کیلئے وسیلہ ہے قیامت تک۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو الحسن على بن محمد بن على المهرجانى ابن ابى على السقاء بنيسابور وابو الحسن على بن محمد بن على المقرى المهرجانى بها قالا انا الحسن بن محمد بن اسحاق ثنا يوسف بن يعقوب القاضى ثنا سليمان بن حرب ثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع ان ابن عمر كان اذا قدم من سفر دخل المسجد ثم اتى القبر فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه۔

ترجمہ : حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو حضور ﷺ کی مسجد میں داخل ہوتے پھر قبر انور کے پاس آ کر فرماتے السلام علیک یا رسول اللہ! السلام علیک یا ابا بکر! السلام علیک یا ابتاہ۔[1]

فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی کے محقق غیر مقلد عبدالحق الترکمانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اسنادہ موقوف صحیح۔

---

[1](السنن الکبریٰ کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی ﷺ ج ۵ ص ۴۰۲ رقم الحدیث ۱۰۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۲۰۰۳ء بتحقیق محمد عبد القادر عطا) مزید تخریج: (۱):.....اسی طرح امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے "مصنف عبد الرزاق باب السلام علی قبر النبی ﷺ ج ۳ ص ۵۷۶ رقم الحدیث ۶۷۲۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ بتحقیق حبیب الرحمن الاعظمی" میں (۲):.....امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۸ رقم الحدیث ۱۱۷۹۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۹ھ بتحقیق کمال یوسف الحوت" میں (۳):.....امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ نے "فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء بتحقیق عبد الحق الترکمانی" میں روایت کیا ہے۔

ترجمہ :اس کی سند موقوف صحیح ہے۔[1]

امام ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

واخبرنا ابو احمد العدل انا ابو بکر بن جعفر المزکی ثنا محمد بن ابراھیم ثنا ابن بکیر ثنا مالک عن عبداللہ بن دینار انہ قال رایت عبداللہ بن عمر یقف علی قبر النبی ﷺ ثم یسلم علی النبی ﷺ و یدعو ثم یدعو لابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما۔[2]

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ روایت کرتے ہیں :

حدثنی اسحاق بن محمد قال ثنا عبداللہ بن عمر عن نافع ان ابن عمر کان اذا قدم من سفر صلی سجدتین فی المسجد ثم یاتی النبی ﷺ فیضع یدہ الیمین علی قبر النبی ﷺ و یستدبر القبلۃ ثم یسلم علی النبی ﷺ ثم علی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما۔

ترجمہ : حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو مسجد میں دو رکعتیں پڑھتے پر حضور ﷺ (کی قبر انور) کے پاس آتے تو اپنا دایاں ہاتھ حضور ﷺ کی قبر انور پر رکھتے اور قبلے کی طرف پیٹھ کرتے پھر حضور ﷺ پر سلام کہتے پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہتے تھے۔[3]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

امام محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

فمن وقف عند الحجرۃ المقدسۃ ذلیلا مسلما مصلیا علی نبیہ فیا طوبی لہ فقد احسن الزیارۃ و اجمل التذلل و الحب و قد اتی بعبادۃ زائدۃ علی من صلی علیہ فی ارضہ او فی صلاتہ اذ الزائر لہ اجر الزیارۃ و اجر الصلاۃ علیہ و المصلی علیہ فی سائر البلاد لہ اجر الصلاۃ فقط فمن صلی علیہ و احدۃ صلی اللہ علیہ عشرا۔

ترجمہ : کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جو حجرہ اقدس کے پاس تضرع و عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرے اس لیے کہ اس نے اچھی طرح زیارت کی تضرع وانکسار کی دولت اور کمال محبت سے سرشار رہا اس نے اس شخص سے بہتر عبادت کی جس نے اپنی سرزمین پر یا اپنی نماز میں حضور پر درود وسلام پیش کیا اس لیے کہ زیارت کرنے والا زیارت اور آپ پر درود بھیجنے کا اجر پاتا ہے اور دوسرے شہروں میں درود بھیجنے والے صرف درود بھیجنے کا اجر پاتے ہیں تو جو شخص ایک بار حضور پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔[4]

غیر مقلدوں کے گھر سے ثبوت:

غیر مقلدوں کے امام محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴ تحت رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولی ۱۹۹۶ء بتحقیق عبدالحق الترکمانی)

[2] (السنن الکبریٰ کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی ﷺ ج ۵ ص ۴۰۳ رقم الحدیث ۱۰۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۲۰۰۳ء بتحقیق محمد عبدالقادر عطا)

[3] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴۔۱۹۵ رقم الحدیث ۱۰۱ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولی ۱۹۹۶ء بتحقیق عبدالحق الترکمانی)

[4] (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۸۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

فاذا اتینا المسجد النبوی صلینا التحیۃ او لا ثنتان

جب ہم مسجد نبوی میں حاضر ہوں تو سب سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کریں۔

ثم انثنینا للزیارۃ نقصد القبر الشریف و لو علی الاجفان

پھر روضہ انور کی زیارت کا قصد کریں چاہے پلکوں پر چل کر ہی حاضری کا شرف کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔

فنقوم دون القبر وقفۃ خاضع متذلل فی السر و الاعلان

پھر باطناً وظاہراً انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ (حضوری کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر) قبر انور کے ساتھ کھڑے ہوں۔

فکانہ فی القبر حی ناطق فالو اقفون نو اکس الاذقان

یہ احساس دل میں جاگزیں رہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور کلام فرماتے ہیں پس (وہاں) کھڑے ہونے والوں کا سر (ادباً تعظیماً) جھکا رہے۔

ملکتھم تلک المھابۃ فاعترت تلک القوائم کثرۃ الرجفان

بارگاہ نبوی میں یوں کھڑے ہوں کہ رعب مصطفی ﷺ سے پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہوں۔[1]

یہ اشعار غیر مقلدوں کے لیے ایٹم بم ہے اس میں صرف سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور پر کھڑے ہو کر سلام کا ذکر نہیں بلکہ ''خاضع'' اور ''متذلل فی السر'' اور پھر ''فکانہ فی القبر حی ناطق'' کے الفاظ غیر مقلدوں کے مذہب پر کاری ضرب ہے جو کہ خود ان کے اپنے امام ابن قیم نے لگائی ہے۔ تاہم اس میں سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور کے پاس تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا واضح ثبوت ہے۔

غیر مقلدوں کے امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنے ''سفر نامہ حجاز'' میں لکھتے ہیں:

مسجد النبی ﷺ

مکان میں قیام کر کے ہم نہائے کپڑے بدلے پاک وصاف ہو کر مسجد نبوی کی جانب جانے کو تیار ہوئے :

اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی شوق میں جان وتن ائل پروز تھے۔ اور روضہ نبوی کی زیارت کی تمناء میں روح کالبد عنصری سے پہلے پہنچ جانے کے لئے بیقرار تھی۔ دل و دیدہ میں رقابت سی معلوم ہوتی تھی۔ اور جان وتن میں نفسی نفسی کی حالت نمایاں تھی۔

ہم شہر پناہ کے باب مجیدی سے داخل ہوئے۔ تو سامنے مسجد نبوی تھی۔ یہ عمارت کسقدر نشیب میں واقع ہے۔ ارد گرد کی زمین بلند ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی سطح کو قائم رکھا گیا ہے بلند کرسی کے دینے سے عمارت بلحاظ فن تعمیر بیشک زیادہ خوشنما ہو جاتی۔ مگر جو برکت اصلی سطح کی ہے وہ ضرور مفقود ہو جاتی۔ ہم مسجد میں عجز وخشوع کے ساتھ داخل ہوئے تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد روضہ اطہر کی جانب گئے۔ اور وجہ اقدس وانور کے سامنے باادب کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ پھر حضور کے وزراء صدق ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھا۔ اور پھر نماز ظہر میں شامل ہو گئے۔

اللہ اکبر اس فرحت وشادمانی کا بیان نہ قلم سے ہوسکتا ہے نہ زبان سے جو اس نعمت عظمیٰ اور مخت کبری کے حصول سے ہمیں حاصل تھی۔[2]

غیر مقلدوں کے امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنے ''سفر نامہ حجاز'' میں لکھتے ہیں:

حزام سے نیچے جنوبی دیوار پر (جس طرف کھڑے ہو کر سلام عرض کیا جاتا ہے) چار کتبے لگے ہوئے ہیں۔[3]

---

[1] (متن القصیدۃ النونیۃ ص ۲۵۴ مطبوعہ مکتبۃ ابن تیمیۃ القاھرۃ الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۷ھ)

[2] (سفر نامہ حجاز موسوم بہ الھادی الی سبیل الرشاد ص ۲۱۱ مطبوعہ خلیفہ شیخ ہدایت اللہ پٹیالہ کانشی رام پریس لاہور طبع سنۃ ۱۹۲۴ء)

[3] (سفر نامہ حجاز موسوم بہ الھادی الی سبیل الرشاد ص ۲۴۳ مطبوعہ خلیفہ شیخ ہدایت اللہ پٹیالہ کانشی رام پریس لاہور طبع سنۃ ۱۹۲۴ء)

جمعیت اہل حدیث کراچی کی طرف سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''الارشاد'' میں غیر مقلدوں کے خطیب عبدالجبار کہتے ہیں :

حضور ﷺ پر سلام کی ترکیب:

مسجد ہی میں حضور ﷺ کا روضہ ہے۔ روضہ کی جالی میں تین پیتل کے گول رنگ بنے ہوئے ہیں۔ پہلا رنگ حضور انور ﷺ کے سر مبارک کے عین سامنے ہے۔ دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہے، تیسرا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سامنے بنا ہے۔ پہلے آپ حضور انور ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے رنگ کے پاس کھڑے ہو کر یوں سلام کہے :

السلام علیک ایھا النبی ﷺ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اے نبی ﷺ آپ ﷺ پر خدا کی برکتیں اور رحمتیں اور سلام نازل ہوں۔ سلام کے بعد درود پڑھیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح سلام پڑھیں۔

السلام علیک یا ابا بکر الصدیق خلیفۃ رسول اللہ ﷺ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھیں۔

السلام علیک یا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔[1]

فرشتوں کا موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک پر سلام پڑھنا:

امام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھا تھا۔[2]

محدثین کا امام ابو عوانہ کی قبر پر کھڑے ہو کر تعظیم کرنا:

محدث کبیر حافظ المؤرخ ابو القاسم علی بن الحسن الشافعی المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حدثنی الشیخ الصالح الاصیل ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عمر ابن الصفار الاسفراینی قال وقبر ابی عوانۃ باسفراین مزار العالم ومتبرکا لخلق ویجنب قبرہ قبر الراویۃ عنہ ابی نعیم عبد الملک بن الحسن الازھری الاسفراینی فی مشھد واحد داخل المدینۃ علی یسار الداخل من باب نیسابور من اسفراین وقریب من مشھدہ مشھد الاستاذ الامام ابی اسحاق الاسفراینی رحمۃ اللہ علیہ علی یمین الداخل من باب نیسابور ویجنب قبرہ قبر الاستاذ ابی منصور البغدادی الامام الفقیہ المتکلم صاحبہ الصاحب بالجنب حیا ومیتا المتظاھرین لنصرۃ الدین بالحجج والبراھین سمعت جدی الامام شیخ الاسلام عمر ابن الصفار رحمہ اللہ و نظر الی القبور حول قبر الامام الاستاذ ابی اسحاق واشار الی المشھد و خارج المشھد وقال قد قیل ھاھنا من الائمۃ والفقھاء علی مذھب الامام الشافعی رضوان اللہ علیہ اربعون اماما کل واحد منھم لو تصرف فی المذھب وافتی برایہ واجتھادہ یعنی علی مذھب الشافعی لکان حقیقا بذلک۔

فقال رحمہ اللہ العوام یتقربون الی مشھد الاستاذ ابی اسحاق اکثر مما یتقربون الی مشھد ابی عوانۃ وھم لا یعرفون قدر ھذا الامام الکبیر المحدث ابی عوانۃ لبعد العھد بوفاتہ وقرب العھد بالاستاذ والامام ابو عوانۃ ھو الذی

---

[1] (ماہنامہ الارشاد جدید ایڈیٹر حافظ عبدالوکیل خطیب وہابی شمارہ نمبر ۲۱۔ ۲۲ جلد نمبر ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ صفحہ نمبر ۱۹۔ ۲۰ مطبوعہ جمعیت اہل حدیث کراچی)

[2] (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر (اردو) مترجم پروفیسر کوکب شادانی ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی طبع اول ۱۹۸۷ء)

اظہر لھم مذھب الامام الشافعی باسفرایین بعد ما رجع من مصر و اخذ العلم عن ابی ابراھیم المزنی رحمہ اللہ۔

و کان جدی اذا وصل الی مشھد الاستاذ رایتہ لا یدخل المشھد احتراما بل کان یقبل عتبۃ المشھد وھی مرتفعۃ بدرجات ویقف ساعۃ علی ھیئۃ التعظیم و الوقار ثم یعبر عنہ کالمودع لعظیم عظیم الھیبۃ و اذا وصل الی مشھد ابی عوانۃ کان اشد تعظیما لہ و اجلالا و توقیرا و یقف اکثر من ذلک کانہ واقف بقبر النبی ﷺ۔

ترجمہ : امام حافظ ابوالقاسم ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح اصیل ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عمر ابن صفار اسفرائنی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اسفرایین میں عالم کی زیارت گاہ ہے اور مخلوق کے برکت حاصل کرنے کی جگہ ہے اور آپ کی قبر کے پہلو میں آپ سے روایت کرنے والے ابونعیم عبدالملک ابن الحسن ازہری اسفرائنی کی قبر ہے جو شہر کے اندر ایک مزار میں ہے۔ اسفرایین سے باب نیشاپور میں داخل ہونے والی کی بائیں جانب اور آپ کے مزار کے قریب باب نیشاپور میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب امام استاذ ابواسحاق اسفرائنی کا مزار ہے اور اس کی قبر کے پہلو میں آپ کے ساتھی استاد ابومنصور بغدادی امام فقیہ متکلم کی قبر ہے جو زندہ اور مردہ ہونے کی حالت میں آپ کا ہم پہلو ہے وہ حج و براہین سے دین کی نصرت کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں میں نے اپنے دادا امام عمر ابن انصار سے سنا ہے کہ آپ نے امام استاد ابواسحاق کی اردگرد کی قبروں کی طرف دیکھا اور مزار کی طرف اور مزار سے باہر کی طرف اشارہ کیا اور کہا بیان کیا گیا ہے کہ یہاں پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے چالیس ائمہ اور فقہاء کی قبریں ہیں ان میں سے ہر ایک اگر مذہب میں تصرف کرتا اور اپنی رائے اور اجتہاد سے فتویٰ دیتا یعنی شافعی مذہب کے مطابق۔ تو وہ اس کا سردار تھا اور عوام امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی نسبت استاد ابواسحاق کے مزار سے زیادہ تقرب حاصل کرتے ہیں اور وہ اس امام کبیر محدث ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر اس کے وفات کے زمانے کی دوری اور استاد ابواسحاق کے زمانہ وفات کے قرب کی وجہ سے نہیں جانتے اور امام ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہے جس نے ابوابراہیم مزنی سے علم سیکھنے اور مصر سے واپس آنے کے بعد اسفرایین میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کو نمایاں کیا اور میرا دادا جب استاد کے مزار پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتا تھا اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم و توقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا تو اس نے اس کی بہت تعظیم و توقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑا رہا جس طرح سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔[1]

امام ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان شافعی متوفی ۶۸۱ھ نے محدث کبیر امام عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بھی اس کو مکمل نقل کیا ہے لکھتے ہیں :

حدثنی الشیخ الصالح الاصیل ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عمر ابن الصفار الاسفرایینی قال قبر ابی عوانۃ باسفرایین مزار العالم و متبرک الخلق۔

ترجمہ : امام حافظ ابوالقاسم ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح اصیل ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عمر ابن صفار اسفرائنی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اسفرایین میں عالم کی زیارت گاہ ہے اور مخلوق کے برکت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

والعوام یتقربون الی مشھد الاستاذ ابی اسحاق اکثر ما یتقربون الی ابی عوانۃ۔

ترجمہ : عوام امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی نسبت استاد ابواسحاق کے مزار سے زیادہ تقرب حاصل کرتے ہیں۔

---

[1] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۷ ص ۱۴۷ مطبوعہ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت)

و کان جدی اذا وصل الی مشهد الاستاذ رایته لا یدخله احتراماً بل کان یقبل عتبة المشهد وهی مرتفعة بدرجات ویقف ساعة علی هیئة التعظیم والتوقیر ثم یعبر عنه کالمودع لعظیم عظیم الهیبة واذا وصل الی مشهد ابی عوانة کان اشد تعظیماًله واجلالا وتوقیراً ویقف اکثر من ذلک۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میرا دادا جب استاد کے مزار پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتا تھا اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا تو اس نے اس کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑا رہا۔[1]

اس عبارت میں امام محدث ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار کی افضلیت پر ایک بڑی دلیل یہ دی کہ:

کان جدی اذا وصل الی مشهد الاستاذ رایته لا یدخله احتراماً بل کان یقبل عتبة المشهد وهی مرتفعة بدرجات ویقف ساعة علی هیئة التعظیم والتوقیر ثم یعبر عنه کالمودع لعظیم عظیم الهیبة واذا وصل الی مشهد ابی عوانة کان اشد تعظیماًله واجلالا وتوقیراً ویقف اکثر من ذلک کانه واقف بقبر النبی ﷺ۔

ترجمہ: میرے دادا جب استاد کے مزار پر پہنچے تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتے تھے اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے تو اس نے اس کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑے رہے جس طرح سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

اس عبارت کو پڑھتے ہوئے اس طرح محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے شیخ الاسلام امام عمر ابن الصفار رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے گلوں پر چھری چلا رہے ہوں ان محدثین کی قبور کو کس کس طرح ایک جلیل القدر محدث تعظیم کر رہا ہے کہ وہ احتراماً پہلے داخل نہیں ہوتا بلکہ سب سے پہلے اس مزار کی چوکھٹ کو چومتا ہے بتائیں آج اس فعل کو شرک کہا جاتا ہے کہ نہیں حالانکہ یہاں ایک محدث مزار کی چوکھٹ کو چوم رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ شرک نہیں بلکہ محدثین کا طریقہ ہے اس کے بعد یہ جلیل القدر اس مزار کی تعظیم میں بڑے ہیبت کے ساتھ کھڑا رہتا ہے اور جب وہ محدث امام ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور پر پہنچتا ہے تو وہاں اس سے بھی زیادہ اس قبر انور کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے۔ اور آخر میں اس تعظیماً کھڑے ہونے کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ جس طرح سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں حضور ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑا ہونا اتنا مشہور اور معروف تھا کہ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دے رہے ہیں اور یہ سب جلیل القدر محدثین ہیں یہ جاہل عوام نہیں اس لیے ان لوگوں کا یہ استدلال جہلاء کے افعال سے نہیں ہوسکتا جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر محدثین اسی طرح تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

معلوم ہے کہ مزاروں پر جانا تعظیم کے لئے اس کی چوکھٹ کو چومنا وہاں ادب کے ساتھ کھڑے ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب شرک نہیں بلکہ محدثین کا طریقہ ہے یہ صرف امام ابن عساکر اور ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ ہی کتاب میں نہیں بلکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو مختصراً لکھا ہے۔

قال ابن عساکر ان قبر ابی عوانة باسفرائین مزار العالم ومتبرک الخلق۔

---

[1] (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ترجمة امام ابو عوانة رحمة اللہ علیه ج ص ۳۹۴ برقم ۸۲۶ مطبوعه دار صادر بیروت طبع سنة ۱۹۹۴ء بتحقیق الدکتور احسان عباس)

ترجمہ: ابن عساکر نے کہا ہے کہ ابی عوانہ کی قبر اسفرائین میں ہے اور مخلوق خدا اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔[1]

وہابیوں کے امام سے بھی اس کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدوں کے امام المحدثین وامام المفسرین نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی داؤد ارشد وہابی کے نجدی توحید پر حملہ کرتے ہوئے امام ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

كان جدى اذا وصل الى مشهد الاستاذ رايته لا يدخله احتراماً بل كان يقبل عتبة المشهد وهى مرتفعة بدرجات ويقف ساعة على هيئة التعظيم والتوقير ثم يعبر عنه كالمودع لعظيم عظيم الهيبة واذا وصل الى مشهد ابى عوانة كان اشد تعظيماًله واجلالا وتوقيراً ويقف اكثر من ذلك۔

ترجمہ: میرے دادا جب استاد کے مزار پر پہنچے تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتے تھے اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے تو اس نے اس کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑے رہے۔[2]

ابن طباطبا کی قبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھنا:

امام ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان شافعی متوفی ۶۸۱ھ لکھتے ہیں: **وكانت ولادته سنة ست وثمانين ومائتين وتوفى فى الرابع من رجب سنة ثمان واربعين وثلثمائة بمصر وصلى عليه فى مصلى العيد وحضر جنازته من الخلق ما لا يحصى عددهم الا الله تعالى ودفن بقرافة مصر وقبره معروف ومشهور باجابة الدعاء۔**

روى ان رجلا حج وفاتته زيارة النبى ﷺ فضاق صدره لذلك فرآه فى نومه ﷺ فقال له اذا فاتتك الزيارة فزر قبر عبدالله بن احمد بن طباطبا وكان صاحب الرؤيا من اهل مصر۔

وحكى بعض من له عليه احسان انه وقف على قبره وانشد

وخلفت الهموم على اناس وقد كانوا بعيشك فى كفاف

فرآه فى نومه فقال قد سمعت ما قلت وحيل بينى وبين الجواب والمكافاة ولكن صر الى مسجد وصل ركعتين وادع يستجب لك رحمه الله تعالى۔

ترجمہ: آپ کی ولادت ۲۸۶ھ میں اور وفات ۴ رجب ۳۴۸ھ میں مصر میں ہوئی اور عید گاہ میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور آپ کے جنازے میں شامل ہونے والوں کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا اور قرافہ مصر میں آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر قبولیت دعا کے لیے مشہور ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حج کیا اور وہ حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کرسکا جس پر وہ پریشان ہوا تو اس نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا جب تجھ سے زیارت نہ ہوسکے تو عبداللہ بن احمد بن طباطبا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کیا کر آپ اہل مصر میں سے صاحب رؤیا تھے۔ایک شخص نے جس پر آپ کا احسان تھا بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

اور تو نے اپنے پیچھے لوگوں پر غم کو جانشین بنایا ہے حالانکہ وہ آپ کی زندگی میں گزارا کر رہے تھے۔

پس اس نے آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے کہا تو نے جو بات کہی ہے میں نے سن لی ہے اور میرے درمیان اور جواب اور مکافات کے

---

[1] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۴ء بتحقیق شعیب الارنووط)

[2] (التاج المکلل من جواہر ماثر الطراز الاخر والاول ص ۱۴۰ برقم ۱۳۲ مطبوعہ وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ دولۃ قطر الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۷ء)

درمیان رکاوٹ ہوگی لیکن تو مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھ اور دعا کر وہ قبول ہو جائے گی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔[1]

امام شافعی کی قبر پر امام ابن عبد البر کا سلام:

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں :

سلام علی قبر تضمن روحه وجادت علیه المدجنات الهوامع۔[2]

(۴) : مسلمانوں کی قبور پر کھڑے ہو کر سلام پیش کرنا سنت ہے:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت فتاویٰ عالمگیری سے نقل کی تھی "**یخلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلا لوجه المیت**" یہ عبارت دیگر فقہاء احناف نے بھی نقل کی ہے۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

والمستحب فی زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه المیت وان یسلم۔

ترجمہ : زیارت قبور کے وقت مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور سلام کرے۔[3]

شافعی مذہب کے مشہور اور مستند محدث امام یحییٰ بن شرف الدین نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

المستحب فی زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه المیت یسلم۔

ترجمہ : زیارت قبور کے وقت مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور سلام کرے۔[4]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب ابن الحارث حارثی متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا صالح بن احمد بن ابی مقاتل اخبرنا شعیب بن ایوب اخبرنا مصعب بن المقدام اخبرنا ابو حنیفة عن علقمة بن مرثد عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم اذا خرج الی المقابر قال السلام علی اهل الدیار من المسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیة۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علقمہ سے وہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبرستان تشریف لے جاتے تو (ان الفاظ سے دعا) فرماتے : **السلام علی اهل الدیار من المسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیة** (قبروں میں رہنے والے مسلمانوں پر سلامتی ہو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے

---

[1] (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ترجمۃ ابن طباطبا رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۸۲ برقم ۳۴۲ مطبوعہ دار صادر بیروت طبع سنۃ ۱۹۹۴ء بتحقیق الدکتور احسان عباس)

[2] (الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء ص ۱۸۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیة بحلب الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۷ء بتحقیق عبد الفتاح ابو غدة)

[3] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۶۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (کتاب المجموع شرح المہذب للشیرازی ج ۵ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔[1]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر قیام عبادت نہیں اور ہر قیام تعظیمی شرک و بدعت نہیں ان احادیث سے غیر مقلدوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں کہ قیام صرف اللہ کے لیے ہیں دیکھئے غیر مقلد خوارج اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثالثاً :اور یہ اعتراض بھی فضول ہے کیونکہ مسند احمد میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرمان نبوی موجود ہے۔

فقال رسول اللہ ﷺ لا یقام لی انما یقام للہ تبارک و تعالیٰ۔

ترجمہ :یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے لئے قیام نہ کیا کریں کیونکہ قیام فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے الحدیث مسند احمد ص ۳۱۷ ج ۵۔

اس حدیث نے تو تمام الجھنیں صاف کر دیں کہ قیام تعظیمی فقط اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔[2]

قارئین! تاہم ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر قیام منع نہیں اور نہ ہی ہر قیام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

داؤد ارشد وہابی کہتے ہیں کہ قیام تعظیمی فقط اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے لیکن اس کے اس جھوٹ کو اس کے اپنے امام ابن قیم اس طرح واضح کرتے ہیں کہ

فنقوم دون القبر وقفة خاضع متذلل فی السر و الاعلان

پھر باطناوظاہرا انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ (حضوری کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر) قبر انور کے ساتھ کھڑے ہوں

فکانه فی القبر حی ناطق فالواقفون نواکس الاذقان

یہ احساس دل میں جاگزیں رہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور کلام فرماتے ہیں پس (وہاں) کھڑے ہونے والوں کا سر (ادباً تعظیماً) جھکا رہے۔

ملکتهم تلک المهابة فاعترت تلک القوائم کثرة الرجفان

بارگاہ نبوی میں یوں کھڑے ہوں کہ رعب مصطفی ﷺ سے پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہوں۔[3]

ان اشعار میں قیام تعظیمی کا واضح ثبوت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یا تو ابن قیم مشرک ہے جو قیام تعظیمی جو وہابی داؤد ارشد کے نزدیک خاصہ خدا ہے اس میں سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور کے لیے تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کو کہہ رہے ہیں یا داؤد ارشد کذاب ہے جو حدیث کا غلط مقصد بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اس میں ایک بات تو ضرور ہے فیصلہ خود غیر مقلد اپنے گھر میں کر لے کہ بڑا وہابی مشرک ہے یا چھوٹا وہابی کذاب ہے۔

---

[1] (مسند ابی حنیفہ للحارثی ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۵۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۸ء بتحقیق ابو محمد السیوطی) تخریج حدیث: (۱):.....اس حدیث مبارکہ کو امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے "صحیح مسلم کتاب الجنائز باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاھلھا ج ۲ ص ۶۷۰۔ ۶۷۱ رقم الحدیث ۹۷۴۔ ۹۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت" میں (۲):.....امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷ رقم الحدیث ۱۱۷۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض" میں (۳):..... امام احمد بن حنبل شیبانی متوفی ۲۴۱ھ نے "مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر" میں (۴):.....امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے "سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فیما یقال اذا دخل المقابر ج ۱ ص ۴۹۴ رقم الحدیث ۱۵۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت" میں (۵):..... امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے "سنن النسائی کتاب الجنائز باب الامر بالاستغفار للمومنین ج ۴ ص ۹۴ رقم الحدیث ۲۰۴۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب" میں (۶):.....امام ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے "المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ج ۳ ص ۵۳ رقم الحدیث ۲۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت" میں (۷):..... امام امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ نے "صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۳۱۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت" میں روایت کیا ہے۔

[2] (دین الباطل ج ۲ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳ مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ لاہور تاریخ اشاعت دسمبر ۲۰۰۱ء)

[3] (متن القصیدۃ النونیۃ ص ۲۵۴ مطبوعہ مکتبۃ ابن تیمیۃ القاھرۃ الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۷ھ)

منکرین سے پوچھئے:

جب قبرستان جائیں تو کہیں السلام علیکم یا اھل القبور حضرات منکرین سے پوچھیے کہ قبرستان کے پاس کھڑے ہو کر سلام کہنا اور وہ بھی یا کے ساتھ یعنی السلام علیکم یا اھل القبور کہنا شرک نہیں تو محفل میلاد میں بارگاہ مصطفی ﷺ میں کھڑے ہو کر یا نبی سلام علیک پڑھنا کیسے شرک ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ اپنے استاذ یا باپ یا کسی دوست کو ملنے کے لئے جاتے ہیں تو جب ملاقات ہوتی ہے تو پہلے کھڑے کھڑے سلام کہتے ہیں اور جس کو ملنے کے لئے جاتے ہیں وہ بھی استقبال کرتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام کا جواب دیتا ہے یہ سب کچھ جائز ہے مگر جس پیارے حبیب ﷺ پر ماں باپ سب عزیز و اقارب قربان اس پیارے حبیب ﷺ پر اذان سے پہلے کھڑے ہو کر یا محفل میلاد یا جمعہ کی نماز کے بعد حضور ﷺ کے عاشق کھڑے ہو کر سلام عرض کریں تو انہیں شرک کا دورہ پڑتا ہے۔

اسی طرح مسجد جاتے وقت درود شریف پڑھنے کے بارے میں دیکھ لیجئے مسجد میں آنے والا کھڑے کھڑے ہی تو آئے گا تو حضور ﷺ نے گویا حالت قیام میں اپنی ذات انور پہ ''صلوٰۃ وسلام'' پڑھا تو آج ہم بھی اگر اپنے آقا کی سنت کے مطابق قیام میں ''صلوٰۃ وسلام'' پڑھیں تو منع کیوں ہو۔

حدثنا محمد بن عثمان الدمشقی ثنا عبد العزیز یعنی الدراوردی عن ربیعة بن ابی عبد الرحمن عن عبد الملک بن سعید بن سوید قال سمعت ابا حمید او ابا اسید الانصاری یقول قال رسول اللہ ﷺ اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم علی النبی ﷺ ثم لیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتک واذا خرج فلیقل اللھم انی اسالک من فضلک۔

ترجمہ: حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے پھر کہے اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو کہے اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔[1]

حدثنا محمد بن بشار ثنا ابو بکر الحنفی ثنا الضحاک بن عثمان ثنی سعید المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم علی النبی ﷺ ولیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتک واذا خرج فلیسلم علی النبی ﷺ ولیقل اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب باہر نکلے تو حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے

---

[1] تخریج حدیث: (۱):..... اس حدیث مبارکہ کو امام ابو داؤد متوفی نے ''سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فیما یقولہ الرجل عند دخول المسجد ج ۱ ص ۱۲۶ رقم الحدیث ۴۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت'' میں (۲):..... امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ نے ''سنن دارمی ج ۱ ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۱۳۹۴ مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت'' میں (۳):..... امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے ''سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات باب الدعا عند دخول المسجد ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۷۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت'' میں (۴):..... امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ نے ''مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۲۳۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت'' میں (۵):..... امام احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ نے ''سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۴۱ رقم الحدیث ۴۱۱۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ'' میں (۶):..... امام امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ نے ''صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۳۹۷ رقم الحدیث ۲۰۴۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت'' میں روایت کیا ہے۔

اور کہے اے میرے اللہ مجھے شیطان مردود سے بچا۔[1]

دیکھئے خطیب جب خطبہ جمعہ میں درود شریف پڑھتا ہے تو منبر پر کھڑے ہو کر ہی پڑھتا ہے تو میرے بھائیو! باستثناء ان مواقع کے جہاں مثلا بحالت قعود جس طرح التحیات میں یا خاص بحالت قیام جس طرح خطبہ میں یا نماز جنازہ میں یا مسجد میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا ثابت ہے باقی اور مواقع میں صلوٰۃ وسلام کو کسی حالت سے خصوصیت نہیں بلکہ بلحاظ مندوب وموجب اجر وثواب ہونے کے سب حالتوں میں برابر ہے تو کسی ایک حالت کی خصوصیت پر زور دینا اور دوسری حالت میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روکنا یہ ناجائز و بدعت ہے۔[2]

(۱۲)﴿باب نمبر بارہ خواتین کے علوم ظاہری و باطنی میں ارشاد وتبلیغ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ عورتیں دین اور ارشاد کا کام نہیں کرسکتیں حالانکہ ظاہری علوم کی عالمہ مدرسہ ومفتیہ بن جاتی ہیں تو باطنی علوم کے ارشاد کا کام تو بطریق اولیٰ کرسکتی ہیں کیونکہ وہ بھی فرض عین ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیے ہیں۔[3]

درعموم ایاتہا نفی نساء ابداً متصور نیست بلکہ درسائر اعمال ہر دوفریق مساوی الطرفین ہستند باعتبار کہ ہن ناقصات العقل وناقصات الدین سلسلہ نبوت ورسالت از انہا متبری است ولی درسلسلہ معرفت ومراتب قرب خداوندی بعض نساد رجنب رجال قدم راسخ دارند بلکہ بعض نسارا بر بعض اولیاء سبقت بیشتر دیدہ شدہ است۔

ان آیات کے عموم میں عورتوں کی نفی کبھی متصور ہی نہیں ہوسکتی بلکہ تمام اعمال میں مرد وزن برابر ہیں لیکن ہاں اس اعتبار سے کہ عورت ناقص العقل اور ناقص الدین ہے اس لیے ان کو منصب نبوت و رسالت سے علیحدہ رکھا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب خداوندی میں بعض عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ثابت قدم ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض عورتیں بعض مردوں سے سبقت لے جاتی دکھائی دیتی ہیں۔

مولانا عبدالرحمن بن احمد جامی درکتاب خود نفحات الانس در بایہ زنان عارفات بابی نماد ہ اند فی ذکر النساء العارفات والواصلات الی مراتب الرجال صاحب فتوحات رحمہ اللہ تعالیٰ در باب ہفتاد وسوم از فتوحات بعد از انکہ ذکر بعض از طبقات رجال اللہ کردہ است میگوید۔ وکل ماتذکرہ من ہولاء الرجال باسم الرجال فقد یکون منہم النساء ولکن یغلب ذکر الرجال قیل لبعضہم کم الابدال قال اربعون نفسا قیل لہ لم لا نقول اربعون رجلاً فقال فقد یکون فیہم النساء۔

مولانا عبدالرحمن بن احمد جامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں "ذکر النساء العارفات الواصلات الی مراتب الرجال" کے نام سے علیحدہ باب کا ذکر کیا ہے اور صاحب فتوحات نے فتوحات کے ۷۳ ویں باب میں اللہ عزوجل والوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: جو تمام تذکرہ ہم نے مردوں کے متعلق مردوں کے نام سے کیا ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہیں لیکن مردوں کا ذکر غالب تھا (اس لیے مردوں ہی کا تذکرہ کیا عورتوں کا نہیں) نیز ارشاد فرمایا:

---

[1] تخریج حدیث: (۱):.....اس حدیث مبارکہ کو امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ نے "سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۷۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت" میں (۲):.....امام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۴۱۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض" میں (۳):.....امام احمد بن علی بن المثنی ابویعلی الموصلی متوفی ۳۰۷ھ نے "مسند ابویعلی ج ۱۲ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۶۷۵۴ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق" میں روایت کیا ہے۔

[2] (بحوالہ احب الاعمال فی زیارۃ خیر الانام ﷺ مصنف حضرت علامہ مولانا مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی)

[3] (سورۃ الذاریات ۵۶:)

کسی اللہ والے سے پوچھا گیا کہ ابدال کتنے ہیں تو فرمایا کہ چالیس نفوس ہیں۔ان سے عرض کی گئی کہ آپ نے چالیس مرد کیوں نہیں فرمایا (چالیس نفس کیوں کہا؟) فرمایا کبھی کبھی ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

شیخ ابوعبدالرحمن السلمی صاحب طبقات المشائخ درذکر احوال نسوہ عابدات ونساء عارفات علیحدہ کتابی جمع کردہ است وشرح احوال بسیاری از ایشان در بیان آوردہ قال بعضهم

ولو کان النساء کمذکرنا　　لفضلت النساء علی الرجال

فلا التانیث لاسم الشمس عیب　　ولا التذکیر فخر للهلال

شیخ ابوعبدالرحمن اسلمی صاحب طبقات المشائخ نے عابدہ اور عارفہ عورتوں کے احوال کے متعلق ایک علیحدہ کتاب جمع فرمائی ہے اور اس میں کئی خواتین کا ذکر کیا ہے۔شاعر کا کہنا ہے۔

ترجمہ: اگر عورتیں ان مردوں کی طرح ہو جائیں جن کا ہم نے ذکر کیا تو وہ مردوں پر فضیلت لے جائیں۔

ترجمہ: نہ تو (لفظ) شمس کو مؤنث ہونا عیب کی بات ہے اور نہ ہی (لفظ) ہلال کا مذکر ہونا قابل فخر ہے۔[1]

۱۔رابعہ عدویہ : از اہل بصرہ بود سفیان ثوری از ومسائل می پرسید وموعظت ودعای وی رغبت می نمود رابعہ گفتہ است کہ ہر چیز را ثمرہ ایست وثمرہ معرفت روی بخدا آوردنست۔

ترجمہ۔رابعہ عدویہ رحمہ اللہ اہل بصرہ میں سے تھیں۔حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور ان کی نصیحت اور دعا کے طالب رہتے تھے۔حضرت رابعہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) فرماتی ہیں کہ ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور معرفت کا پھل اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

۲۔ مریم البصریہ از اہل بصرہ است درعصر رابعہ بودہ وباوی صحبت داشتہ وبعد از رابعہ چندگاہ زیستہ وچون سخنان محبت شنیدی مست وبیخود گشتی۔روزی از محبت سخن میگفتند زہرہ وی۔۔ودر مجلس جان بداد۔ص ۶۱۶ نفحات

ترجمہ۔مریم البصریہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) : یہ بھی اہل بصرہ میں سے تھیں۔حضرت رابعہ بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی ہم عصر تھیں اور ان کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔حضرت رابعہ بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہیں۔جب بھی محبت الٰہی کی باتیں سنتیں تو بے خود ومست ہو جایا کرتی تھیں۔ایک دن لوگ محبت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور اسی محفل میں جان آفرین کے سپرد کر دی۔[2]

۳۔رابعہ شامیہ : زوجہ احمد بن ابی الحواری بود گاہی بودی عشق ومحبت غلبہ وگاہی انس وگاہی خود در حال غلبہ می محبت میگفت۔

ترجمہ۔رابعہ شامیہ : آپ حضرت احمد بن حواری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) کی زوجہ تھیں کبھی آپ پر عشق کا غلبہ ہوتا کبھی انس کا اور کبھی خوف کا جب محبت کا غلبہ ہوتا تو کہا کرتی تھیں۔

حبیب لیس یعدله حبیب　　وما لسواه فی قلبی نصیب

ترجمہ: میرا دوست ایسا ہے جس کے مقابلے کا کوئی دوست نہیں اور میرے دل میں اس کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں۔

حبیب غاب عن عینی وجسمی　　ولکن عن فوادی لا یغیب

ترجمہ: (میرا) محبوب میری آنکھ اور جسم سے دور ہے لیکن میرے دل سے دور نہیں۔

انس کے حال میں کہا کرتیں:

---

[1] (نفحات، ص ۲۱۵)

[2] (نفحات ص ۶۱۶)

ولقد جعلتک فی الفواد محدثی　　وبخت جسمی من اراد جلوسی

ترجمہ: تجھے میں نے اپنے دل میں گفتگو کا مرکز بنالیا ہے اور اپنے جسم سے باتیں اس کے لیے روا کر دی ہیں جو میرے بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے۔

فالجسم منی للجلیس موانس　　حبیب قلبی فی الفواد انیسی

ترجمہ: میرا جسم میرے ہم نشین کا غمگسار ہے اور میرے دل کا دوست میرے دل کا ساتھی ہے۔

خوف کے حال میں کہا کرتیں:

وزادی قلیل لا اراہ مبلغی　　اللزادا ابکی ام بطول مسافتی

ترجمہ: میرا زاد راہ کم ہے۔ مجھے اپنی منزل ملتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیا میں زاد راہ کے لیے روتی ہوں یا طویل سفر کی وجہ سے۔

اتحرقنی بالنار یا غایۃ المنی　　فاین رجائی منک این مخافتی

ترجمہ: اے میری امیدوں کی انتہا کیا تو مجھے آگ میں جلا ڈالے گی، میں نے کہاں تم سے امید لگائی ہے اور کہاں تم سے ڈرتی ہوں۔

۴۔ فاطمہ نیشابوریہ از قدماء نساء خراسان بودہ است و از کبار عارفات رحمہ اللہ تعالیٰ یک از مشائخ ذوالنون را پرسید کہ را بزرگ تر دیدی از این طائفہ گفت زنی بود در مکہ کہ ویرا فاطمہ نیشابوریہ میگفتند در فہم معانی قرآن سخنان میگفت کہ مرا عجب می آمد وی گفتہ من عمل للہ علی المشاھدۃ فھو عارف و من عمل علی مشاھدۃ اللہ ایاہ فھو المخلص۔

ترجمہ۔ فاطمہ نیشاپوریہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) : یہ خراساں کی بزرگ خواتین میں سے تھیں اور بڑی بڑی عارفات میں سے ایک تھیں۔ کسی بزرگ نے حضرت ذوالنورین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا اس عارفوں کے گروہ میں سے آپ کو بزرگ ترین ہستی کونسی نظر آئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مکہ میں ایک خاتون دیکھی تھیں۔ لوگ اسے فاطمہ نیشاپوریہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ قرآن کے ایسے معانی بیان کرتیں کہ میں حیران ہو جاتا تھا وہ فرماتی تھیں۔

جس شخص نے اللہ کے لیے اس کو دیکھ کر عمل کیا وہ عارف ہے اور جس نے یہ سمجھ کر عمل کیا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے وہ مخلص ہے۔

۵۔ فاطمۃ البروعیۃ دراروبیل بودہ کانت من العارفات المتکلفات بالشطح بعض از مشائخ ویرا از قول صلی اللہ علیہ وسلم کہ از حق سبحانہ حکایت کردہ است کہ "انا جلیس من ذکرنی، سوال کرد بگفت۔ ان الذکر ان تشھد ذکر المذکور لک مع دوام ذکرک لہ فیفنی ذکرک فی ذکرہ لہ ویبقی ذکرہ لک حین لامکان ولا زمان،[1]

۵۔ فاطمہ البروعیۃ : اروبیل کے علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں اور مقام شطح کی عارفہ خواتین اور متکلمات میں تھیں کسی اللہ والے نے آپ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

انا جلیس من ذکرنی (جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں) آپ اس کے متعلق کیا فرماتی ہیں آپ نے فرمایا کہ ذکر یہ کہ تو ہمیشہ مذکور کے ذکر میں کمر بستہ رہے اور تیرا ذکر اس کے ذکر میں فنا ہو جائے اور پھر اسی کا ذکر تیرے لیے وہاں باقی رہ جائے جہاں نہ مکاں ہے نہ زماں۔

پس ہیچ شکی نیست لہ در طی مقامات قرب خداوندی وحصول خلعت ارشاد نسواں بارجال طریق متساوی اند حضرت مجدد حضرت صاحب قدس اللہ سرہ در آخر مکتوب چنین تحریر فرمودہ است مخدوماً اکابر طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہمین راہ نامسلوک را اختیار کردہ اند و آن راہ نامعہود

---

[1] ص ۶۳۳۔ نفحات۔

درطریقہ این بزرگواران رامعہود گشتہ است وعالم عالم رااز ین راہ بتوجہ وتصرف بمطلب میرسانند این طریق راوصول لازم است اگرمراعات پیر مقتدا نمودہ اید چہ درین طریق پیروجوان درفصول برابرند ونساء صبیان متساوی بلکہ موتی نیز ازین دولت امیدوارند حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمودہ اندکہ ازحق سبحانہ وتعالیٰ طریقی خواستہ ام کہ البتہ موصل باشد وحضرت خواجہ علاؤالدین عطارکہ خلیفہ نخستین ایشان است درین معنی این بیت میخواند۔

گرنہ شکستی دل دربان راز　　قفل جہان ہمہ بکشاوی

ثبتنا اللہ سبحانہ علی طریقتہ ہولاء الاکابر ازنعمت معرفت نساء رافرونگذاشت بلکہ علاوہ برنسوان طائفہ پیروجوان وبلکہ صبیان واموات رانیز سہیم وشریک نشان دادند۔ برای تشفی منصف ہمین قدر بس است واگرتصریح مزید میطلبند لابدی است کہ از دیگر کتب معتمدہ قوم دراثبات ارشادنسوان عارفات حجتی رابمیان آریم۔

لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ قرب خداوندی کے مقامات طے کرنے میں اورخلعت وارشاد کے حصول میں عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔حضرت مجدد قدس اللہ سرہ مکتوب نمبر ۳۰۰، ج ا، کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ کے اکابرین نے اسی راہ نامسلوک کو اختیار کیا ہے اور یہ غیر معروف راہ ان بزرگان کے طریقہ میں معروف راہ بن چکی ہے۔ یہ بزرگ اپنی توجہ اورتصرف سے ایک دنیا کو منزل مقصود تک پہنچادیتے ہیں۔ یہ راہ ایسی ہے جس میں منزل مقصود تک پہنچنا لازمی ہے۔مگر پیر کی توجہ رہنمائی کرے تو پھر کیا بوڑھے کیا جوان کیا عورتیں کیا بچے سب مقصود کے حصول میں برابر ہیں بلکہ مردے بھی اس دولت سے حصہ پاتے ہیں۔حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسا طریقے عطا کیے جانے کی درخواست کی جویقینی طور پر اس (اللہ تعالیٰ) تک پہنچانے والا ہو۔حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوکہ آپ کے پہلے خلفاء میں سے ہیں، نے اسی معنی میں یہ شعر پڑھا ہے:

ترجمہ: اگر تو راز کے دربان کی دل شکنی نہ کرتا تو تو دنیا کے تمام تالے کھول سکتا۔

فاطمۃ ابنۃ جمال الدین سلیمان

فاطمة ابنة الشيخ الإمام المقرئ المحدث جمال الدين سليمان بن عبد الكريم بن عبد الرحمن بن سعد الله بن أبي القاسم الأنصاري الدمشقي.

كانت من النساء العالمات العاقلات المحدثات الصادقات في الرواية أخذت الحديث عن والدها وعن أجلاء عصرها وقد أخذ عنها الحديث جملة مثل الصفدي وخلافه وأجازها معظم علماء القرن السابع للهجرة من الشام والعراق والحجاز وفارس وغيرها وكانت ولادتها في سنة 620هجرية، وتوفيت في سنة 708هجرية، وكانت ذات ثروة وافرة تمكنت منها بأعمال خيرات ومبرات ومدارس وبمارستانات وتكايا، وأوقفت لتلك المحلات الخيرية أوقافا، ورتبت لمستخدميها رواتب حتى باهت بأفعالها الخيرية أعاظم رجال ونساء عصرها - رحمها الله تعالى.[1]

فاطمة ابنة الخشاب

كانت شاعرة مجيدة وفصيحة بليغة لها قصائد مطولة وأشعار لطيفة ونثر جميل، عاصرت الصفدي في القرن السابع. وقد اجتمع عليها جملة من العلماء والأماثل والأدباء الأفاضل، وقد أجازها في الحديث جملة منهم وروى عنها كثير أيضا.

وقد أرسلها يوما العلامة قاضي القضاة شهاب الدين بن فضل الله بقصيدة غراء نحو سبعة وعشرين بيتا ومطلعها:

---

[1] (الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمہ ابنۃ جمال الدین سلیمان، جلد 1 ص 366)

هل ينفع المشتاق قرب الدار... والوصل ممتنع مع الزوار

يانازلين بمهجتي وديارهم... من ناظري بمطمح الأنظار

هيجتم شجني فعدت إلى الصبا... من بعدما وخط المشيب عذاري

فأجابته المترجمة بقصيدة على وزنها وقافيتها تزيد عن العشرين بيت لم نعثر منها إلا على هذين البيتين وهما:

إن كان غركم جمال إزار... فالقبح في تلك المحاسن وار

لاتحسبوا أني أماثل شعركم... أنى يقاس جداول ببحار

فلما وصلت هذه القصيدة إلى قاضي القضاة وجدها كلها ألفاظا درية ومعاني عبقرية أكبر مخاطبته وأخذها بعين الكمال، ولم يخاطبها إلا بما يوافق مقام العلماء الأعلام، وبقيت معززة مكرمة إلى أن ماتت وحضر مشهدها جملة من العلماء والأعيان والحكام - رحمها الله تعالى.[1]

فاطمة النيسابورية رضي الله تعالىٰ عنها

كانت من ذوي الزهد والورع ولابسات المسوح حجت جملة مرار من بيت المقدس إلى مكة وهي ماشية على قدميها، وكانت معاصرة لذي النون المصري وأبي يزيد البسطامي وكان ذو النون المصري - رضي الله عنه - يقول: فاطمة أستاذتي.

وكانت تقول: من لم يراقب الله تعالى في كل حال فإنه ينحدر في كل ميدان ويتكلم بكل لسان، ومن راقب الله في كل حال أخرسه إلا عن الصدق وألزمه الحياء منه والإخلاص له.

وكانت تقول: من عمل لله على مشاهدة الله إياه فهو مخلص، وكان أبو يزيد البسطامي يقول عنها: ما رأيت امرأة مثل فاطمة ما خبرتها عن مقام إلا كان الخبر لها عيانا. ماتت في طريق العمرة بمكة سنة ثلاث وعشرين ومائتين.[2]

فاطمة بنت الإمام السيد أحمد الرفاعي الكبير

كانت عابدة فاتنة صالحة حافظة لكتاب الله فقيهة في دين الله محافظة على الدين مكرمة للصالحين خاشعة قانعة باكية، هائمة في الله تعالى شغلها حب الله تعالى عن غيره.

رأى الشيخ الفاروقي - قدس سره - رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام والسيدة فاطمة هذه وأختها السيدة زينب بين يديه والنبي صلى الله عليه وسلم يقول: فاطمة فاطمتي، وزينب زينبي وبنتاي وبنتا ولدي أحب أهل هذا البيت يا عمر. فأفاق الفاروقي مندهشا وغشي عليه الليل كله، فلما أصبح استأذن على السيدة فاطمة، فلما وقف وراء الحجاب قالت له بصوت حزين وخشية وأنين قبل أن يذكر رؤياه: جدنا بنا رحيم صلى الله عليه وسلم.

أخذ عنها القراءة ولدها السيد أبو إسحاق إبراهيم الأعزب وولدها السيد نجم الدين أحمد - رضي الله عنهما - وسمعا منها حديث الرسول وحدث عنها السيد أحمد الصبان - رضي الله عنه - في كتاب (الوظائف).

فاطمة بنت السيد عبد الرحيم الرفاعي

---

[1] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمه ابنة خشاب، جلد 1 ص 366)

[2] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمه النيسابورية رضى الله تعالىٰ عنها، جلد 1 ص 366)

وتلقب ملكة. قال الإمام أحمد الزبرجدي الكبير - قدس سره - حين ذكرها :السيد فاطمة أخت القطب الجليل السيد أحمد الصياد بن الرفاعي - قدس الله سره - العزيز يلقبها أهل بيتهم ملكة. كانت صالحة عارفة عالمة عابدة خاشعة، حجت مع أخيها السيد عز الدين أحمد الصياد الشهير سنة ثلاث وأربعين وستمائة وزارت مدينة النبي صلى الله عليه وسلم، فلما تمثلت أمام قبر جدها عليه السلام قالت:

يارب إقبلت لديك زيارتي ... فاجعل [بطيبة] قرب طه مدفني

ثم غشي عليها فرفعوها إلى محلها فماتت ذلك اليوم ودفنت بالقرب من حرم النبي صلى الله عليه وسلم، ومرقدها المبارك معروف يزار بالمدينة ويترك به - رضي الله عنها - وهي حفيدة الغوث الأكبر سيد الأولياء السيد أحمد الرفاعي - رضي الله عنه - من بنته السيدة العارفة بالله الشريفة زينب ووالدها القطب الأعظم السيد عبد الرحيم الرفاعي الحسيني - رضي الله عنهم أجمعين.[1]

فاطمة علية

هي ابنة العلامة المفضال المؤرخ الشهير جودت باشا، ناظر العدلية العثمانية سابقا. ولدت فاطمة علية في الأستانة العلية ليلة الثلاثاء السابع والعشرين من شهر ربيع الثاني سنة 1279 هجرية الموافق 9 تشرين الأول (أكتوبر) سنة 1862 ميلادية. ولما تولى والدها ولاية حلب الشهباء سنة 1282 هجرية كان عمرها ثلاث سنوات ولما ظهر عليها من أمرات النجابة أحبها حبا شديدا فأخذها معه ومكثت عنده مدة ولايته وهي سنتان تحت ناظريه.

ولما رجع إلى الأستانة استحضر لها معلمين ومعلمات وهو تقلب في جملة وظائف مهمة في الدولة العثمانية إلى أن بلغت من العمر أربع عشرة سنة فتعين والدها في ولاية ثانية، وكان ذلك في سنة 1292 هجرية، فذهبت معه ولم يمكث بها كثيرا ورجع إلى الأستانة ومع ذلك فإنها أينما توجهت فإنها مشتغلة بالعلوم والمعارف .[2]

فاطمة الفقيهة ابنة علاء الدين محمد بن أحمد السمرقندي

كانت من الفقيهات العالمات بعلم الفقه والحديث أخذت العلم عن جملة من الفقهاء وأخذ عنها كثيرون. وكان لها حلقة للتدريس وقد أجازها جملة من كبار القوم، وكانت من الزهد والورع على جانب عظيم تزوجت بفخر الأنام العالم العلامة علاء الدين القاشاني ومكثت عنده زمنا طويلا، وقد ألفت المؤلفات العديدة في الفقه والحديث وانتشرت مؤلفاتها بين العلماء والأفاضل، وكانت معاصرة للملك العادل نور الدين الشهيد وطالما استشارها في بعض أموره الداخلية وأخذ عنها بعض المسائل الفقيهة وكان دائما ينعم عليها ويعضد مسعاها.

وقد توفيت بمدينة حلب ودفنت في مقبرة من قبور الصالحين وقبرها هناك مشهور بقبر المرأة وزوجها لأنها دفنت بعد وفاته بجانبه.[3]

---

[1] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمة بنت السيد عبد الرحيم الرفاعي جلد 1 ص 366)

[2] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمة علية جلد 1 ص 366)

[3] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمة الفقيهة ابنة علاء الدين محمد بن أحمد السمرقندي جلد 1 ص 366)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے طریقہ پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

معرفت کی نعمت سے عورتوں کو دور نہ رکھیں بلکہ عورتوں کے علاوہ بزرگ، نوجوان بلکہ اور مردوں کے متعلق بھی یہی سمجھیں کہ وہ اس میں برابر کے شریک وحصہ دار ہیں ان لوگوں (مخالفین) کی تسلی وتشفی کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر وہ مزید تصریح چاہیں تو ہم بزرگان دین کی ان کتب سے دلائل پیش کر سکتے ہیں جو کہ عارفہ عورتوں کے ارشاد کے اثبات میں تحریر کی گئی ہیں۔

در کتاب عمدۃ المقامات مسطور است ص ۴۹۵

تذکرہ سابع از منتخب سابع در ذکر عارفہ باللہ ومقبولہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا خدمت ایشان والدہ ء راقم وخواہر زادہ حضرت قیوم جہان انداول بخدمت حضرت قدوۃ الاولیاء شاہ غلام محمد شرف بودند وارنسبتہائی خاصہ ایشان بہرہ یافتہ چنانچہ رمزی از ان در تذکرۂ احوال حضرت قدوۃ الاولیاء گذشتہ چون حضرت قیوم جہان اشارہ بدان رفتہ وسلوک آن راہ از سرنو بخدمت ایشان از ابتداء تا انتہاء بانجام رسانیدند وبہ اعلیٰ درجات کمال وا کمال فائض ومشرف شدند اول نسب ایشان بہ بیان آوردہ شو بعدہ کیفیت احوال ایشان بطریق اجمال مذکور گردد والد ماجد حضرت بی بی صاحبہ حضرت شاہ عطاء اللہ نام دارندہ درنسب ازطرف آبائی کرام از سادات بخاری دھلوی انداز اولاد حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ کہ درایام حضرت مجدد الف ثانی، درحضرت دہلی صاحب ارشاد بودند وطریق اجداد خود را ترویج میفرمودند از جناب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مکاتیب بطرف ایشان ورود یافتہ دران مکاتیب فقرات مدحیہ ایشان بسیار نوشتہ اند انشاء اللہ مکتوبی از ان مذکور خواہد سہ حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بحضرت مخدوم جہانیاں میرسد وطریقہ نیز از ایشان داشتند مکتوبی کہ بالا وعدہ ذکر شدہ نوشتہ می شود۔

عمدۃ المقامات کے صفحہ ۴۹۵ پر مرقوم ہے۔

منتخب سابع سے تذکرہ سابع : یہ تذکرہ عارفہ باللہ مقبولہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کے متعلق ہے (جس میں مرقوم ہے) کہ راقم کی والدہ اور حضرت قیوم زماں کی بھتیجی ان کی خدمت میں رہیں اس سے پہلے وہ حضرت قدوۃ الاولیاء شاہ غلام محمد شرف رحمہ اللہ کی خدمت میں رہیں۔لہذا ان خاص نسبتوں سے انہوں نے وافر حصہ حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت قدوۃ الاولیاء رحمہم اللہ کے احوال کے تذکرہ میں ان کا بھی ذکر گزر چکا ہے۔جب حضرت قیوم زماں قیومیت کے مقام پر فائز ہوئے تو بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) ان کی خدمت میں رہیں چنانچہ حضرت قیوم زماں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احوال میں ان کی طرف اشارہ گزرا ہے۔ بی بی صاحبہ نے ان کی خدمت میں رہ کر ان سے از سرنو ابتداء تا انتہا سلوک طے کیا اور کمال وا کمال (خود کمال پر فائز ہونا اور دوسرے کو بھی درجہ کمال تک پہنچا دینا) کے مقام سے مشرف ہوئیں۔ پہلے ان کے نسب کو بیان کیا جاتا ہے پھر اجمالی طور پر ان کے احوال کی کیفیت مذکور ہوگی۔حضرت بی بی صاحبہ کے والد ماجد کا نام حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ تھا۔اپنے آبائی نسب کے لحاظ سے ان کا تعلق دہلی کے بخاری سادات سے تھا جو کہ حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے زمانے میں دہلی میں صاحب ارشاد تھے اور اپنے اجداد کے طریقہ کی ترویج فرماتے تھے۔حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے حضرت کے نام کئی مکتوبات ملتے ہیں ان مکتوبات میں حضرت کی تعریف میں کئی عبارات لکھی ہیں۔حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری رحمہ اللہ نے جو مکتوب حضرت مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجے ان شاء اللہ ان میں سے ایک کا تذکرہ بھی ہوگا۔انہوں نے ان سے طریقہ بھی حاصل کر لیا تھا۔

جس مکتوب کا اوپر وعدہ کیا وہ ذیل میں مذکور ہے۔

مکتوب پنجاہ وپنجم از جلد اول شیخ عبدالوہاب بخاری صدور یافت چند گاہ است کہ دل را محبتی نسبت بملازمت شما پیدا شدہ است غیر ان ارتباطی کہ سابقا متحقق بود بناء علیہ بدعای ظہر الغیب بی اختیار مشغول است وچون سرور کائنات وفخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات فرمودہ اند

کہ من احب اخاہ فلیعلم ایاہ اظہار حب خود نمودن اولیٰ وانسب دانست و بہ این محبت کہ نسبت بہ اقربایٔ آنحضرت علیہ السلام پیدا شدہ رشتہ امیدواری تمام بدستِ آوردہ حق سبحانہ وتعالیٰ برمحبت ایشان استقامت ارزانی فرماید بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ صلوات والسلام مکتوبہ الشریف ۴۹۶

جلد اول مکتوب نمبر ۵۵، بسیادت پناہ شیخ عبدالوہاب بخاری، کچھ عرصہ ہوا کہ آپ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ سے محبت پیدا ہوگئی جو تعلق آپ سے پہلے تھا تو اس کو چھوڑ کر اسی وجہ سے آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آپ کے لیے دعا گو رہتا ہوں۔ حضور سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

من احب اخاہ فلیعلم ایاہ (جو اپنے بھائی سے محبت کرتا ہے تو اس کو (اس محبت سے آگاہ کردے) محبت کا خود بخود اظہار بہتر و اعلیٰ ہوتا ہے اور وہ محبت جو حضور ﷺ کے اقرباء سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے امید کا رشتہ ہاتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے طفیل ان کی محبت میں استقامت عطا فرمائے۔

اظہار نسبتی باطنی بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ علیہا)

چون خدمت ایشان بسیر محبوبی ومرادی مراتب اظہار کمال واکمال را حاصل کردند ومعاملات سنین را بساعات علی فرمودند و بمقامات علی ومراتب مستعالی مشرف شدند و چون مشرب ایشان محمدی واقعہ شدہ بودہ جمیع مدارج ولایات فائض گردیدند دقیقہ از دقائق اسرار وکمال نماندکہ بدان ممتاز نشدند و بہ الہامات خاصہ وعنایات مختصہ وسرور آمدند مرشد ایشان حضرت قیوم جہان خدمت ایشان را تکلیف تام بامر ارشاد داشتند وایشان خود را زین امر خطیر یکسو نمودند وسوانح ان بیان میفرمودند ہر چند مبالغہ دران امر مشاہدہ میمودند کنارہ از اں می جستند درین لیت ولعل مدتی در گفتگوی کشید تا آنکہ در معاملہ بشرف زیارت جناب اطہر صلوات اللہ علیہ مشرف شدند واز ان سرور کائنات وفخر موجودات بخلعت خاصہ خلافت ارشاد وممتاز ومجاز گردیدند وتاکید اکید درین امر شریف دیدند لاچار اظہار بخدمت مرشد والا تبار خود نمودند وان قیوم وقت چون از مدتی خواہش این امر داشتند ازین مرور گردیدہ نامۂ اجازت وارشاد برای ایشان نوشتہ وجبہ ودستار خود را بہ تبرکات بہ ایشان عنایت فرمودند وجماعت طلاب کہ بخدمت عالی بود امر کردند کہ بخدمت حضرت بی بی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ رفتہ از بیرون حجرہ شریف توجہ گرفتہ باشند حتی کہ خلفای کامل خود را نیز اذن بتوجہ از ایشان نمودند وفرزنداں واطفال واہل خود را تمام چہ بنات وچہ ازدواج بخدمت ایشان مرید کردند ایشان بہ امر مرشد واشارہ ارواح طیبہ طوعاً وکرہاً مشغول شدند تاثیر درمستر شدان ایشان بنوعی شدکہ مافوق ان متصور بنا شد ومردم از دور ونزدیک خصوصاً از عالم نساء بہ ایشان رجوع آوردند وہنگامہ ارشاد فیض رشاد ایشان در اطراف واکناف منتشر شد بسا نسوان از خانمان خود دوست برداشتہ بذیل دامان ایشان افتادند واز انوار واسرار سرمست وسرشار شدند وبسیاری از مستر شدات ایشان مجذوبہ گردیدند حتی کہ درخانہ ایشان مجذوبات زنجیر بپا ہمیشہ فتادہ بودند درعالم نسوان مثل این اجتماع للہ وفی اللہ کہ درخدمت ان مقبولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدہ بود چہ درمتقدمین ومتاخرین از صالحات شیزہ نہ شدہ بلکہ درعالم رجال خال خال دران حال باین قوت کمال واکمال بودہ باشد

بیت

فیض روح القدس اگر باز مدد فرماید　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

۱۔ بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی باطنی نسبت کا اظہار۔

جب بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) نے ان کی خدمت میں رہ کر مراتب کمال واکمال حاصل کرلیے اور معاملات سنین بہت جلد طے کرلیے اور بلند

مقامات اور اعلیٰ مراتب سے مشرف ہوگئیں اور جب ان کا مشرب مشرب محمدی ہوگیا اور ولایت کے جملہ مدارج کا فیض حاصل کرلیا تو اسرار و کمال کی کوئی باریکی نہ تھی جس سے وہ ممتاز نہ ہوئی ہوں اور جب خاص الہامات اور خاص عنایات سے بھی فیض یاب ہوگئیں تو آپ کے مرشد حضرت قیوم جہاں رحمہ اللہ نے ان کو ارشاد و تبلیغ کا حکم دیا لیکن انہوں نے خود اپنے آپ کو اس مشکل معاملے سے دور رکھا اور اس امر مشاہدہ سے ہر چند کنارہ کیے رکھا اور ایک مدت تک اس معاملے میں گفتگو کرنے سے پس وپیش سے کام لیتی رہیں یہاں تک کہ اسی معاملہ میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور حضور ﷺ نے ان کو خلافت و ارشاد کی خاص خلعت عطا فرمائی اور ان کو اجازت عطا فرمائی اور اس معاملہ میں سخت تاکید فرمائی ۔ پھر مجبوراً آپ نے اپنے مرشد گرامی سے اس (خواب) کا اظہار کیا۔ قیوم زماں تو مدت سے اس امر کی خواہش رکھتے تھے لہذا آپ بہت خوش ہوئے اور ان کو ارشاد و تبلیغ کا اجازت نامہ لکھ دیا۔ نیز اپنا جبہ و دستار تبرک کے طور پر ان کو عنایت فرمائیں اور جو طلبا آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ ان کو حکم ارشاد فرمایا کہ حضرت بی بی صاحبہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) کے پاس جایا کریں اور ان کے حجرہ کے باہر بیٹھ کر ان سے توجہ لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ نیز اپنے بیٹوں، بچوں اور اہل خانہ کو بھی یہی حکم دیا، کیا بیٹیاں کیا بیویاں تمام کو ان کا مرید کروادیا۔ آپ (بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) طوعاً و کرہاً مرشد گرامی کے حکم اور ارواح طیبہ کے اشارہ سے اس کام میں مشغول ہوگئیں۔ جلد ہی ان میں ایسی تاثیر نظر آنے لگی جو تصور میں بھی نہ تھی اور قریب و بعید سے لوگ خصوصاً عورتیں ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں۔ اطراف واکناف میں ان کے فیض و ارشاد کے ڈنکے بجنے لگے۔ ان کے اپنے خاندان کی بہت سی عورتیں ان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوئیں اور راز و اسرار سے سرمست و سرشار ہوئیں۔ بہت سی ارادت مند خواتین مجذوب ہوگئیں۔ یہاں تک ان مجذوب عورتوں کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر گھروں میں رکھا جاتا۔ عورتوں کی جو حالت ان مقبولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھی وہ کسی اور متقدمین اور متاخرین بزرگوں کے اجتماع للہ و فی اللہ میں سننے کو نہیں ملیں بلکہ مردوں میں بھی اس طرح کمال و اکمال کی قوت کا عالم خال خال ہی نظر آتا ہے۔

بیت

فیض روح القدس اگر باز مدد فرماید　　دیگراں ہم بکنند آنچہ میحا میکرد

ترجمہ: حضرت روح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد فرمائے تو دوسری ہستیاں بھی اسی طرح کرسکتی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

ارشاد خط:

ارشاد نامہ کہ خدمت حضرت قیوم جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ اند اینجا ثبت میشود،

هذا هو الحمد لله الذی خلق الآدم علی صورته و کرمه بخلافته و اجری تلک النسبة بین انبیائه و اولیائه صلوات الله علی نبینا محمد و آله الطاهرین و صاحبه المهتدین و کذالک علی الانبیاء اجمعین و اولیائ۔ المرضیین و عباد الله الصالحین اما بعد!

نمودہ می آید کہ خدمت مخدومہ معظمہ مکرمہ مظہر انوار القیوم نور العین وثمرۃ الفواد امۃ المعصومیہ سلمہا اللہ تعالیٰ چون سلوک و تسلیک طریقہ علیہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نزد فقیر حاجی صفی اللہ السرہندی باتمام واختتام رسانید و باعلی درجات کمال و اکمال مشرف شدہ قطع مراتب ولایت صغریٰ و کبریٰ و علیا و سیر الی اللہ و فی اللہ عروج در مدارج کمالات نبوت و رسالت و اولو العزم بمقامات انبیاء و رسل و دخول در صفوف ان اکابر و وقوف از علوم معیت احاطہ و سریان توحید وجودی و شہودی بتفصیل حاصل نمود و از حضور خاصہ نقشبندیہ بطرز حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ و فناء اتم و بقاء اکمل

وزوال عین واثر وفناء فنا تحقق یافت وارتقای از جمیع مقامات ظلال واصول ووصول باصل الاصل کہ از شائبہ ظلیت مبدا ویکسواست حاصل وقت اوشد وسوی آنچہ مذکور گردید بمعاملاتی مشرف شدکہ این کمالات نسبت بآن حکم قطرہ داردنسبت بدریای محیط چہ این کمالات ازعلوم واجب الاظہاراست وان از اسرارلازم الاستتاریضیق صدری ولاینطلق لسانی۔ایمای بان مینمایدوقطع منی ہذالبلعوم اشارہ بان میکند ودرمقام نزول چون عروج کامل آمد بخاطر فقیرافتادکہ معزاالیہاراجازت تعلیم وتلقین نماید تاخلائق از فیوض وبرکاتش بہرہ ورگردند اما مخدومہ مکرمہ معظمہ درقبول این امراہمال درزیدہ وتعویق درین امرافتاد تاعنایات بی غایات ازلی شامل حال اوگردید کاراورا ازحضیض باوج رسانیدوبمنصب خلت ومحبوبیت وبہرہ اصالت وفردیت ومایناسب ذالک من الخصوصیات والاازجناب اقدس خداندی علی التواتر والتوالی سرفراز وممتازشدوبشرف زیارت حضرت خیرالبریہ خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیۃ مشرف گردیدوازان جناب بخلعت خلافت وارشادماذون کامل شدودرقبول این امرتاکیداکیدیافت الحمدللہ علی ذالک حمداً کثیراً الاکابرالحال خدمت مخدومہ مشارالیہاراحتیاج باذن نیست اماچون ازقلم موسوم گردیدکہ بی اذن پیردرین امرخطیراقدام نمی نمایند لہذامیگردد کہ ہرکہ ازقسم نساء ورجال کہ طالب راہ ایزد ومتعال باشد بخدمت شریفش برسد واخذطریقہ نمایدگویا باین فقیررسیدہ باشد وبقدراستعداد از انعکاس باطن شریفش بہرہ ورگردد شرط الاجازۃ الاستقامہ بالشریعہ المرضیہ والسنۃ المصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والسلام والتحیۃ والرسوخ بمحبۃ الشیوخ السلسلۃ العلیۃ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین ثم الصلوات والسلام علی خیر الانام وعلی آلہ العظام وصحبہ الکرام الی یوم القیام۔

ارشادخط:

حضرت قیوم جہاں رحمہ اللہ کاارشادنامہ ذیل میں درج کیاجاتاہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے حضرت آدم علیہ السلام کواپنی صورت پر پیدافرمایااوراپنی خلافت سے ان کونوازااوراس نسبت کو انبیاءاوراولیاء کے درمیان جاری فرمایااوراللہ عزوجل کی رحمتیں ہوں۔ہمارے نبی محمد ﷺ پراوران کی آل پاک پراوران کے ہدایت یافتہ اصحاب پراوراسی طرح رحمتوں کانزول ہوتمام انبیاءعلیہم السلام واولیاء(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) اوراللہ عزوجل کے نیک بندوں پراما بعد!دیکھنے میں آیا ہے کہ جب مخدومہ،محترمہ،معظمہ،مکرمہ،مظہرانواراالقیوم،نورالعین ثمرۃ الفوادامۃ المعصومہ سلمہا اللہ تعالی۔نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کاسلوک فقیرحاجی صفی اللہ سرہندی سے مکمل کیااورکمال واکمال کے اعلیٰ درجات سے مشرف ہوگئیں اورولایت صغریٰ اورکبریٰ وعلیا حاصل کرلیں اورسیرالی اللہ سیرفی اللہ کے مدارج میں عروج حاصل کرلیااورکمالات نبوت ورسالت میں عروج حاصل کیااورانبیاءورسل کے مقامات میں صعود سے مشرف ہوچکیں اور ان اکابرین کی صفوں میں داخل ہوگئیں اورمعیت احاطہ کےعلوم اورتوحیدوجودی وشہودی کی سیرکاتفصیل سے مشاہدہ کرلیااورطریقہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مجددالف کے طریقہ کے مطابق حضورکامقام پالیااورمکمل فنااوراکمل بقااورعین واثر کے زوال اورفنافی فنا کے مقام کو حاصل کرلیا۔ظلال اصول اوروصول باصل الاصل کے تمام مقامات میں اس قدرترقی حاصل کرلی کہ اس میں ظلیت کے شائبہ سے یکسوئی حاصل ہوگئی۔نیز مذکورہ بالا مقامات کےعلاوہ ایسے بہت سے دیگرمقامات سے مشرف ہوئیں کہ ان کی مثال ان کے مقابلہ میں قطرہ ودریاکی سی ہے۔

علوم کے ان کمالات کااظہارواجب ہوتاہے اوران کے اسراورموزکاپوشیدہ رکھناضروری ہوتاہے۔یضیق صدری ولاینطلق لسانی۔(میراسینہ تنگ

ہوتا ہے اور میری زباں نہیں چلتی) میں اُس کی طرف اشارہ ہے اور قطع منی ھذا البلعوم میں اس کی طرف اشارہ ہے اور جب انہوں (بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) نے نزول کے مقام میں عروج کامل حاصل کرلیا تو فقیر (حاجی صفی اللہ رحمہ اللہ) کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ بی بی صاحبہ کو تعلیم وتلقین کی اجازت دی جائے تاکہ مخلوق خدا ان کے فیوض و برکات سے بہرمند ہو لیکن ایک مخدومہ ومکرمہ (بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) تھیں کہ اس کو قبول کرنے سے اغماض برتتی رہیں اور اس امر کو ملتوی کرتی رہیں ۔ یہ اسی وجہ سے ہوگا کہ انتہائی ازلی عنایات ان کے شامل حال ہوجائیں ۔سو ہوا بھی یوں ہی کہ ان کا معاملہ پستی سے اوج ثریا تک جا پہنچا اور وہ خلت ومحبوبیت کے مقام سے مشرف ہوئیں اور اللہ جل جلالہ کی جناب سے اصالت وفردیت اور دیگر مقامات سے مشرف ہوئیں ۔(جو اس کے لائق تھے) پھر وہ حضرت خیر البریہ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ ﷺ نے خلافت و ارشاد کی خلعت عطا فرمائی اور اس کو قبول کرنے کی سخت تاکید فرمائی ۔ **الحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً ۔**

اگرچہ اب مخدومہ مذکورہ کو اجازت کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن چونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ پیر کی اجازت کے بغیر اس مشکل راہ پر قدم نہیں رکھنا چاہیے ۔لہذا یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ راہ خدا عزوجل کے طالبین تمام مرد وعورت کو چاہیے کہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان سے وہ طریقہ حاصل کریں جو فقیر سے ان کو پہنچتا ہے اور اپنی باطنی استعداد کے مطابق ان سے بہرمند ہوں اور اس اجازت کی شرط یہ ہے کہ شریعت مرضیہ پر استقامت اور سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلوات والسلام والتحیۃ پر ثابت قدم رہیں اور سلسلہ عالیہ کے شیوخ رحمہم اللہ سے محبت میں راسخ ہوں ۔

الصلوات والسلام علی خیر الانام وعلی آلہ العظام وصحبہ الکرام الی یوم القیمۃ ۔

بعد ازیں مدتی ارشاد درزیدند و جہانی از قسم نسوان از خدمت ایشان مستفیض شدند جماعت کہ بنقص عقل و دین متصف اند بکمال عرفان ویقین موصوف شدند

بیت

حنظل صحرا چو سیب بوستان میزند پہلو بقند ای دوستان

خدمت ایشان از کثرت مشاہدہ عنایت بی غایات جناب ایزدی دربارہ خود گاہی این فرد میخواند خود

اگر بادشاہ بر در پیرہ زمان بباید تو ای خوجہ سلہت فگن

اس کے بعد ایک مدت تک ارشاد وتبلیغ کا کام ہوتا رہا اور خواتین کا ایک جم غفیر ان کی خدمت سے مستفیض ہوتا رہا ۔ وہ جماعت جو ناقص العقل اور ناقص الدین تھی وہ معرفت ویقین کے کمال سے متصف ہوگئی ہے ۔

اے دوستو ! ریگستان کا تمہ (اندرائن جو ایک کڑوا پھل ہے) باغ کے سیب کی طرح اب میٹھے سے شانہ ملاتا ہے (مقابلہ کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کی ان پر بے پایاں عنایات دیکھ کر میں ان کی خدمت میں اکثر یہ شعر پڑھتا ہوں ۔

اس بزرگ عورت کے دروازے پر اگر بادشاہ بھی آئے تو اسے بھی مونچھیں نیچی کرنا پڑیں گی ۔

اینک صورت عرفان وارشاد بی بی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ اجمالاً تسوید یافت اگر بہ تفصیل برداختہ شود

بہ تطویل فی انجام وذالک یکفی للمؤمن المنصف لا المنکرین المتعصبین الذین ینکرون ویتعصبون ویسیؤن الادب فی شان اھل اللہ تعالیٰ ویفرطون فی شانھم ویشنعون علی ارشاد من کانت ھی اھلاً لھذا الامر المطلوب وطعنوا علی السالکات التی وصلت الیٰ ذروۃ مقامات السلوک ۔

یہ بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی معرفت وارشاد کے مختصر احوال تھے ۔ اگر تفصیل میں جاؤں تو بات لمبی ہوجائیگی ۔ بہرحال ایک منصف مزاج

مومن کے لیے یہی کافی ہے۔ان متعصبین ومنکرین کی بات نہیں کرتا جو اہل اللہ عزوجل کا انکار کرتے ہیں،ان سے تعصب رکھتے ہیں اوران کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ان کی شان میں تفریط سے کام لیتے ہیں۔اوران خواتین کی عیب جوئی کرتے ہیں جو اس مطلوبہ امر کی اہل ہوتی ہیں۔ ان سالکات پر طعن زنی کرتے ہیں جو مقامات سلوک کی بلندی تک جا پہنچتی ہیں۔

حاشاو کلانجانااللہ تعالیٰ من دنس کلامھم الذی یقولون بافواھھم قولا لا یقبلہ الشرع

حاشاوکلااللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کی فریب زدہ باتوں سے محفوظ فرمائے جو اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں۔شریعت جن کو قبول ہی نہیں کرتی۔ مزیدترین البتہ قارئین گرامیین وحضرات قائدین ومدرسین ان نواحی ملاحظہ کردہ دیدہ باشندکہ درضلع گجرات مدرسہ معتبرہ موجود است کہ تدریس میشود وان مدرسہ علوم دینی وفنون مذہبی وبالغ میشود طلاب ان مدرسہ بہ ہتصد نفر بلا انکار نکیر واختصامی دارد بہ نسوان آبخائی خاصۃ کہ موجد نبو باین نظم ونسق اینگونہ تعلیم وتربیت درقرون ثلاثہ کہ بلسان شفیع انس وجان صلی اللہ علیہ وسلم قرون ثلاثہ بوصف خیریت،وخیر القرون متصف شدہ است،واحداث گردیدہ است این امر درقرنی وصورت گرفتہ است درعصری کہ دراحادیث آں راز مانہ فتن گفتہ است کہ موجود میشود درآن حرج ومرج پس درحالیکہ بنارو بقا اینگونہ مدارس وامثال این باشارہ من راہ المسلمون حسنافھو عنداللہ حسن۔ مستحسن درشرع باشد ومدارافادہ واستفادہ کافہ زنان آن ناحیہ گردیہ باشدکہ ودین آموذش آراستن ظاہراست بآداب شریعت ومسوط ومسلم قرار کرفتہ است اصلاح امورمعاملاتی برآن پس چہ تصورمیرود درعلوم باطنی کہ درعرف جامعۂ خلف وسلف آنرا تصوف می نامندوثابت است بقرآن واحادیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام۔

اگرتذکارگردد ممکن میسازد تالیف ضخیمی را،احرازکردم از اشارت نیزودرکتب انرا حالت شریفہ نامیدہ است بلکہ آنرا نورو ہدایۃ وعنایۃ واثر توفیق من اللہ تعالیٰ ستائش کردہ است وعمل کردہ است بعین شریعت وعایت شان ازصفت موصوف میخواہندونہایت شان از اسم مسمیٰ میطلبند کہ نمی گنجد ہیچ تباین درمیان شریعت وطریقت زندیق میشود کہ طریقت راجدا شمارد ازشریعت زیرا راستن ظاہراست بآداب شریعت وپیراستن باطن است بآداب طریقت ووصل کردن خلق است،بخالق ومتخلق ساختن خلق است بہ خلق اللہ تعالیٰ بضناء وبقاء مشرف سختن است اہل اللہ رامنوط ومنحصراست این ہمہ توجہات تویہ شیخ مقتداء پس ہیچ احدی کہ صاحب بصیرت باشدنمی پزیردکہ جانب ظاہرکہ صورت شریعت وصل عمل انگارد جانب باطن کہ حقیقت شریعت عکس العمل مگرآنکہ مطمس البصیرت باشد۔

اگراس کا تذکرہ شروع ہوا تو ممکن ہے کہ ایک ضخیم کتاب میں ڈھل جائے اس لیے اشارہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔کتابوں میں (تصوف کو) حالت شریفہ سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ اس کی تعریف نور ہدایت عنایت اور توفیق من اللہ کے الفاظ سے کی گئی ہے اور یہ عین شریعت کے مطابق عمل کرنا ہے۔کیونکہ شریعت وطریقت میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں اور جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا گردانتا ہے وہ زندیق ہے کیونکہ آداب شریعت کے ذریعے ظاہر میں نکھار آتا ہے اور آداب طریقت سے باطن سنورتا ہے اور یہ مخلوق کو خالق سے ملا دیتا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف کر دیتا ہے اور اہل اللہ کو فنا و بقا کے مقام سے مشرف فرما دیتا ہے لیکن ان کمالات کے حصول کا دارومدار شیخ کامل ومقتدا کی توجہات پر ہے۔کوئی بھی صاحب بصیرت شخص اپنے ظاہر کو صورت شریعت اور اپنے باطن کو حقیقت شریعت کے بغیر نہیں رکھ سکتا۔لیکن جو شخص بے بصیرت ہو وہ تو پھر ایسا ہی کرے گا۔

بالجملۃ قصدی مماذکرتہ ھان اثبات الارشاد ودعوۃ الطریقۃ سواء کان رجالاً او نساء فالامر لیس کما یزعمہ المعاندون الحاسدون فلو فرضوا ارشاد النساء ممنوعا وتوجھا الی غیر المعروف کما یتفوہ المتقولون المانعون وھم فی الخطاب

یستویان فنسیر الی آیۃ واحدۃ قال ربنا جل جلالہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون قال ابن عباس لیعرفون فالخطاب مطلق والمطلق یجری علی اطلاقہ۔

المختصر مذکورہ بالا بحث سے میرا مقصد ارشاد اور دعوت کے مطلق طریقہ کو ثابت کرنا ہے۔ چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخالفین اور حاسدین گمان کرتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کا ارشاد ممنوع ہے اور ایک غیر معروف چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے جیسا کہ بعض باتیں بنانے والے اور منع کرنے والے کہتے رہتے ہیں تو پھر یہ بھی چاہیئے کہ مردوں میں سے جو اولیاء اللہ ہیں ان کی دعوت وارشاد کو بھی ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ مرد اور عورتیں شریعت کے احکام کے یکساں مخاطب ہیں۔ ہم صرف آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں پروردگار عالم نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿الذاریات ۵۶﴾

ترجمہ: میں نے جن اور انسان پیدا نہیں کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یہاں خطاب مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ **المطلق یجری علی اطلاقہ** (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے)۔

چون فریقین در معرفت برابر آمدند پس لابد در استفادہ و افادۂ ارشاد بی مضائقہ علی حسب الاستعداد مع رعایۃ تفاوۃ درجاتہما برابر آمدند اقول و ایضاً ان المانعون کما ینکرون دعوتھن فی علوم الباطن فلما ذا لا یمنعون تدریسھن فی العلوم الظاھر یس ھذا الا من علۃ انھم لم یشم رائحۃ من اسرار الطریقۃ۔

اس لیے جب ہر دو فریق (مرد و عورت) کا ذکر معرفت میں برابر ہوا ہے تو ضروری ہے کہ استفادہ وافادہ اور ارشاد میں وہ اپنی استعداد کے مطابق برابر ہوں لیکن ہاں یہ بات ہے کہ مرد و عورت کے درجات میں فرق کو بہر حال ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جس طرح مخالفین عورتوں کے لیے علوم باطنیہ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں تو پھر اسی طرح وہ علوم ظاہریہ میں بھی ان کی تدریس کا انکار کیوں نہیں کرتے؟ ان کا یہ انکار صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے ہے کہ وہ خود تو طریقت کے اسرار کی خوشبو پا نہ سکے (اور چلے ہیں دوسروں کا انکار کرنے)

و فی الاحیاء للغزالی لذۃ العلم بقدر شرف العلم و شرف العلم بقدر شرف المعلوم و قال فی آخر قولہ و بھذا تبیین ان العلم لذیذ والذ العلوم العلم باللہ تعالیٰ و بصفاتہ و افعالہ و تنبیرہ فی ممکنتہ من منتھی عرشہ الی تخوم الارضین فینبغی ان یعلم ان لذۃ المعرفۃ اقویٰ من سائر اللذات انتھی۔

امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ علم کی لذت اس علم کے شرف کے مطابق ہوتی ہے اور علم کا شرف معلوم کے شرف کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنے اسی قول کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ علم لذیذ ہوتا ہے اور لذیذ ترین علم اللہ تعالیٰ اس کی صفات اور افعال کا علم ہے۔ نیز عرش الٰہی کی انتہا سے لے کر تحت الثریٰ تک اس کی بادشاہت میں غور و فکر کرنا یہ لذیذ ترین علم ہے۔ لہذا جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت تمام لذات سے قوی ہے۔

و یا ایھا السالک و السالکۃ ابقا کماللہ بعد ما افنا کما۔ ان مسائل الجواب کثیرۃ جدا لا یمکن احصائھا علی التفصیل خوفاً عن الاطناب و لکن اثرت الی مجامعھا و سلکت اخصر المسالک فی نھایۃ الاختصار لئلا یقع بھذا مثلاً فلیبک علی نفسہ

ولیمت علی غیضہ واللہ در القائل:

وان کنت تعلم فذاک مصیبۃ وان کنت لاتعلم فالمصیبۃ اعظم

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل المرء لایزال عدو لما جھل

اب خضر از جوی بار اولیائ نہ خوریم از تشنۂ غافل بیاء

اے سالک مردوں اور عورتوں، اللہ تعالیٰ تمہیں فنا کے بعد بقا کا مقام عطا فرمائے۔ ان سوالوں کے جواب بہت زیادہ ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے ان کو بالتفصیل ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں۔ بہر حال میں نے اجمالاً ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ میں نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختصر راستہ اختیار کیا ہے تا کہ طالب سالک اور طالبہ وسالکہ دنیا کے جھوٹے پروپیگنڈا کرنے والوں کے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔ زمانہ کے تفرقہ بازوں کی واہمات میں نہ الجھیں اور مکار اور دھوکے باز لوگوں کی لغویات سے پریشان نہ ہوں۔ اہل علم خود بھی اس مسئلہ کو سمجھ لیں اور اہل عبادات کو بھی آگاہ کر دیں اور جو شخص ان دلائل پر بھی قناعت نہیں کرتا اسے اپنے آپ پر رونا چاہیے اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہی غصے کی موت مر جائے۔

شاعر نے اللہ کے کرم سے کیا عمدہ بات کی ہے:

ترجمہ: اگر تو جان جائے پھر بھی مصیبت ہے اور اگر تو نہ جانے تو پھر اس سے بڑھ کر مصیبت ہے۔

ترجمہ: شیخ شہر نے اہل دل کے اسرار پر طعنہ زنی کی آدمی جس چیز کو جانتا نہیں اس کا دشمن ہی رہتا ہے۔

فھذا الامر شروح ان اردت یطول لا یحتملھا المقام فھذا النبذ یکفی للعالم المحقق المنصف۔

یہ مسئلہ بہت واضح ہے اگر میں چاہوں تو بات کو طول دے سکتا ہوں مگر یہ مقام اس طوالت کا متحمل نہیں۔ یہ مختصر سی وضاحت ایک منصف مزاج عالم اور محقق کے لیے کافی ہے۔

فنسال اللہ الاستقامۃ علی جادۃ الشریفۃ المصطفویۃ علی صاحبھا الصلوات و السلام

فقیر سیف الرحمن اخندزادہ پیرارچی، ۱۴۱۵ ہجری ربیع الثانی

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت مصطفویہ علی صاحبھا الصلوات و السلام پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین والسلام،

فقیر سیف الرحمن اخندزادہ، ارچی وخراسانی، ۱۴۱۵ ہجری ربیع الثانی۔

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

کرامت: یکبارے بعضے عورات مستورات از محرمات فقیر وعم من شیخ محمد کہ شیخ فانی شدہ بود وطاقت رسیدن بملازمت ایشان نداشت بفقیر بجد شدند کہ ما را بر طریقۂ ایشان مشغول کن۔ گفتم من اجازت ندارم۔ از حضرت ایشان رخصت گرفتہ مشغولی خواہم گفت۔ چون بملازمتِ آنحضرت رسیدم معروض داشتم کہ بعضے نساء صالحات ازین فقیر طلب مشغولی می کنند، درین بر چہ حکم شود بر آن عمل نمایم و نام عم فراموش کردم۔ فرمودند بآن نساء مشغولی بگو بلکہ عم خود شیخ محمد را ہم خواہی گفت کہ او ہم مشتاق است۔ و نام پیرے دیگر بردند کہ پسر او آمدہ بود و از جانب او التماس مشغولی می نمود، بخانۂ وے رفتہ او را مشغولی بگوئی۔ بخاطر فقیر گزشتہ کہ این اجازت مقید است بہمین اشخاص یا دیگران را ہم اگر مشغول کنم مجوز باشد۔ ہنوز این خطرہ در دل استقرار نگرفتہ بود کہ

فرمودند کہ ترا اجازت مطلق ست کہ تو داخل عیال مائی۔ بعد ازان این فقیر بآن عورات وبعم خود و بآن پیر دیگر مشغولی فتہ ملازمت رسید۔ احوال آن جماعہ بتفصیل پرسیدند۔ عرض کردم کہ ہمہ را مشغولی گفتم و در ینہا بتوجہ حضرت خوب در گرفتہ۔ فرمودند الحمدللہ رب العالمین۔ بعد ازان چند کس دیگر را ہم تلقین ذکر کردم و احوال فرو رفتگیہا و استغراق ایشان بخدمت حضرت ایشان معروض داشتم۔ خوش وقت شدند و فرمودند مامی خواستیم کہ تو بنشینی و بارشاد خلق اللہ پردازی، کثرتِ عیال ترا ان می گزار

کرامت: ایک مرتبہ اس فقیر کی بعض محرم عورتوں نے اور میرے چچا شیخ محمد رحمہ اللہ نے جو بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھتے تھے مجھ سے اصرار کیا کہ حضرت کا طریقہ ہم کو سکھاؤ میں نے کہا کہ مجھے اجازت نہیں ہے میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجازت لے لوں تو پھر بتاؤں گا، جب میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ بعض صالح عورتیں اس فقیر سے ذکر کا طریقہ چاہتی ہیں، جو کچھ اس معاملے میں حضور کا حکم ہو اس پر عمل کروں، میں اپنے چچا کا ذکر کرنا بھول گیا، آپ نے فرمایا کہ ان عورتوں کو بھی ذکر کا طریقہ بتادو بلکہ اپنے چچا شیخ محمد رحمہ اللہ کو بھی بتادو، کیونکہ وہ بھی مشتاق ہیں، آپ نے ایک اور بوڑھے شخص کا نام بھی لیا جس کا فرزند آیا ہوا تھا اور جس کی طرف سے اس فرزند نے التماس کی تھی کہ اس کے گھر جا کر اسے بھی ذکر کا طریقہ بتاؤ، مجھ فقیر کے دل میں خیال گزرا کہ یہ اجازت بس انہی لوگوں تک کیلئے محدود ہے یا دوسروں کو بھی ذکر بتانے کا مجاز ہوں ابھی یہ خیال میرے دل میں اچھی طرح بیٹھا نہیں تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم کو مطلق اجازت ہے کہ تم ہمارے عیال میں داخل ہو، اس کے بعد میں نے ان عورتوں کو اپنے چچا کو اور اس دوسرے بوڑھے شخص کو ذکر کا طریقہ بتادیا اور پھر خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سب کا حال تفصیل سے دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ میں نے سب کو ذکر کا طریقہ بتادیا ہے۔ اور حضرت کی توجہ اچھی طرح موثر ہوئی آپ رحمہ اللہ نے فرمایا الحمدللہ رب العالمین اس کے بعد کچھ اور لوگوں کو بھی میں نے ذکر کی تلقین کی اور ان کے استغراق و بیخودی کی کیفیت حضرت رحمہ اللہ سے عرض کی تو آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم یہی چاہتے تھے کہ تم بیٹھو اور خلق اللہ کی ہدایت کرو مگر کثرت عیال تم کو نہیں چھوڑتی۔[1]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

خواجہ محمد ہاشم نقل کردہ کہ روزے حضرت ایشان درمیان عورات اہل خانہ نشستہ بودند کہ عاجزۂ ایشان ام کلثوم کہ ہفت سالہ بود، از پیش اخوند آمدہ تاسف بسیار کردکہ ہائے ہائے! من ہمہ شمارا از حق سبحانہ غافل می یابم۔ حضرت ایشان فرمودند کہ بی بی! این حال بر شمار باز کجا پرتو انداخت؟ گفت شما فلان زن را شغل تلقین می فرمودید، من حاضر بودم۔ از ان روز دل مرا مشغولی گرفتہ است، ہیچ گاہ، بر من غفلت طالوی نمی شود و حال ہیچ دل بر من پوشیدہ نیست۔ ہشتم ربیع الاول سنہ مذکور یک روز عقب از آن دو برادر خورد وفات یافت۔

خواجہ محمد ہاشم نے بتایا کہ ایک دن حضرت مجدد زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم جو اس وقت سات سال کی تھیں استاد کے پاس سے پڑھ کر آئیں اور بہت افسوس ظاہر کیا کہ آہ میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل پا رہی ہوں، حضرت نے فرمایا کہ بی بی یہ بات تمہیں کس طرح معلوم ہوئی، انہوں نے کہا کہ آپ جس وقت فلاں عورت کو ذکر کی تلقین فرما رہے تھے میں بھی موجود تھی اور اسی دن سے میرا دل ذاکر ہو گیا ہے اور کسی وقت مجھے غفلت طاری نہیں ہوتی اور کسی دل کا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا۔[2]

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری، نقشبندی مجددی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۴۵ھ، لکھتے ہیں:

---

[1] (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۴۰۵، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور) (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۴۴۰)

[2] (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۲۹۸، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور) (حضرات القدس، ج، ۲، ص ۳۱۹)

سیّدی مرشدی میر نعمان سلمہ اللہ فرمودند صبیۂ ما مرضعہ داشت بکرات آن مرضعہ را دلالت بمریدی حضرت خواجہ کردیم دی ابا نمودتا روزی آن صبیہ را بتقریبی بمحجوب آن مرضعہ بملازمت حضرت خواجہ فرستادیم ایشان آن طفل شیرخوارہ را در کنار مبارک گرفتہ شفقتہا نمودند آن طفل دستی بمحاسن شریف ایشان بردہ موی از لحیہ مبارک بدست او بماند فرمودند طفلک سیر از مایادگاری میگیر دو در حدود ہمان ایام انتقال فرمودند و آن موی مبارک تا امروز بہ تبرک و یادگار بماند:

مرا از زلف تو موی پسندست فضولی مسکینم بوی بسندست

چون آن مرضعہ نجانہ مراجعت نمود ساعتی نرفتہ بود کہ آثار مستی و جذبات بر و پیچیدن گرفت دوی خود را بران نمید اشت تا آنکہ فریادی سخت بر آورد و بیہوش بنقیا دو از پہلوی چپ او حرکت قلبی چنان غلبہ بر داشت کہ ہمہ یاران معانیہ می نمودند بعد از مدتی بہوش آمد پرسیدہ شد کہ چہ بود و چہ دیدی گفت ساعت ساعت حضرت خواجہ بصورت مہیب عجیب نمودار ن رضی اللہ عنہ رمن میشد تا آنکہ امری مرا از جان ربودہ دیگر نمید انم کہ چہ شد جز آنکہ دل خود را اللہ کومی یابم۔

حضرت سیدی مرشدی میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میری بچی کی ایک دایہ تھی کئی مرتبہ اس سے کہا گیا کہ آپ کی مرید ہو جائے لیکن اس نے انکار کیا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے اس بچی کو اس دایہ کے ساتھ حضرت سیدنا شیخ الشیوخ خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس بچی کو گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ بچی اپنا ہاتھ آپ ریش مبارک میں لے گئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بال آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بچی ہم سے ایک بارگاہ لے رہی ہے۔ اسی زمانے میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتقال فرمایا اور وہ بال ابھی تک تبرک اور یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

ترجمہ: تیری زلفوں کے بال اچھے ہیں کیسے مہکتے ہیں وہ (مہکے مشک جیسے)

جب وہ دایہ گھر کو واپس ہوئی تو ابھی ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ اس پر مستی و بیخودی (سکر) کے آثار شروع ہونے لگے اور وہ ان جذبات کو ضبط نہ کر سکی اس لیے شور مچانے لگی اور بے ہوش ہوگئی اور اس کے بائیں پہلو سے حرکت قلبی اس قدر تیز ہونے لگی کہ سبھی لوگوں (یعنی عورتوں) نے معائنہ کیا۔ ایک عرصے کے بعد اس کو ہوش آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا اور تو نے کیا دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہر گھڑی حضرت خواجہ (شیخ الشیوخ باقی باللہ ایک مہیب صورت میں ظاہر ہوئے تھے یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگئی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا سوائے اس کے کہ میں اپنے دل کو اللہ اللہ کہنے والا پاتی ہوں۔[1]

(۱۳) ﴿باب نمبر تیرہ حالت قیام میں دونوں قدموں میں فاصلے کی مقدار کا بیان﴾

بعض علماء احناف نماز میں دونوں پاؤں کے مابین بہت زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں حتی کہ پاؤں اتنے کشادہ رکھتے ہیں کہ دنبہ بھی گزر جائے بجائے عاجزی و انکساری کے اظہار کے ایسا لگتا ہے جیسے پہلوان کشتی لڑنے کیلئے تیار ہوں حالانکہ یہ فقہ حنفی کے بالکل خلاف ہے نماز اللہ تعالیٰ کیلئے تضرع، عاجزی اور خشوع کا مقام ہے جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ (238البقرة)

ترجمہ: اور کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی کرنے کے ساتھ۔

تو نماز پڑھنا مومن مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا کیف ایک قسم کی معراج ہے۔ جیسے کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ

---

[1] (برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص ۱۸، ۱۹، المکتبۃ الیشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات، ص ۴۶)

الْمُؤْمِنِ ۔نمازمؤمن کی معراج ہے۔تو چاہیئے کہ نماز بہت ہی زیادہ ادب واحترام ،سکون اورخضوع کےساتھ اداکیاجائے۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (1) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (2)

ترجمہ: تحقیق کے ساتھ کامیاب ہوئے وہ مؤمنین جونماز میں اللہ سے ڈرتے ہیں اورعاجزی کرتے ہیں ۔مسلمان جب نماز ادا کرے چاہے وہ امام ہو یامنفرد تو سنت یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کو پیوست نہ رکھے بلکہ ان کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیئے اس پرسب کا اتفاق ہے۔اورعاجزی اورخشوع اورتضرع اس میں ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کے درمیان میں فاصلہ نہ تو بہت کم ہو اور نہ ہی بہت زیادہ ،لہٰذفقہاء ومجتہدین احناف نے دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چارانگلیوں کے برابر بیان فرمایاہے پس اس سے زیادہ اوراس سے کم مکروہ ہے اور یہ احناف کامذہب ہے اور یہ شوافع کے نزدیک ایک بالشت کافاصلہ ہونا چاہیئے اورمالکیہ اورحنابلہ کے نزدیک یہ فاصلہ درمیانہ ہونا چاہیئے اس حیثیت کے ساتھ کہ نہ زیادہ پیوست ہو اور نہ زیادہ کشادہ۔

فقہ حنبلی کے عظیم فقیہہ علامہ ابن قدامہ حنبلی المقدسی (المتوفی620 :ھ)،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُفَرِّجُ بَيْنَ قَدَمَيْهِ، وَلَا يَمَسُّ إحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى، وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ، لَا يُقَارِبُ وَلَا يُبَاعِدُ.[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں قدموں کے درمیان نہ بہت زیادہ فراخی اور نہ بہت زیادہ تنگی کرتے تھے بلکہ اس کے درمیان میں عمل کرتے تھے نہ زیادہ قریب اور نہ زیادہ دور۔

اسی وجہ سے ہمارے فقہ حنفی کے مشہور فقیہہ ابن عابدین محمد آمین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی1252 :ھ) لکھتے ہیں۔

وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ أَرْبَعِ أَصَابِعِ الْيَدِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الْخُشُوعِ۔

ترجمہ: مستحب اور بہتر بات یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کادرمیانی فاصلہ چارانگلیوں کے برابر ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہ حالت خشوع کے زیادہ قریب تر ہے۔[2]

تو چارانگلیوں کی مقدار میں نماز ادا کرنا یہ دلیل ہے خشوع وخضوع کی اور بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی،

علامہ عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں

ویستحب ان یکون بین الرجلین عندالقیام مقدار اربع اصابع کمافی البزازیۃ وغیرھالکونہ اقرب الی الخشوع۔

مستحب اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ حالت قیام میں دونوں پاؤں کادرمیانی فاصلہ چارانگلیوں کے برابر ہونا چاہیئے اس لئے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کرنا خشوع ،خضوع اورعاجزی کے قریب تر ہے۔[3]

حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری الحنفی (المتوفی1069 :ھ) لکھتے ہیں اور یہی مسئلہ مراقی الفلاح اورطحطاوی نے بھی ذکر کیا ہے۔

"تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع" لأنه أقرب إلى الخشوع ويسن تفريج القدمين في القيام قدر اربع اصابع۔

ترجمہ: نماز میں حالت قیام میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چارانگلیوں کے برابر ہو اس لئے کہ یہ خشوع کے زیادہ قریب

---

[1] (المغنی لابن قدامۃ، ج ۲ ص ۹)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر- بیروت، ج ۱ ص ۴۴۴)

[3] (السعایۃ لحل شرح الوقایۃ ۱ / ۲ باب صفۃ الصلوۃ)

ہے۔[1]

نوٹ: دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کے برابر رکھنا ان لوگوں کیلئے ہے جن کو کوئی عذر شرعی نہ ہو، رہے وہ لوگ جن کو عذر شرعی ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے فقہاء فرماتے ہیں:

ثم هذا التحديد لمن ليس له عذر أما إذا كان به سمن أو أدرة ويحتاج إلى تفريج واسع فالأمر عليه سهل۔

ترجمہ: پھر یہ حد اور اندازہ ان لوگوں کیلئے ہے جن کو عذر نہ ہو ورنہ ہر وہ شخص جو بہت زیادہ موٹا ہو یا خصیتین کے پھول جانے کی بیماری (Hydrocele) ہو اور وہ کشادگی کے ساتھ کھڑا ہونے کا محتاج ہو تو اس کیلئے اس مسئلہ میں رعایت ہے اور اس پر گناہ نہیں ہے اگر وہ کشادگی کے ساتھ کھڑا ہو جائے کیونکہ وہ شرعاً معذور ہے۔

اور خلاصہ کیدانی کی شرح المبانی میں لکھا ہے کہ

وقدر هذا الحد "بأربعة أصابع من اليد متوسطة مضمومة۔"

اور یہ حد اور اندازہ دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار ہونی چاہیئے جو متوسط اور پیوست ہونے کے ساتھ۔[2]

عبدالرحمن بن محمد عوض الجزیری (المتوفی 1360ھ) لکھتے ہیں۔

ومنها تفريج القدمين حال القيام، بحيث لا يقرن بينهما، ولا يوسع إلا بعذر، كسمن ونحوه وقد اختلف في تقديره في المذاهب:

ترجمہ: نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ حالت قیام میں نماز میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ اس طرح ہو کہ نہ زیادہ پیوست اور نہ زیادہ ہو مگر معذور جو بہت زیادہ موٹا ہو تو اس کیلئے کشادہ کھڑا ہونا جائز ہے اور ائمہ مذاہب اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف کیا ہے۔

الحنفية :قدروا التفريج بينهما بقدر أربع أصابع، فإن زاد أو نقص كره.

احناف کے نزدیک دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ہو پس اگر اس سے زیادہ یا کم ہو تو یہ مکروہ ہے۔

الشافعية :قدروا التفريج بينهما بقدر شبر. فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم إحداهما على الأخرى.

شوافع کے نزدیک دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ ایک بالشت کی مقدار کے برابر ہو پس دونوں پاؤں کو پیوست کرنا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا یہ مکروہ ہے۔ جیسے کہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے آگے کرنا مکروہ ہے۔

المالكية :تفريج القدمين مندوب لا سنة، وقالوا :المندوب هو أن يكون بحالة متوسطة۔

ترجمہ: اور مالکیوں کے نزدیک دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ مستحب ہے نہ کہ سنت، لہذا مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں کھڑا ہو (یعنی نہ زیادہ ملے ہوتے اور نہ زیادہ کشادہ) اور حنابلہ نے بھی ان کے ساتھ اس میں موافقت کی ہے لیکن سنت اور مستحب میں فرق نہیں کیا ہے۔ (چار انگلیوں کے بارے میں)[3]

---

[1] (مراقی الفلاح ص ۲۱۲، الطحطاوی ص ۱۴۳، نور الایضاح ۶۹)

[2] (جامع المبانی ۲۴)

[3] (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ۔ ج ۱ ص ۲۳۴)

علامۃ الحاجۃ نجاح الحلبی لکھتے ہیں۔

تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلى الخشوع۔

دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ حالت قیام میں چار انگلیوں کی مقدار ہو کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔[1]

ہمارے فقہ کے مشہور عالم امام لطف اللہ النسفی المشہور بالکیدانی اپنی کتاب خلاصۂ کیدانی کے مستحبات کے باب میں لکھتے ہیں۔

والفصل بين القدمين قدر اربعة اصابع۔

اور نماز میں حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار ہونا چاہیئے۔[2]

اور اس کی شرح میں العلامہ الشیخ عبدالغنی بن اسمعیل النابلسی الحنفی المتوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں۔

والثانی عشر: الفصل بالصادالمهملة أی التفريج بين القدمين قدر اربع اصابع من اصابع اليدمضمومة لأنه اقرب الى الخشوع وأتم فی تمكين القيام وذلک حالة القيام فی الصلاة ولو من الركوع وكذلک فی حالة الركوع۔ ايضاً۔

ترجمہ: بارہویں فصل: صاد مہملۃ کے ساتھ یعنی دونوں پاؤں کے درمیان کی کشادگی ہاتھ کی انگلیوں میں سے چار انگلیوں کے برابر ہو جو کہ پیوست ہوں کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔اور قیام پر قدرت پانے میں زیادہ اتم ہے اور یہ نماز میں حالت قیام میں ہونا چاہیئے اگرچہ رکوع میں ہو اور اسی طرح حالت رکوع میں بھی چار انگلی کے برابر فاصلہ ہونا چاہیئے۔[3]

اور خلاصۂ کیدانی کی دوسری شرح میں لشیخ محمد حسن السنبھلی الحنفی لکھتے ہیں۔

والفصل بين القدمين قدر اربعة اصابع فی القيام فانه هو الظاهر فی استواء القيام واستقامة حاله وهو الماثور او المقيس من السير الماخوذة من الاخبار او الآثار۔

اور دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ حالت قیام میں چار انگلیوں کے برابر ہونا چاہیئے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے کی حالت برابر اور مضبوط ہوتی ہے اور یہ قول منقول قیاساً لیا گیا ہے۔[4]

الشيخ الاجل والامام الاكمل الفقيه الامجد طاهر بن الرشيد البخاری رحمة الله عليه لکھتے ہیں۔

وينبغی ان يكون بين قدميه اربع اصابع فی قيامه۔

اور مناسب ہے کہ قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار ہونا چاہیئے۔[5]

اسی طرح ہمارے فقہ کی مشہور کتاب جامع الرموز میں ہے۔

واعلم ان الاولیٰ ان تكون بين قدميه قدر اربع اصابع فی القيام كما فی خزانة المفتيين۔

---

[1] (فقہ العبادات علی المذہب الحنفی ج 1 ص 88)

[2] (خلاصۂ کیدانی ص ۲۷)

[3] (الجوہر الکلی ص ۱۹۵)

[4] (التعلیق الشمسی البانی علی خلاصۃ الکیدانی ص ۱۷۹)

[5] (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۵)

اور جان لو کہ بہتر یہ ہے کہ حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے جیسے کہ خزانۃ المفتیین میں ہے۔[1]
اسی طرح ہمارے فقہ کے مشہور فتاویٰ الفتاویٰ العالمگیریہ میں ہے کہ

وینبغی ان یکون بین قدمیہ اربع اصابع فی قیامہ۔

اور مناسب ہے کہ نماز میں حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے۔[2]
شیخ الاسلام حضرت علامہ امام احمد رضا خان قادری افغانی ثم بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۴۰۳ : از اُجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خان صاحب ۲۹ جمادی الاُخری ۱۳۱۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شافعیہ ایک ہاتھ کے فرق سے نماز میں پاؤں کشادہ رکھتے ہیں، یہ میں نے کعبۃ اللہ میں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور مذہب حنفیہ میں چار انگشت کے فاصلے پر ایک پاؤں سے دوسرا پاؤں رکھتے ہیں کس طرح کرنا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔
الجواب : چار ہی انگل کا فاصلہ رکھنا چاہیئے یہی ادب اور یہی سنت ہے اور یہی ہمارے امام اِعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

قال فی ردالمحتار ینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لانہ اقرب الی الخشوع ھکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انہ کان یفعلہ کذا فی الکبری۔اھ

ردالمحتار میں ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ابونصر دبوسی سے اسی طرح منقول ہے کہ وہ یہی کرتے تھے کذا فی الکبریٰ اھ[3]

اقول بل فی نور الایضاح و شرحہ مراقی الفلاح للعلامۃ الشرنبلالی یسن تفریج القدمین فی القیام قدر اربع اصابع لانہ اقرب الی الخشوع۔

(میں کہتا ہوں) بلکہ نور الایضاح اور اسکی شرح مراقی الفلاح للعلامۃ الشرنبلالی میں ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں قدموں کو چار انگلیوں کے فاصلہ پر کھلا رکھنا سنّت ہے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے اھ[4]

قال السید الطحطاوی فی حاشیتہ نص علیہ فی کتاب الاثر عن الامام و لم یحک فیہ خلافا۔ سید طحطاوی نے اسکے حاشیہ میں فرمایا کہ کتاب الاثر میں امام صاحب نے اس پر نص کی ہے، اور اس میں اختلاف بیان نہیں کیا۔اھ[5]
امام علامہ جمال الدین یوسف اردبیلی شافعی نے بھی کتاب الانوار میں کہ اجل معتمدات مذہب شافعی سے ہے اسی چار انگل فصل کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی؛ **حیث قال یکرہ الصاق القدمین و یستحب التفریق بینھما بقدر اربع اصابع۔** قدموں کو ملا کر رکھنا مکروہ ہے ان کے درمیان چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ رکھنا مستحب ہے۔[6]
ہاں سید علّامہ شیخ زکریا انصاری شافعی قدس سرہ، نے شرح روض الطالب میں بالشت بھر کا فاصلہ تحریر فرمایا۔حاشیہ الکمشری علی الانوار میں ہے:

---

[1] (جامع الرموز ج ۱ ص ۶۷)
[2] (الفتاویٰ العالمگیریہ ج ۱ ص ۷۳)
[3] (ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۹)
[4] (مراقی الفلاح وحاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی ص ۱۴۳)
[5] (مراقی الفلاح وحاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی ص ۱۴۳)
[6] (الانوار لعمل الابرار یوسف کتاب الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ۱/ ۶۱)

قولہ بقدر اربع اصابع لعلھا متفرقۃ لان فی شرح الروض بقدر شبر۔ اس کا قول چار انگلیوں کی مقدار شاید متفرق طور پر مراد ہوں کیونکہ شرح روض میں ہے کہ فاصلہ ایک بالشت ہونا چاہئے۔[1]

مگر ایک ہاتھ کا فرق نہ کسی مذہب کی کتاب میں نظر سے گزرا نہ کسی طرح قابل قبول ہوسکتا ہے کہ ہدایۃً طرز و روش ادب وخشوع سے جُدا ہے، جن شافعیہ نے ایسا کیا غالباً کوئی عذر ہوگا یا شاید ناواقفی کی بنا پر کہ مکہ معظمہ کا ہر متنفس تو عالم نہیں اعتبار اقوال وافعالِ علماء کا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔[2]

خلاصۂ کلام: پس ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور احناف کا فتویٰ اس بات پر ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ ہاتھ کی چاروں ملی ہوئی انگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے اور اسی میں عاجزی اور خشوع ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے پیر ومرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیر پیران خواجہ خواجگان حضرت سیدنا ومرشدنا حضرت سیف الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز وطریقہ ہے۔

جیسے کہ الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وبلغ من اعتناء الحق تعالیٰ بأحدھم: أنہ کان یعاقب أحدھم علی خلاف الأولیٰ۔

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔ پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[3]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان الجنید رضی اللہ تعالیٰ یقول: طریق الفقھاء ھی أساس طریقنا التی بنیت علیہ ولکن زاد الصوفیۃ علی الفقھاء کثرۃ مراعاۃ العمل بالشریعۃ وعدم التساھل فی ترک العمل بشیء منھا ای طریقھم ترک الرخص والتاویلات والاخذ بالعزائم والتمسک بالمندوب کالواجب واجتناب المکروہ وخلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی پر بناء ہے لیکن صوفیاء نے فقہاء پر جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[4]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلا عن المکروہ والحرام۔

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف

---

[1] (حاشیہ الکمثری علی الانوار الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر)

[2] (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۵۵)

[3] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۱)

[4] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۲۷)

اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول :لایصح لمرید قدم فی الارادۃ حتی یترک المباحات جملۃ ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعئ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منھی عنہ کراھۃ تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونھیہ۔

ترجمہ :اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[2]

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان الواجبات ومن تھاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ او کما قال۔

یعنی فرمایا عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[3]

معلوم ہوا کہ مستحب دراصل سنن کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور سنت دراصل واجبات کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور واجبات دراصل فرض کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہیں، لہذا مستحب اور سنت اگرچہ فرض یا واجب کے مرتبے کی چیز نہیں ہے لیکن ان کا موقوف علیہ ضرور بنتی ہے۔ جب موقوف ضروری العمل ہو تو اس کا موقوف علیہ بھی ضروری العمل ہوگا۔

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

من ترک السنۃ بعذر فھو معذور ولو ترک بغیر عذر تھاونا لا یقبل فرضہ ویسأل عن ترکھا۔

ترجمہ :جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہوگا۔

اور دوسری جگہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

[2] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

[3] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ)

والواجبات اکمال الفرائض والسنن اکمال الواجبات والاداٰب اکمال السنن۔

ترجمہ :فرائض کی تکمیل واجبات میں ہے اور واجبات کی تکمیل سنن میں ہے اور سنن کی تکمیل آداب اور مستحبات میں ہے۔[1]

أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى 616 :ھ) لکھتے ہیں:

من ترك السنّة سئل عن تركها

ترجمہ: جس نے سنت چھوڑ دی تو اس بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔[2]

واقعہ:

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

نقل ان الامام النووی رحمة الله تعالیٰ علیه لم یحتلم ثلاثین سنة سوفاتته صلاة العشاء مع الجماعة لیلة فاحتلم فی تلک اللیلة فکان احتلامه عقوبة ترک سنة الجماعة۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ :نقل ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس برس تک احتلام نہیں ہوا ایک رات ان سے عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہوگئی پس اسی رات انہیں احتلام ہوا۔پس احتلام کا سبب عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہونے کی سزا کی وجہ سے تھا۔[3]

شریعت مطہرہ میں مستحبات پر لزوم اختیار کرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لازم کرلیا اپنے آپ پر استغفار پڑھنے کو، تو اللہ جل شانہ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کے لئے اور ہم غم سے خلاصی کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے، اور اللہ رب العزت اسے اس جگہ سے روزی عطا فرمادیگا کہ جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔[4]

نوٹ :استغفار پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ ایک مستحب عمل ہے، باوجود استحباب نبی کریم ﷺ نے ہمیں اختیار عطا فرمائی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے اوپر مستحب عمل کو لازم کرسکتا ہے۔اسی طرح صحاح ستہ کی احادیث مبارکہ میں ایک حدیث شریف ہے:

وَأَنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: بے شک اللہ رب العزت کو محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ کم ہو۔[5]

فائدہ :دوام اور ہمیشگی اس وقت آئے گی جب اس پر التزام کیا جائے۔بدون التزام ہمیشگی نہیں آسکتی۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۶۴ ص ۵۱)

[2] (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۲ ص ۴۶۷)

[3] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۸)

[4] (سنن ابی داوٗد، جلد ۲ صفحہ ۸۵ باب فی الاستغفار، سنن ابن ماجہ، جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۴، باب الاستغفار، مشکوۃ شریف جلد ا باب الاستغفار صفحہ ۲۰۴)

[5] (صحیح البخاری، باب القصد والمداومۃ علی العمل)

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا :واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[1]

مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہوسکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[2]

مستحبات کی برکات :

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں اور تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہوگا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہوگا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعل مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت : چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہوگئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہوگیا۔

ایک اور حکایت :اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جارہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپا لیا۔جب ان بزرگ کا انتقال ہوگیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کردوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہوسکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔اس لئے عرض کیا کہ ”میں توحید لایا ہوں“۔اس پر ارشاد ہوا :أتذکر لیلۃ اللبن۔ کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو مؤثر قرار دیا۔حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔اب تو یہ بیچارے تھرا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجب نجات ہو جائے گا۔تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و

---

[1] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[2] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

برکات۔[1]

(۱۴)﴿باب نمبر چودہ بڑے بڑے ناخن رکھنے کا شرعی حکم﴾

بعض اہل ہوالوگ ناخن بڑے بڑے رکھتے ہیں حالانکہ سنت مبارکہ حدیث مبارکہ میں یہ ہے:

عن ابن عباس فی قولہ عزوجل:(وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ)قال:ابتلاہ اللہ بالطھارۃ خمس فی الرأس، و خمس فی الجسد،وفی الرأس :قص الشارب والمضمضۃ والاستنشاق والسواک وفرق الرأس،وفی الجسد :تقلیم الأظفار وحلق العانۃ والختان ونتف الابط وغسل مکان الغائط والبول بالماء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے :وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ کے قول کے تحت روایت ہے کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا جسم کی صفائی کے بارے میں امتحان لیا۔ پانچ کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق باقی جسم سے ہے۔سر میں یہ پانچ چیزیں ہیں :(۱) مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹنا،(۲) کلی کرنا،(۳) ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا،(۴) مسواک کرنا،(۵) سر کی مانگ نکالنا۔اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں:(۱) ناخن کاٹنا،(۲) زیرِناف بال مونڈنا،(۳) ختنہ کرنا،(۴) بغلوں کے بال نوچنا،(۵) پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا۔(یعنی پانی سے استنجاء کرنا)[2]

کلی کرنا:

کلی کرنا وضو میں سنت اور غسل جنابت میں فرض ہے۔بغیر اس کے غسل نہ ہوگا لیکن کلی میں مبالغہ کرنا (غرغرہ کرنا) اور اگر روزہ نہ ہو تو مسنون ہے،نیز کلی داہنے ہاتھ سے کرنا چاہیئے کہ یہ بھی سنت ہے۔

انبیاء کی سنت:

عن ملیح بن عبداللہ الخطمی، عن ابیہ،عن جدہ،قال:قال رسول اللہ ﷺ :خمس من سنن المرسلین :الحیاء ,والحلم،والحجامۃ،والسواک،والتعطر۔

حضرت ملیح بن عبداللہ خطمی اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :پانچ چیزیں رسولوں کی سنت ہیں :حیاء،بردباری،پچھنے لگوانا،اور مسواک کرنا اور عطر لگانا۔[3]

عن أبي أیوب قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"أربع من سنن المرسلین :الحیاء،والتعطر،والسواك،والنکاح".

---

[1] (قرۃ العینین فی تفریح القدمین مصنفہ استاذ العلماء مفتی اہلسنت سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی)

[2] (عبدالرزاق،عبدبن حمید،ابن جریر،ابن المنذر،ابن ابی حاتم،حاکم،ج،۲،ص،۲۹۳،بیھقی فی السنن الکبریٰ کتاب الطھارۃ باب السنۃ فی الاخذ من الاظفار والشارب ،،ج،۱،ص،۳۱۶،رقم:۶۸۵،دارالحدیث القاھرۃ ،تفسیرطبری ،زیر آیت ھذا ،ج،۱،ص،۵۹۹،و تفسیر درمنثور ،ج،۱،ص،۳۰۱،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور، کراچی،حاشیہ الجمل علی الجلالین ،ج،۱،ص،۱۵۳،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،تفسیر ابن کثیر، ج،۱،ص،۱۷۶،میر محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (رواہ البزاز (مجمع))

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: ختنہ کرنا،عطر لگانا،مسواک کرنا،نکاح کرنا۔[1]

عن أبي الدرداءقال :قال رسول الله ﷺ :ثلث من اخلاق المرسلين:تعجيل الفطر،وتاخير السحور،والسواک،اخرجه الطبرانی فی معجمه،وابن ابی شيبة فی مصنفه موقوفاً،والدارقطنی رواه فی الأفراد من حديث حذيفة مرفوعاًنحو حديث أبی الدرداء۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین اعمال انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی عادات واخلاق میں سے ہیں۔ ۱۔افطاری (کاوقت ہوتے ہی) جلدی کرنا۔ ۲۔سحری کو آخری وقت میں کرنا۳۔مسواک کرنا۔(البنایۃ)

معلوم ہوامسواک میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت اوران کی عادات میں سے ہے ۔جولوگ مسواک استعمال کرتے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مسواک کے اور منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت کا ثواب بھی حاصل کرلیتے ہیں ۔اور جولوگ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے مسواک نہیں کرتے وہ بڑے ہی نقصان اور خسارے میں ہیں کہ دیگر منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت عظمیٰ کے ثواب سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

علامہ ابن اسماعیل فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جومسواک جیسی اہم سنت کو ترک کردیتے ہیں،جس کے بارے میں بہت سی احادیث حضور ﷺ سے منقول ہیں جن میں اس کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔یادرکھومسواک کا چھوڑنا بڑا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔

طہارت کی اقسام:

عَن أَبِي الدَّرْدَاءِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم :الطَّهَارَاتُ أَرْبَعٌ قَصُّ الشَّارِبِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَالسِّوَاكُ. حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ طہارت (کی) چار (قسمیں) ہیں: مونچھیں کاٹنا،موئے زیرناف مونڈنا،ناخن کاٹنا اور مسواک استعمال کرنا۔[2]

فائدہ:

پاکی کی صرف یہی چار قسمیں نہیں،بلکہ بہت سی قسمیں ہیں،جوکتب فقہ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں،لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہاں صرف ان مذکورہ بالا چار قسموں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما کران کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی خوشنودی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ، فَإِنَّهُ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کا استعمال اپنے لیے لازم کرلو۔کیوں کہ اس میں منہ کی پاکیزگی

---

[1](ضعيف المشكاة382،الارواء75،الرد على الكتاني ص12(ضعيف الجامع الصغير وزيادته760،سنن الترمذی ج۳ص ۸۰،رواہ احمدو الترمذی)

[2](المسند البزار/البحر الزخار،الجز ۱۰ ص ۸۰)

اورحق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔[1]

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں منہ کا عضو ایک امتیازی مقام وشان رکھتا ہے، اور عادتاً جسم کو غذا اور ایندھن فراہم کرنے کیلئے منہ ہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے۔ اور دوسرے سے گفتگو اور کلام کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ سے (ذکر وتلاوت وغیرہ کی شکل میں) ہمکلامی اور مناجات کیلئے بھی عموماً منہ ہی استعمال ہوتا ہے، اور سانس کی آمد ورفت کی شکل میں زندگی کا چراغ روشن رہنے کیلئے بھی منہ ہی واسطہ بنتا ہے۔

اس لئے اس اہم اور کثیر الاستعمال عضو کی نظافت کو حاصل و باقی رکھنے کیلئے زیادہ صفائی درکار تھی، اس لئے شریعت کی طرف سے مسواک کی شکل میں ایک عمدہ اور جامع نظام فراہم کر دیا گیا۔ اور رات دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ہر نماز کیلئے وضو کرتے وقت مسواک کی تعلیم دی گئی، اور تبدیلی احوال کے موقع پر بھی اس کو سنت قرار دیا گیا، اور اس پر عظیم الشان فضائل بتلائے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

استاکوا وتنظفوا۔

مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو۔[2]

مسواک سے منہ کی صفائی تو ہوتی ہی ہے، اسی کے ساتھ گلے، جبڑے اور دانتوں کی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ:

السواک مطهرة للفم، ومرضاة للرب۔

مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔[3]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی۔

---

[1] وأخرجه البيهقي في "الشعب" (11074) من طريق محمد بن جعفر الطالقاني، عن عقيل، به. ومحمد بن جعفر لم نقع له على ترجمة. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق ابن لهيعة، عن قرة بن عبد الرحمن بن حيويل المعافري، عن الزهري، به. وأخرجه البيهقي في "السنن" 9/ 280 من طريق ابن وهب، عن قرة بن عبد الرحمن المعافري، عن الزهري، أن عبد الله بن عمر، به، مرفوعاً. وهذا إسناد منقطع. قال أبو حاتم في "العلل" 2/ 45: هو الصحيح. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق عبد الله بن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سالم، به، مثله. وهو إسناد ضعيف أيضاً لضعف ابن لهيعة. والحديثُ الصحيح في هذا الباب حديثُ شداد بنِ أوس عند مسلم (1955) (57)، ولفظه: "إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحدَّ أحدكم شفرته، فليرح ذبيحته"، وسيرد 4/ 123. قوله: "بِحَدِّ الشَّفار"، قال السندي: ضبط بكسر الشين، جمع شفرة، بمعنى السكين. وقوله: "وأن تُوارى"، أي: الشفار، أي: تُخفى، على بناء المفعول. وقوله: "فليجهز" من أَجْهَزَ، أي: ليسرع في الذبح. (1) في (ظ 14): مرضاة، دون واو.

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۸۱۷، کتاب الطهارة، باب فی أی ساعة یستحب السواک؟ المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۷۴۴۲، عن سلیمان بن سعد۔) قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی، ووثقه ابن حبان وابراهیم بن أورمة ذکره فأحسن الثناء علیه۔ (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۴۱، ۲۴۰) وقال بدر الدین العینی: وفی سنده اسماعیل بن عمرو، وثقه ابن حبان وضعفه الدارقطنی (عمدة القاری، ج ۷، ص ۱۳) وقال المناوی: قال الهیثمی فیه اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی ووثقه ابن حبان اھ۔ وبه یعرف ما فی رمز المصنف لحسنه الا أن یراد أنه حسن لغیره (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۹۶۷)

[3] (بخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب والیابس للصائم، دارطوق النجاة، بیروت، نسائی، رقم الحدیث ۵، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۳۳۲، عن عائشة، ابن ماجة، رقم الحدیث ۲۸۹، عن ابی امامة)

مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مسواک کا اتنا زیادہ حکم دیا گیا، کہ مجھے اپنے اوپر اس کے فرض ہو جانے کا خوف ہونے لگا۔[1]

اور ایک موقع پر کچھ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

حَدِيثُ تَمَّامِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ أَبُو الْمُنْذِرِ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الزَّرَّادِ، قَالَ :حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوِ أَتَيَ - فَقَالَ: "مَالِي أَرَاكُمْ تَأْتُونِي قُلْحًا، اسْتَاكُوا، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمِ الْوُضُوءَ"[2]

،،یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں (بحکم الٰہی) ان پر مسواک کو فرض قرار دے دیتا، جس طرح سے ان پر وضو کو فرض قرار دیا۔،،

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ، قَالَ :أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ، عَنْ تَمَّامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قال :مَالِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحًا اسْتَاكُوا، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ« قَالَ مُحَمَّدٌ :وَالسِّوَاكُ عِنْدَنَا مِنَ السُّنَّةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ۔،،یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مسواک کرنا سنت ہے لہذا اس کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دانتوں کو صاف نہ کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ سے رات کو سونے سے پہلے، سو کر اٹھنے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اور دیگر مختلف اوقات میں مسواک کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ۔[3]

نبی ﷺ گھر میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔

---

[1] (مسند احمد: رقم الحدیث: ۱۲۰۰۷، عن واثلة بن الاسقع، مؤسسة الرسالة، بیروت۔ قال الهیثمی: رواه احمد والطبرانی فی الکبیر، وفیه: لیث بن أبی سلیم وهو ثقة مدلس وقد عنعنه (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۹۸) وفی حاشیة مسند احمد: حدیث حسن لغیره، وهذا اسناد ضعیف لضعف لیث: وهو ابن ابی سلیم، وبقیة رجاله ثقات رجال الشیخین۔ وقال الالبانی: قلت: وهذا اسناد حسن فی الشواهد رجاله کلهم ثقات غیر لیث وهو ابن أبی سلیم، وهو ضعیف لاختلاطه (السلسلة ضعیفة، تحت رقم الحدیث ۱۵۵۶)

[2] (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴) هو أصغر ولد العباس، وكانوا عشرة، وهو شقيق كثير بن العباس، وكان العباس يحمله ويقول: تموا بتمّام فصاروا عشره. يا رب فاجعلهم كراما بررة۔ واجعل لهم ذِكراً وانمِ الثمره۔ وقال أبو عمر بن عبد البر :وكل بني العباس لهم رؤية، وللفضل ولعبد الله رواية ورؤية. وقد تاب تمام هذا على المدينة من جهة ابن عمه علي، ثم عزله بأبي أيوب الأنصاري، ومات زمن المنصور. "جامع المسانيد" 1/الورقة 163، وانظر "سير أعلام النبلاء" 3/..443 (2) إسناده ضعيف، أبو علي الزراد - واسمه الصيقل - قال أبو علي بن السكن وغيره :مجهول، قال الحافظ في "لسان الميزان" 7/ :83 ورواية الثوري عنه في مسند۔

[3] (مسلم، باب سواک، ج ۱ ص ۲۲۰)

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔[1]

نبی ﷺ جب رات کو تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - إِنْ كَانَ قَالَهُ - "لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوءِ"، وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَنُّ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ، وَبَعْدَ مَا أَسْتَيْقِظُ، وَقَبْلَ مَا آكُلُ، وَبَعْدَ مَا آكُلُ حِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا قَالَ۔(مسند احمد الرسالة باب مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، ج ۱۵ ص ۱۰۴)

(1) حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، الحسن بن سوار صدوق لا بأس به، ومن فوقه ثقات من رجال الشيخين. الليث :هو ابن سعد، وخالد بن يزيد :هو الجمحي المصري. وانظر (7339). قوله :"إن كان قاله"، قال السندي :لتحقيق أنه قاله وتقريره وتأكيد على أن "إنْ" مخففة من الثقيلة، وحَذْف اللام بعدها جائز وارد في كلام العرب كما صرح به بعض أهل التحقيق، وإن كان ظاهر كلام النحاة خلافه.

میں سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد؛ اور کھانے سے پہلے؛ اور کھانے سے فارغ ہو کر مسواک کرتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں آپ کا ارشاد سنا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو میں مسواک کا حکم دیتا۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

-أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ :"دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَنُّ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ :عَأْعَأْ"[2]

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور اس وقت آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے اور مسواک کا کنارہ آپ کی زبان پر تھا، اور آپ ﷺ عَاعَا کی آواز نکال رہے تھے،،

اسی قسم کی حدیث حضرت بردہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ »يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اع اع کر رہے تھے جبکہ مسواک آپ ﷺ کے دہن ﴿منہ﴾ مبارک میں تھا کیونکہ آپ ﷺ الٹی کر رہے تھے۔[3]

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مسواک سے زبان مبارک کو بھی اہتمام کے ساتھ صاف فرما رہے تھے، اور اس کی وجہ سے مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی

---

[1] (صحيح البخاری، باب طول القيام في صلاة الليل، ج ۲ ص ۵۱) [تعليق مصطفى البغا] 1085(382/1) - [ر 242

[2] [حكم الألباني] صحيح، سنن النسائی رقم الحديث ۳، ج ۱ ص ۹)

[3] (بخاری رقم الحديث ۲۴۴، كتاب الوضوء، باب السواک، دار طوق النجاة، بيروت) [تعليق مصطفى البغا] 241(96/1) - [ش أخرجه مسلم في الطهارة باب السواك رقم 254 (يستن) بذلك أسنانه بالسواك أو غيره. (يقول أع أع) حكاية لصوته أثناء الاستياك. (يتهوع) يتقيأ]

۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا مسواک کا دوسروں کو ہدیہ فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، قَالَ ,ثنا شَبَابُ الْعُصْفُرِيُّ، ثنا عَوْنُ بْنُ كَهْمَسٍ، ثنا دَاوُدُ بْنُ الْمُسَاوِرِ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي خَيْرَةَ الصَّبَاحِيِّ، قَالَ، كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَزَوَّدَنَا الْأَرَاكَ نَسْتَاكُ بِهِ، فَقُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، عِنْدَنَا الْجَرِيدُ وَلَكِنَّا نَقْبَلُ كَرَامَتَكَ وَعَطِيَّتَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اللهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ إِذْ أَسْلَمُوا طَائِعِينَ غَيْرَ مُكْرَهِينَ إِذْ قَعَدَ قَوْمِي لَمْ يُسْلِمُوا إِلَّا خَزَايَا مَوْتُورِين۔

حضرت ابوخیرہ صباحی فرماتے ہیں کہ میں عبدالقیس قبیلے کے اس وفد میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں پیلو ﴿پودے کی ایک ٹہنی یا شاخ﴾ عطا فرمائی کہ اس سے ہم مسواک کریں۔ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں یہ ٹہنیاں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم آپ ﷺ کی سخاوت اور عطیہ کی بناء پر ﴿تبرک سمجھتے ہوئے﴾ قبول کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یااللہ عبدالقیس کی مغفرت فرما کیونکہ بلاجبر واکراہ خود مطیع اور فرمانبردار بن کر آئے ہیں جبکہ میری قوم نے اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ مجبور ورسوا ہو گئے تھے۔[1]

منہ اور دانتوں کی صفائی سے جہاں ایک طرف دانت ستھرے رہتے ہیں اور خوبصورتی اور دوسروں کی کشش کا باعث ہوتے ہیں،اسی کے ساتھ کیڑا لگنے سے اور میل کچیل سے محفوظ ہو کر ایک لمبی مدت تک پائیدار اور مضبوط ہو جاتے ہیں،اس کے علاوہ کئی بیماریوں سے بھی حفاظت رہتی ہے۔اگر منہ گندہ ہو تو غذا منہ سے گندگی (خوراک کے سڑے ہوئے ذرات وغیرہ) کو لے کر معدہ میں جاتی ہے اور انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔علماء نے مسواک کے بہت سے فائدے شمار کیے ہیں۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے،،منہبات،،میں مسواک کے بیس فائدے ذکر کیے ہیں۔مصنف،،نہر فائق،،رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سے کچھ اوپر منافع بتائے ہیں،جن میں سب سے ادنیٰ گندگی کا دور ہونا اور سب سے اعلیٰ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے اور موت کے علاوہ ہر بیماری کیلئے شفا ہے۔

،،نہایت الامل،،میں ہے کہ مسواک میں بہتّر فائدے ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد آجاتا ہے۔اور اس کے برخلاف حشیشہ (بھنگ) کھانے میں ستر نقصان ہیں،جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ،،مراقی الفلاح،،کے حاشیہ میں مسواک کے فوائد نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

من فضائله ماروى الأئمة عن علي وابن عباس وعطاء رضي الله تعالى عنهم أجمعين :عليكم بالسواك فلاتغفلوا عنه وأديموه فإن فيه رضا الرحمن وتضاعف صلاته إلى تسعة وتسعين ضعفا أو إلى أربعمائة ضعف وإدامته تورث السعة والغنى وتيسير الرزق ويطيب الفم ويشد اللثة ويسكن الصداع وعروق الرأس حتى لا يضرب عرق ساكن ولا يسكن عرق جاذب ويذهب وجع الرأس والبلغم ويقوي الأسنان ويجلو البصر ويصحح المعدة ويقوي البدن ويزيد الرجل فصاحة وحفظا وعقلا ويطهر القلب ويزيد في الحسنات ويفرح الملائكة وتصافحه لنور وجهه وتشيعه إذا خرج إلى الصلاة وتستغفر حملة العرش لفاعله إذا خرج من المسجد وتستغفر له الأنبياء والرسل والسواك مسخطة للشيطان مطردة له مصفاة للذهن مهضمة للطعام مكثرة للولد ويجيز على الصراط كالبرق الخاطف ويبطيء الشيب ويعطي الكتاب باليمين ويقوي البدن على طاعة الله عز وجل ويذهب الحرارة من الجسد ويذهب الوجع ويقوي الظهر ويذكر الشهادة ويسرع النزع ويبيض الأسنان ويطيب النكهة ويصفي الخلق ويجلو اللسان ويذكي الفطنة ويقطع الرطوبة ويحد البصر ويضاعف الأجر وينمي المال والأولاد ويعين على

---

[1] (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۹۲۴)

قضاء الحوائج ويوسع عليه في قبره ويؤنسه في لحده ويكتب له أجر من يستك في يومه ويفتح له أبواب الجنة وتقول له الملائكة هذا مقتد بالأنبياء يقفو آثارهم ويلتمس هديهم في كل يوم ويغلق عنه أبواب جهنم ولا يخرج من الدنيا إلا وهو طاهر مطهر ولا يأتيه ملك الموت عند قبض روحه إلا في الصورة التي يأتي فيها الأولياء وفي بعض العبارات الأنبياء ولا يخرج من الدنيا حتى يسقي شربة من حوض نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وهو الرحيق المختوم وأعلى هذه أنه مطهرة للفم مرضاة للرب۔[1]

مسواک کے وہ فضائل جن کو ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا، یہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو، اس سے غافل نہ رہو، اس پر مداومت کرتے رہو، کیوں کہ اس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس سے نماز کا ثواب ننانوے یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے، اور ہمیشہ مسواک کرنے سے کشادگی اور مال داری پیدا ہوتی ہے روزی آسان ہو جاتی ہے، منہ پاکیزہ اور مسوڑھے مضبوط کر دیتی ہے۔ درد سر کو اور سر کی تمام رگوں کو سکون ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ کوئی ساکن رگ حرکت نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی حرکت کرنے والی رگ ساکن ہوتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے، دانتوں کو مضبوط بناتی ہے، بینائی کو صاف کرتی ہے، معدہ کو درست اور بدن کو قوی بناتی ہے، انسان کی فصاحت وحافظہ وعقل کو بڑھاتی ہے، دل کو پاک کرتی ہے، نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، ملائکہ خوش ہوتے ہیں، اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں، اور جب وہ نماز کیلئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اور جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اور انبیاء اور رسول اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مسواک شیطان کو ناراض کر دیتی ہے اور اس کو دھتکارتی ہے، ذہن کو صاف، کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے۔ پل صراط پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح (بہت جلد) اتار دیتی ہے۔ بڑھاپے کو مؤخر کرتی ہے۔ نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے۔ بدن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے قوت دیتی ہے۔ اور حرارت کو بدن سے دور کرتی ہے۔ پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔ کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے۔ حالت نزع کو بہت جلد ختم کرتی ہے۔ دانتوں کو سفید، منہ کو خوشبودار، حلق اور زبان کو صاف، سمجھ کو تیز کرتی ہے۔ رطوبت کیلئے قاطع ہے، نظر کو تیز اور حاجتوں کے پورا ہونے میں مدد کرتی ہے، قبر کو کشادہ بناتی ہے اور مردہ کیلئے غمخوار ہو جاتی ہے اور مسواک کرنے والے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ فرشتے اس کے بارے میں ہر دن کہتے ہیں کہ یہ (شخص) انبیاء کا اقتداء کرنے والا ہے، ان کے نشان قدم پر چلتا ہے، ان کی سیرت کا متلاشی ہے۔ اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، مسواک کرنے والا شخص دنیا میں (گناہوں سے) پاک صاف ہو کر جاتا ہے اور موت کا فرشتہ روح نکالنے کیلئے اس کے پاس اس صورت میں آتا ہے جس صورت میں اولیاء کے پاس آتا ہے، بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاء کے پاس آتا ہے اسی صورت میں آتا ہے۔ مسواک کرنے والا دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک کہ وہ حضور ﷺ کے حوض سے شراب نہ پی لے اور وہ رحیق مختوم ہے۔ (اور ان سب فوائد سے) بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے اور منہ کی صفائی ہے۔[2]

استنشاق الماء: (یعنی ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا)

اور یہ کلی کی طرح ہے جس کا ذکر آرہا ہے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اور غسل میں ہمارے احناف کے نزدیک فرض ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

[2] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

کے نزدیک دونوں غسل میں سنت ہیں اور امام احمد اور مالک رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ان کا واجب ہونا مذکور ہے۔

سر کے بالوں میں مانگ نکالنے کے متعلق:

جاننا چاہیئے! سر کی ابتداء پیشانی کی جانب سے بال نکلنے کی جگہ سے ہوتی ہے اور اس میں اعتبار عام لوگوں کا ہے پس بعض لوگوں کی جو پیشانی پر ہی بال اگ آتے ہیں یہ جگہ سر کی حدود میں داخل نہیں بلکہ چہرے کی حد میں داخل ہے (کیونکہ یہ پیشانی کا حصہ ہے) اور ,, نزعتان،، اور ،،صلع ،، سر کے حدود میں داخل ہے۔ (پیشانی کے حدود میں داخل نہیں) اس لئے وضو میں اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ،اور ,, نزعتان،، سے مراد پیشانی کے وہ دونوں اطراف ہیں کہ سر کا حصہ ہونے کے باوجود بعض لوگوں کے ان دونوں اطراف میں بال نہیں ہوتے ،پس بال نہ ہونے سے مغالطہ کھا کر ان اطراف کو پیشانی کا حصہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور ،،صلع ،، سے مراد پیشانی کے متصل سر کا بالکل ابتدائی حصہ ہے، بعض لوگوں کے اس حصہ پر بال نہیں ہوتے جس سے اس کے پیشانی کا حصہ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

لیکن شرعاً اس کو سر ہی کا حصہ شمار کیا جائے گا، اس لئے وضو میں اس کو چہرہ دھونے کے ساتھ نہیں دھویا جائے گا۔ ،،نزعتان،، کی اس ہیئت کو اہل عرب پسند کرتے ہیں۔ اور لغت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ جس مرد کی پیشانی کے دونوں جانب بال نہ ہوں اس کو ،،انزع،، اور جو عورت ایسی ہو اس کو ،،زعراء،، کہتے ہیں (حالانکہ از روئے قاعدہ اس کو ،،نزعاء،، کہنا چاہیئے) پس نزعتان نزع سے ماخوذ ہے یعنی الگ ہونا گویا کہ بال اس جگہ سے ہٹ گئے اور تہذیب میں یہ بھی مذکور ہے: ,,**النزعتان من الرأس عندنا وعندجماهير العلماء واستحب الشافعي و اصحابه غسلهمامع الوجه للخروج من خلاف من قال هما من الوجه.**[1]

ترجمہ: ،،نزعتان سر کا حصہ ہیں ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک۔ اور امام شافعی رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب نے چہرے کے ساتھ اس کا دھونا مستحب قرار دیا ہے تاکہ جن لوگوں نے اس کو چہرے کا حصہ سمجھا ہے احتیاطاً ان کے قول پر بھی عمل ہو جائے ،،اور ،،صلع ،، سے مراد پیشانی کے متصل سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ ہونا ہے جیسا کہ بعض لوگوں میں ایسا ہوتا ہے، بالوں سے خالی سر کا یہ حصہ ،،صلع ،، کہلاتا ہے۔ ،،اصلع ،، صلعاء مثل احمر، حمراء اس کے صیغہائے صفت ہیں۔ اور آنکھ اور کان کے درمیان رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کی بالائی جانب کا حصہ جس کو صدغ کہتے ہیں یہ سر کا حصہ ہے۔ جس کی دلیل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تلقین ہے جو انہوں نے نائی کو کی تھی: ,,**ابلغ العظمين فانهمامنتهى اللحية**،، ترجمہ: سر کے بال کنپٹی کی دونوں ہڈیوں تک مونڈ ڈالو! اس لئے کہ وہاں تک داڑھی کی حد ہے۔ ،،اور ان دونوں ہڈیوں کو عربی میں ,,فنبكين،، بھی کہتے ہیں جیسا کہ صاحب نہایہ نے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ ''امرني جبرئيل ان اتعاهدفنبكي''[2]

ترجمہ: ،،جبرائیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں **فنبكين** کی رعایت رکھوں ،،اور گدی کی جانب سر کی حد گردن تک ہے لیکن گردن سر کی حد سے خارج ہے اس لئے گردن کا مسح سر کے مسح میں داخل نہیں۔ البتہ موضع تحذیف یعنی وہ حصہ جو ،،صدغ ،، (کنپٹی) اور ،،نزعتان ،، (پیشانی کے اطراف) کے درمیان ہے جس پر ہلکے ہلکے بال ہوتے ہیں اس کے متعلق اختلاف ہے۔[3]

ابن سریج کے بقول یہ حصہ چہرے میں شامل ہے کیونکہ چہرے کی رنگ (سپیدی) اس حصہ میں نمایاں ہے، اس وجہ سے شرفاء گھرانوں میں اس حصہ پر اگنے والے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اور اس جگہ کو موضع تحذیف کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس جگہ کے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔ ،،کتاب

(تہذیب الاسماء للنووی واللغات ج ۴ ص ۲۴۶)

۲ (کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۲ حدیث نمبر ۲۶۱۰۵)

۳ (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، باب الوضوء، ج ۲ ص ۳۷۳)

البرکہ،، میں لکھا ہے:

قدتعو دالناس التحذیف و لا بأس به قال الغز الی و هو القدر الذی اذا و ضع الخیط علی رأس الاذن و الطرف الثانی علی الجبین و قع فی جانب الجبهة و لیس من القز ع فی شئ۔

ترجمہ: لوگوں کی عادت موضع تحذیف سے بال دور کرنے کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحذیف وہ جگہ ہے کہ اگر دھاگے کا ایک کنارہ کان کے سرے پر رکھا جائے اور دوسرا سرا پیشانی پر رکھا جائے تو پیشانی کی جانب کا مقام موضع تحذیف ہے اور یہ عمل (موضع تحذیف سے بال صاف کرنا) قزع میں داخل نہیں ہے،، ابو اسحاق اور اس کے متبعین کے نزدیک یہ بال سر کے بالوں کے متصل ہونے کی بناء پر اسی کے حکم میں ہیں۔

و هو الموافق لنص الشافعی رحمة الله تعالیٰ علیه و الاول اظهر و الثانی اشهر۔[1]

ترجمہ: یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے موافق ہے اور پہلا قول ظاہر کے زیادہ مناسب ہے جبکہ زیادہ مشہور دوسرا قول ہے۔،، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے،، شرح منہاج،، میں فرمایا ہے: **صحح الجمهور ان موضع التحذیف من الرأس۔**،،

ترجمہ: جمہور نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ موضع تحذیف سر کا حصہ ہے۔،،

"لِاتِّصَالِ شَعْرِهٖ بِشَعْرِ الرَّأْسِ وَ نَقَلَ الرَّافِعِیُّ فِیْ شَرْحَیْهِ تَرْجِیْحَهٗ عَنِ الْاَكْثَرِیْنَ"

ترجمہ: "بوجہ ان بالوں کے سر کے بالوں کے ساتھ متصل ہونے کے اور رافعی نے اپنے دونوں شرحوں میں اکثر اہلِ علم سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مواضع مذکورہ سر کی حد میں داخل ہیں پس ان جگہوں کے بالوں کو بھی سر کے بالوں کا حکم حاصل ہے یعنی سر منڈانے کے ساتھ ان کو منڈایا جائے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: مردوں کیلئے پورے سر کے بال رکھنا مسنون ہے اور ان کو منڈانا جائز (مباح) ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے حج وعمرہ کے علاوہ سر منڈانا ثابت نہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی طرزِ عمل اور معمول اسی کے مطابق تھا۔ البتہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سر کے بال منڈاتے تھے اور مواہب میں مذکور ہے:

و لم یرو أنه- صلی الله علیه و سلم- حلق رأسه الشریف فی غیر نسك حج أو عمرة فیما علمته، فتبقیة الشعر فی الرأس سنة و منكرها مع علمه یجب تأدیبه، و من لم یستطع التبقیة فیباح له إزالته.

ترجمہ: نبی ﷺ سے حج وعمرہ کے علاوہ جہاں تک مجھے معلوم ہے سر منڈوانا مروی نہیں، پس سر پر بال چھوڑنا سنت ہے اور جاننے کے باوجود اس کی سنیت کا منکر لائق تعزیر ہے اور جو شخص بال رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کیلئے بال نہ رکھنا جائز ہے۔[2]

اور جو کوئی بالوں کی نگہداشت (تیل، کنگھی وغیرہ) پر قادر ہو تب بھی اس کیلئے سر منڈانا مباح ہے۔،، اسی طرح،، روضہ،، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ،،مجموع،، میں یہ روایت مذکور ہے۔ اور ابن قیم نے بھی زاد المعاد باب تنبیہات ج ۲ ص ۱۸ میں نقل کیا ہے:

لم یحلق صلی الله علیه و سلم رأسه الشریف إلا أربع مرات.

---

[1] (كذا فی فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی، ج ۱ ص ۳۹۹)

[2] (المواهب اللدنیه فی منح المحمدیه، الفصل الاول فی كمال خلقته و جمال صورته ﷺ ج ۲ ص ۸۰، منتهی السؤل علی وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ، الفصل الثالث فی صفة شعره ﷺ ج ۱ ص ۳۴۲)

ترجمہ: ،،نبی ﷺ نے صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا۔،،

قَدُو مَاتَ أَرْبَعَةً :بِمَكَّةَ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ، وَفَتْحُ مَكَّةَ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ، وَحَجَّةُ الْوَدَاعِ۔[1]

ترجمہ: عمرۂ قضاء میں، فتح مکہ کے موقع پر، عمرۂ جعرانہ میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر کہ ان ہی چار مواقع پر ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کو مکہ معظمہ میں حاضری کے مواقع میسر آئے۔

اور نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ ''باب ترجل'' میں حدیث ''احلقوا کلہ او اترکوا کلہ'' کے ذیل میں فرمایا ہے :فی الحدیث اشارۃ الی ان الحلق فی غیر الحج و العمرۃ جائز و ان الرجل مخیر بین الحلق و ترکہ لکن الافضل ان لا یحلق الا فی غیر احد النسکین کما کان ﷺ یفعلہ و اصحابہ و انفرد منھم علی کرم اللہ وجھہ۔

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر منڈانا جائز ہے اور آدمی کو سر منڈانے اور بال رکھنے میں اختیار ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ سر نہ منڈائے جیسا کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس معاملے میں منفرد تھے'' (کیونکہ آپ ہر جمعہ کے دن سر منڈاتے تھے)۔

عینی شرح بخاری میں ہے :ادعی ابن عبد البرّ الاجماع علی اباحۃ حلق الجمیع و ھو روایۃ عن احمد۔ یعنی ابن عبد البر نے پورے سر کے بال منڈانے کی اباحت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[2]

اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صراط مستقیم میں فرمایا ہے کہ سر کے بال منڈانا مرد حضرات کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور جو لوگ بالوں کو تیل لگانے اور درست رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لئے (سنت کے مطابق) بال رکھنا افضل ہے۔

اور مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے کہ :سر کے بال (سنت کے مطابق) رکھنا سنت ہے اور قدیم عرب کی یہی عادت تھی لیکن تیل کنگھی کے ذریعہ بالوں کی نگہداشت رکھنی چاہیئے، اور اب تو عام وخاص اکثر لوگوں میں بال منڈانے ہی کا رواج ہے خصوصا مشائخ، صوفیاء اور درویش صفت لوگ (مولف کی مراد اس سے اپنے زمانہ کے اہلِ ہند ہیں)۔ بظاہر اس کی وجہ بالوں کی نگہداشت سے ان کی عدیم الفرصتی ہے۔

سر کے بالوں کی نظافت

سر کے بالوں کے بارے میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے، رسول اللہ ﷺ بالوں میں کنگھا فرمایا کرتے تھے اور تیل کا استعمال بھی فرمایا کرتے تھے۔

اس عمل سے بالوں کا گرد وغبار اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور بالوں میں جوئیں پڑنے سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

اور اگر کوئی مرد سر پر بال رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرے اور اگر یہ نہ کر سکے تو پھر بالوں کو منڈوا دے۔[3]

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے بال ہوں عین کے فتح کیساتھ، اس

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب الترجل، ج۷ ص ۲۸۲۵)

[2] (عمدۃ القاری ج ۲۲ باب القزع)

[3] (وعن ابی ھریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال من کان لہ شعر :بفتح العین ویسکن، والظاھر أن المراد بہ شعر الرأس (فلیکرمہ) :أی فلیزینہ ولینظفہ بالغسل والتدھین ولا یترکہ متفرقا، فان النظافۃ وحسن المنظر محبوب (رواہ أبو داود) مرقاۃ المفاتیح، ج۷ ص ۲۸۲۷، کتاب اللباس، باب الترجل)

سے مراد سر کے بال ہیں، بس اس کی عزت کرو یعنی اسے مزین رکھو، اسے صاف رکھو، دھونے کے ساتھ، تیل لگانے کے ساتھ اور اسے بکھرے ہوئے نہ چھوڑو کیونکہ صفائی اور خوبصورت دکھنا پسند کیا جاتا ہے۔

من اتّخذ شعرا فليحسن اليه او ليحلقهٗ۔

ترجمہ: جو بال رکھے تو اچھی طرح رکھے (دھوئے، تیل کنگھی وغیرہ کرے) ورنہ منڈا دے۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان له شعر فليكرمه۔

ترجمہ: جس کے بال ہوں تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے۔[2]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: **ان النبی ﷺ قال: من اتخذ شعرا فليكرمه** یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو بال رکھے تو ان کا اکرام کرے۔[3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **كان لابی قتادة جمة فسأل النبی ﷺ فيها؟ فقال: اكرمها وادهنها** (یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے جمہ (کندھوں تک) بال تھے، انہوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا اکرام کیجئے اور ان میں تیل لگائیے۔[4]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **سمعت النبی ﷺ يقول: من ربی منكم شعرا فليكرمه، قيل: يا رسول الله، وما كرامته؟ قال: يدهنه، ويمشطهٗ كل يوم۔**

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تم میں سے جو بال رکھے تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے، رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ بالوں کا اکرام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں روزانہ تیل لگائے اور کنگھی کرے۔[5]

سر منڈانے کو معمول بنانا سنت ہے اس لئے کہ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تقریری سنت کے قبیل سے ہے اور پھر خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سر منڈانے پر مواظبت (ہمیشگی) بھی تنہا سنت ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔**

ترجمہ: میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔[6]

فتاویٰ عالمگیری میں روضہ زندویسی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

---

[1] (رواہ الطبرانی فی الاوسط، حدیث ۴۰۸۰، ج ۹ ص ۱۳۳، وفی مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الشارب)

[2] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۱۶۳، کتاب الترجل، باب فی اصلاح الشعر، المکتبة العصریة، بیروت، واللفظ له المعجم الأوسط للطبرانی، رقم ۸۴۸۵، شعب الایمان للبیهقی رقم ۶۰۳۶، مشکل الآثار للطحاوی، رقم ۳۳۶۵)

[3] (ج ۱ ص ۵۹۱، دار ابن الجوزی، السعودیة/الریاض، واللفظ له، الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۳ ص ۴۱۴، الترغیب والترهیب لقوام السنة، رقم الحدیث ۲۰۳، اخبار اصبهان، رقم الحدیث ۱۷۳۹)

[4] (رقم ۶۷۱، در الحرمین، القاهرة، واللفظ له؛ شعب الایمان للبیهقی، رقم ۶۰۴۱)

[5] (ج ۱ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)

[6] (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالسنة، ابن ماجہ ج ۱، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین)

وان السنة فی شعر الرأس اما الفرق واما الحلق وذکر الطحطاوی الحلق سنة ونسب ذالک الی العلماء الثلاثة۔[1]

ترجمہ: ''تحقیق سنت طریقہ سر کے بالوں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو بال رکھ کر درمیان سے سیدھی مانگ نکالی جائے اور یا پھر سر منڈھایا جائے اور امام طحاوی نے سر منڈانے کو سنت کہا ہے اور یہ بات ائمہ ثلاثہ احناف کی طرف منسوب کی ہے (جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے)۔''

مسئلہ: مردوں کے لئے حج کے دوران مقررہ وقت پر بال کٹوانے کے بجائے منڈوانا افضل ہے، اگرچہ کٹوانا بھی جائز ہے:

''قال اللہ تعالیٰ محلقین رءوسکم ومقصرین۔

(اپنے سروں کے بال منڈانے والے اور کٹوانے والے ہیں)۔[2]

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا: **اللھم ارحم المحلقین** (اے اللہ تعالیٰ منڈوانے والوں پر رحم فرما)۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: **والمقصرین؟** (اور کٹوانے والے بھی؟)

تب بھی آپ ﷺ نے پہلا جملہ ہی ارشاد فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے چوتھی بار ''**والمقصرین**'' کے ساتھ استفسار کیا تب آپ نے والمقصرین کہہ کر محلقین کے لئے رحم کی دعا میں ان کو شامل فرمایا: (ان الفاظ کے ساتھ: **اللھم ارحم المحلقین والمقصرین**)۔[3]

فتاویٰ عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے:

یحلق او یقصر والحلق افضل ۔حلق کرے یا قصر کرے، لیکن حلق افضل ہے۔[4]

وحلق الکل افضل اقتداء بالنبی ﷺ۔

ترجمہ: پورے سر کو منڈانا افضل ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام (کے عمل) کی اتباع کی وجہ سے۔

پس کہتا ہے بندہ عاجز فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی کہ زلفیں رکھنا اور منڈوانا دونوں جائز ہیں، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

حلق الرأس مع الصدغین سنة یعنی کنپٹی سمیت سر منڈوانا سنت ہے۔[5]

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے: **یستحب حلق الرأس فی کل جمعة کذا فی الغرائب**۔ ہر جمعہ کو سر منڈوانا مستحب ہے۔[6]

فتاویٰ سلطانیہ میں لکھا ہے: **ولو حلقت المرأة رأسھا فان فعلت لوجع اصابھا فلا بأس بہ. فان فعلت تشبھا بالرجل فھو مکروہ۔**

اگر کسی خاتون نے سر میں کسی بیماری کے سبب اپنا سر مونڈوایا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مردوں کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ایسا کیا تو پھر مکروہ ہے۔[7]

وفی زین الحلم شرح عین العلم لملا علی قاری رحمہ اللہ: ویحلق رأساً أی شعرہ ان اراد التنظیف والاحتیاط فی الغسل کما اختارہ علی کرم اللہ وجھہ حیث کان کثیر الاغتسال وقد سمع النبی ﷺ تحت کل شعرة جنابة ولذا قال ومن ثم عادیت

---

[1] (فتاویٰ عالمگیری ج۵ کتاب الکراھیة، الباب التاسع عشر فی الختان الحصاء وحلق المراۃ شعرھا ووصلھا شعر غیرھا)

[2] (سورۃ الفتح، آیت ۲۷)

[3] (بخاری، باب الحلق والتقصیر عند الاحلال، رقم ۱۶۱۲)

[4] (کتاب المناسک وفیہ سبعة عشر بابا، الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)

[5] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۴۲، جلد ۴)

[6] (ص ۳۵۷، ج۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

[7] (فتاویٰ سلطانی ص ۴۵۵)

رأسی الی قولہ وحیث قرر علیہ السلام فعل علی رضی اللہ عنہ صار سنۃ ای حلق الرأس مع انہ قال علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عین العلم کی شرح زین الحلم میں ہے کہ غسل میں احتیاط یا صفائی کی وجہ سے اگر سر کا حلق کیا جائے تو جائز ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر مونڈوانے کو اختیار کیا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غسل فرمانے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ﴿ناپاکی﴾ ہوتی ہے۔اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر ﴿کے بالوں﴾ کے ساتھ دشمنی کرلی.... اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کو برقرار رکھا تو سر منڈوانا سنت قرار پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔[1]

وفی فصول العبادیۃ رجل قال لآخر حلق رأسک أو قلم أظفارک فان ھذا سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال ذالک الرجل لا أفعل وان کان سنۃ فھذا کفر لانہ قال ذالک علی سبیل الانکار والرد۔ کذا فی سائر السنن خصوصا فی السنۃ ھی معروفۃ وثبوتھا بالتواتر کالسواک ونحوہ۔ وفی الغرائب وروی محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قال خطانی حجام فی سفر القبلۃ فی ثلاثۃ اشیاء اذا جلست لحلق الرأس قال لی استقبل القبلۃ فاستقبلت الیھا فقدمت جانب یساری فقال لی قدم جانب یمینک فقدمت جانب یمینی فاذا فرغت اردت ان اخرج فقال دفن شعرک ثم اخرج فدفنت کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یقول للحلاق ابلغ العظمین فانھما منتھی اللحیۃ یعنی حدھا ولذلک سمیت لحیۃ لان حدھا اللحی۔

فصول العبادیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اپنا سر منڈواؤ یا اپنے ناخن کاٹو کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور دوسرا اس کے جواب میں کہے کہ میں ایسا نہیں کرونگا اگرچہ سنت ہے تو یہ قول کفریہ ہے ﴿یعنی یہ کلمۂ کفر ہے﴾ کیونکہ اس نے جو جواب دیا یہ بطور انکار اور رد تھا۔یہی حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنن کے بارے میں ہے خاص کر ان سنن کے بارے میں کہ جو معروف ہو اور ان کا ثبوت تواتر سے ہو جیسے مسواک وغیرہ۔غرائب میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر قبلہ ﴿حرم شریف﴾ میں حجام نے مجھے تین غلطیوں پر تنبیہ کی۔۱۔جب میں سر مونڈوانے کیلئے بیٹھا تو حجام نے کہا کہ قبلہ رو ہو جاؤ تو میں قبلہ رو ہو گیا۔۲۔میں نے حجام کی طرف سر مونڈوانے کیلئے بائیں طرف کو آگے کیا تو اس نے کہا کہ پہلے دائیں طرف کا حلق ہوگا تو میں نے دائیں طرف آگے کردی۔۳۔جب میں فارغ ہوا اور باہر جانے لگا تو حجام نے کہا اپنے بال دفن کردو پھر نکلو تو میں نے بال دفن کردیئے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجام سے فرمایا سر مونڈتے ہوئے بڑی ہڈیوں تک پہنچو کہ یہ داڑھی کی انتہاء ہے اور اس لئے داڑھی کو لحیہ کہتے ہیں کہ یہ داڑھ کی انتہاء تک ہوتی ہے۔[2]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا سر منڈانے کے متعلق فتویٰ :

مسئلہ :۱۲۳۵ از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا حضرت امامین مطہرین رضی اللہ عنہما یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔ وقد روی رضی

---

[1] (بحوالہ ہدایہ الابرار ص ۳۱)

[2] (ہدایۃ الابرار ص ۳۲)

اللہ تعالٰی عنہ ان تحت کل شعرۃ جنابۃ ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی۔ بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔[1]

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :۲۳۹ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی وماثور است کہ موئے مرغول سرآن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرد وآمدہ ونزدیک بدوش رسیدہ آیا رجل امت اجابت آن تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم را نیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم را اخذ نمودہ سالک شوند باز وبرتقدیر اول آیا کدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارکش مستحق لوم وعتاب است یا زائدہ کہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ در رسالہ منارمی نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ والاذان والزوائد وتارکھا لا یستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ وقیامہ الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔

اے علماء کرام! اللہ تعالٰی تم پر رحمت کے پھول برسائے تمھارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی قدر) گھنگھریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱) یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳) اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک طریقہ کو اختیار کر کے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا مذکور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ، منار، میں لکھتے ہیں سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار (از مولانا عبد الحکیم لکھنوی)۔[2]

الجواب

عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برتمام سر موئے داشتن است از گوش تا دوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر موجنابت ست مبادا کہ آب بجائے نرسد ومے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہر چہ مناسب حال خود مبینند بر آں عمل کنند موئے را اکرام باید فی الحدیث من کان لہ شعر فلیکرمہ اگر اکرام تواند وبحد اسراف نرساند موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال وبر ہر چہ از یں عمل کند مستحق لوم وعتابے نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہر حال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہذا اگر عزت

---

[1] (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ ۱/۳۳ وجامع الترمذی ابواب الطھارۃ ۱/۱۶) (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۱/۳۳)

[2] (نور الانوار شرح المنار بحث سنن الھدی والزوائد مطبع علیمی دھلی ص ۱۶۷)

توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی حد تک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہو جائے لہذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

حلق العانہ (زیر ناف بال) صاف کرنا:

زیر ناف بال صاف کرنا مرد وعورت دونوں کے لئے مسنون ومشروع ہے۔ بلکہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ادیان میں مشترک مشروع ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اس کو انسان کی فطرتی عادات میں سے شمار کیا گیا۔

والاستحداد أی حلق العانة وھو۔۔استعمال الحدید من نحو موسی وغیرہ فی حلق العانة ای الشعر الذی حوالی ذکر الرجل وفرج المرأة وزاد ابن شریح وحلقة الدبر۔

استحداد یعنی موئے زیر ناف صاف کرنا اور استحداد کا معنیٰ ہے بالوں کی صفائی کیلئے استرا وغیرہ کی شکل میں لوہے کو استعمال کرنا اور موئے زیر ناف سے مراد وہ بال ہیں جو مرد کے آلۂ تناسل کے اردگرد ہوں اور عورت کے عضو مخصوص ﴿شرمگاہ﴾ کے اردگرد ہوں۔ ابن شریح نے کہا کہ مقام پاخانہ کے اردگرد کے بالوں کو بھی عانہ کہتے ہیں۔[2]

قلت وعلیہ الفتوٰی کما فی الشامیۃ۔ میں کہتا ہوں اسی پر فتویٰ ہے جیسے کہ شامی میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زیر ناف بال مونڈنا بھی فرض تھا، ہم پر سنت ہے۔ خیال رہے کہ زیر ناف بال دور کرنے کیلئے زیادہ طور پر احادیث میں (استحداد) کے الفاظ استعمال ہیں، یعنی نبی کریم ﷺ نے لوہے کے آلہ (استرا وغیرہ) کو استعمال کیا۔

ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

ان النبی ﷺ کان لا یتنور، وکان اذا اکثر الشعر علی عانتہ حلقہ۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے زیر ناف بالوں کو دور کرنے کیلئے چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال نہیں کیا، بلکہ جب بال دور کرنے کی ضرورت درپیش آتی تو آپ ﷺ ان بالوں کو مونڈ کر دور کرتے لیکن ایک دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان النبی ﷺ کان اذا اطلی ولی عانتہ بیدہ۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ زیر ناف بالوں پر چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال کر کے ہاتھوں سے بالوں کو صاف کر دیتے۔ خیال رہے کہ ،،اطلی،، کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ **اطلی یعنی بالنورۃ وھی حجر یتخذ منہ طلائ لازالۃ الشعر من بواطن الجسد۔**

کہ آپ ﷺ نے چونہ کا استعمال کیا، کیونکہ پتھر سے حاصل ہونے والے چونہ کو جسم کے اندرونی حصہ کے بال دور کرنے کیلئے جب استعمال کیا جائے تو اسے بھی طلائی کہہ لیا جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں میں تطبیق:

ابن خویز منداد کہتے ہیں۔

---

[1] (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۱/۳۳) (سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۲۱۸) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/۲۳۰) (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۶۸۶۔۶۹۲)

[2] (المرقاۃ ۸/۲۸۹ ومجمع الزوائد ۵/۳۰۳)

وھذا یدل علی ان الاکثر من فعلہ کان الحلق و انما تنور نادر الیصح الجمع بین الحدیثین،،

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اکثر طور پر زیر ناف بالوں کو مونڈا ہے لیکن کبھی کبھی چونہ وغیرہ سے بھی بالوں کو دور کیا ہے۔اس طرح دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائے گی۔خیال رہے کہ زیر ناف بالوں کو دور کرنا مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہے۔اور دور کرنے کے دونوں طریقے بھی مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہیں۔[1]

لہٰذا مرد وعورت دونوں کو کسی بھی طریقے سے ان بالوں کا زائل کرنا ضروری ہے لیکن مردوں کو استرے (بلیڈ) سے صفائی بہتر جبکہ عورتوں کو نورہ بال صفا پاؤڈر سے دور کرنا افضل ہے۔اور عورتوں کو انگلیوں سے نکالنا مستحب ہے۔[2]

ختنہ کرنا:

مسلم شریف میں اور مسند احمد میں یحییٰ کی روایت میں ہے۔

،، انہ اختتن حین بلغ ثمانین سنۃ و اختتن بالقدوم،،

بیشک ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور آپ نے تیسہ سے ختنہ کیا۔

یعنی جب آپ علیہ السلام پر ختنہ کے فرض ہونے کا حکم نافذ ہوا اس وقت آپ کی عمر اسی سال تھی ،آپ نے لکڑی کاٹنے چھیلنے کا آلہ تیسہ لیا،اور اپنا ختنہ خود ہی کر دیا۔سبحان اللہ یہ انبیاء کرام کے کام ہی ہیں جو مشکل مشکل امتحانات میں پورے اترے ورنہ عام انسان ایسے امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

خیال رہے،،قدوم،،قاف پر فتحہ ،دال مشدد بھی استعمال ہے اور مخفف بھی،معنی اس کا تیسہ۔

قال عکرمۃ اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ،، قال: و لم یطف بالبیت بعد علی ملۃ ابراھیم الا مختون،،

حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا،حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد ملت ابراہیمی پر قائم کسی شخص نے بغیر ختنہ طواف نہیں کیا۔

مسئلہ:

جمہور احناف اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے۔

ان ذلک من مؤکدات السنن و من فطرۃ الاسلام التی لا یسع ترکھا فی الرجال،،

کہ ختنہ کرنے کا فعل سنت مؤکدہ ہے اور فطرۃ اسلامیہ سے ہے۔مردوں کیلئے اس سنت کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الفطرۃ خمس الاختتان الخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان فرمایا کہ فطرت اسلامیہ پانچ چیزیں ہیں،ان میں آپ ﷺ نے ختنہ کا بھی ذکر کیا۔

اس حدیث سے بھی ختنہ کا سنت ہونا واضح ہے۔خیال رہے کہ ایک ضابطہ یہ ہے ذکر قلیل ذکر کثیر سے مانع نہیں لہٰذا کسی محل اور موقع کی مناسبت سے پانچ کا ذکر کرنا دوسری جگہ دس کے ذکر کے منافی نہیں۔

---

[1] (نجوم الفرقان ص ۸۰۸ ج ۳)

[2] (فتاویٰ حقانیۃ ۴۶۴/۲)

مسئلہ:

اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہوا تو وہ ختنہ کی مشقت سے بچ گیا ہے۔اب اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ختنہ کرنے کی کوئی ضرورت ہوگی۔کیونکہ اس کا ختنہ پہلے قدرتی طور پر ہو چکا ہے۔حضرت میمونی کہتے ہیں،مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص تھا جس کا بچہ پیدا ہوا جس کا ختنہ قدرتی طور پر ہو چکا تھا۔وہ شخص پریشان تھا کہ میں بچے کا ختنہ کیسے کرونگا۔تو آپ نے اس شخص کو فرمایا،، اذا کان اللہ قد کفاک المؤنۃ فما غمک بھذا،، جب رب تعالیٰ نے تمہیں اس بچے کے ختنہ کی مشقت سے آزاد کر دیا ہے تو تمہیں اس کا کیا غم ہے۔

فائدہ جلیلہ:

عن محمد بن حبیب الھاشمی خلق من الانبیاء اربعۃ عشر مختونین آدم و شیث و نوح و ھود و صالح و لوط و شعیب و یوسف و موسیٰ و سلیمٰن و زکریا و عیسیٰ (و حنظلۃ بن صفوان نبی اصحاب الرس) و محمد ﷺ۔

محمد بن حبیب ہاشمی کہتے ہیں کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے،حضرت آدم علیہ السلام،حضرت شیث علیہ السلام،حضرت نوح علیہ السلام،حضرت ہود علیہ السلام،حضرت صالح علیہ السلام،حضرت لوط علیہ السلام،حضرت شعیب علیہ السلام،حضرت یوسف علیہ السلام،حضرت موسیٰ علیہ السلام،حضرت سلیمٰن علیہ السلام،حضرت زکریا علیہ السلام،حضرت عیسیٰ علیہ السلام،(حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام اصحاب الرس کے نبی علیہ السلام) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ختنہ شدہ ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے۔

اعتراض:

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ختنہ ہوا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے کیسے صحیح ہے؟

،،عن ابن عباس ان عبد المطلب ختن النبی ﷺ یوم سابعۃ و جعل لہ مأدبۃ و سماہ محمدا،،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ختنہ ساتویں دن کرایا اور اسی دن احباب کی دعوت کی اور اسی دن آپ کا نام محمد ﷺ رکھا،

جواب:

یہ حدیث محمد بن ابی سری نے روایت کی ہے۔اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں۔

،،طلبت ھذا الحدیث فلم اجدہ عند احد من اھل الحدیث ممن لقیتہ الا عند ابن ابی السری،،

میں نے اس حدیث کو بہت تلاش کیا لیکن حدیث بیان کرنے والے حضرات میں سے میں نے جس سے بھی ملاقات کی مجھے کسی کے پاس بھی یہ حدیث نہیں ملی سوائے ابن ابی السری کے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث دوسری معتبر احادیث کے مقابل قابل حجت نہیں،کیونکہ اس حدیث کے متعلق ابو عمرو نے فرمایا،،ھذا حدیث مسند غریب،،یہ حدیث مسند غریب ہے۔اس سے بھی اس کے قابل حجت نہ ہونے کا ذکر کیا گیا۔یہ ذکر کرنے کے بعد ابو عمرو نے کہا۔،،و قد قیل ان النبی ﷺ ولد مختونا،،تحقیق بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔

فذکر ابو نعیم الحافظ فی،، کتاب الحلیۃ،، باسنادہ ان النبی ﷺ ولد مختونا۔

ابونعیم رحمہ اللہ علیہ نے ،،کتاب الحلیۃ ،،میں ذکر فرمایا ہے اسناد صحیحہ سے کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے ۔

مسئلہ : ختنہ بالغ ہونے سے پہلے کر دیا جائے ۔بچہ سات دن کا ہو تو ختنہ کرنا بہتر ہے ۔اس مسئلہ پر مختلف روایات ہیں ،علماء کے اقوال سے یہ بھی ملتا ہے ۔،، ختن ابراھیم اسماعیلَ لثلاث عشر سنۃ ،، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ جب کیا تو ان کی عمر تیرہ سال تھی ۔،، وختن ابنہ اسحاق لسبعۃ ایام ،، اور آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا جب ختنہ کیا تو وہ سات دن کے تھے ۔

،، وروی عن فاطمۃ رضی اللہ عنھا انھا کانت تختن ولدھا یوم السابع ،، اور روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے بچوں کا ختنہ ساتویں دن کرایا۔

وقال اللیث بن سعد ،، یختن الصبی مابین سبع سنین الی عشر ۔

لیث بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بچوں کا ختنہ سات اور دس سال کے درمیان کرا دیا جائے ۔

وقال احمد ،، لم اسمع فی ذلک شیئا ،، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ختنہ کے متعلق معین مدت کے متعلق کوئی روایت سننے میں نہیں آئی ،

بخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ۔

،، سئل ابن عباس مثل من انت حین قبض رسول اللہ ﷺ قال انا یو مئذ مختون ،،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کتنے تھے ۔آپ نے فرمایا میں اس وقت مختون تھا ،آپ نے مختون کا معنی قریب البلوغ لیا ہے ۔واضح ہوا کہ بالغ ہونے سے پہلے ضرور ختنہ کرا دیا جائے ،سات دنوں پر کرائیں یا بعد میں کرائیں جائز ہے ۔

بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے کیلئے :

اگر چہ مالکی مذہب میں تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ ختنہ کسی سے کرائے بعض حضرات نے زیادہ ہی کی تاکید کی ہے ۔

لیکن احناف کے نزدیک بلا عذر شرعی کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے ،اس لئے سنت پر عمل کرنے کیلئے حرام کا ارتکاب تو جائز نہیں ۔البتہ وہ شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو ختنہ کرنا جانتی ہو ،تو وہ نکاح کے بعد اس کا ختنہ کر دے ،کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھ سکتی ہے ،اس طرح نہ حرام کا ارتکاب ہوگا ۔اور نہ سنت کی ترک لازم آئے گی ۔

غسل البراجم :

باء کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) وہ گرہیں اور جھریاں جو انگلیوں کے جوڑوں کے ظاہری حصہ پر ہوتی ہیں اور جو باطنی حصہ پر ہوتی ہیں ان کو رواجب کہتے ہیں ابن العرافی رحمہ اللہ نے اسی طرح فرمایا ہے ۔علامہ تورپشتی نے فرمایا ہے کہ براجم سے مراد وہ جوڑ ہیں جو اسابع اور رواجب کے درمیان میں اور رواجب وہ جوڑ ہیں جو پوروں سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے بعد براجم ہوتے ہیں اور براجم کے بعد اسابع ۔ابھری رحمہ اللہ نے اسی طرح نقل کیا ہے اور مراد اس سے (ہاتھ پاؤں) کے تمام قسم کے جوڑوں کی گرہیں اور پوشیدہ جگہوں کا دھونا ہے ۔[1]

بغلوں کے بال دور کرنا :

بغلوں کے بال دور کرنا بھی مرد و عورت دونوں کے لئے کسی بھی طریقے سے ضروری ہے البتہ اسمیں دونوں کو اکھیڑنا بہتر ہے ۔

---

[1] (مرقاۃ)

وفی الابط یجوز الحلق و النتف أولی۔ بغلوں کے بالوں کے بارے میں حلق کرنا جائز اور اکھیڑنا بہتر ہے۔[1]

قلت و لفظ الابط فی الحدیث یدّل علی العموم فتأمل۔[2]

حدیث میں لفظ ابط عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد وعورت دونوں کیلئے حکم ہے۔

ناخن کاٹنے کا حکم:

مرد وعورت دونوں کے لئے بڑے ناخن کاٹنا سنت مؤکدہ ہے۔اور حدیث شریف نے اسے بھی انسان کے امور فطرت میں سے بتایا لہٰذا مرد وعورت کو بڑے بڑے ناخن رکھنا فیشن کی خاطر یا سستی کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

قال العلامہ العینی رحمہ اللہ تحت قول الامام البخاری رحمہ اللہ باب تقلیم الأظفار هذا باب فی سنیّة تقلیم الخ۔[3]

وفی الهندیة :وقلم الأظفار سنة اِلاّ فی دار الحرب فان ترکها مندوب الیه۔

ناخن کاٹنا سنت ہے مگر دارالحرب میں نہ کاٹنا مستحب ہے۔[4]

ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ :

ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں علماء نے دو طریقے افضل قرار دیئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ابتداء اور انتہاء دونوں دائیں ہاتھ پر ہو جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب دائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لئے جائیں اور پھر بائیں ہاتھ کے چھنگلی انگلی سے لے کر بالترتیب بائیں کے انگوٹھے تک کاٹ لئے جائیں اور آخر میں دائیں کا انگوٹھا سے کاٹ لیں۔

قال فی الهدایة عن الغرائب:وینبغی الابتداء بالیدالیمنیٰ و الانتهاء بهافیبدأبسبابتهاویختم بِابهامها ۔ہدایہ میں غرائب کے حوالے سے ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ابتداء وانتہاء دونوں دائیں ہاتھ سے ہو،دائیں ہاتھ کے انگشت شہادت سے ابتداء ہو اور انگوٹھے پر اختتام ہو۔[5]

ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا دوسرا افضل طریقہ:

اور وہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر دائیں ہی کے درمیانی پھر ساتھ والی اور پھر چھنگلی اور آخر میں دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے لے کر انگوٹھے تک۔

کذا ذکر العلامة العینی رحمة اللہ تعالیٰ علیه۔عن الامام النووی رحمة اللہ تعالیٰ علیه۔[6]

پاؤں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ:

ثمّ یبدابخنصر الرجل الیمنیٰ ویختم ببنصر االیسریٰ۔اس کے بعد دائیں پاؤں کے چھنگلی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب بائیں کے

---

[1] (الھندیۃ ۵/۳۵۸)

[2] (المنتقی للحرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱/۶۷)

[3] (عمدۃ القاری ۵/۴۵ ج ۲۲)

[4] (الھندیۃ ۵/۳۵۷ و حقانیۃ ۲/۴۲۰)

[5] (الشامیۃ ۵/۲۶۰)

[6] (عمدۃ القاری ۵/۴۵ ج ۲۲ والمرقاۃ ۸/۹۰۲)

چھنگلی انگلی تک کاٹ لیں۔[1]

مسئلہ:

یہ طریقہ محض افضل ہے اور بڑے ناخن کاٹنا ضروری ہے گو کسی بھی طریقے سے کاٹے جائیں نیز اگر دن میں فرصت نہ ملے یا رات کو بڑے معلوم ہوں تو رات کو بھی کاٹنا جائز ہے۔

حکی أن هارون الرشید سأل أبا یوسف رحمة الله تعالیٰ علیه عن قص الاظافیر فی اللیل فقال ینبغی فقال ما الدلیل علی ذلک فقال قوله صلی الله علیه وآله وسلم الخیر لا یؤخر۔

ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے رات کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ مناسب ہے کہ کاٹے جائیں۔ پوچھا اس پر کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھے کام کو مؤخر نہ کیا جائے۔[2]

ناخن کاٹنے اور زیر ناف بال کے صفائی کا وقت:

صحیح یہی ہے کہ اسلام میں ان چیزوں کی صفائی کا کوئی خاص وقت متعین نہیں بلکہ جب کبھی ناخن، مونچھ وغیرہ حد میعاد سے تجاوز کر جائیں اور بڑے ہو جائیں تو اسی وقت کاٹنے کا حکم ہے۔

قال القاری رحمة الله تعالیٰ علیه: والمعنی أن لا تترک ترکا یتجاوز أربعین لأنه وقت لهم الترک أربعین لأن المختار أن یضبط الحلق والتقلیم والقص بالطول فإذا طال حلق وقص وقلم ذکره النووی رحمة الله تعالیٰ علیه۔[3]

ناخن اور زیر ناف بال کی صفائی کا مستحب وقت:

البتہ چونکہ اسلام میں صفائی کی بہت ہی تاکید آئی ہے۔ اس لئے فقہاء اسلام نے ہر ہفتہ یعنی جمعہ میں غسل کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی صفائی کو بھی افضل و مستحب قرار دیا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے دو ہفتوں کے بعد اور آخری حد چالیس دن تک ہے اور اس کے بعد بغیر کسی شدید مجبوری کے مؤخر کرنے والا گناہ اور وعید کا مستحق ہوگا۔

فالأسبوع هو الأفضل والخمسة عشر الأوسط والأربعون الأبعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔

ایک ہفتے میں صفائی افضل ہے، درمیانی مدت پندرہ دن اور لمبی مدت چالیس دن کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں اور تارک وعید (سزا) کا مستحق ہوگا۔[4]

ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلام کے سنہری اصول:

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانیت کو پاکی و صفائی کے سنہرے اصول بتائے ہیں۔ اے کاش کہ مسلمان ان سنہری اصولوں کو اپنائیں اور رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں بہر حال ان سنہری اصول میں سے یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد و عورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے، گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں

---

[1] (الفتاوی الهندیة ۵/۳۵۸)

[2] (الفتاوی الهندیة ۵/۳۵۸)

[3] (المرقاة ۸/۲۹۱)

[4] (الهندیة ۵/۳۵۷ والمرقاة ۸/۲۹۱ والشامیة ۵/۲۶۰)

نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔ جیسے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

فإذاقلم اظفاره۔أو جزّ شعره ينبغي أن يدفن ذلک الظفر و الشعر المجزور فإن رمی به فلابأس أی فی مکان طاهر لا يوطأو إن القاه فی الکنيف أو فی المغتسل يکره ذالک لأن ذالک يورث دائً۔[1]

قبیلہ بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے بالوں، ناخن اور خون کو دفنانے کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ: حالت جنابت میں بال و ناخن کاٹنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر یہاں قرائن سے کراہت تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔ **قال فی الهندية حلق الشعر حالة الجنابة مکروه و کذا قص الاظافير۔ کذا فی الغرائب۔**

ہندیہ میں ہے کہ جنابت کی حالت میں بالوں اور ناخن کا کاٹنا مکروہ ہے۔[2]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: هی عشر خصال کانت فرضا فی شرعه و هن سنة فی شرعنا۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: یہ دس خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں فرض تھیں اور وہ ہماری شریعت میں سنت ہیں۔

(۱۵) ﴿باب نمبر پندرہ قبر میں عہدنامہ وغیرہ تبرکات رکھنے کے جواز کا بیان﴾

بعض علماء قبر میں عہدنامہ، دلائل الخیرات شریف یا ذکر و اذکار کی کتابیں یا تبرکات رکھنا حرام کہتے ہیں حالانکہ قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہدنامہ یا اپنے وظائف کی کتابیں رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہیں۔

قرآن فرماتا ہے وَ ابْتَغُوا اِلَيهِ الْوَسِيلَةَ ۔[4] یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا اِذْهَبُوا بِقَمِيصِی هٰذَا فَاَلْقُوهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِی يَاتِ بَصِيرًا[5] میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔[6]

اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

---

[1] (ایضا الفتاوی الهندية عن الخانية ۵/۳۵۷ و مصنف ابن ابی شيبة و لفظه عن رجل من بنی هاشم أن رسول اللہ ﷺ أمر بدفن الشعر و الظفر و الدم انتهی ۶/۱۳۱)

[2] (عالمگیریہ ص ۳۵۸ ج ۵)

[3] (تفسیر ابی السعود، ج، ۱، ص، ۱۸۹، دار احیاء التراث العربی بیروت)

[4] (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۳۵)

[5] (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۹۳)

[6] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

هذا الحدیث اصل فی التبرک باثار الصلحین و لباسهم کما یفعله بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصهم فی القبر۔

ترجمہ :یہ حدیث صالحین کی چیزوں اوران کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین کو قبر میں مشائخ کے کرتے پہنادیتے ہیں۔[1]

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے دریں جا استحباب تبرک است بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اوران کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبارالاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔

چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات وکلمات کہ مناسب معنی عفو واشعار اور کلمات جو کہ عفو وبخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

شجرہ در قبر نہاون معمول بزرگان است لیکن ایں راد وطریق است اول اینکہ برسینہ مردہ درون کفن یا بالا کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگزارند دوران کاغذ شجرہ را نہند۔

قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دوطریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔مشکوۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جاچکا تھا۔اس کو نکلوایا۔اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اوراپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔انہوں نے کہا۔

و اللہ ما سئلته لا لبسها انما سئلته لتکون کفنی قال سهل فکانت کفنه۔

ترجمہ :اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔[2]

ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

انی البستها لتلبس من ثیاب الجنة و اضطجعت معها فی قبرها لا خفف عنها ضغطة القبر۔

---

[1] (لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح باب غسل المیت فصل اول ج ۴ ص ۳۱۸ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور)

[2] (صحیح البخاری باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیه ج ۱ ص ۴۲۹ رقم الحدیث ۱۲۱۸ مطبوعه دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابن ماجه ج ۲ ص ۱۱۷۷ رقم الحدیث ۳۵۵۵ مطبوعه دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳ رقم الحدیث ۲۲۸۷۶ مطبوعه موسسة قرطبة مصر)

ترجمہ : قمیص تو اس لئے پہنائی کہ ان کو جنت کا لباس ملے اور ان کی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔[1]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال الرجل و اللہ ما سالتہ الا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکان کفنہ۔ قال قتیبۃ کان سعد بن ابی وقاص۔

ترجمہ : اس آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے حضور سے ایسے نہیں مانگی بلکہ اس لئے مانگی ہے تاکہ جب میں مروں تو یہ میرا کفن بنے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعی وہی چادر اس شخص کا کفن بنی تھی۔

امام قتیبہ المعروف امام الدینوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

و خذ ذلک الشعر و الاظفار فاجعلہ فی فمی و علی عینی و مواضع السجود منی۔

ترجمہ : اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لے کر ان کو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔[3]

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔[4]

زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

من کتب ھذا الدعاء و جعلہ بین صدر المیت و کفنہ فی رقعۃ لم ینالہ عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔

ترجمہ : جو شخص اس دعا کو کاغذ پر لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[5]

فتاویٰ کبریٰ للمکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

ان ھذا الدعآء لہ اصل و ان الفقیہ ابن عجیل کان یامرہ بہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاساً علی کتابۃ اللہ فی نعم الزکوۃ۔

---

[1] (معرفۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۷۸۔ ۲۷۹ رقم الحدیث ۲۸۸ مطبوعہ مکتبۃ دار مدینۃ منورۃ)، (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (طبرانی کبیر ج ۶ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۵۹۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۶۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ھامش الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[4] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ باب الجنائز فصل فی الغسل ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ ریاض سعودی عرب)

[5] (نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ :اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[1]

اور وہ دعا یہ ہے :لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔[2]

نیز ترمذی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے :اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انتَ اللہ الذی لآ اِلٰہَ اِلّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِی اِلٰی نَفْسِی تُقَرِّبنی مِنَ الشَّر وتُباعِدنی من الخیر وَ اِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْداً عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادِ۔فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالیٰ اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[3]

امام ترمذی نے فرمایا کہ وعن طاوس انہ امر بھذا الکلمت فکتب فی کفنہ۔

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے۔[4]

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالی للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر۔

ترجمہ :امام صفار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔[5]

درمختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت۔

ترجمہ :میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔[6]

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی جاوے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالی للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر قال نصیر ھذہ روایۃ فی تجویز ذلک وقد روی انہ کان مکتوباً علی افخاذ افراس فی

---

[1] (فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (فتاویٰ کبریٰ بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶)

[3] (نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

[4] (الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف)

[5] (فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الاحسان ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

[6] (درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

اصطبل الفاروق حبس فی سبیل اللہ۔

ترجمہ :اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔امام نصیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔اور مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ۔

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان پہ پر اکتفا کرتا ہوں۔زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تا کہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لقنوا موتٰکم میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔رب فرماتا ہے۔اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿الرعد ۲۸﴾ سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف زیر آیت مایعلم الا قلیل اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گمی ہوئی چیز تلاش کرنا۔جنگ کے وقت بھاگتے وقت آگ بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔اور بخار،دردسر کے لئے حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کے لئے دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔(از الحروف الحسن وتفسیر خزائن العرفان وجمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشیلینا، مشلیینا، مرنوش، وبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کھف آیت مایعلم الا قلیل۔[1]

محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں لو قرءت ھذہ الاسناد علی مجنون لبرء من جنتہ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین،راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔اور بعد موت بے کار ہوں یہ نہیں ہوسکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ''الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن'' کے نام سے مکمل رسالہ لکھا ہے۔وہ یہاں پر درج کرتا ہوں۔

رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (۱۳۰۸ھ) (کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

مسئلہ نمبر :۱۵ از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید محمد ابراہیم ۹ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکن متبرکہ سے آئے اور اس پر آیاتِ کلام اللہ واحادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میّت کو

---

[1] (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۲۲)

پہنانا کیسا ہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللہ الذی سترنا بذیل کرمہ فی حیاتنا و بعد الممات و فتح علینا فی التوسل بایاتہ و شعائرہ ابواب البرکات و السلام علی من تبرک بأثارہ الکریمۃ الاحیاء و الاموات و حی و یحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات و علی اٰلہ و صحبہ و اھلہ و حزبہ عدد کل ماض و اٰت۔ سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامن کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثار گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے۔

اور (درود وسلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر، ہر گزشتہ اور آنے والے کی تعداد کے برابر۔

یہاں چار مقام ہیں:

اول : فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولٰی قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہوگا۔ اور اُس کے مؤید احادیث وروایات۔

دوم : احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میّت پر رکھی گئیں اور اسے مخل تعظیم نہ جانا۔

سوم : بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال اس کا جواب۔

چہارم : قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان۔ و باللہ التوفیق۔

مقامِ اوّل : ہمارے علماء کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔

(۱) امام ابو القاسم صفار شاگرد امام نصیر بن یحیٰی تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابو یوسف ومحرر المذہب سید امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح و روایت کی۔

(۲) امام نصیر نے فعل امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تائید وتقویت کی۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری (۴) علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔

(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ انہوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیّت فرمائی اور حسب وصیّت ان کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیّدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : من کتب ھذا الدعاء و جعلہ بین صدر المیت و کفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر و لا یری منکرا و نکیراً و ھو ھذا لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ، لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک و لہ الحمد لا الٰہ الا اللہ و لا حول و لا قوۃ الا با للہ العلی العظیم۔

جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے : لا الٰہ الا اللہ و اللہ

اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔[1]

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے :اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انتَ اللہ الذی لآ اِلٰہَ اِلّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِن تَکِلْنِی اِلٰی نَفسی تُقَرِّبنی مِنَ الشَّر وتُبَاعِدنی من الخیر وَ اِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْداً عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادِ۔ فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[2]

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا :وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنہ۔ امام طاؤس کی وصیّت سے عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔[3]

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا :اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ۔ جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے امان دے۔[4]

(۹) یہی امام فرماتے ہیں :من کتب ھذا الدعاء فی کفن المیت رفع اللہ عنہ العذاب الٰی یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا :جو یہ دُعا میّت کے کفن میں لکھے اللہ تعالٰی قیامت تک اس سے عذاب اٹھالے اور وہ یہ ہے :اللھم انی اسألک یاعالم السر یاعظیم الخطر یاخالق البشر یاموقع الظفر یامعروف الاثر یا ذاالطول والمن یاکاشف الضر والمحن یااٰلہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصل اللھم علٰی سیدنا محمد وسلم۔[5]

(۱۰) ابن حجر مکّی نے اپنے فتاوی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اُس کا فضل اُس کی برکت مشہور ومعروف ہیں، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ :من کتبہ وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ لاینال عذاب القبر ولا یناالہ منکر ونکیر ولہ شرح عظیم وھو دعاء الانس، (وھو ھذا) جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وُہ چین و راحت کی دعا ہے۔ (وہ دعا یہ ہے:) سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف وبالصفۃ علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیۃ للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار وبالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رؤف رحیم، سبحٰنہ کما یقولون وسبحنہ کما ھم یقولون تسبیحا تخشع لہ السمٰوٰت والارض ومن علیھا ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللہ وانا اسرع الحاسبین۔[6]

---

[1] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۶)

[2] (نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

[3] (الدر المنثور بحوالہ حکیم الترمذی تحت الامن اتخذ عند الرحمٰن عھدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/۲۸۶)

[4] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۶)

[5] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۶)

[6] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۶)

مصنّف عبدالرزاق اوران کے طریق سے معجم طبرانی اوران کے طریق سے حلیہ ابونعیم میں ہے :اخبرنا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنھا لما حضرتھا الوفاۃ امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت وتطھرت، ودعت بثیاب اکفانھا فلبستھا ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لاتکشف اذاھی قبضت وان تدرج کماھی فی اکفانھا فقلت لہ ھل علمت احدا فعل نحو ذلک قال نعم کثیر بن عباس، وکتب فی اطراف اکفانا یشھد کثیر بن عباس ان لا الٰہ الا اللہ۔ معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوادیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولٰی علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی میرا کفن نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہا ہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ لاالٰہ الااللہ۔[1]

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے :ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھة المیت او علٰی عمامة او کفنہ عھدنامہ، یرجی ان یغفر اللہ تعالٰی للمیّت، ویجعلہ اٰمنا من عذاب القبر۔ امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰی اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔[2]

پھر فرمایا :قال نصیر ھذہ روایة فی تجویز وضع عھدنامہ مع المیّت وقد روی انہ کان مکتوبا علی افخاد افراس فی اصطبل الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ، حبس فی سبیل اللہ امام نصیر نے فرمایا :یہ میّت کے عہد نامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا وقف فی سبیل اللہ۔[3]

(۱۱) دُرمختار میں ہے :کتب علی جبھة المیت وعمامتہ او کفنہ عھدنامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیّت اوصی بعضھم ان یکتب فی جبھة وصدرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاء تنی ملٰئکة العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالوا اٰمنت من عذاب اللہ۔ مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی، پھر خواب میں نظر آئے حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔[4]

(۱۲) فتاوٰی کبرٰی للمکی میں ہے :نقل بعضھم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان ھذا الدعاء لہ اصل وان الفقیہ ابن عجیل کان یأمر بہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علٰی کتابة للہ، فی نعم الزکوٰة۔ بعض علماء نے نوادر الاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خود انہوں نے اس

---

[1] (حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۳۳ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۲/ ۴۳)

[2] (فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۹)

[3] (فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۹)

[4] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶)

کے جوازِ کتابت پر فتوٰی دیا اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے للہ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔[1]

(۱۳) اُسی میں ہے :واقره بعضهم بانه قيل يطلب فعله لغرض صحيح مقصود، فابيح وان علم انه يصيبه نجاسة۔ اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا۔

(۱۴) اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔[2]

هذا ما اثر، ثم نظر و فيه نظر كما سيأتي و بالله توفيق۔ یہ انہوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کی اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور توفیق خدا ہی سے ہے۔

مقامِ دوم :احادیث مؤیدہ

اقول (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلۂ صحابہ نے کہ غالباً سیدنا عبدالرحمن بن عوف یا سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انہیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ سلامہ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں حضور اکرم الاکرما صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی کسی سائل کو رَد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انہوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دئے گئے۔

صحیح بخاری میں ہے :باب من استعد الكفن فى زمن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فلم ينكر عليه حدثنا عبدالله بن مسلمة فذكر باسناده عن سهل رضى الله تعالٰى عنه ان امراة جاءت النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها اتدرون ما البردة قالوا الشملة قال نعم قالت نسجتها بيدى فجئت لاكسوكها فاخذها النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم محتاجاً اليها فخرج الينا وانها ازاره، فحسنها فلان فقال اكسنيها ما احسنها، قال القوم ما احسنت لبسها النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم محتاجاً اليها ثم سألته وعلمت انه لا يرد قال انى والله ماسألته وعلمت انه لا يرد قال انى والله ماسألته لالبسها وانما سألته لتكون كفنى قال سهل فكانت كفنه۔

باب، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبداللہ بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انہوں نے جواب دیا وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ ﷺ کو پہننے کے لئے پیش کرتی ہوں تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرمائی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود اپنے لئے پسند فرمائی تھی، تو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کر لیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لئے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ

---

[1] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲)

[2] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲)

تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔[1]

(۱۶) بلکہ خود حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے ان کے بدن کے متصل رکھیں۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے :

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال اغسلنھا ثلٰثا او خمسا او اکثر من ذٰلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الاٰخرۃ کافورا او شیئامن کافور فاذافرغتن فاٰذننی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعر نھا ایاہ۔

فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملا لینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔[2]

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ لمعات میں ہے :**ھذا الحدیث اصل فی التبرک باثار الصالحین ولباسھم، کمایفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر۔** یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت مند اُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔[3]

(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔[4]

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس۔ اسے معجم کبیر و معجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادہ صحیح، اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

(۱۹) **وابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنّفہ عن جابر۔** اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں حضرت جابر سے۔

(۲۰) **وابن عساکر عن علی۔** ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔

(۲۱) **والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔** القاب میں شیرازی نے ابن عبدالبر وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انہیں اپنا قمیص مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنّت کے لباس پہنیں۔ ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی

قال لماماتت فاطمۃ اُمّ علی رضی اللہ تعالٰی عنھا، خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسھا ایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوی علیھا التراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناک صنعت شیئالم تصنعہ باحد، فقال انی البستھا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا من ضغطۃ القبر، انھا کانت احسن خلق اللہ نیعا الیّ بعد ابی طالب۔

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۰)

[2] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸)

[3] (لمعات التنقیح باب غسل میت فصل اول مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۴/ ۳۱۸)

[4] (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب مناقب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹/ ۲۵۷)

فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اتار کر انہیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی تو کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! آج ہم نے آپ کو وہ عمل کرتے دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔ فرمایا اسے میں نے اپنا کُرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابوطالب کے بعد خلق خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔[1]

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینۃ (جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے الخ۔) کہا، جہنم واصل ہوا، حضور پُرنور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ بن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل ومومن کامل تھے، اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطا فرمایا، پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب وطاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعابِ دہن اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا، اور یہ بدلہ اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مرد نے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور ﷺ کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، و نیز مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خود عرض کر گیا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے۔ **یارسول اللہ یاکریم یارؤف یارحیم اسألک الشفاعۃ عندالمولی العظیم والوقایۃ من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بک بکتابک الحکیم علیک من ولاک افضل الصلٰوۃ واکمل تسلیم۔**

اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے ربِ عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر درد ناک بلا سے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم و رحمت وعفو ومغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم، صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے: **عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ان عبداللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ استغفر لہ فاعطاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ الحدیث۔**

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اپنا کُرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلٰوۃ واستغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنا کُرتا عطا کر دیا۔ الحدیث۔[2]

(۲۴) نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے **عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی بعد مادفن**

---

[1] (معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ مکتبۃ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹۔ ۲۷۸)

[2] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)

فنفث فیه من ریقه و البسه قمیصه۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کُرتا پہنایا۔[1]

(۲۵) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر کتاب الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا۔

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ و شعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخباتہ لھذا الیوم فاذا انامت فاجعل ذلک القمیص دون کفنی ممایلی جسدی و خذ ذلک الشعر و الاظفار فاجعلہ فی فمی و علی عینی و مواضع السجود منی۔

یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے شرف یاب ہوا ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ، حاجت کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس سے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ناخن ومُوئے مبارک تراشے وہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مرجاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا، وموئے مبارک وناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔[2]

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبدالرحمن رواسی روایت کی: قال حدثنا الحسن بن صالح عن ھارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مسک، فاوصی ان یحنط بہ، وقال علی وھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سکت علیہ الحاکم، ورواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبدالرحمٰن بہ، ورواہ البیھقی فی سننہ، قال النووی اسنادہ حسن۔ ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔ (انہوں نے کہا ہم نے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وہ ابووائل سے راوی ہیں انہوں نے کہا۔) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچا ہُوا ہے۔ (اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبدالرحمن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے، اور اسے بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔[3]

(۲۷) ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی: قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ، ذکرہ فی الاصابۃ۔ یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ موئے مبارک سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ مُوئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا (اسے اصابہ میں

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)

[2] (کتاب الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/ ۳۹۹)

[3] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۶۱) (نصب الرایۃ باب الجنائز فصل فی الغسل المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہ الریاض ۲/ ۲۵۹)

ذکر کیا گیا۔[1]

(۲۸) دلائل النبوۃ بیہقی و ابن عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی :عن انس بن مالک انه کان عنده عصیة لرسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فمات فدفنت معه بین جیبه وبین قمیصه۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔[2]

اُن کے سوا ہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتب حدیث میں ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ جیسے نقوش کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ردا وقمیص خصوصاً ناخن وموئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ کل جزء جزء وشعرۃ شعرۃ منہ وبارک وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسے جائز ومقرر رکھنا بلکہ بنفس نفیس یہ فعل فرمانا جواز ماتحن فیہ کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہرگز مفید تفرقہ نہیں ہوسکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وُہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع ومحظور، یونہی لباس واجزائے جسم اقدس کے لئے قطعاً ناجائز ومحذور، پھر صحاح احادیث سے اسکا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی وللہ الحمد۔

مقام سوم : کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میّت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلنا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبل فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا :حبس فی سبیل الله تعالی۔ (وقف فی سبیل اللہ تعالیٰ ہے۔[3]

جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس جواب میں کلام کیا رانِ اسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں انہیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔[4]

ذکره فی فتاواه الکبری واثره العلامة الشامی فتبعه علی عادته فانی رأیته کثیرا مایتبع هذاالفاضل الشافعی کمافعل ههنا مع نص ائمة مذهبه الامام نصیر والامام الصفار وتصریح البزازیة والدر المختار وکذافی مسئلة نزول الخطیب درجة عندذکر السلاطین وفی مسئلة اذان القبر وفی نجاسة رطوبة الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طهارة رطوبة الفرج عند الامام یشمل الفرج الخارج والرحم والفرج الداخل جمیعا کما بینته فی جدالممتار۔

اسے امام ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علّامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجود یکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح اور بزازیہ و درمختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم

---

[1] (اصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۷۲)

[2] (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ انس ابن مالک دار الفکر بیروت ۵/ ۷۵)

[3] (رد المحتار علی الدر المختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۷)

[4] (رد المحتار علی الدر المختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۷)

اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے۔جیسا کہ جدالممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے۔

اقول قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں کما بینتہ فیما علقت علی ردالمحتار (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں اسے بیان کیا ہے۔) مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح وقاطع ہے۔

ثم اقول بلکہ خود قرآنِ عظیم مثل سورہ فاتحہ وآیاتِ شفاء وغیرہا بغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلا نکیر رائج ہے۔

بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اُن سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :اذا عسرت علی المرأۃ ولادتھا خذ اناء نظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی، کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار بلغ، فھل یھلک الا القوم الفٰسقون کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب، ثم یغسل وتسقی منہ المرأۃ وینضح علٰی بطنھا وفرجھا۔ جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج (اندام نہانی، شرمگاہ) پر چھڑکیں۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے دردِ زہ کے لئے فرمایا :تکتب لھا شیئ من القراٰن وتسقی۔ قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔

(قول عبداللہ ابن عباس)

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے :

لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العٰلمین کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار۔[2]

ان کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابوبکر مروزی نے کہا: میں نے ان کو بارہا اسے لکھتے دیکھا واہ الامام الثقۃ الحافظ ابوعلی الحسن بن علی الخلال المکی (اسے امام، ثقہ، حافظ ابوعلی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔)[3]

حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِ بدن نہیں ہوتا اور اسکا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے، درمختار میں ہے :یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال۔آبِ زمزم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔[4]

ردالمحتار میں ہے :وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک۔اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زمزم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔[5]

اور اس کا پینا اعلٰی درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔تاریخ بخاری وسنن ابن ماجہ وصحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :اٰیۃ ما بیننا وبین المنافقین انھم لا یتضلعون من زمزم۔ ہم

---

[1] (ذکرہ فی نزھۃ الاسرار معزی التفسیر بحر العلوم ۱۲ (کنز العمال بحوالہ السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۶۴)

[2] (مواہب اللدنیہ کتابات الآلام اخری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۶۳ مدارج النبوۃ باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسر ولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۵)

[3] (مدارج النبوۃ بحوالہ خلال مکی باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسر ولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۵)

[4] (درمختار باب الہدٰی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۴)

[5] (ردالمحتار باب الہدٰی مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۵۶)

میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کو کھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔[1]

بلکہ بحمد اللہ تعالٰی ہماری تقریر سے امام ابن حجر شافعی اور ان کے متبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا، قال والقول بانه قیل یطلب فعله الخ مردود لان مثل ذلک لا یحتج به وانما کانت تظهر الحجة لو صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم طلب ذلک ولیس کذلک۔ ان کا کلام یہ ہے یہ کہنا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی ناقابل قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں۔[2]

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر، قال فالمنع هنا بالاولٰی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت۔ انہوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث منقول نہ ہو۔[3]

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کر دیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکمِ جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جا دارد۔ اس بحث کی تکمیل و تفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں، امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ فرمایا تھا: قیاسه علی مافی نعم الصدقة ممنوع لان القصد ثم التمیز لا التبرک وهنا القصد التبرک فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة۔ اھ واقرہ شامی صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں، اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انہیں معرض نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔[4]

فقیر نے اس پر تعلیق کی: اقول هذا الفرق لا یجدی نفعا وکیف یسلم ان قصد التمیز یسقط تعظیم ما وجب تعظیمه شرعا افتبدل به اعیان الاسماء العظمة فهو باطل عیانا ام لا یراد بها معانیها بل تکون الفاظ مستعملة فی معان اخری او من دون معنی وهذا ایضا باطل قطعا فان قولنا اللہ اوحبس فی سبیل اللہ انما یفید التمیز ویفهم الصدقة بالنظر الی معانیها الموضوعة لها لا غیر ام اذا استعملت الکلمات المعظمة فی معانیها وکان الغرض هنالک افهام امر ما سوی نحو التبرک یخرجها ذلک عن کونها معظمة وای دلیل من الشرع علی ذلک بل الدلائل بل البداهة ناطقة بخلافه ولو ان مجرد قصد غرض اٰخر غیر نحو التبرک کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القراٰن العظیم بل اولٰی لان الغرض ثم لا یتم الا باسم الجلالة من حیث هو اسم الجلالة اما ههنا فنظر المتوسد لیس الی قراٰنیته من حیث هی هی بل الٰی حجمه وضخامة جلده واذا جاز ذلک لذلک جاز ایضا والعیاذ باللہ تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض ویجلس علیه توقیا لثیابه من التراب فانه لیس باعظم من التعریض للابوال والارواث الی غیر ذلک مما لا یجیزه احد۔ ولعل معتلا یعتل بجواز قراءة امثال الفاتحة للجنب واختیه اذا قصدوا الثناء والدعاء دون التلاوة۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین کتاب المناسک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۷۲)

[2] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳)

[3] (ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۷)

[4] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳)

اقول : یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کر دے جس کی تعظیم شرعاً واجب ہو۔ اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسماء کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تو اس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کی معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہو جاتے ہیں یا معنی سے خالی ہو جاتے ہیں--تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کلمہ للہ (خدا کے لئے) یا حبیس فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز ونشان کا فائدہ بھی دیتا ہے اور اپنے وضعی معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتا ہے کوئی اور معنی نہیں دیتا--اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ باعظمت نہیں رہ جاتے--تو اس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہو جانا اگر تعظیم کو ساقط کر دیتا ہے تو چاہئے کہ قرآنِ عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولٰی، اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے۔ اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہو جائیگا۔

تو معاذ اللہ یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹّی سے محفوظ رہیں--کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کوئی یوں علت پیش کرے کہ جنب وحائض ونفساء کے لئے دعاوثنا کے ارادے سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

اقول نازعه المحقق الحلبی فی الحلیة وخصّ الجواز بمالا یقع به التحدی ای مادون قدر ثلث اٰیات ولی فی هذا ایضا کلام والحق عندی ان الجواز بنیة الدعاء والثناء ورد علی خلاف القیاس توسعة من اللہ تعالٰی بعبیده رحمة منه وفضلا فلا یجوز القیاس علیه علا ان منع الجنب لم یکن لنفس الالفاظ بل لکونها قراٰنا ای کلام اللہ عزوجل النازل علی نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المثبت بین الدفتین من حیث هو کذلک حتی لو فرض ان تلک الالفاظ کانت حدیثالم یحرم علیه قراءته فاذا قرأت علی جهة انشاء کلامن عند نفسه لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اماهٰهنا فالتعظیم لنفس تلک الالفاظ الموضوعة لتلک المعانی المعظمة وهی باقیة فی الکتابة علی حالها فافهم، مع ان العلامة سیّدی عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی نص علیه ان النیة تعمل فی تغییر المنطوق لا المکتوب کمانقله العلامة شامی قبیل المیاه واقره۔

اقول محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدّی واقع نہیں ہوتی یعنی تین آیات سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے--مجھے اس میں بھی کلام ہے--میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم--اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت وفضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے--خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں--علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفس الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وُہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظِ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرأت حرام نہ ہوگی--تو جب ان کی قرأت اس طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے ایک کلام انشا کر رہا ہے تو جو نسبت باعثِ ممانعت تھی وہ ملحوظ نہ رہ گئی--لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں۔ تو اسے سمجھو--اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی

ہے مکتوب میں نہیں-- جیسا کہ علّامہ شامی نے باب المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔[1]

ثم اقول علی التسلیم لامحیص عن کونہ اعنی ماکتب علی افخاذ الا بل حروفا و حروف الهجاء المعظمة بانفسها لایجوز تعریضها للنجاسة کیف وانها علی ماذکر الزرقانی فی شرح المواهب قرأن انزل علی سیدناهو دعلی نبینا الکریم و علیه الصلٰوة والتسلیم وکذانقله فی ردالمحتار عن بعض القراء وقدمه عن سیّدی عبدالغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی وقال اعنی الشامی فیه ان الحروف فی ذاتها لها احترام اھ، ثم اقول برتقدیر تسلیم بی اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ہے اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انہیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ہے ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیّدنا ہود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم پر نازل ہوا، جیسا کہ علّامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے اسی طرح ردالمحتار میں اسے بعض قراء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب الاشارات فی علم القراءات کے حوالے سے سید عبدالغنی نابلسی سے نقل کیا- اور اسی میں علامہ شامی نے بھی یہ لکھا ہے خود یہ حروف محترم ہیں اھ[2]

وقال ایضا نقلوا عندنا ان للحروف حرمة ولو مقطعة اھ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت وحرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ-[3]

وفی الهندیة لو قطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط او المصلی حتی لم تبق الکلمة متصلة لم تسقط الکراهة وکذلک لو کان علیه، الملک، لاغیر وکذلک الالف وحدها واللام وحدها کذا فی الکبری، اذا کتب اسم فرعون او کتب ابو جهل علی غرض یکره ان یرموا الیه لان لتلک الحروف الحرمة کذافی السراجیة اھ۔ ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جدا کر دیا، یا فرش یا جانماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کر دی گئی کہ پُورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی-- اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو، ایسا ہی کبرٰی میں ہے-- اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابوجہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزت وحرمت ہے، ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھ۔[4]

بل صرح فی الدرالمختار وغیره انه یجوز رمی برایة القلم الجدید ولا ترمی برایة القلم المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم۔اھ۔ بلکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشہ پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ۔[5]

وفی ردالمحتار ورق الکتابة له احترام ایضا لکونه الٰة لکتابة العلم ولذا علله فی التاتارخانیه بان تعظیمه من ادب الدین اھ
ردالمحتار میں ہے : کتابت کے کاغذ کا احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابتِ علم کا سامان ہے-- اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ

---

[1] (ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹)
[2] (ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷) (ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹)
[3] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷)
[4] (فتاوی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳)
[5] (درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴)

اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ۔[1]

فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم وبیاض الورق الغیر المکتوب فما ظنک بالحروف فاذن لاشک فی صحۃ الاستنادو لابد من اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔

تو جب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے بارے میں کیا ہوگا--اس سے ظاہر ہوا کہ صحتِ استناد میں کوئی شک نہیں ہے اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔

واقول یظھر لی فی النظر الحاضر ان لیس الامتھان من لازم تلک الکتابۃ ولاھو موجود حین فعلت ولاھو مقصود لمن فعل وانما ارادالتمیز وانماالاعمال بالنیات وانمالکل امرءمانوی۔ واقول (اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے-- اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے--اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی--[2]

قال فی جواھر الاخلاطی ثم الفتاوی الھندیۃ لاباس بکتابۃ اسم اللہ تعالٰی علی الدراھم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون۔اھ۔

جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے : دراہم پر اللہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں۔اھ۔[3]

وھذا لاشک انہ جار فیما نحن فیہ فلیس التجنیس من لازم الکتابۃ ولاھو موجود لامقصود وانما المراد التبرک الٰی اٰخر مامر فان قنع بھذا فذاک والافایاما ابدیتم من الوجہ فی ذالک فانہ یجری فیماھنالک ولایظھر فرق یغیر المسالک۔ یہ بات بلاشبہہ تحریر کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے--وُہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وُہ یہاں بھی جاری ہوگی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہوگا جس سے راہیں مختلف ہو جاتیں۔

فان قلت التنجیس فی الابل غیر مقطوع بہ حتی فی اجانب الانسی من افخاذھالانھاتتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیہ قلت لاقطع فی التکفین ایضافلیس کل جسدیبلی فان الاولیاء والعلماء العاملین والشھداء والمؤذن المحتسب وحامل القراٰن العامل بہ والمرابط والمیت بالطاعون صابرامحتسباوالمکثرمن ذکراللہ تعالٰی لاتتغیر ابدانھم نقلہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطامن جامع الجنائز وجعلھم عشرۃ کاملۃ بذکرالانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام ثم الصدیقین والمحبین اللہ تعالٰی وجمعت ھذین فی قول الاولیاء۔

اگر یہ کہیے کہ اونٹوں میں آلودگیِ نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقین ہوسکتی ہے--میں کہوں گا کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب مؤذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے

---

[1] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷)

[2] (صحیح بخاری باب کیف بدأ الوحی مطبوعہ قدیمی قطب خانہ کراچی ۱/ ۲)

[3] (فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳)

مرنے والا،کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا،ان کے بدن بگڑتے نہیں اسے علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پھر صدیقین اور خدا کے مجبین کو ذکر کر کے ان کی تعداد کامل دس کر دی ہے--اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کر دیا۔[1]

ثم تقييد المؤذن بالمحتسب هو نص حديث اخرجه الطبرانی عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال المؤذن المحتسب کالشهید (المشتحط) فی دمه و اذامات لم یدود فی قبره۔

مؤذن کے ساتھ محتسب (طالب ثواب) کی قید بتصریح حدیث ثابت ہے۔طبرانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے،انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا :موذّنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے--[2]

وهو محمل اثر مجاهد، المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیمة ولایدودون فی قبورهم۔ رواه عبدالرزاق وذلک بدلیل الجزء الاول اطول الناس الخ۔ اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔اسے عبدالرزاق نے روایت کیا--اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔[3]

اما حامل القرأن فحدیث ابن مندة عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما انه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذامات حامل القرأن اوحی الله الی الارض ان لاتاکلی لحمه، فتقول الارض ای رب کیف اٰکل لحمه وکلامک فی جوفه قال ابن مندة وفی الباب عن ابی هریرة وابن مسعود۔ حافظ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب حافظ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے :اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جب تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔[4]

وزاد فیه الشیخ قید العامل به اقول به ولکن العامل به مرجو له ذلک وان لم یکن حامله فقد اخرج المروزی عن قتادة قال بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئة الا ان یقال ان وصف العامل به حامل للخطّاء التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئة هو الصالح المحفوظ ولایشمل الصبی فیما اظن والله تعالٰی اعلم وبضم هذا تموا عشرة والله الحمد ۱۔نبی، ۲۔ولی، ۳۔عالم، ۴۔شهید، ۵۔مرابط، ۶۔میت طاعون، ۷۔مؤذّن محتسبین، ۸۔ذکار، ۹۔حامل القرأن، ۱۰۔من لم یعمل خطیئة۔

شیخ نے اس پر قرآن پر عامل کی قید کا اضافہ کیا ہے قول مگر عامل قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے--مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلّط نہیں کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عامل قرآن

---

[1] (شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۲/ ۸۴)

[2] (مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۳)

[3] (المصنف لعبدالرزاق باب فصل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۸۳)

[4] (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۴)

کاوصف اس پر بھی صادق ہے جو خطا کار اور تائب ہو پھر، وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ایسا صالح ہوگا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو--اور یہ وصف میرے خیال میں بچّے کو شامل نہیں، اور زیادہ علم خدائے برتر کو ہے--اب اسے ملا کر پورے دس ہو گئے۔(۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید (۵) مرابط (سرحد کا پاسبان) (۶) میّت طاعون (۷) مؤذن محتسب (۸) بہت ذکر کرنے والا (۹) حافظِ قرآن (۱۰) وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

(مروزی مسانید فی الحدیث)

فان کان من نکفنه احدهؤ لاء فذالک و الا فمایدریک ان هذا المسلم لیس من اولیاء الله تعالی او لم ینل منازل الشهداء بل من الاشرار من لا یتغیر جسده تشدیدا للتعذیب و العیاذ بالله القریب المجیب۔ تو جسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے--ورنہ کیا معلوم کہ یہ مسلمان اللہ تعالی کے اولیاء سے نہیں یا اسے شہداء کا درجہ حاصل نہیں--بلکہ اشرار میں بھی ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب زیادہ سخت ہو--پناہ خدائے قریب مجیب کی۔

هذا و اما ما ایده به المحشی مماقدم عن الفتح انه تکره کتابة القرأن و اسماء الله تعالٰی علی الدراهم و المحاریب و الجدران و مایفرش۔اه ما فی الفتح قال المحشی فما ذلک الا لاحترامه و خشیئة وطئه و نحوه ممافیه اهانة، فالمنع هنا بالاولی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت۔اه۔ و هذا الذی حمله علی العدول عن قول امام مذهبه الصفار الحنفی الی قول الامام ابن الصلاح من متاخری الشافیعته۔ اب رہا وہ کلام جو اس کی تائید میں علّامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم، محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور اسماء الٰہی لکھنا مکروہ ہے (فتح کی عبارت ختم ہوئی) اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں :اس کی وجہ یہی احترام اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیثِ ثابت منقول نہ ہو اھ۔یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کر کے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔[۱]

فاقول امّا الکتابة علی الفراش فامتهان حاضر او قصدما لا ینفک عن التهاون فلیس ممانحن فیه و لا کلام فی کراهته و اما علی البواقی فالمسئلة مختلف فیها و قداسمعناک انفاما فی جواهر الاخلاطی فی حق الدراهم و قال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواه لو کتب القرأن علی الحیطان و الجدران بعضهم قالوا یرجی ان یجوز و بعضهم کرهو اذلک مخافة السقوط تحت اقدام الناس۔اه۔فاقول۔

(تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جُدا ہونے والا نہیں۔یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے---دراہم سے متعلق تو جواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کر آئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خاں اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہوگا اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا اھ۔[۲]

فقد قدم رجاء الجواز و هو کما صرح به فی دیباجة فتاواه لایقدم الاالاظهر الاشهر و یکون کما نص علیه العلامة السید الطحطاوی ثم السید المحشی هو المعتمد فاذن فلتکن الکتابة المعهودة علی افخاذ الابل من لدن سیدنا الفاروق الاعظم

---

[۱] (ردالمحتار مطلب فیما یکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۷) (ردالمحتار مطلب فیما یکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۷)

[۲] (فتاوی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التبییج من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۲)

رضی اللہ تعالٰی عنہ مرجحۃ لقول الجواز ان فرضنا المساواۃ والا فلانسلمھا من الاصل فان الکتابۃ علی المحاریب والجدران انما یکون المقصود بھاغالبا الزینۃ ولیست من الحاجۃ فی شیئ فالمنع ثمہ لایستلزم المنع حیث الحاجۃ ماسۃ کالتمییز والتبرک والتوسل للنجاۃ باذن اللہ تعالٰی فافھم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اس عبارت میں امیدِ جواز کو انہوں نے مقدم رکھا ہے-- اور جیسا کہ اپنے فتاوی کے دیباچے میں وہ تصریح فرما چکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی اظہر اشہر ہوتا ہے-- اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علّامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی معتمد ہوتا ہے-- ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر لکھی جانے والی تحریر معہود ومعلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہئے-- اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں-- ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں ہے تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا ہے تو اسے سمجھو-- اور خدائے پاک بزرگ وبرتر خوب جاننے والا ہے۔

مقام چہارم : جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہاً وحدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے بلکہ بالاولٰی، اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسل وتبرک بلاشبہہ محمود ومندوب ہے۔ تفسیر طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے :

اذا کتب اسماء اھل الکھف فی شیئ والقی فی النار اطفئت ۔ جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔[1]

تفسیر نیشاپوری علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے :عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الکھف یصلح للطلب والھرب واطفاء الحریق تکتب فی خرقہ ویرمی بھافی وسط النار، ولبکاء الطفل تکتب وتوضع تحت راسہ فی المھد، وللحرث تکتب علی القرطاس وترفع علٰی خشب منصوب فی وسط الزرع وللضربان وللحمی المثلثۃ والصداع والغنی والجاہ والدخول علی السلاطین تشد علی الفخذ الیمنی ولعسر الولادۃ تشد علی فخذھا الایسر، ولحفظ المال والرکوب فی البحر والنجاہ من القتل۔ یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیل نفع ودفع ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچی پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچّہ روتا ہو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندہ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر اور حصول توانگری ووجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔[2]

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں : جب امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابوزرعہ رازی وامام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا اپنا اجمالِ مبارک ہمیں دکھائیے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمائیے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹالیں خلق خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو ۲ گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی

---

[1] (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثامن مطبوعہ معرفۃ بیروت ۷/ ۱۰۸)

[2] (تفسیر غرائب القرآن ذکر اسماء اہل کہف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۵/ ۱۱۰)

وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی حضور نے فرمایا :حدثنی ابو موسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنھم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی۔ یعنی امام علی رضا امام موسٰی کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اس کلمے کو پڑھا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس (۲۰) ہزار سے زائد تھے۔[1]

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا :لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون لبرئ من جننہ۔ یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔[2]

اقول فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وُہ برکات ہیں، حالانکہ وُہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیاء محمدیین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے۔ مسمّٰی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا کہ وجودِ شیٔ کی چار ۴ صورتیں ہیں :وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں، تو ان دو شق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّٰی قرار دیا ہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں :الاسم عین المسمی نام عین مسمی ہے۔ امام رازی نے فرمایا :المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّٰی مقصود اتنا ہے کہ نام کا مسمی سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام مسمی پر دلالت تراشہ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک اعلٰی ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کی اسناد اتصال بمحبوب ذوالجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب واولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسلاک کی سند تو شجرہ طیّبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے :پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امید گاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیال تنجیس آیا، شجرہ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بنا کر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائینتی کی طرف سے آتے ہیں اُن سے پیشِ نظر ہو، خواہ جانبِ قبلہ کہ میّت کے پیش رو رہے اور اس کے سکون واطمینان واعانت جواب کا باعث ہو، باذنہ تعالٰی ولہ الحمد۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی رسالہ فیض عام میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمولِ بزرگانِ دین بتا کر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وُہ متاخرین شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی روا ہے، ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب وبجا ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

بعض اہل خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات کرتے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں۔

---

[1] (الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۰۵)

[2] (الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ فی بعض اہل البیت مطبوعہ مکتبہ مجددیہ ملتان ص ۲۰۵)

اعتراض (۱).....: ۔وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب: ۔ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں ۔اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔تو ہر بدعت حرام نہیں ۔دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲).....: ۔کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب: ۔بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں ۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳).....: ۔علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ وخون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔اور ان کی بے ادبی ہوگی۔لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)۔

جواب: ۔اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں ۔لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں ۔دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نعم نقل عن بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلک بعد الغسل قبل التکفین۔

ترجمہ : بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔[۱]

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں ۔تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں ۔نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں ۔تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی ۔خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا۔حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی

---

[۱] (درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

وصیت کی ۔کہیئے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے ۔لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز ۔آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح ۔حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال ۔حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے ۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے ۔کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔حبس فی سبیل اللہ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں ۔رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہوگیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے ۔حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں ۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو ۔اور وہ تو نہ ملے گی ۔ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہوسکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں ۔تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے ۔

اعتراض (۴): عہدنامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو نہیں آئے گا برباد ہو جائے گا۔اور اسراف حرام ہے ۔

جواب: ۔چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بے کار نہیں تو اسراف بھی نہیں ۔

اعتراض (۵): ۔حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔معلوم ہوا کہ کفنی بے کار ہے ۔نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں ۔ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے ۔نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں ۔کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب ۔لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب: ۔اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی ۔وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں ۔ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو ۔حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے جانے سے ہم نے جانا ہے ۔یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں ۔کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے ۔جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں ۔تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ۔

ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی ۔

دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قمیص پہنائی تھی ۔آپ ﷺ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے ۔

تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے ۔بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی ۔نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے ۔ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔

ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔[1]

مفتی محمد فرید دیوبندی شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنے فتاویٰ فریدیہ میں لکھتے ہیں کہ مردے کے ساتھ بطور تبرک احادیث مبارکہ اور وظائف کی کتب وغیرہ دفن کرنا اس کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کافی روایات ذکر کیں اور پھر فرمایا کہ ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔[2]

قبر میں تبرکات مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات کے متعلق گنگوہی سے استفسار

''حضرت مولانا اشرف تھانوی مدظلہ نے ایک بار دریافت کیا۔حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا ہاں! مگر میت کے کفن میں نہ رکھے، طاق کھود کر رکھ دے۔اس پر مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے۔اس کے بعد فرمایا شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کوئی مرید تھے انکے پاس شاہ صاحب کا جوتا تھا۔انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھ دیئے جائیں۔چنانچہ حسب وصیت رکھ دیئے گئے اس پر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا کہیئے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا،اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے،استہزاء اور تمسخر کی کیا حاجت تھی،سو اب تم لوگوں کے پاس بیٹھوں میں کبھی بھی نہیں بیٹھوں گا۔اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔اس کے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے ''ضرب النعال علی رؤس الجهال'' رسالہ لکھا۔اس میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگاں کو قبر میں لے جانا جائز ہے،اس رسالہ کو دیکھ کر منکرین ناکام ہوئے۔''[3]

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے کفن میں تبرکات

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی وفات پر ماہنامہ ''البلاغ'' کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا۔ایک مضمون بعنوان ''والد ماجد کے آخری شب و روز'' میں مفتی صاحب کے صاحبزادہ ولی رازی صاحب لکھتے ہیں : ''وصیت کے مطابق مسنون طریقہ سے کفن دیا گیا اور تبرکات کفن میں حسب ہدایت شامل کی گئیں۔''[4]

(۱۶)﴿باب نمبر سولہ اولیاء اللہ کی فراست کا بیان﴾

بعض علماء اولیاء اللہ کی فراست سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ کا تعلیم الٰہی کا غیب پر مطلع ہونا معجزات سید الانبیاء علیہم السلام سے ہے جو آپ کے صدق نبوت و رسالت اور دین اسلام کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے (اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار اور بے حد و حساب معجزات عطاء فرمائے ہیں) لہٰذا ایسے اولیاء کرام بھی بحمد للہ کثیر التعداد ہیں اور ہر دور اور ہر علاقہ میں موجود رہے ہیں اور ان شاء اللہ رہیں گے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الطَّيِّبِ قَالَ : حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سَلَّامٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّقُوا فِرَاسَةَ المُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ، ثُمَّ

---

[1] (سعید الحق ص ۶۳۸)

[2] (ص ۲۷۹ ج ۳ پشتو)

[3] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۹۰)

[4] (ماہنامہ البلاغ خصوصی نمبر ص ۳۴۳)

قَرَأَ :{إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ} [الحجر 75 :]

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ {إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ} [الحجر 75 :][1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں۔

حدثنی ابو شر حبیل الحمصی قال ثنا سلیمان بن سلمة قال ثنا المؤمل بن سعید بن یوسف الرحبی قال ثنا ابو المعلی اسد بن وداعة الطائی قال ثنا وھب بن منبه عن طاؤس بن کیسان عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ احذروا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ وینطق بتوفیق اللہ۔

ترجمہ : حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔[2]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں۔

حدثنا عبد الاعلی بن واصل قال ثنی سعید بن محمد الجرمی قال ثنا عبدالواحد بن واصل قال ثنا ابو بشر المزلق عن ثابت البنانی عن انس قال قال رسول اللہ ان للہ عبادا یعرفون الناس بالتوسم۔

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔[3]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں۔

حدثنی احمد فتعبدوه قال ثنا الحسن بن محمد قال ثنا الفرات بن السائب قال ثنا میمون بن مهران عن ابن عمر قال قال رسول اللہ اتقوا فراسة المؤمن فان المؤمن ینظر بنور اللہ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔[4]

ولیوں کے امام مشکل کشا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں :

اخرج ابن عساکر عن الحسن بن محمد العلوی قال :کنت بالکوفة وانا صبی فی المسجد الجامع وقد جاء القرامطة بالحجر الاسود وکان اهل الکوفة قد رووا عن امیر المومنین علی علیه السلام انه قال :کانی بالاسود الدندانی من اولاد حام قد دلی الحجر الاسود من القنطرة السابعة فی مسجدی هذا یقال له (رخمة) وذکروا اسمه بالحاء (رحمة) قال :فلما دخلوا المسجد قال السید القرمطی یا رخمة بالخاء قم فقام اسود دندانی من اولاد حام کما ذکر امیر المؤمنین فاعطاه الحجر وقال :اطلع الی سطح المسجد ودل الحجر فاخذه وطلع فجاء یدلیه من القنطرة الاولی وکان انساناً دفعه الی الثانیة وکان کلما اراد ان یدلیه من القنطرة مشی الی قنطرة اخری حتی وصل الی القنطرة السابعة ودلاه منها فکبر الناس لقول امیر المؤمنین وتصحیح قوله۔

ترجمہ :ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے الحسن بن محمد علوی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی انہوں نے کہا میں بچپن میں کوفہ کی جامع مسجد میں تھا جب کہ قرامطہ (جو کہ ملاحدہ روافض کی قوم تھی اور خلافت عباسیہ میں انہوں نے خروج کیا تھا) حجر اسود کو لائے تو اہل کوفہ نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

---

[1] (سنن الترمذی باب ومن سورۃ الحجر ج ۵ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۱۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۷۴۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (تاریخ بغداد حرف الکاف من اباء المحدثین ج ۳ ص ۱۹۱ برقم ۱۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۸۱۔ ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶۔ ۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ذکر میمون بن مهران رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۹۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

کی ایک روایت بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں اسود دندانی کو جو کہ حام کی اولاد سے ہے دیکھ رہا ہوں کہ اس نے میری اس مسجد کے ساتویں کنگرے سے حجر اسود کو گرایا ہے۔ اس کا نام رخمہ ہے۔ (علماء اس کا نام رحمہ حاء کے ساتھ بتاتے ہیں) راوی نے بیان کیا جب قرامطہ مسجد کے اندر آئے تو ان کے سردار نے کہا اے رخمہ اٹھ تو اسود دندانی (جو کہ اولاد حام سے تھا جیسا کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا) اٹھا اور اسے حجر اسود دے کر کہا اسے مسجد کی چھت پر لے جا اور اوپر سے اسے گرا دے تو وہ حجر اسود کو لے کر مسجد کی چھت پر چڑھا اور وہ پہلے کنگرے کے قریب سے اسے گرانے لگا تو ایک انسان نے دوسرے کنگرے کی طرف دھکیل دیا پھر جب وہ اسے وہاں سے گرانے لگا تو تیسرے کنگرے کی طرف دھکیل دیا۔ یہاں تک کہ وہ ساتویں کنگرے کے پاس پہنچے اور وہاں سے اس نے حجر اسود کو گرا دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قول کی صداقت پر لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ کس طرح ان کی غیبی خبر صحیح ثابت ہوئی۔[1]

حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

قال شهدت علی بن ابی طالب یخطب فقال فی خطبته سلونی فوالله لاتسألونی عن شئ الی یوم القیمة الا حدثتکم به۔

ترجمہ : میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خطبہ میں حاضر تھا امیر المومنین نے خطبہ میں ارشاد فرمایا مجھ سے دریافت کرو خدا کی قسم قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔[2]

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں۔

و اما شیخنا السید علی الخواص رضی الله عنه فسمعته یقول لایکمل الرجل عندنا حتی یعلم حرکات مریده فی انتقاله فی الاصلاب و هو من یوم الست الی استقراره فی الجنة او فی النار۔

ترجمہ : ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔[3]

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثم انه ینجذب الی حیز الحق فیصیر عبدالله فیتجلی له کل شئی۔

ترجمہ : پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور ان کو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔[4]

مشکوۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بروایت بخاری۔

فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها۔

ترجمہ : رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔[5]

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام و الیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امت مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی

---

[1] (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[2] (جامع بیان العلم وفضلہ باب فی ابتداء العالم جلساء بالفائدۃ وقولہ سلونی ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ص ۸۳ مطبوعہ دارالکتب المصریۃ)

[3] (الکبریت الاحمر بھامش الیواقیت والجواہر الباب الرابع والثمانین وماتین ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[4] (فیوض الحرمین ص ۱۷۵ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

[5] (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ج ۵ ص ۲۳۸۴ رقم الحدیث ۶۱۳۷ مطبوعہ دارابن کثیر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۸ رقم الحدیث ۳۴۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۹ مطبوعہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (الزھد الکبیر للبیہقی ج ۲ ص ۲۶۹ رقم الحدیث ۶۹۶ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)

ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

(۱۷)﴿باب نمبر ستر ہ نماز میں رفع الیدین نہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء غیر مقلدین رفع یدین پر بہت زور دیتے ہیں حالانکہ رفع یدین کرنا منع ہے۔

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ا تا: ۴۔ترمذی۔ابو داؤد۔نسائی۔ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ افصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی او التابعین۔

ترجمہ : ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ وعلماء تابعین کا عمل ہے۔[1]

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔بلکہ حسن فرمایا۔چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس وعقل کے بالکل مطابق ہے۔جیسا کہ ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاءاللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر: ۵۔ابن ابی شیبہ نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کان النبی اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ ثم لا یرفعھما حتی یفرغ۔

ترجمہ : حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔[2]

---

[1] (سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ج ۲ ص ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک ذلک ج ۲ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۳۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۹۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء۔

حدیث نمبر:۶۔ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ **قال رایت رسول اللہ ا رفع یدیہ حین افتتح الصلوۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف۔**

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔[۱]

حدیث نمبر:۷۔طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی اانہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔

ترجمہ: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔[۲]

حدیث نمبر ۸ تا:۱۴۔حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ترفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوۃ و استقبال البیت و الصفا و المروۃ و الموقفین و الجمرتین۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منیٰ و مزدلفہ ہیں اور دونوں جمروں کے سامنے۔[۳]

حدیث نمبر:۱۵۔امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔ **ان کان وائل راہ یفعل ذلک فقد راہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک۔**

ترجمہ: اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔[۴]

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت قوی ہے۔کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور ﷺ سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔کیونکہ حضور ﷺ کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ تا:۱۷۔طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ۔

---

[۱] (سنن ابو داؤد ج ا ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[۲] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ا ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۳] (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (کتاب الآثار امام ابو یوسف ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) یہ حدیث ۱۰ ابزار (کشف الاستار ج ا ص ۲۵۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔۱۱۔ابن ابی شیبہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی ۱۲۔نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱۳۔طبرانی (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۰۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل) نے اور ۱۴۔بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

[۴] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ا ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ترجمہ : کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[1]

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حدثنا الحمیدی قال ثنا سفیان ثنا الزھری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن ابیہ قال رایت رسول اللہ اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ و اذا ارادان یرکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع فلا یرفع ر لا بین السجدتین۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔[2]

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبداللہ بن قطاف النھشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلاۃ ثم لا یعود۔

ترجمہ : عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں نہیں اٹھاتے تھے۔[3]

حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیہ اول ما یدخل فی الصلوۃ ثم لا یرفعھما۔

ترجمہ : حضرت اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام قیس رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[4]

حدثنا وکیع و اسامۃ عن شعبۃ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ و اصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ۔

ترجمہ : امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔[5]

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن مبارک عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یرفعھما۔

ترجمہ : اشعث فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[6]

حدثنا یحیی بن آدم عن حسن بن عیاش عن عبدالملک بن ابجر عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شئی من صلاتہ الا حین افتتح الصلاۃ قال عبدالملک و رایت الشعبی و ابراھیم و ابا اسحاق لا یرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلاۃ۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2] (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۶۱۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[4] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[5] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[6] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ :اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کیا اور عبد الملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابو اسحاق کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ سب صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔[1]

حدثنا وکیع عن مسعر عن ابی معشر عن ابراھیم عن عبداللہ انہ کان یرفع یدیہ فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعھما۔[2]

حدثنا وکیع عن شریک عن جابر عن الاسود وعلقمۃ انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان۔

ترجمہ :اسود اور علقمہ رحمہما اللہ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔[3]

حدثنی ابن ابی داود قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابو بکر بن عیاش قال ما رایت فقیھا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی۔

ترجمہ :امام احمد بن یونس نے کہا بیان کیا ہم سے ابو بکر بن عیاش نے کہا میں نے کوئی ایسا فقیہ نہیں دیکھا جو کہ رفع یدین کرتا ہو سوائے تکبیر افتتاح۔

امام عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شئی من تکبیر الصلاۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلاۃ۔

ترجمہ : کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کسی رفع یدین کو نہیں پہچانتا نماز تکبیر میں نہ جھکتے وقت اور نہ ہی اٹھتے ہوئے سوائے تکبیر افتتاح کے۔[4]

مزید فرماتے ہیں۔

کان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام۔

ترجمہ :یعنی امام ابن القاسم نے فرمایا کہ تکبیر افتتاح کے بغیر باقی رفع یدین امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک ضعیف ہے۔[5]

حدیث نمبر:۱۸۔عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

انہ رای رجلاً یرفع یدیہ فی الصلوۃ عند الرکوع وعند رفع راسہ من الرکوع فقال لہ لاتفعل فانہ شئی فعلہ رسول ثم ترکہ۔

ترجمہ : کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔[6]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔جن صحابہ سے یا حضور ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹۔:۲۰۔ بیہقی وطحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[4] (مدونۃ الکبری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

[5] (مدونۃ الکبری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

[6] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی مع الافتتاح تحت رقم الحدیث ۷۳۵ ج ۵ ص ۴۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انه کان یرفع یدیه فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ ثم لا یرفع فی شیئی منها۔

ترجمہ : کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[1]

حدیث نمبر:۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال راءیت عمر ابن الخطاب رفع یدیه فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود و قال حدیث صحیح۔

ترجمہ : میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

حدیث نمبر:۲۲۔ ابو داؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حدثنا سفیان اسنادہ بھذا۔ قال فرفع یدیه فی اول مرۃ و قال بعضھم مرۃ واحدۃ۔

ترجمہ : حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔[3]

حدیث نمبر:۲۳۔ دار قطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه رای النبی احین افتتح الصلوۃ رفع یدیه حتی حاذی بھما اذنیه ثم لم یعد الی شئی من ذالک حتی فرغ من صلوته۔

ترجمہ : کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔[4]

حدیث نمبر:۲۴۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی۔

انه قال لا ترفع الایدی فی شیئی من صلوتک بعد المرۃ الاولی۔

ترجمہ : آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔[5]

حدیث نمبر:۲۵۔ بو داؤد نے براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود۔

ترجمہ : بے شک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہ کرتے۔[6]

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

[5] (جامع الرضوی بصحیح البھاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

[6] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابومحمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالحناطین میں ملاقات ہوگئی۔تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔سنیے اور ایمان تازہ کیجئے۔یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی:۔آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ:۔اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی : آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ۔

ترجمہ : مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم:۔میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی :اچھا فوراً پیش فرمائیے۔

امام اعظم :لیجئے سنیے۔

حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ ابن مسعود ان رسول اللہ ا کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوۃ ثم لا یعود لشئی من ذالک۔

ترجمہ :ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسود رضی اللہ عنہ سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی : آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم:۔اس لئے کہ حماد:۔زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑہ کر عالم وفقیہہ ہیں۔علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ وافضل ہیں۔عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقہ میں۔قراۃ میں حضور ﷺ کی صحبت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں زیادہ ہیں۔لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی : خاموش۔[1]

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔اللہ تعالیٰ قبول فرمانے کی توفیق دے۔ضد کا کوئی علاج نہیں۔یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

---

[1] (مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۵۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(جامع الرضوی بمصحح البھاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

عقل کا تضاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔[1]

خلاصہ:۔ یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحتہً مذکور ہے یا وہ سب مرجوح اور نا قابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہیے۔ بلا وجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

(۱۸) ﴿باب نمبر اٹھارہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا بیان﴾

بعض علماء غیر مقلدین نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر (۱):۔

عن وائل ابن حجر قال راءیت رسول اللہ ا وضع یمینه علی شماله تحت السرة۔ رواه ابن ابی شیبة بسند صحیح ورجاله ثقات۔

ترجمہ: حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔[2]

حدیث نمبر (۲):۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرة۔

---

[1] (از طحاوی۔ شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۱۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ : تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔افطار میں جلدی کرنا۔سحری دیر سے کرنا۔نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔[1]

حدیث نمبر (۳):۔ابو داؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال ابو وائل اخذ الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ۔

ترجمہ :ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔[2]

حدیث نمبر (۴ تا ۵):۔دار قطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان من السنۃ فی الصلوۃ وضع الکف وفی روایۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ۔

ترجمہ : نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔[3]

حدیث نمبر (۶ تا ۹):۔ابو داؤد شریف نسخہ ابن اعرابی۔احمد۔دار قطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔

ترجمہ : ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔[4]

حدیث نمبر (۱۰):۔رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان علیاً قال السنۃ وضع الکف فی الصلوۃ ویضعھما تحت السرۃ۔

ترجمہ : نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔[5]

حدیث نمبر (۱۱):۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار شریف میں امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

انہ کان یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری تحت السرۃ۔

ترجمہ : آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[6]

حدیث نمبر (۱۲):۔امام ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ۔

ترجمہ : آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[7]

حدیث نمبر (۱۳):۔ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ قال من اخلاق النبوۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ۔

---

[1] (الجوہر النقی عن انس ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

[2] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[4] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۶۸ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[5] (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[6] (جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری ج ۲ ص ۳۸۵ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

[7] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ : آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔[1]

حدیث نمبر (۱۴):۔ابو بکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قال سمعت ابا مجلز و سالته قلته کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله و یجعلهما اسفل من السرة۔ اسناد جید و رواته کلهم ثقات۔

ترجمہ : میں نے ابومجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔[2]

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔اس کی تحقیق دیکھو صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔اس میں انتہائی ادب ہے۔نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔نیازمندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔التحیات میں ادب اور نیازمندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو۔یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

(۱۹)﴿باب نمبر انیس جنازہ کے ساتھ کلمہ کا ذکر اور نعت خوانی کا بیان﴾

بعض علماء جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا درود شریف یا نعت خوانی کرنے کو بدعت، ناجائز اور حرام کہتے ہیں حالانکہ جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح وتہلیل یا درود شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات واحادیث صحیحہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ۔[3]

ترجمہ : وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے یا بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔

ای یذکرون دائماً علی الحالات کلها قائمین و قائدین و مضطجعین فان الانسان لا یخلو عن هذه الهیئات غالباً۔

ترجمہ : آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔[4]

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔[5]

والمراد تعمیم الذکر للاوقات و تخصیص الاحوال المذکورة لیس لتخصیص الذکر بها بل لانها الاحوال

---

[1] (المحلی لابن حزم ج ۲ ص ۳۰)، (خلافیات للبیہقی ص ۷۳ مطبوعہ مکتبہ ظاہریہ دمشق شام)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[3] (آل عمران آیت نمبر ۱۹۱)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[5] (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت نمبر ۱۹۱)

المعهودة التی لا یخلو اعنها الانسان۔ ترجمہ قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

المراد کون الانسان دائم الذکر لربه فان الاحوال لیست الا هذه الثلثته ثم لما وصفهم بکونهم ذاکرین فیها کان ذلک دلیلاً علی کونهم مواظبین علی الذکر غیر فاترین عنه۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ التخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے۔

عن ابن عمر قال لم یکن یسمع من رسول اللہ او هو یمشی خلف الجنازة الا قول لا اله الا اللہ مبدیا و راجعا۔[1]

اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔تحذیر المحتار علی رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔

ولکن قد اعتاد الناس کثرة الصلوة علی النبی ا ورفع اصواتهم بذلک وهم ان منعوا ابت نفوسهم عن السکوت والتفکر فیقعون فی کلام دنیوی وربما وقعوا فی عبیه وانکار المنکر اذا قضی الی ما هو اعظم منکرا کان ترکه احب لانه ارتکاب باخف المضرتین کما هو القاعدة الشرعته۔[2]

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ خبر واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔فقہاء تو بحالت جنابت وبحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام اذکار کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿الرعد ۲۸﴾

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فالمومنون یستانسون بالقرآن وذکر اللہ الذی هو الاسم الاعظم ویحبون استماعها والکفار یفرحون بالدنیا ویستبشرون بذکر غیر اللہ۔

ترجمہ: پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی وفرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔نیز میت کو اس وقت اپنے اہل وعیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے اکثروا فی الجنازة قول لا اله الا اللہ مشکوة کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

ان اللہ ملئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اهل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللہ تنادوا هلموا الی حاجتکم قال فیحفوا لهم باجنحتهم۔

ترجمہ: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں

---

[1] (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الحدیث قاہرۃ مصر)

[2] (تحذیر المحتار علی رد المحتار ص ۱۲۳ مطبوعہ مصر)

تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔[1]

لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوۃ اسی باب میں ہے۔

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا و ما ریاض الجنة قال حلق الذکر۔

ترجمہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔[2]

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ۔

الشیطن جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس۔

ترجمہ : شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔[3]

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالۃ ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جس میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر پھر فرماتے ہیں۔

لکن بعض المشائخ جوزو الذکر الجهری و رفع الصوت بالتعظیم قدام الجنازة و خلفها لتلقین المیت و الاموات و الاحیاء و تنبیه الغفلة و الظلمة و ازالة صداء القلوب و قسوتها یحب الدنیا و ریاستها۔

ترجمہ : یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تا کہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔[4]

لواقع الانوار القدسیه فی بیان العهود الحمدیه میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

و کان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنه یقول اذا علم من الماشین مع الجنازة انهم لا یترکون اللغو فی الجنازة و یشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان تامرهم بقول لآ اله الا اللہ محمد رسول اللہ فان ذلک افضل من ترکه و لا ینبغی للفقیه ان ینکر ذلک الا بنص او اجماع فان للمسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاء و اللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل هذا۔

ترجمہ : حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی

---

[1] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الاول ص ۱۹۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[2] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثانی ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثالث ۱۹۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

چاہیں۔اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔[1]

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں۔

ولا نمکن احداً من اخواننا ینکر شیئاً ابتدعها المسلمون علی جهة القربة وراه حسناً لاسیما ما کان متعلقاً بالله ورسوله کقول الناس امام الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله او قرءة احد القرآن امامها ونحو ذلک فمن حرم ذلک فهو قاصر عن فهم الشریعة۔

ترجمہ: ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت سمجھنے سے قاصر ہے۔[2]

پھر فرماتے ہیں۔

وکلمة لا اله الا الله محمد رسول الله اکبر الحسنات فکیف یمنع منها و تامل احوال غالب الخلق الان فی الجنازة تجدهم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع له بل رءیت منهم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عهد رسول الله اقدمنا ذکر الله عزوجل بل کل حدیث لغو اولی من حدیث ابناء الدنیا فی الجنازة فلو صاح کل من فی الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله فلا اعتراض۔

ترجمہ: یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔[3]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

(۲۰) ﴿باب نمبر بیس اقامت میں حی علی الفلاح تک بیٹھنے کا بیان﴾

بعض علماء اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو برا کہتے ہیں حالانکہ امام جب مسجد کے اندر ہو یعنی محراب کے قریب ہو تو اس وقت حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارک، تابعین کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہیں۔ترتیب وار دلائل حاضر ہیں۔

اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت عن علقمة عن أمه عن أم حبیبة ان رسول الله ﷺ کان فی بیتها

---

[1] (فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

[3] (فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوۃ۔

ترجمہ : ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[1]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا اسحاق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت یعنی ابن دینار عن علقمه عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوۃ۔

ترجمہ : ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[2]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال اخبرنا الحجاج بن فروخ عن العوام بن حوشب عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنه قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ "قد قامت الصلوۃ" کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوتے۔[3]

دیوبند مسلک کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں۔

٦ . . . عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ۔[4]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب قد قامت الصلوۃ کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔[5]

نیز محمد شفیع دیوبندی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوۃ پر پہنچتا تھا اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔[6]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

عن عبداللہ بن ابی اوفی قال اذا قال بلال قد قامت الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر (أی متلبسابه ١٢ منه) رواه البزار وفیه الحجاج بن فروخ وهو ضعیف (مجمع الزوائد) قلت ذکره ابن حبان فی الثقات کما فی اللسان

---

[1] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۱۸۵۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[2] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۴۸۵ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۲۳۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (فتح الرحمن فی اثبات مذهب النعمان ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاہور)

[3] (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۸ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۳۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۵ رقم الحدیث ۲۲۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبد الرزاق)

[5] (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[6] (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲:۹۷۱) فھو حسن الحدیث۔

ترجمہ : نعیم احمد دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں "عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ جب بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوۃ کہتے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جاتے (یعنی مصلی پر کھڑے ہو کر تکبیر کہتے)۔اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حجاج بن فروخ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد)۔میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے پس حدیث حسن ہے۔[1]

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

وروینا عن انس بن مالک انہ اذا قیل قدقامت الصلوۃ وثب فقام وعن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھما انہ کان یفعل ذلک وھو قول عطاء والحسن۔

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قد قامت الصلوۃ کہا جاتا تو وہ جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہی عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔[2]

حافظ ابو عمر وابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال حدثنا ابن المبارک عن ابی یعلی قال رأیت انس بن مالک اذا قیل قدقامت الصلوۃ قام فوثب۔

ترجمہ : حضرت ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب قد قامت الصلوۃ کہا گیا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔[3]

تابعین رحمہم اللہ کا فرمان مبارک

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ لکھتے ہیں۔

عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء انہ یقال اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

ترجمہ : ابن جریج فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں؟ تو فرمایا ہاں۔[4]

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن علیۃ عن خالد عن ابی معشر عن ابراھیم قال : کان اذا قال المؤذن حی علی الصلوۃ قام فاذا قال قد قامت الصلوۃ کبر۔

ترجمہ : حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن (اقامت میں) حی علی الصلوۃ کہتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مؤذن جب قد قامت الصلوۃ کہتا تو تکبیر کہتے۔[5]

حافظ ابو عمر وابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا، عبداللہ، حدثنا، عبدالحمید، حدثنا، الخضر، حدثنا ابو بکر قال حدثنا سفیان بن عیینۃ عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعتہ یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز بحناصرۃ یقول حین یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ قوموا قد

---

[1] (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)، (احیاء السنن ترجمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2] (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (التمہید ابن عبدالبر ج ۴ ص ۱۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۵۷ مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

[4] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۵ رقم الحدیث ۱۹۳۶ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[5] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۴۲ رقم الحدیث ۴۰۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قامت الصلوۃ۔

ترجمہ : ابوعبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابوعبید نے کہا میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام حناصرۃ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو۔[1]

تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کا فرمان مبارک

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو اور مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی پر تمام فقہاء احناف کا فتوی ہیں۔ چند حوالاجات ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ لکھتے ہیں۔

عن ابیه عن ابی حنیفة عن طلحة عن ابراهیم النخعی انه قال اذا قال المؤذن حی علی الفلاح قام القوم فی الصف۔

ترجمہ : حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم صف میں کھڑی ہو۔[2]

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدّثنا طلحة بن مصرف عن ابراهیم قال اذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فانه ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا فاذا قال المؤذن "قد قامت الصلوۃ" کبر الامام قال محمد رحمة اللہ تعالی علیه و به نأخذ و هو قول أبی حنیفة رحمة اللہ تعالی علیه۔[3]

ابو الفتح محمد صغیر الدین دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

طلحہ سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو لائق ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں اور صفیں باندھیں اور جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہے امام محمد نے کہا کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔[4]

استاد الفقیہہ الشیخ ابو الوفا افغانی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

قلت و الحدیث اخرجه الامام ابو یوسف فی آثار ص (۱۹) و فی کتاب الاصل للامام محمد قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوۃ کبر الامام و کبر القوم معه۔

ترجمہ : میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف نے آثار ص (۱۹) میں اور امام محمد نے کتاب الاصل میں روایت کی میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اور جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو امام اور قوم تکبیر کہیں۔[5]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف؟ قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان

---

[1] (التمہید ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (کتاب الاثار امام ابو یوسف ص ۱۹ مطبوعہ المعارف النعمانیہ قاہرہ)

[3] (کتاب الاثار امام محمد ص ۲۱ برقم ۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (کتاب الاثار مترجم ص ۳۵۔۳۶ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

[5] (حاشیہ کتاب الاثار ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ المعارف الشرقیۃ چھتہ بازار حیدر آباد دکن ہند)

یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ : میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔[1]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی تیسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوا بین المناکب۔[2]

دیوبندیوں کے استاد حدیث محمد حسن صدیقی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں۔[3]

علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں۔

قال محمد رحمہ اللہ فی "الاصل" اذا کان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ : فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو کھڑے ہوں امام اور قوم حی علی الفلاح کے وقت۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔[4]

علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں۔

(و القیام) امام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح)[5]

احسن نانوتوی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے۔[6]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قولہ حین قیل حی علی الفلاح کذا فی الکنز و نور الایضاح و الاصلاح و الظھیریۃ و البدائع و غیرھا و الذی فی الدرر فی متنا و شرحا عند الحیعلہ الاولی یعنی حین یقال حی علی الصلوۃ و عزاہ الشیخ اسماعیل فی شرحہ الی عیون المذاھب و الفیض و الوقایہ و النقایہ و الحاوی و المختار اھ قلت و اعتمدہ فی متن الملتقی و حکی الاول بقیل لکن نقل ابن الکمال تصحیح الاول و نص عبارتہ قال فی الذخیرہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح

---

[1] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱ ص ۱۸۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

[2] (مؤطا امام محمد ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ حسان کراچی)

[4] (فتاوی تاتارخانیہ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[5] (الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[6] (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

عندعلمائنا الثلاثة۔

ترجمہ : امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور درر کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ پر قیام کریں۔ شیخ اسماعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار میں نقل کیا میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک۔[1]

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں۔

ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال حی علی الفلاح عندعلمائنا الثلاثۃ و ھو الصحیح۔[2]

سید امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جاویں۔ یہی صحیح ہے۔[3]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اس لئے اس کے بعد کسی حنفی کو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ فقیہ اعظم مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے اقوال اس کے متعلق موجود ہیں۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح کہے۔ شروع سے کھڑے ہو جانا نہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول۔ پس حنفی کو چون و چراں کی اصلاً گنجائش نہیں۔[4]

اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اب رہا اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کا مسئلہ تو اس کو بھی تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عبدالرزاق عن التیمی، عن ابی عامر، عن معاویۃ ابن قرۃ قالوا: کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلوۃ حین یاخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ : حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ و تابعین) اس کو مکروہ جانتے تھے کہ نماز میں مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔[5]

---

[1] (فتاوی شامی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳۔ ۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[4] (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

[5] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۱۔ ۴۸۲ رقم الحدیث ۱۸۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عطیة قال کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامة قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلوة فقوموا۔

ترجمہ : عطیہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی تو ہم کھڑے ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ جب وہ قد قامت الصلوۃ کہے تو کھڑے ہونا۔[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مبارک

عن الحسن انه کره ان یقوم الامام حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوة۔

ترجمہ : حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آپ مکروہ سمجھتے تھے کہ امام مؤذن کے قد قامت الصلوۃ کہنے سے پہلے کھڑا ہو۔[2]

امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں۔

و کان عمر رضی الله عنه یقول لا تقوموا للصلوة حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوة۔

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوۃ نہ کہے نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[3]

امام بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

کره هشام یعنی ابن عروة ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوة۔

ترجمہ : حضرت ہشام ابن عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے۔[4]

امام شمس الدین بخاری متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں۔

و فی الکلام ایماء الی انه لو دخل المسجد احد عند الاقامة یقعد لکراهة القیام و الانتظار کما فی المضمرات۔

ترجمہ : اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کے دوران مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔[5]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں۔

و یکره له الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ : آدمی کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔[6]

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں۔

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔[7]

---

[1] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۱۹۴۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر لسیوطی ج ۲۰ ص ۳۹۱ رقم الحدیث ۱۷۳۶۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۳ رقم الحدیث ۴۰۹۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[3] (کشف الغمہ امام شعرانی ص ۹۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[4] (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[5] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[6] (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[7] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مولوی امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔[1]

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں۔

و اذا اخذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد و لا ینتظر قائما فانه مکروه کما فی المضمرات قهستانی و یفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة و الناس عنه غافلون۔

ترجمہ: جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔[2]

ان دلائل سے اظہر من الشمس کی طرح واضح ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ کسی چیز سے منع کرے اور فقہاء احناف رحمہم اللہ بھی اس منع کرے اور اس کو مطلق مکروہ کہے تو اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

(۲۱) ﴿باب نمبر اکیس آپ ﷺ کی تاریخ میلاد کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں ۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کا یوم وفات ہے اور ولادت کی تاریخ کتب احادیث میں نو (۹) کی ہی روایتیں آتی ہیں بارہ ربیع الاول کو ولادت باسعادت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ملتی اس لیے بارہ ربیع الاول کو خوشی منانا وفات کی خوشی منانا ہے؟ حالانکہ عام مشہور یہ ہے کہ ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے اس کے علاوہ بھی ولادت کی تاریخیں دو ربیع الاول اور نو ربیع الاول بھی کتب میں پائی جاتی ہیں لیکن اکثر مورخین اور تقریباً تمام متاخرین کے نزدیک ولادت النبی ﷺ پیر کے روز ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی یہی صحیح ہے۔ اور اگرچہ بعض کتب میں وصال شریف ۱۲ ربیع الاول مذکور ہے لیکن محققین نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور صحیح تحقیق کے مطابق وصال شریف کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہے۔ ہمارے دور میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن بارہ ربیع الاول کو جلسے جلوس زوروں پر ہوتے ہیں ہزاروں عیدوں سے بڑھ کر خوشی کا سماں ہوتا ہے وہابی دیوبندی اس کے برعکس بدعت کی رٹ لگاتے رہے اب نیا شوشہ چھوڑا کہ ۱۲ ربیع الاول کو تو حضور ﷺ کی وفات ہے لہٰذا اس دن خوشی منانے کا کوئی فائدہ نہیں یہ تو غم کا مہینہ ہے اور ہمارے علاقے میں ایک دیوبندی عالم نے اپنے ایک مقتدی کو اس مہینہ میں شادی کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ غم کا مہینہ ہے اس لئے اس مہینہ میں کوئی خوشی کا کام نہ کرو۔

چالاک دیوبندی

دیوبندی بڑے چالاک ہیں اس طرح کے اختلافات سے یہ عوام کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کو چھپا دیتے ہیں اور تاریخ کا اختلاف یا کتاب اس کی نہیں اس کی ہے اس اختلاف سے یہ لوگ اصل مسئلہ کو چھپا دیتے ہیں۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ کی تاریخ میں اختلاف ڈال کر یہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھئے حضور ﷺ کی پیدائش ۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور یہ بریلوی لوگ ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ دیوبندیو! تاریخ کا اختلاف ڈال کر تم لوگ اپنے شیطانی عقیدے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہو اس لئے تاریخ کے اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اگر آپ لوگوں کے نزدیک حضور ﷺ کی پیدائش کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہے تو تم لوگ ۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی

---

[1] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[2] (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

ﷺ منایا کرو۔ ہمارے نزدیک ۱۲ ربیع الاول ہے ہم ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ تاریخ کے اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح کتاب کے مصنف میں اختلاف ہونے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دیکھئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں بہت بڑا اختلاف ہے تو کیا دیوبندی یہ کہیں گے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہی نہیں ہوئی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

قال الواقدی مات سنة تسع و اربعین و قال المدائنی مات سنة خمسین و قیل سنة احدی و خمسین و قال الهیثم بن عدی سنة اربع و اربعین و قال بن منده مات سنة تسع و اربعین و قیل خمسین و قیل سنة ثمان و خمسین۔[1]

ان لوگوں کے دلوں میں بغضِ رسول ہے اور میلاد النبی ﷺ کی خوشی کے منکر ہیں ان کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت نہیں اور اس قسم کے دھوکے دے کر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی سے لوگوں کو روکنے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں لیکن ان سب کی اس قسم کی کوششوں کے باوجود پوری دنیا میں اور خصوصاً ملک پاکستان میں بارہ ربیع الاول کو ہی ولادت باسعادت کی خوشی منائی جاتی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک سرکار ﷺ کا میلاد منایا جاتا رہے گا یہ منع کرنے والے ختم ہو جائیں گے مگر میلاد مصطفی ﷺ ہمیشہ رہے گا۔

صدائیں درودوں کی آتی رہے گی　　جنہیں سن کے دل شاد ہوتا رہے گا
خدا اہل سنت کو آباد رکھے　　محمد کا میلاد ہوتا رہے گا

بدنصیب گروہ

میلاد کے دشمن وہ بدنصیب گروہ ہے جو اپنے آپ کو سرکار دو عالم ﷺ کا امتی کہلواتے ہیں لیکن یہ اتنے بدنصیب ہیں کہ اپنے نبی ﷺ کے میلاد کا ذکر سنتے ہی ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں اور میلاد کو بند کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے اور کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف دیکھئے کہ اس میلاد کو کفار نے بھی منایا اور اس سے فائدہ حاصل کیا:

کفار نے بھی میلاد منایا

بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب و امهاتکم التی ارضعنکم و مایحرم من الرضاعته میں ہے۔

فلما مات ابو لهب اریه بعض اهله بشر هیئة قال له ماذا لقیت قال ابو لهب لم الق بعد کم خیرا انی سقیت فی هذه بعتاقی ثویبة۔

ترجمہ : جب ابولہب مرگیا تو اس کو اس کے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری؟ ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔[2]

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثویبہ نے آ کر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے۔ ﷺ۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو اشارے سے آزاد کر دیا۔ لونڈی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ

---

[1] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ذکر حسن بن علی رضی اللہ عنہما ج ۲ ص ۷۳ برقم ۱۷۲۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (تھذیب الکمال ج ۶ ص ۲۵۷ برقم ۱۲۴۸ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (صحیح بخاری کتاب النکاح باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ج ۵ ص ۱۹۶۱ رقم الحدیث ۴۸۱۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۱۳۹۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۱۳۷۰۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ ہم مومن۔ وہ دشمن تھا ہم ان کے بندے بے دام۔ اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں ﷺ۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

حافظ امام جزری

حافظ شمس الدین محمد بن عبداللہ جزری متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں۔

فاذا کان ابو لهب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ا به فما حال المسلم الموحد من امة النبی ﷺ یسر بمولده و بذل ما تصل الیه قدرته فی محبته ا؟ لعمری انما یکون جزاؤه من الله الکریم ان یدخله بفضله جنات النعیم۔

ترجمہ : حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اجر میں اس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ تو امت محمدیہ کے اس مسلمان کو ملنے والے اجر وثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت وعشق میں حسب استطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔[1]

امام صالحی

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

کان اول من فعل بالموصل عمر بن محمد الملاء احد الصالحین المشهورین و به اقتدی فی ذلک اربل و غیرهم رحمهم الله تعالی۔

ترجمہ : پہلا شخص جنہوں نے اہتمام اور شان وشوکت سے موصل میں محفل میلاد منائی وہ شیخ عمر بن محمد تھے جو مشہور صالحین میں سے تھے اور صاحب اربل ابوسعید مظفر اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس عمل میں ان کی پیروی کی ہے۔[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

دریں جا سند است مر اہل موالید را کہ در شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت جزا داده شد تا حال مسلماں کہ مملو است بمحبت وسرور و بذل مال در وے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ اند از تغنی وآلات محرمہ ومنکرات خالی باشد۔

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت وخوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔

---

[1] (الحاوی للفتاوی ص ۲۰۶)، (سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ ج ۱ ص ۳۶۶۔ ۳۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (سبل الهدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۳۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضور ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی

حضور ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ عام الفیل سے مراد وہ دن ہو جس دن اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو کعبہ پر حملہ کرنے سے روکا اور جو لوگ ان کو لائے تھے ان کو تہس نہس کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ سال ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ :فَحَدَّثَنِي الْمُطَّلِبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ :"وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيلِ، فَنَحْنُ لِدَانٍ، وُلِدْنَا مَوْلِدًا وَاحِدًا"

ترجمہ : حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھیوں کے لشکر والے سال میں پیدا ہوئے تھے ہماری پیدائش ایک سال میں ہوئی ہے۔[1]

حضور ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی

اسی طرح اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت پیر کو ہوئی۔

امام مسلم بن حجاج متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

وسئل عن صوم يوم الاثنين قال ذاک يوم ولدت فيه ويوم بعثت و انزل علی فيه۔

ترجمہ : حضور ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔[2]

محمود پاشا فلکی مصری

محمود پاشا فلکی مصری ۱۸۸۵ء لکھتے ہیں۔

وكان يوم ولادته ﷺ يوم الاثنين كما هو المتفق عليه باجماع الآراء۔[3]

حضور ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی

---

[1] (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ ج ۵ ص ۵۸۹ رقم الحدیث ۳۶۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (الاحاد والمثانی ج ۱ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۴۷۸ مطبوعہ دار الرایۃ الریاض)، (طبرانی کبیر ج ۱۸ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۸۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۰۳ مطبوعہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۶۔۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلثۃ ایام من کل شہر ج ۲ ص ۸۱۹ رقم الحدیث ۱۱۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۴ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۸۱۸۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن الکبری للنسائی ج ۲ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۲۷۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۶۔۲۹۷ رقم الحدیث ۲۲۵۹۰ مطبوعہ)، (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۹۶ رقم الحدیث ۸۲۶۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مسند ابویعلی ج ۱ ص ۱۳۴ رقم الحدیث ۱۴۴ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

[3] (التقویم العربی قبل الاسلام وتاریخ میلاد الرسول وھجرتہ البحث الثالث فی مولد النبی محمد ﷺ ص ۴۴ مطبوعہ جمادی الاولی سنۃ ۱۳۸۹ھ سلسلۃ البحوث الاسلامیۃ مصر)

اور تقریباً اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ بعض علماء نے رمضان اور بعض نے محرم بھی لکھا ہے لیکن یہ جمہور کے خلاف ہے اس لئے اکثر علماء نے اس مجہول اقوال کو رد کیا ہے۔ صرف تاریخ میں اختلاف ہے۔ مگر مضبوط و مستند دلائل کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول ولادت ثابت ہے اور تقریباً جمہور کے نزدیک یہی تاریخ ولادت شریف ہے۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس رسالہ میں دو فصلیں ہیں اور ایک خاتمہ ہے پہلی فصل تاریخ ولادت کی تحقیق میں، دوسری فصل تاریخ وفات کی تحقیق میں۔ اور خاتمہ میں یوم جمعہ آدم علیہ السلام کی وفات ہونے کے باوجود یوم عید بھی ہے۔

تاریخ ولادت کی تحقیق میں صحابی رسول جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول

ابن ابی شیبہ

امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ لکھتے ہیں۔

عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر و ابن عباس انهما قالا ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل یوم الاثنین الثانی عشر من شهر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام عفان سے روایت ہے کہ وہ سعید بن مینا سے راوی کہ جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں پیر کے روز بارہویں ربیع الاول کو ہوئی۔[1]

ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں۔

ورواہ ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر و ابن عباس انهما قالا ولد رسول اللہ عام الفیل یوم الاثنین الثانی عشر من شهر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا عفان سے انہوں نے سعید بن مینا سے انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ کی ولادت عام فیل پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے کی بارہ تاریخ میں ہوئی۔[2]

امام صالحی

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

رواہ ابن ابی شیبة فی المصنف عن جابر و ابن عباس قال فی الغرر وهو الذی عمل العمل۔[3]

اس روایت کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس روایت میں تین راوی ہیں۔

پہلا راوی امام ابن ابی شیبہ

امام ذہبی علیہ الرحمہ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الحافظ الکبیر الحجة ابوبکر حدث عنه احمد بن حنبل و البخاری و ابو القاسم البغوی و الناس و وثقه الجماعة۔

---

[1] (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ج ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ بیروت)

[2] (البدایۃ والنہایۃ باب مولد رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (سبل الہدی والرشاد الباب الرابع فی تاریخہ مولدہ اومکانہ ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ : آپ حافظ کبیر اور حجت ہیں۔امام بخاری اور احمد بن حنبل کے استاد ہیں اور محدثین کی ایک پوری جماعت نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال احمد :صدوق۔

ترجمہ :امام احمد نے فرمایا ابو بکر بن ابی شیبہ صدوق ہے یعنی سچا ہے۔

وقال العجلی :ثقة وکان حافظا للحدیث۔

ترجمہ :امام عجلی نے کہا آپ ثقہ ہیں۔کہ آپ حدیث کے حافظ ہیں۔

وقال ابو حاتم وابن خراش :ثقة۔

ترجمہ :امام ابو حاتم اور امام ابن خراش نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

امام ابن معین نے کہا:

ابو بکر عندنا صدوق۔

ترجمہ : کہ ہمارے نزدیک ابو بکر سچے راوی ہیں۔

امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں داخل کیا ہے۔امام ابن قانع نے کہا آپ ثقہ ثبت ہیں۔

آخر میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آپ سے تیس حدیثیں روایت کی ہیں جبکہ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث آپ سے روایت کی ہیں۔[2]

<u>دوسرا راوی عفان</u>

یہ امام عفان بن مسلم ہے اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہے۔

امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ روایت کرتے ہیں۔

قال احمد بن عبد اللہ العجلی عفان بن مسلم بصری ثقة ثبت صاحب سنة۔

ترجمہ : احمد بن عبد اللہ عجلی فرماتے ہیں عفان بن مسلم بصری ثقہ ثبت صاحب سنہ ہے۔[3]

امام ابو حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں۔

قال ابو محمد سالت ابی عن عفان فقال ثقة متقن متین۔[4]

<u>تیسرا راوی سعید بن مینا</u>

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

سعید بن مینا مولی البختری بن ابی ذباب الحجازی مکی او مدنی الغرماء ابا الولید ثقة من الثالثة۔[5]

امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ روایت کرتے ہیں۔

---

[1] (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۷۷ ۳ برقم ۴۹۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳ برقم ۴۰۴۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[3] (تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۱۶۴ برقم ۳۹۶۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ج ۷ ص ۲۰۵ برقم ۴۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (معرفۃ الثقات للعجلی ج ۲ ص ۱۴۰ برقم ۱۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۷ ص ۷۲ برقم ۳۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۳۰ برقم ۱۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[5] (تقریب التہذیب ص ۲۴۱ برقم ۲۴۰۳ مطبوعہ دار الرشید سوریا)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۳ ص ۵۱۲ برقم ۱۷۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قال عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ عن اسحاق بن منصور عن یحییٰ بن معین و ابو حاتم ثقة ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات۔[1]

جلیل القدر تابعی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول

علامہ محمود پاشا فلکی مصری ۱۸۸۵ء لکھتے ہیں۔

وعن سعید بن المسیب ولد رسول اللہ عند ابھیر النھار ای وسطہ وکان ذلک الیوم لمضی ثنتی عشرة لیلة من ربیع الاول ای وکان فی فصل الربیع وقد اشار لذلک بعضھم بقولہ :

یقول لنا لسان الحال منہ
وقول الحق یعذب للسمیع
فوجھی والزمان وشھر وضعی
ربیع فی ربیع فی ربیع

قال وحکی الاجماع علیہ، وعلیہ العمل الآن ای فی الامصار خصوصا اھل مکة فی زیارتھم موضع مولدہ۔[2]

امام المغازی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول

سیرت ابن ہشام

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں۔

ابن اسحاق یحدد المیلاد قال حدثنا ابو محمد عبدالملک ابن ھشام قال حدثنا زیاد بن عبداللہ البکائی محمد بن اسحاق المطلبی قال ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة خلت من شھر ربیع الاول عام الفیل۔

ترجمہ : امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول پیر کے روز عام الفیل میں پیدا ہوئے۔[3]

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة قال حدثنی ابن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة مضت من شھر ربیع الاول۔

ترجمہ : امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ پیدا ہوئے۔[4]

امام حاکم

امام محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو الحسن محمد بن احمد بن شبویہ الرئیس بمرو حدثنا جعفر بن محمد النیسابوری حدثنا علی بن مھران حدثنا سلمة بن الفضل عن محمد بن اسحاق قال ولد رسول اللہ الاثنتی عشر لیلة مضت من شھر ربیع الاول۔[5]

---

[1] (تھذیب الکمال ج ۱۱ ص ۸۵ برقم ۲۳۶۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (التقویم العربی قبل الاسلام وتاریخ میلاد الرسول وھجرتہ ﷺ المبحث الثالث فی مولد النبی محمد ﷺ ص ۳۳۔ ۳۴ مطبوعہ جمادی الاولی سنۃ ۱۳۸۹ھ سلسلۃ البحوث الاسلامیۃ مصر)

[3] (السیرۃ النبویہ لابن ہشام باب ولادۃ رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۲۹۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[4] (تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (المستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین باب ذکر اخبار سید المرسلین ج ۲ ص ۶۵۹ رقم الحدیث ۴۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیتے ہیں۔[1]

اسی طرح ڈاکٹر محمود مطرجی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قال الذهبی فی التلخیص علی شرط مسلم۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیتے ہیں۔[2]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو الحسن بن الفضل قال حدثنا عبداللہ بن جعفر قال حدثنا یعقوب بن سفیان قال حدثنی عمار بن الحسن النسائی قال حدثنی سلمة بن الفضل قال قال محمد بن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة مضت من شهر ربیع الاول۔[3]

امام ابن الاثیر

علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق ولد رسول اللہ ایوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة مضت من ربیع الاول و کان مولده بالدار التی تعرف بدار ابن یوسف۔

ترجمہ: امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اس حویلی میں ہوئی جو ابن یوسف کے نام سے مشہور ہے۔[4]

امام طاہر مقدسی

امام مطہر بن طاہر المقدسی متوفی ۵۰۷ھ لکھتے ہیں۔

وقال ابن اسحاق لاثنتی عشرة لیلة خلت من شهر ربیع الاول۔[5]

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

وفی حدیث ابن المقری قال ابن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة مضت من شهر ربیع الاول۔[6]

امام ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں۔

وقیل لثنتی عشرة خلت منه نص علیه ابن اسحاق۔

---

[1] (تلخیص المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۰۳ مطبوعہ بیروت)

[2] (حاشیۃ المستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۲۰۴ رقم الحدیث ۴۲۳۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (دلائل النبوۃ للبیہقی باب اشہر الذی ولد فیہ ج ۱ ص ۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۵ رقم الحدیث ۱۳۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (الکامل فی التاریخ لابن اثیر باب ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۳۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[5] (البداء والتاریخ ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ مکتبۃ الثقافیۃ الدینیۃ القاہرۃ)

[6] (تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی علیہ الصلوۃ والسلام ومعرفۃ من کفلہ وما کان امرہ..... ج ۲ جز ۳ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرۃ النبوۃ لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ : اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت شریف بارہ ربیع الاول کو ہوئی جس پر امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نص قائم کی۔[1]

امام صالحی

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق رحمه الله تعالى لاثنتى عشرة ليلة [خلت] منه۔[2]

امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ روض الانف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

و محمد بن اسحق هذا۔ رحمه الله ثبت فى الحديث عند اكثر العلماء و اما فى المغازى و السير فلا تجهل امامته فيها قال ابن شهاب الزهرى من اراد المغازى فعليه بابن اسحق ذكره البخارى فى التاريخ و ذكر عن سفيان بن عينيه انه قال ما ادركت احداً يتهم ابن اسحق فى حديثه و ذكر ايضاً عن شعبة بن الحجاج انه قال ابن اسحق امير المؤمنين يعنى فى الحديث و ذكر ابو يحيى الساجى رحمه الله باسناد له عن الزهرى انه قال خرج الى قريته باذام فخرج اليه طلاب الحديث فقال لهم اين انتم من الغلام الاحول او قد خلفت فيكم الغلام الاحول يعنى ابن اسحق و ذكر الساجى ايضاً قال كان اصحاب الزهرى يلجؤون الى محمد بن اسحق فيما شكوا فيه بحفظه هذا معنى كلام الساجى نقلته من حفظى لا من كتاب۔ و ذكر عن يحيى بن معين و احمد بن حنبل و يحيى بن سعيد القطان انهم وثقوا ابن اسحق و احتجوا بحديثه۔ و ذكر على بن عمر الدار قطنى فى السنن حديث القلتين من جمع طرقه و ما فيه من الاضطراب ثم قال فى حديث جرى و هذا يدل على حفظ محمد بن اسحق و شدة اتقانه۔

ترجمہ: یہی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں حجت ہیں۔ جہاں تک مغازی اور سیر کا تعلق ہے ان میں ان کی قیادت مشہور ہے۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے مغازی کے متعلق پڑھنا ہو وہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرے۔ اس قول کو امام بخاری نے ''تاریخ'' میں ذکر کیا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو حدیث میں ابن اسحاق پر تہمت لگاتا ہو۔ حضرت شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے امیر المؤمنین ہیں۔ حضرت ابو یحییٰ ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنی بستی ''باذام'' کی طرف تشریف لے گئے۔ حدیث مبارک کے طالب علم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا وہ بھینگا لڑکا تم سے کہاں چلا گیا یا میں بھینگا لڑکا تم میں جانشین بنا کر گیا تھا۔ حضرت ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ذکر کیا ہے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کو جب امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں شک پڑتا تو وہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پناہ لیتے۔ وہ ان میں حافظہ کے اعتبار سے ثقہ تھے۔ علامہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات میں نے اپنی یادداشت سے لکھی ہے کسی کتاب سے نقل نہیں کی۔ حضرت یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ یہ سب ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو ثقہ سمجھتے تھے۔ وہ ان کی حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ علی بن عمر دار القطنی نے ''السنن'' میں قلتین کی حدیث تمام اسناد کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس کا اضطراب بھی بیان کیا ہے پھر لکھا ہے۔ یہ بات محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے حافظے اور ان کی پختگی کی شدت پر دلالت کرتی ہے۔[3]

نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کے بعد لکھتے ہیں۔

و ذكر ان يحيى بن سعيد الانصارى شيخ مالك روى عن ابن اسحق قال وروى عنه سفيان الثورى و الحمادان حماد بن دينار سلمة بن دينار و حماد بن زيد بن درهم و شعبة و ذكر عن الشافعى رضى الله عنه انه قال من اراد ان يتجب فى المغازى فهو عيال على محمد بن اسحق فهذا ما بلغنا عن محمد بن اسحق رحمه الله۔

ترجمہ : یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ باب مولد رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (سبل الہدی والرشاد الباب الرابع فی تاریخ مولدہ ﷺ ومکانہ ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (روض الانف مع سیرۃ النبویۃ لامام ابن ہشام ترجمۃ ابن اسحق ج ۱ ص ۱۹۔ ۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہے۔سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے حماد بن سلمہ بن دینار حماد بن درہم اور شعبہ رحمہم اللہ نے بھی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو مغازی کا عالم بننا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا محتاج ہے۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہمیں یہی کچھ ملا ہے۔[1]

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

یونس بن بکیر فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسحاق امیر المحدثین بحفظہ۔

ترجمہ: امیر المحدثین محمد بن اسحاق حافظہ والے تھے۔[2]

امام عبدالرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسحاق صدوق فی الحدیث۔

ترجمہ: محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں سچے تھے۔[3]

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

و قال ابن عیینۃ سمعت شعبۃ یقول محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث۔

ترجمہ: امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں امیر المؤمنین ہے۔[4]

سید السادات امام باقر رضی اللہ عنہ کا قول

ابن سعد

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی جعفر محمد بن علی قال ولد رسول اللہ ایوم الاثنین لعشر لیال خلون من شھر ربیع الاول و کان قدوم اصحاب الفیل قبل ذلک للنصف من المحرم فبین الفیل و مولد رسول اللہ اخمس و خمسون لیلۃ۔

ترجمہ: امام باقر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر ابرہہ نصف محرم کو مکہ شریف پہنچا لہٰذا حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اور ابرہہ کے لشکر لانے کے درمیان پچپن راتوں کا فاصلہ ہے۔[5]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

وروی ان ابا جعفر کان یصلی فی الیوم و اللیلۃ مائۃ و خمسین رکعۃ۔[6]

---

[1] (روض الانف مع سیرۃ النبویۃ لامام ابن ہشام ترجمۃ ابن اسحٰق ج ۱ ص ۱۹۔۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۴۰ برقم ۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (الجرح والتعدیل باب من روی عنہ العلم ممن یسمی محمد واسم ابیہ اسحاق ج ۷ ص ۱۹۲ برقم ۱۰۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[4] (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[5] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۰۔۱۰۱ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرۃ النبوۃ لابن عساکر ج ۳ ص ۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[6] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام الطبقۃ الثانیۃ عشرۃ جدید ج ۳ ص ۴۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اہل قریش کا قول

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

قال انبانا الزبیر بن بکار قال و حدثنی ایضاً محمد بن الحسن عن عبد السلام بن عبد اللہ عن معروف بن خربوذ وغیرہ من اھل العلم قالوا ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل و سمیت قریش آل اللہ و عظمت فی العرب ولد لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول۔[1]

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

و قال الزبیر بن بکار حدثنا محمد بن حسن عن عبد السلام بن عبد اللہ عن معروف بن خربوذ وغیرہ من اھل العلم قالوا ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل و سمیت قریش آل اللہ و عظمت فی العرب ولد لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من ربیع الاول۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ لکھتے ہیں۔

و الرابع لاثنتی عشرۃ خلت منہ۔

ترجمہ : چوتھا قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔[3]

امام المحدثین وفقہاء، تدبر، تفقہ، بصیرت وفراست، ایقان وعرفان علم وفضل میں یکتائے روزگار، علم حدیث وفقہ کے عظیم امام و پیشوا جن کو دنیا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے جن کے فیضان حدیث وفقہ سے دنیا مستفید اور فیض یاب ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

محمد بن سہل بن عسکر کا بیان ہے کہ حافظ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی کو پرہیزگار و متقی دیکھا ہے۔[4]

عبید اللہ بن عمر قواریری کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے پاس بغداد سے کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو مجھے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ محبوب ہو۔[5]

محمد بن مشکان کا بیان ہے کہ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے پاس احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی شخص نہیں آیا۔[6]

ابو عثمان الرقی کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا اگر یہ نوجوان احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہا تو

---

[1] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۳ ص ۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام ذکر ترجمۃ السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (مسائل الامام احمد ج ۱ ص ۱۴ مطبوعہ الدار العلمیۃ دلھی)

[4] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۶۹)، (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۳)

[5] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۴)

[6] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۶۹)

عنقریب اپنے اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔[1]

اسد خشاب کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میری عمر میں سے کم کر کے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عمر میں اضافہ کر دے پھر آپ نے ایک شخص سے کہا کہ تم مجھ سے پوچھو کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی؟ یہ احمد بن حنبل ایسے انسان ہیں جن سے مسلمان نفع حاصل کریں گے۔[2]

حرملہ کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں عراق سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ افضل زیادہ عالم زیادہ پرہیز گار اور زیادہ متقی ہو۔[3]

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن حبان التمیمی متوفی ۳۵۴ھ لکھتے ہیں۔

قال ابو حاتم ولد النبی ﷺ عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول پیر کے روز عام الفیل میں پیدا ہوئے۔[4]

ڈاکٹر قلعجی

ڈاکٹر عبد المعطی قلعجی لکھتے ہیں۔

وصرح ابن حبان فی تاریخہ وھو کتاب الثقات فقال ولد النبی اعام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول۔[5]

امام ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۲۹ھ لکھتے ہیں۔

لانہ ولد بعد خمسین یوماً من الفیل وبعد موت ابیہ فی یوم الاثنین الثانی عشر من شھر ربیع الاول۔

ترجمہ: واقعہ اصحاب فیل کے پچاس روز بعد اور آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بروز پیر بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔[6]

امام یحییٰ بن شرف الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار اقوال لکھے ہیں اور چوتھا قول ۱۲ ربیع الاول کا لکھا ہے۔[7]

---

[1] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۸)

[2] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۸)

[3] (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۵)

[4] (الثقات ج ۱ ص ۱۵ ذکر مولد رسول اللہ ﷺ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السیرۃ النبوۃ واخبار الخلفاء ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۴ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)

[5] (کتاب الثقات (ج ۱ ص ۱۴۔ ۱۵) حاشیہ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[6] (اعلام النبوۃ الباب التاسع عشر فی آیات مولدہ وظھور برکتہ ص ۲۷۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[7] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار للنبہانی ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

النواوی الامام الحافظ الاوحد القدوۃ شیخ الاسلام علم الاولیاء محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحورانی الشافعی صاحب التصانیف النافعۃ۔

ترجمہ: امام نووی، امام، حافظ، قدوہ، شیخ الاسلام، اولیاء کی نشانی، دین کو زندہ کرنے والے یحییٰ بن شرف مری الحزامی الحورانی الشافعی فائدہ دینے والے تصانیف کے مصنف ہیں۔[1]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قال بن العطار ذکر لی شیخنا رحمہ اللہ تعالی انہ کان لا یضیع لہ وقتا لا فی لیل ولا فی نہار الا فی اشتغال حتی فی الطریق وانہ دام علی ھذا ست سنین ثم اخذ فی التصنیف والافادۃ والنصیحۃ واحقاق۔

قلت مع ما ھو علیہ من المجاھدۃ بنفسہ والعمل بدقائق الورع والمراقبۃ وتصفیۃ النفس من الشوائب ومحقھا من أغراضھا کان حافظا للحدیث وفنونہ ورجالہ وصحیحہ وعلیلہ راسا فی معرفۃ المذھب۔

ترجمہ: ابن عطار کہتے ہیں ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے بجز پڑھنے پڑھانے کے دن اور رات میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی اسی شغل میں مصروف رہتے اور برابر چھ سال تک یہی معمول رہا پھر تعلیم وتصنیف عوام کی بھلائی اور احقاق حق کو اپنے پر لازم کرلیا اور عمر بھر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

میں کہتا ہوں روح کو معصیت کی آلائشوں اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لئے انتہائی تورع، مسلسل جہاد بالنفس اور لگاتار ریاضتوں میں مصروف رہنے کے باوجود آپ نامور حافظ حدیث اس کے جملہ فنون کے عالم فن رجال کے ماہر اور صحیح اور ضعیف کو خوب جاننے والے تھے تحقیق مذاہب میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔[2]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابی الفرج عبدالرحمن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں۔

والرابع لاثنتی عشرۃ خلت منہ۔

ترجمہ: چوتھا قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔[3]

نیز یہی محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے الوفاء میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن عام الفیل میں دس ربیع الاول کے بعد ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے کے بعد تیسری تاریخ کو اور دوسری روایت یہ ہے کہ بارھویں رات کو ولادت ہوئی۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے حالات پر ایک کتاب "تلقیح فھوم الاثر" بھی لکھی۔ جسے مولانا یوسف بریلوی نے ۱۹۶۹ء میں مفید حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ یہ جید برقی پریس دہلی سے چھپی تھی۔ اس میں بھی علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے پیر کا دن اور ماہ ربیع الاول کو دیگر تواریخ کے ساتھ بارہ بھی لکھا ہے۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولد النبی کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا۔ اس کا ترجمہ مولانا عبدالحکیم لکھنوی نے کیا تھا جو ۱۹۲۳ء

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۰ برقم ۱۱۶۲ مطبوعہ دارالصمیعی الریاض)

[2] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالصمیعی الریاض)

[3] (صفوۃ الصفوۃ ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۵۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)، (نسیم الریاض للقاضی عیاض القسم الاول فی تعظیم العلی الاعظم لقدر النبی ﷺ فصل فیما ظھر من الآیات عند مولدہ ﷺ ج ۴ ص ۳۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (تحفۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۶۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی فی حاشیۃ دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۱ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

میں لکھنؤ سے چھپا اس میں تاریخ ولادت کے بارے میں لکھا کہ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔اس بارے میں تین قول ہیں۔ایک یہ کہ آپ ﷺ ربیع الاول کی بارہویں شب کو پیدا ہوئے۔یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔دوسرا یہ کہ آٹھویں اس ماہ کی پیدا ہوئے۔یہ حضرت عکرمہ کا قول ہے۔تیسرا یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔یہ حضرت عطاء کا قول ہے۔مگر سب سے صحیح قول پہلا ہے۔

امام سید الناس رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس اندلسی متوفی ۷۳۴ھ لکھتے ہیں۔

ولد سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول عام الفیل قیل بعد الفیل بخمسین یوماً۔

ترجمہ : ہمارے آقا اور ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ پیر کے روز بارہ ربیع الاول شریف کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔[1]

امام عبد الرحمن بن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ عبد الرحمن بن احمد ابن رجب الحنبلی متوفی ۷۹۵ھ اپنی کتاب لطائف المعارف میں لکھتے ہیں۔جمہور امت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ولادت ہوئی امام ابن اسحاق وغیرہ مورخین کا یہی قول ہے۔[2]

امام ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

وقال ابو معشر نجیح ولد لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ : ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[3]

امام ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام تاریخ و فلسفہ علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں۔

ولد رسول اللہ عام الفیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ : حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[4]

ابو العباس احمد بن خالد الناصری کا قول

ابو العباس احمد بن خالد الناصری لکھتے ہیں۔

قال ابن خلدون ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ : علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[5]

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

---

[1] (عیون الاثر ج ۱ ص ۷۹ مطبوعہ طبعۃ دار ابن کثیر دمشق)، (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار للنبہانی ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین اردو ج ۱ ص ۴۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام ذکر ترجمۃ السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۷۷ ۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (تاریخ ابن خلدون باب المولد الکریم و بدء الوحی ج ۲ ص ۴۰۷ مطبوعہ بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن خلدون ص ۸۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف التوزیع الریاض)

[5] (کتاب الاستقصا لاخبار دول المغرب والاقصی ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتاب الدار البیضاء)

علامہ محمد عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں۔

مات ابوہ فی اثنائھا بالمدینۃ عند اخوال ابیہ بنی عدی بن النجار عن خمس و عشرین او ثلاثین سنۃ و ضعتہ وھو البکر لکل منھما فی یوم الاثنین عند فجرہ لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من ربیع الاول عام الفیل۔[1]

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

اور بعض نے بارہ ربیع الاول شریف (تاریخ ولادت لکھی) اور اہل مکہ اس پر متفق ہیں کیونکہ بارہ ربیع الاول شریف ہی کو اہل مکہ آپ ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ بعض نے سترہ اور بعض نے ۲۲ بائیس ربیع الاول شریف کا قول کیا ہے اور مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول شریف بروز پیر ہوئی اور یہ ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے۔ (المورد الروی فی المولد النبوی ص ۹۶ مطبوعہ مکۃ المکرمۃ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ روایت کرتے ہیں۔ خوب جان لو کہ جمہور اہل سیر و تواریخ کی یہ رائے ہے کہ حضور ﷺ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی اور واقعہ فیل کے چالیس روز یا پچپن روز بعد اور یہ قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور بارہ تاریخ تھی۔ بعض علماء نے اس قول پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی اکثر علماء اس پر متفق ہیں۔[2]

محدثِ ہند امام محمد طاہر الصدیقی الھندی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

محدثِ ہند امام محمد طاہر الصدیقی الھندی متوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں۔

ولد عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔[3]

امام محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی کا قول

امام محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی متوفی لکھتے ہیں۔

(وقیل) ولد (لاثنتی عشر) من ربیع الاول (وعلیہ عمل اھل مکۃ) قدیما و حدیثا فی (زیارتھم موضع مولدہ فی ھذا الوقت) فتحصل فی تعیین الیوم سبعۃ اقوال (و المشھور انہ) ۱ (ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع) الاول وھو القول الثلث فی کلام المصنف (وھو قول) محمد (بن اسحاق) بن یسار امام المغازی (و) قول (غیرہ) قال ابن کثیر وھو المشھور عند الجمھور و بالغ ابن الجوزی و ابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع وھو الذی علیہ العمل۔

ترجمہ: پیدا ہوئے حضور ﷺ بارہ ربیع الاول شریف کو اسی پر عمل ہے پرانے اور نئے اہل مکہ کا اس بات میں کہ وہ زیارت کرتے ہیں اس وقت نبی کریم ﷺ کی جائے ولادت کی یعنی بارہ ربیع الاول کو۔ لہٰذا تاریخ ولادت کے بارے میں سات قول ہیں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے مصنف کی کلام میں یہ تیسرا قول ہے اور یہ قول امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے علماء کا ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے اور ابن جوزی اور ابن جزار نے یہاں تک پہنچایا کہ انہوں نے اس میں اجماع نقل کیا اور وہ ہی ہے کہ جس پر لوگوں کا عمل ہے۔[4]

---

[1] (التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ للسخاوی ج ۱ ص ۷۔۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

[3] (مجمع بحار الانور فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار السیر بیان نسبہ ج ۵ ص ۲۶۵ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)

[4] (شرح زرقانی علی المواہب المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ ج ۱ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (البدایۃ والنہایۃ باب مولد رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (السیرۃ النبوۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شرح الہمزیہ کا قول

شرح الہمزیہ میں ہے:

هو المشهور و عليه العمل۔

ترجمہ: یہی (۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کی تاریخ ولادت) مشہور ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔[1]

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں۔

وقيل لاثنتي عشرة وهو المشهور و عليه العمل۔

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کی تاریخ ولادت ہے یہی مشہور ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔[2]

عاشق رسول امام محمد بن یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

عاشق رسول امام محمد بن یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قصہ فیل میں نبی اکرم ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ یہ اس زمانے میں وقوع پذیر ہوا جب آپ ﷺ شکم مادر میں تشریف فرما تھے اور واقعہ کے پچاس دن بعد پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول حکومت ہرمز بن انوشیروان کے بارہویں سال آپ ﷺ متولد ہوئے۔[3]

امام عبد الباسط بن خلیل بن شاھین رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام عبد الباسط بن خلیل بن شاھین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولد بمكة في ليلة الاثنين وثمانين ثاني عشرة ربيع الاول في عام الفيل بعد قدوم ابرهة بالفيل بسبعة وخمسين يوما۔[4]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولادت آنحضرت روز دوشنبہ مستحق شداز شهر ربيع الاول از سالے كه واقعه فيل دران بود۔ بعض گفته اند بتاريخ دوم بعض گفته اند بتاريخ سوم و بعض گفته اند بتاريخ دوازدهم۔

ترجمہ: جس سال واقعہ فیل پیش آیا اسی سال ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن حضور ﷺ کی ولادت ہوئی جمہور کے نزدیک یہی صحیح ہے البتہ تاریخ ولادت کی تعیین میں اختلاف ہے بعض نے دوسری بعض نے تیسری اور بعض نے بارہویں تاریخ بیان کی ہے۔[5]

عاشق رسول علامہ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

---

[1] (الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الہمزیۃ تحت قولہ لیلۃ المولد ص ۱۰ مطبوعہ جمالیہ قاہرۃ)

[2] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار للنبہانی ج ۲ ص ۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین اردو ج ۱ ص ۴۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (غایۃ السول فی سیرۃ الرسول ص ۳۰ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[5] (سرور المحزون ترجمہ نور العیون ص ۹ مطبوعہ محمدی لاہور سنۃ ۱۸۹۱ء)

یعنی حضور ﷺ کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔[1]

علامہ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

از زمان بعثت عیسی بن مریم علیهما السلام تا زمان ولادت حضرت خاتم ﷺ بروایت محمد بن اسحاق از ابن عباس رضی اللہ عنهما شش صد سال بوده هشتصد و هشتاد و دو سال از وفات اسکندر ذوالقرنین گزشته و از زمان داود علیه السلام هزار و هشت صد سال بر آمده و از زمان ابراهیم سه هزار و هفتا و سال بکمال رسیده و از زمان حضرت نوح علیه السلام چهار هزار و چهار صد دو نوا دو نه سال انقضاء پزیرفته و از زمان آدم علیه السلام شش هزار هفتصد و پنجاه سال بتقدیم رسیده و در عام فیل بعضے گویند که هم در آن روز واقعه فیل این دولت عظمے روئے نمود بعضے از ان واقعه به پنجاه و پنجروز گفته اند و بعضے زیاده نیز گفته اند و اصح روایات آنست که هم در آن سال بوقوع پیسوسته و بهر حال دفع آن قضیه بدیعه و آن بلیه شنیعه ببرکت ظهور نور آنحضرت بود و یکے از علامات نبوت آن حضرت ست ﷺ۔

و مشهور آنست که در ماه ربیع الاول آنحضرت ﷺ در وجود آمد بیشتر بر آنند که روز دوزادهم ماه مذکور بود جمهور محدثان و ارباب سیر و تواریخ شب دوشنبه تعین نموده اند۔

ترجمہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما سے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ بعثت سے خاتم النبیین کے زمانہ ولادت تک چھ سو سال کا زمانہ تھا اور ذوالقرنین کی وفات سے آٹھ سو بیاسی سال داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے ایک ہزار آٹھ سو سال موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے دو ہزار تین سو سال گزر چکے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کو مکمل تین ہزار ستر سال اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کو چار ہزار چار سو ننانوے سال اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چھ ہزار سات سو پچاس سال گزر چکے تھے اور عام فیل میں، بعض کہتے ہیں کہ اسی روز جب واقعہ فیل رونما ہوا اس دولت عظمیٰ کا اظہار ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے پچپن روز بعد اور بعض نے چالیس روز بعد کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو سال دو ماہ بعد وقوع پزیر ہوا۔ اور بعض نے زیادہ مدت بھی لکھی ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اسی سال وقوع پزیر ہوا۔ بہر حال اس عجیب قضیہ اور بری بلا کا ذہاب (خاتمہ) حضور ﷺ کے نور کے ظہور کی برکت سے ہوا۔ اور حضور ﷺ کی علامات نبوت میں سے ایک یہ تھا۔

اور مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی اور جمہور محدثین اور ارباب سیرت و تاریخ نے شب پیر کی متعین کی ہے۔[2]

بعض مورخین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت حکومت نوشیروان کے زمانہ میں ہوئی یہ غلط ہے۔

ملا علی قاری

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

اور بعض نے تاریخ سے بے خبری اور ناواقفی سے یہاں تک بے تکی بات کہہ ڈالی کہ آپ ﷺ کی پیدائش کسریٰ نوشیروان عادل کے زمانہ میں مکہ

---

[1] (شواہد النبوۃ ص ۲۲ مطبوعہ ہندوستان)

[2] (معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ رکن دوم باب سوم در ذکر ولادت آنحضرت ﷺ واقعہ اول ذکر تاریخ ولادت و وقت سعادت او ﷺ ص ۳۲ مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

میں ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور اس میں علماء کا کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کے بارے میں بعض جہلاء سے جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی ہمارے شیخ عبداللہ حافظ نے اسے باطل قرار دیا ہے اور پھر بعض صالحین کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ سے ابوعبداللہ کی بات دریافت فرمائی تو آپ ﷺ نے اس من گھڑت حدیث کی تکذیب وابطال میں ابوعبداللہ کو سچا قرار دیا اور حضور ﷺ نے فرمایا یہ ہرگز میری حدیث نہیں (کہ میں نوشیروان کے زمانہ میں پیدا ہوا۔)[1]

امام عجلونی

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں۔

ولدت فی زمن الملک العادل ذکرہ الصغانی بالتنکیر وقال انہ موضوع۔ وقال فی المقاصد لا اصل لہ۔[2]

علامہ عبدالواحد حنفی کا قول

علامہ عبدالواحد حنفی لکھتے ہیں۔ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔[3]

اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار کا قول

اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار میں ہے۔ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔[4]

علامہ احمد بن حجر آل علی قاضی المحکمہ الشرعیہ بقطر کا قول

علامہ احمد بن حجر آل علی قاضی المحکمہ الشرعیہ بقطر لکھتے ہیں۔

وضعتہ امہ ﷺ فی صبیحۃ یوم الاثنین الثانی عشر من ربیع الاول عام الفیل۔[5]

دیوبندیوں کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی کا قول

دیوبندیوں کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں۔ الغرض جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا۔ اس کے ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ روز دوشنبہ دنیا کی تاریخ میں ایک نرالا دن ہے کہ آج پیدائش عالم کا مقصد لیل ونہار کے انقلاب کی اصل غرض آدم واولاد آدم کا فخر کشتی نوح کی حفاظت کا راز و ابراہیم کی دعا اور موسیٰ وعیسیٰ کی پیشگوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ رونق افروز عالم ہوتے ہیں۔ نیز اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ اس پر اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ لیکن تاریخ کے تعیین میں چار اقوال مشہور ہیں۔ دوسری، آٹھویں، دسویں، بارہویں..... مشہور قول بارہویں تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن البزار نے اس پر اجماع نقل کر دیا۔ اور اسی کو کامل ابن اثیر میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور محمود پاشا مکی مصری نے جو نویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے اور

---

[1] (المورد الروی فی المولد النبوی اردو ص ۶۸ مطبوعہ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

[2] (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۴۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[3] (عجائب القصص ص ۲۳۷ مطبوعہ نول کشور ہند)

[4] (اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار ج ۱ ص ۶ مطبوعہ مصر)

[5] (الرد الشافی الواخر علی نفی امیۃ سید الاوائل والاواخر ص ۳۲ مطبوعہ دارالارشاد للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت)

حسابات پر بوجہ اختلاف مطالعے ایسا اعتماد نہیں ہوسکتا کہ جمہور کی مخالفت اس بنا پر کی جائے۔[1]

امام محمد ابوزہرہ کا قول

امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں لکھتے ہیں۔

الجمهور العظمى من علماء الرواية على ان مولده عليه الصلوة والسلام فى ربيع الاول من عام الفيل فى ليلة الثانى عشر منه وقد وافق ميلاده بالسنة الشمسية نيسان۔

ترجمہ : علماء روایت کی ایک عظیم کثرت اس بات پر متفق ہے کہ یوم میلاد عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہے۔[2]

نیز دوسرے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ولو لا ان هذه الرواية ليست هى المشورة لاخذنا بها ولكن علم الرواية لا يدخل الترجيح فيه بالعقل۔

ترجمہ : کہ جمہور علماء کے قول کے مقابلہ میں یہ روایتیں مشہور نہیں ہیں نیز علم روایت میں ترجیح کا دارومدار عقل پر نہیں ہوتا بلکہ نقل پر ہوتا ہے۔[3]

ڈاکٹر محمد حسین حیکل کا قول

ڈاکٹر محمد حسین حیکل لکھتے ہیں۔

والجمهور على انه ولد فى الثانى عشر من شهر ربيع الاول وهو قول ابن اسحاق وغيره۔

ترجمہ : جمہور کے نزدیک حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ اور یہی قول امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔[4]

علامہ محمد سید گیلانی ماچسٹر کلیۃ الآداب بجامعۃ القاھرۃ کا قول

علامہ محمد سید گیلانی ماچسٹر کلیۃ الآداب بجامعۃ القاھرۃ لکھتے ہیں۔

ولد يوم الاثنين لاثنتى عشرة ليلة خلت من ربيع الاول الموافق۔[5]

سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم کا قول

دور حاضر کے سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم عرجون، پرنسپل آف کلیہ اصول الدین جامعہ ازہر لکھتے ہیں۔

وقد صح من طرق كثيرة ان محمدا عليه السلام ولد يوم الاثنين لاثنتى عشرة مضت من شهر ربيع الاول عام الفيل فى زمن كسرى انوشيروان ويقول اصحاب التوفيقات التاريخية ان ذلك يوافق اليوم المكمل للعشرين من شهر اغسطس سنة ۵۷۰ بعد ميلاد المسيح عليه السلام۔

ترجمہ : کثیر تعداد ذرائع سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ حضور ﷺ بروز پیر ربیع الاول عام الفیل کسریٰ نوشیرواں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ اور ان علماء کے نزدیک جو مختلف سمتوں کی آپس میں تطبیق کرتے ہیں انہوں نے عیسوی تاریخ میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء بیان کی ہے۔[6]

---

[1] (سیرۃ رسول اکرم ﷺ آپ کے آخری کلمات ص ۳۶ حاشیہ ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

[2] (خاتم النبیین ج ۱ ص ۱۱۵)

[3] (خاتم النبیین ج ۱ ص ۱۱۵)

[4] (حیاۃ محمد ﷺ مولدہ راضاءہ ص ۱۰۹ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ المویۃ القاھرۃ)

[5] (۲۳ من ابریل سنۃ ۵۷۱) (عین الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ص ۲ مطبوعہ مصطفی البابی مصر طبع سنۃ ۱۹۵۶)

[6] (محمد رسول اللہ ج ۱ ص ۱۰۲)

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان قنوجی کا قول

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں۔

ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر روز شنبہ (پیر کے دن) شب دوازدہم ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی جمہور علماء کا یہی قول ہے ابن جوزی نے اس پر اتفاق کیا ہے۔[1]

احمد موسیٰ البکری کا قول

احمد موسیٰ البکری کی کتاب ''التاریخ العزلی القدیم والسیرۃ النبویۃ'' سعودی عرب کی وزارۃ المعارف نے ۱۳۹۶ھ میں طبع کرائی۔اس میں حضور ﷺ کی ولادت کے متعلق ہے۔

ولد رسول الکریم ﷺ فی مکۃ المکرمۃ فی فجر یوم الاثنین الثانی عشر من ربیع الاول الموافق۔ ۲۰ نیسان (اپریل) ۵۷۱ء وتعرف سنۃ مولدہ بعام الفیل۔

ترجمہ : حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں عام الفیل کے سال پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔

علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کا قول

علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کے امین تھے۔اپنی کتاب محمد رسول اللہ ﷺ میں لکھتے ہیں۔حضور ﷺ پیر کے دن فجر کے وقت ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو بمطابق بیس اگست ۵۷۰ عیسوی پیدا ہوئے اہل مکہ سرکار دوعالم ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کے لئے اسی تاریخ کو جایا کرتے ہیں۔[2]

تاریخ وفات کی تحقیق میں

بارہ ربیع الاول تاریخ وفات ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا

امام بخاری

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان رجلاً من الیھود قال لہ یا امیر المومنین! آیۃ فی کتابکم تقرؤونھا لو علینا معشر الیھود نزلت لا تخذنا ذلک الیوم عیداً قال ای آیۃ؟ قال (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا) قال عمر قد عرفنا ذلک الیوم والمکان الذی نزلت فیہ علی النبی او ھو قائم بعرفۃ یوم جمعۃ۔

ترجمہ : حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی نے ان سے کہا اے امیر المومنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر وہ آیت ہم گروہ یہود پر اترتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید بنا لیتے۔آپ نے پوچھا کون سی آیت؟ اس نے کہا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند

---

[1] (الشمامۃ العنبریۃ من مولد خیر البریۃ ص ۷ طبع سنۃ ۱۳۰۵ھ)

[2] (محمد رسول اللہ ج ۲ ص ۱۹ طبع سنۃ ۱۹۲۴)

کرلیا)۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس دن اور جس جگہ یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی ہم اس کو پہچانتے ہیں۔آپ ﷺ اس وقت جمعہ کے دن عرفات کے مقام پر کھڑے تھے۔[1]

امام طبرانی حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

عن کعب الاحبار قال قلت لعمر بن الخطاب انی لاعرف فی ای یوم انزلت (الیوم اکملت لکم دینکم) یوم جمعة ویوم عرفة وھما لنا عیدان۔

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پہچانتا ہوں کہ کس دن الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی جمعہ اور عرفات کے دن اور وہ دونوں دن (پہلے سے) ہی ہمارے عید کے دن ہیں۔[2]

امام ترمذی

امام ابوعیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

فانھا نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعة ویوم عرفة۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کا نزول جمعہ اور عرفہ کے دن ہوا جنہیں مسلمان پہلے ہی عیدوں کے طور پر مناتے ہیں۔[3]

معلوم ہوا کہ اس سال ذی الحجہ کی نویں (تاریخ) جمعہ کو تھی اور یوم وفات پیر ثابت ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

یوم وفات پیر ثابت ہے

امام ابن عساکر

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

عن ابن عباس قال ولد ا یوم الاثنین فی ربیع الاول وانزلت علیه النبوة یوم الاثنین [فی شھر ربیع الاول] وانزلت علیه البقرة یوم الاثنین فی ربیع الاول وھاجر الی المدینة فی ربیع الاول وتوفی یوم الاثنین فی ربیع الاول۔[4]

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

قال ابو جعفر اما الیوم الذی مات فیه رسول اللہ افلا خلاف بین اھل العلم بالاخبار فیه انه کان یوم الاثنین من

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الایمان باب زیادة الایمان ونقصانہ ج ۱ ص ۲۵ رقم الحدیث ۴۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب التفسیر ج ۴ ص ۲۳۱۳ رقم الحدیث ۳۰۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب من سورة المائدة ج ۵ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۳۰۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی کتاب الایمان باب زیادة الایمان ج ۸ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۵۰۱۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیة حلب)

[2] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۳۰ مطبوعہ دار الحرمین القاھرة)، (فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۵ رقم الحدیث ۴۵ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب من سورة المائدة ج ۵ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۳۰۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۱۸۴ رقم الحدیث ۱۲۸۳۵ مطبوعہ مکتبة العلوم والحکم الموصل)، (جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۶ ص ۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۳ ص ۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرة النبویة لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۲۵۰۶ مطبوعہ موسسة قرطبة مصر)، (دلائل النبوة للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (تاریخ الاسلام للذہبی ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (جواھر البحار فی فضائل النبی المختار للنبھانی ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

شہر ربیع۔[1]

علامہ ابن حزم

غیر مقلدوں کے امام علی بن احمد حزم الظاھری متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں۔

ولم یختلف فی انه علیه السلام مات یوم الاثنین۔[2]

امام ابن عبد البر مالکی حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں۔

ومات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنین بلا اختلاف۔[3]

امام ابن حجر عسقلانی

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

وکانت وفات یوم الاثنین بلا خلاف من ربیع الاول۔[4]

محدث کبیر امام عینی

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

وقال اهل الصحیح باجماع انه توفی یوم الاثنین۔[5]

پس جمعہ کو نویں ذی الحجہ ہو تو بارہ ربیع الاول پیر کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا ثبوت اکابر دیوبند ہی کی کتب سے ملاحظہ فرمائیں:

اکابر دیوبند سے ثبوت

محمد زکریا دیوبندی

محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال بالاتفاق اہل تاریخ دوشنبہ کے روز ہوا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے اکثر مورخین کا قول ۱۲ ربیع الاول کا ہے مگر اس میں ایک نہایت قوی اشکال ہے وہ یہ کہ ۱۰ھ کو نو ۹ ذی الحجہ جس میں حضور اجج کے موقع پر عرفات میں تشریف فرما تھے وہ جمعہ کا دن تھا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے نہ محدثین کا نہ مورخین کا حدیث کی روایات میں بھی کثرت سے اس کی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا اس کے بعد خواہ ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں مہینے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ کے یا بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰ کے کسی صورت سے بھی بارہ ربیع الاول دوشنبہ کی نہیں ہو سکتی اس لئے بعض محدثین نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال دو ۲ ربیع الاول کو ہوا۔[6]

دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے پس جمعہ کو نوی ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاول دوشنبہ کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔[7]

---

[1] (تاریخ طبری ذکر الاخبار الواردۃ بالیوم الذی توفی فیہ رسول اللہ ومبلغ سنہ یوم وفاتہ ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (جوامع السیرۃ لابن حزم ص ۷ مطبوعہ دار المعارف بمصر)

[3] (الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبد البر ص ۲۷۱ مطبوعہ دار المعارف القاھرۃ)

[4] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[5] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب وفاۃ النبی ج ۱۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[6] (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب ۵۴ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا ذکر! ص ۳۲۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[7] (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۹۴ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

علامہ شبلی نعمانی دیوبندی

علامہ شبلی نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے (نور النبر اس ابن سید الناس وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری وفات)۔

امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات وصحیح مسلم کتاب الصلوۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا۔ (صحاح قصہ حجۃ الوداع صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم)۔ ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ تک حساب لگاؤ۔ ذی الحجہ محرم صفر ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹، ۲۹ خواہ ۳۰، ۳۰ خواہ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑھ سکتا اس لئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاول حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑھ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں جب دو پہلی صورتیں نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے۔ جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ذی الحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کسی کسی دن واقع ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ محرم اور ۲۹ صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۲	۱۹	۱۶
۳	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۲۹ اور صفر سب ۳۰ کے دن ہوں	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ ۲۹ کا اور محرم وصفر ۳۰ کے ہوں	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۱۳۔ ۱۹۔ ۱۶۔ ۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں۔ دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہو سکتی ہے اور تین کثیر الوقوع ہیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔[1]

مفتی محمد شفیع دیوبندی

مسلک دیوبند کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں۔

---

[1] (سیرۃ النبی ﷺ ج ۲ ص ۱۰۴۔ ۱۰۵ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور)

تاریخ وفات میں مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو واقع ہوئی اور یہی جمہور مورخین لکھتے چلے آئے ہیں لیکن حساب سے کسی طرح یہ تاریخ وفات نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بھی متفق علیہ ہے اور یقینی امر ہے کہ آپ ﷺ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا حج ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ المبارک کو ہوا۔ ان دونوں باتوں کو ملانے سے ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ نہیں پڑتی اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد یہ ہی صحیح قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ وفات دوسری ربیع الاول ہے کتابت کی غلطی سے ۲ کا (۱) اور عربی میں ثانی ربیع الاول کا ثانی عشر ربیع الاول بن گیا حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

علامہ ادریس کاندھلوی دیوبندی

مسلک دیوبند کے شیخ التفسیر والحدیث محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابومخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے علامہ سہیلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔[2]

ابوالکلام آزاد دیوبندی

ابوالکلام آزاد دیوبندی اپنے مقالات میں لکھتے ہیں۔ (۱) ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں کو تیس تیس دن فرض کیا جائے یہ صورت عموماً ممکن الوقوع نہیں۔ اگر واقع ہو تو دوشنبہ ۶ ربیع الاول کو ہوگا یا تیرہ ربیع الاول کو۔ (۲) ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں مہینوں کو انتیس انتیس دن کے فرض کیا جائے۔ ایسا بھی عموماً واقع نہیں ہوتا۔ اس صورت میں دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو اور ۹ ربیع الاول کو ہوگا۔

ممکن الوقوع صورتوں کا نقشہ

نمبر شمار	صورت	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ ۳۰ محرم وصفر ۲۹	۱	۸	۱۵
۲	ذی الحجہ ومحرم ۲۹ صفر ۳۰	۱	۸	۱۵
۳	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۳۰ صفر ۳۰	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ صفر ۳۰	۷	۱۴	۲۱
۵	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۳۰ صفر ۲۹	۷	۱۴	۲۱
۶	ذی الحجہ ۲۹ محرم وصفر ۳۰	۱	۸	۱۵

ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں سے صرف یکم ربیع الاول ہی صحیح اور قابل تسلیم ثابت ہے۔

اس کی تصدیق مزید یوں بھی ہوسکتی ہے کہ یوم وقوف عرفات سے مہینوں کے طبعی دور کے مطابق حساب کرلیا جائے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جمعہ تھا اور یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو لازماً دوشنبہ ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے یوم سے وفات تک اکاسی (۸۱) دن ہوتے ہیں۔ اس حساب سے بھی دوشنبہ یکم ربیع الاول ہی کو آتا ہے۔ غرض یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہی صحیح تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے اس کی متوازی عیسوی تاریخ ۲۵ اگست یا ۲۶ مئی

---

[1] (سیرۃ رسول اکرم ﷺ آپ کے آخری کلمات ص ۲۹۱ حاشیہ ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

[2] (فتح الباری ج ۸ ص ۹۸ زرقانی ج ۳ ص ۱۱۰) (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ تاریخ وفات ج ۳ ص ۱۱۰ مطبوعہ ہند طبع سنہ ماہ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۸۱)

۶۳۲ء نکلتی ہے۔[1]

نقوش رسول نمبر میں ہے۔نبی خدا ﷺ کی رحلت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مسلم ریاست کے طول وعرض میں پھیل گئی معتبر ترین روایات کے مطابق اس روز پیر تھا ربیع الاول کی ۲ تاریخ اور ۱۱ سن ہجری (۲۵ مئی ۶۳۲ عیسوی) رسول اللہ ﷺ کا وصال دن کے وقت ہوا۔[2]

مستند فقہاء کرام سے ثبوت

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ بھی کہتے ہیں۔

ورجح جمع من المحدثين الرواية الاولى لورود اشكال سياتى على الرواية۔ قال الحنفى وهنا سوال مشهور على اشكال مسطور وهو ان جمهور ارباب السير على ان وفاته فى تلك السنة يوم الجمعة فيكون غرة ذى الحجة يوم الخميس فلا يمكن ان يكون يوم الاثنين الثانى عشر من ربيع الاول سواء كانت المشهور الثلاث الماضية يعنى ذا الحجة والمحرم وصفر ثلاثين يوماً اور تسعاً وعشرين او بعض منها ثلاثين وبعض آخر منها تسعا وعشرين وحله ان يقال يحتمل اختلاف اهل مكة والمدينة فى روية هلال ذى الحجة بواسطة مانع من السحاب وغيره او بسبب اختلاف المطالع فيكون غرة ذى الحجة عند اهل مكة يوم الخميس وعند اهل المدينة يوم الجمعة وكان وقوف عرفة واقعاً بروية اهل مكة ولما رجع الى المدينة اعتبروا التاريخ بروية اهل المدينة وكان المشور الثلاثة كوامل فيكون اول ربيع الاول يوم الخميس ويوم الاثنين الثانى عشر منه هذا۔[3]

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

وَلَا يَصِحّ أَنْ يَكُونَ تُوُفِّيَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلّا فِي الثّانِي مِنْ الشّهْرِ أَوْ الثّالِثَ عَشَرَ أَوْ الرّابِعَ عَشَرَ أَوْ الْخَامِسَ عَشَرَ لِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنّ وُقُفَةَ عَرَفَةَ فِي حَجّةِ الْوَدَاعِ كَانَتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ التّاسِعُ مِنْ ذِي الْحَجّةِ فَدَخَلَ ذُو الْحَجّةِ يَوْمَ الْخَمِيسِ فَكَانَ الْمُحَرّمُ إمّا الْجُمُعَةُ وَإِمّا السّبْتُ فَإِنْ كَانَ الْجُمُعَةُ فَقَدْ كَانَ صَفَرٌ إمّا السّبْتُ وَإِمّا الْأَحَدُ فَإِنْ كَانَ السّبْتُ فَقَدْ كَانَ رَبِيعٌ الْأَحَدَ أَوْ الِاثْنَيْنِ وَكَيْفَا دَارَتْ الْحَالُ عَلَى هَذَا الْحِسَابِ فَلَمْ يَكُنْ الثّانِي عَشَرَ مِنْ رَبِيعٍ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ بِوَجْهٍ وَلَا الْأَرْبِعَاءَ أَيْضًا كَمَا قَالَ الْقُتَبِيّ وَذَكَرَ الطّبَرِيّ عَنْ ابْنِ الْكَلْبِيّ وَأَبِي مِخْنَفٍ۔

ترجمہ: اور یہ صحیح نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ربیع الاول کی دو تاریخ یا تیرہ یا چودہ یا پندرہ تاریخ کو ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کا وقوف عرفات جمعۃ المبارک کو ہوا تھا یہ نو ذی الحجہ تھی تو ذوالحجہ جمعرات کے روز شروع ہوا تو محرم کا آغاز جمعہ کو ہوگا اگر محرم کا آغاز جمعہ کو ہو تو صفر کا آغاز ہفتہ کو ہوگا یا اتوار کو اگر صفر کا آغاز ہفتہ کو ہو تو ربیع الاول کا آغاز اتوار کو ہوگا یا پیر کو تو پھر اس حساب پر جو بھی حالت ہو تو بارہ ربیع الاول پیر کو نہیں ہو سکتی اور نہ ہی بدھ کو ہو سکتی ہے۔جس طرح قتیبی نے کہا۔طبری نے ابن کلبی اور ابی مخنف سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ کا وصال ربیع الاول کی دو تاریخ کو ہوا یہ قول اگرچہ جمہور کے خلاف ہے تاہم صحیح ہے کیونکہ یہ کوئی بعید نہیں کہ ربیع الاول سے پہلے

---

[1] (رسول رحمت ص ۲۵۴)

[2] (نقوش رسول نمبر شمارہ ۱۳۰ دستمبر ۱۹۸۲ء مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور)

[3] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبھامش شرح الشمائل باب ماجاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

تینوں مہینے (ذی الحجہ، محرم، صفر) انتیس دن کے ہوں اس میں خوب غور وفکر کرلو۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی ہو۔ میں نے خوارزمی کو دیکھا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہوا۔ طبری نے ابن کلبی اور ابو مخنف سے جو روایت نقل کی ہے یہ اس کے زیادہ قریب ہے۔[1]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

قال ابو الیمن بن عساکر وغیرہ لایمکن ان یکون موتہ یوم الاثنین من ربیع الاول الا یوم ثانی الشھر او نحو ذلک فلا یتھیان ان یکون ثانی عشر الشھر للاجماع ان عرفۃ فی حجۃ الوداع کان یوم الجمعۃ فالمحرم بیقین اولہ الجمعۃ او السبت وصفر اولہ علی ھذا السبت او الاحد او الاثنین فدخل ربیع الاول الاحد وھو بعید اذ یندر وقوع ثلاثۃ اشھر نواقص فترجح ان یکون اولہ الاثنین وجاز ان یکون الثلاثاء فان کان استھل الاثنین فھو ما قال موسی بن عقبۃ من وفاتہ یوم الاثنین لھلال ربیع الاول فعلی ھذا یکون الاثنین الثانی منہ ثامنہ وان جوزنا عشرۃ ولکن بقی بحث آخر کان یوم عرفۃ الجمعۃ بمکۃ فیحتمل ان یکون کان یوم عرفۃ بالمدینۃ یوم الخمیس مثلاً او یوم السبت فیبنی علی حساب ذلک۔ [2]

امام عبداللہ ابن اسعد الیافعی المالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الامام ابی محمد عبداللہ ابن اسعد بن علی الیافعی المالکی متوفی سنۃ ثمان وستین وسبع مائۃ لکھتے ہیں۔

قیل انہ توفی الثانی عشر منہ اشکال من اجل انہ اکانت وقفۃ بالجملۃ فی السنۃ العاشرۃ اجماعاً فاذا کان ذلک لایتصور وقوع یوم الاثنین فی ثانی عشر ربیع الاول من السنۃ التی بعدھا وذلک مطرد فی کل سنۃ تکون الوقفۃ قبلہ بالجمعۃ علی کل تقدیر من تمام المشھور ونقصانھا وتمام بعضھا ونقصان بعض۔ [3]

محدث کبیر امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

وقال السھیلی فی (الروض) اتفقوا انہ توفی ﷺ یوم الاثنین وقالوا کلھم فی ربیع الاول غیر انھم قالوا او قال اکثرھم فی الثانی عشر من الشھر او الثالث عشر او الرابع عشر او الخامس عشر الاجماع المسلمین علی ان وقفۃ عرفۃ فی حجۃ الوداع کانت یوم الجمعۃ وھو التاسع من ذی الحجۃ فدخل ذو الحجۃ یوم الخمیس فکان الحرام اما الجمعۃ واما السبت واما الاحد فان کان الجمعۃ فقد کان صفر اما السبت واما الاحد فان کان السبت فقد کان الربیع اما الاحد واما الاثنین وکیف ما دارت الحال علی ھذا الحساب فلم یکن الثانی عشر من ربیع الاول یوم الاثنین بوجہ۔ [4]

حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل بحث کرکے دوم ربیع الاول کو ترجیح دی اور بارہ ربیع الاول کے یوم وفات ہونے کی روایت کو عقل

---

[1] (الروض الانف للسہیلی متی توفی رسول اللہ ج ۴ ص ۴۳۹۔۴۴۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)، (السیرۃ الحلبیۃ ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)، (وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ السمہودی ج ۱ ص ۳۱۸ مطبوعہ بیروت)

[2] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام ذکر ترجمۃ السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۶۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان السنۃ الحادی عشر ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند)

[4] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب وفاۃ النبی ﷺ ج ۱۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ونقل کے خلاف ثابت کر کے اسے راوی کا وہم اور غلط قرار دیا ہے۔[1]

امام علی بن برہان الدین الحلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں۔

توفی رسول اللہ ﷺ وھو فی صدر عائشۃ وذلک یوم الاثنین حین زاغت الشمس لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول ھکذا ذکر بعضھم وقال السھیل لایصح ان یکون وفاتہ یوم الاثنین الا فی ثالث عشرۃ او رابع عشرۃ لاجماع المسلمین علی ان وقفۃ عرفۃ کانت یوم الجمعۃ وھو تاسع ذی الحجۃ وکان المحرم اما بالجمعۃ واما بالسبت فان کان السبت فیکون اول صفر اما الاحد والاثنین فعلی ھذا لایکون الثانی عشر من شھر ربیع الاول بوجہ وقال الکلبی انہ توفی فی الثانی من شھر ربیع الاول۔

ترجمہ : حضور ﷺ کا وصال شریف ہوا اس حال میں کہ آپ ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر تھا پیر کے روز سورج ڈھلنے کے وقت بارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ کا وصال شریف ہوا جیسے کہ بعض نے ذکر کیا اور امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے (بارہ ربیع الاول کو وصال شریف کا قول) صحیح نہیں ہے اس طرح کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ وفات شریف آپ کی پیر کے روز ہو مگر تیرہ یا چودہ ہوسکتی ہے اس لیے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ حضور ﷺ کا وقوف عرفہ ذوالحج جمعہ کے روز ہوا تو اس حساب سے یکم محرم یا جمعہ کو یا ہفتہ کو ہوگا اگر ہو ہفتہ تو پہلی صفر کی یا اتوار کو ہوگی یا پیر کو اس حساب کے اعتبار سے حضور ﷺ کا وصال شریف بارہ ربیع الاول کو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اما کلبی نے فرمایا نبی پاک ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[2]

شرح شمائل میں ہے۔ **اختلف اھل العلم فی الیوم الذی توفی فیہ بعض اتفاقھم علی انہ یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول فذکر الواقدی وجمھور الناس انہ الثانی عشر قال ابو الربیع بن سالم وھذا لایصح وقد جری فیہ علی العلماء من الغلط ما علینا بیانہ وقد تقدمہ السھیلی الی بیانہ بان حجۃ الوداع کانت وفقھا یوم الجمعۃ فلا یسقیھم ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول سواء تمت الاشھر کلھا او نقصت کلھا او اتم بعضھا ونقص بعضھا وقال الطبری یوم الاثنین للیلتین مضتا من شھر ربیع الاول۔**

ترجمہ : اہل علم نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا کہ جس میں آپ کا وصال شریف ہوا بعض نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضور ﷺ کا وصال شریف پیر کے روز ربیع الاول میں ہوا۔ برابر ہے (نو ذوالحج سے لے کر ربیع الاول تک) سب مہینے تیس کے شمار کریں یا انتیس کے شمار کریں تو کسی طرح بھی بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن نبی پاک ﷺ کا وصال شریف ثابت نہیں ہوسکتا لہٰذا طبری نے کہا آپ کا وصال شریف دو ربیع الاول پیر کے دن بن سکتا ہے۔[3]

دو ربیع الاول تاریخ وفات پر چند مزید دلائل

محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں۔

محمد ابن قیس سے روایت ہے کہ بدھ کے روز انیس صفر کو حضور ﷺ کی بیماری کا آغاز ہوا سن ہجری ۱۱ھ میں لہٰذا آپ تیرہ دن بیمار رہے اس

---

[1] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[2] (سیرۃ الحلبیہ باب یذکر فیہ مرۃ مرضہ وما وقع فیہ وفاتہ ﷺ التی ھی مصیبۃ الاولین والاخرین من المسلمین ج ۳ ص ۳۷۴ مطبوعہ بیروت)

[3] (شرح شمائل محمدیہ باب ماجاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۱۲ مطبوعہ بیروت)

کے بعد پیر کے روز دو ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کا وصال شریف ہوا۔[1]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

و اخبرنا ابو عبدالله الحافظ قال اخبرنا ابو عبدالله الاصبهانی قال حدثنا الحسین بن الجهم قال حدثنا الحسین بن الفرج قال حدثنا الواقدی قال حدثنا ابو معشر عن محمد بن قیس . . . وتوفی یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول۔[2]

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔ وقال الواقدی حدثنا ابو معشر عن محمد بن قیس قال اشتکی النبی ﷺ ثلاثة الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول سنة احدی عشرة[3]

امام عجلی کوفی

امام احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی متوفی ۲۶۱ھ لکھتے ہیں۔

محمد بن قیس الهمدانی شامی تابعی ثقة۔[4]

امام مزئ

امام یوسف بن الزکی المزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں۔

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔

ثقة۔

ترجمہ: امام محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہے۔[5]

فقہاء اہل حجاز کا قول

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

حدیث بیان کی ہمیں مصعب بن زہیر نے فقہاء اہل حجاز سے انہوں نے کہا نبی کریم ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو بارہ بجے کے قریب

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[2] (دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الوقت والیوم والشہر [والسنۃ] التی توفی فیہا رسول اللہ او فی مدۃ مرضہ ج ۷ ص ۲۳۴۔۲۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۱۱۲۰)

[3] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام ذکر ترجمۃ السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۶۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (معرفۃ الثقات ج ۲ ص ۲۵۰ برقم ۱۶۳۸ مطبوعہ مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ)

[5] (تہذیب الکمال ج ۲۶ ص ۳۲۲ برقم ۵۵۶۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۶۱ برقم ۲۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (الکاشف للذہبی ج ۲ ص ۲۱۲ برقم ۵۱۲۳ مطبوعہ موسسۃ علوجدۃ)

ہوا۔[1]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

یقال لها ریحانة کانت من سبی الیهود و کان اول یوم مرض فیه یوم السبت و کانت وفاته الیوم العاشر یوم الاثنین للیلتین خلتا من شهر ربیع الاول۔[2]

امام سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

و قال سلیمان التیمی توفی رسول الله ا الیوم العاشر من مرضه و ذلک یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول۔ رواه معتمر عن ابیه۔[3]

کلبی اور ابی مخنف کا قول

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔ **و ذکر الطبری عن ابن الکلبی و ابی مخنف وفاته فی ثانی ربیع الاول۔**

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ابی مخنف اور کلبی کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[4]

امام ابن حجر عسقلانی

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

ابی مخنف اور کلبی کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[5]

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔[6]

حافظ الحدیث امام سعد بن ابراہیم زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابن کثیر حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں۔

---

[1] (تاریخ طبری ذکر الاخبار الواردة بالیوم الذی توفی فیه رسول الله و مبلغ سنه یوم وفاته۔ (ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[2] (دلائل النبوة للبیهقی باب ماجاء فی الوقت والیوم والشهر [والسنة] التی توفی فیها رسول الله ﷺ وفی مدة مرضه ج ۷ ص ۲۳۴ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[3] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام ذکر ترجمة السیرة النبویة ج ۱ ص ۶۳۲ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)، (اشعة اللمعات فارسی کتاب الفتن باب وفاة النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۱۶ مطبوعه المکتبة الحقانیة پشاور)

[4] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام ذکر ترجمة السیرة النبویة ج ۱ ص ۶۳۲ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[5] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعه دار المعرفة بیروت)، (سیرة الحلبیه باب یذکر فیه مرة مرضه وما وقع فیه وفاته ﷺ التی هی مصیبة الاولین والاخرین من المسلمین ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعه بیروت)

[6] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۰ مطبوعه دار المعرفة بیروت)

سعد بن ابراھیم الزھری سے روایت ہے کہ یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے پیر کے دن ۲ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔[1]

امام احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی متوفی ۲۶۱ھ لکھتے ہیں۔

سعد بن ابراھیم بن عبدالرحمن بن عوف لا باس بہ و کان علی قضاء واسط و قال ایضا مدنی ثقۃ۔

ترجمہ : امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم مدنی ثقہ ہیں۔[2]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

سعد بن ابراھیم ابن عبدالرحمن بن عوف الامام الحجۃ الفقیہ قاضی المدینۃ ابو اسحاق ویقال ابراھیم القرشی الزھری مدنی . . .

وقال ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث۔

وقال احمد بن حنبل کان ثقۃ فاضلا ولی قضاء المدینۃ۔

وقال ابن معین و ابو حاتم و جماعۃ ثقۃ۔

ترجمہ : سعد بن ابراہیم ابن عبدالرحمن بن عوف الامام الحجہ الفقیہ مدینہ منورہ کے قاضی۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ثقہ فاضل ہے۔

امام یحییٰ بن معین اور امام ابوحاتم وغیرہ ثقہ کہتے ہیں۔[3]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں۔

سن گیارہ ہجری ربیع الاول شریف کی دو تاریخ بروز پیر وصال ہوا۔[4]

امام مزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام حافظ جمال الدین بن ابوالحجاج یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں۔آپ ۶۳ سال کی عمر میں بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن دوپہر کے وقت فوت ہوئے ایک قول یکم ربیع الاول کا ہے اور ایک قول دو ربیع الاول کا ہے۔[5]

امام مغلطائی بن قلیج کا قول

امام مغلطائی بن قلیج متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں۔

کلبی اور ابومخنف نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[6]

حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

---

[1] (البدایۃ والنھایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[2] (معرفۃ الثقات ج ۱ ص ۳۸۹ برقم ۵۵۸ مطبوعہ مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ)

[3] (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۱۸۔۴۱۹ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[4] (تفسیر بغوی ج ۲ ص ۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[5] (تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[6] (الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۵۱ مطبوعہ الدار الشامیۃ بیروت)

حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی یکم ربیع الاول یا دو ربیع الاول کو وفات ہوئی۔[۱]

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

و قد اخبرنی الشیخ الصالح عطیة الابناسی و الشیخ الصالح قاسم المغربی المقیم فی تربة الامام الشافعی رضی اللہ تعالی عنه، و القاضی زکریا الشافعی انهم سمعوا الشیخ جلال الدین السیوطی رحمه اللہ تعالی یقول :رأیت رسول اللہ ﷺ فی الیقظة بضعا و سبعین مرة و قلت له فی مرة منها :هل انا من اهل الجنة یارسول اللہ؟ فقال :نعم! فقلت :من غیر عذاب یسبق، فقال :لک ذلک، قال الشیخ عطیة :وسألت الشیخ جلال الدین مرة أن یجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لی۔ فقال لی :یاعطیة أنا اجتمع بالنبی ﷺ یقظة وأخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب، عنی۔

ترجمہ :اور مجھے شیخ صالح عطیہ الابناسی اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تربت میں مقیم شیخ صالح قاسم المغربی اور قاضی زکریا الشافعی نے بتایا کہ انہوں نے شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیداری میں رسول پاک ﷺ کی کچھ اوپر ستر مرتبہ زیارت کی ہے۔اور ان میں سے ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کی۔ یارسول اللہ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ فرمایا :ہاں۔میں نے عرض کی :پہلے کوئی سزا دیئے بغیر؟ فرمایا :تیرے لئے یہی ہے۔شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ سلطان غوری کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے مجھے فرمایا :اے عطیہ! میں بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ڈرتا ہوں کہ اگر غوری کے پاس چلا جاؤں تو کہیں حجاب لاحق ہو جائے۔[۲]

محدثِ دیوبند انور شاہ کشمیری

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔**نقل عن السیوطی رحمه اللہ تعالی انه رآه ﷺ اثنین و عشرین مرة و سأله عن احادیث ثم صححها بعد تصحیحه ﷺ۔الخ۔**

ترجمہ :امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے بائیس مرتبہ جاگتے ہوئے حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ سے بہت سی حدیثوں کے متعلق پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ آپ کی حدیث ہے یا نہیں حضور ﷺ کے صحیح فرمانے کے بعد امام سیوطی نے ان احادیث کی تصحیح کی۔[۳]

اشرف علی تھانوی

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو روز حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی بعض ایسی احادیث کی یہ توثیق کرتے ہیں جن کی اور محدثین توثیق نہیں کرتے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور ﷺ سے دریافت کر لیتے ہیں اور بعض نے نقل کیا ہے کہ

---

[۱] (التوشیح ج ۴ ص ۱۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۲] (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[۳] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حضور ﷺ کے سامنے جب حدیث کا ذکر ہوا اور حضور ﷺ کا چہرہ انور بشاش ہوا تو یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔صحت کا فتویٰ لگا دیتے تھے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ضعیف ہونے کا حکم کرتے۔ان کو حضور ﷺ کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔[1]

امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

ابو مخنف اور کلبی نے کہا آپ ﷺ کی وفات ۲ ربیع الاول کو ہوئی سلیمان بن طرخان نے مغازی میں اسی کو ترجیح دی ہے امام محمد بن سعد، امام ابن عساکر اور امام ابو نعیم الفضل بن دکین کا بھی یہی قول ہے اور سہیلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔[2]

امام علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن ۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[3]

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کی وفات ۲ ربیع الاول کو پیر کے دن ہوئی۔[4]

شیخ اشرف علی تھانوی

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ ان کو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں۔انہیں میں سے ایک شیخ عبد الحق محدث دہلوی (علیہ الرحمۃ) ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے۔[5]

نواب صدیق حسن خان بھوپالی

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں۔

ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء، مثلاً شیخ عبد الحق دھلوی متوفی ۱۰۵۳ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اسی علم کا فیضان کیا شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا۔[6]

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] (الکلام الحسن ج ۲ ص ۱۷۵)

[2] (سبل الہدی والشاد الباب الثلاثون فی تاریخ وفاتہ ﷺ ج ۱۲ ص ۳۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (مرقات المفاتیح ج ۱۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۰۴ مطبوعہ لکھنؤ ہند)

[5] (افاضات الیومیہ ج ۷ ص ۶ مطبوعہ تھانہ بھون)

[6] (الحطہ ص ۱۶۰۔۱۶۱ مطبوعہ لاہور)

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں۔

وماتیوم الاثنین بعدمازاغت الشمس للیلتین خلتامن شھر ربیع الاول سنۃ احدی عشر من الھجرۃ۔ [1]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں۔

سن گیارہ ہجری ربیع الاول شریف کی دو تاریخ بروز پیر وصال ہوا۔ [2]

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

علامہ نور بخش صاحب توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں بنا بر قول حضرت سلیمان التیمی ابتداء مرض یوم شنبہ ۲۲ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔ [3]

یکم ربیع الاول تاریخ وفات

امام ابو نعیم الفضل بن دکین، عروۃ بن الزبیر تابعی وموسیٰ بن عقبۃ، امام زہری تابعی امام خوارزمی رحمہم اللہ کا قول

امام ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں۔

وقال ابو نعیم الفضل بن دکین توفی رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین مستھل ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ من مقدمہ المدینۃ ورواہ ابن عساکر ایضا وقد تقدم قریبا عن عروۃ وموسی بن عقبۃ والزھری مثلہ فیما نقلناہ عن مغازیھما فاللہ اعلم۔ [4]

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

امام موسیٰ بن عقبہ، اللیث، الخوارزمی اور ابن زبیر کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات یکم ربیع الاول کو ہوئی ہے۔ [5]

محدث کبیر امام عینی

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

ابو بکر نے لیث سے روایت کیا ہے کہ پیر کے دن یکم ربیع الاول کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور سعد بن ابراھیم الزھری نے کہا آپ ﷺ

---

[1] (تفسیر روح البیان سورۃ المائدۃ تحت آیت نمبر ۳ ج ۲ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (سیرت رسول عربی ص ۲۲۶ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

[4] (البدایۃ والنھایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[5] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

پیر کے دن دو ربیع الاول کو فوت ہوئے اور ابونعیم الفضل بن دکین نے کہا آپ ﷺ پیر کے دن یکم ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[1]

امام ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں۔

لیث سے روایت ہے کہ یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی ایک رات گزرنے پر وصال فرمایا۔[2]

امام حلبی

امام علی بن برہان الدین الحلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں۔ امام خوارزمی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا وصال شریف یکم ربیع الاول کو ہوا۔[3]

علامہ عبدالرؤف

علامہ ابوالبرکات عبدالرؤف لکھتے ہیں۔

لیکن عقبہ، لیث اور خوارزمی وغیرہ کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی اور ابومخنف اور کلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ دوسری تاریخ تھی۔[4]

امام ابن عساکر

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

حضور ﷺ یکم ربیع الاول کو پیر کے دن گیارہ ہجری کو فوت ہوئے۔[5]

محمد بن عبدالوہاب نجدی

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نجدی نے آٹھویں ربیع الاول کو یوم وفات لکھا ہے۔[6]

ان کے علاوہ وفات نبوی کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول کے بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت) میں مروی ہے وہ سنداً سخت ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس کو واقدی نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے اور اس روایت میں ابراہیم بن یزید ہے جو قابل احتجاج نہیں۔

امام شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

وقال ابو حاتم یکتب حدیثه ولا یحتج به۔[7]

یوم جمعہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہونے کے باوجود یوم عید بھی ہے

اگر بالفرض ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ وفات ثابت بھی ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس کے مختصراً دو جواب حاضر ہیں: ایک یہ کہ غم وہ منائے

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب وفاۃ النبی ج ۱۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2] (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[3] (سیرۃ الحلبیہ باب یذکر فیہ مرۃ مرضہ وما وقع فیہ وفاتہ ﷺ التی ھی مصیبۃ الاولین والاخرین من المسلمین ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعہ بیروت)

[4] (اصح السیر فی ھدی خیر البشر ﷺ حصہ اول ص ۵۳۵ مطبوعہ کلکتہ ہند)

[5] (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۸۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[6] (مختصر سیرۃ الرسول ص ۹ مطبوعہ جہلم)

[7] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۱ ص ۲۰۳ برقم ۲۴۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۴۲ برقم ۲۶۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۶ برقم ۳۲۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

جن کے مرے ہوں ہمارا نبی تو زندہ ہے۔اور کسی میت پر تین روز کے بعد غم منانا جائز ہی نہیں مختلف اسناد ومختلف الفاظ کے ساتھ حدیث مبارکہ میں ہے : کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے جو اللہ عزوجل اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہو کہ کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن ہے۔ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم کسی وفات یافتہ پر تین روز کے بعد غم نہ منائیں مگر شوہر پر (چار ماہ دس دن تک بیوی غم مناسکتی ہے)[1]

معلوم ہوا کہ تین روز کے بعد وفات کا غم منانا ممنوع ہے اور حصول نعمت کی خوشی بار بار اور ہمیشہ منانا شرعاً محبوب ہے۔

جمعہ کے دن آدم علیہ السلام کی وفات اور ولادت ہوئی

دوم جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی روز آپ علیہ السلام نے وفات پائی۔

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس روز ان کی روح قبض کی گئی اور اسی روز صور پھونکا جائے گا۔پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی روز آپ علیہ السلام نے وفات پائی۔

جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا گیا

مگر میلاد آدم (علیہ السلام) کی خوشی کو باقی رکھا گیا اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا گیا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بنایا ہے۔پس جو کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے اور اگر ہو سکے تو خوشبو لگا کر آئے۔اور تم پر مسواک کرنا

---

[1] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۱۵۲۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن النسائی کتاب الطلاق باب الاحداد ج ۶ ص ۱۹۸ رقم الحدیث ۳۵۲۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (موطاء امام مالک باب ماجاء فی الاحداد ج ۲ ص ۵۹۶ رقم الحدیث ۱۲۴۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الاثار ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۷۔۴۸۔۴۹ رقم الحدیث ۱۲۱۳۰۔۱۲۱۳۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی احداد المراۃ علی الزوج ج ۲ ص ۲۲۰ رقم الحدیث ۲۲۸۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنھا زوجھا ج ۲ ص ۲۹۰ رقم الحدیث ۲۲۹۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (المسند حمیدی ج ۱ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۲۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الترمذی ج ۳ ص ۵۰۰ رقم الحدیث ۱۱۹۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[2] (سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب الجمعۃ وفضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵ رقم الحدیث ۱۰۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب فی فضل الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۸۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الجمعۃ باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۳ ص ۹۱ رقم الحدیث ۱۳۷۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۵۱۹ رقم الحدیث ۱۶۶۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الدارمی باب فی فضل جمعۃ ج ۱ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۱۵۷۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۵۷۸۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (موارد الظمان الی زوائد ابن حبان ج ۱ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۵۵۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۵۸۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۶۹۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

لازمی ہے۔[1]

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

بے شک یوم جمعہ عید کا دن ہے۔[2]

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے :

جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو کیوں کہ یہ عید کا دن ہے۔[3]

اب دیوبندی وہابی بتائیں کہ ہر ہفتہ جمعہ کے دن تمام مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کے میلاد کی خوشی میں عید مناتے ہیں یا وفات کی خوشی میں؟

(۲۲)﴿باب نمبر بائیس صلاۃ وسلام پڑھنے اور قیام کرنے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ میلاد شریف کے بعد یا تقریر کے بعد یا جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد صلاۃ وسلام وقیام کرنا حرام اور بدعت ہے حالانکہ محفل میلاد میں ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں ہدیہ صلاۃ وسلام پیش کرنا باعث رحمت و برکت اور اجر وثواب ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶ الاحزاب﴾

”بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو“اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو کام کرنے کا حکم دیا ہے ایک نبی ﷺ پر درود پڑھنا، دوسرا اسلام بھیجنا۔غور کیجئے کہ صلوا کے بعد تصلیۃ نہیں فرمایا اور وسلموا کے بعد تسلیماً مفعول مطلق بیان فرما کر سلام پڑھنے میں تاکید فرمادی کہ سلام ضرور پڑھنا کیونکہ مفعول مطلق کی اصل غرض تاکید ہے چونکہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ سلام پڑھنے کے منکرین اور پڑھنے والوں کو روکنے والے پیدا ہونگے اس لیے اس نے ایمان والوں کو تاکیداً حکم دیا کہ ایمان والو منکر چاہے کچھ کہیں لیکن تم سلام ضرور پڑھنا اور بار بار پڑھنا بحمد اللہ تعالیٰ مؤمنین اس حکم الٰہی کی تعمیل دل وجان سے کر کے بے شمار رحمتیں و برکتیں حاصل کرتے ہیں کیونکہ صلوۃ وسلام کا فرمان ایمان والوں کے حصے میں ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنا حکم الٰہی ایک منفرد وظیفہ بے مثل عبادت، عظیم الشان دعا اور قطعی القبول عمل ہے۔یہ قرب خداوندی اور قرب مصطفیٰ ﷺ کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت اور اس کے ترجمہ میں گزر چکا ہے۔امام ابن منظور افریقی رحمہ اللہ کے مطابق لفظ صلوۃ کے کئی معانی ہیں جن میں دعا، استغفار، رحمت، برکت، اشاعت، ذکر جمیل اور نماز زیادہ معروف ہے لیکن امام الانبیاء ﷺ پر صلوۃ کے حوالے سے جب اس لفظ کا ذکر آئے تو اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنیٰ نزول رحمت ہوتا ہے۔فرشتوں کی طرف سے ہو تو دعا اور اگر اس کا تعلق بندوں کی طرف سے ہو تو اس کا معنیٰ طلب رحمت ہوتا ہے۔

وفی القاموس الصلوۃ الدعاء والرحمۃ والاستغفار وحسن الثناء من اللہ تعالیٰ علی رسولہ فماخص ان من اللہ رحمۃ وان من

---

[1] (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ باب فی الزینۃ یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۹ رقم الحدیث ۱۰۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (طبرانی الاوسط ج ۷ ص ۲۳۰ رقم الحدیث ۷۳۵۵ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (الترغیب والترھیب للمنذری ج ۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۱۰۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳ رقم الحدیث ۸۰۱۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن خذیمہ ج ۳ ص ۳۱۵ رقم الحدیث ۲۱۶۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۶۰۳ رقم الحدیث ۱۵۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۳۶۱۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۰۲ رقم الحدیث ۸۲۷۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

المؤمنين دعاءومن الملئكة استغفارفليس بتمامه لغوياقاموس قيل الصلوة من الله هى الرحمة ومن العبادالدعاء۔(جصاص)الصلوة من اللہ رحمته ورضوانه ومن الملئكة الدعاءو الاستغفار ومن الامة الدعاءو التعظيم لامره۔[1]

حضور نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے درود بھیجنے کا یہ شرف دائمی اور ابدی ہے اور کسی ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیوں کہ یہ سنت الٰہیہ ہے اور سنت الٰہیہ میں دوام ہوتا ہے اگر چہ احکام الٰہیہ میں تبدیلی آتی رہتی ہے مگر سنت الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی ۔قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحوِيلًا ﴿۴۳ فاطر﴾

''تو تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے''[2]

صلوۃ وسلام کے فضائل از احادیث مبارکہ:

وَعَن أَبي طَلْحَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ :"إِنَّهُ جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ :إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا؟"[3]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم اس حالت میں تشریف لائے کہ چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار خاص طور پر نمایاں تھے فرمایا میں اس وجہ سے مسرور ہوں کہ میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) ''کیا تم اِس بات پر راضی نہیں کہ تمہارا اُمّتی تم پر ایک بار درود بھیجے تو میں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گا اور آپ کی امت کا کوئی شخص آپ پر ایک بار سلام بھیجے تو میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا (فرمایا) میں نے کہا کیوں نہیں (میں اس پر راضی ہوں)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود اور سلام ایک ایک مرتبہ بھیجتا ہے اس پر دس مرتبہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور دس مرتبہ اس پر اللہ سلام بھیجتا ہے۔

اور کنز العمال میں انہی سے روایت ہے اس میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص آپ ﷺ پر درود پڑھے گا میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار درود پڑھیں گے اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار سلام بھیجیں گے۔[4]

معلوم ہوا کہ درود وسلام پڑھنے والوں پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ کے بے شمار فرشتے ان کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔

(۲) حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :ان النبی ﷺ قال من سلم علیّ عشرا فکانما اعتق رقبة (نبی ﷺ نے

---

[1] (قرطبی)

[2] ﴿۴۳ فاطر﴾

[3] (أخرجه النسائی فی السنن کتاب السهو ،باب الفضل فی الصلاة علی النبی ﷺ ۳/۵۰، الرقم ۱۲۹۵، وأیضاً فی السنن الکبری، ۱/۴۸۳، الرقم ۱۲۱۸ :، والدارمی فی السنن ۲/۴۰۸، الرقم: ۲۷۷۳، وأحمد بن حنبل فی المسند ۴/۳۰ والحاکم فی المستدرک ۱/۴۵۶۲، الرقم ۳۵۸۵ :، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۲/۲۵۲۲، الرقم ۸۶۹۵ :، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۵/۱۰۰، الرقم: ۴۷۲۰ تحفة الانام فی فضل الصلوۃ والسلام صفحہ ۳۶ ،مشکوۃ المصابیح ص ۸۶ ،کنز العمال ج ۱۸۱۲,)

[4] (کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۱)

فرمایا جس نے مجھے پر دس مرتبہ سلام بھیجا یہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے بردہ (غلام) آزاد کیا۔)۔[1]

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :الصلوۃ علی النبی ﷺ امحق للذنوب من الماء البارد للنار والسلام علیہ افضل من عتق الرقاب۔ یعنی حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھنا گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ ﷺ پر سلام پڑھنا بردہ آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔[2]

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[3]

یعنی اللہ کے بہت سے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ملائکہ سیاحین سلام پڑھنے والوں کی تلاش کرتے ہیں اور پھر ان کا سلام بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کرتے ہیں۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یسلم علی فی شرق و غرب الا انا و ملئکۃ ربی یرد علیہ السلام۔

حضور ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان مشرق ومغرب میں ایسا نہیں ہے جو مجھ پر سلام بھیجے مگر میں اور میرے رب کے فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔[4]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ مسلمان جو آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سلام پیش کرتا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کو جواب میں سلام سے مشرف فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک آیت اور چھ احادیث مبارکہ سے صلوۃ وسلام کا محبوب ومطلوب ہونا اور اس کے پڑھنے سے بے شمار اجر وثواب کا ملنا ثابت ہوا۔

چہ جائیکہ ایسے مبارک فعل کو بدعت وشرک کہا جائے اور مسلمانوں کو خیر کثیر سے روکا جائے، رہا تعظیماً دست بستہ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا تو یہ سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم بحکمِ رب العالمین ہم سب پر واجب ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ﴿الفتح ۹﴾ یعنی ان کی تعظیم وتوقیر کرو۔

چنانچہ حضرت علامہ سید احمد زین وحلان مکی اپنی کتاب دروسینی میں فرماتے ہیں:

(۲) ومن تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم الفرح بلیل ولادتہ وقرأۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ یعنی شب ولادت میں اظہارِ فرحت کرنا اور میلاد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔

(۳) علامہ عثمان بن حسن محدث دمیاتی اپنے رسالے ''اثبات قیام'' میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین ﷺ امر لاشک فی استحبابہ واستحسانہ وندبہ یحصل کفاعلہ من الثواب الاوفر

---

[1] (شفا شریف ج ۲ ص ۶۱)

[2] (شفاء شریف)

[3] (رواہ النسائی والدارمی)

[4] (جلاء الافہام ابن قیم ص ۳۵)

الخیر الاکبر لانه تعظیم النبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا اللہ به من ظلمات الکفر الی الایمان و خلّصنا اللہ من نار الجهل الیٰ جنات المعارف و الایقان۔ یعنی حضور ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا، ایک ایسا امر ہے جس کے مستحب و مستحسن ومندوب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور قیام کرنے والے کو ثواب کثیر اور فضل کبیر حاصل ہوگا کیونکہ یہ قیام تعظیم ہے کس کی تعظیم، اس نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں ظلمات کفر سے ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب سے ہمیں دوزخِ جہل سے بچا کر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا۔

اس کے بعد بہت سے دلائل نقل کر کے فرمایا : قد اجتمعت الامة المحمدیة من اهل السنة و الجماعة علی استحسان القیام المذکور و قد قال ﷺ لا تجتمع امتی علی الضلالة۔ یعنی بلاشبہ امت محمدیہ ﷺ کے اہل سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام مستحسن ہے اور بے شک حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

(۴) علامہ سید جعفر برزنجی اپنے رسالے عقد الجواہر میں فرماتے ہیں : قد استحسن القیام عند ذکر ولادته الشریفة ائمة ذو روایة و درایة فطوبی لمن کان تعظیمه ﷺ غایة مرامه مرماه۔

یعنی بے شک حضور ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ایسے ائمہ نے بہتر سمجھا جو صاحب روایت و درایت تھے تو شادمانی اس کے لئے جن کا انتہائی مقصود حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔

(۵) حضرت علی بن برہان الدین حلبی اپنی کتاب "انسان العیون المعروف بسیرت الحلبیه" میں فرماتے ہیں : قد وجد القیام عند ذکر اسمه ﷺ من عالم الامة و مقتدی الأمة دینا و ورعا تقی الدین السبکی رحمة اللہ تعالیٰ علیه و تابعه علی ذالک مشائخ الاسلام فی عصره۔

یعنی بلاشبہ حضور ﷺ کے اسم پاک کے ذکر کے وقت قیام کرنا امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پالیا گیا ہے جو اس مرحومہ امت کے عالم دین اور تقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے زمانے کے مشائخ اسلام نے ان کی متابعت کی ہے۔

(۶) علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی حنفی مفتی حنفیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر مولاه ﷺ استحسنه جمع من السلف فهو بدعة حسنة۔

ذکر میلاد حضور ﷺ کے وقت قیام کرنے کو جماعت سلف نے مستحسن کہا ہے تو وہ بدعت حسنہ ہے۔

(۷) علامہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی مفتی مالکیہ فرماتے ہیں :

استحسنه کثیر من العلماء و هو حسن لما یجب علینا تعظیمه ﷺ۔

اس قیام کو بہت سے علماء نے مستحسن رکھا اور وہ بہتر ہے کیونکہ ہم پر حضور ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔

(۸) علامہ مولانا محمد بن یحیٰ حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادته ﷺ اذ یحضر روحانیته ﷺ فعند ذالک یجب التعظیم و القیام۔

ہاں ذکر ولادت حضور ﷺ کے وقت قیام ضروری ہے کیونکہ روح اقدس حضور ﷺ جلوہ فرما ہوتی ہے پس اس وقت قیام وتعظیم لازم ہوا۔

(۹) امام اجل فقیہ محدث سراج العلماء مولانا عبداللہ سراج مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

تورثه الائمة الا علام و اقره الائمة و الحکام من غیر نکیر منک ورد راد ولهذا کان حسناً و من یستحق التعظیم غیره

ﷺ ویکفی اثر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ما رأہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن۔

یعنی یہ قیام بڑے بڑے اماموں میں برابر چلا آرہا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برقرار رکھا اور کسی نے رد وانکار نہ کیا لہذا مستحب ٹھہرا اور نبی ﷺ کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

اسی طرح علام مفتی عمر بنابی بکر شافعی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی مولانا محمد بن محمد عرب شافعی اور مولانا عبد الکریم بن عبدالحکیم حنفی مدنی رحمہم اللہ نے اس قیام کے مستحب و مستحسن ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔اس مضمون اور ان تمام باتوں کی نفیس تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ"اقامۃ القیامہ" مصنفہ اعلی حضرت امام اھل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاھرہ مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی۔

یہ تمام ائمہ اور اکابر علماء اور چاروں مذہب کے مفتیان کرام تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کو مستحب و مستحسن فرمارہے ہیں اور سب کے سب کہہ رہے ہیں کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے اب اگر اس قیام تعظیمی کو شرک و بدعت کہا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنا شرک و بدعت ہے تو سوائے اسکے اور کہا کہیں گے:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب ﷺ
اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

(۱۰) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کیا جائے، ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے جیسے قیام مولود شریف، اگر بوجہ آنے نام آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص تعظیما قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں، اگر اس سردار عالم وعالمیان روحی فداہ کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟[1]

نیز فرماتے ہیں: البتہ وقت قیام کے اعتقاد وتولد کانہ کرنا چاہیئے اگر احتمال تشریف آوری کیا جائے، تو مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔[2]

دیکھئے جناب حاجی صاحب فرمارہے ہیں کہ قیام مولود شریف سے روکنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے کیونکہ یہ حضور ﷺ کی تعظیم ہے اور قیام کے وقت آپ ﷺ کی تشریف آوری کا عقیدہ رکھنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ تشریف لاسکتے ہیں۔اب اگر قیام میلاد کو شرک و بدعت کہا جائے تو شرک و بدعت کو خیر کثیر ماننے والا کون ہوگا، اور اس کو پیر و مرشد ماننے والے کون ہوں گے؟

(۱۱) امت محمدیہ یہ جلیل القدر عالم امام تقی الدین سبکی جو دین اور تقوی میں ائمہ کے مقتداء میں۔چنانچہ منقول ہے کہ امام سبکی کے پاس ان کے ہم عصر علماء بکثرت جمع ہوئے ایک مداح رسول ﷺ نے سرکار کی مدح صرصری کا یہ شعر پڑھا کہ:

''اگر چاندی پر سونے کے حروف سے بہترین کاتب آقا ﷺ کی مدح لکھے تب بھی کم ہے۔بے شک عزت وشرف والے لوگ آپ ﷺ کا ذکر

---

[1] (امداد المشتاق ص ۸۸)

[2] (امداد المشتاق)

جمیل سن کر دست بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں پر دوزانو ہو جاتے ہیں۔"

یہ اشعار سن کر امام سبکی کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ تمام اہل مجلس مشائخ وعلماء بھی کھڑے ہو گئے۔اس وقت بڑا انس حاصل ہوا مجلس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور اس قسم کے واقعات مشائخ علماء کی اقتداء کے بارے میں کافی ہوتے ہیں۔ثابت ہوا کہ مسئلہ قیام میلاد میں امام مذکور اور ان کے ہم عصر مشائخ کی اقتداء کافی ہے۔بالکل یہی مضمون علامہ شیخ اسماعیل حقی نے تفسیر روح البیان شریف میں ارقام فرمایا۔

مفتی اعظم حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جاء الحق" میں فرمایا ہے:

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔قیام جائز قیام فرض قیام سنت قیام مستحب۔قیام مکروہ قیام حرام۔ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں۔جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے؟

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانتَشِرُوا فِی الْاَرْضِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔(الجمعہ ۱۰)

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے۔وَقُومُوا لِلّٰہِ قٰنِتِینَ ﴿البقرۃ ۲۳۸﴾

اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آپ زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ کانہ نائم فی لحد عالم بہ یسمع کلامہ۔

ترجمہ: روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔[1]

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

یخلع نعلیہ ثم یقف مستدبر القبلۃ مستقبلا لوجہ المیت۔

ترجمہ: اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

روضہ پاک آب زمزم وضو کا پانی قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھنا رہنا بے ادبی ہے۔مشکوۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم

---

[1] (فتاوی عالمگیری کتاب المناسک باب نذر بالحج خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی اج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دیا۔قوموا الی سیدکم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔[1]

یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہوجاؤ۔نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ان سے تعظیم کرائی گئی۔جن لوگوں نے الیٰ سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا۔وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہے۔اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام و امر تعظیم او ارادہ دریں ہا آں باشد کہ او را برائے حکم کردن طلبیدہ بودند پس اعلان شان او دریں مقام اولیٰ اونسب باشد۔

ترجمہ :اس موقعہ پر سعد کی تعظیم وتکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا۔اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔[2]

فاذا قام قمنا قیاماً حتی فرءیناہ قد دخل بیوت بعض ازواجہ۔

مشکوۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی پاک رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوگئے۔[3]

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قوموا الی سیدکم ہے۔

اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف ونووی گفتہ کہ ایں قیام مر اہل فضل را وقت قدوم آوردن نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجہت تعظیم۔[4]

اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحتہ کوئی حدیث نہیں آئی۔قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوجانا مکروہ نہیں۔عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تجوز الخدمۃ بغیر اللہ تعالی بالقیام و اخذ الیدین و الانحناء۔

ترجمہ :غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہوکر مصافحہ کرکے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔[5]

اس جگہ جھکنے سے مراد حد رکوع سے کم جھکنا ہے۔تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کرچکے۔درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیتہ

---

[1] (صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ج ۴ ص ۱۵۱۱ رقم الحدیث ۳۸۹۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)،(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز قتال من نقض العہد ج ۳ ص ۱۳۸۸ رقم الحدیث ۱۷۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(سنن ابوداؤد کتاب الادب ماجاء فی القیام ج ۴ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۵۲۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[3] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثالث ص ۴۰۳۔۴۰۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[5] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقاۃ الملوک التواضع لھم الباب الثامن والعشرون ج ۵ ص ۴۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

یجوز بل یندب القیام تعظیماً للقادم یجوز القیام ولو للقاری بین یدی العالم۔

ترجمہ : آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

و قیام قاری القران لمن یجئی تعظیماً لا یکرہ اذ کان ممن یستحق التعظیم۔

ترجمہ : قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔[2]

شامی جلد اول باب الامات میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔[3]

لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔[4]

ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فقام طلحۃ ابن عبید اللہ یھرول حتی صافحنی و ھناءنی۔

ترجمہ : پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔[5]

اس جگہ نووی میں ہے۔

فیہ استحباب مصافحتہ القادم و القیام لہ اکراما و الھرولۃ الی لقاءہ۔[6]

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفی علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فقام الیہ رسول اللہ ﷺ عریانا فاعتنقہ و قبلہ۔

ترجمہ : ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگالیا اور بوسہ دیا۔[7]

---

[1] (رد المحتار علی در المختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (رد المحتار علی در المختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (رد المحتار علی در المختار باب الامامۃ ج ۱ ص ۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۱۷۸۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

[5] (صحیح مسلم کتاب التوبۃ حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[6] (شرح صحیح مسلم للنووی کتاب التوبۃ حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[7] (سنن الترمذی کتاب الاستئذان والآداب باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ ج ۴ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۷۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۹۲ رقم الحدیث ۶۷۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲ مطبوعہ)

مشکوۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔

قام الیھا فاخذ بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ۔

ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھا لیتیں۔[1]

مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل دوم میں ہے۔

فیہ ایماء الی ندب القیام لتعظیم الفضلاء و الکبراء۔[2]

معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے۔ مشکوۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک خوشخبری سنائی۔

فقمت الیہ و قلت بابی انت و امی انت احق بھا۔

ترجمہ: تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔[3]

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت ۲۹ محمد رسول اللہ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فعند ذلک قام الامام السبکی و جمیع من فی المجلس فحصل انس عظیم بذلک المجلس۔

ترجمہ: تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔[4]

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا۔[5]

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اذا دخل ذمی علی مسلم فقام لہ طمعا فی اسلامہ فلا باس۔

ترجمہ: کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔[6]

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیادار کی تعظیم کے لئے کھڑا

---

[1] (سنن الترمذی کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ ج ۶ ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الادب باب ماجاء فی القیام ج ۴ ص ۵۵۳ رقم الحدیث ۵۲۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۹۶ رقم الحدیث ۸۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۰۳ رقم الحدیث ۹۹۵۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۴۷۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[3] (مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الثالث ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[5] (کتب تواریخ)

[6] (فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ والاحکام التی تعود الیھم ج ۵ ص ۴۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے۔ تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسکی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وان قام لہ من غیر ان ینوی شیئا مما ذکرنا او قام طمعاً لغناہ کرہ لہ ذلک۔

ترجمہ : اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مالداری کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔[1]

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے۔ اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے ان شاء اللہ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سنت سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ﷺ ان کے ذکر ولادت کے موقع پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ولادت کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ لان التعامل یترک بہ القیاس لحدیث ما راہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن یعنی دیگچی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وجاز اجارۃ الحمام لانہ علیہ السلام دخل حمام الجحفۃ وللعرف وقال النبی علیہ السلام ما راہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ : حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔[2]

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوگا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

---

[1] (فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ والاحکام التی تعود الیھم ج ۵ ص ۴۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (رد المحتار علی در المختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۵ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

لان الناس فی سائر الامصار یدفعون اجرت الحمام فدل اجماعھم علی جواز ذلک و ان کان القیاس یاباہ۔

ترجمہ : کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگر چہ یہ خلاف قیاس ہے۔[1]

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے۔کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔لہذا یہ جائز ہے۔قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔لہذا مستحب ہے۔ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعَزِّرُوہُ وَتُوَقِّرُوہُ ﴿الفتح ۹﴾

ترجمہ :اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ ورکوع۔اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔دیکھو **کُلُوا وَاشْرَبُوا ﴿البقرۃ ۱۸۷﴾** میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔تو بریانی،زردہ،قورما،سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو۔ایسے ہی توقروہ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔

ترجمہ :اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔[2]

روح البیان نے زیر آیت **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴿المائدۃ ۲﴾** لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا و مروہ کعبہ معظمہ ماہ رمضان شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اس کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے۔تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

منکرین قیام میلاد شریف پر یہ اعتراضات کرتے ہیں:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعتراضات اور ان کے جوابات ذکر فرماتے ہیں:

اعتراض (۱).....:۔چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔اپنی ایجادات کو اس میں داخل نہ کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب:۔بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہیے جو

---

[1] (رد المحتار علی در المختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۵ ص ۳۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۳۲)

سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ان کے لئے جلوس نکالنا جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔کرسیاں لگانا۔وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔نہیں پیش کر سکتے۔تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔بلکہ رکوع وسجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ہر ملکے ہر رسمے۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ واشعۃ اللمعات کے مقدمہ دراحوال محدثین ص ۱۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔خوشبو لگاتے اور ہیبت ووقار سے بیٹھتے تھے۔کہیئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔تفسیر روح البیان زیر آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم[1] ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام محمد تھا۔سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض (۲).....:۔ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔اور میلاد شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب:۔ یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔اگر کس کو اللہ توفیق دے اور ہر وقت کھڑے ہو۔یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پڑھ لو تا کہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔تا کہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کھیعص اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر دے ''کاف'' پر ''ہ'' پر ''ی'' پر وغیرہ۔پھر مسق پڑھے ہر ایک پر ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں۔حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔نیز طواف خانہ کعبہ

---

[1] (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۴۰)

میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں۔اور رمل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟اس قسم کے صدہا سوالات کئے جاسکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔بعض کو تعلیقاً۔سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہوسکتی ہے۔

اعتراض (۳)..... :لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب:۔یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔اور نہ تقریروں میں کہا۔عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کارثواب ہے۔پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں!اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہوجاوے۔نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔نہ کہ یہ درود نماز ہی منع ہوجاوے اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے(ہفت مسئلہ)میں خوب کی ہے رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔یہ بالکل درست ہے۔

مشکوۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔

احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل۔

ترجمہ :اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔اگرچہ تھوڑا ہو۔[۱]

ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔خوشبو لگاتے ہیں۔مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ہر سال امتحان لیتے ہیں۔مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی و جوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لاالہ الااللہ کہہ لیا جنتی ہوگیا۔[۲]

کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں۔اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں۔لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کہیے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔مگر ہیں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے۔[۳]

یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حب الختنین تفضیل الشیخین و المسح علی الخفین دو دامادوں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا۔شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر

---

[۱] (مشکوۃ المصابیح باب القصد فی العمل الفصل الاول ص ۱۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[۲] (مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[۳] (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ)(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب ذکر الخوارج وصفاتھم ج ۲ ص ۷۴۵ رقم الحدیث ۱۰۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(مسند احمد ج ۳ ص ۵ رقم الحدیث ۱۱۰۳۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)،(السنۃ لابن عبداللہ بن احمد وقال اسنادہ صحیح ج ۲ ص ۶۲۲ رقم الحدیث ۱۴۸۲ مطبوعہ دار ابن القیم الدمام)

آیت وان ھذا صراطی مستقیما ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے۔

تفضیل الشیخین توقیر الختنین تعظیم القبلتین الصلوۃ علی الجنازتین الصلوۃ خلف الامامین ترک الخروج علی الامامین المسح علی الخفین والقول بالتقدیرین والامساک عن الشھادتین واداء الفریضتین۔[1]

مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔

سئل انس ابن مالک عن علامۃ اھل السنۃ والجماعۃ فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن الختنین وتمسح علی الخفین۔

درمختار باب المیاہ میں ہے۔

والتوضو من الحوض افضل رغما للمعتزلۃ۔

ترجمہ: حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے۔[2]

اسی جگہ شامی میں ہے

لان المعتزلۃ لایحبیزونہ من الحیاض فنرغمھم بالوضوء منھا۔

ترجمہ: یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔لہذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔[3]

دیکھو حوض سے وضو کرنا۔چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا ان کو سنی کی پہچان قرار دیا۔اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔من تشبہ بقوم فھو منھم لہذا اس سے بچنا چاہیئے۔نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔اسی طرح محفل میلاد وقیام وغیرہ ہے۔فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ:۔یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس ومیلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونیکی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث وقرآن میں یہ علامت نہیں ہیں سب کے لئے یہ ہی جواب دیا جاوے۔بہت مفید ہوگا۔ان شاء اللہ۔

اعتراض (۴).....:۔کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوۃ باب القیام میں ہے۔**وکانوا اذا رأوا لم یقوموا لما یعلمون من کراھیۃ لذلک** صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے۔[4]

مشکوۃ اسی باب میں ہے۔

من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار۔

---

[1] (التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

[2] (ردالمحتار علی درالمختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (ردالمحتار علی درالمختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ : جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔[1]

مشکوۃ باب القیام میں ہے۔

لاتقوموا کماتقوم الاعاجم۔

ترجمہ : عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔[2]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں پھر تعظیمی قیام کیونکہ جائز ہوسکتا ہے؟

جواب: ۔ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

وحاصل آنکہ قیام وترک قیام بحسب زمان واحوال واشخاص مختلف گردد وازیں جا است کہ گاہے نہ کردند۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبھی تو حضور کے لئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی۔ دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دارد قیام برائے دے کہ مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد وایستادہ باشد پیش دے دور قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائے ایشاں وعید دارد شد ومکروہ است۔

خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو۔ اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیاداروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث قوموا الی سیدکم میں ہے۔

قال النووی فیہ اکرام اھل الفضل وتلقیھم والقیام الیھم واحتج بہ الجمھور وقال القاضی عیاض لیس ھذا من القیام المنھی عنہ وانما ذلک فیمن یقومون علیہ وھو جالس ویمثلون لہ قیاماً طول جلوسہ۔

ترجمہ : نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا۔ ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔[3]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (حاشیہ مشکوۃ المصابیح کتاب الجہاد باب حکم الاسرا ص ۳۴۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۲۳)﴿باب نمبر تئیس فجر کی جماعت کے وقت فجر کی سنتیں ادا کرنے کا بیان﴾

بعض غیر مقلد فجر کی دو رکعت سنت اس صورت میں چھوڑ دیتے ہیں جبکہ فجر کی فرض جماعت شروع ہو چکی ہو، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ ہے۔

جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہیئے جب تک کہ یہ گمان ہو کہ سنت پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ ضرور پا جاؤں گا۔ کیونکہ ایک رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے لہذا جب تک جماعت مل جانے کی امید ہو تو سنتِ فجر پڑھے، لیکن اگر ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے۔

سنتِ فجر کا استثنیٰ اس لئے ہے کہ نہ تو کسی اور سنت کی اتنی تاکید آئی اور نہ ہی اتنی فضیلت آئی ہے جتنی فجر کی دو رکعات سنت کی آئی ہے۔ یہ اگرچہ سنتِ مؤکدہ ہیں، لیکن احادیث مبارکہ میں ان کی بہت اہمیت وارد ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ لم یکن علی شئ من النوافل أشد معاهدة منه علی رکعتین قبل الصبح۔[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ قال رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها وفی روایة عنها لهما احب الی من الدنیا جمیعا۔[2]

ترجمہ: امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا صبح کی دو رکعات سنت دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ دو رکعات مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدعوهما وان طردتکم الخیل۔[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعات سنت کو نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

وضاحت: اگر صبح کی جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور فجر کی سنتیں بھی ادا کرنی ہوں تو دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جماعت کی صفوں سے ہٹ کر سنتیں ادا کر کے جماعت میں شرکت کی جائے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ سنتیں پڑھنے سے جماعت فوت ہو جائے گی تو پھر جماعت میں شامل ہو جائے اور سنتیں سورج نکلنے کے بعد ادا کرے۔ اس تفصیل کے لئے ذیل کی آثار صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ملاحظہ ہوں۔

انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاة الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے جب کہ لوگ صبح کی نماز کی صف بندی کر چکے ہوتے، تو آپ مسجد کے ایک کونے میں سنتیں پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[4]

---

[1] (بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

[2] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

[3] (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۶)

[4] (طحاوی ج ۱ ص ۱۲۵۶ اسناد حسن)

عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال جاءنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ والامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی سارية ولم یکن صلی رکعتی الفجر۔[1]

حضرت عبد اللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے جب کہ امام صاحب صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صبح کی سنتیں رہتی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ستون کے پاس ان کو ادا کیا۔ اس کے راوی ثقہ، لائق الاعتماد ہیں۔

عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبد اللہ بن عباس والامام فی صلوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلی عبد اللہ بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوعثمان انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لئے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعات (سنت) نہیں پڑھی تھیں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعات سنت امام کے پیچھے ادا کی اس کے بعد لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابیہ حین دعاھم سعید ابن العاص دعا ابا موسی وحذیفة وعبداللہ ابن مسعود قبل ان یصلی الغداۃ ثم خرجوا من عندہ وقد اقیمت الصلوۃ فجلس عبداللہ الی اسطوانة من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلوۃ۔

ترجمہ: وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔[3]

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فقیہہ صحابی ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۶۷۷، قال الحدیث الہیثمی فی مجمع الزوائد رجالہ موثقون)

[2] (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

[3] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور نمازی نے۔معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

(۲)اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی۔

قال دخلت المسجد فی صلوۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس و الامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف و اما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانه حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین۔

ترجمہ :وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں گیا۔حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے۔لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نفل پڑھیں۔[۱]

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳)اس طحاوی نے حضرات ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

قال جاء عبداللہ ابن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی ابن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معهم۔

ترجمہ : کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔[۲]

(۴)طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال خرج ابن عمر من بیته فاقیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد و هو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس۔

ترجمہ :فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔[۳]

(۵)طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد و الناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ۔

ترجمہ : کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو

---

[۱] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۲] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۳] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[1]

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابوعثمان مہدی سے روایت کی۔

قال کنا ناتی عمر ابن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوۃ فنصلی رکعتین فی اخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ : فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔[2]

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ : کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔[3]

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

یقول ایقظت ابن عمر لصلوۃ الفجر وقد اقیمت الصلوۃ فقام فصلی الرکعتین۔

ترجمہ : فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔[4]

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

کان مسروق یجئی الی القوم وھم فی الصلوۃ ولم یکن رکع رکعتی الفجر فیصلی الرکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ : حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔[5]

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ دخل المسجد والامام فی الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر۔

ترجمہ : کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔[6]

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[6] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عقل کا تقاضا: ۔بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابو داؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۱ تا ۱۵) لم یکن النبی اعلی شیئی من النوافل اشد تعاھداً منہ علی رکعتی الفجر۔

ترجمہ: حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔[۱]

احمد، طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ الا تدعوا رکعتی الفجر وان طردتکم الخیل۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔[۲]

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں سورج نکلنے کے بعد قضاء کر سکتے ہیں اگر چاہے۔ تو سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے تو واجب کا تارک ہوا اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے تو اتنی اہم سنت موکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے۔ پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں جمع کرنا بہتر ہے ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل ہونا معلوم نہ ہو مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں موکدہ ہیں مگر بعد فرض پڑھی جا سکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء موکدہ نہیں غیر موکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکے سنت فجر موکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر: ۱۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی اقال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

ترجمہ: آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔[۳]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیے۔

---

[۱] (صحیح مسلم باب استحباب رکعتی ج ۱ ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[۲] (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰ رقم الحدیث ۱۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[۳] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۷۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جواب:۔اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جارہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دو گے۔وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔لہذا ان کا عمل وقول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے تا کہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر۔

ترجمہ: جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔بجز سنت فجر کے۔[1]

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔سنت فجر نفل نہیں۔بلکہ موکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر:۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی۔

قال اقیمت صلوۃ الفجر فاتی رسول اللہ ﷺ علی رجل یصلی رکعتی الفجر فقام علیہ ولاث بہ الناس فقال اتصلیھا اربعاً ثلث مرات۔

ترجمہ: کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔[2]

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

---

[1] (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۳ رقم الحدیث ۴۳۲۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جواب:۔ یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عن محمد ابن عبدالرحمن ان رسول اللہ امر بعبد اللہ ابن مالک ابن بحینة وھو منتصب ثمہ بین یدی نداء الصبح فقال لا تجعلوا ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا و اجعلوا بینھما فصلاً۔

ترجمہ : محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔[1]

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہً جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر: ۳۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے آج سائنس کا زور ہے ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آجاوے بہرحال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر: ۴۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب:۔ یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہوگا۔ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے۔سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دورہ کرادا کرلی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

(۲۴)﴿باب نمبر چوبیس مستحبات پر دوام کرنے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ مستحبات پر دوام کرنا بدعت اور ناجائز ہے، حالانکہ کسی مستحب کام پر مواظبت (ہمیشگی) کرنا درست ہے۔اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو واجب سمجھ کر نہ کرے۔اور یہ اندیشہ بھی نہ ہو کہ لوگ اسے واجب سمجھ لیں گے۔جیسا کہ مردے کو سفید رنگ کا کپڑا پہنانا مستحب ہے۔شامی میں ہے :ویستحب البیاض (اور سفید کفن مستحب ہے)۔[۱]

مگر فی زمانہ کفن میں سفید رنگ پر مواظبت ہے۔ہر مسلمان کو سفید رنگ کا کفن ہی دیا جاتا ہے۔اور کوئی اسے بدعت یا ناجائز اور غلط نہیں کہتا۔

اسی طرح فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے جیسا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کے وقت یہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اجْعَلْهُ فِيْ اَذَانِک (ان الفاظ کو اپنی اذان کا حصہ بنالو)۔

اس کے تحت بحر الرائق میں ہے"وھو للندب"یعنی اور یہ فرمانا استحباب کے لئے ہے۔[۲]

اور بہار شریعت میں ہے"صبح کی اذان میں فلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔[۳]

مگر آج کوئی اذان فجر اس سے خالی نہیں ہوتی اور سب اسے صحیح و درست سمجھتے ہیں۔جب ان مستحب اعمال پر ہمیشگی منع نہیں ہے تو پھر سبز عمامے پر بھی منع نہیں۔

قیام اللیل یعنی رات کے نوافل مستحب ہیں مگر پابندی کرنے والے کو ترک کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال لی رسول اللہ ﷺ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل۔

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا :اے عبداللہ! تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات میں اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔[۴]

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ تعالی ادومھا، وان قَلَّ (یعنی اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو)۔[۵]

اس حدیث پاک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے ان کے بارے میں ماقبل راوی کہتے ہیں:وکانت عائشۃ اذا عملت العمل لزمتہ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی عمل کو اپناتیں تو اس کو اپنے اوپر لازم کرلیتیں یعنی پابندی کے ساتھ کرتیں۔[۶]

---

[۱] (شامی ج ۳ ص ۱۰۰)

[۲] (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[۳] (بہار شریعت ج ۱ حصہ ۳ صفحہ ۴۷۰)

[۴] (صحیح البخاری، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ، ج ۲ ص ۵۴، دار طوق النجاۃ)

[۵] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[۶] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۲۵)﴿باب نمبر پچیس قبرستان پر اسکول ومسجد وغیرہ بنانے کا بیان﴾

بعض علماء وعوام قبرستان کو مسمار کرتے ہیں اور اس کی جگہ مسجد، اسکول، منڈی وغیرہ تعمیر کرتے ہیں یا کھیتی باڑی کرتے ہیں، حالانکہ قبروں کو ویران کرنا اور اس کی جگہ گھر، دکان، منڈی، مسجد، یا کچرادان وغیرہ بنانا یا کھیتی باڑی کرنا حرام ہے، جس کی صراحت ہمارے مذہب کی کتابوں میں باقاعدہ موجود ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱)قاضی خان جلد ۴ ص ۳۰۹، جامع الفوائد ص ۱۴۸، ظهيريه و كنز العباد و خزانة المفتيين، واسعاف ثم اهلاک ص ۲۹ میں ہے:

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها اثار المقبرة هل يباح لاهل المحلة الانتفاع بها قال ابو نصر رحمه الله تعالى لا يباح۔[1]

ترجمہ: ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں، ابونصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔

(۲)عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۳، محیط وغیرہ میں ہے:

سئل القاضي الامام شمس الائمة محمود الاوزجندي عن المقبرة اذا اندرست و لم يبق فيها اثر الموتى لا العظم و لا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها قال لا و لها حكم المقبرة۔ كذا في المحيط۔

ترجمہ: قاضی شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقام قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے، فرمایا: نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔[2]

(۳)خزانة الرواية و مفيد المستفيد ثم اهلاک ص ۹ میں ہے:

اذا صار الميّت ترابا في القبر يكره دفن غيره في قبره لان الحرمة باقية و ان جمعوا عظامه في ناحية ثم دفن غيره فيه تبركا بالجيران الصالحين و يوجد موضع فارغ يكره ذلک۔

ترجمہ: یعنی اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کر دیں تو اب بھی ممنوع ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔[3]

(۴)خزانة الرواية اهلاک ص ۹ میں ہے:

لا يجوز لاحد ان يبني فوق القبور بيتا او مسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلا يجوز لاحد التصرف في هواء قبره۔ (رحمانيه)

ترجمہ: قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میّت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روا نہ ہوگا۔

(۵)البخاری حاشیہ جنائز میں ہے:

---

[1] (فتاوی قاضی خاں، فصل فی المقابر والرباطات، ۴/ ۷۲۵)

[2] (فتاوی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۲/ ۴۷۱۔۴۷۰)

[3] (فتاوی تاتارخانیۃ، الجنائز، القبر والدفن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲/ ۱۷۲)

باب بناء المسجدعلی القبور (الی قولہ) فقال اولئک اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا الخ ۔وموضع الترجمۃقولہ بنوا علی قبرہ مسجدا الخ وھو مؤول علی مذمۃمن اتخذ القبر مسجدا و مقتضاہ التحریم لا سیما و قد ثبت اللعن علیہ آہ۔

ترجمہ: مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مقبروں کی جگہ مسجد بناتے ہیں اور اس پر لعن بھی ثابت ہے اور حدیث سے قبروں کی جگہ مسجدیں بنانے کی حرمت ثابت ہے یعنی یہ حرام ہے کہ قبروں کی جگہ مسجدیں بنادی جائیں۔

(۶) حدیقۃ الندیۃ و اشعۃ اللمعات ثم اھلاک ص ۹ :

ان الارواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ و الاستھانۃ فتاذی بذلک۔

ترجمہ : روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا (کمی کی) لہذا ایذا پاتی ہیں۔[۱]

(۷) شامی ج ۱ ص ۹۰۹ میں ہے:

و قال فی الامداد و یخالف الزیلعی ما فی التاتارخانیہ اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ تحریما دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ آہ۔[۲]

ترجمہ : اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے۔

(۸) و یکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ الخ

قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔[۳]

(۹) علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں :

لان المیّت یتأذی بما یتاذی بہ الحیّ۔

ترجمہ: اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔[۴]

(۱۰) بلکہ دیلمی نے امّ المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کلیے کی صریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔

ترجمہ : میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔[۵]

(۱۱) ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :

اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔

ترجمہ: مسلمان کو بعد موت تکلیف دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔[۶]

---

[۱] (نوادر الاصول الاصل التاسع والمائتان دار صادر بیروت ص ۲۴۴)

[۲] (فتاوٰی تاتارخانیۃ، الجنائز، القبر والدفن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲/ ۱۷۲)

[۳] (فتاوٰی ہندیۃ، الفصل السادس فی القبر والدفن، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۶)

[۴] (رد المحتار، فصل الاستنجاء، ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر، ۱/ ۲۲۹)

[۵] (الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۷۵۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۹۹)

[۶] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنانا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے۔ جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

قبروں پر بیٹھنا حرام ہے

جب قبر پر گھر، مسجد، دکان وغیرہ بنایا جائے گا تو اٹھنا بیٹھنا بھی ہوگا حالانکہ احادیث کریمہ میں قبر پر اٹھنے بیٹھنے کو حرام کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں احادیث کریمہ:

(۱) مشکوۃ ص ۱۴۱ :قال رسول اللہ ﷺ لاتجلسوا علی القبور رواہ مسلم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھا کرو۔

(۲) نسائی ج ۱ ص ۲۲۳ :عن جابر قال نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن ان یجلس علی القبور۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے قبروں پر بیٹھنے سے۔

(۳) مشکوۃ ص ۱۴۰ و ابو داؤد ص ۱۰۴ :سمع جابر ایقول سمعت رسول اللہ ﷺ نھی أن یقعد علی القبر۔

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) تاجدارِ ختمِ نبوت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ: بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)[1]

(۵) اخرج الطحاوی فی معانی الاثار و الطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن و الحاکم و ابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ علیہ رانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر و لایؤذیک و لفظ الامام الحنفی فلایؤذیک۔

ترجمہ : طحطاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابن مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا : اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلایؤذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[2]

(۶) وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وإبن مَنْدَه عَن عمَارَة بن حزم قَالَ رَآنِي رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَالِسا على قبر فَقَالَ يَا صَاحب الْقَبْر إنزل من على الْقَبْر لَا تؤْذي صَاحب الْقَبْر وَلَا يُؤْذِيك۔[3]

ترجمہ : طحطاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابن مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الجنائز فصل فی النہی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲)

[2] (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶) (شرح معانی الآثار، باب الجلوس علی القبور، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۳۴۶)

[3] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۲۹۲، دار المعرفۃ۔ لبنان)

اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا :اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلایؤذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[1]

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا : عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہٖ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا :لاتؤذِ صاحب القبر، کما فی المشکوٰۃ قلت وھذا الحدیث لایلائمہ تاویل الامام ابی جعفر والنھی عن شیئ لاینا فی النھی عن اعم منہ فافھم۔ صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابوجعفر کی تاویل مناسب نہیں رکھتی ہے اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عالم کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے۔[2]

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں : شاید کہ مراد آنست کہ روحِ وے ناخوش می دارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے، بہت تضمن وے اہانت و استخفاف را بوے اھ۔ شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگائے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔ اھ[3]

(۷) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا : ہائے کم بختی تیری اے طائفی جُوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔ اخرج الائمۃ ابو داؤد النسائی والطحطاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ واللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی رجلاً یمشی بین القبور فی نعلین، فقال ویحک یا صاحب السبتیتین القِ سبتیتیک اھ۔ السِّبتتہ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لاشعر فیھا۔ قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیر مدبوغۃ وکانت المدبغۃ تعمل بالطائف وغیرہ۔ الخ۔

ابو داؤد، نسائی اور طحطاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا : خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے اپنی جوتیاں اتار دے، سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں، قاضی عیاض نے فرمایا : عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے الخ۔[4]

(۸) فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں : چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے۔

حیث قال فی مراقی الفلاح اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفتی النعال انتھی اھ۔ اقول ووجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی۔ اس لیے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ مُردے جوتیوں کی پہچل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اھ۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔[5]

(۹) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں : لان یجلس احدکم علٰی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الٰی جلدہ خیر لہ من ان

---

[1] (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶) (شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۶)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیّت فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹)

[3] (اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹)

[4] (شرح معانی الاثار باب المشی بین القبور بالنعال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۲) (تاریخ سبتہ للقاضی عیاض)

[5] (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲)

یجلس علٰی قبر۔ رواہ مسلم و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجۃ عن سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[1]

(۱۰) علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مُردہ و زندہ برابر ہے۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: الاتفاق علٰی انّ حُرمۃ المسلم میّتا کحرمتہ حیّا۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت و حرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔[2]

(۱۱) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کسر عظم المیّت و اذاہ ککسرہ حیّا۔ رواہ الامام احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشہ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔ مُردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا، اسے امامِ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔[3]

(۱۲) یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔ مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔[4]

(۱۳) علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں: افادان حرمۃ المؤمنین بعد موتہ فاقیۃ۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔[5]

(۱۴) سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ رواہ ابی بکر بن ابی شیبہ، مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ اسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔[6]

(۱۵) علماء فرماتے ہیں: المیّت یتاذی بما یتاذی بہ الحی۔ کذا فی ردالمحتار و غیرہ من معتمدات الاسفار۔ جس بات سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔[7]

(۱۶) علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اشعۃ اللمعات میں امام علامہ ابو یوسف بن عبد البر سے نقل فرماتے ہیں: ازیں جا مستفاد میگردد کہ میّت متألم میگردد بجمیع انچہ متألم میگردد بدان حی ولازم انیست کہ متلذذ گردد تمام انچہ متلذذ میشود بدان زندہ۔ انتہی۔ اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے، اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان سب سے میّت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے انتہی۔[8]

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے، فی الشامیہ عن الطحطاویۃ

---

[1] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴)

[2] (فتح القدیم فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲)

[3] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲)

[4] (الفردوس بماٰثور الخطاب حدیث ۷۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۹)

[5] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۶۲۳۱ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۵۵۱)

[6] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ فصل ۱۰ اذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

[7] (ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹)

[8] (اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۶)

آخر کتاب الطھارۃ نصوا علٰی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام۔ آخرکتاب الطہارۃ شامی میں طحطاوی سے ہے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔[1]

خلاصہ: ان مذکورہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ قبروں کو ویران کرکے ان کی جگہ مسجد بنانا یا دکان یا گھر یا اور کوئی چیز بنانا بالکل ناجائز ہے اور اس طرح قبر کے اوپر بیٹھنا یا چلنا یا تکیہ لگانا یا پیشاب وغیرہ کرنا بالکل ناجائز ہے اور جس طرح زندگی میں اس کا ادب کرنا ضروری تھا اس مرنے کے بعد بھی ضروری ہے اور جس طرح زندگی میں وہ اذیت محسوس کرتا تھا اس طرح مرنے کے بعد بھی محسوس کرتا ہے اور قبر کا پورا حصہ میت کا حق ہوتا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے حق اور مال میں تصرف کسی طرح جائز نہیں ہوتا اسی طرح میت کی قبر کے کسی بھی حصے میں تصرف کرنا یا اس کا حق غصب کرنا یا اس کی تذلیل کرنا حرام اور ناجائز ہوگا تو قبر کو ویران کرنا یہ میت کا حق غصب کرنا بھی ہے اور یہ اس کی تذلیل بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس وجہ سے یہ کئی وجوہات کی وجہ سے حرام و ناجائز ہے۔ اس عمل قبیح کا مرتکب ہو کر لاتعداد حرام کاموں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ یہ غاصب وظالم ہے۔ اس کو شیطان نے دھوکا دیا ہے اور شیطان نے یہ کہا کہ مسجد بنانا نیک کام ہے لہذا یہ کرلو حالانکہ یہ بے وقوف شریعت سے بے خبر، اسلام کی تعلیمات سے بے خبر اور نیکی اور بدی سے جاہل، اپنی تاریک عاقبت سے بے علم، خود بھی ہلاک و برباد ہو رہا ہے اور دوسروں کو بھی قبیح عمل میں شریک کرکے تباہ کر رہا ہے بروز قیامت ایسے لوگوں کی تباہی سب پر عیاں وظاہر ہو جائے گی جو اس قدر ظلم انسانوں اور مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی توفیق دے اور علم وعقل عطا فرمائے تاکہ خود بھی ہلاکت سے محفوظ ہو جائے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں نہ ڈالے۔ ہمارا فرض تھا ہم نے حق واضح کر دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس حق کو قبول کرکے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

اگر کسی کو زیادہ تحقیق چاہیئے ہو تو ہمارا رسالہ "اھلاک النجدیین' علی توھین قبور المسلمین" کا مطالعہ کیجئے اس طرح شیخ العرب والعجم امام المحدثین، شاہ احمد رضا خاں افغانی ثم بریلوی نے "اھلاک الوھابیین" فتاویٰ رضویہ ج ۹ کا مطالعہ کیجئے اس طرح جامع المعقول والمنقول استاذ کل پیر طریقت رہبر شریعت مجاہد اعظم حضرت علامہ ابوالفضل محمد فضل سبحان صاحب مدظلہ العالی "القول المبرور فی صیانۃ القبور" مطالعہ کیجئے۔

(۲۶) ﴿باب نمبر چھبیس ارواح اموات گھروں میں آنے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ جب انسان مرگیا تو وہ ختم ہوگیا اور اس کی روح اپنے گھر میں نہیں آسکتی حالانکہ خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں: مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میّت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میّت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ بہ میّت را مگر صدقہ و دعا، و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میّت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ واللہ تعالیٰ اعلم میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میّت کی طرف سے صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں، اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصاً پانی صدقہ کرنے کے بارے میں اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] (رد المحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۹)

شیخ الاسلام کشف الغطاء عمالزم للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں : درغرائب وخزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ ہائے خود راہر شب جمعہ روز عید وروز عاشورہ وشب برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندامی کند ہر یکے بآواز بلند اندوہ گین اے اہل واولادمن ونزدیکانِ من مہربانی کنید برمابصدقہ غرائب اورخزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ، روز عید، روز عاشورہ اورشب برات کو اپنے گھر آ کر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو۔[۲]

اسی میں ہے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درشرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔شرح الصدور میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان میں سے اکثر اوقات کے بارے میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔[۳]

اکثرے کالفظ صریح دلالت کررہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں،۔توصاحب مائۃ مسائل کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ این روایات راتضعیف ہم فرمودہ اند۔کذب وافترا ہے یا جہل واجترا۔اوراستناد کا صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اورصحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا۔جہل شدیدوسفہ بعید ہے، حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے، ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنٰی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں، اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن (ظاہر ودلائل سے ثابت۔) ہے۔ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان ہیں۔)

(مائۃ مسائل)

طرفہ (تعجب۔) یہ کہ خود صاحبِ مائۃ مسائل نے اس کتاب اوراربعین میں اور بزرگانِ خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں وہ وہ روایات غیر صحاح وروایات طبقہ رابعہ اوران سے بھی نازل تر (کم مرتبہ۔ت) سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کتب کے ادنٰی مطالعہ سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون (لیکن نجدیہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔)

امام اجل عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنھم سے موقوفاً اورامام احمد مسند اورطبرانی معجم کبیر اورحاکم صحیح مستدرک اورابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی۔

وھذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیھا۔

(اور یہ ابن مبارک کے الفاظ ہیں) بیشک دنیا کافر کی بہشت اورمسلمان کا قیدخانہ ہے، جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے

---

[۱] (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶ و ۷۱۷)

[۲] (کشف الغطاء عمالزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعاوصدقہ ص ۶۶)

[۳] (کشف الغطاء عمالزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعاوصدقہ ص ۶۶)

کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کر دیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔[1]

ابو بکر کی روایت یوں ہے :فاذا مات المؤمنین یخلی بہ یسرح حیث شاء۔ جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔[2]

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا :نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت۔ ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔[3]

ابن المبارک کتاب الزھد و ابو بکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی :قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔[4]

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی : قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت۔ فرمایا : مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[5]

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں :رجح ابن البر ان ارواح الشھداء فی الجنۃ و ارواح غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت۔ امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا : راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔[6]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں :ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل و انفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔ بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔[7]

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں :ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[8]

خزانۃ الروایات میں ہے :عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ و تنتشر فجاؤ الی مقابر ثم جاؤا فی بیوتھم۔ بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔[9]

---

[1] (کتاب الزہد لابن المبارک باب فی طلب الحلال حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۱)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳/ ۳۵۵)

[3] (شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۱)

[4] (کتاب الزہد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴)

[5] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

[6] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

[7] (تیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۲۹)

[8] (تذکرۃ الموتی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶ و ۷۵)

[9] (خزانۃ الروایات)

دستور القضاۃ مسند صاحب مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے :ان ارواح المومنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا الخ۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز وشب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہربانی کرو ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔[1]

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے :عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید اویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علٰی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا الحدیث۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں : ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔[2]

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال وحرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء زیر ثنائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :لم اجدہ فی شیئ من کتاب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلک سندً المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام۔ یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔[3]

باقی رہا شیخ گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنّیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری وصحیح مسلم وصریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں اور وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم (مذہب ۱۲) میں مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کر لیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل، براہین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل (اللہ تعالٰی نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا اسے قطع کرنے والی کتاب۔) میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ، طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ (مزین وملمع ۱۲) کیا ہے سخت جہالت فاحشہ ہے۔

اقول اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاً واثباتاً کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو، نافی یا مثبت کسی پر اس نفی واثبات کے سبب حکم ضلالت وگمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے، جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نا مقبول ٹھہریں، تو اولاً سیر ومغازی ومناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد ودریا بُرد ہو جائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول،

---

[1] (دستور القضاۃ)

[2] (خزانۃ الروایات)

[3] (مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء)

سیرت انسان العیون میں ہے :لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح و السقیم، و الضعیف و البلاغ، و المرسل و المنقطع، المعضل دون الموضوع، و قد قال الامام احمد بن حنبل و غیرہ من الائمۃ، اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا و اذا روینا فی الفضائل و نحوھا تساھلنا۔ مخفی نہیں کہ کتب سیر، میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں، امام احمد وغیرہ ائمہ نے فرمایا ہے :جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں۔[1]

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العینین فی حکم تقبیل الابھامین میں ملاحظہ ہو، یہیں دیکھیے رشائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا، وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔

ثانیاً :علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے، نہ عمل و فضل، عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔

ثالثاً :دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔

رابعاً :عقائد و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے، کہ احکام حلال وحرام میں کیا اعتقاد، حلت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلال وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں!

خامساً :بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے، ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

سادساً: اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے۔

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعا :ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے، اسی براہین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تا کہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لا یا کہ شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ، نے اسے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرما دیا تھا کہ ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت بدان صحیح نشدہ است (اس کلام کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سر و پا حکایت مقبول و محمود، اور پھر دعوٰی ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار (اسی طرح اللہ ہر متکبر سخت گیر کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔)

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال وحرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکار یقین

---

[1] (انسان العیون خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۳و ۴)

کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر ومغازی واخبار وفضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعوٰی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم وثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم وستم، آنے کے بارے تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات بھی ہیں نفی وانکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل۔

کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ بر بنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوٰی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی، یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود، اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود، ولکن الوھابیة لایعقلون ولاحول ولاقوة الاّ باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد واٰله وصحبه اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ فقط لیکن وہابیہ بے عقل ہوتے ہیں اور برائی سے رکنے، نیکی کے کرنے کی طاقت نہیں مگر بلند عظیم خدا ہی کی طرف سے۔ اور خدائے برتر اپنی مخلوق میں سب سے بہتر محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر درود نازل فرمائے۔ الٰہی! قبول کر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم کامل اور محکم ہے۔[1]

وفی الحدیث (یا أصحابي لا تنسوا اموا تکم فی قبورھم خاصة فی شھر رمضان فان أرواحھم یأتون بیوتھم فینادی کل أحد منھم الف مرة من الرجال والنساء اعطفوا علینا بدرھم او برغیف او بکسرة خبز او بدعوة او بقراءة آیة او بکسوة کساکم اللہ من لباس الجنة) کذافی ربیع الأبرار فاذا کان الرغیف او الکسرة مفیدا مقبولا عند اللہ تعالی فما ظنك بما فوقه من اللذائذ۔

ترجمہ: اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے دوستو تم مردوں کو نہ بھولو جو اپنی قبروں میں ہیں۔ خاص کر ماہ رمضان شریف میں ان کی ارواح اپنے گھروں میں آتی ہیں (جن گھروں کو چھوڑ کر قبروں میں جا بسے ہیں)۔ پس پکارتا ہے ایک ان میں سے ہزار مرتبہ مردوں اور عورتوں سے کہ بخشش کرو ہم پر ساتھ صدقہ کرنے درہم کے یا ساتھ خوراک اور ٹکڑا روٹی کے یا ساتھ دعا اور پڑھنے قرآن کریم کے یا ساتھ خیرات کرنے کپڑے کے پہنائے گا اللہ تعالٰی تم کو جنت کی پوشاک۔[2]

(۲۷) ﴿باب نمبر ستائیس تین طلاق کو ایک طلاق کہنے کی تحقیق﴾

بعض علماء ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں حالانکہ فقہ حنفیہ اور احادیث کی رو سے یہ تین طلاقیں شمار کی جائیں گی اور طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی جیسے کہ حدیث پاک میں ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دیں اور حضور علیہ السلام سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے تنبیہہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور بقیہ طلاقیں ظلم ہیں۔ نیز حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ کو دفعتہً تین طلاقیں دیں تو حضور علیہ السلام نے فاطمہ کو اس سے الگ کیا اور کوئی عیب نہیں لگایا۔ نیز بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس عورت نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جس نے اس کو طلاق دی اور حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا اب یہ سابق شوہر کیلئے حلال ہوگئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک مجامعت نہ ہو اس وقت تک اس کا سابق شوہر سے نکاح نہیں

---

[1] (بحوالہ فتاوٰی رضویہ ج ۹ ص ۶۵۶-۶۴۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (روح البیان، ج ۴ ص ۳۶۶، دار الفکر- بیروت، تنویر الایمان فی اتباع مذھب النعمان ص ۲۹۱)

ہوسکتا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں جس نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا مگر اس کا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے نبھا نہیں اور اس عورت نے حضور علیہ السلام سے رجوع کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تم آپس میں مل نہ لو اس وقت تک تم رفاعہ کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں حرمت کا باعث ہیں جو کہ طلاق ثلاثہ کا حکم ہے نہ کہ ایک کا دیکھو دار القطنی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ لہٰذا ان احادیث اور جلیل القدر صحابہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین طلاقیں ہی ہیں اور عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ نکاح اور حلالہ کے بعد طلاق یا موت کی صورت میں عدت ثانیہ گزرنے کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ جاء الحق میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجودہ کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر عورت کو بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانتہ طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہرحال طلاقیں تین ہی واقع ہونگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰) ہے۔

والمعنی فان ثبت طلاقها ثلاثاً فی مرة او مرات فلا تحل (الایہ) کما اذا قال لها انت طالق ثلثاً او البثه وهذا هو المجمع علیه۔

یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہرحال حرام ہو جائے گی۔[1]

---

[1] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے۔

وقد اختلف العلمآء فی من قال لامراء ته انت طالق ثلثاً فقال الشافعی ومالک وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث وقال طاءوس بعض اهل الظاهر یقول لایقع بذلک الا واحدة۔[1]

یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف وخلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑیگی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰) ہے۔

واما القول بان الطلاق الثلث فی مرة واحدة لایقع الا طلقة لایعرف الا لابن تیمیه ورد علیه ائمة مذهبه حتی قال العلماء انه الضال المضل ونسبتها الی الامام اشهب من الائمة المالکیة باطلة۔[2]

یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہرحال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ آج کل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا۔

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ برا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (پارہ ۲ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۲۹ پھر فرماتا ہے فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ۔[3]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

فان طلقها ای طلقة ثالثة سواء وقع الاثنتان فی مرة او مرتین والمعنی فان ثبت طلاقها ثلثاً فی مرة او مرات فلا تحل۔[4]

یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں۔

---

[1] (شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[3] (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

[4] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

كما اذا قال لها انت طالق ثلثا او البشته و هذا هو الجمع عليه۔[1]

یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿طلاق ۱﴾

یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے (کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے) تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے۔

وَاحْتَجَّ الْجُمْهُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يحدث بعد ذلك أمرا قَالُوا مَعْنَاهُ أَنَّ الْمُطَلِّقَ قَدْ يَحْدُثُ لَهُ نَدَمٌ فَلَا يُمْكِنُهُ تَدَارُكُهُ لِوُقُوعِ الْبَيْنُونَةِ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلَاثُ لَا تَقَعُ لَمْ يَقَعْ طَلَاقُهُ هذا إِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدَمُ۔

ترجمہ: وہ ہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔[2]

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا قَالَ: "ثَلَاثٌ تُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ وَاقْسِمْ سَائِرَهَا بَيْنَ نِسَائِكَ"[3]

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔ باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۳ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) بیہقی میں ہے۔

---

[1] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[2] (شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۸ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطلاق باب فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفاً فی قول واحد ج ۴ ص ۱۲ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :"لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"[1]

یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلی سے مروی ہے کہ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ :"لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"[2]

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن بکیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔حدیث کے آخری الفاظ ہیں۔

فَسَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَا :"لَا نَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ" ,قَالَ :إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي إِيَّاهَا وَاحِدَةً ,فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :"إِنَّكَ أَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ"[3]

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے۔

قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ :طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةً قَالَ :"تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَتَدَعُ سَبْعًا وَتِسْعِينَ"[4]

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔آپ نے فرمایا تین لے لو۔اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔عبارت یہ ہے۔

أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ :طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فَقَالَ :"تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَتَدَعُ تِسْعَ مِائَةٍ وَسَبْعَةً وَتِسْعِينَ"[5]

(۰۹) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔عبارت یہ ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَدَ النُّجُومِ فَقَالَ :"إِنَّمَا يَكْفِيكَ رَأْسُ الْجَوْزَاءِ"[6]

(۱۰) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب من طلق ثلثا فی مجلس واحد میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایکدم دیدیں۔ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے۔

---

[1] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۷ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[2] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۴ رقم الحدیث ۱۴۷۳۶ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[3] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۴۲ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[4] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وماورد فی خلاف ذلک ج ۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۴ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[5] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وماورد فی خلاف ذلک ج ۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[6] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وماورد فی خلاف ذلک ج ۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

قَالَتْ :طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا، وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ، فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

(۱۱) حاکم ابن ماجہ ابو داؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی بس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ :مَا أَرَدْتَ بِهَا؟ قَالَ :وَاحِدَةً، قَالَ :للهِ، مَا أَرَدْتَ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً؟ قَالَ :اللهِ، مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً، قَالَ :فَرَدَّهَا عَلَيْهِ،[2]

اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا انت طالق طالق طالق اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ما اشرف ھذا الحدیثیہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے۔[3]

ابو داؤد نے فرمایا ہے ھذا اصح من حدیث ابن جریج یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے۔[4]

(۱۲) امام مالک و شافعی و ابو داؤد و بیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، سُئِلُوا عَنِ الْبِكْرِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا ثَلَاثًا؟ فَكُلُّهُمْ قَالُوا :لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ :رَوَى مَالِك، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ الْقِصَّةَ۔[5]

(۱۳) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔

(۱۴) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی۔[6]

---

[1] (سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق من طلاق ثلاثاً فی مجلس واحد ج ۲ ص ۵۰۷ رقم الحدیث ۲۰۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدار قطنی کتاب الطلاق ج ۲ جز ۴ ص ۱۰ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی المطلقۃ ثلاثاً لھا السکنی والنفقۃ ام لا؟ ج ۲ ص ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[2] (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع المسانید لابن کثیر ج ۳۲ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۲۸۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[5] (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث ج ۲ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۱۹۸ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳ رقم الحدیث ۱۱۱۲۲، ۱۱۱۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار کتاب الطلاق ج ۲ جز ۳ ص ۵۷ رقم الحدیث ۴۴۷۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[6] (تفسیر روح المعانی پارہ دوم ج ۱ جز ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۱۵)مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے۔

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ :إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ"[1]

(۱۶)اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے۔[2]

(۱۷)جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۸)فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ایکدم تین طلاقیں دینا بے شک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبیحہ بے شک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جائے گی۔

(۱۹)اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے۔

لِأَنَّ الْحُكْمَ فِيمَا لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ السَّبَبِ، لِأَنَّهُ) يَعْنِي أَنَّ السَّبَبَ فِي هَذِهِ الْعُقُودِ إسْقَاطٌ فَيَتَلَاشَى۔[3]

یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہوسکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہذا ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۰)جمہور علماء خصوصاً چاروں امام امام ابوحنیفہ وشافعی ومالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایکدم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونگی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے،غرضکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین ومفسرین دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل ونقل کی مخالفت ہے۔

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم ان کی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱).....:۔رب تعالیٰ فرماتا ہے۔الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیحٌ بِاِحْسَانٍ ﴿البقرۃ ۲۲۹﴾ کچھ آگے چل کر ارشاد فرماتا ہے فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ۔"مرتان" اور "فان" کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔"مرتان" علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب:۔اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے الطلاق ای التطلیق الذی یراجع بعدہ مرتن دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی

---

[1] (مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث ج ۱ ص ۴۷۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (شرح مسلم نووی کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث ج ۱ ص ۴۷۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (ہدایہ آخرین کتاب الوکالۃ ص ۱۸۰ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاہور)

مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ[1] آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بے شک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

اعتراض (۲).....: مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے۔

الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً۔[2]

نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصھباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے۔

أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ، قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ :أَتَعْلَمُ أَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :نَعَمْ.[3]

ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ: غیر مقلدوں کا یہ انتہائی مضبوط اعتراض ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر اعتراض نہ کرنا با آواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایکدم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث میں ہے کہ ابو صھباء نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے۔

قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امراتہ ثلثاً قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدۃ الخ۔[4]

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف

---

[1] (پارہ ۲۹ سورہ ۶۷ آیت نمبر ۴)

[2] (صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث ج ۲ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۱۹۹ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

میں ہے۔

فَالْأَصَحُّ أَنَّ مَعْنَاهُ أَنَّهُ كَانَ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ يَنْوِ تَأْكِيدًا وَلَا اسْتِئْنَافًا يُحْكَمُ بِوُقُوعِ طَلْقَةٍ لِقِلَّةِ إِرَادَتِهِمُ الِاسْتِئْنَافَ بِذَلِكَ فَحُمِلَ عَلَى الْغَالِبِ الَّذِي هُوَ إِرَادَةُ التَّأْكِيدِ فَلَمَّا كَانَ فِي زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهَذِهِ الصِّيغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ إِرَادَةُ الِاسْتِئْنَافِ بِهَا حُمِلَتْ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ إِلَى الْفَهْمِ مِنْهَا فِي ذَلِكَ الْعَصْرِ۔[1]

یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا کہ مصرف زکوۃ صرف سات ہیں مولفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہذا ان کو زکوۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہوگیا تو زکوۃ دینے کا حکم ہوگیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہوگیا اس سے نماز جائز ہوگئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

اعتراض (۳).....:۔ ابو داؤد جلد اول اور در منثور جلد اول ص ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! (ﷺ) میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴿طلاق ۱﴾

ابو داؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے۔

طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ فقال النبی ﷺ "رَاجِعِ امْرَأَتَكَ، فَقَالَ إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ: "قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا ,وَتَلَا {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (الآية)[2]

اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابو رکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب:۔ افسوس کہ معترض نے ابو داؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابو داؤد بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کی ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

حَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ لِأَنَّهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً۔[3]

---

[1] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن ابو داؤد باب نسخ المرجعۃ ج ۲ ص ۴۴۸ رقم الحدیث ۲۱۹۶ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

[3] (بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن ابو داؤد باب نسخ المرجعۃ ج ۲ ص ۴۴۸ رقم الحدیث ۲۱۹۶ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نور وایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وھذا الاسناد لاتقوم بہ الحجۃ مع ثمانیۃ ورد عن عباس فافتاہ بخلف ذلک ومع روایت اولاد رکانہ ان طلاق رکانہ کان واحدۃ وباللہ التوفیق۔[1]

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔جس میں اس نے سخت غلطی کی۔عبارت یہ ہے۔

وَأَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِي رَوَاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَاهُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا أَلْبَتَّةَ وَلَفْظُ أَلْبَتَّةَ مُحْتَمِلٌ لِلْوَاحِدَةِ وَلِلثَّلَاثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هَذِهِ الرِّوَايَةِ الضَّعِيفَةِ اعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ أَلْبَتَّةَ يَقْتَضِي الثَّلَاثَ فَرَوَاهُ بِالْمَعْنَى الَّذِي فَهِمَهُ وَغَلِطَ فِي ذَلِكَ۔[2]

اعتراض (۴).....:۔سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب:۔یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔نبی کریم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔

عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتَّى تَطْهُرَ۔[3]

نیز نووی شریف شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں فرمایا۔

واما حدیث ابن عمر فروایات الصحیحۃ التی ذکرھا مسلم وغیرہ انہ طلقھا واحدۃ۔[4]

ان کے متعلق تین کی روایات بالکل ضعیف ہیں۔

اعتراض (۵).....:۔تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ الطلاق مرتان کی تفسیر میں ہے۔

معناہ ان تطلیق الشرعیۃ یجب ان یکون تطلیقۃ علی التفریق دون الجمع والارسال وھذا التفسیر ھو قول من قال الجمع بین الثلث حرام۔

ترجمہ :یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے

---

[1] (بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[2] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (صحیح مسلم باب تحریم الطلاق الحائض ج ۲ ص ۱۰۹۳ رقم الحدیث ۱۴۷۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[4] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔[1]

جواب:۔اس کا کون منکر ہے بے شک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام جائز نہیں ہے۔کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔

اعتراض (۶).....:۔تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

وھو اختیار کثیر من علمآء الدین انہ لو طلقھا اثنتین او ثلثاً لایقع الا الواحدۃ۔

یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔[2]

جواب:۔معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اس کے وہابی پیروکار ہیں۔ان ہی کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کرنے والا لکھا ہے۔نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔اس عبارت کے آگے یہ ہے۔

والقول الثانی وھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ انہ وان کان محرماً الا انہ یقع۔

یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔لیکن واقع ہو جائیں گی۔کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر میں فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں۔دیکھو۔[3]

اعتراض (۷).....:۔عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے،اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں کو سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔اگر کوئی ساتوں کنکریاں ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکریاں اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائے گا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب:۔الحمدللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیے۔بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکریاں پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔اس کی پیروی چاہیے۔درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر

---

[1] (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۷ مطبوعہ مصر)

[2] (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۷ مطبوعہ مصر)

[3] (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ مصر)

ہے کہ ایک بار الف مرۃ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی ۔لہذا ان کے احکام بھی مختلف ۔قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے طلاق کونسا ثواب کا کام ہے ۔تا کہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے ۔غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بناء تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے ۔اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی ۔لہذا احتیاط بھی اس میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے ۔[1]

(۲۸)﴿باب نمبر اٹھائیس قبرستان کے ہرے بھرے درخت کاٹنے کی حرمت کا بیان﴾

بعض لوگ قبرستان کے چھوٹے بڑے درخت اور گھاس کاٹ کر فروخت کر کے اس کی رقم کسی کار خیر یا مسجد وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں حالانکہ قبرستان سے سبز گھاس اور درخت کاٹنا اور بیچنا یہ حرام ہے کیوں کہ یہ مردوں کا حق ہے اس وجہ سے کہ ہری گھاس اور درختوں کے پتے ذکر اللہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے مردوں پر رحمت نازل ہوتی ہے اور عذاب دفع ہوتا ہے اور ان درختوں کے پتے اور گھاس کے پودوں کی تعداد بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہو اور گناہ اور جرم بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہوں ۔(العیاذ باللہ)(اثبات تسبیح نباتات و جمادات اللہ جل جلالہ فرماتا ہے)

اِن مِّن شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِن لَّا تَفْقَھُونَ تَسْبِیحَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیمًا غَفُورًا ﴿الاسراء ۴۴﴾

ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے ۔"

یہ تسبیح الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جس کے دلائل یہ ہیں ۔

۱۔جمھور السلف علی ان الآیۃ علی ظاھرھا من ان کل شیئی حیوانا کان او جمادا یسبح بلسان المقال۔

ترجمہ: جمہور سلف کہتے ہیں کہ آیات مبارکہ اپنے ظاہری معنیٰ پر حمل ہیں اس بات سے کہ ہر چیز چاہے وہ حیوان ہو یا جماد وہ اپنی زبان مقال سے تسبیح کرتی ہے ۔[2]

۲۔وھو الذی یشیر لہ قول الجلال انہ لیس بلغتکم الصریح فی انہ بلغۃ اخری۔اھ۔[3]

۳۔ان تسبیح الجماد بلسان المقال وھو الذی اختارہ الخازن و اثبتہ باحادیث متعددۃ۔

ترجمہ: بے شک جماد کی تسبیح کی اپنی زبان مقال کے ساتھ ہوتی ہے اور خازن نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسے احادیث متعددہ سے ثابت کیا ہے ۔[4]

۴۔وھو قریب جدا۔اھ۔شیخنا۔اھ۔[5]

۵۔ففی ھذہ الاحادیث (الثلثۃ المنقولۃ من البخاری و المسلم) دلیل علی ان الجماد یتکلم و انہ یسبح۔

ترجمہ: ان تینوں احادیث مبارکہ میں جو کہ نقل کی گئی ہیں بخاری اور مسلم سے دلیل ہے اس بات پر کہ جماد باتیں بھی کرتے اور تسبیح بھی بیان

---

[1] (بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق ص ۷۷۷)

[2] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[3] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[4] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[5] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

کرتے ہیں۔[1]

۶۔وھو الاصح لما دلت علیہ الحدیث۔اھ۔[2]

۷۔وانہ منقول عن السلف۔اھ۔[3]

۸۔حَتّٰی اِذَا مَا جَآءُوْھَا شَھِدَ عَلَیْھِمْ سَمْعُھُمْ وَ اَبْصَارُھُمْ وَ جُلُوْدُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِھِمْ لِمَ شَھِدتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿حم السجدۃ ۲۱﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ پچھلے آملیں یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے۔'' پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

۹۔ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَ ھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿حم السجدۃ ۱۱﴾

ترجمہ: پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔'' پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

۱۰۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَنَّهُ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، فَقَالَ :إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنَ البَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا :يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ فَقَالَ :لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا.

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا پھر آپ نے ایک ہری تر شاخ لی اور اسے چیر کر دو ۲ حصے فرمائے پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دی لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا، تو فرمایا کہ جب تک یہ نہ سوکھیں گے تب تک ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔[4]

۱۱۔مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے کاٹ کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطباً یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیّت وتنزل بذکرہ الرحمۃ ونحوہ فی الخانیۃ انتھی۔

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے، اور امداد میں اس

---

[1] (خازن ج ۳ ص ۱۶۶)

[2] (خازن ج ۳ ص ۱۶۶)

[3] (خازن ج ۳ ص ۱۶۶، والمعالم ج ۴ ص ۱۳۱، والجمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[4] (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ ص ۴۲، ابوداؤد ثم طحطاوی علی المراقی ص ۳۷۸ ثم شامی دفن ص ۶۰۶)

کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میّت کو انس حاصل ہوتا ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی ،[1]

(۲۹)﴿باب نمبر انتیس جواز صدقات برفقراء سادات کے بیان میں﴾

کہ بعض مولوی ومفتی حضرات کہتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات کرام وغیرہ) کو زکوۃ، صدقات، خیرات، صدقہ فطر و چمڑہ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ وہ مقروض، نادار، محتاج اور تنگدست ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ اسلام کی روشنی میں تمام اقسام کے صدقات وخیرات وزکوۃ عشر وفطرانہ نادار، محتاج، قرض دار، سادات کرام کو دینا جائز اور درست ہیں۔ اس لئے کہ دین حق اسلام میں صدقات وخیرات وزکوۃ وعشر وغیرہ کی مشروعیت کی حکمتوں میں سے اعلیٰ حکمت وسبب وہی ہے جسے خود کلام اللہ شریف نے منصوص فرما کر بیان فرمایا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ: الخ ﴿توبۃ ۶۰﴾ یعنی صدقات تو فقراء ومساکین ہی کا حق ہے اور اس کی سب سے اعلیٰ تفسیر جو خود معلم کائنات ﷺ نے متفق حدیث میں فرمائی ہے تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ۔[2]

یعنی صدقات فریضہ واجبہ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے لہذا ملت اسلامیہ کے فقراء ومساکین صدقات کے حق دار ہیں چاہے وہ سادات ہوں یا غیر سادات تمام اس میں شامل ہیں اگر خود شرع کسی فرد کو کسی وقت وزمانہ یا حال وعلت سے مستثنیٰ فرما کر اس کی حاجت روائی کیلئے کوئی خاص بندوبست مقرر کردے تو وہ اس کا حق ہے مگر وہ وقت زمانہ حال اور علت نہ رہے تو قاعدہ شرعیہ ہے۔ لِأَنَّ الْحُكْمَ يَدُورُ مَعَ الْعِلَّةِ۔[3] جب وہ زمانہ وحال اور سبب علت نہ رہے تو وہ حکم استثناء بھی نہ رہے گا جیسا کہ حالت خوف وسفر کہ امیں وہ حکم نہیں رہتا جو اس حالت میں تھا۔ کتب مذہب میں ہے کہ طاعات ومعاصی پر اجرت لینا صحیح نہیں جبکہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وحدیث وفقہ سب طاعات سے ہیں اور اجرت لینے دینے پر علماء وعوام کا معمول ہے بعض نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ حالانکہ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے واجمعوا علی ان الاجارۃ علی تعلیم الفقہ باطلۃ مگر معمول علماء ہے کہ حج وزیارت کی تربیت وتعلیم پر اجرت معمول متواتر ہے اور تعلیم وتلاوت قرآن بھی عوام وخواص کا معمول ہے باوجود یکہ علامہ کی مجموعہ رسائل طبعہ مصر ص ۷۴ ارسالہ سابعہ میں ہے قرآن کے متعلق لایجوز فی مذھب من مذاھب الاسلامیۃ ولا فی دین من الادیان السماویۃ مگر تلاوت وقرأت پر اجرت کا معمول کتنا عام ہے جن پر خلاف معمول حکم کے خلاف عمل ہو رہا ہے اگر مانعین حضرات کی طرح علم وانصاف کی آنکھیں بند کر کے عدم جواز وممانعت کا حکم نافذ کر دیا جائے تو کیا خلق کثیر پر ظلم نہ ہوگا۔ تو اخر کیا علت ہے اجرت پر ان کاموں کو جاری رکھنے کی یہی ہے کہ بغیر اجرت کے یہ کام کرنے والوں کا زمانہ نہ رہا اور کام کرنے والوں کی ضرورت وحاجت کی علت کی بناء پر ضرورتاً اور اضطراراً امور دین کو جاری رکھنے کیلئے جواز کا حکم وفتویٰ دیا گیا ہے۔[4]

(وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ (الْأَذَانِ وَ الْحَجِّ وَ الْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَ الْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَ الْفِقْهِ وَ الْإِمَامَةِ وَ الْأَذَانِ.

جس طرح ان امور پر اجرت لینا دینا ایک زمانے میں صحیح نہ تھا تو جواز کا حکم وفتویٰ بھی نہ تھا اور اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یونہی عہد نبوی ﷺ اور خیر القرون دور خلافت میں بیت المال کے مال غنیمت سے آل رسول ﷺ بنی ہاشم سادات کو خمس الخمس دے کر ان

---

[1] (ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶)

[2] (صحیح البخاري ج ۲ ص ۱۲۸ رقم الحدیث ۱۴۹۶، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱ رقم الحدیث ۳۱)

[3] (شامی ج ۳ ص ۳۹)

[4] (درمختار ج ۲ ص ۱۷۹ مجتبائی) پر ملاحظہ ہو۔

کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بندوبست مقرر تھا لہذا صدقات وغیرہ سے لینا دینا ممنوع ومکروہ رکھا گیا۔ روایات میں لاتحل اور لاتنبغی کہا گیا ہے وہ زمانہ تاسیس ضابطہ کا زمانہ تھا اگر آل رسول ﷺ کو صدقات وغیرہ ملتے تو کوئی ضعیف الاعتقاد شک وطعن میں مبتلا ہو کر دین وایمان سے محروم نہ ہو بیٹھے کہ یہ شارع علیہ السلام نے اپنوں کیلئے مشروع کیے اس اندیشہ کا محل اب نہ رہا۔ بعض افراد کے مطالبے پر فرمایا کہ تمہاری حاجت روائی کا بندوبست خمس الخمس سے کر دیا گیا ہے وہی کافی ہے پس وہ علت اب نہ رہی تو وہ حکم بھی نہ رہا۔ وجود علت کا حکم عدم علت میں ہو تو فقراء ومساکین کی حق تلفی ہو اور صاف ضرر ہو اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ الضرر یزال یعنی ضرر کو دور کرنا مشروع ہے۔ خمس الخمس ملنے کے وقت وحال کا حکم خمس الخمس نہ ملنے کے وقت وحال میں لگانا قطعاً غلط اور قیاس مع الفارق ہے۔

تفسیر احمدی طبع علیمی میں ہے۔

غایة مافی الباب انهم یستحقونه اذا کانوا فقراء وذالک لانهم لما طلبوا الزکاة فمنعها علیه السلام عنهم وقال یا معشر بنی هاشم ان الله حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم وعوضکم منها بخمس الخمس من الغنیمة فقد جعل رسول الله ﷺ خمس الخمس عوضا عن الزکاة والزکاة انما یستحقها الفقراء فکذا هذا وقد صح ان الخلفاء الراشدین کلهم قسموا علی نحو ما نقلناها کذا فی شرح الوقایة والهدایة۔

لہذا معلوم ہوا کہ خمس الخمس زکوۃ کا عوض ہے جو آل رسول ﷺ کیلئے ہوا اور زکوۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں تو خمس الخمس کے مستحق بھی فقراء ہی ہیں پس آل رسول ﷺ سادات بنی فاطمہ سے جو فقراء مساکین محتاج ہو زکوۃ وصدقات ان کو دینا جائز بلکہ دوسروں سے زیادہ ثواب ہے ایک ادائے زکوۃ کا اور دوسرا قرابت نبوی ﷺ کا اس مسئلے میں بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے مگر مذہب حنفی سنی میں تمام صدقات بنی ہاشم وآل رسول ﷺ کیلئے حلال اور درست ہیں۔

جامع الرموز طبع نول کشور فصل مصرف الزکوۃ ص ۱۵۰ میں ہے۔

وعن ابی حنیفة روایتان وبالجواز نأخذ لأن الحرمة مخصوص بزمانه ﷺ۔

امام ابوجعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ صدقات زکوۃ وعشر وغیرہ بنی ہاشم آل رسول ﷺ سادات کرام کو دینا جائز ہے اور ناجائز ہونے کا زمانہ اب نہیں ہے۔

(طحاوی ص ۳ طبع مصر ۴۳۴) پر تصریح ہے۔

واختار الطحاوی دفعها لبنی هاشم وکذا روی ابو عصمة عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضها وهو الخمس الخمس لم یصل الیهم العوض عادوا الی المعوض واقره القهستانی کذا فی شرح الملتقی، اه۔

شرح معانی الآثار میں ہے۔

رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ :لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ. حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ مُحَمَّدٍ, عَنْ أَبِي يُوسُفَ , عَنْهُ أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ الخمس فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِكَ مَا كَانَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ فَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ص ۳۹۳ اور امام طحاوی اصحاب ترجیح میں سے ہیں ان کے "فبهذا نأخذ" کہنے سے یہ روایت مرجح ہوگئی اور حرمت وممانعت والی روایت مرجوح ہوگئی اور فتاوی شامی میں امام ابن عابدین نے تصریح فرمائی ہے کہ

المرجوح کالمنسوخ والحکم والفتویٰ بالمرجوح حرام۔

نیز فرمایا

الحکم والفتیا بماھو مرجوح خلاف الاجماع۔

بعض کا یہ کہنا کہ صدقات کی علت حرمت آل رسول ﷺ پر مجموعہ امرین ہے۔اول صدقات کا وسخ ہونا دوسرا خمس الخمس کا ملنا۔قرین قیاس یہ ہے کہ مجموعہ امرین کا ارتفاع حکم حرمت کا ارتفاع ہو سو وسخ ہونا یوں مرتفع ہوا کہ

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ سے قاعدہ الضرورۃ تبیح المحظورات۔

تو حظر اباحت میں داخل ہو گیا اور دوسرا امر خمس الخمس کا ملنا بوجہ عدم خلافت اور بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گیا پس ارتفاع مجموعہ امرین سے علت حرمت بھی مرتفع ہو گئی تو اس قاعدہ کے تحت "سقوط العلۃ یستلزم لسقوط المعلول" یعنی جو حکم جس علت پر ہو اس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جایا کرتا ہے لہذا صدقات وزکوۃ سادات کرام کیلئے جائز اور حلال ہیں۔اور اصحاب ترجیح سے محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر بھی اسی کے مؤید ہیں اور امام طحاوی (مجتہد فی المسائل) کے فتویٰ کو نقل فرما رہے ہیں۔

قال العلامۃ الحموی شارح الاشباہ والنظائر وفی شرح الآثار عن ابی حنیفۃ ان الصدقات کلھا جائزۃ علی بنی ھاشم والحرمۃ کانت فی عھد رسول اللہ ﷺ لوصول خمس الخمس الیھم فلما سقط ذالک بموتہ ﷺ حلت لھم الصدقۃ قال الطحاوی وبالجواز نأخذ اھ۔"

قال العلامۃ القھستانی فی جامع الرموز عن ابی حنیفۃ روایتان وبالجواز نأخذہ فالحرمۃ مخصوص بزمانہ ﷺ اھ۔وفی شرح الملتقی الابحر عن الامام جواز دفع الھاشمی زکوۃ لمثلہ وعنہ الجواز فی زماننا مطلقا قال الطحاوی وبہ نأخذ"

برھان شرح مواہب الرحمٰن میں تصریح ہے۔

وروی ابو حنیفۃ انہ یجوز فی ھذا الزمان وانما کان ممتنعا فی ذالک الزمان اھ

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے کہ قولہ (ولا تدفع الی بنی ھاشم) وفی شرح الآثار للطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لا بأس بصدقات کلھا علی بنی ھاشم والحرمۃ فی عھد النبی ﷺ للعوض وھو خمس الخمس فلما سقط ذلک بموتہ ﷺ حلت لھم الصدقۃ.....قال الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وبالجواز نأخذ۔

ترجمہ: یہ قول کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دی جائے گی امام طحاوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے شرح الآثار میں نقل کرتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے تمام صدقات بنی ہاشم کو دینے پر اور حرمت آپ ﷺ کے زمانے اطہر میں تھی کیونکہ انہیں خمس الخمس عوض میں ملتا تھا جب آپ ﷺ مبارک کے وصال کے ساتھ خمس الخمس ساقط ہوا تو ان کیلئے صدقہ وزکوۃ حلال ہے۔اور آخر میں امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ جواز کی صورت کو ہم لیتے ہیں۔[1]

اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے۔

وَقَدْ ذُكِرَ فِي شَرْحِ الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُولِ خُمُسِ الْخُمُسِ إلَيْهِمْ بِسَبَبِ إهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْصُلْ الْمُعَوَّضُ عَادُوا إلَى الْعِوَضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنْ الْآثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ

---

[1] (الکفایہ شرح الہدایہ ج ۱ ص ۱۳۸، البنایہ فی شرح الھدایہ ج ۳ ص ۵۵۴)

الطَّحَاوِيّ۔

ترجمہ: اور تحقیق کے ساتھ شرح الآثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان کو خمس الخمس نہیں مل رہا ہے اس سبب کے ساتھ کہ لوگوں نے غنائم کے معاملے کو چھوڑ دیا ہے اور جو ان پر واجب ہے اس کو بھی پس جب معوض حاصل نہ ہو جائے تو عوض کی طرف آنا پڑے گا (جب خمس الخمس نہیں مل رہا ہے تو زکوۃ لے سکتے ہیں) اور امام طحاوی نے آثار سے اسی کو لیا ہے۔[1]

فیض الباری علی صحیح البخاری میں ہے

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف :أنه جاز دفعُ الزكاة إلى آل النبيّ صلى الله عليه وسلّم عند فُقدان الخُمُس، فإنَّ في الخُمُس حقَّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفُها إليهم. وفي البحر عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي عقد الجيد أن الرازي أيضًا أفتى بجوازِه. قلتُ :وأخذُ الزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا (نقل العيني عن الأَصْطَخْري أيضًا :أنهم إن مُنِعُوا الخُمُس جاز صرفُ الزكاةِ إليهم.).

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب امالی سے امام طحاوی نقل کرتے ہیں کہ زکوۃ نبی کریم ﷺ کی آل کو دینا جائز ہے جب ان کو خمس الخمس نہ دیا جا رہا ہو پس تحقیق کے ساتھ خمس میں ان کا حق ہے پس جب وہ نہ پایا جائے تو ان کی طرف زکوۃ کا رجوع ہونا صحیح ہے اور بحر میں محمد بن شجاع الثلجی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کا جواز نقل کرتے ہیں اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ زکوۃ کا لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے سوال سے اور اسی پر فتوی ہے اور امام عینی اصطخری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اگر انہیں خمس سے منع کیا جائے تو انہیں زکوۃ دینا جائز ہے۔[2]

اور الفتاوی السراجیہ میں ہے

لو ادى الى هاشمي لايجوز (هذا هو القول المعروف المذكور في عامة الكتب والقول الاخر ان الصدقات انما كانت محرمة عليهم لأجل خمس الخمس فلما انقطع ذلك عنهم جاز دفع الزكاة اليهم ,وهذه رواية ابى عصمة عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ[3] وابن سماعة عن أبي يوسف[4] وهكذا نقل الطحاوى عن أمالى أبي يوسف[5] واختاره الطحاوى۔[6]

قال الزيلعي في[7] وروى أبو عصمة عن أبي حنيفة جواز دفع الزكاة الى الهاشمي في زمانه وروى عن أبي حنيفة أن الهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى الهاشمي۔

وقال الشيخ الشبلي في حاشية على "تبيين الحقائق" قال الطحطاوى :هذه الرواية عن أبي حنيفة ليست بالمشهورة۔اھ۔غاية۔وفي شرح الآثار عن أبي حنيفة لا بأس بالصدقات كلها على بني هاشم والحرمة للعوض وهو خمس الخمس، فلما سقط ذلك بموته عليه

---

[1] (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۱ ص ۳۰)

[2] (فیض الباری شرح علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۲)

[3] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳)

[4] (البنایۃ ج ۳ ص ۵۵۴)

[5] (فیض الباری ج ۳ ص ۵۲)

[6] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳۳)

[7] "تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳"

الصلاۃ والسلام حلت لهم الصدقة، قال الطحاوی: وبه نأخذ۔ انتهیٰ۔

وقال السغدی فی "النتف فی الفتاویٰ ص ۱۲۴" (من لاتعطی لهم الزکاة)... الخامس: إلی بنی هاشم فی قول أبی یوسف ومحمد وأبی عبداللہ، ویجوز فی قول أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ۔

وقال العینی فی "البنایة ج ۳ ص ۵۵۴" وروی ابن سماعة عن أبی یوسف أنه قال: لا بأس بصدقة بنی هاشم بعضهم علی بعض۔

وممن قال بالجواز من المتأخرین: الشیخ یوسف القرضاوی (فقه الزکاة ۲/۱۸۰) والدکتور وهبة الزحیلی (الفقه الاسلامی وأدلته ۲/۸۸۴)، والشیخ أنور شاه الکشمیری (فیض الباری ۳/۵۲) والقاضی مجاهد الاسلام القاسمی (مجلة بحث ونظر ص ۱۱۰-۹۹)

وللاستزادة انظر: "حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۴۳۸" و"حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام ۱/۱۹۱" و"فقه الزکاة ۲/۱۸۸-۱۸۷" و"معارف السنن ۵/۲۶۶" و"فتاوی محمودیة ۹/۵۶۰"

اسی طرح الیاس زادہ و برجندی وشرح نقایہ شرنبلالی وغیرہ سب کے سب آل رسول ﷺ بنی ہاشم کیلئے صدقات کو بالتصریح جائز وحلال کہتے ہیں ۔تمام کتب مذاہب مثلاً برھان، ملتقی الابحر، نھر الفائق، حموی شرح الاشباہ والنظائر، جامع الرموز، الیاس زادہ، برجندی، شرح نقایہ، نور الایضاح، فتح القدیر، کفایہ اور معانی الآثار میں ثابت اور مستقر رہے۔اور یہ فتویٰ من جانب مجتہد ہے اور فتویٰ کی علامات میں سے ایک علامت "فبهذا نأخذ" ہے۔

قال فی الدر المختار اما العلامة للافتاء فقوله وعلیه الفتویٰ، وبه یفتیٰ، وبه نأخذ... الخ۔

لہذا مسئلہ ہذا جواز صدقات بر بنی ہاشم وسادات مذہب سنی حنفی میں ثابت اور محقق ہے اور ان حضرات کا صدقات لینا درست وجائز ہے۔

قرآن پاک میں صریح حکم ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ)

ترجمہ: پس جو ناچار ہوا نہ حکم شرع سے باغی بن کر اور نہ حد ضرورت سے بڑھ کر کھائے تو اس پر گناہ نہیں۔جب ضرورۃ لابدیہ شرعیہ میں میتہ (مردار) بھی مباح ہوتا ہے تو بحالت حاجت لابدیہ شرعیہ سادات بنی ہاشم کیلئے صدقہ وزکوۃ جو بعلت وصول خمس الخمس کے (جو ان کی حاجت روائی کیلئے کافی تھا) ممنوع ومکروہ تھے تو اس زمانہ وعلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیوں مباح اور حلال نہ ہوں گے بلکہ ضرور حلال ہوں گے صدقات کی مشروعیت فقراء ومساکین کی حاجت مندی اور ضرورت ہی کی بناء پر ہے تو جب تک حاجت وضرورت باقی ہے صدقات کی مشروعیت اباحت ہے۔تفسیر احکام القرآن باب ذکر الضرورۃ المبیحة لاکل المیتة میں ہے کہ

وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیه (الانعام) فاقتضیٰ ذلک وجود الاباحة بوجود الضرورة فی کل حال وجدت الضرورة فیها۔

پس جس زمانہ وحال میں ضرورت ہو اباحت ومشروعیت کا حکم ہے۔صدقات وزکوۃ اہل بیت بنی ہاشم سادات پر مباح وحلال ہیں ان کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ انہیں لینے میں کوئی گناہ ہے بلکہ ان کو دینے سے منع کرنا مذہب وملت کے علم سے محرومی وجہالت ہے اور ان کو باوجود فقر ومحتاجی کے نہ لینا بھی جہالت اور گناہ ہے حتی کہ اگر اس فقر ومحتاجی میں مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر اور اپنی لاعلمی سے صدقات وزکوۃ سے جان، آبرو اور دین کی تباہی کی نوبت آئی تو گناہ اور نہ لینے والے پر ہے اور یہ ولا تقتلوا انفسکم فرمان خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہے جو قطعی حرام ہے۔لہذا اب عدم خلافت وبیت المال سے خمس الخمس کے عدم وصول اور فقراء واحتیاج کے عدم جواز کا فتویٰ ظلم وبربریت وجہالت ہے۔اللہ معاف فرمائے۔

احکام القرآن (طبع مصر) میں ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تقتلوا انفسکم "ومن امتنع من المباح حتی مات کان قاتلا نفسه

متلفالهاعندجميع اهل العلم....الخ۔

خلاصۂ کلام:

تمام اقسام کے صدقات محتاج سادات کو دینا اور لینا جائز درست اور حلال ہیں اور منع کرنا جہالت اور گمراہی ہے بلکہ یزیدیت سے محبت اور اہل بیت سے دشمنی ہے۔ نجانا اللہ منہ۔ واللہ ورسولہ اعلم

(۳۰)﴿باب نمبر تیس تبرکات کا بیان﴾

بعض علماء تبرّکات سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تبرکات کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے اور ہر دَور میں اہلِ حق علماءِ کرام نے اس فرقہ ضالہ کا رد کیا اور اُن کی گمراہی کا سدّ باب کرتے ہوئے مختلف رسائل اور کتب تصانیف کی ہیں۔ اور اس دَور میں بھی علماءِ حق کو ان کی گمراہیوں کا سدّ باب کرنا چاہیئے جس طرح بھی ممکن ہو۔ چاہے تقریراً ہو یا تحریراً بلکہ علماءِ اہلِ حق پر واجب ہے کہ اُن پر دلائل قائم کریں۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اہلِ ھواء پر دلائل قائم کرنا یہ بدعتِ واجبہ ہے۔ ولفظہٗ ھٰذا فقد تکون ای البدعة واجبة کنصب الادلة لردّ علی اھلِ الفرق الضالة۔۔۔اھ[1]

لہٰذا اس فقیر نے اہلِ ھواء کی گمراہیوں کو دیکھتے ہوئے اُن پر دلائل قائم کیے ہیں۔ اللہ رب العزت ان دلائل کے ذریعے مسلمانوں کو نفع وہدایت پہنچائے۔ آمین بجاہ النبی الأمین ﷺ۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

بانی ومہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقیر کالونی، اورنگی ۱۰، کراچی، پاکستان

﴿آیاتِ قرآنیہ سے تبرکات کا ثبوت﴾

پہلی دلیل: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ} (البقرہ:۲۴۸)

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی ں نے فرمایا: کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں سکون (کا سامان) ہوگا تمہارے ربّ کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون، اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے۔ بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مؤمن ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال أصحاب الأخبار: ان اللہ تعالیٰ أنزل علی آدم علیہ السلام تابوت فیہ صور الانبیآء من أولادہ فتوارثہ أولاد آدم الیٰ أن وصل الیٰ یعقوب ثم بقی فی أیدی بنی اسرائیل فکانو اذا اختلفوا فی شیء تکلّم وحکم بینھم واذا حضروا القتال قدموہ أیدیھم یستفتحون بہ علی عدوّھم۔[2]

ترجمہ: ''مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک تابوت نازل فرمایا جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ وہ تابوت اولادِ آدم میں وراثتاً منتقل ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ بنی اسرائیل کے

---

[1] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۴ مطلب البدعة علی خمسة اقسام)

[2] (رازی، التفسیر الکبیر، ج ۶ ص ۱۴۹)

قبضے میں رہا۔اور جب ان کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو یہ تابوت کلام کرتا اور فیصلہ سناتا اور جب وہ کسی جنگ کے لئے جاتے تو اپنے آگے اس تابوت کو رکھتے جس کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے۔"

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زراندوز صندوق تھا۔جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا۔اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔اس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔اور انکے مساکن و مکانات کی تصاویر تھیں۔آخر میں حضور سید عالم ﷺ کے دولت سرائے کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی۔کہ حضور ﷺ بحالت نماز قیام میں ہیں۔اور گرد آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصاویر کو دیکھا۔یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔آپ اس میں تورات بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی۔چنانچہ اس صندوق میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء آپ کے کپڑے اور آپکی نعلین شریفین اور حضرت ہارون ں کا عمامہ اور ان کا عصاء اور تھوڑا سا مَن جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا،یہ سب اس میں موجود تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے۔اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو سکون رہتا تھا۔آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا۔ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اسے سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلے میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بدعملی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم "عمالقہ" کو مسلط فرمادیا۔

قوم عمالقہ ان سے تابوت چھین کر لے گئی۔اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی۔ان گستاخیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کے امراض اور مصائب میں مبتلا کر دیا انکی پانچ بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔جب انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ تابوت کی اہانت انکی بربادی اور ہلاکت کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیل کو ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے۔اس تابوت کا آنا ہی بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہت کی نشانی قرار دیا گیا۔بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقرّ ہوئے اور فوراً جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا۔طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار افراد منتخب کئے،جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔[1]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : وقیل کان صندوقاً لِلتّوراۃ فکانوا اذا حضر القتال قدموہ بین ایدیھم یستفتحون بہ علٰی عدوّھم فاذا سار التّابوت سار وا و اذا وقف وقفوا ط۔[2]

ترجمہ : اور کہا گیا ہے کہ وہ صندوق توریت کیلئے تھا۔بنی اسرائیل جب لڑائی میں جاتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے تھے۔اس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پاتے۔جب صندوق چلتا تو یہ بھی آگے بڑھتے اور جب صندوق رک جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے۔

"فِیۡہِ سَکِیۡنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ" کے تحت لکھتے ہیں : انّ فیہ خاصیۃ انّ تسکن قلوبکم بحضورہ اخرج ابن اسحاق و ابن جریر عن وھب بن منبہ انّہ کان موسیٰ علیہ السّلام اذا قاتل قدمہ فتسکن نفوس بنی اسرائیل و لا یفرّون۔[3]

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان ص ۴۷،تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۲)

[2] (تفسیر مظہری ص ۳۴۸)

[3] (مظہری ج ۱ ص ۳۴۹)

ترجمہ: اس میں خاصیت ہے کہ اس کے آنے سے تمہارے دلوں کو تسکین آجائیگی۔ابن اسحٰق رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔کہ جب حضرت موسیٰ ں جہاد میں جاتے تو اسے اپنے آگے رکھتے تھے۔اس سے بنی اسرائیل جنگ پر جمے رہتے اور بھاگتے نہیں تھے۔

اس تابوت میں کیا تھا؟

وکان فیه لوحان من التّوراة ورصاص الالواح الّتی تکسرت وعصاء موسیٰ ونعلاه وعمامة هارون وعصاه وقفیز من المَنّ کان ینزل علٰی بنی اسرائیل۔[1]

ترجمہ: اس صندوق میں دو تختیاں توریت کی اور شکستہ ٹکڑے ان الواح کے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔اور موسیٰ ں کا عصاء اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون ں کا عمامہ شریف اور عصاء اور مَن جو بنی اسرائیل پر اترتا تھا اور اس کا قفیز تھا۔

تبرکات صالحین باعث رحمت و برکت ہیں اور سکونِ قلب کا سبب ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

قُلتُ وَلا شَکَّ ان بذکر اللّٰه تعالیٰ ورؤیة آثار الصالحین من الانبیآء واتّباعهم تطمئنّ القلوب وتذهب عنها وساوس الشیطان[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے آثار و تبرکات کی زیارت سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں: **وبقیة ممّا ترک اٰل موسیٰ واٰل هارون هی رصاص من الالواح وثیاب موسیٰ وعمامة هارون وطشت من ذهب کان تغسل به قلوب الانبیآء۔** یعنی تابوت میں الواح کے ٹکڑے اور موسیٰ علیہ السلام کے پارچہ جات اور ہارون ں کا عمامہ اور سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے تھے۔[3]

علامہ ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے، میں فرماتے ہیں: **روی ان الملائکة جاءت به تحمله وکان یوشع بن نون قد جعله فی البریه فروی انهم زءوا التابوت فی الهواء حتّٰی نزل بینهم۔** یعنی ''روایت ہے کہ ملائکہ اسے اٹھا کر لائے اور یوشع بن نون علیہ السلام نے اسے جنگل میں رکھا۔اور روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اس صندوق کو ہوا میں دیکھا یہاں تک کہ ان کے درمیان اترا۔''[4]

علامہ قرطبی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ فرشتے اسے اٹھا کر لائے جیسا کہ خود قرآن عزیز نے ''**تحمله الملٰئکة**'' فرمایا۔اور ہوا میں یہ ظاہر ہوا اور پھر ان کے درمیان نازل ہوا۔

''**سَکِیۡنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ**'' کے تحت لکھتے ہیں: **ان التابوت کان سبب سکون قلوبهم فاینما کانوا سکنوا الیه ولم یفرّوا من التابوت اذا کان معهم فی الحرب۔**[5]

---

[1] (مظہری ج ۱ ص ۳۴۹)

[2] (مظہری ج ۱ ص ۳۴۹)

[3] (روح المعانی جزء ثانی ص ۱۶۹)

[4] (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۴۸)

[5] (قرطبی ج ۳ ص ۳۴۹)

ترجمہ : بیشک تابوت ان کے دلوں کے سکون کا سبب تھا۔ جہاں کہیں ہوتے اسی کے ساتھ رہتے اور تابوت چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ جب تک کہ وہ تابوت جنگ میں ان کے ساتھ ہوتا۔

اس تابوت میں کیا تھا؟ یہی علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :**فقیل عصاء موسیٰ وعصاء ھارون ورصاص الالواح لانھا انکسرت حین القاھا موسیٰ، قالہ ابن عباس رضی اللہ عنھما زادعکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ القواۃ وقال ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ البقعۃ عصاء موسیٰ علیہ السلام وثیابہ وثیاب ھارون علیہ السلام ولوحان من التوراۃ۔**[1]

ترجمہ: پس کہا گیا ہے کہ (اس صندوق میں) موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ہارون علیہ السلام کا عصاء اور الواح کے چند ٹکڑے (اسلئے) کہ موسیٰ علیہ السلام سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ اس پر زیادہ کیا عکرمہ نے اور ابوصالح نے کہا بقعہ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور ہارون علیہ السلام کے کپڑے اور توریت کی الواح تھیں۔[2]

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا، اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا، اس تابوت کی عظمت بنی اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی، وہ اس کو گم کر چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو مبہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا، اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مؤرخین نے بیان کیا ہے، مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا، اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں اور آخری گھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ تابوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا، پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس، پھر ان سے ان کے عم زاد اولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا، اور یہ کہا : اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے، انہوں نے تابوت نہ دیا، اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا، پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا، تم یہ اپنے عم زاد یعقوب علیہ السلام کو دے دو، سو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عم زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا، پھر یہ تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، انہوں نے اس میں توریت کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں، پھر یہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا۔[3]

مفتی اعظم سرحد حضرت علامہ مولانا مفتی شائستہ گل قادری نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب ''المقاصد السنیہ'' میں صفحہ ۲۰۵ پر لکھتے ہیں : ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے حالات ابتر ہوتے چلے گئے، اکثریت بت پرستی و سرکشی میں مبتلا ہوگئی، یہاں تک کہ ان پر عمالقہ مسلط ہو گئے (جو قوم جالوت سے مشہور تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی، بنی اسرائیل نے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہم پر ایک بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں کیونکہ انہوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکالا، ہماری اولاد کو قتل کیا، حضرت شمویل علیہ السلام نے ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، ان کے تقرر پر بنی اسرائیل سیخ پا ہوئے اور حضرت شمویل علیہ السلام سے کہا کہ یہ تو ایک غریب آدمی ہے نیز سلطنت تو یہود بن یعقوب کی

---

[1] (قرطبی ج ۳ ص ۲۵۰)

[2] (اسی کی مثل عبارات تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۱۶، معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱۵، روح البیان ج ۱ ص ۳۸۵، جمل ص ۲۴۱، مدارک ج ۱ ص ۱۹۹، بیان القرآن ص ۸۳، معارف القرآن حاشیۃ القرآن علامہ عثمانی ص ۴۸، تفسیر نعیمی ص ۶۳۲، ضیاء القرآن وغیرہم تفاسیر میں موجود ہیں)

[3] (البحر المحیط ج ۱ ص ۵۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اولاد میں چلی آرہی ہے، یہ شخص نہ تو امیر ہے اور نہ یہود بن یعقوب کی اولاد میں سے ہے، تو یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے۔ اب بنی اسرائیل حضرت شمویل علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ اگر یہ ہمارا بادشاہ ہے تو ہمیں اسکی بادشاہت کی کوئی نشانی دیجیے۔

آیت کا ترجمہ : ''اور ان کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے فرمایا اسکی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا، اس میں تمہارے لئے رب کی جانب سے دلوں کا چین (اطمینان) ہے، اور (اس میں) موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کے ترکہ میں سے کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں۔ فرشتے اسے اٹھالائیں گے۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ اس میں مختلف انواع واقسام کے تبرکات موجود تھے۔ نیز اس میں توریت شریف کے الواح کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریفین، اور آپ علیہ السلام کے کپڑے آپ علیہ السلام کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور کچھ من (من وسلویٰ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا)، یہ تبرکات موجود تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جنگوں کے مواقع پر اسی تابوت کو آگے رکھتے، جس سے بنی اسرائیل کو اطمینان اور دشمنوں پر اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی، نیز جب بنی اسرائیل کو کوئی مشکل پیش آتی تو انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے تبرکات سے بھرے ہوئے اس صندوق کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی مشکل حل فرماتا۔[1]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں : ''التابوت۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملّی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں تورات کا اصلی نسخہ مع تبرکات انبیاء علیہم السلام محفوظ تھا۔ بنی اسرائیل اس کو انتہائی بابرکت ومقدس سمجھتے تھے۔ سفر وحضر، جنگ وامن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسبِ ذیل تھی : طول دو فٹ چھ انچ، عرض ایک فٹ چھ انچ، بلندی ایک فٹ چھ انچ۔

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے، مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین کر لے گئے تھے، اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست وبدطالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لئے نہایت درجہ بے تاب ومضطرب تھے۔

طالوت کے دور میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ قبل مسیح) تک رہا، اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اسے بھی رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا، یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔''[2]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں لکھا ہے: ''(اور جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے، اس وقت) ان سے ان کے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدوں تمہارے لائے ہوئے) آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے۔ تمہارے ربّ کی طرف سے (یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہم السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ غرض) اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس (طرح سے صندوق کے آجانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات

---

[1] (خازن۔ ومعالم ج امدارک ج اجلالین وغیرہم۔ بحوالہ المقاصد السنیہ ص ۲۰۵ تا ۲۰۶)

[2] (تفسیر ماجدی، ج ۱ ص ۴۵۹)

تھے۔''

مزید حاشیہ میں لکھا ہے :قولہ تعالیٰ ''یَاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ''، اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔ [1]

نجوم القرآن ص ۷۵ میں لکھا ہے : ''تابوت کا آنا اللہ تعالیٰ کے نبی شمویل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور طالوت کی کرامت تھی کہ ان کے پاس خرق عادت تابوت آگیا۔ تابوت کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آرہا تھا جس میں کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات تھے، جو ان لوگوں کے دلوں کا چین بنے۔

''وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسیٰ وَاٰلُ ھَارُوْنَ'' (اور اس میں کچھ بقایا چیزیں ہیں جو چھوڑ گئے معزز موسیٰ اور معزز ہارون)۔ اس تابوت میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں تھیں۔ آسمانوں سے تورات کی جو تختیاں نازل ہوئی تھیں ان کے ٹکڑے تھے، موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور آپ علیہ السلام کے کپڑے تھے اور ہارون علیہ السلام کی نعلین تھیں۔ اور ان پر جو رب تعالیٰ کی طرف سے منّ نازل ہوتا رہا اس میں سے کچھ اس تابوت میں تھا۔[2]

نیز صفحہ ۷۸ پر لکھتے ہیں : اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔[3]

حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''عجائب القرآن مع غرائب القرآن'' میں تابوت کی تفصیل درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

''... (۱) معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی خداوند قدوس کے دربار میں بڑی عزت و عظمت ہے اور ان کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھ لو! صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں آپ کا عصاء اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ صندق اس قدر مقبول اور مکرم و معظم ہوگیا کہ فرشتوں نے اس کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شمویل علیہ السلام کے دربار نبوت میں پہنچایا اور خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس بات کی شہادت دی کہ ''فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُم'' یعنی اس صندوق میں تمہارے ربّ کی طرف سے سکینہ یعنی مؤمنوں کے قلوب کا اطمینان اور ان کی روحوں کی تسکین کا سامان تھا۔ مطلب یہ کہ اس پر رحمتِ الٰہی کے انوار و برکات کا نزول اور اس پر رحمتوں کی بارش ہوا کرتی تھی تو معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات جہاں اور جس جگہ بھی ہوں گے ضرور ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہوگا اور اس پر نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں سے مؤمنین کو سکونِ قلب اور اطمینان روح کے فیوض و برکات ملتے رہیں گے۔

(۲) جس صندوق میں اللہ والوں کے لباس و عصا اور جوتیاں ہوں جب اس صندوق پر اطمینان کا سکینہ اور انوار و برکات کا خزینہ خدا کی طرف سے اترنا قرآن سے ثابت ہے تو بھلا جن قبور میں ان بزرگوں کے پورا اجسام رکھے ہوں، کیا ان قبروں پر رحمت و برکت اور سکینہ و اطمینان نہیں اترے گا؟ ہر عاقل انسان جس کو خداوند عالم نے بصارت کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت بھی عطا فرمائی ہے، وہ ضرور اس بات پر ایمان لائے گا کہ جب

---

[1] (تھانوی، بیان القران ج ۱ ص ۱۴۵)

[2] (از کبیر و قرطبی)

[3] (ضیاء القران، بحوالہ نجوم الفرقان فی تفسیر القرآن ص ۷۴ تا ۷۸)

بزرگوں کے لباس اور ان کی جوتیوں پر سکینہ رحمت نازل ہوتا ہے تو ان بزرگوں کی قبور پر بھی رحمت خداوندی کا خزینہ ضرور نازل ہوگا اور جب بزرگوں کی قبروں پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے تو جو مسلمان ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہوگا اس پر بھی بارش انوار رحمت کے چند قطرات برس ہی جائیں گے کیونکہ جو موسلا دھار بارش میں کھڑا ہوگا ضرور اس کا کپڑا اور بدن بھیگے گا، جو دریا میں غوطہ لگائے گا تو ضرور اس کا بدن پانی سے تر ہوگا۔ جو عطر کی دکان پر بیٹھے گا ضرور اس کو خوشبو نصیب ہوگی تو ثابت ہوگیا کہ جو بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے، ضرور وہ فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال ہوں گے اور ضرور ان پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہوگا جس سے ان کے مصائب و آلام دور ہوں گے اور دین و دنیا کے فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کے تبرکات یا ان کی قبروں کی اہانت و بے ادبی کریں گے وہ ضرور قہر قہار اور غضب جبّار میں گرفتار ہوں گے، کیونکہ قوم عمالقہ جنہوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی تھی، ان پر ایسا قہر الٰہی کا پہاڑ ٹوٹا کہ وہ بلاؤں کے ہجوم سے بلبلا اٹھے اور کافر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اس بات کو مان لیا کہ ہم پر بلاؤں اور وباؤں کا حملہ اسی صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو بیل گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی بستی میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگ غضب الٰہی کی بلاؤں کے نیچے قہر سے نجات پالیں۔

(۴) جب اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل کو جہاد میں فتح مبین ملتی تھی تو ضرور بزرگوں کی قبروں سے بھی مؤمنین کی مشکلات دفع ہوں گی اور مرادیں پوری ہوں گی، کیونکہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کے لباس سے کہیں زیادہ اثرِ رحمت بزرگوں کے بدن میں ہوگا۔

(۵) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم سرکشی اور عصیان کے طوفان میں پڑ کر اللہ عزوجل اور رسول کی نافرمان ہو جاتی ہے، اس قوم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں چنانچہ آپ نے پڑھ لیا کہ جب بنی اسرائیل سرکش ہو کر خدا کے نافرمان ہو گئے اور قسم قسم کی بدکاریوں میں پڑ کر گناہوں کا بھوت ان کے سروں پر عفریت بن کر سوار ہوگیا تو ان کے جرموں کی نحوستوں نے انہیں یہ برا دن دکھایا کہ صندوق وسکینہ ان کے پاس سے قوم عمالقہ کے کفار اٹھالے گئے اور بنی اسرائیل کئی برسوں تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)[1]

قارئین کرام! ان عبارات سے جو جلیل القدر مفسرین نے آیات کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہیں، یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ :

(۱) بزرگان دین کے تبرکات انکے وصال کے بعد دافع البلاء اور باعث اطمینان قلب ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جن ذوات قدسیہ کے تبرکات میں اتنی برکت و فوائد ہیں، ان کی اپنی عظمت و احترام میں کتنے بے شمار منافع ہوں گے۔ نیز ان کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔

(۲) انکی توہین گمراہوں کا طریقہ ہے اور بربادی و تباہی کا باعث ہے۔

(۳) تبرکات کے وسیلہ و برکت سے دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

میں، سید احمد علی شاہ سیفی ترمذی، کہتا ہوں کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے پاس بھی حضور نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک موجود ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھرانے پر عظیم انعامات نازل فرمائے ہیں۔

دوسری دلیل از قرآن

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا } وَأْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ } وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ } قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ } فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ط قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ

---

[1] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن، ص ۳۹-۳۷)

مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ} (سورۃ یوسف، پارہ ۱۳، رکوع ۵)

ترجمہ: ''لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے اور (جا کر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل و عیال کو اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا۔ (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا بخدا! (باباجی) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ پس جب آپہنچا خوشخبری سنانے والا (اور) اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ علیہ السلام کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) میں نہیں کہتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے جتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔''

اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت علامہ پیر سید محمد کرم شاہ الازہری بھیروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں : جو قمیص آپ نے اس وقت زیب تن فرمائی تھی وہ اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر جا کر رکھو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی۔ جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ **ھو القمیص الذی کان علیہ حینئذٍ کما ھو الظاھر۔**[1]

اس دفعہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی باذنِ الٰہی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے اگر تم مجھے نادان، اور مخبوط الحواس نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے اپنے بیٹے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے.... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ آپ کے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے، گھر میں بہو بیٹیاں یا پوتے پوتیاں تھیں۔ انہوں نے کہا باباجی! رہنے بھی دو آپ کو تو ہر وقت یوسف علیہ السلام کے خواب ہی آتے رہتے ہیں۔ جس خوشبو کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو اس محبت اور وارفتگی کا کرشمہ ہے۔

جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تا کہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے۔ چنانچہ یہود انے کہا اس روز یوسف علیہ السلام کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا۔ اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں جا کر پہلے آپ کو یہ مژدۂ جانفزاء سناؤں، شاید میری پہلی غلطی کی تلافی ہو جائے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لے جانے والا شمعون تھا۔ الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لیکر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھ دی۔ قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی۔ ''**فعاد بصیرًا بعدما کان عمٰی**''۔

بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق! اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبش قلم اس حدیث کو غلط، ضعیف، موضوع وغیرہ کہہ کر جان چھڑا لیتے۔ لیکن یہ بات قرآن نے خود بیان کی ہے اس کو غلط کہیں تو کیونکر اس لئے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ محض ضعفِ بصر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سنی تو فرط مسرت سے خون میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہو گئی۔ لیکن یہ حضرات ''فَارْتَدَّ بَصِیْرًا'' (آپ پھر بینا ہو گئے) کے قرآنی کلمات کا ترجمہ کیا کریں گے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ قمیص دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو چھونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ جس خدا نے مختلف ادویہ میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں اس قادر مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کیلئے اس کی قمیص کو حضرت یعقوب کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔ **فالظاھر ان عودہ**

---

[1] (روح المعانی)

ں بصیرًا بالقاء القمیص علیٰ وجھہٖ لیس الا من خرق العادۃ ولیس الخارق بدعاً فی ھٰذہ القصۃ۔ یعنیٰ ''ظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بینا ہونا بطور خرق عادت تھا۔''[1]

جب سب آ گئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھا میرے ربّ نے مجھ پر کتنا کرم فرمایا۔ کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف علیہ السلام ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہونگے۔ (من حیاۃ یوسف وان اللہ یجمع بیننا۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام گم گشتہ کی بازیابی کی خبریں سن کر آپ نے بعینہٖ وہی لفظ کہے جو ہجر و فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہتے تھے :واعلم من اللہ مالا تعلمون} یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یعقوب ں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ صرف قبل از وقت افشاء راز کی اجازت نہ تھی۔[3]

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تفسیر تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں :عن مجاھد امرہ جبرائیل ان یرسل الیہ قمیصہ وکان ذالک القمیص قمیص ابراھیم علیہ السلام وذالک انہ جرد ثیابہ والقی فی النار عریاناً۔ فاتاہ جبرائیل بقمیص من حریر الجنۃ فالبسہ ایاہ فکان ذلک عند ابراھیم علیہ السلام۔ فلما مات ورثہ اسحاق فلما مات ورثہ یعقوب فلما شبّ یوسف جعل یعقوب ذالک القمیص فی قصبۃ وشدّر اسھا وعلقھا فی عنقہٖ۔ لما کان یخاف علیہ من العین وکان لا یفارقہ۔ فلما القی فی البئر عریاناً جآءہ جبرئیل علیہ السلام وعلی یوسف علیہ السلام ذلک التعویذ۔ فاخرج القمیص منہ والبسہ ایاہ۔ ففی ھٰذا الوقت جاء جبرئیل علیہ السلام وقال ارسل ذالک القمیص۔[4]

ترجمہ: ''مجاہد نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو (منجانب اللہ) پیغام دیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا کرتہ بھیج دیں اور یہ کرتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص مبارک تھی۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو کپڑے اتار لئے گئے تھے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جنّت سے ریشمی کرتہ لائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔ پھر یہ کرتہ آپ کے پاس رہا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو حضرت اسحٰق علیہ السلام اس کے وارث بنے۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس کے وارث ہوئے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ کرتہ ایک نلکی میں سر بند کر کے بطور تعویذ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا۔ تا کہ آپ علیہ السلام نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ ہر وقت وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں رہتا تھا۔ جب آپ کے کپڑے اتار کر کنویں میں ڈالا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تعویذ کھولا اور اس سے قمیص نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دی۔ پھر اسی کرتہ کے متعلق جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یہ قمیص اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیج دیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ قمیص جنّتی تھی اور اسی مظہری میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ قال الضحاک کان ذالک القمیص من نسیج

---

[1] (روح المعانی)

[2] (مظہری)

[3] (تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۵۷)

[4] (مظہری، ج ۵ ص ۱۹۸ اور تقریباً اس کے قریب قریب عبارات مندرجہ ذیل تفاسیر میں ہیں۔ تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۵۸، جمل ص ۴۸۰، جلالین ص ۱۹۸، صاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۲۴۰)

الجنة یعنی ضحاک نے کہا کہ وہ قمیص جنّت کے ریشم کی تھی۔[1]

تو معلوم ہوا کہ جنّتی قمیص ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص ہونے کے سبب اور برکت سے بینائی واپس آئی۔

اس کا جواب علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

قلت و اذا ثبت بکشف المجدد ص ان حسن یوسف و وجودہ کان من جنس الاشیاء الموجودۃ فی الجنہ فحینئذٍ لا حاجۃ الی ثبوت کون قمیصہ من نسیج الجنۃ و لا جل ذالک کان یعافی بہ المبتلی بل یکفی فی ذالک کون قمیص ملبوساً لیوسف فان وجود یوسف کان من جنس اشیاء الجنۃ واللہ اعلم۔[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضرت مجدّد ص کے کشف سے جب یہ امر ثابت ہوگیا۔حسنِ یوسف دنیوی اشیاء سے نہ تھا بلکہ آپ کا حسن اور وجود جنت کی اشیاء کی جنس سے تھا تو اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم قمیص کو جنت سے آیا ہوا مانیں بلکہ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنا ہوا تھا اور وجودِ یوسف علیہ السلام خود جنّت کی چیزوں کی جنس سے تھا۔واللہ اعلم۔

پھر یہ کہ قرآن حکیم نے اس کی اضافت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کی ہے :**اذھبوا بقمیصی ھٰذا**۔یعنی یہ میری قمیص لے جاؤ۔ قمیص کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ قمیص آپ کی تھی۔

اسی مقام پر علامہ قاضی صاحب فرماتے ہیں :**انی لاجد ریح یوسف فیہ دلیل علٰی ان ریح الجنۃ کان من یوسف نفسہ لا من قمیص یوسف و لا یقال ریح قمیص یوسف۔** یعنی "**ریح یوسف**" فرمایا، اس میں دلیل ہے کہ جنت کی خوشبو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجودِ مقدس کی خوشبو تھی۔حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو نہ تھی۔"**ریح قمیص یوسف**"نہیں فرمایا۔[3]

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تصریح سے واضح ہوگیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص وجود یوسف کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینا ہونے کا سبب بنی۔چنانچہ صاحب روح المعانی بھی یہی فرماتے ہیں۔

اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ :ھو القمیص الذی کان علیہ حینئذٍ کما ھو الظاھر۔[4]

ترجمہ :وہ قمیص وہی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود مقدس پر تھی اور یہی ظاہر ہے۔

اسی روح المعانی میں ہے :**انہ علیہ السّلام اخذہ فشمہ ثم وضعہ علٰی بصرہ فارتدّ بصیرًا و الظاھر انہ اریدبالوجہ کلہ و قد جرت العادۃ انہ متی وجد الانسان شیئًا یعتقد فیہ البرکتہ مسح بہ وجھہ۔**[5]

ترجمہ: جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر سونگھا پھر اسے اپنی آنکھوں پر رکھا تو بینائی لوٹ آئی۔اور ظاہر یہ ہے کہ وجہہ سے تمام چہرہ مراد لیا گیا ہے۔اور عادت جاری ہے کہ جب انسان ایسی چیز پائے جس کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اس میں برکت ہے تو اسے اپنے چہرے پر

---

[1] (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۹۸)

[2] (مظہری ج ۵ ص ۱۹۹)

[3] (مظہری ج ۵ ص ۱۹۹)

[4] (روح المعانی ج ۱۳ ص ۵۲)

[5] (معارف القرآن، ج ۵ ص ۱۳۴)

ملتا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بیان القران میں لکھا ہے: حضرت یعقوب علیہ السلام کا اس کرتے کے ڈالنے سے بینا ہو جانا بطور معجزہ تھا اور قمیص علی الاصح کوئی خاص نہ تھا یہی معمولی ملبوس تھا۔[1]

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں : ہر مرض کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوا ہے، آنکھیں گئیں تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہو گئیں، یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی۔[2]

مسلک دیوبند مفتی محمد شفیع نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے : ''اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود جنت ہی کی ایک چیز تھی۔ اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونے والے کرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔''[3]

اس کے بعد کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں : ''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب بشارت دینے والا قمیص یوسف لے کر پہنچا تو یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس کو کچھ انعام دیں مگر حالات سازگار نہ تھے اس لئے عذر کیا کہ سات روز سے ہمارے گھر میں روٹی نہیں پکی۔ اس لئے مادی انعام تو نہیں دے سکتا مگر یہ دعاء دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم پر سکرات موت کو آسان کر دے۔'' قرطبی نے فرمایا کہ یہ دعاء ان کیلئے بہتر انعام تھا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش خبری دینے والے کو انعام دینا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جب ان پر عتاب ہوا اور بعد میں توبہ قبول کی گئی تو جو شخص قبول توبہ کی بشارت لایا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا جوڑا کپڑوں کا اتار کر اسے پہنا دیا۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے لئے دوستوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت دینا بھی سنت ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ پڑھ کر ختم کی تو خوشی میں اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔[4]

اسی آیت کے تحت ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے :

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے چلا ہے اور ادھر سیکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اس کی مہک کو پا لیتے ہیں۔[5]

پیر اہن یوسف رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اَمَا قَوْلُهٗ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاِنَّ نَمْرُوْد الْجَبَّار لَمَّا اَلْقٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي النَّارِ نَزَّلَ اللّٰهُ جِبْرَئِيْلَ بِقَمِيْصٍ مِّنَ الْجَنَّةِ وَ طَنْفَسَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَاَلْبَسَهُ الْقَمِيْصَ وَ اَقْعَدَهُ عَلَى الطَّنْفَسَةِ وَ قَعَدَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ فَكَسَا اِبْرَاهِيْمُ ذَالِكَ الْقَمِيْصَ اِسْحَاقَ فَكَسَاهُ اِسْحَاقُ يَعْقُوْبَ وَ كَسَاهُ يَعْقُوْبُ يُوْسُفَ فَجَعَلَهُ فِيْ قصبة مِنْ فِضَّةٍ وَ عَلَقَهَا اَىْ لِلْحِفْظِ مِنَ الْعَيْنِ وَ غَيْرِهَا۔ وَ فِيْ التِّبْيَانِ مخافة مِنْ اِخْوَتِهٖ عَلَيْهِ فَاُلْقِيَ فِي

---

[1] (بیان القرآن ج ۱ ص ۴۹۴)

[2] (موضح القرآن ج ۱ ص ۳۲۲)

[3] (معارف القرآن، ج ۵ ص ۱۴۲)

[4] (معارف القرآن ج ۵ ص ۱۳۴)

[5] (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۴۲۸)

الْحُبِّ وَالْقَمِيْصُ فِیْ عُنُقِهٖ وَکَانَ فِیْهِ رِیْحُ الْجَنَّةِ لَا یَقَعُ عَلٰی مُبْتَلِیْ اَوْ سَقِیْمٍ اِلَّا صَحَّ وَعُوْفِیَ۔۔ الخ وَمِنْ هٰذَا السِّرِ اَرْبَابُ الْقُلُوْبِ مِنَ الْمَشَائِخِ یَلْبِسُوْنَ الْمُرِیْدِیْنَ خِرَقَهُمْ اِلٰی اَرْوَاحِ الْمُرِیْدِیْنَ فَیَذْهَبُ عَنْهُمُ الْعُمْیُ الَّذِیْ حَصَلَ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا وَالتَّصَرُّفِ فِیْهَا۔[1]

ترجمہ: نمرود جابر وظالم نے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کو جنّت سے ایک قمیص اور ایک قالین دے کر بھیجا تو حضرت جبرائیل نے حضرت ابرہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ قمیص پہنادی اور دونوں قالین پر بیٹھ کر محوِ گفتگو رہے۔کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت اسحٰق علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنادی۔انہوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام کو اور حضرت یعقوب نے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک چاندی کی تختی میں نظر بد اور آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے پہنادی۔صاحب تبیان نے لکھا ہے کہ بھائیوں کے خوف سے یہ قمیص پہنائی تو جب بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں ڈالا تو کرتہ انکے گلے میں تھا۔اور اس میں جنّت کی خوشبو تھی۔کسی بیمار یا مصیبت زدہ شخص پر ڈالا جاتا تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ اہل دل مشائخ نے اسی کو اپنے مریدین کے لئے خرقہ خلافت اور دستار بندی کی اصل اور مآخذ ٹھرایا تا کہ انکی برکتیں اس طریقہ سے ان کے مریدین کو حاصل ہو ں۔جس سے ان کی دنیاوی کدورتیں اور حُبّ مال دور ہوں۔

خرقہ خلافت کو وہابی عبث اور بدعت اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔اس کے رد میں صاحب روح البیان نے لکھا ہے : **یقول الفقیر هذا من سنة المشائخ قدس الله اسرارهم فانهم لبسوا الخرقه والبسوها تبرکاً وتیمناً وهم قد فعلوا ذٰلک بالهام من الله تعالیٰ واشارة فلیس لاحد ان یدعی انه من الزیادات والقبیحة۔**

ترجمہ : فقیر کہتا ہے کہ یہ مشائخ قدست اسرارہم کا طریقہ ہے کہ وہ خرقہ پہنتے اور پہناتے تھے۔اس سے تبرک وتیمّن مطلوب ہوتی ہے اور انہیں منجانب اللہ الہام ہوتا ہے۔اس پر کسی کو لائق نہیں کہ وہ اسے بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔

حکایت وہابی کُش : صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے بلدہ قونیہ میں حضرت الشیخ صدرالدین قدس سرہ کے مزار اقدس کے قریب کتب خانے کے حجرے میں ایک مبارک کپڑے کی زیارت کی ہے۔جسے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ نے بہشت سے پوشاک بھجوائی تھی اس کپڑے مبارک کو پانی کے ایک تھال میں دھو کر مریضوں کو پلایا جاتا ہے۔میں نے بھی اس مبارک پانی کو اس نیت سے پی لیا کہ میری ظاہری باطنی بیماریاں دور ہو جائیں۔**والحمدلله علی ذالک۔**[2]

تیسری دلیل از قرآن

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ} (سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵)

ترجمہ: وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ونواح کو ہم نے بابرکت بنادیا ہے تا کہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سفرِ معراج کے ضمن میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر فرمایا تو مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ائمہ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے اردگرد پھلدار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۳۱۵-۳۱۴)

[2] (فیوض الرحمان اردو ترجمہ روح البیان، پ ۱۳، ص ۱۰۹)

موسوی سے اس مسجد کو مہبطِ وحی اور مسکن انبیاء علیہم السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :قیل بالثّمار و بمجاری الانهار و قیل بمن دفن حوله من الانبیاء و الصالحین۔یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد کو پھلوں اور نہروں کی وجہ سے بابرکت بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد انبیاء علیہم السلام اور صالحین دفن ہیں اس وجہ سے یہ بابرکت ہے۔[1]

اہل ظواہر کا قاضی شوکانی لکھتا ہے :بالثّمار و الانهار و الأنبیاء و الصالحین فقد بارکالله سبحانه حول المسجد الاقصی ببرکات الدّنیا و الآخرة۔[2]

یعنی پھلوں، نہروں، انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وجہ سے۔پس اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو دنیا و آخرت کی برکتوں سے مالا مال فرمایا۔

آیتِ کریمہ کی مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ ائمہ تفسیر نے مسجد اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر بابرکت قرار دیا ہے۔

۱) پھلدار درختوں اور نہروں کا پایا جانا

۲) مسکن انبیاء علیہم السلام اور مسجد اقصیٰ کا کثیر انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہونا

۳) مسجد اقصیٰ کے اردگرد مزاراتِ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی

علامہ قرطبی اور قاضی شوکانی کے قول کے مطابق بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔یہی درست بات ہے کیونکہ لذیذ پھلوں اور خوش ذائقہ پانی کی نہروں کا وجود بھی انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔

نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام و صالحین رحمہم اللہ کی وجہ سے کسی جگہ کا بابرکت ہونا اور لوگوں کا تبرکاً اس مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔پس حضور تاجدارِ کائنات سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا مدفن ہونے کا اعزاز جس خطۂ زمین کو نصیب ہوا وہ پوری کائنات سے بڑھ کر بابرکت و باسعادت ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور اُمّت روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو دنیا و مافیھا سے بڑھ کر عزیز سمجھتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کا اردگرد بابرکت ہونے کی مزید تائید حضرت مجاہد کے اس قول سے ہوتی ہے :سماه مبارکاً لأنه مقر الأنبیاء و مهبط الملائکة و الوحی۔ ''مسجد اقصیٰ کے اردگرد کو بابرکت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی قرارگاہ اور نزولِ ملائکہ و وحی کا مقام ہے۔'' [3]

اس امر میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ نصِ قرآنی کے مطابق بیت المقدس کا گردونواح بابرکت ہے۔رہی یہ بات کہ وہ بابرکت کیوں ہے؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر نے جو بھی وجہ بیان کی اس میں نمایاں چیز نسبتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔اگر وہاں نزولِ ملائکہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی وجہ سے ہے۔اگر مزاراتِ انبیاء و صالحین ہیں تو ان کی نسبت بھی ان سے ہے حتیٰ کہ اگر عبادت گاہ مبارک ہے تو وہ بھی نبیوں کی نسبت کی وجہ سے ہے۔

---

[1] (قرطبی، الجامع الاحکام القرآن ج ۱۰، ص ۲۱۲)

[2] (شوکانی، فتح القدیر، ج ۳ ص ۲۰۶)

[3] (بغوی، معالم التنزیل ج ۳ ص ۹۲، ثناء اللہ، تفسیر المظہری ج ۵ ص ۳۹۹، ابن جوزی، زاد المسیر ۵:۵)

امام نسفی لکھتے ہیں :یرید بر کات الدین و الدنیا لانه متعبد الانبیاء علیهم السلام و مهبط الوحی۔[1]

ترجمہ :اس سے مراد دین و دنیا کی برکتیں ہیں اس لئے مسجد اقصیٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ اور مقام نزول وحی الٰہی ہے۔

چوتھی دلیل از قرآن

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا}(الاعراف،۷:۱۳۷)

ترجمہ : اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔

وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ} (الانبیاء ۲۱:۷۱)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو (جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

خطۂ شام کو سرزمین انبیاء و صالحین کہا جاتا ہے۔ائمہ تفسیر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں جس خطہ زمین کو برکت سے نوازنے کا بیان ہے وہ شام ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: و حقّت أن تكون كذلک فهی مبعث الأنبیاء صلاة الله علیهم و مهبط الوحی۔[2]

ترجمہ: اور درست بات یہ ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ سرزمین انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزول وحی کا خطہ ہے۔

زمخشری نے لکھا ہے :و بر کاته الواصلة الی العالمین أنّ أكثر الأنبیاء علیهم السلام بعثوا فیه فانتشرت فی العالمین شرائعهم و آثارهم الدینیة و هی البر کات الحقیقة۔[3]

امام نسفی نے لکھا ہے :أی أرض الشام بر كتها أن اكثر الأنبیاء منها فانتشرت فی العالمین آثارهم الدینیة۔[4]

ترجمہ: یعنی سرزمین شام کی طرف اور اس سرزمین کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہاں ہوئی اور پھر ان کے دینی آثار دنیا میں پھیلے۔

خطۂ شام کے مبارک ہونے کی ایک وجہ مفسرین نے یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ خطہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مرکز رہا ہے۔لہٰذا ان کے مبارک قدموں کی وجہ سے یہ خطہ زمین برکت والا ہوگیا۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شام کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں انبیاء و صالحین کی سرزمین ہے اس لئے مبارک ہے۔

حضرت ابن حوالہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :سَیَصِیْرُ الْأَمْرُ اِلَی أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً۔ جُنْدٌ بِالشَّامِ وَ جُنْدٌ بِالْیَمَنِ وَ جُنْدٌ بِالْعِرَاقِ۔ قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ :خِرْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِکَ، فَقَالَ :عَلَیْکَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِیَرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهِ یَجْتَبِی اِلَیْهَا خِیَرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ فَأَمَّا اِذْ أَبَیْتُمْ فَعَلَیْکُمْ بِیَمَنِکُمْ وَ اسْقُوْا مِنْ غُدُرِکُمْ فَاِنَّ اللهَ تَوَكَّلَ لِیْ بِالشَّامِ وَ أَهْلِهِ۔ یعنی ''عنقریب

---

[1] (نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل ۲:۲۷۸، آلوسی، روح المعانی ۱۱:۱۵، زمخشری، الکشاف ۲:۶۰۶)

[2] (رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴:۱۵۷)

[3] (زمخشری، تفسیر الکشاف ۲:۱۲۷)

[4] (نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل ۳:۸۶)

ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہو جائیں گے۔ایک لشکر شام میں ہوگا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ابن حوالہ نے کہا : یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اس وقت کو پاؤں تو فرمایئے کس لشکر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سرزمین شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا۔ اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کر اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملک شام کی اور اہل شام کی کفالت فرمائی ہے۔"[1]

فضیلتِ شام کے بارے میں کتبِ احادیث میں متعدد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔فضیلت ِشام کے حوالہ سے متذکرہ بالا نصِ قرآنی حدیثِ مبارکہ اور ائمہ تفسیر کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے خود ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے مقامِ ہجرت ملکِ شام کو بابرکت بنایا اور پھر امت کو فتنوں کے دور میں اس مبارک سرزمین میں حسبِ استطاعت تبرکاً سکونت اختیار کرنے کی ترغیب بھی فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ زمین تو ساری اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی پوری دنیا کا خالق و مالک حقیقی ہے، پھر اس قادر و قیوم ذات وحدہ لاشریک نے زمین کے ایک ٹکڑے کو مبارک کیوں قرار دیا۔اس سے یہی بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق کوئی مقام یا ہستی مبارک ہو اور اگر ایک بندہ مؤمن خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ برکت کی وجہ سے اس سے تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے، اسے خلافِ شرع اور منافی توحید قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پانچویں دلیل از قرآن

قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ} قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ} (سورۃ طٰہٰ: پ۱۶، ع ۱۳)

ترجمہ: "(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا اے سامری اس (فتنہ انگیزی) سے تیری کیا غرض تھی۔اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز کو جو لوگوں نے نہ دیکھی۔پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشانِ قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے نفس نے یہ بات۔"

جسٹس شریعت کورٹ حضرت پیر کرم شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ شریف اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں : تمام قدیم مفسرین اس آیت کی توضیح پر متفق ہیں کہ سامری نے عرض کی کہ میں نے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہیں۔وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑی کی خاک قدم میں حیات بخش اثر ہے، میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھری اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی۔اب جب آپ علیہ السلام طُور پر گئے اور آپ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو مجھے یہ سوجھی کہ زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈال دی جس سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس سے آواز نکلنے لگی۔[2]

تفسیر جلالین میں ہے : فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ اَثَرِ حَافِرِ فرس الرسول جبرئیل۔[3]

ترجمہ : میں نے مٹھی بھر خاک جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے لے لی۔

---

[1] (أبو داؤد السنن، کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام، ۴: ۳، رقم ۲۴۸۳ :)

[2] (تفسیر ضیاء القرآن، ج ۲ ص ۱۳۲)

[3] (جلالین ج ۱ ص ۲۶۶)

تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے :من اثر الرسول ای وعرفه بسابق الالفة فلما جآء جبرئیل لیطلب موسی الی المیقات لاخذ التوراة کان راکبا علی فرس کلماوضعت حافرها علیٰ شیء اخضر فعرف السامری ان للتراب الذی تضع الفرس حافرها علیه شانا.[1]

ترجمہ: سامری سابقہ معرفت کی بنا پر پہچانتا تھا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میقات پر توریت لینے کیلئے بلانے آئے تھے تو وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا جہاں قدم رکھتا تھا وہ چیز سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس وقت سامری سمجھ گیا کہ یہ خاک جہاں جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا قدم رکھتا ہے خاص اثر رکھتی ہے۔

اس کی مثل عبارت تفسیر جمل ج ۳ ص ۱۰۹ میں ہے۔

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :من اثر الرسول ای من اثر فرس جبرئیل علیه السّلام فنبذتها ای القیتها فی فم عجل وقال بعضهم انما خاد لکون التراب ماخوذًا من حافر فرس جبرئیل.[2]

علامہ محقق اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِه) کے تحت لکھتے ہیں : وَقَدْ کَانَ رَأیٰ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآئَ رَاکِبٌ فرس وَ کَانَ کُلَّمَا وَضَعَ الْفَرَسُ یَدَیْهِ اَوْ رِجْلَیْهِ عَلَی الطَّرِیْقِ الیبس یَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهِ النَّبَاتُ فِیْ الْحَالِ فَعَرَفَ اِنَّ لَهُ شَأنًا فَاَخَذَ مِنْ موطئه حُفْنَة۔ وَفِیْ الْکَبِیْرِ رآه یوم فَلَقَ الْبَحْرُ حِیْنَ تَقَدَّمَ خَیْلُ فِرْعَوْنَ رَاکِبًا عَلٰی رمکة وَدَخَلَ الْبَحْرَ۔ وفی غیره حِیْنَ ذَهَبَ بِهٖ اِلَی الطُّوْر۔ وَفِیْ جَلَالَیْنِ قَالَ مُوْسٰی وَمَا ذَالِکَ قَالَ رَأَیْتُ جِبْرِیْلَ عَلٰی فَرَسِ الْحَیَاةِ فَاَلْقِیَ فِیْ نَفْسِیْ اَنْ اَقْبِضَ مِنْ اَثَرِهَا فَمَا اَلْقَیْتُهٗ عَلٰی شَیْئٍ اِلَّا صَارَ لَهٗ رُوْحٌ وَلَحْمٌ وَدَمٌ فَحِیْنَ رَأَیْتُ قَوْمَکَ سَأَلُوْکَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا زَیَّنَتْ لِیْ نَفْسِیْ ذَالِکَ فَذَالِکَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی (فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ) اَیْ تُرْبَةُ مُؤْطِئِ فرس الملک الذی اَرْسَلَ اِلَیْکَ وَ الْمُرَادَ فَرَسُ الْحَیَاةِ لِجِبْرِیْلَ وَلَمْ یَقُلْ جِبْرَیْلَ اَوْ رُوْحُ الْقُدُسَ لِاَنَّهٗ لَمْ یَعْرِفْ اَنَّهٗ جِبْرِیْلَ وَ الْقَبْضَةَ المرة مِنَ الْقَبْضِ وَهُوَ الْاَخْذ بِجَمِیْعِ الْکَفِّ اطلقت علی الْمَقْبُوْض مرةً (فَنَبَذْتُهَا) اَلنَّبْذُ القاء الشَّیْئِ وَطَرَحَهٗ لِقِلَّةِ الْاِعْتدادِ به اَیْ طَرَحْتُهَا فِی الْحُلِی ای المذابَةُ اوفِیْ فَمِّ الْعِجْلِ فَکَانَ مَا کَانَ۔ وَفِی الْعَرَائِسِ قَبَضَ السَّامِرِی مِنْ اثر فرسه قبضة لِاَنَّهٗ سَمِعَ مِنْ مُوْسٰی تَأْثِیْرُ الْقُدْسِیِّیْنَ فِیْ اِشْبَاحِ الاکوان فنثرها عَلَی العِجْلِ الذهبی فَجَعَلَ الحق لَهَا اَکْسِیَةً امن نور فِعْلِهٖ وَلذا حیی۔[3]

ترجمہ : ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد (بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِه) کے تحت لکھتے ہیں کہ سامری نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام جس سواری پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھی گھاس سبز ہو جاتی ہے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کے قدموں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ تفسیر الکبیر میں ہے کہ سامری نے اس وقت دیکھا جب موسیٰ علیہ السلام دریا کو عبور کر گئے۔ اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے کے آگے جبرئیل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے (اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کودا۔ اس سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی)۔ دوسری تفسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبرئیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے

---

[1] (الصاوی علی الجلالین ج ۳ ص ۶۳، مطبوعہ دار الفکر، ج ۲ ص ۸۶ مکتبہ غوثیہ، ج ۴)

[2] (مظہری ج ۶ ص ۱۶۰)

[3] (روح البیان ج ۵ ص ۴۲۰-۴۲۱)

جبرئیل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گزرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی مٹھی اٹھالوں۔ چنانچہ میں نے جب بھی اس مٹھی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہوگیا اور اس کو روح مل گئی۔ میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ آپ سے معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لئے بچھڑا تیار کر کے ان کو پرستش کی دعوت دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے : فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلُ تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ یعنی اس فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغامِ الٰہی لاتا ہے اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے جو جبرئیل علیہ السلام کی سواری کے لئے دی گئی تھی۔ اور یہاں نہ جبرئیل کہا اور نہ روح القدس، اس لئے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔ قبضۃ ایک بار مٹھی بھر لینا بمعنی کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا کبھی قبضۃ بمعنی مقبوض بھی ہوتا ہے۔ فنبذتها : النبذ بمعنے کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر نیچے پھینکنا۔ میں نے اس مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر یوں ہی ہوگیا جیسا کہ آپ اب دیکھ رہے ہیں۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی مٹھی بھر لی تھی۔ کیونکہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا کہ فرشتوں (قدسیوں) کی تاثیر دنیا کی چیزوں میں عجیب زندگی پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا سامری نے سونے کے بچھڑے میں وہی مٹی ڈال دی۔ چنانچہ اس نورانی فعل سے اللہ تعالیٰ نے اکثیر کا اثر پیدا فرمایا جس سے بچھڑا زندہ ہوگیا۔

''اس آیت کے تحت مولوی شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے : ''سامری نے کہا مجھ کو ایک ایسی چیز دکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ یہ شاید اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبرائیل علیہ السلام دونوں جماعتوں کے درمیان ہو گئے تا کہ ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دیں۔

بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاکِ پا میں یقینا کوئی تاثیر ہوگی۔''[1]

مسلک دیوبند کے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے : ''پھر جب بنی اسرائیل کے جمع کئے زیورات سے اس نے بچھڑے کی ہیئت بنالی تو اپنے گمان کے مطابق کہ اس مٹی میں آثار حیات ہیں جس چیز میں ڈالی جائیگی اس میں زندگی پیدا ہو جائیگی۔ اس نے یہ مٹی بچھڑے کے اندر ڈالدی بقدرت خداوندی اس میں حیات کے اثرات ہو گئے اور بولنے لگا۔''[2]

رہا یہ سوال کہ یہ عجیب وغریب معاملہ ایک باطل پرست کے ہاتھ کس طرح ظہور پذیر ہوسکتا ہے، اس کے متعلق سب سے بہتر جواب شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعبیر ہے کہ جب ایک باطل کو دوسرے حق کے ساتھ ملایا جائے تو اس امتزاج سے ایک کرشمہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس ترکیب کا خاصہ اور اس کا حقیقی مزاج کہلاتا ہے۔

چھٹی دلیل از قرآن

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ۔[3]

---

[1] (حاشیۃ القرآن ج ا ص ۵۵۱)

[2] (معارف القرآن ص ۱۴۴)

[3] (سورۃ ال عمران، پارہ ۴ ع ۱، آیت ۹۶)

ترجمہ :''بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکّہ میں ہے، بڑا برکت والا ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں۔''

آیت کریمہ میں جن روشن نشانیوں کا بیان فرمایا گیا ہے، ان میں ایک روشن نشانی وہ مقدس پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر معمار حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی دیواریں چنیں اور اس پتھر پر آپ علیہ السلام کے نقوشِ پا ثبت ہیں۔ اسے مقامِ ابراہیم بھی کہتے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کی تشریح میں برکت اور تبرک کے تصوّر کو یوں واضح کیا ہے : وقوله مبارکاً یعنی أنه ثابت الخیر والبرکة، لان البرکة هی ثبوت الخیر ونموه وتزیده والبرک هو الثبوت یقال برک برکاً وبروکا اِذثبت علی حاله.[1]

ترجمہ:''اور اللہ عزوجل کا مبارکاً فرمانا اس معنی میں ہے کہ وہ گھر خیر و برکت والا ہے، کیونکہ کسی چیز میں خیر و بھلائی کا پایا جانا اور اس کی نشو ونما اور اس میں اضافہ ہو جانے کا نام برکت ہے۔ برکت سے مراد جم کر بیٹھنا ہے برک، برکا اور بروکا اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنی جگہ جم کر بیٹھے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی} یعنی ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بناؤ۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے : ولا هل الاعتبار ههنا استنباط وهو ان فی کل مکان مکث فیه رجل من اهل الله تعالیٰ حینا من الدهر ینزل هناک برکات من السماء وسکینة تجذب القلوب الی الله تعالیٰ ویتضاعف هناک اجر الحسنات وکذا وزر السیئات والله اعلم۔[2]

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل علیہ السلام کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنالیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اَلْفَضِیْلَةُ الثَّانِیَةُ بِهٰذَا الْبَیْتِ مَقَامُ اِبْرَاهِیْمَ وَهُوَ الْحَجَرُ الَّذِیْ وَضَعَ اِبْرَاهِیْمُ قَدَمَهُ علیه فجعل الله ماتحت قدم ابراهیم عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ ذَالِکَ الْحَجَرِ۔ دُوْنَ سَائِرِ اَجْزَائِهٖ کَالطِّیْنِ حَتّٰی غَاصَ فِیْهِ قَدَمُ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السلام، وهذا مما لا یقدر علیه الا الله وَلَا یُظْهِرُ اِلَّا عَلَی الْاَنْبِیَآئِ ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَدَمَهُ عَنْهُ خَلَقَ فِیْهِ الصَّلَابَةُ الْحَجَرِیَّةَ مَرَّةً اُخْرٰی ثُمَّ اَنَّهُ تَعَالٰی اَبْقٰی ذَالِکَ الْحَجَرَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِمْرَارِ وَالدَّوَامِ فَهٰذِهٖ اَنْوَاعٌ مِنَ الْاٰیَاتِ الْعَجَبِیَّةِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ اَظْهَرَهَا الله تَعَالٰی فِیْ ذَالِکَ الْحَجَرِ۔[3]

ترجمہ : کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ اور یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں دھنس گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ اور معجزات انبیاء میں سے ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر جیسی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشانِ قدم محفوظ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے باقی رکھا تو یہ انواع و اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں

---

[1] (جصاص احکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۳)

[2] (ج ۱ ص ۱۲۸)

[3] (تفسیر کبیر ج ۸، ص ۱۵۵)

ظاہر فرمائے ہیں۔

اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آپ پتھر پر اپنا قدم مبارک رکھتے تو وہ پتھر آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے آ کر نرم ہو جاتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّهٗ ﷺ اِذَا مَشٰی عَلَی الصَّخْرَةِ غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيْهِ.[1]

ترجمہ: ''جب رسول اللہ ﷺ پتھر کی چٹان پر چلتے تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے نشان ان پر لگ جاتے تھے۔'' یعنی دھنس جاتے تھے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں: اِنَّهٗ ﷺ كَانَ فِيْ بَعْضِ الْاَحْيَانِ اِذَا مَشٰی غَاصَ قَدَمُهٗ فِي الْحِجَارَةِ بِحَيْثُ بَقِيَ ذَالِكَ اِلَى الْاٰنَ وَ ارْتَسَمَ فِيْهَا مِثَالُهٗ بِعَيْنِهٖ وَ النَّاسُ يَتَبَرَّكُ بِهٖ وَ تَزُرُوْهُ وَ تُعَظِّيْمُهٗ كَمَا فِي الْقُدْسِ وَ نَقَلَ مِنْهُ فِيْ مِصْرٍ فِيْ اَمَاكِنَ مُتَعَدِّدَةٍ حَتّٰى قِيْلَ اِنَّ السُّلْطَانَ قَاتْبِيَانِيْ اِشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ اَوْصٰى بِجَعْلِهٖ عِنْدَ قَبْرِيْ وَ هُوَ مَوْجُوْدٌ اِلَى الْاٰنَ.

ترجمہ: حضور ﷺ جب کبھی ننگے پاؤں پتھر پر چلتے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور ان میں بعینہٖ نشانِ قدم پڑ جاتا۔ چنانچہ ان پتھروں کو تبرکاً محفوظ کر لیا گیا جو اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں اور لوگ ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلطان قاتبیانی نے بیس ہزار دینار سے ایک پتھر خریدا تھا اور وصیّت کی تھی کہ اسے میری قبر کے پاس نصب کیا جائے۔ چنانچہ وصیّت کے مطابق وہ اب بھی وہاں موجود ہے۔

حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان حضور نبی اکرم علیہ السلام کے نشانِ قدوم سے گہری مماثلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس متبرک و مقدس پتھر پر یہ نشان دیکھ کر قریش مکّہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ قدموں کے نشان محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے ہیں؟ اس بات کی تصدیق ہونے پر وہ اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ ﷺ نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے بعض علماء نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر کچھ ایسی نشانیاں دیکھیں کہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کو کتب سماویہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

ساتویں دلیل از قرآن

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً۔ (سبا:۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، (یمن سے شام تک) نمایاں (اور) متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔

آٹھویں دلیل از قرآن

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ۔ (النور:۳۵)

یعنی ''روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔''

مبارک درخت: قرآن مجید میں مبارک درخت سے مراد ''زیتون'' کا درخت ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ سب سے پہلا درخت ہے جو زمین پر اگا اور سب سے پہلے جہاں اگا وہ کوہ طور ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوئے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ

---

[1] (زرقانی ج ۴، ص ۱۹۷، بیہقی)

ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ تین ہزار برس تک یہ درخت باقی رہتا ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زیتون میں بہت سے فوائد اور منفعتیں ہیں۔اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے اور یہ بطور سالن کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی سر اور بدن پر مالش بھی کرتے ہیں اور یہ چمڑے کی دباغت میں بھی کام آتا ہے اور اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا کوئی جزو بھی بیکار نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھو کر صاف کیا جاتا ہے اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مکانوں اور مقدس زمین میں اگتا ہے اور اس کے لئے ستر انبیاء نے برکت کی دعا مانگی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی مقدس دعاؤں سے بھی یہ درخت سرفراز ہوا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا :

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔(المؤمنون: ۱)

''اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن''[3]

(۳۱) ﴿باب نمبر اکتیس احادیث نبویہ ﷺ سے تبرکات کا ثبوت، تبرکات کے فوائد کے دلائل﴾

اگر چہ صاحب روح البیان کے دور میں وہابی، وہابی مزاج دیوبندی، مودودی، پنج پیری قسم کے لوگ نہیں تھے، لیکن ابن تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا ''گرو'' ہے، اس کے تاثرات موجود تھے اس لئے صاحب روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اول : ویدل علیه قوله ں ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء.

یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ صالحین کے درمیان مردوں کو دفن کرو اس لئے کہ میت برے ہمسایہ سے ایذاء پاتی ہے، جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

اس حدیث سے صاحب روح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ تھا، لیکن اسے نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہوگا ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے، کہ ان کے قرب اور توسل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال از وہابیہ دیوبندیہ : یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحب روح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بنا دیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب: اس روایت میں اعمال صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایات ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت : مروی ہے عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفیان بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الہذلی کو قتل کر کے حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جانا۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک اس کے کفن کے اندر جسم سے ملا

---

[1] (صاوی ج ۳ ص ۹۵)

[2] (صاوی ج ۳ ص ۱۱۵)

[3] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن ص ۲۵۰-۲۴۹)

کر تبرک کے طور پر رکھ دینا چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

حضور ﷺ سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبد اللہ حجام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مونڈے تو آپ ﷺ نے آدھے بال مبارک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائے اور آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ تبرک سے فیوض و برکات کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسول اکرم ﷺ اور سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ اور تبرکات : جیسے ہی حضور ﷺ نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ :**فکانوا یتبرکون بھا و ینصرون مادامو احاملین لھا**۔یعنی حضور ﷺ کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے۔[1]

دلیل چہارم : اسرارِ محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔ **کما قال : ولذا قال فی الاسرار ا لمحمدیہ لو وضع شعر رسول اللہ ﷺ وعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرہ من العذاب.** (ایضاً) یعنی :اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور ﷺ کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ ﷺ کی چھڑی مبارک کسی مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت

دلیل الاحسان میں لکھا ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن قبرستان گئے،اور ایک قبر دیکھی جس میں سے فریاد کی آواز آرہی تھی کہ : ہمارے دائیں بھی آگ ہے،ہمارے بائیں بھی آگ ہے،ہمارے نیچے بھی آگ ہے،اوپر بھی آگ ہے،اور بہت سخت عذاب میں مبتلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس آدمی پر رحم آگیا۔میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا قرآن مجید ختم کیا اور ثواب اس مردہ کو بخش دیا۔پھر غور کیا تو وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا تھا،کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔میں بہت حیران ہوا کہ عجیب میت ہے۔سو رکعات نفل اور قرآن مجید کے ختم سے بھی عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی۔لہٰذا میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آیا۔نبی کریم ﷺ اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔میں نے سلام عرض کیا،آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا : اس وقت (دوپہر) آپ کیسے آگئے۔میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ،میں قبرستان گیا تھا۔میں نے ایک قبر دیکھی جس میں میت بہت سخت عذاب میں مبتلا تھی۔مجھے اس پر رحم آگیا،سو میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا قرآن پاک ختم کیا،لیکن وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا : یہ تو عجیب میت ہے۔پھر نبی اکرم ﷺ اٹھ گئے اور فرمایا کہ مجھے اس قبر تک لے چلو۔نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں قبرستان پہنچے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ قبر ہے۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام مبارک نے دیکھا کہ وہ میت بہت خوش ہے۔فرمایا : اے علی (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ سے سہو ہوگیا (بھول گئے)،یہ تو بہت خوش ہے،ہوسکتا ہے دوسری قبر ہو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی قربان یہی قبر ہے،میں نے اس پر نشانی بھی رکھی ہے۔اس دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اللہ پاک آپ پر سلام بھیجتا ہے اور بعد از سلام فرماتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سہو نہیں ہوا (نہیں بھولے)،یہ وہی قبر ہے۔لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں وضو کر رہے تھے

---

[1] (روح البیان ج ۳،ص ۴۷۹،تحت ھذا الآیۃ ''وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَاتَ اَبَدًا'' سورۃ التوبۃ)

اور اپنے داڑھی مبارک میں کنگھی کر رہے تھے۔ان کی داڑھی مبارک سے ایک بال نکلا اور ہوا نے اٹھا کر اس قبرستان میں پہنچا دیا۔اس قبرستان میں ستر ہزار مردگان تھے۔سب عذاب کے مستحق تھے۔اللہ ربّ العزّت نے بال کی برکت سے سب کو بخش دیا۔[1]

سبحان اللہ! یہ ہے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت۔ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ابو بکر صدیق سن کر ''رضی اللہ عنہ'' پڑھیں۔اور ہزار لعنتیں اس پر جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرے۔

دلیل پنجم :اور فرمایا :**وان کان فی دار انسان او بلادہ لا یصیب سکانھا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ.** (ایضاً) یعنی جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلاء سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم :**ومن ھذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھا وکتابۃ القران علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی.** (ایضاً) یعنی اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنانا یا قرآنی آیت لکھ کر مردہ کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہد نامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر آذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور قبر کے قریب قرآن پڑھاتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا اپنا مشاہدہ :صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص آلِ عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض و برکات سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔مثلاً آلِ عثمان کے خزانہ میں حضور ﷺ کا جبّہ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض و برکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات و بلیات کی بھرمار ہے۔صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انہیں اس کی سزا ملی ہے اس لئے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت و احترام نہ کیا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی ﷺ کے خلاف ہو جانا محض سزا یا تنبیہہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور ﷺ فرما گئے۔[2]

حدیث شریف :حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور ﷺ کا جبّہ مبارک تھا۔

فقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ ﷺ فاخرجت الی جبۃ طیالسۃ کسروانیۃ دیباج وفرجیھا مکفوفین بالدیباج فقالت ھذہٖ کانت عند عائشۃ حتّٰی قبضت فلما قبضت قبضتھا وکان النبی یلبسھا فنحن نغسلھا للمرضی لنستشفی بھا.[3]

فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ مبارک ہے انہوں نے ایک اونی جبّہ مبارک کسروانی ساخت کا نکالا اور اس کی پلیٹ ریشمی تھی،اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفاء چاہتے ہیں۔

---

[1] (دلیل الاحسان ص ۸)

[2] (فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان، پارہ ۱۰،ص ۳۱۸-۳۱۶،المقاصد السنیہ،مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،ص ۲۱۲)

[3] (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۰،ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۶۵،مشکوۃ شریف ص ۳۷۴، شفاء ج ۱ ص ۲۸۶،حجۃ اللہ علی العلمین ص ۴۳۱،کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ ص ۱۹۵)

امام اجل ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :وفی هذ الحدیث دلیل علی استحباب التبرّک بآثار الصّالحین و ثیابهم. یعنی ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔[1]

نمودن وے جُبّہ را محض از برائے اظہار تبرک وتیمّن بود نہ برائے بیان جوازِ لباس۔[2]

''اس جبہ کا دکھانا محض برکت کے اظہار کے لئے تھا، بیان جواز لباس کے لئے نہ تھا۔''

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا، ان کا لباس دھو کر بیماروں کو پلانا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، ان میں شفاء ہے۔[3]

حدیث شریف : صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی فوت ہوگیا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو جانثار صحابی رسول رضی اللہ عنہ تھے، نے عرض کیا اعطنی قمیصک اکفنه فیه و صلِ علیه و استغفر له فاعطاه النّبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قمیصه. یعنی مجھے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیں تا کہ اس سے میں کفناؤں اور ان پر نماز پڑھیں اور دعائے مغفرت فرمائیے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی قمیص عطا فرمادی۔[4]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیص عطا فرمانا، تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے، علامہ اسماعیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت سے یہی استنباط کیا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے شرح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :واستنبط منه الاسماعیلی جواز طلب آثار أهل الخیر منهم للتبرک بها و ان کان السائل غنیاً. یعنی علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے صالحین سے ان کے آثار کو برائے تبرک طلب کرنے کا جواز اخذ کیا ہے، خواہ مانگنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔[5]

ابن عدی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ سنان بن طلق رضی اللہ عنہ نے عرض کی : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اپنی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا دے دیجیے، میں اس کو بطور تبرک اپنے پاس رکھوں گا۔ محمد بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک کا وہ ٹکڑا اباً عن جدٍ میرے ہاتھ آیا۔ یغسلها للمریض یستشفیٰ بها[6] یعنی یہ قمیص کا مبارک ٹکڑا مریضوں کو دھو کر پلایا جاتا ہے اور اس کی برکت سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ مبارک : سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۱)

[2] (اشعۃ اللمعات، ج ۳ ص ۵۴۰)

[3] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۹۸، ج ۶)

[4] (بخاری شریف کتاب الجنائز باب الکفن فی القمیص ص ۴۲۷)

[5] (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳۹:۳)

[6] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۲)

عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

حدیث شریف : کتبِ صحاح میں سے سنن ابی داؤد و دیگر کتبِ احادیث میں مسواک دھونے کے حوالہ سے روایت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :کان نبی اللہ ﷺ یستاک فیعطنی السواک لأغسلہ فأبدأبہ فأستاک ثم اغسلہ و أدفعہ الیہ[1]

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ مسواک کیا کرتے تھے سو آپ ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اس سے تبرکاً مسواک کرتی، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتی۔

اس روایت میں بھی تبرک کا واضح ثبوت ہے۔شارحین حدیث نے مذکورہ روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ امّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل حصول برکت کے لئے تھا۔ ولٰکن الوھابیۃ قوم لا یعلمون۔

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :فأبدا بہ ای باستعمالہ فی فمی قبل الغسلِ لیصل برکۃ رسول اللہ ﷺ الیّ و الحدیث فی ثبوت تبرّک بآثارِ الصّالحین.[2]

"فأبدا بہ" کا معنی یہ ہے کہ میں دھونے سے پہلے اسے استعمال کرتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برکت مجھے حاصل ہو۔اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔

حدیث شریف : حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھوں سے بُنی ہے۔آپ ﷺ کے لئے لائی ہوں۔آپ ﷺ نے قبول فرمائی اور پھر تہبند کے طور پر باندھ کر ہمارے پاس تشریف لائے۔پھر صحابہ میں سے ایک نے کہا کیا اچھی چادر ہے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر مجھے پہنا دیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اور پھر کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔جب واپس آئے تو چادر لپٹی ہوئی آپ ﷺ کے پاس تھی پھر اس سائل کے حوالے کر دی۔ فقال لہ القوم ما احسنت سألتھا ایّاہ و قد عرفت انّہ لا یردّ سائلاً فقال الرّجل و اللہ ماسألتھا الّا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکانت کفنہ۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کہا تو نے چادر کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا۔حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے اس لئے سوال کیا کہ میرے مرنے کے بعد یہ چادر (جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو چکی ہے) میرا کفن بنے۔حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی چادر اس کا کفن بنی۔[3]

اس حدیث کے تحت امام المحدثین علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں :فیہ التبرک بآثار الصالحین قال اصحابنا لا یندب ان یعد لنفسہ کفنا الا ان یکون من اثر ذی صلاح فحسن اعدادہ کما ھنا۔[4]

ترجمہ :"اس میں نیکوں کے آثار سے تبرک کا ثبوت ملتا ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا کسی شخص کے لئے اپنے لئے کفن تیار کر رکھنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ صالحین کے آثار والا کفن ہو تو اس کا تیار کر رکھنا جائز ہے جیسا کہ یہاں ہے۔"

حدیث شریف : حضرت عبد العزیز بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

---

[1] (ابو داؤد، کتاب الطہارت، باب غسل السواک، ج ۱ ص ۱۴، رقم ۵۲، بیہقی السنن الکبریٰ ص ۳۹، ج ۱ رقم ۱۶۸)

[2] (عظیم آباد عون المعبود، ص ۵۲، ج ۱)

[3] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۵ ایضاً ج ۱ ص ۱۷۰، سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۷)

[4] (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۲۴)

انتقال ہوا تو حضور سید عالم ﷺ ان کی قبر میں اترے اور لحد میں لیٹے اور پھر دعاء فرمائی :

"اللہ الّذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد واوسع علیھا مدخلھا بحق نبیّک والانبیآء الذین من قبلی فانک ارحم الرّاحمین"۔

"اللہ وہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اسے موت نہیں، اے اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی بخشش فرما۔ اور ان پر ان کی قبر کشادہ فرما، اپنے نبی (ﷺ) کے طفیل، اور مجھ سے قبل جو انبیاء کرام (علیہم السلام) گزر چکے ان کے طفیل، یقینا تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔" **ثم نزع قمیصه عن جسده وامرھم ان تکفن فیه فقیل یا رسول اللہ ﷺ رئیناک صنعت شیئین نزعک قمیصک تمعلک فی لحدھا فقال اما القمیص فاریدان لا تمسّھا النار ابداً ان شاءاللہ تعالیٰ وامّا تمعلی فی لحدھا فاردت ان یوسع قبرھا، رواہ الطبرانی بسند رجالہ رجال الصحیح وابن حبان والحاکم وابو نعیم والدیلمی بسند حسن۔** یعنی "پھر آپ ﷺ نے اپنا کرتا اتارا اور بطور کفن پہنانے کا حکم دیا۔ آپ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے دو چیزیں آپ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھیں، اپنی قمیص مبارک بطور کفن عطا فرمائی اور اس کی قبر میں لیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قمیص بطور کفن اس لئے پہنائی میں چاہتا ہوں کہ انہیں کبھی آگ نہ چھوئے ان شاء اللہ تعالیٰ اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اس کی قبر اس پر کشادہ ہو جائے۔[1]

اس حدیث شریف کے تحت علامہ عبد الغنی ھمارہ فضل الذاکرین میں لکھتے ہیں : **یدل علی جواز التبرک بقبرہ ﷺ والتمسح بہ اضطجاعہ فی قبر فاطمة بنت اسد ورفع اللہ عنھا عذاب القبر تمسکہ فی القبر فقبرھا صار روضة وبرکة ورحمة بسبب نزولہ۔** یعنی "اس میں دلیل ہے حضور سید عالم ﷺ کے مزار پر انوار سے تبرک حاصل کرنے اور مس کرنے کا۔ حضور ﷺ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر شریف میں لیٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تنگیٔ قبر کو دور فرمایا، آپ ﷺ کے قبر میں اترنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو جنّت کا باغ اور برکت اور رحمت بنا دیا۔" پھر فرماتے ہیں : **اذا جاز التبرک والتمسح بیدی النبیّ ﷺ وببصاقہ وبشعرہ وبالماء الذی وضع یدہ الشّریف فیہ ولم یکن ذالک شرکاً ولا عبادة لہ ﷺ جاز التبرک بقبرہ الشریف الذی حوی جسدہ الشریف لانہ تبرک باثارہ، ایّھا المبتدعون ھل تقولون ان الصّحابة الکرام رضی اللہ عنھم اشرکوا بفعلھم ھذا واقرھم رسول اللہ ﷺ علیٰ شرکھم ام انتم مخطئون۔** "جب حضور ﷺ کے دست پاک سے مسح کرنا بطور تبرک جائز ہے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن مبارک، اور بال مبارک اور اس پانی سے جس میں آپ ﷺ نے دست پاک رکھا تبرک حاصل کرنا جائز ہے، اور یہ عمل نہ شرک ہے اور نہ حضور سید عالم ﷺ کی (معاذ اللہ) عبادت ہے، تو آپ ﷺ کے مزار پر انوار سے جس میں آپ ﷺ کا جسد مبارک ہے، تبرک حاصل کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے۔"

تو اے بدعتیو! کیا کہتے ہو اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اس فعل کے سبب (معاذ اللہ) کیا مشرک ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے شرک کی تصدیق فرمائی، یا تم گمراہی پر ہو؟

حدیث شریف : وضو کے غسالہ سے تبرک

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو مکہ کے ابطح مقام میں چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا : **ورأیت بلالاً اخذ وضوء رسول اللہ ﷺ ورأیت النّاس یبتدرون ذالک الوضوء فمن اصاب منہ شیئًا تمسّح بہ ومن**

---

[1] (وفاء الوفاء الجزء الثانی، ابن عساکر، فضل الذاکرین والرد علی المنکرین، ص ۱۳)

لم یصب منه احذ من بلل ید صاحبه۔ ترجمہ :اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے وضو کا پانی لیا۔اور لوگوں کو دیکھا کہ اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔جس نے اس میں سے کچھ پالیا اسے اپنے چہرے پر مل لیا اور جس نے نہ پایا اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی۔[1]

امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :**فجعل الناس یتمسحون بوضوئه استنبط منه التبرک لما یلامس اجساد الصالحین۔**[2]

ترجمہ: تو لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو ملنے لگے۔اس حدیث سے استنباط کیا گیا ہے کہ جو چیز صالحین کے اجسام سے مس کرے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔

امام اجل ابو زکریا نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں :**فخرج بلال بوضوئه فمن نائل بعد ذالک و ناضح تبرکاً باثاره ﷺ و قد جآء مبیّنًا فی الحدیث الاٰخر فرأیت النّاس یاخذون من فضل وضوئه۔ فیه التّبرک باٰثار الصّالحین و استعمال فضل طهورهم و طعامهم و شرابهم و لباسهم۔**[3]

ترجمہ: حضرت بلال حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا اور کوئی اسے ملتا تھا۔آپ کے آثار کے حصول کے لئے،اور دوسری حدیث میں واضح طور پر ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیتے تھے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کے بچے ہوئے پانی،کھانے پینے کی چیز اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔"

اسی حدیث کی شرح میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب فرماتے ہیں :"یعنی حضور ﷺ نے ایک خیمہ میں وضو کا غسالہ ایک لگن میں گرایا۔حضرت بلال صوہ لگن کا پانی باہر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لائے تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے برکت حاصل کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے۔اسے حاصل کرنے اور برکت لینے کے لئے۔کیونکہ وہ پانی حضور ﷺ کے اعضاء سے لگ کر نورانی بھی ہوگیا اور نور گر بھی۔جیسے پھول سے لگی ہوئی ہَوا دماغ مہکا دیتی ہے،اسی طرح حضور ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی روح و ایمان کو مہکا دیتا ہے۔

مرقات میں اسی جگہ ہے کہ حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی فصد لی اور خون بجائے پھینکنے کے پی لیا۔خیال رہے ہمارے وضو کا فضلہ پینے کے قابل نہیں کہ وہ ہمارے گناہ لے کر نکلتا ہے۔حضور ﷺ کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا ہے۔بعض مرید اپنے مشائخ کا پس خوردہ اور جھوٹا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔"[4]

حدیث شریف :حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :**خَرَجْنَا وَفْدًا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ. فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وتمضمض ثمّ صبه فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ :اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا :إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ :**

---

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۷۱،مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹۶،نسائی ج ۱ ص ۱۳،مشکوۃ ص ۴۷)

[2] (ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۸۱)

[3] (نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

[4] (مراۃ شرح مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۳)

مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيبًا۔[1]

ترجمہ :ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ ﷺ نے پانی منگایا، وضو فرمایا اور کلّی کی پھر یہ پانی ایک برتن میں انڈیل دیا۔ اور ہمیں حکم فرمایا کہ جاؤ جب اپنے وطن پہنچو تو اپنا گرجا توڑ ڈالو، اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دو اور اسے مسجد بنالو ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر دور ہے، اور گرمی سخت ہے، پانی سوکھ جائے گا۔ فرمایا اسے اور پانی سے بڑھاتے رہو، اس سے برکت ہی بڑھے گی۔

علامہ ملّا علی قاری مکّی حنفی مرقات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :فیه التبرک بفضله ﷺ و نقله الی البلاد نظیر ماء زمزم...ویوخذ من ذالک ان فضلة و ارثیه من العلمآء و الصلحآء کذالک۔ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے تبرّک حاصل کرنا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وارثین علماء وصلحاء کے بچے ہوئے پانی سے یہی برتاؤ جائز ہے۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں" دریں حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوئے وپس ماندۂ آں حضرت (ﷺ) ونقل آں ببلا دومواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآں حضرت (ﷺ) چوں در مدینہ می بود آب زمزم رااز حاکم مکہ می طلبید وتبرک می ساخت وفضلہ وارثانِ اوکہ علماء وصلحاء اند وتبرک بآثار وانوار ایشاں ہم بریں قیاس است"[2]

ترجمہ : "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی اور پس خوردہ سے تبرک حاصل کرنا اور اس کو دور دراز ممالک میں منتقل کرنا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینہ میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آبِ زمزم طلب فرمایا اور تبرک حاصل کیا آپ کے وارثین علماء وصلحاء کے آثار وتبرکات وانوار کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔"

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی فرماتے ہیں"اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس چیز کو حضور ﷺ کے جسد مبارک سے مس نصیب ہوجائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔ لہٰذا خاک مدینہ تبرّک بھی ہے، شفا بھی۔ دوسرے یہ کہ سرور کائنات ﷺ کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دور کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رسل ﷺ کے تبرکات ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ بعض مسجدوں میں سید الانبیاء ﷺ کے بال مبارک رکھے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور شہروں میں لے جانا یا بھیجنا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ مرقات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ امیر مکّہ سے آب زمزم منگایا کرتے تھے۔ اب بھی آب زمزم ملک ملک بھیجا جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ بھی تبرک بن جاتی ہے۔ چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ گرا نہیں سکتے۔ لیکن اگر کفار مسلمان ہوکر خود ہی اپنا عبادت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنالیں تو جائز ہے۔ [3]

عاشق رسول ﷺ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا فرمایا ہے:

بچا جو تلوؤں کا ان کا دھوؤن بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن

---

[1] (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۶۹، نسائی ج ۱ ص ۱۱۴)

[2] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۱)

[3] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴۲)

جنہوں نے پائی دولہا کی اُترن — وہ پھول گل زار نور کے تھے
جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن — لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کیا کریں نصیب میں تو — یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

حدیث شریف : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : **کان رسول اللہ ﷺ اذا صلی الغداۃ جآء خدم المدینۃ بانیتھم فیھا الماء فمایؤتی باٰنآیٍ الّا غمس یدہ فیہ وربما جآئہ فی الغداۃ الباردۃ فیغمس یدہ فیھا۔**[1]

ترجمہ: ''جب حضور ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے بچے اپنے برتنوں میں پانی لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست پاک ڈبو دیتے بعض وقت سردی ہوتی تب بھی آپ ﷺ اسی طرح دست پاک ڈبو دیتے۔''

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں : **فیہ التبرک بآثار الصّالحین وبیان ما کانت الصّحابۃ علیہ من التبرک بآثارہ ﷺ وتبرکھم بادخال یدہ الکریمۃ فی الآنیۃ۔** ترجمہ : ''اس میں صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا ہے اور بیان ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا اور برتنوں میں حضور اکرم ﷺ کے دست پاک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے کا۔''

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''فرو دمی بُرد آں حضرت دست مبارک خود را دراں آوندہائے آب ومتبرک میگر دانید آں را برائے ایشاں شفاء و برکت شود مر ایشاں را''[2]

ترجمہ: آں حضرت ﷺ اپنا دست مبارک پانی کے برتنوں میں ڈبوتے اور اسے برکت والا بناتے ان کے لئے تا کہ (لوگ) اس سے شفاء اور برکت حاصل کریں۔

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : یہ پانی اہل مدینہ اپنے بیماروں کو شفاء کیلئے پلاتے تھے، اس میں بیان ہوا حضور ﷺ کے اخلاق حمیدہ کا، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے بلکہ سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز میں بزرگوں کا ہاتھ لگ جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے : ''**وجعلنی مبارکاً اینما کنت**''۔

حدیث شریف: عروہ بن مسعود ایمان لانے سے قبل قریش مکہ کی طرف سے قاصد بن کر حضور ﷺ کی خدمت اِقدس میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کے دربارِ مقدس کا آنکھوں دیکھا حال قریش کے سامنے اس طرح بیان کیا : **فقال ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک وفدت علی قیصر و کسریٰ والنّجاشی واللہ ان رأیت ملکًا قطّ یعظّمۃ اصحابہ ما یعظّم اصحاب محمّدٍ محمّدًا واللہ ان تنخّم نخامۃ الّا وقعت فی کفّ رجلٍ منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضّأ کادُوا یقتتلون علیٰ وضوئہ واذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ ومایحدون الیہ النّظر تعظیمًا لہ۔**[3]

ترجمہ : اے قوم! خدا کی قسم بے شک میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ لعاب دہن اور ناک کی رطوبت پھینکتے تو وہ ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل

---

[1] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مشکوٰۃ ۵۱۹)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۹۶)

[3] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹، شفاء شریف ج ۳ ص ۳۷)

لیتا ہے۔اور جب وہ انکو حکم دیتے ہیں تو وہ سب رضی اللہ عنہم تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔اور جب وہ (ﷺ) وضو کرتے ہیں تو (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا لڑ پڑیں گے۔اور جب وہ (ﷺ) کلام کرتے ہیں تو سب کے سب (رضی اللہ عنہم) خاموش ہو جاتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی پاک ﷺ کے لعاب دہن اور وضو کے مستعمل پانی کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔اور اس مقصد کے حصول کے لئے سرور کائنات ﷺ کے ارد گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پروانوں کی طرح جمع ہو جاتے تھے۔اور تبرکات کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں جلدی کرتے تھے۔اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ امام الانبیاء ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی آب حیات سے کم نہیں، بلکہ یہ بدرجہا بہتر ہے:

جس کے تلووں کا دھون ہے آب حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ

حدیث شریف: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو نمازیں جمع کر کے پڑھی جاتی تھیں۔ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھیں، یہاں تک کہ دوسرے دن بھی نماز کو مؤخر کیا پھر حضور ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب و عشاء کو ایک ساتھ ادا کیا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔تمہارے پہنچتے پہنچتے چاشت کا وقت ہو جائے گا۔تم میں سے وہاں جو شخص (پہلے) پہنچ جائے تو اس چشمے کو مس نہ کرے۔

جب لشکر اصحاب رضی اللہ عنہم وہاں پہنچا تو دو آدمی پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکال رہے تھے۔حضور ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا کہ تم نے اس چشمے کا پانی استعمال کیا ہے۔انہوں نے جواب میں کہا ہاں! آپ ﷺ نے ان دونوں پر خفگی کا اظہار کیا۔پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے چلوؤں سے اس چشمے کا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔

قال وغسل رسول اللہ ﷺ فیہ یدیہ و وجھہ ثم اعادہ فیھا فجرتِ العین بمأیٍ منھمرً او قال عزیر شکّ ابو علی ایّما قال فاستقا النّاس ثمّ قال یوشک یا معاذ ان طالت بک حیاۃ ان تریٰ مائُ ھا ھنا قد ملیٔ حناناً۔

"حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سید عالم ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور پھر وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔چشمے سے بے تحاشا پانی ابل کر نکلنا شروع ہو گیا۔سب لوگوں نے پیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم اس علاقے کو باغوں سے بھرا ہوا پاؤ گے۔"[1]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، آج کا تبوک باغوں سے بھرا ہے۔سفرنامہ ارض القرآن روئیدادِ سفر سید ابوالاعلیٰ مودودی میں ہے: اس کے بعد مسجد کے قریب ہی ہم ایک چشمے پر آئے جس کے گرد وسیع منڈیر بنی ہوئی ہے۔لیکن وہ خشک پڑا ہے۔

شیخ صالح نے بتایا کہ یہی وہ چشمہ ہے جس کے متعلق صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک کے راستے پر تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: کہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔(اور پھر مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا) شیخ صالح نے بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک مسلسل پونے چودہ سو سال ابلتا رہا۔بعد میں نشیبی علاقوں میں جب ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمے کا پانی ان ٹیوب ویلوں کی طرف منتقل ہو گیا، تقریباً پچیس ٹیوب ویل ہو جانے کے بعد اب یہ چشمہ خشک ہو گیا ہے۔اس کے بعد شیخ

---

[1] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۶، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۳)

صالح ہمیں ایک ٹیوب ویل کی طرف بھی لے گئے۔ جہاں ہم نے دیکھا چار انچ کا ایک پائپ لگا ہوا ہے اور کسی مشین کے بغیر اس سے پانی پورے زور سے نکل رہا ہے۔ قریب قریب کے دوسرے ٹیوب ویلز بھی ہمیں دکھائے گئے۔

یہ نبی ﷺ کے معجزے ہی کی برکت ہے کہ آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک کا پانی ان دونوں جگہوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغ لگائے جا رہے ہیں۔ اور نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق تبوک کا علاقہ باغوں سے بھرا ہوا ہے اور دن بہ دن بھرتا جا رہا ہے۔[1]

حدیث شریف : براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ حدیبیہ کے دن تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ہم نے اس سے پانی کھینچا مگر اس میں ایک قطرہ نہ پایا۔ **فبلغ النّبیّ ﷺ فاتاها فجلس علٰی شفیرها ثم دعانا بأنائٍ من مّآئٍ فتوضاء ثمّ مضمض و دعا ثمّ صبّه فیها ثمّ قال دعوها ساعة فاروو ا انفسهم و رکابهم حتّٰی ارتحلوا۔**[2]

ترجمہ: یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی، آپ ﷺ تشریف لائے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے ایک برتن میں پانی طلب فرمایا پھر وضو کیا اور کلی کی اور دعاء مانگی پھر یہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ پھر فرمایا اسے ایک ساعت رہنے دو۔ تاکہ بھر جائے پھر سیراب کیا لوگوں نے اپنے آپ کو اور اپنی سواریوں کو یہاں تک کہ وہاں سے کوچ کیا۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی باعث برکت ہے جس سے کنویں کا پانی ابلنے لگا اور چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خود پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ میں شدتِ پیاس سے پریشان تھے۔ حضور سید عالم ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس سے آپ نے وضو کیا۔ پھر لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور ﷺ ہمارے پاس پانی نہیں کہ پئیں اور وضو کریں سوائے اس برتن کے۔

فوضع النّبیّ ﷺ یده فی الرّکوة فجعل المآء یفور بین اصابعه کامثال العیون قال فشربنا و توضّأنا قیل لجابرٍ صکم کنتم قال لو کنّا مائة الفٍ لکفانا کنّا خمس عشر مائة۔[3]

ترجمہ : پس حضور ﷺ نے اپنا دست پاک اس برتن میں رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تم کتنے تھے؟ فرمایا ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی تھا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔

دوسری روایت میں اس طرح الفاظ ہیں : **فجائُ وا بِاناءٍ فیه مآئٌ قلیل فادخل یده فی الاناء ثم قال حیّ علی الطّهور المبارک و البرکة من الله۔** صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا پھر فرمایا آؤ طیّب و طاہر اور برکت والے پانی کی طرف اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

---

[1] (سفر نامہ ارض القرآن، ص ۲۶۲-۲۶۱)

[2] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۲، بخاری شریف)

[3] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۲)

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں : فشربنا وتوضّأنا ای جمیعنا فطوبیٰ لھم من طھارۃ الظّاھر والباطن من ذالک المآء الّذی ھو افضل من جنس المآء۔[1]

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں ہم نے پیا اور وضو کیا یعنی ہم سب نے پیا اور وضو کیا۔ خوشخبری اور بشارت ان کے لئے طہارت ظاہری اور باطنی کی اس پانی سے جو افضل ہے عام پانی کی جنس سے۔ (کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا)

حدیث شریف میں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی کو طیب طاہر اور برکت والا فرمایا ہے۔ گویا یہ بات خود رسالت مآب ﷺ کی زبانِ اقدس سے ثابت ہوگئی کہ صالحین کے اجساد و اجسام سے مس ہونے والی چیز طیّب و طاہر اور برکت و شفاء والی بن جاتی ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مار کر پانی جاری فرمایا اور ہمارے آقا ﷺ نے اپنی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنج آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حدیث شریف : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (میں خندق کے دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے چپکے سے سرگوشی میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہم نے اپنی بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسا ہے۔ حضور ﷺ آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تشریف لائیں۔ نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا : اے خندق والو! جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا تیار کیا ہے، چلو! فقال رسول اللہ ﷺ لا تنزلنّ برمتکم ولا تخبزن عجینکم حتّٰی اجیٔ وجآئنا فاخرجت لہ عجینًا فبصق فیہ وبارک ثمّ عمد الیٰ برمتنا فبصق وبارک ثمّ قال ادّعی خابزۃ فلتخبز معک واقدحی من برمتکم ولا تنزلوا ھا وھم الفٌ فأقسم باللہ لأکلوا حتّٰی ترکوہ وانعجینا لتخبز کما ھو۔

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹیاں نہ پکانا۔ جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔ حضور ﷺ جب تشریف لے آئے تو میری بیوی آٹا لے کر حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن اس میں ڈالا اور برکت کی دعاء فرمائی۔ پھر آپ ﷺ دیگ کے پاس آئے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت دی۔ پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے شوربہ نہ نکالو اور دیگ اس سے نہ اتارو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک ہزار تھے۔ خدا کی قسم ان سب نے کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ ہماری دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں اسی طرح موجود تھیں۔[2]

شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں : ایں ہمہ از برکات سید السادات ومنبع البرکات بود صلی اللہ علیہ وسلم کہ زمین وآسمان وظاہر و باطن از برکات ونعم وے پرست وتصور باید کرد کہ چہ ذوق وسرور ازیں سور دلہائے اہل حضور حاصل شدہ باشد شاد ماں دلے خوشا باطنی کہ برکت آں رحمۃ للعالمین ادروے راہ باید۔[3]

---

[1] (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۳۲)

[2] (مشکوٰۃ ص ۵۳۲، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۶۷)

[3] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۴۹)

یعنی ''یہ سب سید السّادات اور برکت کے منبع ومخزن کی برکتوں سے ہے کہ زمین وآسمان اور ظاہر و باطن انکی برکتوں اور نعمتوں کے پروردہ اور خدمت گار ہیں۔تصور کرنا چاہیئے کہ اس دعوت میں کتنا ذوق اور لطف وسرور حاصل ہوا ہوگا ان کے دلوں میں جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے،کیا اچھے دل تھے اور خوش نصیب وہ باطن کہ جنہوں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی برکتوں سے راہ پائی۔''

اس کے بعد شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں : یکبار ایں فقیر در بازاریکہ در مسمعی است از تزہ فروشے می شنود کہ باترہ ہائے خود آب می افشاند و می گوید۔یا برکۃ النّبیّ تعالیٰ و انزلی ثمّ لا ترتحلی۔اے برکت نبی (ﷺ)! بیاو بہ منزل من فرود آئی پس ازاں ہرگز کوچ مکن۔ اللّٰھمّ صلّ وسلّم وزد وبارک وکرّم علیٰ سیّدنا و مولٰنا وبرکتنا محمّدٍ وّ الہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

ابیات

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی زمحر و ماں چرا فارغ نشینی

ترجمہ : ''ایک بار یہ فقیر ایک بازار سے کہ مدینہ منوّرہ میں ہے،ایک سبزی فروش کو کہتے ہوئے سنا جو اپنی سبزی پر پانی چھڑک رہا تھا اور کہہ رہا تھا'' اے برکتِ نبی ﷺ،آمیرے گھر میں اتر اور پھر ہرگز نہ جا'' اے اللہ درود وسلام بھیج اور برکتوں میں زیادتی فرما اور کرم فرما ہمارے آقا و مولا اور ہماری برکت سیدنا محمد ﷺ اور ان کی آل واصحاب سب پر۔[1]

آپ کی جدائی میں عالم کی جان نکلی جا رہی ہے — رحم فرمائیے اے اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمائیے
کیا آپ جہانوں کی رحمت نہیں ہیں؟ — پھر ہم محروموں سے کیوں فارغ ہو کر بیٹھ رہے ہیں

حدیث شریف: عن کبشۃ قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ فشرب من فی قربۃ معلّقۃ قائمًا فقمت الیٰ فیھا فقطعتہ رواہ التّرمذی وابن ماجۃ وقال التّرمذی ھٰذا حدیث حسنٌ غریب صحیحٌ۔[2]

ترجمہ: حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضور ﷺ تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا۔میں مشکیزے کے دہانے کی طرف اٹھی اور اسے میں نے کاٹ لیا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں :

''فقطعتہ ای فم القربۃ وحفظتہ فی بیتی و اتّخذتہ شفاء للتّبرک بہٖ لوصول فم النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم الیہ و یحتمل ان یّکون قطعھا لہ لعدم الابتذال ویؤیّدہ ما روی التّرمذی عن امّ سلیم بمعناہ'' یعنی میں نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا اور اپنے گھر میں حفاظت سے رکھ دیا اور اس سے شفاء حاصل کرنے کے لئے کہ حضور ﷺ کا دہن مبارک اس سے لگا ہے۔[3]

تقریباً یہی عبارت اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۲۷،حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۱ اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۷۹ میں موجود ہے۔دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس لئے کاٹا ہو کہ کسی اور کا منہ اسے لگنے سے بے ادبی نہ ہو۔ترمذی نے ام سلیم کا یہی واقعہ نقل کیا ہے۔

حدیث شریف : حضرت عاصم احول رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیالہ

---

[1] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۴۹)

[2] (مشکوٰۃ ص ۳۷۱،ترمذی ج ۲ ص ۱۱،ابن ماجہ ص ۲۵۳)

[3] (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷۱)

دیکھا جو عریض وعمدہ اور چوب نضا (شمشاد یا عود) کا بنا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا۔ قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد سقیت رسول اللہ ﷺ فی ھذا القدح اکثر من کذا و کذا قال و قال ابن سیرین انّہ کان فیہ حلقہ من حدید فاراد انس ان یجعل مکانھا حلقۃ من ذھب او فضّۃٍ فقال لہ ابو طلحۃ صلا تغیرن شیئًا صنعہ رسول اللہ ﷺ فترکہ۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بارہا پانی پلایا، بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں مگر ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا سے تبدیل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر انہوں نے ویسا ہی رہنے دیا۔

نوٹ: یہ پیالہ نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس پیالہ سے پانی بھی پیا۔ [2]

شفاء شریف میں امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "حدثنا القاضی ابو علی عن شیخہ ابی القاسم بن المأمون قال کانت عندنا قصعۃٌ من النّبیّ ﷺ فکنّا نجعل فیھا الماء للمرضٰی فیستشفون بھا"۔ [3]

ترجمہ: قاضی ابوعلی اپنے شیخ ابوالقاسم بن مامون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم اس میں بغرض شفاء بیماروں کو پانی پلاتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تبرکات کا محفوظ ہونا

حدیث شریف: قَالَ سَهْلٌ :فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ حَتَّى جَلَسَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، ثُمَّ قَالَ : »اسْقِنَا« لِسَهْلٍ، قَالَ :فَأَخْرَجْتُ لَهُمْ هَذَا الْقَدَحَ، فَأَسْقَيْتُهُمْ فِيهِ، قَالَ أَبُو حَازِمٍ :فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِكَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا فِيهِ، قَالَ : ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ بَعْدَ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔ [4]

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک روز حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سقیفہ بنی ساعدہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے اس میں پانی پیا۔ اس پیالے کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مانگ کر لے لیا۔

حضرت امام نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :یعنی القدح الّذی شرب منہ النّبیّ ﷺ ھٰذا فیہ التّبرّک باٰثار النّبیّ ﷺ و ما مسّہ او لبسہ او کان مسّہ فیہ سببٌ و ھٰذا نحو ما اجمعوا علیہ و اطبق السّلف و الخلف علیہ من التّبرّک بالصّلوۃ فی مصلّٰی رسول اللہ ﷺ فی الرّوضۃ الکریمۃ و دخول الغار الّذی دخل رسول اللہ ﷺ و غیر ذالک و من ھٰذا عطاء رسول اللہ ﷺ ابا طلحۃ شعرہ لیقسمہ بین النّاس و اعطاءہ ﷺ حقوہ لتکفن فیہ بنتہ و جعلہ الجریدتین علی

---

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۲، مسلم، بخاری ایضاً ج ۱ ص ۴۳۸، شمائل ترمذی ص ۱۴۸، مشکوٰۃ ص ۳۷۲)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۲۸، شرح شمائل ترمذی للبیجوری، خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۱۴۸)

[3] (شفاء شریف ج ۱ ص ۲۷۷)

[4] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹)

القبرین و جمعت بنت ملحان عرقه ﷺ وتمسّحوا بوضوئه ﷺ ودلکوا وجوههم بنخامته ﷺ واشباه هٰذا کثیرةٌ مشهورةٌ فی الصّحیح وکلّ ذالک واضح لاشکّ فیه۔[1]

یعنی وہ پیالہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیا اس میں تبرک حاصل کرنا ہے، نبی پاک ﷺ کے آثار سے اور ہر اس چیز سے جسے آپ ﷺ نے مس کیا ہو یا پہنا ہو۔ اور مس کرنے کا سبب اس طرح ہے اور اجماع ہے تبرک حاصل کرنے پر۔ اور عمل رہا ہے اس پر سلف اور خلف حضور سید عالم ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے پر حضور ﷺ کے روضہ مکرم کے قریب اور اس غار میں داخل ہو کر جس میں رسول کریم ﷺ داخل ہوئے اور اس کے علاوہ بہت سے آثار ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بال مبارک عطا فرمائے تاکہ وہ انہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم کر دیں اور انہیں حقوہ (ازار) عطا فرمایا تاکہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دیں۔ اور دو قبروں پر آپ ﷺ نے دو تر شاخیں رکھیں اور جمع کیا بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو چہروں پر مل لیتے تھے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن کو چہروں پر ملتے۔ اس کی مثل بہت سی مشہور اور صحیح روایات ہیں، سب کی سب واضح ہیں اور ان میں کوئی شک نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے اور ان تبرکات و آثار کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ نیز ان تبرکات سے اپنے مریضوں کے لئے برکت و شفاء حاصل کرتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ خود سرور کائنات ﷺ صحابہ کرام کو برکت کے حصول کے لئے اپنے بال مبارک عطا فرماتے تھے۔

حضور ﷺ کی چادر مبارک

حدیث شریف: عن ابی بردة قال اخرجت الینا عائشة کساء وازارًا غلیظًا فقالت قبض رسول اللہ ﷺ فی هٰذین۔

ترجمہ: حضرت ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک کملی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔[2]

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ سرور کائنات ﷺ کے تبرکات لباس وغیرہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ہاں محفوظ و موجود تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان تبرکات کی زیارت بھی کرائی جاتی تھی۔

آپ ﷺ کی نعلین مبارک

حدیث شریف: عن عیسیٰ بن طهمان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال اخرج الینا انس نعلین جردا وین لهما قبالان فحدثنی ثابت البنانی بعد انس انّهما نعلان النّبیّ ﷺ۔[3]

حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔

---

[1] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶۹)

[2] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸، ایضاً ج ۲ ص ۵۶۸، مشکوٰۃ ص ۳۷۳)

[3] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸)

اس حدیث پاک سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے نعلین محفوظ تھے۔اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی زیارت بھی کراتے تھے ان شاء اللہ نقشہ نعلین کے متعلق آئیندہ مفصل ذکر آرہا ہے۔

آپ ﷺ کی تلوار مبارک

حدیث شریف : عن علی بن الحسین حدثه انهم حین قدموا المدینة من عند یزید بن معاویة مقتل الحسین بن علی لقیه المسور بن مخرمه فقال له هل لک الیّ حاجة تامرنی بها فقلت له لا فقال له هل انت معطیّ سیف رسول الله ﷺ فانّی اخاف ان یغلبک القوم علیه ایمالله لئن اعطیتنیه لا یخلص الیه ابدا حتّی تبلغ نفسی۔

ترجمہ : ''علی بن حسین (امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حدیث بیان کی کہ جب آپ سب حضرات حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے موقعہ پر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سے (رہائی پا کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے ملاقات کی اور کہا اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔(امام زین العابدین نے بیان کیا) میں نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔پھر مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت فرمائیں گے؟ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کچھ لوگ اسے آپ سے چھین لیں گے اور خدا کی قسم اگر وہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمادیں گے تو کوئی شخص بھی، جب تک میری جان باقی ہے، چھین نہیں سکے گا۔[1]

حدیث شریف : حضرت عتبان ابن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بصارت جاتی رہی : فبعثت الیٰ رسول الله ﷺ انّی احبّ ان تاتینی تصلی فی منزلی فاتّخذه مصلّی قال فاتی النّبیّ ﷺ و من شآءالله من اصحابه فدخل و هو یصلّی فی منزلی۔[2]

ترجمہ : میں نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں تا کہ آپ ﷺ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کرلوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ چند اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : فی هٰذا الحدیث انواع من العلم تقدم کثیر منها ففیه التّبرک بآثار الصالحین و فیه زیارة العلمآء و الفضلآء و الکبراء و اتباعهم و تبریکهم ایّاهم۔[3]

ترجمہ: اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔جو پہلے بہت سی گزر چکی ہیں۔اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا علماء، فضلاء اور بزرگوں کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

مسلم شریف ج ا ص ۲۳۳ پر بھی یہی روایت ہے، اس کے تحت امام نووی لکھتے ہیں۔فی هٰذا الحدیث کثیرة منها التبرک بالصّالحین و آثارهم و فی الصلوٰة فی المواضع الّتی صلوا بها و طلب التبریک منهم۔[4]

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ ان کے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں

---

[1] (بخاری شریف ج ا ص ۴۳۸)

[2] (مسلم شریف ج ا ص ۴۶، ایضاً ج ا ص ۲۳۳، سنن ابن ماجہ ص ۵۵)

[3] (نووی ج ا ص ۴۷)

[4] (نووی ج ا ص ۲۳۳)

نے نماز پڑھی اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔

حدیث شریف :وروی ابن عمر و اضعًا یدہ علیٰ مقعد النّبیّ ﷺ من المنبر ثمّ وضعھا علیٰ وجھہ۔[1]

ترجمہ :روایت کی گئی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منبر میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا اور اس ہاتھ کو برکت کے لئے منہ پر پھیر لیا۔

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت اور تعلق نبی پاک اسے ہو، وہ قابل تعظیم ہے۔ و من اعظامہ و اکبارہ ﷺ اعظام جمیع اسبابہ و اکرام مشاھدہ و امکنتہ من مکۃ و المدینۃ و معاھدہ و مامسّہ ﷺ او عرف بہ۔ یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام متعلقات اور آپ کے متعلق تمام مقامات مکّہ، مدینہ اور تمام ان چیزوں کی تعظیم کی جائے جن کو آپ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ سے معروف ہو۔[2]

پھر فرماتے ہیں :واوّل ارضٍ مسّ جلد المصطفیٰ ﷺ ترابھا ان تعظّم عرصاتھا و تنسّم نفحاتھا و تقبّل ربوعھا و جدراتھا۔[3]

ترجمہ: اوّل جس زمین کی مٹی کو حضور ﷺ کے جسم مقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔

یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے جسم اقدس سے مس ہونے والی اشیاء کا ادب حقیقت میں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم اور باعث خیر و برکت ہے۔

غرض یہ کہ حبیب اور حبیب کے مقامات، ملبوسات، تبرّکات کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو تیس درّے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منوّرہ کی مٹی خراب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سرزمین میں افضل الخلائق آرام فرما ہیں، تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے، تو اس لائق ہے کہ تیری گردن اڑا دی جائے۔[4]

ولھٰذا کان مالک رحمۃ اللہ علیہ لا یرکب بالمدینۃ دابّۃً و کان یقول استحیی من اللہ ان اطأ تربۃ فیھا رسول اللہ ﷺ بحافر دابّۃٍ۔[5]

ترجمہ :اس لئے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منوّرہ میں کسی جانور پر سوار نہیں ہوئے تھے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ جس زمین میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرما ہیں اسے اپنی سواری کی سموں سے روندوں۔"

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است　　وے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

(اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم　　اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا

(مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

---

[1] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳، ۵۴)

[2] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)

[3] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۶)

[4] (شفاء شریف ص ۲۱۸)

[5] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

حدیث شریف : حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا :"غبار المدینة شفاءٌ من الجُذام" یعنی مدینہ منورہ کا غبار جذام (کوڑھ) کے لئے شفاء ہے۔[1]

وفاء الوفاء میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا والّذی نفسی بیدہٖ انّ فی غبارھا شفاءٌ من کلّ داءٍ۔ یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مدینہ کے غبار میں ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔[2]

علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفاء ہے لیکن منکر کو نفع نہیں دیتی۔[3]

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں"(مدینہ منورہ) کا جو گرد و غبار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر پڑ جاتا تو اس کو صاف نہ فرماتے۔ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کوئی اپنے چہرے اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ ﷺ منع فرماتے اور فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفاء ہے، جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔[4]

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

(اقبالؔ)

مدینہ منورہ میں یہ برکتیں اور رحمتیں کیوں نہ ہوں جب کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذاتِ بابرکات جو سب سے بڑی نعمت اور برکت ہے یہیں تشریف فرما ہے۔ اور پھر سرور کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ میں برکت کے لئے خصوصیت سے دعاء فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس طرح دعاء فرمائی: اللھمّ اجعل بالمدینة ضعفی ما بمکّة من البرکة، متفق علیہ۔ "اے اللہ جو تو نے مکہ میں برکتیں رکھی ہیں، ان سے دوگنی برکتیں مدینہ میں نازل فرما۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض اخبار میں یہ ہے کہ بعض مخصوص جگہوں کی مٹی جنہیں (صعیب) اور (وادی بطحاں) کہتے ہیں، ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے حکمًا فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یہ بات منتقل ہوتی چلی آرہی ہے دواء کیلئے اس مٹی کو لے جانے کے لئے بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جو لوگ حرم کی مٹی کو لے جانے سے منع کرتے ہیں وہ بھی اس خاص مٹی کو اس عموم سے تخصیص کرتے ہیں:[5]

خیرہ نہ کر سکا مجھ کو جلوۂ دانش فرنگ

---

[1] (زرقانی علی المواہب، ج ۸ ص ۳۳۶)

[2] (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۷۴)

[3] (زرقانی علی المواہب ج ۸ ص ۳۳۵)

[4] (جذب القلوب اردو ص ۲۱، ۲۲)

[5] (اقبالؔ) (جذب القلوب اردو ص ۲۷)

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

مدینہ منورہ کی مٹی کھانا

مولوی رشید احمد گنگوھی کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں : ''مولوی محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے صندوقچہ میں سے نکال کر مجھے عطاء فرمائی، کہ لو اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول کی مٹی عطاء فرمائی کہ لو اس کو کھالو، میں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ''میاں! وہ مٹی اور ہوگی۔''[1]

مولوی عبید اللہ انور صاحب اپنا ذاتی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں : ''مدینہ منورہ کی خاک شفاء سے ایک جہاں ہمیشہ فائدہ اٹھاتا آیا ہے میں نے خود بچپن میں اکثر مرتبہ عورتوں کی پیشانی پر، آنکھوں پر، ہاتھ اور مختلف اعضاء پر، خاک شفاء کا لیپ کرتے دیکھا اور ان خوش قسمت انسانوں سے سنا کہ بیسیوں ادویہ کے استعمال سے شفاء نہ ہوئی اور اللہ شفاء دینے پر آیا تو روضۂ اطہر کی خاک شفاء ہی انکی شفاء کا باعث بنی۔''

جب خاکِ مدینہ میں یہ نفع ہے۔ تو جس نبی کے صدقے یہ مقام ملا اس نبی کی ذات میں کتنا نفع ہوگا۔ (مؤلف)

تراب مدینہ کا شرف و مجد

قدرتاً اس گنہگار کو کان پڑی یہ بات وہاں یاد آئی تو ایک عالم ربانی سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ پاک کی ساری ہی چیزیں ہمارے لئے شفاء ہیں۔ اور تراب مدینہ اور زمین کا وہ حصہ بالخصوص جو وجود مسعود سے اقرب ہے۔ اور زمین کی اس قدر گہرائی کہ جہاں خوشبو اور رنگت دیگر اجزاء سے قدرے زیادہ معطر و منوّر رہے۔ یقیناً وہ ذرّاتِ ارضِ پاک مدینہ سے زیادہ شفاء یاب و جہاں تاب ہیں۔ یہ چیزیں عقیدت ادب، اور اطاعت کرنیوالوں کے لئے باور کرنا چنداں مشکل نہیں۔

ہمارے حضرت (عبید اللہ انور کے والد مولوی احمد علی لاہوری) کو حرمین شریفین کے ان خوش قسمت اغوات سے اکثر و بیشتر شرف ملاقات حاصل ہوتا۔ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ روضۂ اطہر کی جالی کے اندر قبر شریف پر جو غلاف خاص زیب تعویذ ہے، اس غلاف مکرم کی خاک پاک جو میسر آئی تو حضرت کو ایک آغا نے ہدیۃً پیش کیا۔ حضرت اقدس نے روضۂ رسول اکی خاک مقدس جوش عقیدت میں اپنے سرمے میں شامل فرما کر زیب چشم فرمانا شروع کی خدا کا کرنا چند دنوں بعد دور و نزدیک کی نگاہ میں جو کمزوری تھی وہ قطعی طور پر دور ہوگئی۔ اور پھر وفات تک حضرت نے نزدیک اور دور کے چشمے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''[2]

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تا بہ بینی ابتداء تا انتہاء

اور غیر اختیاری طور پر یہ شرف تمام حاضر مدفن شریف سالکان کرام رحمہ اللہ بروز وصال سیدنا و مرشدنا قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاصل ہوا کیونکہ تیز ہوا چل رہی تھی اور مدفن مبارک کا خاک و غبار سالکین کے ابدان اور چشم میں آتے رہے۔ **فالحمدللہ علی ذالک حمدا کثیرا۔**

حدیث شریف : عباد بن عبد الصمد روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے انہوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا دسترخوان لے آؤ۔ ہم کھانا کھائیں گے۔ اس نے لاکر بچھا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رومال بھی لے آؤ، وہ ایک رومال لے آئی، جو میلا تھا۔ فرمایا اس کو تنور میں ڈال دو۔ لونڈی نے تنور میں ڈال دیا جو آگ کے شعلے مار رہا تھا۔

---

[1] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۴۸)

[2] (ہفت روزہ 'خدام الدین' لاہور یکم ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ، ۲۹ جون ۱۹۶۸ء، جلد ۱۴، شمارہ ۸)

فخرج ابیض کانّه اللّبن فقلنا ما ھٰذا؟ قال ھٰذا مندیلٌ کان رسول اللہ ﷺ یمسح بہٖ وجھہ فاذا انسلخ صنعنا بہٖ ھٰکذا الانّ النّار لا تأکل شیئًا مرّ علٰی وجوہ الانبیآء۔[1]

''نکالا تو ایسا سفید تھا جیسا دودھ ہم نے حیران ہو کر کہا یہ کیا بات ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ وہ رومال ہے جس سے حضور ﷺ اپنا چہرہ مبارک صاف کیا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو اسی طرح کرتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز انبیاء کرام کے چہروں کو مس ہو جائے آگ اسے نہیں جلاتی۔'' نبی پاک ﷺ کے لمس کی برکت سے وہ رومال جلنے سے محفوظ رہا۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رومال کو بطور تبرک اپنے ہاں محفوظ کیا ہوا تھا۔ اور دوسروں کو اس کی زیارت کراتے اور اس کے کمال سے آگاہ فرماتے تھے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اے دلِ ترسندہ از نارِ عذاب　　با چنیں دست و دہن کن انتساب

یعنی اے دل اگر تجھے دوزخ کی آگ کا خوف ہے تو ان ہاتھوں اور لبوں سے وابستہ ہو جا۔

حدیث شریف : عن حنظلۃ بن خذیم انّ النّبیّ ﷺ مسح رأسہ بیدہٖ وقال لہ بورک فیک قال الزّیال فرأیت حنظلۃ یؤتی باالشّاۃ الوارم ضرعھا والبعیر والانسان بہ الوارم فیتفل فی یدہٖ ویمسح بصلعتہٖ ویقول بسم اللہ علیٰ اثرید رسول اللہ ﷺ ویمسحہ ثمّ یمسح موضع الورم فیذھب الورم۔[2]

حضرت حنظلہ بن خذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا تم میں برکت دی گئی۔ حضرت زیال فرماتے ہیں اس کے بعد ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ کسی بکرے کے تھنوں یا اونٹ یا انسان کے کسی مقام پر ورم ہو جاتا تو اس کو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے آتے۔ اور وہ اپنے ہاتھ پر لعاب دہن ڈال کر اپنے سر پر ملتے اور فرماتے ''بسم اللہ علی اثرید رسول اللہ ﷺ'' پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ رکھ دیتے تو ورم فوراً اتر جاتا۔

حضور سید عالم ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن میں ان کے سر پر اپنا دستِ رحمت رکھا مگر آپ کے دستِ مبارک کی برکتیں ساری زندگی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر میں موجود رہیں اور پھر یہ برکتیں بیماروں کی شفاء کا سبب بنیں۔

حدیث شریف : حضرت ابو عبد الرحمن اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ احمد بن فضلویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے غازی اور زاہد تھے اور بڑے تیر انداز تھے۔ ان کے پاس ایک کمان تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا۔ وہ فرماتے ہیں : ما مسست القوس بیدی الّا علٰی طھارۃٍ منذ بلغنی انّ النّبیّ ﷺ اخذ القوس بیدہٖ۔[3]

ترجمہ: ''جب سے مجھے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے اس کمان کو دست مبارک سے چھوا ہے۔ تو میں نے کبھی اس کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔''

معلوم ہوا کہ جس چیز کو اللہ کے حبیب ﷺ سے تعلق ہو جاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھتے اور محفوظ رکھتے۔ نیز اس کی دل و جان سے تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف : حضرت صفیہ بنت نجدہ فرماتی ہیں: کان لابی محذورۃ قُصّۃٌ فی مقدم رأسہٖ اذا قعدو ارسلھا اصابت الارض فقیل لہ

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۸۰)

[2] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۸۳)

[3] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

الا تحلقها فقال لم اکن بالّذی احلقها و قد مسّها رسول اللہ ﷺ بیدہ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مؤذن اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا گچھا تھا جب وہ بیٹھتے اور اسے کھولتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے کہا ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ تو فرمایا ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔

حدیث شریف : حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں : انّ رسول اللہ ﷺ اتی بقصعةٍ فاکل منها فضلت فضلةً فقال یجیئُ رجلٌ من ھٰذا الفج من اھل الجنة فتأکل ھٰذا الفضلة فجاء عبداللہ بن سلام فاکلها۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیالہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس سے کچھ کھایا اور کچھ بچا دیا پھر فرمایا، اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا جو بچا ہوا کھائے گا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے اسے کھالیا۔

حضور اکرم ﷺ کا بچا ہوا کھانا، بابرکت اور باعث رحمت ہے۔ کیا خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں یہ کھانا نصیب ہوا۔

بچے ہوئے کھانے میں برکت

حدیث شریف : حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : کان رسول اللہ ﷺ اذا اتی بطعامٍ اکل منه و بعث بفضلہ الیّ۔[3]

ترجمہ : ''حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں کھانا آتا آپ ﷺ اس سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔''

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں : قال العلماء فی ھٰذا انّه یستحبّ للاکل و الشّارب ان یّفضل ممّا یأکل و یشرب فضلة لیواسی بها لا سیما ان کان ممّن یّتبرّک بفضلہ' یعنی ''علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ کھانے اور پینے والے کیلئے مستحب ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں سے کچھ بچاوے تاکہ وہ دوسروں کو بھی کچھ مل جائے بالخصوص اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے پس خوردہ کو تبرک سمجھا جاتا ہو۔''[4]

اسی مسلم شریف میں دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں : سأل عن موضع اصابعه فیتبع موضع اصابعه۔ یعنی آپ ﷺ کی انگلیوں کے بارے میں دریافت کیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کی جگہ کو تلاش کیا۔

فیه التبرک باٰثار الخیر فی الطّعام و غیرہ۔[5]

اس سے ثابت ہوا کہ کھانے وغیرہ میں آثار خیر سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔

حدیث شریف : حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تھے تو ان کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے وہ حضور ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں۔ حضور ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا، تو وہ حضور ﷺ کا پسینہ جمع کر لیتی تھیں اور اسے اپنی خوشبو میں ڈال لیتی تھیں۔

---

[1] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)

[2] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰)

[3] (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۸۳، مشکوۃ شریف ص ۳۳۵)

[4] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۳)

[5] (نووی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

فقال النبیّ ﷺ یا امّ سلیمٍ رضی اللہ عنہا ما ھٰذا قالت عرقک نجعلہ فی طیبنا وھو اطیب وفی روایۃٍ قالت یا رسول اللہ ﷺ نرجوا برکتہ لصبیاننا قال اصبت۔ متفق علیہ۔ یعنی ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے امّ سلیم! یہ کیا ہے۔عرض کیا حضور آپ ﷺ کا پسینہ مبارک ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں۔اور یہ بہترین خوشبو ہے۔ایک روایت میں ہے کہ یارسول اللہ ﷺ ہم اس کی برکت سے اپنے بچوں کے لئے امید رکھتے ہیں۔فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔''[1]

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں : ''امید داریم برکت عرق ترا برائے خردان خود می مالیم آں را بر روہائے ایشاں و بدنہائے ایشاں تا ببرکتِ آں از ہمہ بلا ہا محفوظ باشند گفت آنحضرت راست گفتی تو وخوب کردی''۔[2]

یعنی ہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے برکت کی امید رکھتے ہیں اپنے بچوں کے لئے اور اس پسینے کو بچوں کے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں تاکہ اس کی برکت سے تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہیں۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''امّ سلیم! تو نے سچ کہا اور بہت اچھا کیا۔''

یہی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں : ''**قال ما ھٰذا الّذی تصنعین یا امّ سلیمٍ قالت اجعل عرقک فی طیبی**'' یعنی آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے اے امّ سلیم؟ انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اپنی خوشبو میں ملاتی ہوں۔[3]

اس کی شرح میں امام الحافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **فیہ استحباب التبرّک والتقرّب بآثار الصّالحین قیل لمّا حضرت انس بن مالک الوفاۃ اوصی ان یّجعل فی حنوطٍ من ذالک الطّیب۔** یعنی اس میں جواز ہے صالحین سے تقرب اور تبرک حاصل کرنے کا۔کہتے ہیں جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وصیّت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد اس خوشبو کو میری خوشبو میں ملا دینا۔[4]

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرتے تھے۔اپنے بچوں کے چہروں اور بدنوں پر بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے ملتے تھے۔نیز آپ کا پسینہ مبارک ہر خوشبو سے بہترین خوشبو تھا،صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو پہچان لیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں : **کان رسول اللہ ﷺ اذا مرّ فی طریقٍ من طرق المدینہ وجدوا منہ رائحۃ الطّیب وقالوا مرّ رسول اللہ ﷺ من ھٰذا الطّریق۔** یعنی حضور ﷺ جب مدینہ منورہ کے راستوں میں کسی راستے سے گزرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خوشبو پاتے اور کہتے حضور ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔[5]

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تتر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے
ز نسیم جاں فزایت تن مُردہ زندہ گردد

---

[1] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۷، مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۷، بخاری شریف ج ۲ ص ۹۲۹، نسائی شریف ج ۲ ص ۳۰۱، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۶، شفاء شریف ج ۱ ص ۵۱)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۸۸)

[3] (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)

[4] (حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)

[5] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۷)

ز کُدام باغے اے گل کہ چنیں خوش است بویت

حدیث شریف : حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کان النبیّ ﷺ یستاک فیعطنی السّواک لاغسله و ادفعه الیه۔ یعنی نبی کریم ﷺ مسواک کر کے مجھے دھونے کے لئے دیتے تھے، تو پہلے اس سے مسواک کر لیتی تھی اور پھر دھو کر آپ کو دیتی تھی۔[1]

امام ملّا علی قاری فرماتے ہیں : قال الطّیبی ای قبل الغسل استاک به تبرّ گا۔ یعنی ''طیبی فرماتے ہیں یعنی دھونے سے پہلے تبرکاً مسواک کرتی تھی۔''[2]

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت ہے : ''ازیں جا معلوم می شود کہ مسواک یکبار کردند واز دہن جدا ساختند بشویند تا بارد گر بکنند وتنبیہ است بر تبرک بآثار صالحین وتلذّ ذ بداں''۔[3]

اس سے معلوم ہوا مسواک ایک بار کر کے منہ سے جدا کرنے کے بعد دھونا اور دوسری بار کرنا اور اس میں تنبیہ ہے صالحین کے آثار سے تبرک اور لذت حاصل کرنے کی۔

حدیث شریف : عن انس قال لقد رأیت رسول الله ﷺ و الحلّاق یحلقه و اطاف به اصحابه فما یریدون ان یّقع شعرةً الّا فی ید رجلٍ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجّام آپ ﷺ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے تھے کہ جو بال گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔[4]

مسلم شریف کی شرح نووی میں اس کے تحت ہے : وفیه التبرّک بآثار الصّالحین و بیان ما کانت الصّحابة علیه من التبرّک بآثاره ﷺ و تبرّ کهم بادخال یده الکریمة فی الاٰنیة و تبرّ کهم بشعره الکریم و اکرامهم ایّاه ان یّقع منه الّا فی ید رجلٍ سبق الیه۔[5]

اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ہے اور بیان ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے اور برتنوں میں آپ کے دست مبارک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے اور آپ کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کا بیان ہے۔ اور جو بال مبارک گرتا، اسے بڑھ کر کوئی نہ کوئی اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔

خود سرور کائنات ﷺ کا بال مبارک تقسیم کرانا

حدیث شریف : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منیٰ کے خیمے میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا۔ ثم دعا بالحلّاق و ناول الحلاق شقه الایمن فحلّقه ثمّ دعا ابا طلحة الانصاری فاعطاه ایّاه ثمّ ناول الشّق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه اباطلحة فقال اقسمه بین النّاس متفق علیه۔ یعنی پھر آپ ﷺ نے مونڈنے والے کو بلایا اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی۔ پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر بائیں جانب حالق کے سامنے پیش کی، فرمایا مونڈ دو اور اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما کر ارشاد

---

[1] (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵)

[2] (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۵)

[3] (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۴)

[4] (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۶، شفاء شریف ج ۲ ص ۳۸، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

[5] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶)

فرمایا انہیں لوگوں میں تقسیم کردو۔[1]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ خود اپنے بال مبارک تقسیم کراتے تھے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بطور تبرک محفوظ رہیں اور وہ اس سے شفاء و برکت حاصل کریں۔

سوکھے دہانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں : ''پس گفت قسمت کن ایں را میانِ مردم پس بہر یکے را یکتارہ موئے و دو تارہ موئے نصیب رسیدہ گویا شاعر بایں قصہ اشارت کردہ است۔''[2]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا ان بالوں کو تقسیم کرو لوگوں میں، پس ایک ایک بال اور دو دو بال ہر ایک کے حصّہ میں آئے، گویا شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مرا از زلف تو موئے بند است فضولی میکنم بوئے سند است

اسی طرح آپ ﷺ نے ناخن مبارک تراشے اور حاضرین میں تقسیم فرمائے۔ یہ برکتیں امّت کے درمیان آج باقی ہیں کہ باعث ذکر و یاد کے لئے حضور ﷺ کے وجود شریف کے اجزاء گویا ان کی طرف سے سند ہیں اور جو شاعر نے کہا اس سے یہی مراد ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں : **منها التبرّک بشعره ﷺ و جواز اقتنائه للتبرّک۔** یعنی ''اس حدیث سے حضور ﷺ کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کرکے محفوظ کرنے کا جواز ہے۔''[3]

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی (العرف الشذی شرح ترمذی میں) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں : **اقسم بین النّاس ای للتبرّک و هٰذا یدلّ علیٰ اخذ التبرّکات و تبرّکاته علیه السّلام کثیرةٌ منها البردة العبّاسیّه هٰذا البرده اعطی النّبیّ ﷺ کعب بن زهیر حین قرأ قصیده بانت سعاد فی حضرته علیه السّلام و اشتراها العباسیّون ، یعنی** ''ان بالوں کو لوگوں میں تقسیم کردو! یعنی تبرک کے لئے اور یہ حدیث پاک دلیل ہے تبرکات کے حاصل کرنے اور نبی کریم ﷺ کے تبرکات کثرت سے ہیں۔ ان میں عباسیوں کی وہ چادر جو حضور ﷺ نے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب اس نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں قصیدہ بانت سعاد پڑھا تھا، اس چادر مبارک کو عباسیوں نے خرید لیا تھا۔''

ردائے مبارک کا عطا کیا جانا اتنا بڑا اعزاز تھا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دنیا جہاں کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ جب تک وہ حیات رہے، انہوں نے اس بردہ شریف کو سینے سے لگا کر رکھا اور تنگدستی کے باوجود کسی قیمت پر بھی اس کو جدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چادر مبارک کو دس ہزار درہم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خریدنا چاہا، لیکن انہوں نے اس متاع عزیز کو فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عقبہ

---

[1] (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۱، مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۲، مسلم شریف ج ۱ ص ۴۲۱)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹)

[3] (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۲۱)

المضرب نے یہ بردہ شریف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ باختلاف روایت بیس، تیس، یا چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دی۔[1]

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور انور شاہ کشمیری صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی امت میں آج تک آپ ﷺ کے تبرکات محفوظ ہیں۔ منکرین کا یہ کہہ کر مسلمانوں کو تبرکات کی زیارت سے روکنا کہ یہ تبرکات ''جعلی'' ہیں، یہ ایک قسم کا دھوکہ اور فریب ہے۔ اور مسلمانوں کو ان برکات سے محروم کرنے کی نجدی سازش ہے۔ اگر بعض تبرکات منسوبی ہیں تو بعض دیگر منصوصی اور بعض دیگر ثابت بالسند والتواتر ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان مبارک بالوں سے شفاء حاصل کرنا

حدیث شریف : حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر بد یا کوئی شئ لاحق ہو جاتی تو ان کے پاس برتن میں پانی ڈال کر بھیجتے تھے تو : **فاخرجت من شعر رسول اللہ ﷺ و کانت تمسکه فی جلجل من فضّةٍ فخضخضته له فشرب منه قال فاطّلعت فی الجلجل فرأیت شعراتٍ حمراء رواه البخاری۔**[2]

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کا بال مبارک نکالتیں، انہوں نے حضور ﷺ کا بال چاندی کی کپّی میں رکھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لئے وہ بال ہلا دیتیں اس سے انہوں نے پیا، فرماتے ہیں میں نے کُپّی میں جھانکا تو چند سرخ بال مبارک تھے۔

علّامہ امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں : **والحاصل من مّعنی الحدیث انّه کان عند امّ سلمة رضی اللہ عنها شعرات من شعر النّبیّ ﷺ حمرٌ فی شیءٍ لیشبه الجلجل و کان النّاس یستشفون بها من المرض فتارة یجعلونها فی قدحٍ من مآءٍ ویشربونه وتارةً فی اجانة من المآء فیجعلون فی الّذی فیه الجلجل الذی فیه شعره الشریف۔** یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے بال مبارک حضرت امّ المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے جو سرخ رنگ کے تھے۔ جو (گھنگرونما) کُپّی میں تھے۔ لوگ اس سے بیماروں کے لئے شفاء حاصل کرتے تھے۔ کبھی اس کو پانی کے پیالے میں رکھتے اور اس کو پیتے اور کبھی پانی کے برتن میں اس کُپّی کو رکھتے جس میں حضور ﷺ کے بال مبارک تھے۔[3]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں : صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال شریف کو دافع البلاء باعث شفاء سمجھتے تھے، کہ انہیں پانی میں غسل دیکر شفاء حاصل کرنے کے لئے پیتے تھے۔ کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع بلاء ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم فرما رہا ہے **اذھبوا بقمیصی** تو حضور ﷺ کے بال شریف تو بدرجہ اولیٰ دافع بلاء ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے۔[4]

صحابہ و تابعین کی کس قدر پاکیزہ مبارک سوچ تھی کہ مشکلات سے نجات، بیماری سے شفایابی کے لئے نسبتِ رسول ﷺ (موئے مبارک شریف) سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے زلفوں والے آقا ﷺ کی عقیدت و

---

[1] (تبرکات نبوی ا ص ۴۰)

[2] (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، مشکوٰۃ شریف ۳۹۱)

[3] (حاشیہ البخاری ج ۲ ص ۸۷۸)

[4] (مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۲۴۹)

محبت کس قدر حکمت بھرے انداز سے عاشقین مصطفی ﷺ کے قلوب میں منتقل فرمادی تھی۔

آپ ﷺ کے بال مبارک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے

حدیث شریف :عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النّبیّ ﷺ اصبنا من قبل انسٍ او من قبل اھل انسٍ فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احبّ الیّ من الدّنیا و ما فیھا۔یعنی ''حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اہل انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملے ہیں، یہ سن کر حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔[1]

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ موئے مبارک کا فیض منقطع نہیں ہوا بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا برکتوں کا نزول بڑھتا ہی چلا گیا۔

سب سے پہلا بال مبارک ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا

حدیث شریف :عن انسٍ انّ رسول اللہ ﷺ لمّا حلق رأسہ کان ابو طلحۃ اوّل من اخذ من شعرہ۔یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :حضور ﷺ نے سر مبارک منڈوایا تو سب سے پہلے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال لئے۔[2]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح ونصرت

حدیث شریف: سعید بن منصور اور ابن سعد و ابویعلیٰ و حاکم و بیہقی اور ابونعیم نے عبدالحمید بن جعفر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے :انّ خالد بن ولیدٍ فقد قلنسوۃ لہ یوم الیرموک فطلبھا حتّٰی وجدھا و قال اعتمر رسول اللہ ﷺ فحلق رأسہ فابتدروا النّاس جوانب شعرہ فسبقتھم الٰی ناصیّۃٍ فجعلتھا فی ھٰذہ القلنسوۃ فلم اشھد قتالاً وھی معی الّا رزقت النّصر۔[3]

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہوگئی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تلاش کیا یہاں تک کہ اسے حاصل کرلیا۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد سر منڈایا تو لوگوں نے مختلف طرف کے بالوں کو حاصل کرنے میں جلدی کی اور میں ان کی پیشانی مبارک کی جانب کے بال مبارک حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کے بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں محفوظ کرلیا۔میں کسی جہاد میں نہیں حاضر ہوا مگر یہ ٹوپی میرے پاس رہی۔اور اللہ تعالیٰ نے ہر حالت اور ہر موقع پر مجھے فتح عطا فرمائی۔

اس حدیث میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح ونصرت حاصل کرنے کا بیان ہے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا کامل یقین تھا کہ حضور ﷺ کے بال مبارک باذن اللہ دافع البلاء اور فتح ونصرت کا ذریعہ ہیں۔اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے توسل کرتے تھے۔

حدیث شریف :حضرت امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں روایت درج فرمائی :وکانت فی قلنسوۃ خالد بن ولید شعراتٌ من شعرہ

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۶۹)

[2] (بخاری شریف، جلد اول، کتاب الوضو باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

[3] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

ﷺ فسقطت قلنسوته فی بعض حروبه فشدّ علیها شدّةً انکر علیه اصحاب النبیّ ﷺ لکثرةٍ من قتل فیها فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لماتضمّنه من شعره ﷺ لئلّا اسلب برکتها وتقع فی ایدی المشرکین۔[1]

ترجمہ: ''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے۔کسی لڑائی میں ان کی ٹوپی گرگئی،انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے شدت سے تلاش کی،حضور ﷺ کے صحابہ نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا۔اس لئے کہ اس لڑائی میں کثرت سے لوگ شہید ہوئے۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے محض ٹوپی کے لئے ایسا نہیں کیا،بلکہ حضور ﷺ کے بالوں کی برکت سے محروم نہ ہوجاؤں اور یہ مبارک بال کافروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔'' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار اہل ایمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تبرکات چھیننے میں حریص ہیں تاکہ مسلمان ان کی خیر و برکات اور ان کے ذریعے نصر و فتح و حفاظت سے محروم رہیں۔(معاذ اللہ) پس آجکل بعض لوگوں کا پرانے تبرکات کو لوگوں سے خریدنا اور اکٹھا کرنا اس سازش کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بال مبارک کے متعلق وصیت کرنا

حدیث شریف : حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ بنانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے مبارک بالوں میں سے ایک بال ہے،جب میں فوت ہوجاؤں تو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔چنانچہ وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔[2]

صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم موئے مبارک شریف سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بڑھ کر موئے مبارک کو اہمیت حاصل تھی۔

حدیث شریف : حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں،چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[3]

حدیث شریف : شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : مروی ہے کہ حضور ﷺ کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ اس کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے۔اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبارکات یہ تھے : چارپائی،چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی،ایک جوڑا موزہ،چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔تکیہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا،ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی،حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہوگیا۔[4]

---

[1] (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۳۷،شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳،ایضاح ا ص ۲۷۶)

[2] (اصابہ ترجمہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ)

[3] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۰۰)

[4] (مدارج النبوۃ اردو،ج ۲ ص ۱۰۴۵)

حضور ﷺ کے بال کی بے ادبی کرنے والا جہنمی ہے

حدیث شریف : حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں : **سمعت رسول اللہ ﷺ وھو اخذ شعرۃً یقول من اذیٰ شعرۃً من شعری فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔**[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ اپنا ایک بال مبارک اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے فرمارہے تھے جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی تو اس پر جنت حرام ہے۔

معلوم ہوا کہ جس نے حضور ﷺ کے مبارک بالوں کا ادب کیا وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوا اور جس نے ذرہ برابر بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کیا وہ محروم رہا۔ ان کی بے ادبی حرمان و بدبختی کا سبب ہے۔

مولوی محمد زکریا سہارنپوری نے "فضائل درود شریف" میں علامہ سخاوی کی "**القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع**" سے نقل کیا ہے : "ابوحفص سمرقندی اپنی کتاب رونق المجالس میں لکھتے ہیں کہ بلخ میں ایک تاجر تھا جو بہت زیادہ مالدار تھا، اس کا انتقال ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے، لہٰذا میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہوگیا۔ لیکن ترکہ میں تین بال بھی حضور اقدس ﷺ کے موجود تھے، ایک ایک دونوں کے حصہ میں آیا۔ تیسرے بال کے متعلق بڑے بھائی نے کہا اس کو آدھا آدھا کرلیں۔ چھوٹے نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم حضور ﷺ کا موئے مبارک کاٹا نہیں جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا کیا تو اس پر راضی ہے کہ تینوں بال تو لے لے اور یہ مال سارا کا سارا میرے حصے میں لگا دے۔ چھوٹا بھائی خوشی سے راضی ہوگیا۔ بڑے بھائی نے سارا مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لئے۔ وہ ان کو اپنی جیب میں رکھتا اور بار بار نکالتا ان کی زیارت کرتا اور درود شریف پڑھتا، تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہوگیا۔ اور چھوٹا بھائی بہت مالدار ہوگیا۔ جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صلحاء میں سے بعض نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو تو اس کی قبر کے قریب بیٹھ کر اللہ جلّ شانہ سے دعا کیا کرے۔[2]

نزہۃ المجالس میں بھی یہ واقعہ مختصراً منقول ہے لیکن اتنا اس میں اضافہ ہے کہ بڑا بھائی جس نے سارا مال لے لیا تھا، بعد میں فقیر ہوگیا تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور حضور ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا : او! محروم تو نے میرے بالوں میں بے رغبتی کی اور تیرے بھائی نے ان کو لے لیا۔ اور وہ جب ان کو دیکھتا ہے مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ جلّ شانہ نے اس کو دنیا و آخرت میں سعید بنا دیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو آکر چھوٹے بھائی کے خادموں میں داخل ہوگیا۔[3]

مقام عبرت : موجودہ مروجہ تبلیغی جماعت جو کہ عقیدہ جبریہ اور تحریف آیات قرآن و حدیث اور ابطال شعب دین اور توہین علماء صوفیاء اور ترویج عقائد محمد ابن عبدالوہاب نجدی و دیگر خوارج میں مصروفِ عمل ہے۔ اور تبرکات سے انکار کرتے ہیں اور توسل و تصوف کے بھی منکر ہیں اور اپنے رئیس مولوی محمد زکریا دیوبندی کے اقوال مندرجہ در فضائل اعمال سے بھی منکر ہیں۔ اس واقعہ سے عبرت لیں۔

---

[1] (کنز العمال ج ۲ ص ۲۷۶، جامع صغیر ص ۴۵، البرھان فی خصائص حبیب الرحمن ۱ ص ۵۹)

[2] (بدیع)

[3] (فضائل درود ص ۹۳، ۹۴)

حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس موئے مبارک

امام الاولیاء سیدی داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرو کے کھاتے پیتے خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ باپ کے فوت ہونے پر آپ کو وراثت میں بہت زیادہ دولت ملی تھی۔ آپ کو پتہ چلا کہ فلاں کے پاس رحمتِ عالم ﷺ کے دو موئے مبارک ہیں۔ آپ نے وہ خرید لئے۔ ان موئے مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق عطا کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ولی بنالیا۔ پھر آپ نے یعنی خواجہ مہدی سیاری نے حضرت خواجہ ابو بکر واسطی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کی خدمت میں رہ کر وہ مقام پایا کہ اولیائے کرام کے ایک گروہ کے امام بن گئے اور پھر جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ یہ دونوں بال مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ان کا مزار مبارک مرو میں مشہور ہے۔ چنانچہ سرکار گنج بخش قدس سرہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں "وامروز گور او بمرو ظاہر است مردماں بحاجت خواستن آنجا شوند و مہمات از آنجا طلبند و مجرب است" یعنی "مہدی سیاری کا مزار شریف مرو میں مشہور ہے، لوگ وہاں اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی مہمات (حاجتیں) طلب کرتے ہیں، ان کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور یہ مجرب ہے۔"[1]

شاہ ولی اللہ کا مرتبہ و مقام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت اور حضور کی سنتوں پر عمل کو آپ نے اپنا وظیفہ بنالیا تھا۔ آپ کی ذات موئے مبارک کی زیارت کرنے والوں اور اس سعادت سے محروم یعنی دونوں ہی طبقوں کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ آپ دین اسلام کی خدمت میں اپنے شب و روز صرف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ پر کرم نوازیوں کی بارشیں اس انداز میں ہوئیں کہ آپ علیہ الرحمۃ خود اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "رأیت الامامین الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما فی منام و انا یؤ مئذٍ بمکّۃ کانّہما اعطیانی قلمًا وّ قالا ھٰذا قلم جدّنا رسول اللہ ﷺ"۔ یعنی "میں نے دونوں امام یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی زیارت خواب میں کی اور اس دن میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ انہوں نے مجھے ایک قلم عطا کیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے نانا جان رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔"[2]

اس عظیم الشان بشارت سے معلوم ہوا کہ حق کے پرچار کے لئے آپ کو منتخب کرلیا گیا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "جب میرے والد ماجد نے آخری عمر میں تبرکات تقسیم کئے تو ایک بال مبارک مجھے بھی عنایت ہوا۔"

حضور ﷺ کے بال مبارک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پاس

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد شاہ عبد الرحیم نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں: "حضرت والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے بخار آگیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے مایوس ہوگیا اور مجھے نیند آگئی۔ غنودگی کے عالم میں حضرت شیخ عبد العزیز ظاہر ہوئے فرماتے تھے بیٹا! حضرت پیغمبر ﷺ تمہاری عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں اور ممکن ہے آپ ﷺ اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں، تیری چارپائی کو اس طرف رکھنا چاہیئے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی، میں نے حاضرین کو اشارہ کیا انہوں نے میری چارپائی اس طرف پھیر دی، اسی وقت آنحضرت ﷺ تشریف

---

[1] (کشف المحجوب ص ۱۴۳)

[2] (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱، مطبوعہ بیروت)

لائے اور فرمایا ''کیف حالک یا بنیّ'' (بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟)، ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آ گئی عجیب وجد اور آہ و بکا کا مجھ سے ظہور ہوا، حضور ﷺ نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی، آپ ﷺ کی قمیص مبارک تر ہوگئی آنسوؤں سے، آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آ گیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ عرصہ سے مجھے موئے مبارک کی آرزو تھی، کیسا عظیم کرم ہوا گر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں، آپ ﷺ اس خیال سے واقف ہو گئے، ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ میرے دل میں گزرا یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس رہیں گے، آپ ﷺ اس خیال سے بھی واقف ہو گئے، فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے صحت کلّی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے افاقہ ہوگیا۔ میں نے چراغ طلب کیا، وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہوگیا اور آنحضرت ﷺ کی جناب میں توجہ کی، مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور آنحضرت ﷺ متمثل ہوئے اور فرمایا میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیئے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے تکیہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں۔ وہاں تو انہیں پالے گا۔ مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت و احترام سے ایک جگہ حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے بعد بخارا جاتا رہا۔[1]

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی خصوصیت

''ان موئے مبارک کے خواص میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ پہلے آپس میں گھتے ہوئے تھے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ منکرین میں سے تین اشخاص نے امتحان کرنا چاہا۔ میں اس بے ادبی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ جب مناظرہ نے طول کھینچا تو موئے مبارک دھوپ میں لے گئے، اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا، حالانکہ دھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا، ان میں سے ایک شخص نے توبہ کی، دوسرے نے کہا یہ اتفاقیہ قصہ ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا، دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، دوسرے نے بھی توبہ کر لی۔ تیسرے نے کہا یہ اتفاقیہ بات ہے، تیسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے، تیسری مرتبہ بھی بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، تیسرے نے بھی توبہ کر لی۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ زیارت کے لئے باہر لایا، بہت بڑا مجمع تھا۔ ہر چند میں قفل میں چابی لگاتا تھا مگر وہ نہیں کھلتا تھا، کوشش کرتا مگر کامیاب نہ ہوتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا، معلوم ہوا کہ فلاں جنبی ہے۔ اس کی جنابت کی نحوست سے کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ میں نے عیب پوشی کرتے ہوئے تمام کو نیا غسل کرنے کے لئے کہا۔ جنبی اس مجمع سے نکل گیا۔ اس کے بعد آسانی سے کھل گیا۔ تو ہم نے زیارت کی۔[2]

تبرکات کی تقسیم

''حضرت والد صاحب آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرماتے تھے، ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا، **والحمد للہ ربّ العالمین**''۔[3]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حضور ﷺ کے موئے مبارک عطا فرمانے کا واقعہ اپنی کتاب ''درثمین'' میں اس طرح بیان فرماتے ہیں

''الحدیث الخامس عشر۔ اخبرنی والدی انّه کان مریضًا فرأی النّبیّ ﷺ فی النّوم فقال کیف حالک یا بنیّ! ثمّ بشره بالشّفاء واعطاه شعرتین من شعور لحیته فتعافی من المرض فی الحال وبقیت الشّعرتان عندهٗ فی الیقظة فأعطانی احدهما فهی عندی۔'' یعنی ''میرے والد مبارک نے مجھے بتایا کہ جب وہ بیمار ہوئے تو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا

---

[1] (انفاس العارفین ص ۷۴، ۷۵)

[2] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)

[3] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)

میرے بیٹے تیرا کیا حال ہے اور ساتھ ہی صحت یابی کی خوشخبری دی اور دو موئے مبارک ریش کے عنایت فرمائے، میں اسی وقت صحت یاب ہوگیا۔صبح اٹھا تو دونوں موئے مبارک میرے پاس تھے۔(میرے والد نے) ایک بال مجھے دے دیا جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔"[1]

۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان عبارات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ بعد میں آنے والے غلاموں کو بھی وقتاً فوقتاً اپنے تبرکات سے نوازا ہے۔جیسا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم کو نبی پاک ﷺ نے اپنے موئے مبارک خواب میں عنایت فرمائے، جو عالم بیداری میں بھی ان کے پاس موجود تھے۔

۲) یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کرنے کرانے پر علماء امّت کا تعامل رہا ہے۔

۳) منکرین کے لئے حضور ﷺ کے مبارک بالوں سے معجزات کا ظہور ہوا اور بادل کے ٹکڑے نے ان پر سایہ کیا۔

۴) حضور سید عالم ﷺ حیات ہیں، آپ ﷺ کے جسم اطہر سے جدا ہونے والے مبارک بال بھی زندہ ہیں، کہ آپس میں گھتے ہوئے بالوں پر درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔

۵) جب درود شریف پڑھا جائے تو آپ ﷺ کے بال مبارک محسوس کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھا جارہا ہے۔تو خود نبی پاک ﷺ درود پڑھنے والے کے درود کیونکر محسوس نہیں فرماتے اور کیونکر نہیں سن سکتے؟

پیارے بھائیو! شیطان کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ صحابہ اور صالحین کے طریقے پر لوگ عمل پیرا ہو جائیں اور موئے مبارک شریف کی برکتیں حاصل کرلیں اور ویسے بھی شیطان کی عین آرزو و تمنا ہے کہ لوگوں کے قلوب عظمتِ مصطفی ﷺ سے خالی ہو جائیں، اس بدبخت کا کام ہی راہ راست سے دور کرنا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے : اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ "جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔"(الناس ۵:)

شیطان بدبخت وسوسہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کہاں سے آگئے؟ کیا کسی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے اپنے مبارک بال تقسیم فرمائے ہوں یا حضور پرنور ﷺ کی رضا موئے مبارک شریف کے فیض کو پھیلانے میں ہے۔مزید یہ کہ نعوذ باللہ بعض اوقات تو شیطان موئے مبارک شریف کی توہین اور بے ادبی پر ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور صریح گستاخی کرتا ہے جس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔(الامان والحفیظ) اور یہ سارے برے کام اور گستاخی و بے ادبی وہابی، نجدی، مودودی، رائیونڈی، پنج پیری، وغیرہ کرتے ہیں۔ایسے لوگوں سے بچنا ہم سب کیلئے ضروری ہے، اور ان کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف : ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں۔غزوہ بدر میں حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں برچھی ماری تھی : قال عروۃ فسألہ ایاہ رسول اللہ فاعطاہ فلمّا قبض رسول اللہ ﷺ اخذھا ثمّ طلبھا ابو بکر فاعطاہ فلمّا قبض ابو بکر سألھا ایاہ عمر فاعطاہ فلمّا قبض عمر اخذھا ثمّ طلبھا عثمان منہ فاعطاہ فلمّا قتل عثمان وقعت عند اٰل علیّ فطلبھا عبداللہ بن زبیر فکانت عندہ حتّٰی قتل۔یعنی "حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مستعار لے لی۔جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس لے لی پھر ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس برچھی کو مانگ لیا۔اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مانگ لی، ان کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی

---

[1] (درثمین فی مبشرات النبیّ الامین ص ۳۶)

آل کے پاس رہی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لے لیا اور وہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔"[1]

(نوٹ) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج نے ۷۳ھ میں شہید کیا۔

گویا برچھی تقریباً ستر یا اکہتر سال تک بطور تبرک محفوظ رکھی گئی۔ اس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بطور یادگار کے طلب فرمائی اور پھر حضور ﷺ کے چاروں خلفاء میں بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ اس سے صالحین کی تلوار بطور تبرک رکھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حدیث شریف : حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان لکڑی کے تھے۔ حضور ﷺ اس چارپائی پر سویا کرتے تھے۔ جب وصال ہوا تو آپ ﷺ کو اس چارپائی پر رکھا گیا۔ حضور نبی پاک ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وصال کے بعد اسی پر رکھا گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی پر رکھا گیا، پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اس پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فروخت ہوئی، عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔[2]

یہ صالحین کی چارپائی بطور تبرک رکھنے کی دلیل ہے۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر ہمارا گزر وادی حجر سے ہوا تو : **انّ النّاس نزلوا مع رسول اللہ ﷺ ارض ثمود الحجر و استقوا من بئرھا و اعتجنوا بہ فامرھم رسول اللہ ﷺ ان یّھرقوا ما استقوا من بئرھا و ان یّعلفوا الابل العجین و امرھم ان یّستقوا من بئر الّتی کان ترد ھا النّاقۃ۔**[3]

ترجمہ: لوگ وہاں اترے اور وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی پیا اور اس کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس پانی کو انڈیل دو۔ اور ارض ثمود (وادی حجر) کے کنویں کا پانی نہ پیو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے، اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم فرمایا کہ اس کنویں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر سے دوسری روایت ہے جس میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں : **لمّا مرّ النّبیّ ﷺ بالحجر قال لاتدخلوا مساکن الّذین ظلموا انفسھم ان یّصیبکم ما اصابھم الّا ان تکونوا باکین ثمّ قنع رأسہ و اسرع السیر حتّی جاز الوادی۔**[4]

جب نبی پاک ﷺ وادی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب داخل ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو روتے ہوئے داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر نازل ہو۔ پھر حضور ﷺ تیز چلے اور وادی کو طے فرمالیا۔

علامہ ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی مشہور زمانہ تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" تفسیر قرطبی میں یہی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں : "حضور ﷺ کے ارشاد سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ترک کرنا چاہیئے، تو اس میں انبیاء کرام اور

---

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۷۰)

[2] (زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عماد ج ۳ ص ۳۸۲)

[3] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۷۸)

[4] (بخاری ج ۲ ص ۶۳۷)

صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔''

فیه دلیل علی التبرّک بآثار الصّالحین و ان تقادمت اعصارهم و خفیت آثارهم۔[1]

یعنی اس میں دلیل ہے آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کی اگر چہ ان کا زمانہ گزر چکا اور ان کے آثار پوشیدہ ہو گئے ہوں۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّ اللّٰه لیصلح بصلاح الرّجل المسلم ولده و ولد ولده و اهل دویره و دویرات حوله و لا یزالون فی حفظ اللّٰه ما دام فیهم۔[2]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے سب گھر والوں کو درست کرتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ خدا کی حفاظت و امان میں رہتے ہیں۔ دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اس کے پڑوس میں سو گھرانوں سے بلاء و عذاب کو دفع فرما دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کرنے کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: **و لو لا دفع اللّٰه النّاس بعضهم ببعضٍ لفسدت الارض۔**

یعنی ''اور اگر اللہ تعالیٰ (نیک) لوگوں کی وجہ سے دوسروں سے عذاب دفع نہ کرتا بلکہ ہر بدکاری کی سزا دیتا تو سب زمیں خراب ہو جاتی۔[3]

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے ان دو احادیث کو علامہ ابن کثیر سے نقل کرنے کے بعد ان پر اس طرح تبصرہ کیا ہے: ''امام التفسیر ابن کثیر نے دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگر چہ ان کی تضعیف کی ہے، لیکن اوّل تو فضائل اعمال بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے۔ پھر تعددِ طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہو گئی اور مضمون ان احادیث کا قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ دیندار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کے لئے موجب برکات ہے، خواہ ظاہر میں اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں۔''[4]

قاضی زاہد دیوبندی نے اپنی کتاب ''رحمتِ کائنات ﷺ'' میں لکھا ہے: ''اکابر علماء کرام اور اولیاء عظام نے اپنے کفنوں میں بزرگوں کے عطا کردہ کپڑے وغیرہ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اس گناہ گار نے بھی قبر کی راحت کے لئے مندرجہ ذیل تبرکات رکھے ہوئے ہیں:

(۱) غلاف خانہ کعبہ کا ایک ٹکڑا، (۲) اندرون کعبہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا، (۳) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چغہ مبارک کا ایک ٹکڑا جو آپ کے نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مورخہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ کو عطا فرمایا تھا۔ (۴) اپنے محبوب آقا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا عطا فرمودہ عربی عبا، (۵) احرام کی چادر، (۶) روضہ مطہرہ کے اندرونی سبز غلاف کا ٹکڑا۔''[5]

مولوی قاسم نانوتوی بانی دیوبند بھی بزرگوں کے پڑوس میں دفن ہونا باعث برکت سمجھتا ہے: ''خان صاحب نے فرمایا کسی عامی نے حضرت نانوتوی سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں، اس سے کیا فائدہ؟ جبکہ نہ کسی کی برائی کام آئے گی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آئے گی۔ یہ سائل بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا۔ اور پنکھا بہت بڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا بھائی تم اس مجمع میں کس کو پنکھا جھل رہے ہو۔ اس نے عرض کیا آپ کو۔ فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا جی ہاں! فرمایا یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب

---

[1] (تفسیر قرطبی سورۃ الحجر)

[2] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۰۷)

[3] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲)

[4] (کشکول از مفتی محمد شفیع، ص ۴۸-۴۷)

[5] (قاضی زاہد دیوبندی، رحمت کائنات ص ۱۹۶)

رحمت اور مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں، مگر حسب قرب و بعد پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے : مقاصد حسنہ میں ایک روایت "ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین" نقل کر کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ کو مجروح کر کے کہا ہے :"ولکن لم یزل عمل السلف و الخلف علیٰ ھٰذا او مایروی کون المقدسة لاتقدس احدًا انّما قدس المرء عمله فقدینافیه" یعنی اور ظاہر ہے کہ اس پر سلف وخلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں خواہ کوئی خاص روایت ثابت نہ ہو۔ لان انتفاء الخاص لا یستلزم انتفاء العام۔[2]

یہی مولوی اشرف علی تھانوی آیت معراج کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے :الّذی بٰرکنا بطور مدح کے بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجۂ اولیٰ مفہوم ہوگیا کیونکہ جب اس کے آس پاس باوجود نہ ہونے مسجد کے برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہوگی۔ کیونکہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں۔ ایک دنیوی سو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے اور دوسری دینی کہ مدفن انبیاء ہے، سو دفن ہونا صرف تلبس جسم کا اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے، تلبس روح کا ہے، یہ زیادہ موجب برکت ہوگا خصوص جب وہاں ہی رہ کر عبادت کریں کہ جسم کا تلبس بھی ہو جاوے گا کیونکہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ اکثر انبیاء کا معبد اور محل عبادت بھی رہا ہے۔ پس اس طرح اس مسجد مبارک کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہوگئی۔[3]

پھر مقامات متبرکہ کے متعلق لکھا ہے :"ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے راہ میں بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ مقامات شریفہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔"[4]

حدیث شریف :ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا :لعنة الله علی الیهود و النّصاریٰ اتّخذوا قبور انبیآئهم مساجدًا۔[5]

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

شارحین حدیث نے اس کے تحت فرمایا :کانت الیهود و النّصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانهم و یجعلونها قبلة و یتوجهون فی الصلوة نحوها فاتّخذوها اوثانًا لعنهم و منع المسلمین عن مثل ذٰلک و نهاهم عنه امّا من اتّخذ مسجدًا فی جوار صالحٍ او صلّی فی مقبرته و قصد به الاستظهار بروحه او وصول اثر ما من آثار عبادته الیه لا التعظیم له و التوجه نحوه فلا حرج علیه انتهی کلام الطیبی رحمة الله تعالیٰ علیه و المرقاة و اللمعات نحوه۔[6]

ترجمہ: یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو ان کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کرتے تھے اور انہیں قبلہ بنا کر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور انہیں بت بنا کر پوجتے تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ان کی مثل کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن

---

[1] (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۳)

[2] (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۴)

[3] (نشر الطیب ص ۹۸-۹۷)

[4] (نشر الطیب ص ۹۲)

[5] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۵، مشکوٰۃ شریف ص ۶۹، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۱)

[6] (حاشیۃ البخاری ج ۲ ص ۸۶۵)

جس شخص نے صالحین کے جوار میں مسجد بنائی، یا ان کے مقبرہ میں نماز پڑھی اور ان کی روحانیت کے استظہار کا ارادہ کیا اور اس اثر کو حاصل کرنے کے لئے جو صالحین کی عبادت کا ہے، اگر یہ تعظیم یہود و نصاریٰ کی مثل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''تبرکات کے لئے یہ سمجھا جائے کہ نیک لوگوں کے تبرکات کو کفن میں شریک کرنا بھی باعث مغفرت ہوسکتا ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ: ''سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کپڑا لے کر حاضر ہوئی اور یہ عرض کیا کہ اس کو جناب خود زیب تن فرماویں مگر ایک آدمی نے (اس یقین پر کہ سید دو عالم ﷺ کسی سائل کو نامراد نہیں فرماتے) آپ ﷺ سے وہ کرتہ مانگ لیا اور ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ میں نے یہ کرتہ اس لئے مانگا ہے کہ یہ مبارک کرتہ میرا کفن ہو، چنانچہ وہ کرتہ اس سعادت مند کا کفن ہی ہوا۔''

یہ مبارک واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفن کے لئے کسی متبرک کپڑے کا محفوظ رکھنا اور اسے کفن میں شریک کرنا بہتر امر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا: ''وفیہ التبرک باثار الصالحین''۔[1]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہ فلبس الخاتم بعد النبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و الاظہر انہم لبسوھا احیانًا لاجل التبرک بہ۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کے بعد آپ کی انگوٹھی مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک کے لئے کبھی کبھی پہنا کرتے تھے۔

و کان عند معاویہ رضی اللہ عنہ ازار رسول اللہ ﷺ ورداءہ و قمیصہ و شیئ من شعرہ و اظفارہ فقال کفنونی فی قمیصہ وادرجونی فی ردائہ وازرونی بازارہ واحشوا منخری و شعری و مواضع السجود من شعرہ و اظفارہ و صلوا بینی و بین ارحم الراحمین۔[3]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ازار، چادر اور قمیص مبارک تھی اور کچھ موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے۔ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک میں کفن دینا اور چادر مبارک میں لپیٹنا اور آپ ﷺ کی ازار مبارک اوڑھا دینا، اور میری ناک کے نتھنوں میں اور بالوں میں اور سجدہ کی جگہوں پر آپ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک رکھ دینا، اور نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ارحم الرّاحمین (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دینا۔

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی ''سید دو عالم ﷺ نے مجھ کو جو کرتا عنایت فرمایا تھا وہ مجھے اس طرح پہنا دینا کہ میرے بدن کے ساتھ چمٹا رہے اور میرے پاس جو سید دو عالم ﷺ کے ناخن مبارک محفوظ ہیں ان کو پیس کر میری دونوں آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔''[4]

---

[1] (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۵)

[2] (مرقات باب الخاتم ج ۸، ص ۲۷۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

[3] (عمدۃ القاری، ج ۴ ص ۱۷۰، ج ۴ ص ۱۷۴، ج ۳ ص ۷۴، فیض الباری ج ۱ ص ۲۷۲، ج ۱ ص ۳۳۹، تاریخ ابن ھشام ج ۲ ص ۱۱۲، شفاء ج ۱ ص ۲۲۰، نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۴۶، شفاء ج ۲ ص ۷۰، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴۳، مرقات ج ۱ ص ۲۱، فتح الملہم ج ۲ ص ۲۲۳، عالمگیری ص ۱۶۶، تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۴۰، البدایہ ج ۴ ص ۳۰۰، البدایہ ج ۱ ص ۳۹۹، البدایہ ج ۲ ص ۲۷۳، البدایہ ج ۲ ص ۴۰، البدایہ ج ۶ ص ۱۵۸، البدایہ ج ۶ ص ۳۳۴، فتوح الشام ج ۲ ص ۴۰۴، ج ۱ ص ۸۱، ج ۱ ص ۲۰۸، ج ۱ ص ۱۱۶، ج ۲ ص ۶۷، ج ۲ ص ۶۳، ج ۲ ص ۱۴۴، ج ۲ ص ۳۲)

[4] (دلیل الفالحین ج ۲ ص ۵۲۰) (بحوالہ رحمتِ کائنات، ص ۱۹۶-۱۹۵)

(۳۲)﴿باب نمبر بتیس حکایاتِ صلحاء اور اقوالِ علماء سے تبرکات کا ثبوت﴾

قرآن پاک کے روشن دلائل اور احادیث مبارکہ کی واضح براہین کے بعد بزرگان دین اور علمائے امت کے فرامین اور تعامل چند حکایات وفرمودات کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے:

حضرت ابوالحسن خرقانی کا جبّہ اور فتح سومنات

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھے کوئی یادگار عطا کیجئے۔شیخ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ جب محمود واپس ہوا تو شیخ اس کی تعظیم کو اٹھے۔سلطان نے کہا جس وقت میں آیا تھا آپ نے کچھ التفات نہ کی تھی اور اب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔فرمایا کہ تو بادشاہی کی رعونت اور امتحان کی نخوست لے کر آیا تھا اور اب انکساری و درویشی میں جاتا ہے۔اس لئے میں پہلے تیری بادشاہی کے لئے نہیں اٹھا اور اب تیری درویشی کے لئے کھڑا ہو گیا۔غرض سلطان وہاں سے چلا گیا۔

جب سومنات پر چڑھائی کی اور شکست کھائی تو اضطراب کی حالت میں ایک گوشہ میں اترا،اور پیراہن شیخ کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رکھ کر یوں دعا کی :''الٰہی بآبروئے ایں خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ چہ ازیں جا غنیمت بیگرم بہ درویشاں بدہم''۔ ''خدایا!اس خرقہ کی آبرو کے صدقہ مجھے ان کافروں پر فتح دے۔میں یہاں سے جو غنیمت لوں گا درویشوں کو دے دوں گا''ناگاہ کفار کی طرف رعد وظلمت ایسی نمودار ہوئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو تہہ تیغ کیا اور بہت سے پراگندہ ہو گئے۔اس طرح لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔اسی رات محمود نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرمارہے ہیں :''اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی آبرو ضائع کر دی اگر تو اس وقت خدا سے دعا کرتا کہ تمام کفار مسلمان ہو جائیں تو تمام مسلمان ہو جاتے۔''[1]

حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بال مبارک

حضرت میر محمد نعمان سلمہ الرحمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میری لڑکی کی ایک انا تھی لڑکی نے اسے کئی بار کہا کہ حضرت خواجہ کی مرید بن جاؤ مگر اس نے انکار کیا۔ایک روز ہم نے ایک تقریب پر لڑکی کو انا سمیت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیر خوار لڑکی کو بغل میں لے کر نہایت شفقت کی۔لڑکی نے حضرت کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک بال اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔آپ نے فرمایا یہ لڑکی ہم سے یادگار لے رہی ہے۔

عجیب نظر بین تھی کہ ان ہی ایام میں حضرت نے انتقال فرمایا اور وہ موئے مبارک بطور تبرک و یادگار باقی رہ گیا۔[2]

مرا از زلف تو موئے بسند است
فضولی میکنم بوئے بسند است

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور جبّہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قیّومیّت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری جو شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے،کیتھل سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا۔آپ کے کندھے پر رکھ دیا آپ اس وقت یاروں

---

[1] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۶۲،تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۵۰،تذکرۃ الاولیاء ص ۳۸۲)

[2] (تذکرہ مشائخ نقشبند ص ۱۷۷)

کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں کئی دفعہ میرے دادا شاہ کمال نے حکم فرمایا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو۔اگر چہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لئے مشکل تھا لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا میں نے ناچار تعمیل کی۔حضرت اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو بعض محرمانِ اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کو پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور انکے تمام خلفاء شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔حضرت غوثِ ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کر لیا اور خاص نسبتوں کے انوار و اسرار سے منور کیا۔[1]

ابتداء و توسط راہ سلوک میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بہت مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بعض زندہ اور بعض وفات شدہ) سے فیض پہنچا تھا۔ لیکن بالاخر ان سب مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام خاص بلند ہو گیا۔بفضل اللہ تعالیٰ و کرم حبیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رہا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول (قدمی هذه علیٰ رقبة کلّ ولیّ اللہ) تو اس کا مطلب کمالات ولایت میں ان کے تصرفات ہیں۔نہ کہ کمالاتِ نبوت میں کہ اپنے زمانے کے اولیاء سے برتری مراد ہے۔زیادہ تفصیل کے لئے مکتوباتِ امام ربانی، جلد ا، مکتوب ۲۹۳ کا مطالعہ کریں۔

مجدّد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جبّہ اور جامۂ تبرک کے لئے التماس

مولانا محمد امین جو خواجہ دیونہ سورتی کے مریدوں میں سے تھے، مرض شدید میں مبتلا ہو گئے اور مدت تک بیمار رہے نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعاء سے۔حضرت شیخ (مجدد صاحب) کی شہرت سن کر انہوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دعائے صحت اور جامۂ تبرک کے لئے التماس کی حضرت نے ترس کھا کر ایک عنایت نامہ مع پیراہن تبرک بھیجا اس عنایت نامہ میں مرض قلبی کے ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا: ''دیگر آنکہ آپ ظاہر کے ضعف کے سبب سے اندیشہ نہ کریں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت و عافیت سے بدل جائیگا۔فقیر کا دل اس طرف سے مطمئن ہے آپ نے فقیروں کا جامہ طلب کیا تھا پیراہن بھیج دیا گیا آپ اسے پہن کر نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے۔''

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است - :- وانکہ دیدش نقد خود مردانست[2]

چنانچہ مولانا نے وہ پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی اور حاضر خدمت ہو کر زمرۂ مریدوں میں داخل ہوئے۔[3]

وضو کا پانی مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عنایت فرمایا

''وہ پانی جس سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو، یا بہ نیت عبادت و ثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو، لوگوں کے لئے اس پانی کا پینا جائز قرار نہ دیں، کیونکہ یہ پانی سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے، اور فقہاء نے اس پانی کو پینا مکروہ کہا ہے۔ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے کہا ہے اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔

اس فقیر کو اس دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آگئی بعض دوستوں کو واقعہ دکھایا گیا کہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پئیں ورنہ ضرر عظیم لاحق ہوگا۔ہر چند اسے اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار

---

[1] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۰۴، از علامہ نور بخش صاحب توکلی)

[2] (مکتوبات دفتر اوّل مکتوب ص ۱۶۶، فارسی، مکتوبات اردو حصہ سوم دفتر اوّل مکتوب ص ۱۶۶)

[3] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۱)

اعضاءکو دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں، تو وہ مستعمل نہیں ہوگا، اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔[1]

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کا غلاف

علامہ بدرالدین سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ایک دفعہ حضرت شیخ (مجدد قدس سرہ) اجمیر شریف روضہ شریف قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لے گئے تھے۔ بہت دیر تک اس بدرالاولیاء کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو محرمانِ اسرار سے فرمایا کہ حضرت خواجہ نے بہت کچھ اعطاف اور الطاف فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی ضیافت کی اور سخنانِ اسرار کی گفتگو فرمائی اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی ہمراہی سے علیحدگی ہو جائے، آپ نے اس سے منع فرمایا اور اسکو رضائے حق پر تفویض کرنے کے لئے حکم دیا۔ اتنے میں مجاوران مرقد منور حضرت خواجہ قدس سرہ چادرِ غلاف شریف قبر شریف حضرت خواجہ کی، کہ ہر سال تازہ آپ کی مزار پر ڈالی جاتی ہے یا سلاطین وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل و زمرد کی طرح صندوق میں کامل تعظیم کے ساتھ محفوظ رکھتے ہیں، بطور تحفہ آنجناب کے پاس لائے اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے، آپ نے اس کو ادب کے ساتھ لے لیا۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لئے رکھا جائے کہ اس وقت اس کے سوا حضرت خواجہ کے پاس اور کوئی لباس نہ تھا اس لئے اسے ہم کو عطا فرمایا۔[2]

حضرت خواجہ قادر بخش جہاں خیلی اور تبرکات

میاں ہیرا ساکن غوث گڑھ بیان کرتا ہے : ایک مرتبہ حضرت خواجہ ہمارے گاؤں میں تشریف لائے، آپ کے ساتھ تیس چالیس درویش تھے، کئی آدمیوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کی، جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واپس ہونے کے لئے تیار ہوئے تو رات کو میں تنگدستی کی وجہ سے بہت رویا، دل میں کہتا تھا کہ آج میرے پاس کچھ ہوتا تو میں بھی حضرت کی دعوت کرتا۔ صبح کو حضرت نے بلا کر مجھے فرمایا کہ تیرے گھر میں کچھ ہے بھی۔ عرض کیا حضور پانچ سیر آٹا ادھار لایا تھا، جس میں سے آدھا کھالیا اور اڑھائی سیر باقی ہے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جا اسی کو پکا لے، میں نے عرض کیا حضرت! تیس چالیس آدمی ہیں، اڑھائی سیر سے کیا ہوگا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوبارہ فرمایا میں نے وہی جواب دیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تجھے اس سے کیا مطلب تم اسی کو پکا لو حسب الارشاد میں نے اڑھائی سیر آٹے کی پتلی پتلی روٹیاں پکوائیں اور ماش کی دال تیار کروائی۔ جب حضرت مع خدام غریب خانہ میں تشریف لائے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضو کیا اور فرمایا تم بھی وضو کرلو، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی چادر مبارک دال روٹیوں پر ڈال دی۔ میں نے اس میں سے پہلے حضرت کے تمام درویشوں کو کھلایا۔ بعد ازاں اپنے متعلقین اور دیگر پیر بھائیوں کو کھلایا۔

فارغ ہو کر کپڑا جو اٹھایا تو اسی قدر روٹیاں موجود تھیں جتنی پکائی تھیں، بعد ازاں حضرت نے مجھے چادر اور اپنا کرتہ مبارک اتار کر دیا، فرمایا اسے اپنے پاس رکھنا، جب تک یہ تیرے گھر میں ہونگے، تجھے معاش کی تنگی نہ ہوگی۔ اس وقت میرے پاس صرف دو بیل گاڑی کے تھے، ان تبرکات کی برکت سے دو سال کے اندر تیس چالیس بیل اور پانچ چھ نوکر ہو گئے۔ پھر میں نے زمین بھی خریدی۔ لوگ مجھے ادب سے پکارنے

---

[1] (مکتوبات شریف اردو دفتر اوّل مکتوب ص ۲۹)

[2] (حضرات القدس جلد دوم ص ۷۹، ۸۰)

لگے۔اور حکام وقت بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔وہ تبرکات اب تک میرے گھر میں ہیں۔[1]

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جبّہ مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد کے واقعات میں لکھتے ہیں :

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اجمالاً بتایا گیا کہ آج تمہیں ایک نعمت ملے گی۔میں سیر کیلئے نکلا۔شہر کے ایک حصّے میں میرے دل نے گواہی دی کہ تیرا مطلوب اس جگہ ہے۔میں نے پوچھا یہاں کوئی درویش یا فاضل شخص ہے۔لوگوں نے کہا ہاں فلاں درویش اس جگہ رہتا ہے۔میں اس کی ملاقات کیلئے گیا۔اس نے کہا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبّہ مبارک مجھے تبرک ملا ہے۔اور آج رات مجھے حکم ہوا ہے کہ آج جو شخص تمہارے پاس آئے یہ تبرک اس کو دے دو۔میں نے وہ جبّہ لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی زبانی بیان فرماتے ہیں : ''فرماتے تھے ماہ رمضان میں ایک دن میں نے سخت مشقت کی جس کی وجہ سے مجھ پر سخت کمزوری طاری ہوگئی۔قریب تھا کہ میں اس بنا پر افطار کر دیتا اور فضیلت صوم کے فوت ہونے کا مجھے بہت غم ہوا۔اس اندوہ میں مجھے نیند آگئی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت لذیذ اور خوشبو دار کھانا جسے ہندی میں زردہ پلاؤ کہتے ہیں، عنایت فرمایا میں نے سیر ہو کر کھایا پھر بہت ہی لطیف ٹھنڈا پانی عنایت فرمایا میں نے سیر ہو کر پیا۔پھر میں بیدار ہوگیا، بھوک اور پیاس تمام زائل ہو چکی تھی اور سیر شکمی حاصل ہوگئی تھی میرے ہاتھوں میں ابھی تک زعفران کی خوشبو باقی تھی، بعض عقیدت مندوں نے اسے احتیاط سے دھو کر رکھ لیا۔اور برکت کے طور پر اس سے روزہ افطار کیا۔[3]

تبرک کے حصول پر دعوت کا اہتمام

یہی شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت ابو القاسم اکبر آبادی کی کرامت کے ذیل میں فرماتے ہیں : ''ان کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ حرم شریف میں ایک شخص کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ٹوپی اپنے آباو اجداد سے ملی تھی، اور وہاں اس کی وجہ سے بہت محترم و مکرم تھا۔ایک رات خواب میں اس نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا فرماتے تھے کہ ٹوپی ابو القاسم اکبر آبادی کو دے دو اس شخص کے دل میں خیال گزرا کہ اس شخص کی تخصیص میں کوئی حکمت ہے، امتحان کے طور پر ایک قیمتی جبّہ اس کے ساتھ ملا دیا اور پوچھتے پچھاتے آپ کی خدمت میں آیا۔اور عرض کی کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں انہوں نے مجھے خواب میں فرمایا کہ ان کو ابو القاسم اکبر آبادی کو دے دو۔اور ان کو آپ کے سامنے رکھ دیا۔آپ نے قبول فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔اس شخص نے کہا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے، اس کے شکرانے میں کافی کھانا تیار کیجئے اور روساء شہر کی دعوت کیجئے۔فرمایا کل آپ تشریف لائیں، اور جس شخص کو چاہیں مدعو کریں، میں کھانا کافی تیار کروں گا۔علی الصباح وہ شخص رؤساء شہر کے ساتھ آیا اور کافی طعام تناول کیا اور فاتحہ پڑھی۔دعوت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ متوکل آدمی ہیں اور ظاہری اسباب نہیں ہیں، اس قدر طعام کیسے تیار ہوگیا۔فرمایا ہم نے جبّہ کو فروخت کر دیا اور ضروریات خرید لیں۔وہ شخص چلایا کہ میں نے اس فقیر کو اہل سمجھا تھا مگر یہ تو فریبی نکلا اس نے ان تبرکات کی قدر نہیں پہچانی۔فرمایا شور مت کرو۔جو تبرک تھا، اس کو میں نے محفوظ کر لیا ہے۔اور جو چیز تبرک نہیں تھی بلکہ امتحان تھی، اسے فروخت کر دیا ہے اور اس کی ضیافت اور شکرانے کا سامان خرید لیا ہے۔وہ واقعہ سے آگاہ ہوا اور تمام اہل مجلس سے حقیقت حال بیان کی۔تمام نے

---

[1] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۶۳)

[2] (انفاس العارفین ص ۶۹، ۷۰)

[3] (انفاس العارفین ص ۷۱، درثمین ص ۱۹)

کہا الحمدللہ تبرک اس کے حقدار کو مل گیا۔''[1]

عصاء کی برکت

ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے ارادہ کیا کہ شیخ رفیع الدین محمد کے گھر کو لوٹ لیں۔اس غرض کے لئے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو گئے اور ایک شخص کو بھیجا۔تا کہ وہ آمد و رفت کا راستہ معلوم کر کے آئے اور اہل خانہ کی حالت بھی دیکھ لے۔وہ جاسوس جب ان کے گھر پہنچا تو اندھا ہو گیا اور ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔جس کی وجہ سے اہل خانہ جاگ گئے اور چراغ کی روشنی میں تمام حقیقت معلوم کر لی۔شیخ نے طبعی مہربانی سے کہا اس سے کوئی تعرض نہ کرے اور اسے کہو کہ وہ چلا جائے۔اس نے کہا کیسے جاؤں، کہ بصارت نہیں ہے اور نہ چلنے کے طاقت ہے۔شیخ اس کے پاس آئے اور اپنے عصاء کو ان کی آنکھوں اور گھٹنوں پر لگایا، اس کی برکت سے اس نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ اپنی جماعت سے جاملا۔''[2]

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی اور تبرکات

مولوی رشید احمد گنگوہی کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے''حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی تبرکات کے نہایت قدر دان تھے۔حق تعالیٰ نے تبرکات بھی وہ عطا کئے تھے جن کا دوسری جگہ وجود نہ تھا۔مقام ابراہیم علیہ السلام جس کی زیارت سے حرم محترم میں ہزار ہا لوگ محروم رہتے ہیں، اگر زیارت ہوتی ہے تو عموماً رشوت دے کر جو کہ معصیت ہے۔اس کا ٹکڑا آپ کے پاس تھا۔جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈال کر پانی کو مجمع پر تقسیم کرا دیا کرتے تھے۔اس انمول تبرک کی آپ کو اس درجہ محبت اور قدر تھی کہ کبھی معتبر سے معتبر خادم کے بھی حوالہ نہیں کرتے فرمایا۔جس وقت آپ اس کی زیارت کراتے تو مسرّت سے باغ باغ ہو جاتے تھے۔بمقتضائے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ﴿الضحی ۱۱﴾ آپ نے بارہا یہ الفاظ فرمائے کہ مجھے حق تعالیٰ نے وہ شیء عطا فرمائی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ آپ کے پاس بیت اللہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کی مقدس چوکھٹ کا چھوٹا سا ایک ٹکڑا بھی تھا اس کی محبت اور قدر دانی بھی اس درجہ کی تھی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔

''اعلیحضرت حاجی صاحب کا عطا فرمایا ہوا جبّہ بھی آپ کے پاس تھا یہ بھی اسی تبرک کے صندوقچہ میں رہتا تھا۔جس وقت آپ اس کو نکالتے تو اوّل خود دست مبارک میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر یکے بعد دیگرے دوسروں کو سر پر رکھنے کا موقع عطا فرماتے۔اس وقت آپ پر خاص کیفیت ظاہر ہوتی، اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کو کئی سال حضرت نے پہنا اور پھر مجھ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرمایا تھا۔جو شخص لے کر آیا تھا، اس سے یوں کہلا کر بھیجا تھا کہ اس کو پہننا سو کبھی کبھی تعمیل ارشاد کو پہنا کرتا ہوں، تبرک ہے رکھ چھوڑا ہے۔''[3]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے امداد المشتاق میں تحریر کیا کہ : ''حضرت قدس سرہ کے ملبوس کو اتنا بابرکت سمجھنا شہادت عظمیٰ ہے۔''[4]

ناظرین کرام : غور فرمائیں مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس جو تبرکات تھے، مثلاً مقام ابراہیم علیہ السلام کا ٹکڑا اور بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کا ٹکڑا، ان کے اصلی ہونے کی کیا دلیل تھی۔اور پھر ان تبرکات کی زیارت کراتے ہوئے مولوی صاحب ایک خاص کیفیت پاتے اور باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔بشمول حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے جبّہ کے ان تبرکات کو لے کر پہلے اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے

---

[1] (انفاس العارفین ص ۵۲، ۵۳)

[2] (انفاس العارفین ص ۲۶۲)

[3] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۶۷، ۱۶۸)

[4] (امداد المشتاق ص ۱۹۲)

اوروں کو عطاء فرماتے۔ایک طرف خود تبرکات کی زیارت کا اہتمام ہے اور دوسری طرف یہی حضرات اہل اللہ کے تبرکات کو جعلی بتا کر لوگوں کو ان کی زیارت سے منع کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں،مولوی اسماعیل دہلوی کا واقعہ مولوی اشرف علی تھانوی نے تحریر کیا ہے :''خان صاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے۔یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا کیا کر رہے ہیں؟ اٹھیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی تعظیم کیجئے۔مولانا اس پر بھی نہ اٹھے۔اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور انہوں نے سختی سے کہا۔اس پر مولانا نے فرمایا اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں،پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ ﷺ فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں۔لہٰذا میں نہیں اٹھ سکتا ہوں۔اس جواب کو سن کر شور و شغف اور فساد تک نوبت پہنچی مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی تھے اس لئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصّہ رہ گیا۔''[1]

قبر میں تبرکات مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات کے متعلق گنگوہی سے استفسار

''حضرت مولانا اشرف تھانوی مدظلہ نے ایک بار دریافت کیا۔حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا ہاں! مگر میت کے کفن میں نہ رکھے،طاق کھود کر رکھ دے۔اس پر مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے۔اس کے بعد فرمایا شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کوئی مرید تھے انکے پاس شاہ صاحب کا جوتا تھا۔انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھ دیئے جائیں۔چنانچہ حسب وصیت رکھ دیئے گئے اس پر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا،کہیے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا،اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے،استہزاء اور تمسخر کی کیا حاجت تھی،سو اب تم لوگوں کے پاس بیٹھو۔میں کبھی بھی نہیں بیٹھوں گا۔اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔اس کے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے ''ضرب النعال علی رؤس الجهال'' رسالہ لکھا۔اس میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگاں کو قبر میں لے جانا جائز ہے،اس رسالہ کو دیکھ کر منکرین ناکام ہوئے۔''[2]

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے کفن میں تبرکات

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی وفات پر ماہنامہ''البلاغ'' کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا۔ایک مضمون بعنوان''والد ماجد کے آخری شب و روز'' میں مفتی صاحب کے صاحبزادہ ولی رازی صاحب لکھتے ہیں :''وصیت کے مطابق مسنون طریقہ سے کفن دیا گیا اور تبرکات کفن میں حسب ہدایت شامل کی گئیں۔''[3]

قبر کی مٹی میں شفاء

مولوی اشرف علی تھانوی نے،مولوی محمد یعقوب کی کرامت ان کے صاحبزادے کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑا بخار کی کثرت ہوئی سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے آرام آجاتا۔بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم،کئی مرتبہ ڈلوا چکا۔پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ،بہت تیز مزاج تھے)''آپ کی

---

[1] (ارواح ثلاثہ ص ۷۷)

[2] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۹۰)

[3] (ماہنامہ،البلاغ خصوصی نمبر ص ۳۴۳)

تو کرامت ہوگئی، اور ہماری مصیبت ہوگئی! یاد رکھو، کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو! لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔ بس اسی دن سے پھر آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔[1]

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

مزارات اولیاء پر حاضری اور وہاں ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کرنے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ لگانے والوں کا خود اپنے گھر میں کیا حال ہے کہ مزارات کی خاک کو شفاء سمجھ کر لوگ لے جاتے رہے اور شفا پاتے رہے۔

خانقاہ کا ادب و احترام

مولوی اشرف تھانوی مولوی رشید گنگوہی کی زبانی لکھتا ہے : ''خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ جنگل میں جاتا تھا، کہ شیخ کی جگہ ہے، حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔''[2]

اللہ اکبر! بغداد شریف، اجمیر شریف، داتا دربار اور اولیاء کرام کی مزارات اور وہاں کی خانقاہوں کا ادب شرک قرار پائے اور خود اپنی خانقاہوں کا اس درجہ ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے!

آستانہ کی خاک کونین کی بہار

مزید ملاحظہ فرمائیں : مولوی نجم الدین اصلاحی نے شیخ الاسلام نمبر میں لکھا ہے: ''اور بعض اہل اللہ کی زندگی میں ہم کو حسینی تابش اور مدنی جھلک بھی نظر آئی اور ہم نے اس ذات مجسم الصفات کو اللہ تعالیٰ کی دین سمجھ کر اس کے آستانے کی خاک کو اپنے لئے کونین کی بہار اور دنیا و مافیہا کا خلاصہ سمجھا اور اس راہ میں کھونا ہی اگر پانا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے دربار گہربار سے محروم نہیں رہے۔''[3]

مدینہ منورہ کا درخت

''مہمان خانہ کے صحن میں ایک درخت تھا جس میں نہایت خوشبودار زرد پھول لگتے تھے۔ صورت میں وہ بالکل ببول کے مشابہ تھا۔ (حضرت مولانا حسین احمد) وہ درخت مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور بڑے شوق اور چاہت سے اس کے نیچے بیٹھتے تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس جنس کا درخت تھا جس کے نیچے وہ عظیم الشان بیعت ہوئی تھی جس کو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب وہ درخت تو ختم ہوگیا لیکن شہر اور دارالعلوم میں اس نسل کے کئی اور درخت لگے ہوئے ہیں۔''

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نشر الطیب میں قصیدہ بردہ شریف کے برکات میں لکھتے ہیں : ''عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ کے

---

[1] (ارواح ثلاثہ ص ۳۷۵، حکایت ص ۳۶۶)

[2] (ارواح ثلاثہ ص ۳۳۹)

[3] (شیخ الاسلام نمبر ص ۴۳، بحوالہ کون کے آنسو)

برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ یعنی امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری قدس سرّہ کو فالج ہوگیا تھا جس سے نصف بدن بیکار ہوگیا تھا۔انہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ تصنیف کیا۔اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا،یہ فوراً شفاء یاب ہو گئے اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھے وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی ﷺ میں لکھا ہے۔انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ،اس نے کہا جس کے اوّل میں یہ ہے:

''امن تذکر جیرانٍ بذی سلم''

ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔اس درویش نے کہا واللہ میں نے اس وقت سنا جب کہ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا۔اور آپ ﷺ خوش ہو رہے تھے،سو انہوں نے یہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا۔اور اس قصّہ کی شہرت ہوگئی اور شدہ شدہ یہ خبر صاحب بہاؤ الدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی،اس نے نقل کرایا اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے اپنے دنیوی و دینی امور میں دیکھے اور سعد الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور کا تھا،آشوب چشم میں مبتلا ہوا،یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں،کسی نے خواب میں کہا اور بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء بخشی اور ''رسالہ نیل الشفاء'' مولفہ احقر میں حضور ﷺ کا نقشۂ نعل شریف کے برکات وخواص مذکور ہیں۔جب صرف ان الفاظ میں جو کہ آپ ﷺ کے معنی اور مدح کی صورت ومثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان الفاظ پر دال ہیں اور اس ملبوس میں جو کہ آپ ﷺ کے نعال اور پھر ان کے نقشوں میں جو کہ ان نعال کی تمثال ہیں،یہ دولتہائے لازوال اور نعمتہائے بے مثال ہیں سو خود آپ ﷺ کی ذات مجمع الکمالات اور اسمائے جامع البرکات سے توسّل کرنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا کیا کچھ نہ ہوگا۔

نام احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند — تا کہ نورش چوں مددگاری کند
نام احمد چوں حصارِ شد حصین — تا چہ باشد ذاتِ آں روح الامیں

مولوی ارسلان اختر میمن دیوبندی نے ''تبرکات نبوی ﷺ'' میں لکھا ہے:

''محمد بوصیری (۶۹۴-۶۰۸ھ) نے بھی اپنی بیماری کے دوران قصیدہ لکھا۔خواب میں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا،آپ ﷺ نے دست شفقت ان کے مفلوج جسم پر پھیرا اور ردائے مبارک عطا فرمائی۔بنابریں بوصیری صحت یاب ہو گئے،اسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔اس کے ۱۶۲ اشعار ہیں۔''

نقشۂ نعلین شریفین سے توسّل وشفاء

مولوی اشرف علی تھانوی نے نبی پاک ﷺ کی نعلین شریفین کی مدح وتوسل اور شفاء حاصل کرنے میں ایک رسالہ بنام ''نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ ﷺ'' تحریر کیا ہے۔اس رسالہ میں مولوی صاحب نے لکھا ہے: ''بعد الحمد والصلوۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرت معاصی سے جو کچھ بلیات صوریہ اور معنویہ ہے،ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاح اعمال وتوبہ واستغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب وزباں کی جو کیفیت ہے معلوم ہے،البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر آسکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے۔منجملہ ان وسائل کے بتجربہ بزرگان دین نقشۂ نعل مقدس حضور سرور دوعالم فخر آدم ﷺ نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے۔

اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال ﷺ صاحبہ فوق عدد الرمال۔حسب روایت امام زین الدین عراقی محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنی حاجات ومعروضات جناب باری

تعالیٰ میں قبول کرائیں اس نقشہ شریف کے آثار وخواص وفضائل کو کون شمار میں لاسکتا ہے۔ مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ کتب معتبرہ علمائے محدثین ومحققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل بر ذوق وشوق نقل کئے جاتے ہیں جن کے پڑھنے سے حضور ﷺ کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہو اور بوجہ غلبۂ محبت بلاتکلّف آپ کا اتباع نصیب ہو جو اصل مقصود اور سرمایۂ نجاتِ دنیوی اور اخروی ہے۔

طریق توسل

بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے، اس کے بعد گیارہ بار درود شریف، گیارہ بار کلمہ طیّبہ، گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی! میں جس مقدس پیغمبر ﷺ کے نقشۂ نعل شریف کو لیے ہوں ان کا ادنیٰ درجہ غلام ہوں۔ الٰہی! اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر بہ برکت اس نعلین شریفین کے میری حاجت پوری فرمائیے۔

مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بہ محبت بوسہ دے، اشعار ذوق وشوق بغرض از دیادِ عشقِ محمّدی ﷺ پڑھے ان شاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

پھر اس کے بعد نعل شریف کے توسل سے کئی مریضوں کا شفاء یاب ہونا، اس کی برکت سے حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا، جو شخص ان کو تبرکاً پاس رکھے، ظالموں کے ظلم سے اور حاسدوں کے حسد سے اور نظر بد سے محفوظ رہے گا وغیرہ وغیرہ۔''[1]

ہو ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعان کا

ماہنامہ تحفظ، مئی ۲۰۱۱ء میں ابوسعید محمد نوید ضیاء المدنی لکھتے ہیں:

''کیا نقش نعلین پاک متبرک ہے؟

عشق کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ جس سے ہو جائے اس سے نسبت رکھنے والی ہر شے محبوب ہوتی ہے خواہ عشق حقیقی ہو یا مجازی۔ یہی وجہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ سے عشق ومحبت کا دم بھرنے والے آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والے شہر مقدس، آپ ﷺ کے رفقاء یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آپ ﷺ کی آل پاک اور آپ ﷺ کی سنن سے محبت ووارفتگی رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے مبارک قدموں سے لگنے والے پاپوش یعنی نعلین مبارک ان کے سروں کا تاج ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جو سر پر رکھنے کو مل جائے نعلین پاک حضور ﷺ
تو پھر کہیں گے کہ تاجدار ہم بھی ہیں

مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمہ

اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض گزار ہیں:

ذرے جھڑ کے تیری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

(حدائق بخشش)

---

[1] (نیل الشفاء بنعل المصطفٰے ﷺ ملحقہ زاد السعید ص ۶۳ تا ۶۶)

جس طرح عشاق کو اپنے آقا ﷺ کے اظہار کا بس موقع ہی ملنا چاہیئے بعینہ اسی طرح مخالفین بھی ان پروانہ شمع رسالت پر ان کے عشق کے باعث اعتراض کرنے کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ماہ ربیع الاول میں چونکہ مولود نبوت جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اور مسلمان اپنے نبی ﷺ کے عشق کی خاطر نعلین پاک کا نقش اپنے سروں اور دلوں پر آویزاں کرتے ہیں۔یہ منکرین کو رنج میں ڈالتا ہے ایسے ہی مواقع پر قرآن پاک کا کیا خوب ارشاد مسلمانوں سے ہے چنانچہ ارشاد خداوندی عزوجل ہے: ان تمسسکم حسنة تسؤ ھم۔

ترجمہ :اگر تم (مسلمانوں) کو کبھی چھوٹی سی بھلائی بھی پہنچے تو انہیں (منافقین کو) بری لگتی ہے۔(پارہ ۴ آل عمران آیت ۱۲۰)

معلوم چلا کہ مسلمانوں کو خوشی ملنے پر غم کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔یہ تو نقش وعکس کی بات ہے ہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ انہیں اس سے والہانہ کس قدر محبت والفت تھی۔آخر میں اس کی برکات وفوائد اور معاندین کے بے تکے اعتراضات کے جوابات بھی قلمبند کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

امام احمد المقری التلمسانی علیہ الرحمہ اپنی تصنیف۔ میں تحریر فرماتے ہیں،محمد بن یحیی حضرت قاسم سے بیان کرتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ بیٹھتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوجاتے اور آپ ﷺ کے نعلین مبارک پاؤں سے اتارتے اور اپنی آستین میں چھپا لیتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوجاتے تو نعلین پہناتے اور آپ ﷺ کے ساتھ عصا پکڑ کر چلتے۔یہاں تک کہ آپ ﷺ حجرہ مبارک میں داخل ہوجاتے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب النعلین کا لقب حاصل ہے۔امام احمد مقری علیہ الرحمہ اسی صفحہ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک جماعت جن میں ابن سعد بھی ہیں،نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے کفش بردار اور دیگر اشیاء سنبھالنے اور اٹھانے والے تھے۔(صفحہ ۱۷۱)

''ضیاء النبی ﷺ'' میں پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ جلد ۵ ص ۵۸۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضور ﷺ کے پاپوش بردار تھے۔

مسند احمد ابویعلی،ابن حبان اور مستدرک میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کون ہے جو معانی قرآن پر اس طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے اس کے نزول پر کیا ہے؟کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ فرمایا نہیں۔عرض کیا کیا وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ فرمایا نہیں۔اس کے بعد فرمایا یہ کام خاصف النعل ہی کریں گے[2]۔

خاصف النعال یعنی جوتے گانٹھنے والے،چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف گانٹھا کرتے تھے اس لئے یہ لقب ان کے حصہ میں آیا۔یوں تو خدمت اقدس میں عموماً صحابہ کرام حاضر رہتے تھے مگر حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت انس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص نعلین شریفین کے خدمت گزار تھے۔یہ تو نعلین پاک کی اصل کے متعلق چند کلمات حوالہ قرطاس کئے۔اب چند سطور نعلین پاک کے نقش وعکس وشبیہ کے متعلق بھی تحریر کی جاتی ہیں۔

بڑے بڑے فضلاء نے نعلین شریفین کے نقش کی برکتوں کے بارے میں مستقل تالیفات کی ہیں۔ابوجعفر احمد بن عبدالمجید جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے نیک بزرگ گزرے ہیں،فرماتے ہیں : میں نے ایک طالب علم کو نعلین شریفین کا نقشہ دیا۔ایک دن وہ آیا اور اس نے بتایا کہ

---

[1] (فتح المتعال فی مدح النعال ص ۱۷۱)

[2] (فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص ۳)

میں نے کل رات اس نقش کی برکت کو خود ملاحظہ کیا۔ میری بیوی کو شدید درد ہوا۔ قریب تھا کہ وہ جان دے دیتی۔ میں نے اسی نعل شریف کا نقش اس جگہ رکھا جہاں درد ہو رہا تھا۔ میں نے عرض کی اللھمّ ارنی برکۃ صاحب ھذا النعل یعنی یا اللہ مجھے اس نعل شریف والے کی برکتیں عطا فرما تو اسی وقت وہ تندرست ہوگئی۔

امام ابو اسحاق سلمی الاندلسی جو ابن الحاج کے نام سے معروف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ابو القاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس کی برکت تجربات سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔ جو شخص اس سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اسے پکڑتا ہے، تو باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ پانے سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور وہ عورت جسے زچگی کی تکلیف ہو، اگر وہ اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لے تو اس کی یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ اور بچہ بفضلہ تعالیٰ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

امام ابو بکر قرطبی علیہ الرحمہ نے اس کی تمثال کی برکات کے بارے میں پورا قصیدہ نقل کیا ہے۔ اس کے تین اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

فضعها على اعلىٰ المفارق انها
حقيقتها تاج وصورتها نعل
باخمص خير الخلق حازت مزية
على التاجحتى باهت المفرق الرجل
شفاء لذى سقم رجاء لبائس
امان لذى خوف كذا يحسب الفضل

ترجمہ: اس کو اپنے سر کی چوٹیوں پر رکھو۔ حقیقت میں یہ تاج سلطانی ہے۔ اگرچہ اس کی صورت جوتے کی سی ہے، یہ وہ نعل شریف ہے جسے خیر الخلق کے پاؤں کے تلوے کے ساتھ لگنے سے تاج پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں سروں پر فضیلت لے گئے۔ یہ بیماری کے لئے شفاء کا پیغام ہے۔ مایوسی کے لئے امید کی کرن ہے۔ خوفزدہ کے لئے امان کا پیغام ہے اور اسی طرح اس نعلین شریفین کے نقش کے فضائل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[1]

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا:

یاشبہ نعل المصطفی روحی الفداء لمحلک الاسمی الشریف العالی

''اے نعل مصطفی ﷺ کی شبیہ میری روح تجھ پر قربان و فدا ہو تیرے اشرف و اعلیٰ مرتبہ و مقام کے سبب۔''

شیخ فتح اللہ البیلونی الحلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

يا مثالا لنعل خير البرايا بک نستدفع العنا والبلايا
بک نرجوالشفا من كل داء بک نستمنح الاله العطايا
لک يا مثل نعله مثل ما كان لها من فضيلة ومزايا
وكفى شاهد الذلک ما يظهر للعين مبصرا فى المرايا

ترجمہ: ''اے افضل مخلوق کے نعل مبارک کی مثال! تیرے ذریعہ ہم تکلیفوں اور بلاؤں کو دور کرتے ہیں، تیرے واسطہ سے ہم ہر بیماری

---

[1] (ضیاء النبی ج ۵ ص ۶۰۳، ۶۰۴، ضیاء القرآن پبلشرز لاہور)

سے شفا کی امید رکھتے ہیں اور تیرے وسیلہ سے ہم معبود کے عطیات کو چاہتے ہیں۔اے حضور ﷺ کے نعلین کی مثال تیری بھی وہی فضیلت اور خصوصیت ہے جو نعلین مبارک کو حاصل ہے،اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنکھ آئینہ میں دیکھنے والے ہی کو دیکھتی ہے۔''

امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یا طالبا تمثال نعل نبیه ها قدوجدت الی اللقاء سبیلا

من یدعی الحب الصحیح فانه یثبت علی ما یدعیه دلیلا

ترجمہ :اے اپنے نبی ا کے نعل مبارک کی مثال کے طالب! آگاہ ہو جا،تو نے محبوب کی ملاقات کی راہ پالی ہے جو صحیح محبت کا دعوی کرتا ہے وہ اپنے دعوی کو دلیل سے ثابت کرتا ہے۔[1]

''مجموعہ رسائل فضل رسول''میں لکھا ہے :''محدث مغرب علامہ فاسی''مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات''میں لکھتے ہیں :پھر مؤلف (دلائل الخیرات) نے اپنے شیخ حضرت تاج الدین الفاکہانی کی موافقت ومتابعت میں اسمائے مبارکہ کے بعد روضۂ مبارک اور قبور مقدسہ کی صفت بیان کی ہے،شیخ تاج الدین الفاکہانی نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کی صفت میں ایک باب باندھا ہے۔

''اس کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص روضۂ مقدسہ کی زیارت پر قادر نہ ہو وہ اس کی مثال مبارک کی زیارت کرے اور شوق و جذبہ کے ساتھ اس کا دیدار کرے،لوگوں نے مثالِ نعل کو نعل مبارک کا قائم مقام بتایا ہے اور اس کی ایسی تعظیم وتکریم کی جیسی اصل نعل مبارک کی کی جاتی ہے اور اس کی مجرب برکتوں اور خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔''[2]

''خاتمہ : یارسول اللہ ﷺ میں مضطر ومضطرب ہوں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں اور آپ ﷺ کے واسطہ سے اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہوں آپ ﷺ میری شفاعت فرمائیے میرے پاس دنیا کا مال نہیں ہے جس کو میں آپ ﷺ سے مناجات کے وقت پیش کروں،میں اس رسالہ کو پیش کرتا ہوں،جیسا کہ شیخ شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصیدۂ ہمزیہ کو پیش کیا اور اس قصیدہ کے آخر میں کہا تھا:

و ثنائی قدمته بین یدی نجو ای اذلم یکن لدی ثراء

ترجمہ :جب میرے پاس مال وثروت نہیں ہے تو میں اپنی مناجات کے وقت اپنی اسی نعت کو پیش کرتا ہوں۔

اس شعر کی شرح میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں :علامہ بوصیری نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِذَا نَاجَیتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَینَ یَدَی نَجوٰکُم صَدَقَةً ﴿المجادلة ۱۲﴾(اے ایمان والو! جب تم رسول سے کچھ خاص راز کی بات عرض کرو تو اپنی مناجات کے وقت صدقہ پیش کر دیا کرو)۔کی تعمیل میں عرض کی کیونکہ اس آیت میں حکم وجوبی تھا پھر منسوخ ہوگیا لیکن وجوب کے نسخ سے اس کے استحباب کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔اس لئے حضور ﷺ کی زیارت کا ارادہ رکھنے والے کے لئے مسنون ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کے وقت صدقہ پیش کرے۔شعر مذکور کو نظم کرنے والا استحباب کی بقاء کا اعتقاد رکھتا ہے تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ ان کے پاس کوئی مال و دولت نہیں جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سوال کے وقت پیش کریں تو اپنی نعت کو صدقہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مال پر دلالت کرتی ہے۔''[3]

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ القوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ مواہب میں اس کا تجربہ لکھا ہے کہ مقام

---

[1] (بحوالہ مجموعہ رسائل فضل رسول،ص ۲۲۰)

[2] (مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات :ص ۱۳۸ مطبع شرقیہ مصر ۱۲۹۸ھ)

[3] (مجموعہ رسائل فضل رسول،ص ۲۲۲،۲۲۳)

درد پر نعلین شریفین کا نقشہ رکھنے سے درد سے نجات ملتی ہے اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے حفاظت ہوتی ہے اور شیطان کے مکر وفریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شر وفساد سے محفوظ رہتا ہے۔ مسافت طے کرنے میں آسانی رہتی ہے، اس کی تعریف ومدح اور اس کے فضائل میں قصیدے لکھے گئے ہیں۔

امام احمد مقری تلمسانی نعلین مبارک کے برکات وفوائد کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ جس لشکر میں ہو، اس کو کبھی شکست نہ ہو جس قافلے میں ہو وہ قافلہ لوٹ مار سے محفوظ رہے، جس گھر میں ہو وہ گھر جلنے سے محفوظ رہے گا، جس سامان میں ہو وہ چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔ جس کشتی میں ہو وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی، جو کوئی صاحب نقش نعل سے کسی حاجت میں توسل کرے وہ حاجت پوری ہو اور ہر مشکل آسان ہو۔[1]

نعلین پاک کی چند برکات ہم نے اکابر کی کتابوں سے نقل کیں، اس کے علاوہ بھی اس کی برکات بے شمار و بے حد ہیں جس نے مزید تفصیل دیکھنی ہو وہ علامہ مقری تلمسانی کی فتح المتعال فی مدح النعال اور علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ کے رسالے غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال میں دیکھے۔ یہ رسالہ ۱۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔[2]

منکرین اس کی روک تھام میں خوب زور لگاتے ہیں۔ ان کی طرف سے ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ تم تو تصاویر سے منع کرتے ہو اور دوسری طرف نعلین کی تصاویر بھی بناتے ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس تصویر کے بنانے کو حرام کیا گیا ہے وہ جاندار کی تصاویر ہیں، جبکہ نعلین میں جان کہاں؟ لہذا اس کا نقش بالکل جائز ہے۔ یہ اعتراض وجواب فتح المتعال سے نقل کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ علامہ احمد مقری تلمسانی علیہ الرحمہ کے دور میں بھی اس کے منکرین موجود تھے حالانکہ علامہ کی ولادت ۹۹۲ھ اور وفات ۱۰۴۱ھ ہے۔

دوسرا اعتراض ان کی طرف سے یہ ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اسی نعلین کا نقش ہے جو نبی کریم ﷺ استعمال فرمایا کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مشرق کے پاس حضور اکرم ﷺ کے نعلین شریفین موجود تھے، کیونکہ یہ بنی ابن الحدید کے پاس اور پھر شام کے جامعہ اشرفیہ میں موجود ہیں۔ ابن رشید وغیرہ نے جب مشرق کا سفر کیا تو اس نے اس کی مثال بنوالی۔ اس کے علاوہ صدیوں سے ائمہ اپنی کتابوں میں اس کا نقش نقل کرتے آئے ہیں۔ جن میں علامہ ابن عساکر، ابن الحاج، ابن المرجل، امام عراقی، حافظ زین الدین، سراج الدین بلقینی، امام سخاوی، اور علامہ سیوطی علیہ الرحمہ شامل ہیں۔[3]

تیسرا اعتراض ان کی طرف سے یہ ہے کہ جب تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ یہ اس اصل کا عکس وشبیہ ہے، تو اس قدر تعظیم کیوں کرتے ہو، تعظیم تو اصل کی ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک جو پڑھا ہوا نازل کیا گیا وہ تو کلام نفسی ہے اور جو کتابت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، یہ اس کا عکس ونقل ہے، پھر اس کی تعظیم بھی نہ کی جائے، حالانکہ اگر بطور تحقیر اس کو گندی جگہ پھینک دیا جائے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

اس کے متعلق ان کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ نعل پاک لگے ہونے کی صورت میں آدمی ایسی گلیوں سے بھی گزرتا ہے جہاں گٹر کا گندا پانی کھڑا ہوتا ہے، اور گندے پانی کی نالیاں بھی ہوتی ہیں اور بیت الخلاء میں جانا پڑتا ہے، اس سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لہذا یہ نہیں لگانا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو جاہلانہ اعتراض ہے کیونکہ ادب کا دارومدار دراصل عرف پر ہے، جسے لوگوں کا جم غفیر جو سلیم الطبع اور ذی فہم ہوں، ادب کہے وہ ادب ہے اور جسے بے ادبی کہے وہ بے ادبی ہے۔ نعل پاک کے نقش لگے ہونے کی صورت میں گلیوں سے گزرنے کو جبکہ

---

[1] (فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص ۲۴۷)

[2] (مدارج النبوت، مترجم ج ۱ ص ۵۷۸، ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور)

[3] (فتح المتعال ص ۱۹۲، ۱۹۵)

اس میں نالیاں بھی ہوں کوئی بے ادبی نہیں کہے گا۔ ہاں جہاں تک بیت الخلاء کا تعلق ہے تو ضرور اسے اتار کر جانا چاہیئے یا اتار کر جیب میں ڈال لیں۔ ورنہ تو مساجد کے برابر گلیوں میں گٹروں اور نالیوں کا گندا پانی آہی جاتا ہے۔ اور بلکہ عین مسجد سے متصل فنائے مسجد میں باتھ روم بنائے جاتے ہیں تو کیا مساجد کی تعمیرات کا سلسلہ روک دیا جائے، لوگ قرآن پاک گھر کے لئے خرید کر بھی تو انہیں گلیوں سے لاتے ہیں جن کے متعلق تمہارا گندے ہونے کا قول ہے۔

یہ چند کلمات نعلین اقدس کی شان و برکات اور اس کے دفاع میں ہدیہ ناظرین کے لئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے سبب ہماری بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ:

تاج والے بھیک مانگیں آپ کی نعلین کی
تاجور کھاتے ہیں صدقہ آپ کی نعلین کا ﷺ

تبرکات کی زیارت کے وقت اکٹھا ہونا

''کہیں کہیں جُبّہ شریف یا موئے شریف پیغمبر ﷺ یا کسی اور بزرگ کا مشہور ہے۔ اس کی زیارت کے لئے یا تو اسی جگہ ہوتے ہیں یا ان لوگوں کو گھروں میں بلا کر زیارت کرتے ہیں اور زیارت کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں اور اگر سند بھی ہو تب بھی بہت خرابیاں ہیں بعض خرابیاں وہاں بیان کر دی ہیں جہاں شادی میں عورتوں کے جمع ہونے کا ذکر لکھا ہے، پھر شور وغل اور بے پردگی اور کہیں کہیں زیارت والوں کا گانا جس کو سب عورتیں سنتی ہیں یہ سب ہر شخص جانتا ہے کہ بری باتیں ہیں۔ ہاں اگر اکیلے میں زیارت کرے اور زیارت کے وقت کوئی خلافِ شرع بات نہ کرے تو درست ہے۔[1]

تبرکات کی تقسیم

یہی مولوی اشرف علی تھانوی نے ارواح ثلاثہ میں مولوی مظفر حسین کاندھلوی کے حالات میں اس کے وصال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا۔ کرتہ پاجامہ، لنگی بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ اور پاجامہ صاحبزادوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کرایا گیا اور کرتہ موجود ہے۔[2]

تبرکات مدینہ کی زیارت

مولوی حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دیوبند نے ''شہاب ثاقب'' میں تبرکات کی تعظیم کرنے اور ان سے شفاء برکت حاصل کرنے والے کو ہی اہل سنت اور تبرکات سے حسنِ عقیدت نہ رکھنے والوں کو ''خبیث وہابی'' قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: ''حضرت مولانا (رشید احمد گنگوہی) کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ کے غلاف کا سبز ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین وخدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے، تو صندوقچہ اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اوّل اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں پر لگاتے اور ان کے سروں

---

[1] (بہشتی زیور حصہ ششم ص ۴۰۰)

[2] (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۴)

پر رکھتے۔اس امر کو ہزاروں نے ملاحظہ کیا ہوگا۔بھلا یہ امر وہابیہ کے نزدیک بدعت وحرام نہیں تو کیا ہے۔''[1]

''بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے۔حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا بعض غلبہ حضّار نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی، یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید کر لائے اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوئی۔حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا لگی ہے۔اس وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی۔ الٰی ان قال ... وہ چیزیں جن کو کفار نے دار الکفر میں اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو فقط اور محبوب کے دنچ روزہ ہوا کھانے کی وجہ سے تبرک عظیم بن جاویں ... آئیں دیکھیں تو سہی کیا یہ حالت کسی خبیث وہابی کو نصیب ہوئی ہے کیا وہ ایسے عقائد اور خیالات رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔''[2]

قارئین کرام :ان دونوں عبارات میں مولوی حسین احمد مدنی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، بلکہ بڑے شدومد سے لکھا ہے کہ :

(۱) تبرکات کی تعظیم وہابیہ کے نزدیک بدعت وحرام ہے

(۲) تبرکات کی تعظیم کسی خبیث وہابی کو نصیب نہیں ہوتی

آئیے! ذرا ایک نظر ان کے اکابر میں سے سب سے بڑے کی تحریر کو اس آئینے میں دیکھیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی اپنی مشہور کتاب (تقویۃ الایمان) جو حقیقت میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' کا اردو ترجمہ اور خلاصہ ہے، میں تحریر کرتا ہے: ''کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کی تعظیم کرے الی ان قال .... یا ایسے مکان میں دور دور سے قصد کر کے جاوئے۔ یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے، چادر چڑھائے، ان کی قبر کو بوسہ دے، مورچھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے۔ ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بن کر بیٹھ رہے، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے، وہاں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے، سو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے، اس کو اشراک فی العبادت کہتے ہیں۔''[3]

اسکی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعاء مانگنی، التجاء کرنی، اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی، ایک پتھر کو بوسہ دینا، اس کی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی ملنا، اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی، اس کے ارد گرد روشنی کرنا، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لئے سامان درست کرنا، اس کے کنویں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، آپس میں بانٹنا، غائبوں کے واسطے لے جانا، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا، اس کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کیلئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔ [4]

امام کا چبوترہ استاد اور پیروں کے بیٹھنے کی جگہ، کہ لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں، نذریں چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، غرض یہ کہ یہ سب وثن ہیں۔ [5]

کسی قبر یا مکان کا طواف کرنا، اس کے گرد وپیش جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا اور اسی قسم کے

---

[1] (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

[2] (الشہاب الثاقب ص ۵۳)

[3] (تقویۃ الایمان ص ۳۷)

[4] (تقویۃ الایمان ص ۳۷)

[5] (تقویۃ الایمان ص ۸۵)

کام کرنے اور ان سے کچھ دین و دنیا کے فائدہ کی توقع رکھنا یہ سب شرک کی باتیں ہیں، ان سے بچنا چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ خالق ہی سے کرنا چاہیئے۔ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں کہ اس سے یہ معاملہ کیجیئے۔"[1]

ناظرین کرام : یہ عبارات اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ مزید کسی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے تاہم چند باتیں قابل غور ہیں :

(۱) ان عبارات میں کسی بزرگ کے جنگل کا ادب کرنا اور میدان اور کوئیں کا پانی بطور تبرک پینا شرک فی العبادات لکھا ہے۔ حالانکہ آپ سابقہ حوالہ جات پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر اس چیز کا جس کی نسبت سرور کائنات ﷺ کی طرف ہوگئی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔ اور سلف صالحین نے ہر اس چیز کا ادب کرنے کا حکم دیا ہے۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں : "**ومن اعظامہ واکبارہ ﷺ اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ وما لمسہ علیہ الصلوۃ والسلام او عرف بہ**"[2]

ترجمہ: "آپ ﷺ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے تمام متعلقات اور آپ کے تمام مقامات مکہ، مدینہ اور تمام چیزوں کی تعظیم کی جائے، جن کو آپ ﷺ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ ﷺ سے معروف ہو۔"

پھر امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : "**واوّل ارضٍ مسّ جلد المصطفٰی ترابھا ان تعظم عرصاتھا وتنسم نفحاتھا وتقبّل ربوعھا وجدارھا**"

خوشا کزدر گردِ راہ سیوت رسیدم　　بدیدہ گرد از کویت کشیدیم

جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[3]

ترجمہ: "جس زمین کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جسم مقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی تعظیم بھی کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں کسی جانور پر سوار نہیں ہوتے تھے، فرماتے تھے "مجھے حیاء آتی ہے کہ جس زمین میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرما ہیں، میں اسے اپنی سواری کے سموں سے روندوں۔"[4]

شاہ جہان بادشاہ کے پوتے اور شہزادہ داراشکوہ کے بیٹے مرزا محمد اختر دہلوی نے "تذکرۃ الاولیاء" میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر رسول اللہ ﷺ کے جبہ مبارک کو چھت کے ساتھ معلق پایا تو اپنا سر اس کے نیچے جھکا دیا اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے کیونکہ فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کا فیضان بہت زیادہ تھا۔[5]

کیا سلف صالحین کا یہ عمل شرک تھا؟

۲) پھر کہا کہ استاد اور پیروں کے بیٹھنے کی جگہ کا ادب کرنا یہ سب وثن ہے (العیاذ باللہ)

مشہور عالم اور بریلوی مکتبِ فکر علماء کے مقتداء جناب مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب "بدر الانوار" میں امام

---

[1] (تقویۃ الایمان ص ۸۰)

[2] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)

[3] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۶)

[4] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

[5] (تبرکات نبوی ا مولوی ارسلان بن اختر میمن دیوبندی)

علامہ احمد بن محمد مصری مالکی معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب "فتح المتعال فی مدح خیر النّعال" سے امام اجل خاتمہ المجتہدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی شافعی متوفی ۷۶۲ھ کا کلام نفیس تبرک بہ آثار امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدست اسرارہم میں سے نقل فرماتے ہیں : "وھذا لفظہ حکی جماعۃ من الشافعیہ ان الشیخ العلامہ تقی الدین ابا الحسن علیا السبکی الشافعی لما تولی تدریس دار الحدیث بالاشرفیہ بالشام بعد وفات الامام النووی احدی من یتفخر بہ المسلمون خصوصًا الشافعیہ أنشد لنفسہ وفی دار الحدیث لطیف معنی الی بسط لھا ان امس بحر وجھی مکانا مسہ قدم النواوی او اذا کان فی آثار من ذکر فما بالک بآثار من شرف جمیع بہ۔

ترجمہ: "اور یہ ہے ان کا ارشاد شافعیہ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ تقی الدین سبکی امام نواوی کی وفات کے بعد شام کے دار الحدیث میں درس حدیث کے لئے مقرر کئے گئے۔ مسلمان بالخصوص شافعیہ یہاں تدریس کو ایک عظیم الشان اعزاز سمجھتے تھے تو یہ اشعار امام سبکی نے کہے : دار الحدیث میں ایک لطیف خصوصیت ہے، اس کے بچھونوں کی طرف مائل ہوں، شاید میری جبین ناز کو اس مقام پر لگنا نصیب ہو، جہاں نووی کے قدم لگے ہوں۔ تو جب آثار علماء کا یہ حال ہے تو اس ذات کے آثار کا کیا حال ہوگا جن سے تمام کو شرف حاصل ہوا۔[1]

۳) اس کے کنویں کا پانی تبرک سمجھ کر پینا۔

کیا یہ شرک ہے؟

خلاصۃ الوفاء ص ۴۶۴ ج ۱ اور وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۱۲ دار احیاء التراث العربی میں ہے : وکذا الابار الّتی او تطھّر منھا والتبرّک بذالک۔ اور ایسے ہی ان کنوؤں کی زیارت کے لئے جانا اور ان کے پانی کو تبرک بنانا اور غائبوں کے لئے لے جانا احادیث سے ثابت ہے۔[2]

اسی طرح مدینہ منورہ کے کنوؤں سے خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی منگواتے اور اس سے برکت وشفاء حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"حدیث میں ہے بئر بضاعۃ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ایک ڈول طلب فرما کر وضو فرمایا۔ بقیہ پانی مع لعاب دہن مبارک کنویں میں ڈال دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو شخص بیمار ہوتا تھا، اس کو بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے، اس کی برکت سے بیمار کو جلد شفاء حاصل ہو جاتی تھی۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو تین دن بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے تو وہ صحت پا جاتا تھا۔"[3]

بہر کیف ایک طرف ان باتوں کو شرک قرار دیا جاتا ہے، دوسری جانب خود عمل کرتے نظر آتے ہیں یہ دورُخی پالیسی سمجھ میں نہیں آتی۔

نگاہِ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا ہے کوئی بے وفا ہوکر

مولوی نورالدین دیوبندی اپنی کتاب نورالوسیلۃ فی ردالوہابیۃ میں تبرکات کے اثبات میں لکھا ہے : "حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ

---

[1] (بدرالانوار ص ۲۹، ۳۰)

[2] (بحوالہ اطیب البیان ص ۲۰۱)

[3] (جذب القلوب اردو ص ۱۶۳)

العزیز زبدۃ المناسک ص ۵۶ میں فرماتے ہیں : اور جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے، پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت کرے، جب عمارت وہاں کی نظر آوے تو درود پڑھ کر کہے اللھمّ ھٰذا حرم نبیّک فاجعلہ وقایۃ الیّ من النّار و اماناً من العذاب و سوءِ الحساب اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا پاک صاف اچھا لباس پہنے اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر اور خوشبو لگائے اور پہلے سے پیادہ ہو لے اور خشوع اور خضوع جس قدر ہو سکے فروگذاشت نہ کرے اور عظمتِ مکان کا خیال کئے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ منورہ میں داخل ہو، کہے ربّ ادخلنی الخ ادب حضورِ قلب دعا اور درود شریف بہت پڑھے، وہاں جابجا موقع قدم رسول اللہ ﷺ ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے، فرماتے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب ﷺ چلے پھرے ہوں اور بعد تحیۃ المسجد کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کے نصیب کی پھر روضہ کے پاس حاضر ہو باادبِ تمام اور خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت ﷺ کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرۂ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور السلام علیکم یارسول اللہ الخ اور بہت پکار کر نہ بولے، آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے انتھیٰ کلامہ الشریف"۔

اب اس عبارت میں یہ فکر کریں کہ کس قدر ادب اور ہیبت و تعظیم حضور سرور کائنات ﷺ کی لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے اور کس طرح لوگوں کو ہدایت آنحضرت ﷺ آپ کی مآثر کی تعظیم و تکریم فرماتے ہیں اور زیارت آنجناب باعث نجات از دوزخ و سوء حساب وغیرہ سمجھتے ہیں اس تمام عبارت میں مخالفت وہابیہ بات بات سے ظاہر ہے، نہ وہ اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اور نہ ان کا عقیدہ ہے۔

مناجات و ادب و تبرک روضۂ مبارک از جانب نانوتوی صاحب

جناب مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چند منزل اونٹ پر برابر سوار نہ ہوئے حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی رہا۔ پیر میں زخم پڑ گئے تھے کانٹے لگتے تھے۔ پتھروں نے ٹھکرا ٹھکرا کر حال دگرگوں پاؤں کا کر دیا تھا۔ تمام عمر کی محنت کا جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبلہ مبارک سبز رنگ کا ہے، اگر کوئی ہدیہ لے آئے تو کسی دوسرے کو ہدیہ دے دیا ان کے احوال اگر اتباع سنت اور افعال غلبۂ محبت نبوی کے ذکر کئے جائیں تو دفتر بھی کافی نہ ہوں، ان اشعار سے عاقل اندازہ کر سکتا ہے :

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید یہ ہے — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور ومار
جو یہ نصیب نہ ہوں اور کہاں نصیب میرے — کہ میں ہوں اور سگان حرم کی تیرے قطار
اڑا کے بعد میری مشت خاک کو پس مرگ — کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار
دے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا — کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
مگر نسیم مدینہ ہی گردبار بنا — کشاں کشاں مجھے لیجا جہاں ہے تیرا مزار
غرض نہیں مجھے اس سے بھی اب رہی لیکن — خدا اور تیری الفت سے میرا سینہ فگار
لگا وہ تیر غم عشق کا مرے دل میں — ہزار پارہ ہو خون دل میں ہو سر شار
لگے وہ آتش عشق اپنی جان میں جس کی — جلادے وہ چرخ ستم گر کو ایک ہی جھونکار
صدائے صور قیامت ہو اپنا اک نالہ — بجائے برق ہو اپنی ہی آہ آتش بار
چبھے کچھ ایسی مرے نور خار غم دل میں — کہ چھوٹے آنکھوں کے رستہ سے ایک لہو کی فوار

یہ ناتواں ہوں غم عشق سے کہ جائے نکل ذرا بھی جان کو اوپر کا سانس دے جو سہار
تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا کہ آنکھیں چشمۂ آبی ہوئیں درونِ غبار
یہ لاغری ہو کہ جان ضعیف کو دم نکل نہ ہووے ساتھ اٹھانا بدن کا کچھ دشوار

حضرات! ان اشعار کے مضامین پر غور فرمائیں کہ کس قدر اخلاص ومحبت وعقیدت بات بات سے ٹپکتی ہے، گویا کہ محبت خاتم المرسلین ﷺ میں چور چور ہیں۔ اس قدر منہمک ہیں کہ ماسوا خبر نہیں رگ وپے میں ان کا اخلاص سرایت کئے ہوئے ہے۔

فصل در تبرک کھجوریں مدینہ مبارکہ

''مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت وادب سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم ادب سے ایسی طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں۔ حالانکہ بصرہ، سندھ، وغیرہ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھی مگر ان کی وقعت اس سے زیادہ ہرگز نہ تھی کہ جملہ میووں میں سے یہ بھی ایک میوہ ہے۔ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے تھے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے۔ ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے، مثل چھالیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔[1]

فصل در تبرک بخاکِ حجرۂ مبارک

''احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمرائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت قدس اللہ سرہ نے دریافت فرمایا تھا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی، اس لئے باادب ایستادہ پیشکش خدمت اقدس کیا، تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعًا للسنّۃ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔ اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔[2]

فصل در قصہ مجنوں سگ کوچہ لیلیٰ

''اگر قصہ مجنوں بنی عامر جیسا نہیں تو کیا ہے۔ اور اگر سگ کوچہ لیلیٰ پر فدا تھا تو یہ خاک کوچہ اطہر مصطفوی ﷺ پر جان فدا، وہ اگر بوجہ غلبۂ محبت لیلیٰ بے اختیار تھا، یہ بوجہ عشق مصطفوی ﷺ بے قرار ہیں۔ کہاں ہیں یہ بدنصیباں جہاں، کہاں ہیں عیارانِ بے ایماں، آئیں آئیں دیکھیں تو سہی کیا یہ حال کسی خبیث وہابی کو نصیب ہوا ہے، کیا وہ ایسے عقائد اور خیالات رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں خود احقر کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص مسجد نبوی میں نصیب ہیں، اسی سال لاکر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پیش کئے تھے، اس کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباء ومخلصین ومحبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا۔ صاحبو! ہزاروں مدعین محبت سے احقر کو ملاقات کی نوبت آئی اور خاص کھجوریں ان کو دی گئیں، لیکن کسی کو اس اخلاص وعظمت کے ساتھ لیتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔[3]

فصل در تبرک تیل زیتون حجرۂ مطہرہ

---

[1] (شہاب الثاقب)

[2] (شہاب الثاقب)

[3] (شہاب الثاقب)

''حجرۂ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل وہاں سے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکت طبعی کے جس کی حالت عام لوگوں پر ظاہر ہے، اس کو پی ڈالا، حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے۔ ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے، طبائع کثیفہ بھی ایسے کام پر جرأت نہیں کرسکیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور جو اقدام کرتا ہے تو آنکھیں اور بھنویں چڑھا کر اور حیل وطرق استعمال کر کے۔ مگر واہ رے عاشق سید الرسل وشیدائے خاتم الانبیاء علیہم السلام باوجود اس نزاکت ونظافت کے پیشانی پر بل بھی نہیں پڑنے دیا گویا کہ نہایت خوشگوار لذیذ چیز نوش فرما رہے ہوں۔[1]

فصل چالیس روز کے بعد جالی شریف میں اندرون حجرہ میں بچوں کو داخل کرنا

''خود احقر نے سوال کیا کہ بعد چالیس روز کے جالی شریف میں اندرون حجرۂ مطہرہ اہل مدینہ بچوں کو داخل کرتے ہیں اور خادم روضہ مطہرہ اس کو لے جا کر سامنے روضہ اقدس کے قبلہ کی طرف لٹا دیتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ یہ فعل کیسا ہے؟ تو آپ نے استحسان فرمایا اور پسند کیا۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ کیا وہابیہ خبیثہ ان افعال کو جائز کہتے ہیں کیا ان کو وہ شرک وکفر وبدعت وغیرہ نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنے بچوں کو بھی مدینہ منورہ میں بارہا حجرۂ مطہرۂ نبویہ میں داخل کیا ہے۔

فصل امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب کا کعبہ شریف میں ایک پیر پر کھڑے ہو کر پورا قرآن ختم کرنا

''دریافت کیا کہ بعض کتب میں دیکھا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خانہ کعبہ شریف میں ایک شب داخل ہوئے اور تمام رات ایک پیر پر کھڑے ہو کر پورا قرآن شریف ختم فرمایا اور بعد میں یہ الفاظ فرمائے **اللھمّ عرفتک وما عبدتّک حقّ عبادتک** پس اس کے ظاہری معنی پر انکار فرمایا کہ خداوند کریم جل وعلیٰ شانہ کا مرتبہ تو نہایت اعلیٰ ہے۔ ہم بنی آدم تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی معرفت حق معرفت نہیں کر سکتے حالانکہ ان کی ذات پاک سے ایک قسم کی مجانست ومقاربت محقق ہے۔ پس جناب عز شانہ کی معرفت حق معرفت کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ما عرفتک حق معرفتک** فرماتے ہیں۔ (حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی تاویل علماء سے کتب کے تراجم میں ذکر کی ہے)، اس جواب سے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہرگز مولانا اور ان کے متبعین کا عقیدہ بہ نسبت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ نہیں کہ جو وہابیہ خبیثہ رکھتے ہیں، ورنہ اس قول کے کیا معنی ہوں گے اور ان افعال کے جو کہ غایت اخلاص ومحبت پر دال ہیں، کیا صورت ہوگی۔ ہم پہلے عرض کر چکے کہ یہ جملہ حضرات ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باوجود افضل الخلائق وخاتم النبیین ماننے کے آپ کو جملہ کمالات کے لئے اہل عالم کے واسطے واسطہ مانتے ہیں، یعنی جملہ کمالات خلائق علمی ہوں یا عملی، نبوت ہو یا رسالت، صدیقیت ہو یا شہادت، سخاوت یا شجاعت، علم ہو یا معرفت، فتوت ہو یا وقار وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذات والاصفات جناب باری عزکل شانہ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا، جیسے کہ آفتاب کا نور قمر میں آیا اور قمر سے نور ہزاروں آئینوں میں بلکہ وجود جو کہ اصل جملہ کمالات کی ہے، اس کی نسبت بھی ان حضرات کا عقیدہ ہے۔ اس مضمون کو نہایت تفصیل سے آب حیات، قبلہ نماز، اجوبہ اربعین، تحذیر الناس، وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی واسطے براہین میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ کمالاتِ روحیہ میں کوئی شخص حضرت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مماثل اور مقابل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے۔ اور حقیقت کمالات تو کمالات روحی ہی ہیں۔ جیسا کہ حقیقت انسان روح ہے اور یہ جسم خاکی تو قالب اور غلافِ آدمی۔ مدار فضائل کا عقلاء کے نزدیک انہیں کمالات روحی پر ہے جسم پر نہیں پس باعتبار جسم اطہر کے اگرچہ آپ اولاد آدم اور بنی آدم ہیں، لیکن باعتبار روح کے آپ سب کے

---

[1] (شہاب الثاقب)

امام اور باپ ہیں، باوجود اس کے بہ نسبت حضرت اجملہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو کمالات جسمیہ میں بھی خلائق میں یکتائی تھی اور ہے چنانچہ قصیدہ نعتیہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بخوبی ظاہر ہے مگر اشتراک جسمی ونوعی بشری سے انکار بھی کسی طرح جائز نہیں، یہی عقیدہ محققین اہل سنت والجماعت کا ہے وہابیہ ان مضامین کے پاس بھی نہیں پھٹکتے ہیں، اعتقاد نجا۔''[1]

فصل در تبرک وتوسل بمشائخ

''حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قصیدہ طویلہ بارہ توسل مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ تحریر فرمایا ہے جو کہ امداد السلوک کے اخیر میں و نیز دیگر رسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، اگر جملہ اشعار کو نقل کیا جائے تو طویل ہو جائے، اختصاراً چند شعر اخیر کے ذکر کرتا ہوں۔

بہ حق مقتدائے مقتدیاں — حسنِ بصری امام پیشوایاں — بہ حق شیرِ یزداں شاہ مرداں
در علم لدنی فیض رحماں — خلیج بحرِ رحمت ممبع فیض — جلی گاہِ یزداں مطلع فیض
علی ابن ابی طالب کہ خورشید — بنورِ خاک پائے او درخشید — بحق آنکہ او جان جہاں است
فدائے فوضہ اش ہفت آسمان ست — بہ حق آنکہ محبوبش گرفتی — برائے خویش مطلوبش گرفتی
پسندیدی ز جملہ عالم آں را — بما گزاشتی باقی جہاں را — گزیدی از ہمہ گلہا تو اورا
نمود صرف اوہر زنگ و بودا — ہمہ نعمت بنام او نمودی — دو عالم را بکام او نمودی
بآں کہ رحمۃ العلمین ست — بدرگاہت شفیع المذنبین ست — بہ حق سرور عالم محمد ﷺ
بہ حق برتر عالم محمد ﷺ — بذات پاک خودکاں اصل ہستی ست — از وقایم بلند یہا و پستی ست
مثال او نہ مقدور جہاں ست — کہ کنہش برتر از کون و مکان است — ولم از نقش باطل پاک فرما
براہ کو مرا چالاک فرما الخ

۲

فصل در استمداد و استغاثہ بیاد نداء پیر روشن ضمیر حضرت مولانا امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ — مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ
کرو روئے منور سے میری آنکھوں کو نورانی — مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ہوکر — ناخدا مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

فصل استمداد و استغاثہ مولانا محمد قاسم صاحب

''مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند اپنی مشہور کتاب قصائد میں تحریر فرماتے ہیں :

اگر جواب دیا بے کسوں کو تو نے بھی — تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروڑوں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام — کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار
بہت دنوں سے تمنا ہے کروں عرض حال — اگر ہو اپنا کسی طرح ترے در تک بار

---

[1] (شہاب الثاقب ص ۵۴)

[2] (آہ شہاب الثاقب ص ۵۶)

مدد کر اے کرم احمدی کہ ترے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار

[1]

فصل در تبرک آنحضرت ﷺ جو صحاح ستہ میں ہے

ادھر مصنف نے تفصیل سے احادیث نقل کی ہیں جن میں سے اکثر پہلے نقل ہو چکی ہیں۔ بعض ادھر نقل کی جاتی ہیں:

تبرک بخاتم مبارک مثل خاتم سلیمان علیہما الصلوۃ والسلام

آنحضرت ﷺ کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یوں تھیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کوئیں میں گر پڑی، تین دن تلاش کرتے رہے، کنویں کا تمام پانی نکالا گیا مگر نہ ملی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہو گئی تھی تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین کی خاتم گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس فتنہ کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر ہوا۔ [2]

تبرک بشمشیر مبارک کہ دراصل معجزہ ہے

جنگ احد میں حضرت عبد اللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی وہ ان کے ہاتھوں میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔ یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی یہاں تک کہ بغا ترکی کے ہاتھ جو معتصم باللہ بن ہارون الرشید کے امیروں میں سے تھا، بغداد میں دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔ [3]

تبرک بہ منبر نبوی ﷺ

''آنحضرت ﷺ کے منبر شریف کے تین درجے تھے، حضور سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے۔ اور درمیانی درجہ پر اپنا پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں بپاس ادب درمیانی درجے پہ کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں سب سے نیچے درجے پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عہد خلافت میں سب سے نیچے درجہ پر کھڑے ہوتے اور بیٹھتے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کرتے رہے پھر رسول اللہ ﷺ کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔ (تاکہ آئندہ امت کو آسانی ہو)۔ [4]

مزید احادیث نقل کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں: ''امثلہ مذکور بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اولیاء و علماء جو آنحضرت ﷺ کی برکات کے وارث اور ایرات برکات کے وارث ہیں ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت

---

[1] (شہاب الثاقب ص ۶۶ بحوالہ نور الوسیلہ)

[2] (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۱۲۱)

[3] (زرقانی علی المواہب جزء ثانی ص ۴۳)

[4] (وفاء الوفاء جزء اول ص ۲۸۰)

ہوتی ہے،ان سے انکار کرنا حرمان و بدنصیبی کی علامت ہے زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں"[1]

"مولوی حسین احمد مدنی کا خط ذریعۂ نجات ہے"

"مولوی احمد علی لاہوری نے ارشاد فرمایا : "میرے پاس حضرت مدنی کا ایک مکتوب ہے جو میرے لئے ذریعۂ نجات ہے"۔ یہ فرمانے کے بعد اک چوکھٹہ میں جڑا ہوا مکتوب لائے اور ایک تمہیدی تقریر فرمائی، کہ کامل وہ ہوتا ہے جو تحریر دیکھ کر ہی دل کے حالات معلوم کر لے، میں نے تقسیم ہند کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ ہم بہت دور ہو گئے ہیں، جس پر حضرت نے مجھے مکتوب تحریر فرمایا جسے میں ذخیرہ آخرت سمجھتا ہوں"[2]

مدنی صاحب کی لاٹھی تبرک ہے

"چودھری صاحب مرحوم نے حضرت مدنی کی مستعمل لاٹھی کی فرمائش کی تھی، لاٹھی سے اسی طرف اشارہ ہے کہ بزرگوں کے تبرکات پر سلف صالحین کا عمل درآمد ہے۔"[3]

مولوی حسین احمد مدنی کے کفن میں تبرکات

"حضرت کی خواہش کے مطابق اس تولیہ میں کہ جس میں حضرت نے آخری حج بیت اللہ کا احرام باندھا تھا کفن کی قمیص بنائی گئی اور اس قمیص میں ان تبرکات کو، جو حضرت کو جان سے زیادہ عزیز تھے، قلب کی جانب پیوست کر کے کفنا دیا گیا۔" [4]

یہ تو تھی علماء دیوبند کے نزدیک تبرکات کی تعظیم اور ان تبرکات کی زیارت کرنا اور دوسروں کو کرانا۔ خاکِ مدینہ کا سرمہ بنانا، اور کفن میں تبرکات رکھوانا، لگے ہاتھوں ان علماء کی طرف سے تبرکات کا بوسہ لینے کا کیا حکم ہے، ملاحظہ فرمالیجئے۔

خانہ کعبہ و دیگر تبرکات کا بوسہ لینا

سوال: خانہ کعبہ کے غلاف یا دیگر تبرکات کو بوسہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: **الجواب و منه الصّدق و الصّواب** : جائز ہے **لعدم النهی و کون الاباحة اصلیة کذا افتی العلامه الجنجوهی و العلامه التانوی**"[5]

ترجمہ: "تبرکات کو بوسہ دینا جائز ہے کیونکہ نہی وارد نہیں ہوئی۔ اور دوسری وجہ جواز یہ کہ اباحت اصل ہے اشیاء میں۔ جیسا کہ علامہ گنگوہی اور علامہ تھانوی نے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔"

معلوم نہیں یہی قانون و اصول یہ حضرات دوسری جگہ کیوں فراموش کر دیتے ہیں۔ اہل سنت اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھتے

---

[1] (نور الوسیلۃ فی رد الوہابیۃ ص ۳۴ تا ۴۵)

[2] (رسالہ خدام الدین ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء ص ۱۳)

[3] (مکتوبات شیخ، ج ۲ ص ۲۷۲)

[4] (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۰۸ بحوالہ خون کے آنسو)

[5] (احسن الفتاویٰ ص ۵۶۶، از مفتی رشید احمد لدھیانوی محدث و مفتی دار العلوم کراچی)

ہیں تو یہی بزرگ اس سے منع کرتے ہیں۔اور بعض تو اسے شرک اور بدعت تک کہتے ہیں جب کہا جاتا ہے کہ منع کیلئے دلیل لائیے۔کیا اس کے نہ کرنے کے لئے کوئی نہی وارد ہوئی ہے تو کوئی دلیل نہیں ہے۔کاش کہ یہی اصول ہر مسئلہ میں ان حضرات کے پیش نظر رہتا۔

تبرکاً صالحین کی دست بوسی سے متعلق ائمہ اربعہ کی تصریحات

مذاہب اربعہ کے فقہاء ائمہ نے اولیاء اور صالحین کے ہاتھوں اور پاؤں کو برکت حاصل کرنے کی غرض سے چومنے کو جائز، مستحب اور مسنون قرار دیا ہے۔اس پر درج ذیل اقوال فقہاء ملاحظہ فرمائیں:

احناف کا موقف:

۱) امام ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں : رخّص السرخسی وبعض المتأخرین فی تقبیل ید العالم المتورع والزاهد علی وجه التبرک۔

ترجمہ: ''امام سرخسی اور بعض متاخرین ائمہ نے حصولِ برکت کے لئے عالم، متقی اور زاہد شخص کے ہاتھوں کو چومنے کی رخصت دی ہے۔''[1]

۲) علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (۱۰۸۸ھ) رقمطراز ہیں :لا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک۔

ترجمہ :''حصول برکت کی غرض سے عالم اور زاہد شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''[2]

مالکیہ کا موقف:

۳) علامہ ابن بطال بکری قرطبی نے تقبیل ید پر امام مالک کا فتویٰ بیان کیا ہے:انما کرهها مالک اذا کانت علی وجه التکبر والتعظم، وأما اذا کانت علی وجه القربة الی الله لدینه أو لعلمه أو لشرفه فان ذلک جائز۔ ترجمہ: ''اگر تکبر اور بڑائی کے پیش نظر کسی کا ہاتھ چوما جائے تو امام مالک نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اگر کسی شخص کے دین، علم اور شرف کے باعث اللہ رب العزت کے ہاں قربت چاہنے کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔[3]

شوافع کا موقف:

۴) شارح صحیح مسلم محیی الدین نووی شافعی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:(الرابعة) یستحبّ تقبیل ید الرجل الصالح والزاهد والعالم ونحوهم من أهل الآخرة۔

ترجمہ :''(چوتھا مسئلہ) صالح، زاہد، عالم اور ان جیسے دیگر آخرت کی فکر رکھنے والے اشخاص کا ہاتھ چومنا مستحب ہے۔''[4]

ویسنّ تقبیل ید الحیی الصالح ونحوه من الأمور الدینیة کعلم وزهد۔ ''امور دینیہ مثلاً زہد اور علم سے تعلق رکھنے والے زندہ صالح شخص کا ہاتھ چومنا سنت سے ثابت ہے۔''

۶) علّامہ شروانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں :قد تقرّر أنه یسنّ تقبیل ید الصالح بل ورجله۔

---

[1] (ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج ۸ ص ۲۲۶)

[2] (حصکفی، الدر المختار، ج ۶ ص ۳۸۳)

[3] (عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۵۷)

[4] (نووی، المجموع شرح المذہب ج ۴ ص ۵۱۶)

''یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ صالح شخص کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنا مسنون عمل ہے۔''[1]

حنابلہ کا موقف:

۷)علامہ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی حنبلی (متوفی ۱۰۵۱ھ) صالحین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے میں لکھتے ہیں :**لا بأس بتقبیل الرأس و الید لأھل العلم و الدین و نحوھم۔** ''اہل علم و دین اور ان جیسی دیگر شخصیات کا سر اور ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔[2]

۸)اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے علامہ بہوتی آگے لکھتے ہیں :**یباح تقبیل الید و الرأس تدیناً و اکرامًا و احترامًا مع أمن الشھوۃ۔**

ترجمہ :''کسی کی دینداری، اکرام اور احترام کے سبب سر اور ہاتھ چومنا مباح ہے بشرطیکہ شہوتِ نفسانی سے محفوظ ہو۔''[3]

مذاہب اربعہ کے اجل ائمہ کی درج بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ کے کسی صالح، متقی، پرہیزگار، زاہد، عالم اور دیندار شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو حصول برکت کے لئے چومنا مسنون، مستحب اور مباح ہے۔کسی بھی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے کو اس صورت مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے باعث غرور، تکبر، بڑائی اور نفسانی خواہشات کی رو میں بہکنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی مرید یا شاگرد محض تبرک و ادب کی نیت سے اپنے شیخ اور استاذ کا ہاتھ پیر چومتا ہے تو وہ جائز ہے۔

(۴) اجساد اولیاء سے منسوب اشیاء سے تبرک

۱)(امام شافعی کے تلمیذ) ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا :میرا یہ خط سلامتی سے ابوعبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہنچا دو اور مجھے جواب لا کر دو۔ربیع کہتے ہیں کہ میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا تو نماز فجر کے وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میری ملاقات ہوئی پس جب وہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو میں نے خط ان کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط آپ کے بھائی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو مصر سے بھیجا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے کہا : کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا : نہیں! انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں، میں نے پوچھا :ابوعبد اللہ کیا ہوا، اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا :امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور نبی اکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ہے کہ ابوعبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خط لکھو، اسے سلام لکھ کر کہو کہ تمہیں عنقریب آزمایا جائے گا اور تمہیں خلق قرآن (کے باطل عقیدہ) کی دعوت دی جائے گی سو تم اسے قبول نہ کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز باعزت عالم دین کے طور پر اٹھائے گا۔اس کے بعد ربیع بیان کرتے ہیں :**فقلت لہ :البشارۃ یا أبا عبداللہ، فخلع أحد قمیصہ الذی یلی جلدہ فأعطانیہ، فأخذت الجواب، فخرجت الی مصر و سلمتہ الی الشافعی۔ فقال :أی شئ الذی أعطاک۔ فقلت :قمیصہ۔ فقال الشافعی :لیس نفجعک بہ، و لکن بلّہ و ادفع الی الماء لأتبرک بہ۔**''میں نے ان سے کہا :ابوعبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! مجھے بشارت اور خوشخبری میں کچھ دیجئے۔انہوں نے اپنے جسم سے مس کردہ قمیص اتار کر مجھے عنایت کی، میں ان سے جواب لے کر مصر میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :انہوں نے تمہیں کوئی چیز عطا کی ہے؟ میں نے کہا :اپنی قمیص، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :ہم تمہیں اس کے بارے زیادہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے (یعنی تم سے یہ قمیص نہیں لیتے) مگر اتنا کر دو کہ اسے گیلا کر کے ہمارے

---

[1] (شروانی، حواشی الشروانی، ج ۴ ص ۸۴)

[2] (بھوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۲ ص ۱۵۶)

[3] (بہوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۲ ص ۱۵۷)

حوالے کردو تا کہ ہم اس سے برکت حاصل کریں۔"[1]

۲) امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے اولیاء کے پاس تبرک کے لئے حاضر ہوتے، امام احمد بن عبداللہ عجلی نے کوفہ کے ایک عبادت گزار محدّث عمرو بن قیس الملائی کوفی کے ترجمہ میں لکھا ہے: **کان سفیان یأتیہ یسلّم علیہ یتبرک بہ۔** "سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے پاس حاضر ہوتے، انہیں سلام کہتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔"[2]

(۵) قبورِ اولیاء وصالحین سے تبرک

جمہور امتِ مسلمہ میں حصولِ برکت کا ایک ذریعہ قبورِ اولیاء وصالحین پر حاضری بھی رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی بابرکت ہستی گزری ہوگی جس کی قبر مبارک پر عامۃ الناس اور اکابرین امت نے حاضری نہ دی ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر اہل بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، صالحین، زاہدین، محدثین، اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور پر حاضری امتِ مسلمہ کی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ سطورِ ذیل میں اسی حوالے سے دلیل کے طور پر چند صالحین کی قبور پر عامۃ الناس اور ائمہ کی حاضری کے واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

۱) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام شمس الدین سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: **وجعل علی قبرہ قبۃ فھو یزار ویتبرک بہ۔** "ان کی قبر مبارک پر قبہ بنایا گیا، اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"[3]

۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام ابن عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ معرکہ قسطنطنیہ میں آپ شریک جہاد ہوئے۔ دشمن کی سرحد کے قریب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑ گئے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو وصیت فرمائی **اذا أنامتّ فاحملونی، فاذا صافتم العدو فادفنونی تحت أقدامکم۔** "جب میں فوت ہو جاؤں تو میری میت ساتھ اٹھا لینا، پھر جب دشمن کے سامنے صف آرا ہو جاؤ تو مجھے اپنے قدموں میں دفن کر دینا۔"[4]

چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مجاہدین اسلام نے آپ کو قلعہ کے دامن میں دفن کر دیا اور دشمنوں کو متنبہ کیا کہ اگر اس جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی بے حرمتی کی گئی تو بلادِ اسلامیہ میں ان کا کوئی بھی گرجہ محفوظ نہیں رہے گا۔ چنانچہ آپ کی قبر مبارک کا دشمن بھی احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور بہت جلد اس کے فیوض و برکات کا لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہاں کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مزید فرماتے ہیں: **وقبر أبی أیوب قرب سورھا معلوم.... یستسقون بہ، فیسقون۔** "حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے، سب کو معلوم ہے کہ وہاں پہنچ کر لوگ اس کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔"[5]

حضرت مجاہد بن جبیر فرماتے ہیں: **کانوا اذا أمحلوا کشفوا عن قبرہ، فمطروا۔** "جب بھی قحط پڑ جائے تو (حصولِ برکت کے لئے) لوگ قبر

---

[1] (تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری: ج ۲ ص ۳۶)

[2] (عجلی، معرفۃ الثقات: ج ۲ ص ۱۸۲)

[3] (شمس الدین سخاوی، التحفۃ اللطیفہ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ، ج ۱ ص ۳۰۷)

[4] (ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ج ۱ ص ۴۰۵-۴۰۴)

[5] (ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱ ص ۴۰۵)

کھول دیتے ہیں، تو بارش ہو جاتی ہے۔"[1]

۳) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مزار کی برکات میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

انّی لأتبرّک بأبی حنیفة، وأجیء الی قبره فی کلّ یوم۔ یعنی زائرًا۔ فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین، وجئت الی قبره، وسألت اللہ تعالٰی الحاجة عنده، فما تبعد عنّی حتی تقضی۔

ترجمہ : "میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لئے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہو کر) حاجت برآری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہو چکی ہوتی ہے۔"[2]

(۴) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام موسیٰ بن جعفر کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۸۳ھ) کی قبر مبارک کے بارے میں ابوعلی الخلال کہتے ہیں : **ما همّنی أمر فقصدت قبر موسی بن جعفر فتوسلت به الا سهل اللہ تعالیٰ لی ما أحب۔** "جب مجھے کوئی مشکل درپیش آتی تو میں امام موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر جا کر ان کو وسیلہ بناتا تو جیسے میں چاہتا اللہ تعالیٰ ویسے ہی میرے لئے راستہ نکال دیتا۔"[3]

امام المحدّثین شاہ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) اشعۃ اللّمعات میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا درج ذیل قول نقل کرتے ہیں :

"حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور قبولیتِ دعا کے لئے تریاقِ مجرّب ہے۔"[4]

۵) امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضا بن موسیٰ کی قبر سے تبرک

مشہور محدّث امام ابن حبان (م ۳۵۴ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : **قد زرته مرارًا کثیرة، وما حلّت بی شدّة فی وقت مقامی بطوس، وزرت قبر علی بن موسی الرضا صلوات اللہ علی جده وعلیه، ودعوت اللہ تعالیٰ ازالتها عنّی الا استجیب لی، وزالت عنّی تلک الشدّة وهذا شیء جرّبته مرارًا فوجدته کذلک، أماتنا اللہ علی محبة المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأهل بیته صلی اللہ وسلم علیه وعلیهم أجمعین۔**[5]

---

[1] (ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ج ۴ ص ۶)

[2] ((۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۲۳، (۲) ابن حجر ھیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ص ۹۴، (۳) ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱ ص ۴۱، (۴) زاھد الکوثری، مقالات الکوثری : ص ۳۸۱)

[3] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۰)

[4] (عبدالحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲ ص ۹۲۳)

[5] (ابن أبی حاتم رازی، کتاب الثقات ج ۸ ص ۴۵۷ رقم ۱۴۴۱۱)

ترجمہ: ''میں نے ان کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شہر طوس میں قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔'' (آمین)

۶) سید المحدّثین امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۲۵۶ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی، پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں ان کے پاس ایک صالح شخص جو ''صلاح'' کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا میں آپ سے اپنی ایک رائے اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: **أری أن تخرج ویخرج الناس معک الی قبر الامام محمد بن اسماعیل البخاری، وقبرہ بخرتنک، ونستسقی عندہ فعسی اللہ أن یسقینا۔ قال: فقال القاضی: نعم، ما رأی۔ فخرج القاضی والناس معہ، واستسقی القاضی بالناس، وبکی الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبہ۔ فأرسل اللہ تعالیٰ السماء بماء عظیم عزیر، أقام الناس من أجلہ بخرتنک سبعۃ أیام أو نحوھا لا یستطیع أحد الوصول الی سمرقند من کثرۃ المطر وغزارتہ، وبین خرتنک وسمرقند نحو ثلاثۃ أمیال۔** ''میری رائے یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیئے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جا کر بارش طلب کرنی چاہیئے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کر دے۔ قاضی نے کہا آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ قاضی نے لوگوں کے ساتھ مل کر بارش کے لئے دعا کی اور لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، ان میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی، حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔''[1]

۷) امام ابراہیم بن اسحاق حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے تبرک

علامہ ابن جوزی اولیاء کرام کی سوانح پر اپنی کتاب صفۃ الصفوۃ میں امام ابراہیم بن اسحٰق حربی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: **وقبرہ ظاھر یتبرّک بہ النّاس۔** ''اور ان کی قبر (اپنے فیوض و برکات کے اعتبار سے) ظاہر ہے۔ لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔''[2]

۸) حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار اکابر صوفیہ و محدثین میں ہوتا ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں آپ کی ذات مرجع اہل علم تھی۔ آپ مشہور بزرگ اور ولی کامل حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: **کان من المشائخ الکبار، مجاب الدعوۃ، یستشفی**

---

[1] (ذھبی، سیر أعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۶۹)

[2] (ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، ج ۲ ص ۲۶۶)

بقبره، يقول البغداديون :قبر معروف ترياق مجرّب۔[1]

''آپ بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے۔آپ کی دعا قبول ہوتی تھی۔آج بھی آپ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر شفایابی کی دعا کی جاتی ہے۔ اہلِ بغداد کہتے ہیں :حضرت معروف کرخی کی قبر مجرّب اکسیر ہے۔''

حضرت معروف کرخی کی قبر مبارک کے بارے میں عبد الرحمن بن محمد الزاہری فرماتے ہیں :قبر معروف الكرخي مجرّب لقضاء الحوائج، ويقال :انّه من قرأ عنده مائة مرّة :قل هو الله احد، وسأل الله تعالىٰ ما يريد، قضى الله له حاجته۔ ''قضائے حاجات کے لئے حضرت معروف کرخی کی قبر مجرّب ہے،کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس کے پاس سو مرتبہ اخلاص (قل هو الله احد) پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو چاہے طلب کرے،اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔[2]

۹) حضرت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن محمد بن بشار کی قبر سے تبرک

علامہ محمد بن ابو یعلی حنبلی (متوفی ۵۲۱ھ) ''طبقات الحنابلۃ'' میں صوفی زاہد علی بن محمد بن بشار کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب ان کا وصال ہوا تو : دفن بالعقبة قريبًا من النجمي، وقبره الآن ظاهر يتبرك الناس بزيارته۔ ''انہیں نجمی کے قریب گھاٹی میں دفن کیا گیا،اب وہاں انکی قبر مشہور و معروف ہے،لوگ اس کی زیارت سے برکت حاصل کرتے ہیں۔''[3]

۱۰) حضرت ابو الحسن علی بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

علامہ محمد بن ابو یعلی حنبلی ہی ایک اور فقیہ زاہد ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الرحمن بغدادی کے ترجمہ میں درج کرتے ہیں :مات بآمد سنة سبع أو ثمان وستين وأربع مائة، وقبره هناك، يقصد ويتبرك به۔[4]

ترجمہ : ''آپ کا ۴۶۷ھ/ ۴۶۸ھ میں آمد کے مقام پر وصال ہوا،یہیں آپ کی قبر ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔''

۱۱) حافظِ حدیث عبد الغنی مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

علامہ ابن نقطہ حنبلی (م ۶۲۹ھ) نے حافظِ حدیث عبد الغنی بن عبد الواحد مقدسی کے ترجمہ میں درج کیا ہے :بلغنا أنه توفي بمصر في ربيع الأول من سنة ستمائة في يوم الاثنين الرابع والعشرين من الشهر، وقبره بالقرافة يتبرك به۔ ''ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ پیر کے روز ربیع الاوّل کے مہینہ ۶۲۴ھ میں مصر میں ان کا وصال ہوا،ان کی قبر قرافہ میں واقع ہے،جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔''[5]

۱۲) حضرت عثمان بن موسیٰ طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) حضرت عثمان بن موسیٰ طائی کے تعارف میں لکھتے ہیں :

ويقال :ان الدعاء يستجاب عند قبره۔[6]

---

[1] ((۱) قشیری، الرسالۃ القشیریۃ ص ۴۱، (۲) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۲، (۳) ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۱۴)

[2] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۲۳)

[3] (طبقات الحنابلۃ، ج ۲ ص ۶۳)

[4] (ابن ابی یعلی حنبلی، طبقات الحنابلۃ ج ۲ ص ۲۳۴)

[5] (ابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ج ۱ ص ۳۷۰)

[6] (ابن رجب، ذیل طبقات الحنابلۃ ج ۴ ص ۲۸۷)

''کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔''

معتبر کتب سے درج بالا تحقیقات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور محدثین کبار کی قبور متبرکہ پر حاضری دینا، زیارت کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا عام مسلمانوں اور اکابرین امت کا طریقہ رہا ہے۔ جلیل القدر محدثین، فقہاء اور صالحین اپنے زمانہ کے اور ماقبل زمانہ کے اکابر شیوخ وصوفیاء کی قبور پر حصول برکت کے لئے اور حل مشکلات کے لئے حاضر ہونے کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ عامۃ الناس اور اکابران بابرکت قبور کو مستجاب الدعاء ٹھہراتے تھے اور وہاں پہنچ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ان کی برکت کے سبب سے بارش، شفایابی، اور دیگر مشکلات کا حل طلب کرتے تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ائمہ جو امت کے لئے اصول دین مرتب کرتے رہے ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ وہ صالحین کی قبور سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے اگر اس عمل میں ذرا بھر بھی شرک و بدعت کا شائبہ ہوتا تو یہ ہرگز اس پر کاربند نہ ہوتے۔

(۶) قبورِ اولیاء اور صالحین سے تبرک پر ائمہ کے اقوال

قبورِ صالحین سے تبرک کو اطراف واکناف کے علماء کی طرف سے جواز کی سند حاصل ہے۔ اس پر چند ائمہ کرام کے درج ذیل اقوال ہیں۔

۱) اس حدیث کے تحت ابن عبد البر نے شرح مؤطا التمہید میں لکھا ہے: **وفی هذا الحديث دليل على التبرّک بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقامهم ومساكنهم۔** ''اس حدیث میں انبیاء اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔''[1]

(۱) امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول :

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین میں آداب السفر کے ضمن میں فرماتے ہیں : **ويدخل فی جملته زيارة قبور الأنبياء عليهم السلام، وزيارة قبور الصحابة والتابعين وسائر العلماء والأولياء، وكل من يتبرک بمشاهدته فی حياته يتبرک بزيارته بعد وفاته۔** ''سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ، تابعین، اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے۔ ہر وہ شخص کہ جس کی زندگی میں زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے، وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔''[2]

۲) امام ابن الحاج فاسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

امام ابن الحاج فاسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۷۳۷ھ) نے اپنی کتاب المدخل میں مزاراتِ اولیاء سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے **وما زال النّاس من العلماء والأكابر كابرًا عن كابر مشرقًا ومغربًا يتبرّكون بزيارة قبورهم ويجدون بركة ذلک حسًا ومعنى۔** ''مشرق و مغرب کے علماء اور اکابر مزاراتِ اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر اس کی برکت پاتے رہے ہیں۔''[3]

۳) امام ابو عبد اللہ بن نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

امام ابن الحاج الفاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابو عبد اللہ بن نعمان کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اولیاء کرام کی قبروں کے پاس برکت کی غرض سے

---

[1] (ابن عبد البر، التمہید ج ۱۳، ص ۶۶)

[2] (غزالی، احیاء علوم الدین، ص ۲۴۷: ۲)

[3] (ابن الحاج، المدخل، ج ۱ ص ۲۴۹)

دعا کرنااوران کو وسیلہ بنانا ہمارے علماء محققین، ائمہ دین کا معمول ہے۔امام ابوعبداللہ بن نعمان فرماتے ہیں :تحقق لذوی البصائر و الاعتبار أن زیارة قبور الصالحین محبوبة لأجل التبرّک مع الاعتبار فانّ برکة الصّالحین جاریة بعد مماتهم کما کانت فی حیاتهم و الدعاء عند قبور الصّالحین و التشفّع بهم معمول به عند علمائنا المحققین من أئمة الدّین۔ ''ارباب بصیرت و اعتبار کے نزدیک ثابت ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت برکت اور عبرت حاصل کرنے کے لئے محبوب عمل ہے، کیونکہ اولیائے کرام کی برکت ان کی (ظاہری) زندگی کی طرح وصال کے بعد بھی جاری ہے، اولیائے کرام کی قبروں کے پاس دعا کرنااوران کو وسیلہ بنانا ہمارے علماء محققین، ائمہ دین کا معمول ہے۔''[1]

۴) علامہ ابن جزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ ابن جزی الکلبی المالکی (م ۷۴۱ھ) نے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے :

و من المواضع التی ینبغی قصدها تبرکًا قبر اسماعیل علیه السلام و أمه هاجرة و هما فی الحجر، و قبر آدم علیه السلام فی جبل أبی قبیس، و الغار المذکور فی القرآن و هو فی جبل أبی ثور، و الغار الذی فی جبل حراء حیث ابتداء نزول الوحی علی رسول اللہ ﷺ و زیارة قبور من بمکة و المدینة من الصحابة و التابعین و الأئمة۔ ''وہ مقامات جن سے برکت حاصل کرنے کے لئے جانا چاہیئے ان میں مقام حجر میں واقع حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی قبور ہیں، جبل ابی قبیس پر حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے، قرآن میں مذکور غارِ جبل اِبی ثور پر واقع ہے، وہ غار جہاں حضور نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی وہ جبل حراء میں واقع ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کی قبور مشہور زیارت گاہیں ہیں۔''[2]

۵) علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیارتِ قبور کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے قبورِ اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں :وأما الأولیاء فانهم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالٰی، و نفع الزائرین بحسب معارفهم و أسرارهم۔[3]

ترجمہ :''اولیاء کو اللہ ربّ العزت کے ہاں قرب کے لحاظ سے مختلف مقام حاصل ہوتے ہیں، (اس وجہ سے) زائرین کو (اُن کی قبور کی زیارت کے وقت) اُن کے معارف اور اسرار کے حسبِ حال نفع حاصل ہوتا ہے۔''

۶) علامہ سلیمان بن عمر البجیرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ سلیمان بن عمر بن محمد البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۲۱ھ) قبورِ صالحین سے تبرک پر لکھتے ہیں :ان قصد بتقبیل أضرحتهم أو أعتابهم التبرک لم یکره۔ ''اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔''[4]

۷) علامہ عبدالحمید شروانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

---

[1] (ابن الحاج، المدخل ج ۱ ص ۲۴۹)

[2] (ابن جزی، القوانین الفقهیة ج ۱ ص ۹۶)

[3] (ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲ ص ۲۴۲)

[4] (بجیرمی، حاشیۃ البجیرمی علی شرح منهج الطلاب، ج ۱ ص ۴۹۶-۴۹۵)

علامہ عبدالحمید شروانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۳۰۱ھ) نے قبور اولیاء سے تبرک پر تحریر کیا ہے :ان قصد بتقبیل أضر حتھم التبرک لم یکرہ۔ ''اولیاء کی قبور کو حصولِ برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔''[1]

حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی نوّر اللہ مرقدہ ''جآء الحق'' میں لکھتے ہیں : تبرکات کا چومنا جائز ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ ﴿بقرۃ ۵۸﴾ یعنی ''اے بنی اسرائیل، تم بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں!''[2]

اس آیت سے پتہ چلا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے، اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی۔وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں اور والدین ومشائخ کے مزارات کو تبرکاً چومنا جائز ہے۔اس کا منکر پکّا وہابی ہے، اس بارے میں بہت دلائل موجود ہیں۔ہم بعض ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے: ''اولیاء کرام کے مزارات پر مانگی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے :اہل اللہ کے نزدیک چند شرائط کی ادائیگی کے ساتھ اولیاء اللہ کے مزارات پر دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے اور وہ شرائط صرف اللہ والے جانتے ہیں۔ اللّٰھم افض علینا من برکات الصّالحین، اے اللہ ہمارے اوپر نیک لوگوں کی برکات نازل فرما۔''[3]

''وفی صحبۃ الاخیار والصّلحآء شرف عظیم وسعادۃ عظمیٰ'' درصحبت نیکان وصالحین شرف عظیم ونیک بختی بزرگ است۔[4]

''وجرب استجابۃ الدّعآء عندقبور الانبیاء وقبور الصّالحین'' تجربہ شدہ است اجابت دعاء رابہ نزد قبور انبیاء علیھم السلام وقبور صالحین۔[5]

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے :وللدعاء اماکن یظن فیھا الاجابۃ مثلا عندرؤیۃ الکعبۃ وعلی الصّفا والمروۃ وغیرھا وجرّب استجابۃ الدعاء عندقبور الصّالحین بشروطٍ معروفۃٍ عندا ھلھا اللھمّ افض علینا ببرکات الصالحین۔[6]

صاحبِ عین العلم نے فرمایا ہے:

''ویتبرّک بزیارۃ الاحیآء والاموات''[7]

ترجمہ: تبرک جوئیدہ شود بہ زیارۃ زندہ گان از مسلمانان نیک ومردہ گان صالحین۔

شیخ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب روضۃ الطالبین میں در باب تعظیم نبی کریم ﷺ میں فرماتے ہیں :''وفضلاتہ طاھرۃ علی الاصح یتبرّک بھا'' فضلات یعنی پس انگندہ نبی کریم ﷺ پاک است بر صحیح روایت طلب شفاء وبرکت جستہ میشود بر آن۔[8]

---

[1] (شروانی، حواشی الشروانی علی تحفۃ المنہاج بشرح المنہاج، ج ۳ ص ۱۷۵)

[2] (پ:۱ سورۃ :۲ آیت ۵۸)

[3] (فیوض الرحمن ترجمہ روح البیان پارہ ۲، ص ۱۱۷)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۲، ص ۳۸۸)

[5] (تفسیر روح البیان ج ۱، ص ۲۹۹، ج ۲ ص ۲۳۰، حصن حصین ص ۸۵)

[6] (ص ۲۰۳، ج ۱، کذا فی قطب الارشاد ص ۴۲ بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۵۰)

[7] (عین العلم ص ۷۷، منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۹۵)

[8] (روضۃ الطالبین ص ۱۱۴)

روح البیان میں ہے :وببرکات الاولیاء یأتی المطر من السماء ویخرج النبات من الارض وبدعائھم یندفع البلاء عن الخلق وان حیاتھم ومماتھم سواء فانھم ماتوا عن وجود اوصاف وجودھم بالاختیار قبل الموۃ بالاضطرار احیاء علی کل حال ولذا قیل:

مشو بمرگ زامدادِ اہل دل نومید کہ خوابِ مردمِ آگاہ عین بیداریست[1]

علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں لکھا ہے :حکایۃ :لما کان من سنۃ المبشر أن یعطی لہ شیئاً، کسی کعب ثوبیہ، من کان بشرہ بقبول توبتہ، ومن ھذا الباب ماجری بین الشافعی، وأحمد، فان الشافعی سافر من الحجاز مرتین :مرۃ الی محمد بن الحسن، ومرۃ الی ألامام أحمد، فلما قفل الی مصر رأی رؤیا أن النبی ﷺ یقول :بشر أحمد علی بلوی تصیبہ، فقال لأصحابہ :من یقوم منکم بھذا الأمر؟ قال لہ المزنی، وھو خال الطحاوی :أنا، فلما بلغ أحمد، بشرہ بہ، بکی، وقال :لعل النبی ﷺ استشعر بی ضعفاً وخشوعاً ثم نزع قمیصہ، وأعطاہ، فلما رجع المزنی الی الشافعی، وقص علیہ أمرہ سألہ أنہ ھل أعطاہ شیئاً؟ قال :نعم، ھذا قمیصہ، فقال لہ الشافعی انی لاأجھدک الیوم، ولا أقول :أن تسمحنی بقمیصہ ولکن أرجو منک أن تبلہ فی الماء، ثم تعصرہ، فتعطینی عصارتہ، ففعلہ، فلما جاءہ بالماء المطلوب شرب بعضہ، ومسح ببعضہ، فھذا شأن الأئمۃ، وھداۃ الدین، فیما بینھم رحمھم اللہ تعالیٰ۔[2]

ترجمہ حکایت: جب یہ معلوم ہوا کہ بشارت دینے والے کو کچھ دینا سنّت ہے تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو چادریں اس کو دے دیں جس نے قبول توبہ کی بشارت دی تھی۔اسی سلسلے کی کڑی وہ ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان جاری ہوئی تھی، وہ یہ کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو مرتبہ حجاز سے سفر فرمایا۔ایک مرتبہ محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اور دوسری مرتبہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف۔جب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر واپس آئے تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔آپ ﷺ نے فرمایا :احمد کو مصیبت پہنچنے کی بشارت دو۔امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا :یہ خبر کون پہنچائے گا؟ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو امام طحاوی کے ماموں تھے :میں یہ کام کروں گا۔جب امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچے اور خبر دی تو وہ رونے لگے۔اور فرمایا :شاید رسول اللہ ﷺ نے مجھ میں کمزوری اور خشوع دیکھا ہے۔پھر اپنی قمیص اتاری اور بشارت دینے والے کو دی۔جب امام مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس واپس گئے اور سارا واقعہ سنایا تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا :کیا آپ کو کچھ عنایت فرمایا؟ کہا ہاں یہ قمیص دی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا آج میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا اور نہ یہ کہوں گا کہ یہ قمیص مجھے دے دو۔لیکن آپ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ اس قمیص کو پانی میں بھگو کر نچوڑ دو اور مجھے وہ پانی دے دو۔تو انہوں نے ایسا ہی کیا، جب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس وہ مطلوبہ پانی لایا گیا تو کچھ پانی پی لیا اور کچھ پانی بدن پر مل لیا۔یہ آئمہ کرام کی شان ہے جو دین کے ہادی ہیں، رحمھم اللہ تعالیٰ۔

البلاغ میں لکھا ہے :

''حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی ٹوپی جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی، مجھے عنایت فرمائی، میں نے وہ ٹوپی پانی

---

[1] (روح البیان ج ۳ ص ۴۸۱ بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۵۳)

[2] (ج ۴ ص ۱۲۷)

میں بھگوئی، صبح وہ پانی پی گیا، اس پانی کی برکت سے دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا تیز ہوگیا کہ کوئی مشکل نہ رہی، اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی اسکیمیں کرنے والے طلبہ اس پر غور کریں کہ استاذ کی عظمت کرنے والوں نے کیا دولت حاصل کی اور پھر انہوں نے دنیا کو کیسا فیض پہنچایا۔[1]

مولوی نذیر حسین دہلوی نے عبدالمنان وزیرآبادی کو اپنی دستار اتار کر دے دی اور فرمایا عبدالجبار کرتا لے گیا ہے، تم دستار لے جاؤ۔[2]

یہی بات دوسری جگہ لکھ کر (منیر سلفی نے) کہا ہے : آپ نے وصیت کر دی تھی کہ میری تجہیز وتکفین کے وقت کفن کے نیچے یہ دستار لپیٹ دی جائے۔ایضاً صفحہ ۹۰۔پھر لکھا ہے تبرک لپیٹ دیا گیا۔ایضاً ص ۹۷۔

مولوی عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے کہ تبرک بآثار الصالحین سے کسی کو انکار نہیں۔[3]

مولوی یحییٰ گوندلوی نے تبرکات نبوی ﷺ کے عنوان کے تحت تمام انبیاء کرام خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے جسم کے ہر عضو کو متبرک مانا ہے۔[4]

مولوی وحیدالزمان نے لکھا ہے : صالحین کے آثار سے برکت لینا درست ہے۔[5]

مولوی منظور نعمانی دیوبندی نے لکھا ہے : اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور نفع کی امید ہے۔[6]

مولوی شبیر عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے : تبرک بآثار صالحین جائز ہے۔[7]

مولوی محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کی نانی کے بارے میں لکھا ہے: جس وقت انتقال ہوا ان کپڑوں میں کہ جن میں پاخانہ لگ گیا تھا، عجیب وغریب مہک تھی کہ آج تک کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔[8]

مزید لکھا ہے : پوتڑے نکالے گئے جو نیچے کو دیئے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرالی مہک پھوٹتی تھی کہ ایک دوسرے کو سنگھاتا اور ہر مرد اور عورت تعجب کرتا تھا۔ چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ دیا گیا۔[9]

دیکھئے کہ دوسروں کو بزرگوں کے صاف اور شفاف تبرکات کا طعنہ دینے والے پاخانے کو تبرک بنا رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے : اکثر اہل محبت کا یہی معمول ہے کہ تبرکات کو حتی الامکان بعینہ محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو ادب سمجھتے ہیں یہ حدیث اس کی مؤید ہے۔[10]

---

[1] (''جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان، البلاغ''، ص ۴۳، ربیع الثانی مارچ ۲۰۱۱ء)

[2] (عبدالمنان ص ۱۶)

[3] (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۳۴۷)

[4] (عقیدہ مسلم، ص ۲۹۷)

[5] (تیسیر الباری ج ۱ ص ۳۳۷، ج ۷ ص ۵۹۷، صحیح مسلم مترجم ج ۶ ص ۳۷)

[6] (معارف الحدیث ج ۳ ص ۴۷۰)

[7] (فضل الباری ج ۲ ص ۲۸۲)

[8] (حاشیہ تذکرۃ المشائخ دیوبند، ص ۱۹۶ از مفتی عزیز الرحمان)

[9] (تذکرۃ الخلیل ص ۹۶، ۹۷)

[10] (التکشف ص ۶۱۶)

مزید لکھا ہے :ان بزرگوں کے آثار وتبرکات اس مبارک جگہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔[1]

مزید لکھا ہے : نقش نعلین پاک بھی برکات کا ذریعہ ہے۔[2]

مولوی رشید گنگوہی کے بارے میں لکھا ہے : مقام ابراہیم کا ٹکڑا آپ (گنگوہی) کے پاس تھا جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈال کر نکال لیتے اور پانی کو مجمع پر تقسیم کرادیا کرتے تھے۔[3]

دیوبندی حضرات برکت وشفا کے لئے یعقوب نانوتوی کی قبر کی مٹی لے جاتے اور آرام پاتے۔[4]

مولوی زکریا سہارنپوری نے رائے پوری اور مدنی صاحب کے متعلق لکھا ہے:

آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعث نجات اور فخر اور موجب عزت سمجھتا ہوں۔[5]

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے :واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں کو دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔[6]

الفضل ما شهدت به الاعداء

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تعصب، ہٹ دھرمی اور جہالت کا کوئی علاج نہیں۔

مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے آثار وتبرکات کی تعظیم وتکریم کرنا دینی اور دنیاوی حاجتوں میں ان کا وسیلہ پیش کرنا، ان کی زیارت کو مرادوں کے حاصل ہونے اور بلاؤں کے دور ہونے کا ذریعہ سمجھنا، پانی وغیرہ جو چیزیں ان سے متعلق ہیں، ان میں برکت وشفاء کا اعتقاد رکھنا، تبرکاتِ نبوی ﷺ کی زیارت کے وقت درود شریف پڑھنا، ان کی کسی قسم کی بے ادبی سے مصیبت کا نازل ہونا، یہ تمام چیزیں قرآن وحدیث آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وسیرت سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بخوبی ثابت ہے خواہ یہ تبرکات اصلی ہوں یا مثالی ہوں اور تبرکات اصلیہ بھی عام ہیں۔ چاہے وہ سند سے ثابت ہو یا فقط مشہور ومنسوب اور محتمل فیہ ہوں۔ اسی طرح تبرکات مثالیہ بھی عام ہیں، خواہ وہ مصنوعی ہوں جیسے وہ چیزیں جن کو صلحاء واتقیاء علماء کرام ومشائخ عظام نے نیک نیتی کے ساتھ استخراج فرمایا ہو اور اسے مستحسن جانا ہو اور امورِ خیر اس پر مرتب ہوتے ہوں۔ نہ کہ وہ چیزیں جن کو فاسقوں اور اہل بدعت وضلال نے ایجاد کیا ہو اور اس پر شر اور برائیاں مرتب ہوتی ہوں۔ خواہ وہ تبرکات مثالیہ غیر مصنوعی ہو یعنی وہ چیزیں جو بزرگوں اور ان کے تبرکات شریفہ سے صورتاً صفتاً لفظاً یا کسی بھی قسم کی مشابہت یا مشارکت رکھتے ہوں اور تعظیم وتکریم کے افعال بھی عام ہیں خواہ وہ تعظیم کی کیفیت مخصوص طور پر شارع علیہ السلام سے ثابت ہو یا سلف صالحین اولیائے کاملین رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہو۔ بشرط یہ کہ وہ تعظیم ممنوعات شرعیہ اور اہل فسق کا مخصوص شعار نہ ہو۔

---

[1] (جمال الاولیاء ص ۹۵)

[2] (نشر الطیب ص ۳۸۵)

[3] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۶۷)

[4] (ارواح ثلاثہ ص ۲۹۰، آپ بیتی ص ۹۸۲)

[5] (آپ بیتی ص ۴۵۹)

[6] (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۱۳) (بحوالہ ''اختلاف ختم ہوسکتا ہے از ترجمان اہلسنت'' علامہ ابوالحقائق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی زید مجدہ، ص ۶۵ تا ۶۸)

تبرکات اصلیہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ حضرت طالوت کا واقعہ بیان فرماتا ہے۔''طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے ربّ کی جانب سے سکینہ ہوگا اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جن کو اولاد موسیٰ و اولادِ ھارون علیہم السلام نے چھوڑا۔اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے۔''

معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس تابوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک تھے۔اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور کچھ من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا۔وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس تھا اور وہ جنگوں میں اس کے باعث فتح و کامیابی پاتے تھے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔اور وہ یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے۔اور جس وقت عمالقہ نے اس کی بے ادبی کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر مصیبتوں اور بلاؤں کو مسلط فرمادیا۔بنی اسرائیل کی ایک عورت ان میں تھی،اس نے ان سے کہا یہ بلائیں تابوت کی بے ادبی کرنے کے سبب آئی ہیں،تم اس کو بنی اسرائیل کے پاس پہنچادو۔انہوں نے اس تابوت کو بیل گاڑی پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔فرشتوں نے اس کو حضرت طالوت کے پاس پہنچادیا۔

علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں :''تابوت کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا جس میں انبیاء کرام علیہ السلام کی تصویریں تھیں۔وہ شمشاد کی لکڑی کا تھا۔اس کی لمبائی تین گز اور چوڑائی تین گز تھی۔وہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات تک آپ علیہ السلام کے پاس رہا،پھر وہ شیث علیہ السلام کے پاس پہنچا،پھر اولاد آدم میں وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا پھر وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس۔یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں تورات اور اپنا کچھ سامان رکھتے تھے۔اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ان کے پاس رہا۔پھر بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اسے ایک دوسرے سے پاتے رہے۔[1]

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مماترک ال موسیٰ و ال ھارون کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور آپ علیہ السلام کے نعلین مبارک تھے۔حضرت ھارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصاء اور ایک قفیز من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔اور وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس رہا۔جب بنی اسرائیل کے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو ان کے نبی علیہ السلام اس کے ذریعہ فیصلہ فرماتے۔اور جب بنی اسرائیل جنگ میں جاتے تو اس تابوت کو اپنے ساتھ رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اپنے دشمن پر فتح طلب کرتے تھے اور جب بنی اسرائیل میں نافرمانی اور فساد شروع ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔یہ قوم ان سے تابوت پر غالب آگئی (یعنی تابوت اپنے ساتھ لے گئی)۔عمالقہ نے اس تابوت کو بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔جب انہوں نے دوسرے دن صبح کی تو تابوت بت کے اوپر تھا اور بت اس کے نیچے۔پھر انہوں نے تابوت کو لے کر بت کے اوپر کسی جگہ رکھ دیا تو بت کے دونوں ہاتھ پیر کٹ گئے اور تمام بت سرنگو ہو گئے۔عمالقہ نے اس تابوت کو بت کدہ سے نکال کر اپنے شہر کے کسی گوشہ میں رکھ دیا تو وہاں کے لوگوں کی گردنوں میں بیماری پیدا ہوئی اور ان کی بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔تب انہوں نے اس تابوت کو شہر سے نکال کر جنگل میں دفن کر دیا۔اب جو شخص وہاں بول و براز کے لئے جاتا تو اسے فالج یا بواسیر کی بیماری ہو جاتی۔تو یہ لوگ بڑے حیران ہوئے۔تو ایک عورت نے جو بنی اسرائیل سے تھی،ان سے کہا کہ جب تک یہ تابوت تمہارے درمیان رہے گا،تم ناپسندیدہ چیزیں دیکھتے رہو گے۔اس تابوت کو اپنے پاس سے دور

---

[1] (معالم التنزیل امام بغوی ج ا ص ۲۲۹،دار المعرفت بیروت،بحوالہ مجموعہ رسائل فضل رسول ص ۲۹۹)

کر دو تو اس عورت کے مشورہ سے ایک گاڑی لائے، اور اس پر تابوت رکھا پھر اس گاڑی کو دو بیلوں پر باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیلوں پر چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا۔ فرشتے ان دونوں بیلوں کو چلانے لگے اور بیل چلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بیل بنی اسرائیل کی زمین پر ٹھہر گئے اور انہوں نے اس تابوت کو اس زمین پر رکھ دیا جہاں بنی اسرائیل کے کھیت تھے۔"[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهِمَ مُصَلًّى ﴿البقرة ۱۲۵﴾

ترجمہ: "مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو مصلیٰ بناؤ۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز گاہ بناؤ۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ) وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا تھا۔ تو آپ کے دونوں قدم مبارک کا نشان اس پر نقش ہو گیا۔ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد دو رکعات تحیۃ الطواف اس پتھر کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی نداء دی تھی۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اس پتھر کے نزدیک کھڑا ہونا اور خدا کی عبادت بجالانا گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے حاضر ہونا اور ان کے حضور میں خدا کی عبادت بجالانا ہے۔[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴿البقرة ۱۵۸﴾

ترجمہ: "بے شک صفا اور مروۃ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"صرف حضرت ہاجرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی برکت کے باعث صفا اور مروہ کو شعائر اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے کہ ان دونوں پر شکوہ پہاڑیوں کے درمیان حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت خاصہ ان ہی کی حق میں جلوہ گر ہوئی اور اللہ نے ان ہی دو پہاڑیوں کے درمیان ان کی مشکل حل فرمائی۔ پھر ان دونوں پہاڑیوں کا شعائر اللہ ہونا جوہر ذاتی کے مرتبہ میں ہو گیا۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ارشاد فرمایا: وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ﴿البقرة ۵۸﴾

ترجمہ: "تم کہو: ہمیں معاف کر دے، ہم تمہاری مغفرت کر دیں گے۔" (البقرۃ ۵۸:)

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "بعض متبرک مقامات پر نعمت پروردگار اور رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ یا بعض اہل صلاح کے قدیم خاندانوں میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے دست حق پرست پر توبہ کرنا اور ان کی طاعت بجا لانا جلدی قبولیت اور اچھے نتائج کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے باعث ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات کے وقت کسی غزوہ یا سفر میں جا رہے تھے۔ جب ہمارا گزر اس پہاڑی کے پیچھے سے ہوا جس کو لوگ دار الحنظل کہتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑی اس دروازہ کی طرح ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ دروازہ میں سر جھکائے ہوئے داخل ہو۔ اور یہ کہو "بخش دے" ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سورہ قدر کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اس سورۃ کے مضمون سے معلوم ہوا کہ عبادات و طاعات کو نیک اوقات،

---

[1] (معالم التنزیل امام بغوی ج ۱ ص ۲۳۰ دار المعرفۃ بیروت)

[2] (تفسیر فتح العزیز سورۃ بقرۃ زیر آیت مذکور)

مبارک مقامات اور صالحین کی موجودگی کی وجہ سے ثواب و برکات و انوار کے سلسلہ میں ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔"

شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت کابس بن ربیعہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ادب کے ساتھ ان سے پیش آتے اور ان کو اپنے تخت پر بٹھاتے۔ کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورتاً مشابہت رکھتے تھے۔[1]

عموماً کلام میں مستعمل الفاظ، برکت، برکات، تبرک، مبارک وغیرہ سب ایک ہی مادہ "برک" سے بنے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ برکت کا معنی ہے "کسی چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا۔"

سب سے بابرکت ذات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے : تَبٰرَکَ الَّذِی بِیَدِہِ الْمُلْکُ۔

برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔ ﴿الملک ۱﴾

قرآن و برکت : وَ ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ ﴿الانبیاء ۵۰﴾

یہ برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی مبارک ہیں : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے وَ جَعَلَنِی مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ﴿مریم ۳۱﴾

یعنی میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔ وَ بٰرَکْنَا عَلَیْہِ وَ عَلٰٓی اِسْحٰقَ ﴿الصافات ۱۱۳﴾

یعنی ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں۔

بعض مقامات بھی مبارک ہیں "بٰرَکْنَا فِیْھَا" یعنی اور علاقہ شام میں ہم نے برکت رکھی ہے۔

آثار و تبرکات کی شرعی حیثیت

تبرکات کی اہمیت پر قرآن و حدیث اور اقوال انبیاء کے ناقابل تردید ثبوت۔

آثار انبیاء کے اثبات پر قرآنی شواہد : اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے : اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ﴿ال عمران ۹۷﴾ "بے شک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کو راہ دکھاتا، اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے کعبہ بنایا، ان کے قدم پاک کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا۔"

ابراھیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان: تفسیر کبیر میں ہے : کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک اس میں نقش ہو گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے قدم اٹھایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ ہو جائے۔ پھر اسے حق سبحانہ نے مدتہا مدت باقی رکھا۔ تو یہ اقسام اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے : اسی ایک پتھر کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا نشان

---

[1] (شفاء شریف جلد ۲ ص ۵۷، الباب الثالث فی تعظیم امرہ : فصل ومن اعظامہ)

قدم ہوجانا، ایک۔اوران کے قدموں کا نگوں تک اس میں پیر جانا، دو۔اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہوجانا باقی کا اپنے حال پر رہنا، تین۔اور معجزات انبیاء سابقین علیہم السلام میں اس معجزہ کا باقی رکھنا، چار۔اور باوجود کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا، پانچ۔ یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت معجزہ ہے۔

مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے : وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿البقرة ۲۴۸﴾ بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے، اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔فرشتے اسے اٹھا کر لائیں بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

نبی علیہ السلام کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم مسلمان کا فرض عظیم ہے۔تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے، جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے رہے۔اس میں کیا تھا "وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ" اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ وغیرہ۔

متروکات نبی ﷺ

سیرت پاک کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں متروکات نبی ﷺ کی سب سے زیادہ مستند فہرست حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سید المرسلین" کے صفحہ ۸۰ میں لکھی ہے۔ذیل میں ہم اس کی نقل پیش کرتے ہیں۔

وصال کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ چیزیں چھوڑیں :

۱) دو یمنی چادریں، ایک یمانی ازار بند، دو عدد صحاری کپڑے، ایک صحاری اور ایک صحولی قمیص، ایک یمنی جبّہ، ایک منقش چادر، تین یا چار عدد چھوٹی دیوار والی ٹوپیاں، ایک رنگ دار لحاف۔

۲) آنحضرت ﷺ کے پاس چمڑے کا ایک تھیلا بھی تھا جس میں آئینہ، کنگھی، سرمہ دان اور مسواک رکھا کرتے تھے۔

۳) سرور عالم ﷺ کا بچھونا چمڑے کا تھا، اس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔

۴) آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ تھا، جس پر مضبوطی کے لئے تین جگہ چاندی کے پترے لگے ہوئے تھے، کانچ کا ایک برتن حنا وغیرہ کے استعمال کے لئے تھا، جب حضور ﷺ اپنے سر مبارک میں حرارت محسوس کرتے تو حنا استعمال فرماتے تھے۔

۵) آپ ﷺ کے پاس بلور کا ایک پیالہ، ایک ڈول غسل کے لئے، ایک اور بڑا پیالہ اور ایک پتھر کا برتن بھی تھا۔

۶) صدقہ فطر ناپنے کے لئے ایک پیمانہ بھی تھا۔اس پیمانہ کا وزن 58.5 تولہ تھا۔

۷) چاندی کی انگشتری بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھی۔اس میں نگینہ بھی چاندی کا تھا اور اس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ایک روایت ہے کہ یہ انگشتری لوہے کی تھی اور نگینے کو چاندی کے ٹانکے سے جوڑا گیا تھا۔

۸) شاہ نجاشی نے دو جوڑے موزے آنحضرت ﷺ کی خدمت پاک میں ہدیۃ بھیجے اور آپ ﷺ نے انہیں استعمال فرمایا۔

۹) آنحضرت ﷺ کے کمبل اور عمامہ (جس کو سحاب کہا جاتا ہے) کا رنگ سیاہ تھا۔

۱۰) عام استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے حضور ﷺ کے پاس ایسے بھی تھے جنہیں خاص طور پر جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے۔

۱۱) ایک رومال بھی تھا جس کو وضو کے بعد استعمال فرماتے تھے۔

دوسری کتابوں کی بعض روایات کے مطابق آپ کے کچھ ہتھیار مثلاً زرہ، کمانیں، تیر اور ڈھال وغیرہ جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تھیں وہ بھی ترکے میں شامل تھیں۔ایک چارپائی اور بستر کا بھی ذکر ملتا ہے، یہ ترکہ اس شاہ عرب وعجم کا تھا، جس کی ایک جنبش نگاہ پر لوگ اپنی جان قربان کرنے کو دنیا جہاں کی سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے اور جس کی فیاضی وسخاوت کی نظیر آج تک کوئی پیش نہ کرسکا۔

ان متروکات کا (Disposal) کیا ہوا اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔اور یوں بھی نبی کا ترکہ عوام الناس کی ملکیت ہوتی ہے۔بعض احادیث میں چند چیزوں کے مسجد نبوی ﷺ میں کسی جگہ دفن کردینے کی روایت ملتی ہے اور یہ دفن بھی آپ ﷺ کے وصال کے بہت بعد کی بات ہے۔

ایک نہایت قوی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ایک تلوار، ایک نیزہ، ایک زرہ، ایک خود، ایک سفید رنگ کا خچر، ایک گھوڑا جس کا نام دلدل تھا اور ایک سانڈنی جس کا نام عضبا تھا، اپنے متروکات میں چھوڑا ہے۔جبکہ لونڈی غلام آپ نے اپنے وصال سے پہلے آزاد کردیئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے خلفائے راشدین تک کے تبرکات

۵۷۶ھ میں سلطان ناصر الدین نے مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ایک گنبد بنانے کا حکم دیا تاکہ آنحضرت ﷺ کے متروکات کو محفوظ رکھا جائے۔چنانچہ متروکات نبوی میں سے جو میسر ہوئی اس میں رکھی گئیں، ان میں سے ایک اونی چادر اور ایک سوتی چادر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھیں۔

یہ چادریں وہ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ایک طیالسی جبہ تھا جس کی کفوں پر ریشم لگا ہوا تھا۔آپ ﷺ اسے وقتاً فوقتاً پہنا کرتے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا تھا۔اس کا ایک حصہ پانی میں بھگو کر یہ پانی مریض کو پلایا جاتا تھا اور وہ صحت مند ہوجاتا تھا۔اور محفوظات بھی اس میں رکھی گئیں جیسے خانہ کعبہ کی چادر اور جانماز اور جھنڈے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محفوظات وغیرہ ان میں سے کچھ آستانہ (ترکی) کے عجائب گھر میں بھیج دی گئیں۔

آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ جس چیز کو کسی طرح آپ ﷺ سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ عنہم اجمعین ہمیشہ اس کی تعظیم وحرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں۔بلکہ جو چیز حضور ﷺ کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین میں سے ہے۔شفا شریف، مواہب لدنیہ اور مدارج شریف وغیرہ میں ہے : من اعظامه ﷺ اعظام جميع اسبابه و مالمسه او عرف به یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی ﷺ سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی ﷺ نے چھوا ہو یا جو حضور ﷺ کے نام پاک سے مشہور ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور ﷺ سے کچھ علاقہ ہو، حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو، حضور ﷺ نے اسے چھوا ہو یا حضور ﷺ کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، ان سب کی تعظیم کی جائے۔خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے۔کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گرگئی۔خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تعجب کیا اس لئے کہ اس شدید وسخت حملہ میں بہت مسلمان کام آئے۔خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم ﷺ میں جو جگہ جلوس اقدس ﷺ کی تھی اسے ہاتھ سے مس کرکے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیتے۔

حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کے آثار سے تبرک کا حصول

میرے بھائیو! اس بات میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بڑی بابرکت ہے۔ ربّ تعالیٰ نے ان میں ایسی برکت رکھی ہے جو ان ہی کے ساتھ خاص ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات کو بخوبی جانتے تھے۔ جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ : ''نبی ﷺ اپنے آخری مرض الوفات میں اپنے آپ پر معوذات سے دم فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی تو میں وہ معوذات پڑھتی اور آپ ﷺ کے ہاتھ پکڑ کر ان کے جسم پر پھیرتی بسبب ان کی برکت کے۔''

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے باخبر تھیں اور ان کے اپنے ہاتھ سے ہی ان کے جسم مبارک پر مسح کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس عمل کی توثیق فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ تیرے اور میرے ہاتھ میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہ برکت عظیمہ آپ ﷺ کا ہی خاصہ تھی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن وامر سے ہی حاجت مند کو فیض یاب کرتی تھی۔

آپ ﷺ کے تبرکات کی اہمیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں

صحیح بخاری شریف ''کتاب اللباس'' میں عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے:

قال اخرج الینا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعلین لھما قبالان فقال ثابت البنانی ھذا نعل النبی ﷺ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا : یہ رسول اللہ ﷺ کی نعل مقدس ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آثار مصطفی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ان کو وہ جگہ دکھائیں جس پر نبی اکرم ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ انہوں نے ناف کے بارے میں بتایا تو اس جگہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آثار و ذریت مصطفوی ﷺ سے برکت حاصل کرنے کے لئے بوسہ دیا۔

ریشم سے زیادہ نازک ہاتھ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : ''میں نے کبھی کوئی ریشم رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں چھوا۔ اور نہ کوئی خوشبو حضور ﷺ کے بدن مبارک سے زیادہ خوشبودار سونگھی۔'' اسی طرح بیان کرتے کرتے فرط محبت سے اتنے بے قرار ہوئے کہ گریہ طاری ہو گیا اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آگئے۔

حضور ﷺ سے منسوب مشکیزہ: کبشہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں کھڑی ہوئی اور بعد میں اس دہانہ مشک کو کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔

مبارک کھجوریں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور ﷺ نے ان کو دم کر کے دی تھیں، جنہیں انہوں نے ایک توشہ دان میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کہیں گم ہوگیا۔ جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا۔

وہ اکثر کہتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہی ہے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا) اور مجھے آج دو غم ہیں تو شہ دان کے کھوئے جانے کا غم اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا غم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس برکت نبی ﷺ کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو اُن کھجوروں میں تھی۔

عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

عشاق کو اس حب منزل محبوب کی بنا پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہوگی کہ وہاں جنت میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ جنت میں گو راحت ان شاء اللہ ملے گی مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی۔ تو گویا جنت میں بھی آپ ﷺ کی ذات بابرکت ہی مقصود ہوگی۔

حضور ﷺ کے بال مبارک: حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے ایک سو اونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ ۶۳ اونٹ آپ ﷺ نے خود اپنے دست اطہر سے ذبح کئے اور ۳۷ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک معمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منڈوایا۔ فرط محبت سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے کچھ مبارک بال عنایت فرمائے اور باقی ماندہ بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔

حضور ﷺ کا پیالہ مبارک: حضرت خداش بن ابی خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور اقدس ﷺ کا استعمالی پیالہ شریف تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کبھی حضرت خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ پیالہ منگواتے اور اس میں آب زمزم رکھ کر پیتے، پھر اپنے چہرے پر اس پانی کے چھینٹے مارتے۔

حضور ﷺ کے نعلین مبارک: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود آپ کے پاس سرکار اقدس ﷺ کے نعلین مقدس اور پیالہ شریف کی گراں بہا دولتیں موجود تھیں۔

حضور ﷺ کا جبہ مبارک: سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔ اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

شاہ جہان بادشاہ کے پوتے اور شہزادہ دارا شکوہ کے بیٹے مرزا محمد اختر دہلوی نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور جبہ مبارک کو چھت کے ساتھ معلق پایا تو اپنا سر اس کے نیچے جھکا دیا اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے کیونکہ فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کا فیضان بہت زیادہ تھا۔

حضور ﷺ کے ناخن مبارک: خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی یہ مشاہداتی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ناخن مبارک ترشوا کر غلاموں کو عطا فرمائے۔

لحاف نبوی ﷺ: سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ لحاف اور تہبند سنبھال کر رکھا تھا جس میں سرکار دو عالم ﷺ کا وصال شریف ہوا۔

چادر نبوی ﷺ : سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے ہاں آئیں، وہ ایک خوبصورت نقش دار چادر لائی تھیں۔ وہ کہنے لگیں کیا آپ ﷺ اسے پہننا پسند فرمائیں گے؟ تو وہ آپ ﷺ نے لے لی اور آپ کے قبول کرنے کے انداز سے محسوس ہوتا تھا گویا آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی اور پھر آپ ﷺ نے اسے اوڑھ بھی لیا۔ ایک صحابی نے دیکھا اور کہنے لگے حضرت یہ تو بہت خوبصورت ہے! آپ ﷺ یہ مجھے عنایت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : تم لے لو۔

جب نبی کریم ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے تو ساتھیوں نے اس صحابی کو ملامت کی اور کہنے لگے کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ جبکہ تم نے دیکھا بھی آپ ﷺ کے انداز سے لگ رہا تھا کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے اور پھر بھی تو نے وہ مانگ لی۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جب بھی آپ ﷺ سے کوئی شے مانگی جائے آپ ﷺ انکار نہیں فرماتے۔ وہ کہنے لگا دراصل جب آپ ﷺ نے اسے پہن لیا تو اس کے بابرکت ہونے کے خیال سے میں نے مانگ لیا شاید یہ میرا کفن بن سکے۔[1]

حضور ﷺ کا پسینہ مبارک : مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے ہاں آرام فرماتے۔ اور بعض اوقات وہ اپنے گھر پر بھی نہ ہوتیں۔ ایک موقعہ پر آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور بستر پر سو گئے۔ انہیں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے گھر میں بستر پر آرام فرما رہے ہیں۔ وہ آئیں اور دیکھا کہ آپ ﷺ کو پسینہ آرہا ہے اور چمڑے کے بستر کے ایک حصہ پر پسینے کے قطرے جمع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک ڈبہ سا لے آئیں اور اس میں آپ ﷺ کے پسینے کے قطرات جمع کرنے لگیں۔ اس کیفیت میں آپ ﷺ اٹھے اور پوچھا ام سلیم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ جناب ان مبارک قطرات میں ہم اپنے بچوں کے لئے برکت کے امیدوار ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا درست ہے۔

اور آپ ﷺ وہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو نیند آجاتی تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور گرے ہوئے بال جمع کر کے شیشی میں ڈال لیتیں اور پھر دوسری خوشبوؤں میں ملا لیتی تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنی خوشبو میں ملا لیتی ہوں۔

وضو کا بچا ہوا مبارک پانی: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اس پانی کو لے رہا ہے کوئی دوسرے سے تری حاصل کر کے مل رہا ہے۔

شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرمایا : ”**فیہ التبرک باٰثار الصالحین و استعمال فضل طھورھم و طعامھم و شرابھم و لباسھم۔**“ یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضو و غسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے، پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جناب سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا حضور! میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو والے پانی سے تھوڑا سا پیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی کمر کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت بھی دیکھی جو بجاوے بٹن یا گرہ کی مانند تھی۔

اسی سلسلہ میں صلح حدیبیہ کے واقعہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ روایت لائے ہیں کہ قریش مکہ کا نمائندہ عروہ اصحاب رسول ﷺ کو

---

[1] (صحیح بخاری)

نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ جونہی آپ ﷺ تھوکتے تو وہ تھوک بجائے زمین کے کسی صحابی کے ہاتھوں پر پہنچتی اور وہ اسے اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اگر وہ کوئی حکم دیتے تو سب فوراً بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیل کرتے۔ اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اس پانی پر ان کی خوب کھینچا تانی ہوتی اور جب آپ ﷺ بولتے تو آپ کے سامنے وہ آوازیں پست کر لیتے اور عظمت و تکریم کے باعث آپ ﷺ سے نظریں نہ ملاتے تھے۔

سرخ رنگ کے بال مبارک : ایک اور روایت میں مالک بن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن عبداللہ بن موھب نے بیان کیا کہ میرے گھر والوں نے مجھے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پانی کا پیالہ دے کر بھیجا۔

اسماعیل نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اپنی تین انگلیاں بند کر لیں یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ پیالہ چھوٹا سا تھا۔ یا اس میں پانی تھوڑا سا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بال رکھا ہوا تھا تو جسے نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اپنا پانی کا برتن بھیج دیتا۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اس ڈبیہ میں دیکھا تو سرخ رنگ کے چند بال دکھائی دیئے۔[1]

آپ ﷺ نے کس طرف سے کھانا کھایا؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے : **اکل منه و بعث بفضله الیّ** یعنی ایک موقع پر آپ ﷺ نے کھانا کھایا اور بقیہ میری جانب بھیج دیا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے : **سأل عن موضع اصابعه فتبّع موضع اصابعه۔** یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے یہ دریافت فرماتے کہ سرکار ﷺ نے کہاں انگلیاں رکھ کر تناول فرمایا پھر خاص اسی جگہ سے اٹھاتے۔

شرح حدیث: اس حدیث کے تحت شرح مسلم میں ہے : **فیه التبرک باٰثار الخیر فی الطعام۔** یعنی اس میں کھانے وغیرہ میں بزرگ ہستی سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

شرح مسلم شریف میں عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے : **انی احب تاتینی و تصلی فی منزلی فاتخذه مصلیٰ** یعنی میری خواہش ہے کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں۔

امام ابو زکریا نووی (ولادت ۶۳۱ھ وفات ۶۷۷ھ) اس حدیث کے تحت اپنی شرح میں فرماتے ہیں : **فی هذا الحدیث انواع من العلم۔ ففیه التبرک باٰثار الصالحین و فیه زیارة العلماء و الفضلاء و الکبرا اتباعهم و تبریکهم ایاهم۔**

یعنی اس حدیث سے چند چیزوں کا علم ہوا۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کی جائے۔ اسی طرح اس سے اہل علم و فضل اور بزرگان کا اپنے معتقدین کی ملاقات کے لئے جانا اور انہیں اپنی برکتوں سے نوازنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں : **فی حدیث عتبان هذا فوائد کثیره، منها التبرک بالصالحین و آثارهم و الصلوٰة فی المواضع التبرک صلوا بها و طلب التبرک منهم۔** یعنی حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بہت فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں : صالحین سے برکت حاصل کرنا، ان کے آثار سے برکت لینا، جن مقامات پر انہوں نے نماز ادا کی ہو وہیں نماز ادا کرنا، ان سے یہ خود درخواست کرنا کہ ہمیں اپنی برکتوں سے نوازیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے : **ان النبی ﷺ دعا بالحلاق و ناول الحالق شقة الایمن فحلقه ثم دعا ابا طلحة الانصاری فاعطاه ایاه ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین**

---

[1] (صحیح بخاری)

الناس۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال منڈوانے کا حکم فرمایا۔ پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر بائیں جانب کے بالوں کو منڈوانے کا حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔"

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور ﷺ کے موئے مبارک

عمرہ جعرانہ میں سر اقدس کے حلق کے بعد موئے مبارک تقسیم ہوئے، حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کے شاہد اور اس دولت عظمیٰ سے شرف یاب ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داہنی جانب کے سارے موئے مبارک عطا فرما کر بائیں جانب کے موئے مبارک تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے نامور سپہ سالار تھے۔ فتح و نصرت نے جن کے قدم ہمیشہ چومے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چند موئے مبارک اپنی ٹوپی کے اندر سی لئے تھے اور انہیں اس بات کا پختہ یقین تھا کہ ان موئے مبارک کی برکت سے انہیں اللہ پاک ہمیشہ فتح سے نوازے گا۔ اس لئے بے دھڑک لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا جایا کرتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ انہیں کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شفا" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رومیوں کے خلاف ایک جنگ میں انکے سر سے ٹوپی گر پڑی جس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک موجود تھے۔ تو اس کے لئے انہوں نے غنیم پر ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا۔ کیونکہ اس حملہ میں بہت سے آدمی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

جنگ کے بعد ساتھیوں نے جب یہ دریافت کیا کہ اس سے پیشتر آپ نے کبھی اس قدر سخت حملہ نہ کیا تھا پھر آج کیا وجہ ہوئی کہ آپ نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا۔ مبادا ان کی برکت سے محروم رہ جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ تک پہنچ جائیں۔

فائدہ: ان تفصیلات سے اندازہ کیجئے کہ عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آثار کریمہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام مسلمانوں کو کس قدر والہانہ وابستگی تھی، کس قدر انس تھا، شغف تھا، احترام تھا؟ جب سرکار سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا یہ احترام آپ ﷺ کے وصال کے بعد تھا تو خود حیات طیبہ میں کس قدر شیفتگی رہی ہوگی؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ وضو فرماتے تو آپ ﷺ کے غسالہ وضو کے حاصل کرنے میں بے پناہ سبقت کی جاتی۔

نتیجہ احادیث تبرکات: امام ابوزکریا نووی، علامہ عینی، امام ابن حجر عسقلانی، امام احمد بن محمد قسطلانی، ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بلند پایہ مستند ائمہ حدیث ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں: **وفیه التبرک باٰثار الصالحین و استعمال فضل طهورهم و طعامهم و شرابهم و لباسهم۔** یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضو و غسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

موئے مبارک سے شفا: اور یہ نتیجہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرز عمل سے ماخوذ ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مریضوں کو اور نظر

---

[1] (رواہ الشیخین)

لگے ہوئے انسان کو موئے مبارک جس شیشی میں رکھا ہوا تھا، اس شیشی کو پانی سے بھر کر وہ موئے مبارک میں ڈبو کر دے دیتیں جس سے اسے شفا ہو جاتی۔[1]

فائدہ :الغرض یہ صحیح احادیث اور دیگر روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور جو چیز آپ ﷺ کے جسم اقدس سے الگ ہوئی ہو از قسم بال، پسینہ لباس، یا آپ کے مستعملہ برتن وغیرہ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے برکت ڈالی ہے جس سے شفاء حاصل کی جاتی تھی اور ان سے دینی واخروی فائدہ کی توقع کی جاتی تھی اور اس خیر و برکت کا دینے والا ''رب السمٰوٰت والارض'' ہی ہے۔

آثار تبرکات سے برکت کا حصول: حضرت عبداللہ بن عمر وانس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ آثار مصطفی ﷺ سے تبرک حاصل کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی نماز کی جگہوں کا قصد کیا کرتے تھے اور ان راستوں کو ڈھونڈتے جن راستوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے محبوب ﷺ کے مبارک قدم لگے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پیالے میں بطور تبرک پانی پیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ ﷺ کا پیالہ تھا۔

حضور ﷺ کا لباس مبارک :اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ ﷺ کا لباس تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک جماعت جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، کے پاس نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک تھے حتیٰ کہ انہوں نے وصیت کی کہ یہ بال مبارک ان کے ساتھ ان کی قبر میں تبرکاً دفن کر دیئے جائیں اور وہ ان بالوں کے ساتھ تبرک اور توسل حاصل کرتے تھے۔

وضو سے بچے ہوئے پانی کو جسم پر ملنا: حضرت عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے وضو والے پانی کو اپنے جسم پر ملنے لگے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اس پر لازم ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، امانت دی جائے تو ادا کر دے اور اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرے۔

فائدہ: شیخ صاحب اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے، اس کی کئی سندیں اور شواہد ہیں جو معجم طبرانی وغیرہ میں وارد ہیں۔ امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۶ میں اس پر حسن کا حکم لگایا ہے۔ اور یہ کہ میں نے اسے ''الصحیحہ'' میں (۲۹۹۸) درج کیا ہے۔[2]

ایسے ہی یہ روایات جناب محمد رشید رضا کے خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ انہوں نے کتاب الاعتصام کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ کیفیت کہ انہوں نے آپ ﷺ کے وضو اور آپ ﷺ کے تھوک سے تبرک لیا، حدیبیہ کے موقع کے علاوہ کہیں اور ثابت نہیں۔

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رسول اللہ ﷺ سے تبرک حاصل کرنا کسی غزوہ سے مخصوص نہیں رہا جیسا کہ گزر چکا اور کسی سے انکار بھی وارد نہیں ہے۔

زینب بنت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تہبند نبوی ﷺ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا تہبند ہمارے پاس بھیج دیا کہ اس کو زینب بنت رسول کے کفن کے نیچے پہنا دو۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمہ

---

[1] (بخاری کتاب اللباس)

[2] (التوسل وانواعہ واحکامہ)

اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ صالحین اور بزرگوں کے آثار وملبوسات سے برکت لینے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ موت کے بعد ان کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر قرآن مجید اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا احترام جاتا رہتا ہے اور بدن گل کر نجس ہو جاتا ہے تو یہ نجاست ان کو بھی لگے گی جو ان کتابوں کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔

منبر نبوی ﷺ : قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبر نبوی ﷺ پر نشست گاہ نبوی ﷺ سے مس کر کے اپنی پیشانی کو ملتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبی ﷺ سے مس کی گئی ہو،اس میں برکت ہوتی ہے۔

یہاں تک تو عہدِ صحابہ کی گفتگو تھی اب عہد تابعین کا بھی جائزہ لیتے چلیں کہ حضرات تابعین کیسی وابستگی رکھتے تھے،آثار کریمہ کے ساتھ۔

مجدد اوّل خلیفہ راشد سید التابعین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذباتِ عقیدت بارے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں : حضورِ اکرم ﷺ کے متروکات وتبرکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں جنہیں انہوں نے ایک کمرہ میں احترام کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا اور ہر روز ایک بار ان تبرکات کی زیارت کیا کرتے تھے۔سادات و اشراف میں سے جب کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو اسے بھی آپ ان کی زیارت کراتے اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت وتکریم سے نوازا ہے۔

کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبرکات یہ تھے : چارپائی،چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی،ایک جوڑا موزہ،چمکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔تکیہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا،ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا۔[1]

اس سے یہ بات روشن ہو گئی کہ آثار کریمہ کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عقیدت،طرز سلف کا آئینہ دار ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کے دل میں بھی عشق و وفا اور وابستگی بارگاہ رسالت ﷺ کی شمع ہو گی وہ یقیناً ان نقوش محبت کو آنکھوں سے لگائے گا۔سر پہ رکھے گا اور دل میں جگہ دینا اپنی سعادت تصور کرے گا۔جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک اور طاہر قلوب اور شفاف ذہن و دماغ انہی تصورات عشق اور ایسے ہی جذبات عقیدت سے لبریز رہا کرتے تھے۔انہیں تو بس نسبتوں کی تلاش ہوتی تھی سند اور دلیل کی نہیں۔

جستجو جاءِ نماز نبوی ﷺ : سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نماز،قیام اور گزر میں اس جگہ کی تلاش و جستجو فرماتے جہاں نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہو یا تشریف رکھی ہو۔ایک بار سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے،پھر وہ ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین ص ۲۰ میں لکھتے ہیں : من اراد ان یحصل ماللملاء السافل من الملائکة فلا سبیل الیٰ ذالک الا الاعتصام بالطهارات و الحلول بالمساجد القدیمیه التی صلی فیها جماعات من الاولیاء۔ یعنی جو یہ ارادہ کرے کہ اسے فرشتوں کے طبقہ زیریں کی برکت حاصل ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ طہارتوں کی خوب پابندی کرے اور ان پرانی مساجد میں داخل

---

[1] (مدارج النبوۃ)

ہوتا رہے جن میں اولیاء کی کچھ جماعتیں نماز ادا کر چکی ہوں۔

حضور ﷺ کے دندان مبارک: دارمی وترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شمائل میں اور بیہقی وطبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اوسط میں اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دونوں دانت کشادہ تھے۔ دوران کلام ان کے درمیان سے نور نکلتا محسوس ہوتا۔

طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابی قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اور میری ماں اور خالہ نے حضور ﷺ سے بیعت کی۔ جب ہم لوٹ رہے تھے تو میری ماں اور خالہ نے کہا: ''اے بیٹے! ہم نے حضور ﷺ سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا، آپ نظافت جسم، لطافتِ لباس سے آراستہ اور شیریں گفتار ہیں۔ باتیں کرتے وقت دہن مبارک سے گویا نور نکلتا ہے۔''

چادر نبوی ﷺ: امام بخاری سہل بن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روای ہیں، ایک دفعہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں چادر بطور ہدیہ پیش کی۔ ایک صحابی جو اس وقت موجود تھے کہنے لگے کیا اچھی چادر ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی چادر انہیں عطا کر دی۔ لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو حضور ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ سرکار ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، تم نے سوال کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: رجوت ببر کتها حین یلبسها النبی ﷺ لی الکفن۔ ''میں نے چادر اس لئے لی کہ اس میں کفنایا جاؤں اور برکت سے بخشا جاؤں۔''

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے ملبوسات اور استعمال شدہ اشیاء کو متبرک جانتے تھے اور ان سے شفا اور برکت کی امید رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال شدہ اشیاء کو متبرک سمجھنا، ان سے برکت کی امید رکھنا جائز ہے۔ بدعت یا شرک نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو بعد از غسل آپ ﷺ نے اپنا تہبند مبارک دیا اور فرمایا: اشعرنها ایاها یعنی ان کے کفن کے ساتھ میرا تہبند بھی ملا دو۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند مبارک کیوں عطا فرمایا: ''والحکمة فی اشعارها به تبریکها۔'' یعنی اشعار میں حکمت یہ تھی کہ ان کے کفن میں برکت ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خود حضور ﷺ بھی اپنی استعمال شدہ اشیاء کو برکت و رحمت تصور فرماتے تھے۔

چادر مبارک کی عجیب برکت: حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی میں اس حدیث کو نقل فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ آج بہت تیز بارش آئی۔ آپ ﷺ قبرستان میں تشریف فرما تھے، مگر آپ ﷺ کے کپڑے نہیں بھیگے۔ فرمایا: عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے۔ عرض کی آپ ﷺ کی تہبند شریف۔ فرمایا:

تفت	بہر	آں	نمود	اے	پاک	حبیب
نیست	ایں	باران	ایں	ابر	شمار	
چشم	پاک	را	خدا	باران	غیب	
ہست	باران	دیگر	و	دیگر	شمار	

یعنی اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میرے تہبند شریف کی برکت سے تمہیں یہ نظر آ گیا، یہ پانی نہ تھا، یہ تو انوار و برکات الٰہیہ کی بارش تھی، جو مجھ پر برس رہی تھی۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس بارش کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔

یعنی یہ بارش تمہیں اس لئے نظر آ گئی کہ تمہارے سر پر میرا تہبند مبارک ہے۔اسی کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے حجاب اٹھ گئے،اور تم نے انوار الٰہی کا مشاہدہ کرلیا۔ورنہ یہ ہر کسی کو نظر نہیں آتے۔سبحان اللہ الغرض وہ پیراہن یوسف علیہ السلام ہے اور یہ حضور سرور عالم ﷺ کے ملبوسات اور آپ ﷺ کے استعمال شدہ اشیاء کے برکات وحسنات ہیں۔بغور پڑھئے،ایمان تازہ کیجئے اور سوچئے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے کیسی کیسی نعمتوں کے مالک ہیں۔

آپ ﷺ کا پرچم مبارک : حضرت عبداللہ بن بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے والد گرامی حضرت بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا پرچم (علَم) سیاہ رنگ کا تھا اور آپ ﷺ کا لواء یعنی چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

حضرت یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ مجھے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا تا کہ آنحضرت ﷺ کے علم مبارک کے متعلق ان سے دریافت کروں کہ وہ کیسا تھا۔تو انہوں نے فرمایا کہ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور سیاہ کمبل سے تیار کیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا علم مبارک سیاہ تھا اور آپ کا پرچم سفید رنگت والا تھا جس پر "**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" لکھا ہوا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا علم مبارک عقاب کہلاتا تھا اور اسے اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی کنگھی،سرمہ اور آئینہ مبارک : ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سفر وحضر میں ان پانچ چیزوں کو نظر انداز نہیں فرمایا کرتے تھے : آئینہ،سرمہ دانی،کنگھی،تیل اور مسواک۔

حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ سفر کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو میں یہ چیزیں تیار کر کے حضور ﷺ کے سامان میں رکھواتی : خوشبودار تیل،کنگھی،آئینہ،قینچی،سرمہ دانی اور مسواک۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

جب رات کے وقت بستر پر استراحت فرماتے تو اس سے پہلے مسواک کرتے،وضو فرماتے،اور بالوں میں کنگھی کرتے۔حضور ﷺ کی کنگھی ہاتھی کے دانت کی تھی جس سے حضور ﷺ بالوں کو درست کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی کنگھی مبارک: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے حجرے میں جھانک کر دیکھا،حضور ﷺ کے دست مبارک میں کنگھی تھی جس سے آپ ﷺ اپنے سر مبارک کو کھجلا رہے تھے۔حضور ﷺ نے فرمایا اگر مجھے پتہ چلتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں اس کنگھی سے تیری آنکھوں کو ضرب لگاتا،تم نہیں جانتے کہ شریعت میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اذن طلب کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اہل خانہ کو اپنی آمد سے خبردار کرنے سے پہلے نہ دیکھو۔

حضور ﷺ کا سرمہ مبارک : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کالا سرمہ تھا۔آپ ﷺ اپنے بستر پر آرام فرماتے تو دونوں آنکھوں میں تین تین بار سلائیاں ڈالتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن مبارک : موجودہ مصحف کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سوائے مطری کے کسی نے نہیں کی اور مطری کے بعد جنہوں نے مسجد کے درمیانی گنبد کا آتشزدگی کے موقعہ پر محفوظ رہنا ذکر نہیں کیا ہے،انہوں نے بھی اس مصحف کا ذکر نہیں

کیا۔البتہ ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ مقام النبی کے سامنے ایک بڑا صندوق ہے،اور مقام النبی اور حجرہ کے درمیان ایک بڑی رحل ہے جس پر ایک بڑا مصحف ایک غلاف میں بند ہے اور اس پر قفل لگا ہوا ہے۔یہ ان چاروں مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے۔

یہ مصحف جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس مصحف کے مطابق ہے جو ابن نجار نے ذکر کیا ہے جو مصر سے بھیجا گیا تھا اور ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نہیں کی۔حالانکہ ابن نجار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر ممالک میں ارسال کئے تھے۔ہاں یہ نہیں کہا کہ یہ وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ مصحف جو شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا وہ ان کے بیٹے خالد کے پاس تھا۔پھر اس کی اولاد کے پاس رہا،پھر نسلاً بعد نسل انکی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ملک شام کے بعض مشائخ نے مجھے بتایا کہ اب وہ طوس کے علاقہ میں ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ : ''امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مصحف پہلی کتابت کے مطابق لکھنا چاہیئے جو لوگوں نے نئی کتابت ایجاد کی ہے اس کے مطابق نہیں لکھنا چاہئے،نیز انہوں نے کہا ہے کہ مصحف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غائب ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔''

حضرت ابوعبیدہ قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قرآن کے متعلق لکھا ہے کہ : ''میں نے ایک مصحف دیکھا ہے جسے امام مصحف عثمان کہتے ہیں،یہ بعض امراء کے خزانے سے برآمد ہوا تھا۔یہ وہی مصحف ہے جو شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر ان کی گود میں تھا۔اور میں نے ان کے خون کے آثار اس میں کئی جگہوں پر دیکھے۔لیکن ابوجعفر نحاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حوالہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اوپر بیان ہو چکا ہے،ذکر کیا ہے۔''

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ منصف مزاج لوگوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کو ٹھکرا دیا ہے،کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں غائب ہونے کا لفظ ہے جو اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ مصحف کلیۃً معدوم ہے اور اس کا پایا جانا ناممکن ہے۔کیونکہ غائب چیز کے متعلق یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی وقت ظاہر ہوگی۔

ختم بخاری شریف کی برکت: اور میں نے مغرب میں حافظ الصالح ابی عبداللہ محمد بن صعد التلسمانی الانصاری کی تصنیف ''رو من النسرین فی مناقب الاربعۃ المتاخرین'' دیکھی۔حافظ العرب ابوالقاسم العبدوسی الفاسی تیونس تشریف لائے اور یہاں تشریف لانے کے بعد استسقاء کے دن انہوں نے پوری بخاری شریف پڑھ دی۔صبح سے شروع کی اور ظہر یا عصر کے بعد ختم کر دی۔اور فارس کے لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ تکالیف ومہمات کے وقت وہ بخاری شریف کا ختم کرواتے ہیں اور یہ دفع شر ومصائب کے لئے مجرب ہے۔

مسجد اقصیٰ میں موجود تبرکات نبوی ﷺ : بقول مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسجد اقصیٰ کے حرم شریف کے وسط میں چبوترہ اٹھا ہوا ہے جس کے چاروں طرف کافی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔چبوترے پر چار گنبد بنے ہوئے ہیں ان میں قبۃ السلسلہ،قبۃ المعراج اور قبۃ النبی کچھ زیادہ بڑے نہیں ہیں،جو سنگ مرمر کے ستونوں پر بغیر دیواروں کے قائم ہیں۔بقول ابن فقیہ قبۃ الصخرہ کے مشرقی جانب قبۃ السلسلہ بیس ستونوں پر کھڑا ہے۔اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت

ہے۔اس کے شمالی رخ پر قبۃ النبی اور مقام جبرائیل علیہ السلام ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج ہے۔

یہ قبہ زیادہ پائیدار اور مستحکم نہ تھا اس لئے بار بار زلزلوں سے متاثر ہوتا رہا اور تعمیر ہوتا رہا۔اس چبوترے کے دوسرے قبوں یعنی قبۃ النبی، المعراج اور قبہ جبرائیل کے بارے میں امام ابن عبد ربہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے : یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس مقام کے اوپر وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے انبیائے سابقین علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کے پیچھے جنوبی سمت گیارہ سیڑھیاں اتر کر ایک غار میں داخل ہوتے ہیں جسے مغارۃ الارواح کہتے ہیں۔ اس غار میں مختلف انبیاء کی جائے عبادت کو محاربوں سے مخصوص کیا گیا ہے (یہاں محراب بمعنی چبوترہ ہے) اس کے شمالی حصے میں مقام خضر علیہ السلام اور جنوبی کونے میں مقام داؤد علیہ السلام ہے۔ یہاں ایک مقام کے بارے میں جسے مقام النبی کہا جاتا ہے، روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں نوافل ادا کئے تھے۔اسی غار میں موئے مبارک اور نقش پائے مبارک بھی جو اس غار کے جنوبی مغربی کونے میں ایک الماری میں محفوظ ہیں۔ اس الماری کے سامنے ایک صندوق میں حضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم مبارک بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں، اس غار میں پچاس ساٹھ آدمی سما سکتے ہیں۔[1]

نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہو جاتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے دونوں مبارک قدموں سے نعلین شریفین کو اتار لیتے اور انہیں اپنی قمیص کی آستین میں رکھ لیتے۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر جانے لگتے تو حضرت عبداللہ خود حضور ﷺ کو یہ پہناتے اور عصا لے کر حضور ﷺ کے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ نبی مکرم ﷺ اپنے حجرہ شریف میں نزولِ اجلال فرماتے۔[2]

بزرگوں کا نذرانہ پر دعا پڑھنا اور تبرکاً باقی طعام میں ملانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا آپ نے کہ میں نبی ﷺ کے پاس کھجوریں لایا۔ پھر میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان میں برکت کرے، تو آپ ﷺ نے ان تمام کو جمع کیا، پھر ان میں برکت کے لئے دعا فرمائی، تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ان کو اٹھالے اور ان کو اپنے اس توشہ دان میں ڈال دے۔جب تو اس سے کچھ لینے کا ارادہ کرے تو اپنے ہاتھ کو اس میں ڈال پھر اس کو لے لے، اور اس توشہ دان کو بکھیرنا نہیں، تو میں نے اس کھجور سے فی سبیل اللہ کئی اونٹ کے لدے لے لئے اور ہم اس سے کھاتے بھی اور کھلاتے بھی تھے اور میرا اصل ذخیرہ ختم نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن ختم ہوا۔[3]

اس حدیث مبارک سے تین امور کا سمجھنا ضروری ہے۔(۱) بزرگوں کے دربار میں نذرانہ لے جانا، (۲) جب اس میں کچھ پڑھ دیتے ہیں تو تبرک بن جاتا ہے، (۳) اس کو تبرکاً باقی اشیاء میں ملایا جائے تو برکت ہوتی ہے، بدعت نہیں، شرک نہیں، حرام نہیں۔

کیوں جناب وہابی صاحب ہم اگر ختم پڑھے ہوئے تھوڑے کھانے کو تبرکاً باقی تمام کھانے میں ملائیں تو تم سیخ پا ہو جاتے ہو۔اب بتاؤ، تو اب تو ایسے کرنا مصطفیٰ ﷺ کی سنت ثابت ہو گیا۔امید ہے کہ اب تم بھی اسے سنت سمجھ کر عمل کرو گے۔[4]

---

[1] (بشکریہ اسلامی انسائکلو پیڈیا)

[2] (بحوالہ ''تبرکاتِ نبوی ا کا تصویری البم'' مصنفہ مولوی ارسلان بن اختر میمن)

[3] (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۴)

[4] (مقیاس حنفیت ص ۴۹۴)

مولود کے ساتھ نذرانہ پیش کرنا

ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر بچہ پیدا ہوا، فرماتی ہیں : تو مجھے ابوطلحہ نے کہا اسے اٹھالے حتی کہ وہ نبی ﷺ کے پاس لے آئے اور بچے کے ساتھ اس نے کھجوریں بھیجیں تو بچے کو نبی ﷺ نے لے لیا پھر فرمایا اس کے ساتھ کوئی شی ء ہے انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں کھجوریں ہیں، تو ان کھجوروں کو نبی ﷺ نے لے لیا۔ پھر آگے مذکور ہے کہ ان کھجوروں سے نبی ﷺ نے ذرا سی کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ بچہ عبداللہ بن ابی طلحہ نبی ﷺ کی دعاء سے ہی پیدا ہوا تھا۔ (اللھمّ بارک لھما فولدت) آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو بچہ پیدا ہوا۔[1]

اس حدیث مبارک سے سات مسائل ثابت ہوئے :

(۱) پیر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین و پیغمبر علیہم السلام اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی دعاء سے اللہ تعالیٰ کا اولاد عطا کرنا۔

(۲) جو بچہ بزرگوں رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی دعاء سے پیدا ہوا اس کو ان کے پاس بھیجنا۔

(۳) بچے کے ساتھ میوہ جات کا نذرانہ بھیجنا۔

(۴) بچے کو بابرکت بنانے کے واسطے اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بچے کو گود میں اٹھانا۔

(۵) بچے کو اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا خود گھٹی دینا۔

(۶) اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا خوشی سے نذرانہ طلب کرنا اور قبول فرمانا۔

(۷) اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بچے کے لئے نام تجویز فرمانا۔

تبرکات کی تعظیم : تبرکات کی تعظیم ہم پر لازم ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ کے اجسام اطہار سے تعلق رکھنے والی چیز واجب الاحترام و متبرک ہو جاتی ہے۔ اور بنیادی طور پر اسلام نے ان بزرگان کرام کے آثار و تبرکات کی اہمیت اسی لئے تسلیم کی ہے۔ اور پھر مسلمانوں کو ان کی تعظیم و تکریم اس لئے کرنے کا حکم دیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالآخر خدا کی یاد اور اس کے قرب کے ذرائع ہیں۔ اور یہ تبرکات اسلام میں ایک اہم مقام بھی رکھتے ہیں۔ اور ان تبرکات کی تعظیم کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ تو عین توحید ہے۔ اور خالق کائنات کی عظمتِ شان کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کے اور آپ کے امت میں جو بزرگان دین ہیں ان کے تبرکات بھی ابھی تک موجود ہیں اور اس سے انکار کرنا اس طرح ہے۔ جس طرح بعض لوگ احادیث نبویہ کا انکار کرتے ہیں۔

ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں روایت کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر انور سرور اطہر ﷺ کے موضوع جلوس اقدس کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگایا۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں فرمایا ہے : ''نافع نے کہا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور ﷺ کے روضہ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا ہے۔ آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ منبر پر حضور ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے پر لگاتے تھے۔ اور ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کنگرے کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوتے جو قبر انور پر ہے۔ پھر قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے ہیں۔''

اسی شفا شریف میں یہ بھی ہے : ''آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے طریقوں میں سے آپ کے تمام متعلقات و مقامات، مکہ و مدینہ اور ہر چیز کی تعظیم ہے جس کو حضور ﷺ نے چھوا ہو یا اس کا تعلق آپ ﷺ سے معروف ہو۔''

---

[1] (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے۔اس کی توہین اس معظم کی توہین مانی جاتی ہے۔مثلاً تاج سلطان کو زمین پر ڈالنا صرف اس وقت اہانت سلطان نہ ہوگا جب کہ وہ اس کے سر پر رکھا ہو بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے اور بے شک تعظیم منسوب بلحاظ نسبت تعظیم نسبت منسوب الیہ ہے۔خالق کائنات نے فرمایا کہ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿الحج ۳۲﴾ (اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا،تو یہ دلوں کی پرہیزگاری کے باعث ہے)۔بلکہ نظر ایمانی سے مس ولمس کی بھی تخصیص نہیں جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے،وہ واجب التعظیم ومورث محبت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿البقرة ۲۴۸﴾

ترجمہ :بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک یہ تمہارے لئے عظیم نشانی ہے۔اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے کہ وہ تبرکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ ان کی تبرکات تھیں۔بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔

مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک ادنی جبہ کسروانی ساخت کا نکالا جس کی پلیٹ ریشمی تھی،اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام اسے پہنا کرتے تھے۔فنحن نغسلها للمرضى نستشفى بها۔(مسلم) تو ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عثمان بن عبداللہ بن مواہب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال دخلت على امّ سلمة فاخرجت الينا شعراً من شعر النبى صلى الله عليه وآله وسلم مخضوباً۔ ''میں ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی،اس پر خضاب کا اثر تھا۔'' [1]

امام اجل ابو زکریا نووی شرح مسلم میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ انى احب ان تاتينى وتصلى فى منزلى فاتخذه مصلى فرماتے ہیں :فى هذاالحديث انواع من العلم وفيه التبرک بآثار الصالحين وفيه زيارة العلماء والصلحاء والكبراء واتباعهم وتبريكهم۔ [2]

یعنی اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔اس سے صالحین کے اثار سے تبرک حاصل کرنا علماء وصلحاء کی زیارت کرنا،ان کی اتباع کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں :فى حديث عتبان هذا فوائد كثيرة منها التبرک بالصالحين واثارهم والصلاة فى المواضع التى صلوا بها

---

[1] (بخاری)

[2] (نووی شرح مسلم ج ا ص ۴۷)

وطلب التبریک منھم۔[1]

عتبان کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ صالحین اوران کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں نے پڑھی ہو اوران سے طلب تبرک کرنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے لکھتے ہیں : فخرج بلال بوضوئه فمن نائل و ناضح تبر کا باثاره ﷺ وقد جاء مبینا فی الحدیث الآخر فرئیت الناس یاخذون من فضل وضوئه ففیه التبرک بآثار الصالحین و استعمال فضل طھورھم وطعامھم وشرابھم ولباسھم۔[2]

بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا تھا اور کوئی ملتا تھا۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آثار سے تبرک کے واسطے، دوسری حدیث میں واضح یہ بات آئی ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کا زائد پانی لے لیتے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اوران کے بچے ہوئے پانی کھانے پینے کی چیزوں اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔

امام احمد بن محمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں : فجعل الناس یتمسحون بوضوئه استنبط منه التبرک لمامس اجساد الصالحین۔ یعنی لوگ آپ ﷺ کے وضو کا پانی ملنے لگے،اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو چیز بھی نیکوں کے اجسام سے مس ہو جائے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔[3]

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں : دراین حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضو وپس ماند آن حضرت ونقل آں ببلا دوموا ضع بعیدہ مانند آب زمزم وآنحضرت چوں درمدینہ می بود آب زمزم رااز حاکم مکہ می طلبیہ وتبرک می ساخت وفضلہ وارثان اوکہ علماء وصلحا اند وتبرک باثار وانتوار ایشان ہم برین قیاس است۔[4]

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی خوردہ سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے اوراس کو دور دراز ممالک میں منتقل آب زمزم کی طرح کرنا جائز ہے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینے میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آب زمزم منگایا اوراس سے تبرک حاصل کیا۔آپ کے وارثین علماء وصلحاء کے آثار وتبرکات کا اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے : اما تقبل الاماکن الشریفة علی قصد التبرک فھو حسنٌ محمودٌ۔"جو شریف آستانے ہیں ان کو چومنا تبرک کی وجہ سے اچھا ہے۔"

پیر کرم شاہ فاضل جامعہ ازہر تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں: "وہ اشیا جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ ہوتا ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک، تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔"[5]

چونکہ بزرگان کرام کی قبور سے لوگ تبرک حاصل کرتے ہیں اوراس تبرک کو حاصل کرنے کے لئے جب بزرگان کرام کی قبر پر جاتے

---

[1] (نووی ج ۱ ص ۲۳۳)

[2] (نووی ج ۱ ص ۱۹۶)

[3] (ج ۱ ص ۳۸۱)

[4] (ج ۱ ص ۱۷۱)

[5] (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۲)

ہیں تو کبھی کبھی بارش بھی ہوتی ہے اور گرمیوں میں دھوپ بھی ہوتی ہے، اس لئے زائرین کی سہولت کے لئے کہ وہ وہاں پر تلاوت کریں، دعا مانگیں اور تبرک حاصل کریں اور ان کو وسیلہ بنائیں تو اس لئے بزرگان کرام کی قبروں پر گنبد بنائے جاتے ہیں۔ اب گنبدوں کے ساتھ بغض وعناد رکھنا انبیاء و اولیاء کے ساتھ بغض وعناد رکھنا ہے۔ اللہ ربّ العزت ہمیں اپنے انبیاءؑ اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بغض وعناد سے بچائے۔ آمین۔

اسی طرح احادیث مبارکہ کی کتب میں بہت سارے ایسے دلائل موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور ﷺ مبارک نے امت کو تبرک کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ محدثین نے ان کے لئے الگ الگ باب رکھ دیئے ہیں جیسے کہ باب استحبابِ تحنیک المولود عند ولادتہ و حملہ الی صالحٍ یحنکہ مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸۔ تحنیک کسے کہتے؟ تحنیک کی تعریف : جب بچے کی پیدائش ہو جائے تو اس بچے کو اللہ جلّ شانہ کے کسی نیک بندے کے پاس لے جانا، پھر وہ اللہ کے ولی اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے ہیں، اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے ان شاء اللہ وہ نیک بن جائے گا۔

حدیث: حدثنا عبد الاعلی بن حماد قال ناحماد بن سَلمَۃ عن ثابت البُنَانی عن انس بن مالک قال ذھبت بعبداللہ بن ابی طلحۃ الانصاری الی رسول اللہ ﷺ حین ولد و رسول اللہ ﷺ فی عَبَاءۃ یَھْنِأُ بعیر الہ فقال ھل معک تَمْرٌ فقلت نعَم فناولتہ تمرات فالقاھن فی فیہ فلاکھن ثم فغر فا الصبی فمَجّہ فی فیہ فجعل الصبیُّ یتلمظہ قال رسول اللہ ﷺ حُبُّ الانصار التَمَر و سَمّاہ عبداللہ[1]

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے تو میں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے کہا ہاں! پھر میں نے کچھ کھجوریں آپ ﷺ کو پیش کیں، آپ ﷺ نے وہ کھجوریں اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں، پھر آپ ﷺ نے بچہ کا منہ کھول کر اسے بچہ کے منہ میں ڈال دیا، اور بچہ اس کو چوسنے لگا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انصار کو کھجوروں سے محبت ہے، اور اس بچہ کا نام عبداللہ رکھا۔

اس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : اتفق العلماء علی استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ بتمر فان تعذر فما فی معناہ او قریب منہ من الحلو فیمضغ المحنک التمرۃ حتی تصیر مائعۃ بحیث تبتلع ثم یفتح فم المولود و یضعھا فیہ لیدخل شیء منھا جوفہ و یستحب ان یکون المحنک من الصالحین و ممن یتبرک بہ رجلا کان او امراۃ فان لم یکن حاضرا عند المولود حمل الیہ۔

تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے منہ میں میٹھی چیز ڈالنا، کھجور ڈالنا، مستحب فعل ہے۔ اگر کھجور نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز دے دی جائے اس طریقہ سے کہ اس کو منہ میں چبایا جائے تاکہ نرم ہو جائے پھر اس کے بعد بچہ کے منہ میں ڈال دیا جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ محنک صالحین میں سے ہو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اگر نیک صالحین قریب نہ ہوں تو ان کے پاس لے جانا بھی سنت ہے۔

اس حدیث کے فوائد یہ ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے منہ میں گھٹی دی جائے، اور یہ فعل بالاجماع سنت ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صالح مرد یا عورت سے گھٹی دلوانی چاہیئے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ کھجور کی گھٹی دینا مستحب ہے اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز کی گھٹی دینا بھی جائز ہے، پانچواں فائدہ یہ ہے کہ چادر پہننا جائز ہے، چھٹا فائدہ تواضع ہے، اور بڑے آدمی کا اپنے کام میں مشغول رہنا مروّت کے منافی نہیں ہے، ساتواں فائدہ یہ ہے کہ عبداللہ نام رکھنا مستحب ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کا معاملہ کسی عالم یا صالح شخص کے

---

[1] (مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸ رقم ۵۴۹۷)

سپرد کر دینا چاہیئے، اور نواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کی ولادت کے دن ہی اس کا نام رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح تحنیک المولود کے بارے میں لگا تار ۹ (نو) احادیث مبارکہ نقل کی گئی ہیں۔اس میں سے ایک حدیث مبارکہ ہم مختصراً نقل کرتے ہیں: حدّثنا الحکم بن موسیٰ ابو صالح حدّثنا شعیب (یعنی ابن اسحٰق) اخبرنی ھشام بن عروۃ حدّثنی عروۃ بن الزّبیر و فاطمۃ بنت المنذر بن الزّبیر انّھما قالا خرجت اسمآء بنت ابی بکرٍ حین ھاجرت وھی حبلی بعبداللہ بن الزّبیر فقدمت قباءً فنفست بعبداللہ بقباءٍ ثم خرجت حین نفست الی رسول اللہ ﷺ لیحنّکہ فاخذہ رسول اللہ ﷺ منھا فوضعہ فی حجرہٖ ثم دعا بتمرۃ قال قالت عآشۃ فمکثنا ساعۃ نلتمسھا قبل ان نجدھا فبضغھا ثم بصقھا فی فیہ فان اوّل شیءٍ دخل بطنہ لریق رسول اللہ ﷺ ثم قالت اسمآء ثمّ مسحہ و صلّٰی علیہ و سمّاہ عبداللہ ثم جآء وھو ابن سبع سنین او ثمانٍ لیبایع رسول اللہ ﷺ و امرہ بذٰلک الزّبیر فتبسّم رسول اللہ ﷺ حین راٰہ مقبلاً الیہ ثمّ بایعہ۔[1]

ترجمہ: عروہ اور فاطمہ بنت منذر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی تو وہ حاملہ تھیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر ان کے پیٹ میں تھے، جس وقت قبا پہنچیں تو حضرت عبداللہ پیدا ہو گئے، وہ اس بچہ کو گھٹی دینے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور اس بچہ کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا، پھر آپ ﷺ نے کھجوریں منگائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کھجوریں ملنے سے پہلے ہم لوگ کچھ دیر کھجوریں تلاش کرتے رہے، آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو چبایا اور پھر بچہ کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیا، اور جو چیز سب سے پہلے اس بچہ کے پیٹ میں پہنچی وہ آپ ﷺ کا لعاب دہن تھا، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس بچہ پر ہاتھ پھیرا، اس کے حق میں دعا کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ سال کے ہو گئے، تو حضرت زبیر کے حکم سے وہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر ان کو بیعت کر لیا۔

اس کی تشریح میں امام نووی صاحب ارشاد فرماتے ہیں ومنھا التبرک باثار الصالحین و ریقھم و کل شیءٍ منھم۔ یعنی صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، چاہے وہ لعاب ہو یا کوئی اور چیز ہو، یہ مستحب ہے۔اسی حدیث مبارکہ میں یہ الفاظ مبارکہ (مسحہ و صلّٰی علیہ و سمّاہ عبداللہ) معنی صلی علیہ ای دعا لہ و مسحہ تبریکا ففیہ استحباب الدعاء للمولود عند تحنیکہ و مسحہ للتبریک۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے انکے لئے دعا فرمائی اور تبرکاً مسح فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب بچہ کی تحنیک کی جائے تو اسے دعا دینا اور تبرکاً مسح کرنا جائز ہے۔اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا دم (خون) مبارک تبرکا پیا تھا۔اور اسی طرح مسلم شریف ج ۲ صفحہ ۲۵۶ باب قربہ ﷺ من الناس و تبرکھم بہ و تواضعہ لھم میں حدیث مبارکہ کی شرح میں امام نووی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: وفیہ التبرک باٰثار الصالحین و بیان ما کانت الصحابۃ علیہ من التبرک باٰثارہ ﷺ و تبرکھم بادخال یدہ الکریمۃ و تبرکھم بشعرہ الکریم و اکرامھم ایاہ۔ یعنی اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور اس کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، جیسے کہ حضور اکرم ﷺ مبارک برتنوں میں اپنے دستِ مبارک رکھ لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پانی کو تبرکاً پی لیتے۔

اسی طرح بخاری شریف (جلد اول صفحہ ۵۴ باب فی ثوب الاحمر حدثنا محمد بن عرعرۃ) قال حدثنی عمر بن ابی زائدۃ عن عوف بن ابی جحیفۃ عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ فی قبۃ حمرآء من ادمٍ و رائیت بلالاً اخذ وضوء رسول

---

[1] (مسلم ج ۲ ص ۵۰۲، ۵۰۳ رقم ۵۵۰۱)

اللہ ﷺ ورأیت الناس یبتدرون ذلک الوضوء فمن اصاب منه شیئًا تمسّح به ومن لم یصب منه شیئا اخذ من بلل ید صاحبه ثم رأیت بلالاً اخذ عنزة له فرکزها وخرج النبی ﷺ فی حلّةٍ حمرآء مشمّراً صلے الی العنزة بالناس رکعتین ورأیت الناس والد واب یمزون من بین یدی العنزة۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ میں حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیا، اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس بچے ہوئے پانی کو لینے میں جلدی کر رہے تھے۔ جسے وہ پانی مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مسح کر لیتا اور جسے وہ پانی نہ ملتا، تو وہ اپنے دوست کے ہاتھ پر ہاتھ لگا کر اپنے جسم پر مسح کر لیتا۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔

اور اسی طرح الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابی محمد یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ جلد ثانی ص ۲۱۸، باب حرف السین۔ سنان ابن سنہ بن المحبق الحذلی کے بارے میں روایت ہے کہ جب یہ پیدا ہوئے فذهب بی ابی الی رسول اللہ ﷺ فحنکنی وتفل فی فیّ، ودعا لی و سمانی سناناً۔ کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے والد مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے، نبی کریم ﷺ نے تحنیک بھی فرمائی اور میرے منہ میں لعاب مبارک بھی ڈالا، برکت کی دعا بھی کی اور میرا نام سنان رکھا۔[1]

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو آنکھوں میں تکلیف تھی، جب نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی، تو مبارک انہیں بلوا کر اپنا لعاب مبارکہ ان کی آنکھوں پر لگایا۔ اللہ جل وعلی شانہ نے اس لعاب مبارکہ کی برکت سے انہیں شفاء کاملہ عطا فرمائی۔ اسے تبرک کہتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام والتسلیمات بھی تبرک کا عقیدہ رکھتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ اور بعض بدبخت اسے شرک اور بدعت کہتے ہیں۔[2]

لفظ ''مبارک'' کا اطلاق غیر اللہ کو جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ بعض بدعقیدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''مبارک'' کی نسبت غیر اللہ کو ناجائز ہے۔

جواب : لفظ ''مبارک'' کا غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ اول دلیل ثبوت لفظ مبارک لغیر اللہ قرآن عظیم الشان سے :''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ۔۔۔الخ''[3]

آیت کے آخر میں ہے ''شَجَرَةٍ مُبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ'' اس آیت شریفہ میں ''مبارک'' کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے، نہ کہ خالق کی طرف۔ اور حال یہ ہے کہ بدعقیدہ بدمذہب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تبرک اور مبارک کی نسبت غیر اللہ کو بدعت اور ناجائز ہے۔

دوسری دلیل :وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا۔ یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[4]

تیسری دلیل :اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[5]

---

[1] (مزید حوالہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۰۳۵۱، ج ۲ ص ۲۵۶، بخاری شریف ج ۱ ص ۴۱۳، مسلم شریف ج ۲ ص ۷۴، بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۰، ج ۲ ص ۳۲۱، ج ۲ ص ۲۵۶)

[2] (بخاری ج ۱ ص ۵۴، ج ۲ ص ۸۷۱، نسیم الریاض شرح شفاء عیاض ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۲۴، اسی طرح بخاری شریف ص ۲۶۹، باب الاشرباء، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زاد المسلم ج ۱ ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زاد المسلم ج ۱ ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۱۱۸، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۲، عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۶۶، بخاری شریف ج ۲ ص ۸۹۲، باب حسن الخلق، الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۲۱، الشفاء قاضی عیاض ص ۲۲۰، نسیم الریاض شرح الشفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۴۶)

[3] (سورہ نور آیت ۳۵ پ ۱۸)

[4] (سورۃ ق، پ ۲۶، آیت ۹)

[5] (سورۃ دخان پ ۲۵، آیت ۳)

چوتھی دلیل وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلاً مُّبَارَکاً وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْن۔ یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[1]

پانچویں دلیل :فَلَمَّا اَتٰھَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیءِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰی۔ یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[2]

چھٹی دلیل :اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْن۔ یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[3]

ساتویں دلیل :وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰهُ۔ یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔[4]

آٹھویں دلیل :وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ الایة۔ یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

نویں دلیل :وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ الآیة۔[5]

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک، اور احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مخالفت صرف وہابی، پنج پیری، غیر مقلدین کرتے ہیں جو کہ صراحتاً ان آیات مبارکہ سے انکار ہے۔ ایک طرف یہ لفظ مبارک کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں اور جب ان کے ہاں کوئی شادی بیاہ یا پیدائش یا ختم قرآن کی تقریب ہوتی ہے تو اس میں یہ شادی مبارک، اولاد مبارک اور ختم مبارک کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:[6]

اسی طرح تبرک کے بارے میں مذاہب اربعہ کے صاحبان بھی قائل ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تبرک آثار الصالحین سے حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے :[7]

فقہاء کرام کی طرف سے جو برکت کے بارے میں اقوال ہیں، وہ ان کتب میں ملاحظہ کیجئے :[8]

دوسری بات یہ ہے کہ محبت میں مبالغہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے :[9]

ان تمام دلائل سے جو کہ قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارک اور اقوال صحابہ اور اقوال مذاہب اربعہ جو ہم نے پیش کئے ان تمام سے یہ

---

[1] (سورۃ مؤمنون پ ۱۸ آیت ۲۹)

[2] (سورۃ قصص پ ۲۰ آیت ۳۰)

[3] (سورۃ آل عمران، پ ۴ آیت ۹۶)

[4] (سورۃ الانبیاء پ ۱۷ آیت ۵۰)

[5] (سورۃ مریم، پ ۱۶ آیت ۳۱)

(۶ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۹۱، ۱۹۱، ج ۲ ص ۴۰، بخاری شریف ج ۲ ص ۶۹، فیض الباری ج ۲ ص ۹۱۔)

۷ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۰، الشفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۷۵، معرفۃ الرجال ج ۲ ص ۴۹۲، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۵۷، مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۲۱، ۱۲۱، بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹۔

۸ البادیہ والنہایۃ ج ۴ ص ۳۰۰، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴۳، عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۷۴، تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۲۱۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲۰ ص ۳۰۹، تاریخ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۲، ۳۳۵، ۳۵۵، تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۳۲، اعانۃ الطالبین ج ۳ ص ۱۳۲، بحر الرائق ج ۳ ص ۴۸، تفسیر جصاص ج ۵ ص ۲۴۷، بحر الرائق ج ۸ ص ۲۲۶، مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۲۰۳، ج ۳ ص ۶۹۔

۹ وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۳۹، تاریخ ابن ہشام ج ۳ ص ۸۸، ج ۳ ص ۳۲۳، فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۲، ج ۱ ص ۳۳۹، فتوح الشام ج ۲ ص ۱۴۰، ج ۲ ص ۱۴۷، ج ۲ ص ۲۰۴، ج ۱ ص ۱۸، لسان العرب ج ۱۴ ص ۱۹، ج ۱ ص ۶۸۶، شامی رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ تمہید لابن البر ہ ج ۳ ص ۶۷، حاشیہ بغوی، ج ۲ ص ۴۶، فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۷، ج ۱ ص ۵۲۵۔

ثابت ہوا کہ تبرک یا برکت اور نسبت لفظ مبارک غیر اللہ کی طرف اگر کی جائے تو یہ شرک اور بدعت نہیں۔

اب اگر کوئی اسے شرک اور بدعت کہتا ہے تو تبرک انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے بلکہ انہوں نے امت کو تعلیم دی ہے، لہٰذا شرک اور بدعت کی نسبت کس تک جائے گی؟ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

بعض بدعقیدہ لوگ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیات پیش کرتے ہیں :

پہلی دلیل :فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن۔[1]

اس آیت مبارک میں لفظ مبارک کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

دوسری دلیل :تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً۔[2]

تیسری دلیل:تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔[3]

مذکورہ تین آیات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ لفظ مبارک کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی جائے گی کسی اور کی طرف کرنا شرک اور بدعت ہے۔

مخالفین کے دلائل کا جواب

ان بدمذہب، بدعقیدہ لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا :اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔

یا ان لوگوں کی مثال ان کی طرح ہے جن کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہیں، کہ جو آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

ان کی کم علمی کا حال یہ ہے کہ ان آیات مبارکہ میں لفظ (''تبرک'') اس کا ترجمہ اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ ''مبارک ہے وہ ذات''۔ اور یہ ترجمہ صراحتاً غلط ہے، لغت اور تفاسیر کی کتابوں کی مخالفت ہے، قانون اور قاعدہ کے مخالف ہے۔ اگر لفظ تبرک کو مجردات کے باب سے لیا جائے تو نما اور زیادت کے معنی پر آئے گا۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو :لسان العرب ج ۱۰ ص ۶۔ اگر تفاسیر دیکھی جائیں تو مفسرین کرام نے ''تبرک'' کا معنی تقدس و تنزہ لیا ہے۔

دوسرا جواب :تبرک الذی بیدہ الملک ،اس کی ترکیب اس طریقہ سے ہے :(تبرک فعل)، (الذی موصول)، (بیدہ الملک، صلہ) ۔موصول اپنے صلہ سے مل کر پورا جملہ فاعل ہوا، تبرک فعل کا۔ ترکیبی لحاظ سے لفظ تبرک کا ترجمہ معاندین نے جو کیا ہے (فتح کے ساتھ)، وہ بالکل غلط ہے۔ تبرک کا ترجمہ ترکیبی لحاظ سے کسرہ کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ لفظ تبرک کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ توقیفی ہیں، اور اللہ جل شانہ کے اسماء مبارک میں سے یہ نام نہیں ہے۔ اور اگر تبرک کا ترجمہ مبارک کیا جائے، یعنی رکو فتح کے ساتھ، جو کہ معاندین نے کیا ہے، تو معنی بالکل غلط ہو جائے گا۔ مبارک کا معنی ہے برکت دادہ شدہ، یعنی جس میں برکت ڈالی گئی ہو۔ اللہ جل وعلی شانہ برکت ڈالنے والا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ تبرک کا معنی تقدس و تنزہ کرنا چاہیئے یا مبارک مصدر میمی ہے، بمعنی ذو برکات۔

مذکورہ دعویٰ کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے :[4]

---

[1] (سورۃ مؤمنون آیت ۱۴ پ ۱۸)

[2] (سورۃ فرقان پ ۱۹ آیت ۹۰)

[3] (سورۃ ملک، آیت ۱، پ ۲۹)

[4] فتح القدیر ج ۵ ص ۱۴۳، مسلم شریف ج ۱ ص ۹۹، کتب ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۹۵، ۶۱، ۳۱۰، فتاویٰ عالمگیری، ج ۱ ص ۱۶۶، التذکیر فی احوال الموتی و امور الآخرہ، ص ۱۰۶۔

ان تمام دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنا بالکل جائز ہے، غیر مقلدین بدعقیدہ بدمذہب لوگ جہالت اور عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ اس میں قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ سے انکار ہے۔ اللہ جل وعلی شانہ ہم سب کو حضرت رسول اکرم ﷺ کے طفیل اور برکت سے ان بدمذہب بدعقیدہ لوگوں کے فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم ﷺ کا بول مبارک اور خون مبارک تبرکا پیا تھا اور بعض بدمذہب بدعقیدہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں حالانکہ یہ مسئلہ صحیح اور حسن روایات سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "سفینہ" (جو نبی کریم ﷺ کے غلام ہیں) اور مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیا ہے اور برکت رضی اللہ عنہا (جو ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں) اور ام ایمن رضی اللہ عنہا (جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رضاعی والدہ ہیں) نے نبی کریم ﷺ کے پیشاب مبارک کو پیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انکار نہیں فرمایا (تو یہ مسئلہ حدیث تقریری سے ثابت ہوا) بلکہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (جب انہوں نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تھا) کہ آپ کو لوگوں سے تعجب ہے اور لوگوں کو آپ سے تعجب ہے۔ (یعنی یہ کام تعجب خیز ہے کیونکہ کسی انسان کا خون نہیں پیا جاتا اسلئے کہ وہ نجس ہوتا ہے جبکہ نبی ﷺ کا خون مبارک پیا گیا تبرکاً اس لئے کہ وہ پاک ہے)۔ اور نبی کریم ﷺ اپنے غلام سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے تھے جب انہوں نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تھا۔ اور جب مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اس نے میرے خون کو اپنے خون سے ملا دیا ہے اب اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اور جب برکت رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً تو آگ سے محفوظ ہوگئی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب انہوں نے آپ ﷺ کا بول مبارک پیا کہ اب تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔

اب ہم ان روایات کو اسناد اور حوالہ جات سے ذکر کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ روایات صحیح اور حسن اسناد سے ثابت شدہ ہیں۔

پہلی حدیث: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیا۔

ھنید بن قاسم نے عامر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے تو اس کا خون مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا جاؤ اسے چھپا دو میں گیا اور اسے پی لیا پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اس خون کا کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے چھپا دیا آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تو نے اسے پی لیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پی لیا۔[1]

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فی اتحاف الخیرۃ المحصرۃ بزوائد المسانید العشرہ" میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبداللہ جاؤ اس خون کو بہا دو تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ جب وہ آپ ﷺ سے دور ہوئے تو اس خون کو پی لیا، آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے سب سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ڈال دیا ہے تاکہ وہ لوگوں سے چھپ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے! انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خون کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر اس معاملے میں تعجب کرو گے۔"[2]

---

[1] (مسند بزار ج ۶ ص ۱۶۹ رقم ۲۲۱۰) (مسند عبداللہ بن زبیر وایضاً ج ۴ ص ۶۵)

[2] (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم ج ۲ ص ۱۲۱)

اور یہی واقعہ مولوی محمد زکریا نے فضائل اعمال میں درج کیا ہے۔اس واقعہ کے بعد لکھا ہے : ''حضور ﷺ کے فضلات یا پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔''[1]

اسی باب میں مولوی زکریا نے لکھا ہے : ''احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا۔اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ بھی کھینچ ہی لیا۔ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔[2]

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز نے روایت کی ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے۔جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ ﷺ سے لے جاؤ اور بہا دو کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے۔جب میں نبی ﷺ سے دور ہوا تو میں نے ارادہ کر کے وہ خون پی لیا، جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا جہاں وہ لوگوں سے چھپ گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے پیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے پینے کا حکم دیا تھا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔[3]

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے۔جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ اس خون کو لے جاؤ اور بہا دو کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔جب میں آپ ﷺ سے دور ہوا تو میں نے ارادۃً خون کو پی لیا جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے جہاں میرا خیال ہے وہ لوگوں پر چھپا رہے گا۔آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے، میں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے خون پینے کا حکم دیا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔[4]

ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن غطریف نے اپنی جزء میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو نبی ﷺ نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارہ کے گناہ میں۔کہسان (عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام) کا بیان ہے کہ مجھے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

---

[1] (حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہ باب ۱۲)

[2] (قرۃ العیون)

[3] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم مع تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج ۳ ص ۶۳۸)

[4] (معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم أصبہانی ج ۱۱ ص ۴۶۸)

کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے میرے بھتیجے تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہ چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[1]

کیسان مولیٰ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس گئے (تو دیکھا کہ) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم فارغ ہو گئے، انہوں نے کہا جی ہاں! سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسے پچھنے والا خون دیا تھا کہ گرا دے، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کی قسم وہ تو انہوں نے پی لیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں جائے تو آپ ﷺ نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[2]

کیسان مولیٰ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے اے بھتیجے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[3]

دارِ قطنی نے یہ زیادہ کیا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ ﷺ کا خون مبارک میں پھینک دوں تو نبی کریم ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تجھے آگ نہیں چھوئے گی۔[4]

رباح النوبی ابو محمد مولی آل زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو حجاج سے کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر اپنا خون میرے بیٹے کو دیا تو اس نے پی لیا، جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ ﷺ کا خون مبارک پھینک دوں تو نبی ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی اور مزید فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔

ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابو سلمہ نے کہا میں نے ابو عاصم سے یہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر قوت اسی خون کی وجہ سے تھی۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہا

---

[1] (جزء ابن الغطریف ج ۱ ص ۶۶)

[2] (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰)

[3] (تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج ۲۸ ص ۱۶۲)

[4] (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۸)

دو، کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے! جب وہ نبی کریم ﷺ سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا۔ جب واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگوں سے چھپا رہے گا! آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیوں پی لیا تم نے؟ تم لوگوں پر تعجب کرو گے اور لوگ تم پر تعجب کریں گے! ابوسلمہ نے کہا کہ یہ بات میں نے ابو عاصم سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوت اسی خون مبارک (پینے) کی وجہ سے تھی۔ اور بزار نے کہا کہ ہم سے محمد بن مثنیٰ اور ان سے موسیٰ بن اسماعیل نے بھی یہ بیان کیا ہے۔[1]

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ انہوں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ جب کہ آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ! اس خون کو لے جاؤ اور بہا دو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ نبی کریم ﷺ سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا جب واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا جو میں سب سے زیادہ خفیہ جگہ جانتا تھا اس میں ڈال دیا! آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خون کیوں پی لیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کرو گے، موسیٰ تبوزکی نے کہا کہ میں نے یہ بات ابو عاصم سے کہی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوت اسی خون کی وجہ سے۔ ابو یعلیٰ نے اسے اپنی (مسند) میں روایت کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ھنید پر کسی نے جرح کی ہو۔[2]

بیہقی نے ''دلائل'' میں ھنید بن قاسم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے سنا عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہا دو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ آپ ﷺ سے تھوڑا دور ہوئے تو انہوں نے ارادۃً اس خون کو پی لیا، جب واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا خون کے ساتھ؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسے خفیہ مکان میں ڈال دیا جو لوگوں سے چھپا ہوا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کرو گے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت اسی خون کی وجہ سے ہے۔ جز الغطریف کے آخر میں یہ زیاد ہے کہ ''تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم کھا کر پورا نہ کرنے میں۔''[3]

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً: المارودی فی أعلام النبوۃ۔[4]

---

[1] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱۱ ص ۸۵)

[2] (سیر أعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۶۶)

[3] (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ج ۲ ص ۱۲۷)

[4] (ج ۱/ص ۱۲۱)، القرطبی فی تفسیرہ۔ (ج ۲/ص ۹۳)، السیوطی فی جامع الأحادیث۔ (ج ۳۵/ص ۳۵۴ رقم ۳۸۳۲۵)، البوصیری فی اتحاف الخیرۃ المھرۃ المسانید العشرۃ۔ (ج ۷/ص ۳۶ رقم ۶۴۵۳)، التقی الھندی فی کنز العمال۔ (ج ۱۳/ص ۴۷۲ رقم ۳۷۲۳۴)، المناوی فی فیض القدیر۔ (ج ۵/ص ۲۵۲ رقم ۶۹۵۳)، الشامی فی سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ (ج ۱۰/ص ۴۰)، السیوطی فی الخصائص الکبری۔ (ج ۱/ ص ۱۱۸)، وکذا فی الشمائل الشریفۃ۔ (ج ۱/ص ۲۷۱)، الصفدی فی الوافی بالوفیات۔ (ج ۵/ص ۳۸۹)، ابن المنظور فی مختصر تاریخ دمشق۔ (ج ۱/ص ۱۶۸۴)، السیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ (ج ۱/ص ۸۷)، الذھبی فی تاریخ الاسلام للذھبی۔ (ج ۲/ص ۱۵۷)، الکتبی فی فوات الوفیات۔ (ج ۲/ ۱۷۲)، قاضی عیاض مختصرا فی الشفاء۔ (ج ۱/ص ۲۴۹)

دوسری حدیث : نبی کریم ﷺ کے غلام سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا یہ خون لے جا کر دفن کر دو تا کہ پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے چھپ جائے تو میں نے اسے پی لیا پھر میں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے عرض کی تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔ یہ احمد بن صالح کے الفاظ ہیں۔[1]

ابی فدیک نے کہا ہم سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے جاؤ اور جانوروں و پرندوں سے بچا کر دفنا دو، تو سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے چھپا دیا (اس طرح کہ) میں نے اسے پی لیا، پھر مجھے سے آپ ﷺ نے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں نے اسے پی لیا ہے، تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[2]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ یزید بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھے سے فرمایا یہ خون لے لو اور اسے جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفن کر دو تو میں اسے لے کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس خون اقدس کو پی لیا پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[3]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو۔ (ابن ابی فدیک کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس لفظ سے ابتدا کی تھی) سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپا کر پی لیا، پھر آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[4]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے کہا اس خون کو لے لو پھر اس کو پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے ہٹا کر دفن کر دو، تو میں نے چھپ کر اسے پی لیا، پھر مجھ سے آپ ﷺ نے پوچھا تو میں نے خبر دی کہ میں نے اسے پی لیا ہے تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[5]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ مجھ سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے لو اور جانوروں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو۔ سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں چلا گیا اور اسے چھپا دیا پھر واپس آیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے پی لیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[6]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر ان سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپا کر پی لیا پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے آپ ﷺ کو خبر دی، تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[7]

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۸۱)

[2] (سنن البیہقی الکبریٰ ج ۸ ص ۶۷، رقم ۱۳۱۸۶)

[3] (شعب الایمان للبیہقی ج ۱۴، ص ۳ رقم ۶۲۱۶)

[4] (امالی المحاملی ج ۲ ص ۳۰ رقم ۵۰۹)

[5] (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۸ ص ۳۶ رقم ۶۴۵۴)

[6] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱۱ ص ۸۶ رقم ۳۹۲۰)

[7] (تلخیص الحبیر، ج ۱ ص ۳۰)

سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا کہ یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، تو میں نے چھپ کر پی لیا، پھر اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1]

تیسری حدیث : سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک چوسا

ربیع بن عبد الرحمن بن آبی سعید اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے چہرے سے غزوہ احد میں خون نکلا، اسے پی لیا (چوس لیا) تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں میں نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس نے میرا خون اپنے خون کے ساتھ ملا لیا (اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے چہرے سے غزوہ احد کے دن خون نکلا، اسے پی لیا (چوس لیا) اور اسے نگل لیا تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہاں میں رسول اللہ ﷺ کا خون اِقدس پیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس نے میرے خون کے ساتھ اپنے خون کو ملا لیا (اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔[2]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو وہ آپ ﷺ کا خون مبارک لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا مگر کسی کو نہ پایا تو آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا۔ وہ غلام کہتا ہے پھر میں آپ ﷺ کے سامنے آیا تو نبی کریم ﷺ نے میرے چہرے کی طرف دیکھا تو فرمایا : تو برباد ہو! (بد دعا مراد نہیں ہے) خون کا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے دیوار کے پیچھے چھپا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہاں چھپا دیا؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے خون کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ میں آپ ﷺ کا خون اِقدس زمین پر بہا دوں، پس وہ میرے پیٹ میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تم نے اپنے آپ کو آگ سے بچا لیا۔[3]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے نبی کریم ﷺ کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو آپ ﷺ کے خون اقدس کو لے کر چلا گیا پھر واپس آیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا تیرے لئے بربادی ہو! (بد دعا مراد نہیں ہے) تو نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے خون کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ آپ ﷺ کا خون اقدس زمین پر بہا دوں پس وہ میرے پیٹ میں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو آگ سے بچا لیا۔[4]

چوتھی حدیث : برکت رضی اللہ عنہا (خادمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے نبی کریم ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا :

حکیمہ بنت امیمۃ اپنی والدہ امیمہ سے بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھتے تھے، آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو اسے طلب فرمایا مگر نہ پایا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ برتن کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ اسے برکہ (جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حبشی خادمہ تھی) نے پی لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک روکنے والی چیز سے آگ سے بچا لیا۔

---

[1] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۸ ص ۲۱۹، رقم ۱۴۰۱۱)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۸ ص ۲۱۹ رقم ۱۴۰۱۲)

[3] (العلل المتناھیۃ لابن جوزی ج ۱/ص ۱۸۶ رقم ۲۸۶)

[4] (الخصائص الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۷۶)

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت اُمیمہ نے اپنی والدہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرماتے، پھر اس کو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا۔ تو ایک خاتون جس کا نام برکت رضی اللہ عنہا تھا، نے اسے پی لیا، اسے نبی کریم ﷺ نے طلب فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ اسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پی لیا ہے تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اس نے کہا میں نے پی لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا۔[1]

ابن جریج نے کہا کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ نے اپنی والدہ امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے، ایک خاتون، جسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتے تھے، نے اسے پی لیا، جب نبی کریم ﷺ نے اس برتن کو طلب فرمایا تو اس کو نہ پایا، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پی لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً اس نے اپنے آپ کو آگ سے ایک رکاوٹ یا ڈھال کے ذریعے بچا لیا۔[2]

حکیمہ بنت امیمہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ نے بول (پیشاب) فرمایا اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیا پھر اٹھنے کے بعد اسے طلب فرمایا مگر اسے نہ پایا تو پوچھا برتن کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اسے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حبشی خادمہ برکت رضی اللہ عنہا نے پی لیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اس نے اپنے آپ کو ایک مضبوط ڈھال کے ذریعے آگ سے بچا لیا ہے۔[3]

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک لکڑی کا برتن تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرماتے، پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا اور برتن چارپائی کے نیچے رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ برتن لینے تشریف لائے جب اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس میں پیشاب نہیں تھا تو آپ ﷺ نے برکت رضی اللہ عنہا سے فرمایا اس برتن میں سے پیشاب کہاں گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے پی لیا، یارسول اللہ ﷺ۔[4]

پانچویں حدیث: ام اَیمن رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا

ام اَیمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے اور گھر کے کنارے پر ایک برتن کے پاس گئے اور اس میں بول (پیشاب) فرمایا، میں رات کو اٹھی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا۔ جب میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام اَیمن رضی اللہ عنہا جو کچھ اس برتن میں ہے اسے بہا دو۔ میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس کو پی لیا! ام اَیمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر فرمایا یقیناً اب تمہارا پیٹ کبھی درد نہ کرے گا۔[5]

ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک رات بیدار ہوئے اور گھر کے ایک کنارے کے پاس برتن میں جا کر بول (پیشاب)

---

[1] (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، ج ۹ ص ۲۳۲، رقم ۲۹۵۱)

[2] (معجم ابن المقری، ج ۱ ص ۱۳۰، رقم ۱۲۹)

[3] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۴)

[4] (سنن البیہقی، ج ۲ ص ۱۲۲) الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب۔ (ج ۲/ص ۷۹)، الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ۔ (ج ۳/ص ۴۴۹)، تاریخ دمشق۔ (ج ۶۹/ص ۵۱)، تہذیب الکمال للمزی۔ (ج ۳۵/ص ۱۵۶)، سیر أعلام النبلاء۔ (ج ۹/ص ۴۵۰)، أسد الغابۃ (ج ۱/ص ۱۳۱۷)

[5] (المعجم الکبیر ج ۲۵، ص ۸۹، رقم ۲۳۰)

فرمایا، میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے یہ معلوم نہ تھا، جب نبی کریم ﷺ صبح بیدار ہوئے تو فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! اسے میں نے پی لیا، راوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً اس کے بعد تمہارا پیٹ درد نہیں کرے گا۔ [1]

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے ایک کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) فرمایا پھر میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن میں سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی میں نے اسے پی لیا ہے، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ ﷺ مسکرا دیئے، حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقیناً اب کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہ ہوگا۔ [2]

ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رات گھر میں گزاری تو آپ ﷺ رات کو بیدار ہوئے اور ایک برتن میں بول (پیشاب) فرمایا، جب میں بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ برتن میں کیا ہے، میں نے اسے پی لیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو تو میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس میں جو تھا وہ میں نے پی لیا۔ تو نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً اب آپ کے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔ [3]

ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) مبارک فرمایا۔ میں جب رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہو اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس میں سے پی لیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقیناً تم ہمیشہ پیٹ کے درد سے محفوظ رہو گی۔ [4]

جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے اس کو پی لیا، پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اس دن کے بعد تیرا پیٹ کبھی شکایت نہیں کرے گا۔ [5]

اس باب میں مفسرین، محدیث اور فقہاء کرام کے اقوال

''نبی کریم ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا حرام ہے۔ اور قرطبی نے کہا کہ بعض علماء نے قبر نبی ﷺ کے پاس بھی آواز بلند کرنے کو مکروہ لکھا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کو سلام عرض کرے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، اور نبی کریم ﷺ کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے اگرچہ عملی طور پر ہو اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور آپ ﷺ کو حجرہ مبارکہ کے باہر سے آواز دینا حرام ہے، اور آپ ﷺ کو اسم مبارک سے ندا کرنا حرام ہے) جیسے کہ (یا محمدا) لیکن کنیت سے پکارنا حرام نہیں ہے جیسے یا ابا القاسم (ا) اور آپ ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنا حرام (ممنوع) ہے یہ بھی کہا گیا

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱۶ ص ۲۰۲ رقم ۷۰۱۳)

[2] (دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبہانی ج ۱ ص ۴۲۷ رقم ۳۵۵)

[3] (حلیۃ الاولیا لابی نعیم الاصبہانی ج ۲ ص ۶۷)

[4] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۵)

[5] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱۱ ص ۸۷ رقم ۳۹۲۱)

ہے کہ یہ آپ ﷺ کے زمانے مبارک تک خاص تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا نام محمد ہو اس کے لئے یہ کنیت رکھنا مکروہ ہے۔ اور آپ ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک، خون مبارک، اور فضلات طاہرہ سے برکت اور شفاء طلب کی جاتی تھی۔"[1]

"یہ باب نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک سے شفا حاصل کرنے کے بارے میں ہے :" پھر روایات مذکورہ کو ذکر کیا۔[2]

"اور نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ بات وضاحت کے ساتھ طہارت کے باب میں گزری ہے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک دوسرے لوگوں کے خون اور پیشاب کی تحریم کے خلاف ہے کیونکہ اس پر انکار نہیں کیا گیا۔"[3]

امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آدمی کے بالوں سے نفع اٹھانے کو جائز کہا ہے۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے : نبی کریم ﷺ نے جب اپنا سر مبارک منڈوایا تو اپنے بال مبارک اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیئے تو وہ ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔" اور اگر وہ ناپاک (نجس) ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہا ایسا نہ کرتے کیونکہ نجس (ناپاک) چیز سے برکت حاصل نہیں کی جاتی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ابو طیبہ رضی اللہ عنہا نے تبرک کی نیت سے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیا۔[4]

"اور نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔"[5]

"آپ ﷺ کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا : "تو (اب) تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہوگی۔"[6]

"نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک سے آواز بلند کرنا حرام ہے اور آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دینا بھی حرام ہے اور آپ ﷺ کے اسم مبارک اور کنیت مبارکہ پر نام اور کنیت رکھنا حرام ہے۔ اور نماز کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اگرچہ عمل کثیر سے ہی ہو، جیسا کہ اسنوی نے بحث کی ہے اور اس کو ان دونوں کا کلام شامل ہے، اور آپ ﷺ کے بول مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔"[7]

"اور جو چیز ہمارے جسم میں سے نجس ہے وہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ میں سے طاہر ہے۔ اور اس کا جواز کہ آپ ﷺ کے پیشاب مبارک اور خون مبارک سے شفاء حاصل کرنا اس حدیث کی بناء پر جسے دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پیشاب مبارک کو پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تیرے پیٹ میں آگ نہیں جائے گی۔[8]

---

[1] (تفسیر سراج المنیر ج ۱ ص ۳۴۰۵)

[2] (اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۷ ص ۳۶)

[3] (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج ۴ ص ۲۴۷)

[4] (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱۰ ص ۴۶۳)

[5] (روضۃ الطالبین وعمدۃ المتقین للنووی ج ۲ ص ۴۵۳، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ج ۲۰ ص ۱۵۳)

[6] (اسنی المطالب : ج ۱۴، ص ۲۴۷)

[7] (حاشیۃ الجمل ج ۱۶، ص ۲۳۲)

[8] (کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱۶ ص ۴۹۶) (فتح العزیز شرح الوجیز، ج ۱ ص ۲۸) (مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۱۴ ص ۴۱۶)

''باب نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک سے شفاء حاصل کرنا۔''[1]

''اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی حسین نے تصحیح کی ہے کہ آپ ﷺ کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ اسی طرح روضہ میں نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ہے۔ اور رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت اس طرح ہے'' اور آپ ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی''۔ سہیلی نے کہا آپ ﷺ کے خون اور بول (پیشاب) مبارک پینے میں فقہ یہ ہے کہ یہ دونوں (خون اور پیشاب) دوسروں کے خون و پیشاب سے حرمت میں مختلف ہیں اور اس پر انکار بھی نہیں کیا گیا۔''[2]

''یہ باب اس شخص پر انکار نہ کرنے کا ہے جس نے آپ ﷺ کا خون اور پیشاب مبارک (خوشبو مبارک) پیا۔''[3]

''باب : جو نبی ﷺ کے خون مبارک پینے میں بیان آیا ہے۔''[4]

''اور کیا ہم نبی کریم ﷺ کے فضلات پر نجس (ناپاک) ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں؟ تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ نہیں کیوں کہ ابو طیبہ (حاجم) نے آپ ﷺ کا خون پیا تو آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہوگی۔ اور اس پر انکار نہیں فرمایا اور آپ ﷺ کا خون مبارک پینا بھی مروی ہے۔''[5]

''اور طہارت کے قائلین ان دو مشہور اور معروف حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، کہ ابو طیبہ حاجم نے نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگائے اور آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا اور ایک عورت نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ عورت کے آپ ﷺ کے پیشاب مبارک پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اور یہ حجت کے لئے کافی ہے تمام فضلاتِ مبارکہ کی طہارت پر اور دلالت کی جگہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ ہی اسے واپس (الٹی کی صورت میں) نکالنے کا فرمایا۔''[6]

''وہ (نبی کریم) ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اسی افضلیت میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے خون اور پیشاب مبارک سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہوگی۔''[7]

''اور آپ ﷺ کے فضلاتِ مبارکہ پاک ہیں جیسا کہ بغوی وغیرہ نے جزم فرمایا ہے اور قاضی نے اس کی تصحیح کی ہے اور میرے شیخ نے اس پر فتویٰ دیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو شرح صغیر میں نجاست کی تحقیق میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ برکت حبشیہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے پیٹ میں آگ ہرگز نہیں داخل ہوگی۔ دار قطنی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ

---

[1] (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱)

[2] (غایۃ السول فی خصائص الرسول ﷺ ج ۱ ص ۷۰)

[3] (سنن البیہقی، ج ۲ ص ۱۲۱)

[4] (اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۷ ص ۳۶)

[5] (شرح ابو جمیز ج ۱ ص ۱۷۸)

[6] (المجموع ج ۱ ص ۲۳۴)

[7] (شرح البہجۃ الوردیۃ، ج ۱۴ ص ۱۴۸)

نبی کریم ﷺ کا خون پاک ہے کیونکہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا۔ اور اسی طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا جب کہ وہ لڑکے تھے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی حجامت کا خون مبارک دیا کہ اسے دفن کر دے تو انہوں نے اسے پی لیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جس نے اپنے خون سے میرے خون کو ملا دیا تو اسے آگ نہیں چھوئے گی۔[1]

''اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو اپنے آثار (منسوب شدہ اشیاء) سے برکت حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس میں بعض روایات یہ ہیں: اصحاب السیر صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کے اردگرد جمع ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قسم بخدا! نبی کریم ﷺ نے تھوک مبارک نہ پھینکا مگر یہ کہ وہ کسی صحابی کے ہاتھ پر ہوتا تھا تو وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا اور جب آپ ﷺ کسی چیز کا حکم فرماتے تو وہ تیزی سے اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو ایسا لگتا کہ وہ آپس میں آپ ﷺ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے لڑ پڑیں گے۔

بہت سی روایات آئی ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی حجامت کا خون مبارک پیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا۔ المواہب اللدنیہ للعسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱ ص ۲۸۵ پر ہے کہ یہ احادیث مبارکہ آپ ﷺ کے پیشاب مبارک اور خون مبارک کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح المہذب میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے خون اور پیشاب مبارک کی طہارت کے قائلین نے ان دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے کہ ابوطیبہ حجام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے اور آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اور ایک عورت نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ ابوطیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نبی کریم ﷺ (جب مکہ کی وادی بطحا میں تھے) کے دستِ انور کو پکڑتے پھر اپنے ہاتھوں کو (تبرکاً) اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔ راوی ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کا دستِ انور پکڑ کر اپنے چہرے پر لگایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[2]

''اور پوچھا گیا کہ جو شخص پانی پی کر اسے کسی شخص کا یہ کہنا کہ صحت یا اسی طرح کے دعائیہ کلمات کے بارے میں کہ اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا ممکن (درست) ہے کہ کہا جائے کہ اس کی اصل ہے اور دلیل نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے لی جائے گی جو آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انہوں نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا تھا، صحۃً ''اے ام ایمن تیرے پیٹ میں آگ ہرگز نہیں داخل ہوگی۔'' اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر آئمہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فضلاتِ مبارک پاک ہیں۔ اور بے شک آپ ﷺ کے پیشاب میں ہر قسم کی شفا ہے۔ پس جب اس کے پینے والے کو یہ (یعنی صحۃ) کہہ سکتے ہیں تو پھر پانی پینے والے کو یہ کہنا بدعت پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔''[3]

''اس کا ارادہ نبی کریم ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرنا تھا گویا کہ غافل ہوگئی اپنے روزے تبرک کے ارادے میں زیادتی کی وجہ سے جیسا کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگائے تو آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیرے جسم کو اللہ تعالیٰ

---

[1] (مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، ج ۱ ص ۷۴، حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ج ۳ ص ۱۱۲، الاقناع فی حل الالفاظ ابی شجاع ج ۱ ص ۱۳۰، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، ج ۷ ص ۴۲۳)

[2] (فتاوی الأزہر۔ ج ۱ ص ۳۴۴)

[3] (الفتاوی الفقہیہ الکبریٰ ج ۸ ص ۴۰۹، فتاوی ابن حجر الہیتمی، ج ۸ ص ۳۴۱)

نے آگ پر حرام کر دیا۔اور خون کا پینا اس کو واجب نہیں کرتا مگر محبت کی زیادتی کو جس سے حرمت سے غافل ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی تکریم فرمائی جیسا کہ ذکر ہوا۔[1]

ام عبدالرحمن بنت اَبی سعید رضی اللہ عنہا اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ (غزوہ احد کے دن) نبی کریم ﷺ کو چہرے پر زخم لگا تو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے آ کر چہرہ مبارک سے خون چوس لیا اور اسے نگل لیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اس شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اپنے خون میں میرا خون ملا لیا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔(الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ج ۵ ص ۵۳۸ رقم ۷۶۵۱)

عرقِ رسول اللہ ﷺ کو تبرکاً کفن میں لگانے کی وصیت

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک شیشی میں حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک پسینہ اور چند موئے مبارک محفوظ تھے۔حضرت انس نے اپنے کفن میں اس عرقِ رسول ﷺ کو بطورِ خوشبو لگانے کی وصیت کی۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :**فلما حضر انس بن مالک الا لوفاة او صی الی ان یجعل فی حنوطه من ذلک السک، قال : فجعل فی حنوطه۔**

''جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط میں اس خوشبو کو ملایا جائے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے حنوط میں وہ خوشبو ملائی گئی۔''[2]

حنوط : وہ خوشبو جو کافور اور صندل ملا کر میت اور کفن کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

حضرت حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :**توفی أنس بن مالک فجعل فی حنوطه سکة أو سک و مسکة فیها من عرق رسول اللہ ﷺ۔**

''جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ان کے حنوط میں ایسی خوشبو ملائی گئی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو تھی۔'' [3]

قربِ رسول ﷺ میں تبرکاً دفن ہونے کی خواہش

امام بیضاوی کہتے ہیں کہ کسی شخص کا صالحین کے قبروں کے ساتھ تبرک کی خاطر اپنی قبر بنانا جائز ہے۔علامہ شوکانی نے اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے قول کو اپنی کتاب نیل الأوطال میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے :**واستنبط البیضاوی من علة التعظیم جواز اتّخاذ القبور فی جوار الصلحاء لقصد التبرک دون التعظیم ورد بأن قصد التبرک تعظیم۔** یعنی''امام بیضاوی نے علت تعظیم سے استنباط کرتے ہوئے صلحاء کے قرب میں تبرکاً قبر بنانا جائز قرار دیا ہے نہ کہ تعظیماً۔اور انہوں نے اس بات کو رد کیا ہے کہ تبرک بھی تعظیم (عبادت) ہے۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہا نہیں قربِ مصطفی ﷺ میں دفن ہونا نصیب ہو، تاکہ عالم برزخ میں بھی قرب و وصال محبوب کے لمحات سے ان کی روحوں کو تسکین ملے۔ یارِ غار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس نیک خواہش کے بارے میں مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں :**لما حضرت أبا بکر الوفاة أقعدنی عند رأسه و قال لی :یا علی! اذا أنا مت فاغسلنی بالکف الذی غسلت به رسول اللہ و حنطونی و اذهبوا بی الی البیت**

---

[1] (المبسوط، ج ۴ ص ۳۹)

[2] (بخاری، کتاب الاستذان، باب من زار قوماً فقال عندہم، ۲۳۱۶ :۵، رقم ۵۹۲۵)

[3] (طبرانی المعجم الکبیر، ۲۴۹:۱، رقم ۷۱۵، بیہقی، السنن الکبریٰ ۴۰۶:۳، رقم ۶۵۰۰، ہیثمی مجمع الزوائد ۲۱:۳، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں)

[4] (شوکانی، نیل الأوطار، ۱۴۰:۲)

الذی فیه رسول الله فاستأذنوا فان رأیتم الباب قد یفتح فادخلوا بی والا فردونی الی مقابر المسلمین حتی یحکم الله بین عباده۔ قال :فغسل وکفن وکنت أول من یأذن الی الباب فقلت :یارسول الله! هذا أبو بکر مستأذن، فرأیت الباب قد یفتح، وسمعت قائلا یقول :أدخلوا الحبیب الی الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق۔[1]

ترجمہ :''جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا :اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس سے تم نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس لے جانا، اگر تم دیکھو کو دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ واپس لا کر عامۃ المسلمین کے قبرستان میں دفن کر دینا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضۂ رسول ﷺ کے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی۔ میں نے عرض کیا :یارسول اللہ! ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے داخلہ کی اجازت مانگ رہے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ روضۂ اقدس کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی۔ حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں داخل کر دو بے شک حبیب ملاقاتِ حبیب کے لئے مشتاق ہے۔''

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنے آقائے کریم حضور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے بہت ہی زیادہ خواہاں تھے۔ جب قاتلانہ حملے کے نتیجے میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا اگرچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود یہ خواہش رکھتی تھیں اور انہوں نے فرمایا ہوا تھا کہ وہ اس جگہ کو اپنی تدفین کے لئے پسند کرتی ہیں، مگر وہ فرمانے لگیں کہ اب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری سنائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :ما کان شیئ اهمّ الیّ من ذالک المضجع فاذا قبضت فاحملونی ثم سلّموا، ثمّ قالو :یستأذن عمر بن الخطاب فان أذنت لی فادفنونی والا فردّونی الی مقابر المسلمین۔[2]

''میرے نزدیک اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے اٹھا کر (اس جگہ پر) لے جانا، سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) اجازت چاہتا ہے اگر وہ (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) اجازت دے دیں تو دفن کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔''

یہ روایت حاکم نے ''المستدرک (۳:۹۹، رقم ۴۵۱۹) میں، ابن ابی شیبہ نے المصنف (۷:۴۴۰، رقم ۳۷۰۷۴) میں، اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۳:۳۶۳) میں بھی رواۃ اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کی توجیہ صرف یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے قریب دفن ہونا باعث برکت سمجھتے تھے۔

حضرت محمد بن عمران انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

قَالَ :عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَنَا نَازِلٌ، تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ :مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ؟ فَقُلْتُ :أَنْزَلَنِي ظِلُّهَا قَالَ عَبْدُ اللهِ :فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًى، وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِنَّ هُنَاكَ وَادِيًا

---

[1] (حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۳:۴۹۳)

[2] (بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز باب :ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر رض وعمر رض، ۱:۴۶۹، رقم ۱۳۲۸ :)

يُقَالُ لَهُ السُّرَبَةُ- وَفِي حَدِيثِ الْحَارِثِ، يُقَالُ لَهُ :السُّرَرُ -بِهِ سَرْحَةٌ سَرَّ تَحْتَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا۔[1]

''میں مکۃ المکرمہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہر گیا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس موقع پر مجھے سے مخاطب ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اس کے سایہ کی وجہ سے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :جب آپ منیٰ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا تو وہاں دو پہاڑوں کے درمیان وادی ہے جس کو سربہ یا سرد کہتے ہیں، وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیاء علیہم السلام کی ناف کاٹی گئی۔(یعنی وہاں ان کی ولادت باسعادت ہوئی)۔''

اس حدیث کے تحت ابن عبدالبر نے شرح مؤطا التمہید میں لکھا ہے :وفی هذا الحديث دليل على التبرك بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقامهم ومساكنهم۔ یعنی''اس حدیث میں انبیاء اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔''[2]

اسی طرح شرح شارح مؤطا محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے :وفيه التبرّك بمواضع النبيّين يعنى ''پس اس حدیث میں انبیاء کی قیام گاہوں سے تبرک کا ثبوت بھی ہے۔''[3]

امام سیوطی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے :[4]

''اس سے مراد یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے انبیاء کی ولادتِ مبارکہ ہوئی پس انہوں نے اس درخت کی برکت کو بیان کیا۔''

حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں :رأيت سالم بن عبدالله يتحرّى اماكن من الطريق فيصلى فيها ويحدث أن أباه كان يصلى فيها وأنّه رأى النبى ﷺ يصلّى فى تلك الأمكنة۔[5]

''میں نے حضرت سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد گرامی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان مقامات میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔''

اس روایت میں اماکن مقدسہ سے تبرک کا ثبوت ہے۔شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :ومحصل ذلك أن ابن عمر كان يتبرّك بتلك الأماكن۔ ''اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان اماکن مقدسہ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔''[6]

قبر میں تبرکات رکھنا

بے شک میت کے ساتھ کفن یا قبر میں بال مبارک یا ناخن وغیرہ آثار طیبہ آنحضرت ﷺ کے رکھنے تبرکاً درست ہے۔ چنانچہ عمدۃ

---

[1] (نسائی، السنن، کتاب مناسب الحج، باب: ماذکر فی منی، ۵:۲۴۸، رقم ۲۹۹۵)

[2] (ابن عبدالبر، التمہید، ۱۳:۶۶)

[3] (زرقانی، شرح الزرقانی، ۲:۵۳۰)

[4] (سیوطی، شرح السیوطی ۵:۲۴۹)

[5] (بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب :المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیہا النبی ﷺ ۱:۱۸۳، رقم ۴۶۹:)

[6] (ابن حجر عسقلان، فتح الباری ۱:۵۶۹)

القاری شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۳۳ پر اس طور مذکور ہے کہ عمرو بن عبد العزیز :"اوصیٰ ان یدفن معه شیء کان عنده من شعر رسول الله ﷺ و اظفاره و قال اذا مت فاجعلوه فی کفنی فعلوه ذلک۔"

اور تحفہ رسولیہ صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ جس میت کے ساتھ نعلین مبارک آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے ہوں یا نقشہ نعلین مبارک کا ہوگا، جس گر میں یا جس کے پاس ہوگا وہ ہر ایک آفات سے محفوظ رہے گا۔ اور عذاب دوزخ سے نجات پائے گا۔ اور اس پر فرشتے منکر نکیر وقت حساب آسانی کریں گے۔[۱]

ہاتھ اور پاؤں کے چومنے سے تبرک

حضر صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیه۔

"میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔"[۲]

صاحب الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری شریف کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا : دعنی حتی أقبل رجلیک، یا أستاذ الأستاذین و سید المحدّثین و طبیب الحدیث فی علله۔ "اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔"[۳]

عظیم نقاد محدّث امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ جب ابو مسہر عبد الاعلیٰ دمشقی غسانی (متوفی ۲۱۸ھ) مسجد میں تشریف لاتے تو : اصطفّ النّاس یسلّمون علیه و یقبلون یده۔ "لوگ صف در صف ان کو سلام کرتے اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے۔"[۴]

علامہ ابن جوزی اور امام ذہبی، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۴۷۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں : کان اذا خرج الی الحرم، یخلون المطاف و یقبّلون یده أکثر من تقبیل الحجر۔ "جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجرِ اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔"[۵]

حافظ ابن کثیر فقیہ زاہد ابو جعفر شریف حنبلی کے بارے میں درج کرتے ہیں : یدخل علیه الف فقهاء و غیرهم، و یقبلون یده و رأسه۔ "فقہاء اور دیگر افراد ان کے پاس آتے تھے تو (برکت کی غرض سے) ان کے ہاتھ اور سر کا بوسہ لیتے۔"[۶]

(۳۳) ﴿باب نمبر تینتیس انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام، اولیاء رحمہم اللہ اور آباء کی قبور کو تبرکاً بوسہ دینے کا ثبوت﴾

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ قبور کی دو قسمیں ہیں ایک عام مسلمانوں کی قبور جن کی شریعت و طریقت سے کوئی نسبت نہیں، دوم وہ قبور جو مسلمان والدین، مشائخ، علماء، سادات کی ہیں تو پہلی قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو فقہاء نے مکروہ، اور دوسری قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو مستحسن، مستحب اور جائز قرار دیا ہے۔

---

[۱] (بحوالہ انوارِ شریعت، ص ۱۰۶-۱۰۵)

[۲] (بخاری، الادب المفرد، ۱:۳۳۹، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۶) (کنز العمال، ۱۳:۳۷۳۲۹) (فتاویٰ حقانیہ، ج ۲ ص ۴۵۳)

[۳] (ابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ۱:۳۳)

[۴] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۱:۷۳)

[۵] (ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، ۲:۲۶۶، رقم ۲۲۴) (ذہبی، تذکرۃ الحافظ، ۳:۱۱۷۵، رقم ۱۰۲۶)

[۶] (ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۲ ص ۱۱۹)

نور الصراط فی اثبات جواز الحیل و دور الاسقاط (مصنفہ شیخ القرآن و الحدیث مفتی نور الدین نور اللہ مرقدہ) کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے : بوسہ دادن قبر والدین را جسمی داشباہی باشد یا روحی مثل اساتذہ ومشائخ علامہ علی القاری در مرقات شرح مشکوٰۃ تحت حدیث مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِیْنَۃِ فَاَقْبَلَ عَلَیْھِمْ آورده که وَ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَائِ لَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ الْوَالِدَیْنِ انتھی و در طوالع الانوار شرح در المختار آورده که وَالتَّقْبِیْلُ لِغَیْرِ الْمُصْحَفِ کَقُبُوْرِ الْاَنْبِیَائِ وَمَنْ یُّتَبَرَّکُ بِھِمْ فَلِلْعُلَمَائِ فِیْہِ کَلَام'' کَرِھَہٗ بَعْضُھُمْ وَاسْتَحْسَنَہٗ بَعْضُھُمْ حَتّٰی اَنَّ الشَّافِعِیَّ رَحْمَۃُاللّٰہِ عَلَیْہِ اَبَاحَہٗ مُطْلَقًا اِذَا کَانَ لِلتَّبَرُّکِ. و آورده۔ وَاعْتَمَدَہٗ جَمَاعَۃ'' مِنْھُمْ الحافظ العینی الحنفی الشارح للبخاری و المقری المالکی صاحب فتح المتعال و السعنھوری الشافعی وَلَا مُنَافَاتَ بَیْنَ الْکَرَاھَۃِ وَالْاِسْتِحْسَانِ بِاَنَّہٗ مُقَیَّد'' بِنِیَّۃِ التَّبَرُّکِ وَالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَالْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی وَنِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْر'' مِّنْ عَمَلِہٖ قال السعنھوری نقل الطیب التاثری من المحب الطبری یَجُوْزُ تَقْبِیْلُ الْقَبْرِ وَمَسُّہٗ، قال و علیہ عامۃ الصالحین انتھی و فی مطالب المؤمنین وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ وَالِدَیْہِ لما فی کفایۃ الشعبی اَنَّ رَجُلاً جَائَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ حَلَفْتُ اَنْ اُقَبِّلَ عَتَبَۃَ بَابِ الْجَنَّۃِ وَالْحُوْرَ الْعِیْنِ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُّقَبِّلَ رِجْلَ الْاُمِّ وَجَبْھَۃَ الْاَبِ وَیُرْوٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لِیْ اَبَوَانِ فَقَالَ قَبِّلْ قَبْرَھُمَا قَالَ فَاِنْ لَّمْ اَعْرِفْ قَبْرَھُمَا قَالَ خُطَّ خَطِّیْنِ وَانْوِ بِاَنَّ اَحَدَھُمَا قَبْرُ الْاُمِّ وَالْاٰخَرُ قَبْرُ الْاَبِ فَقَبِّلْھُمَا فَلَا تَحْنَثُ فِیْ یَمِیْنِکَ کذا فی مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور۔

ترجمہ: والدین خواہ جسمی ہوں یعنی جن سے پیدا ہو، یا علم ظاہر کے والدین یا طریقت کے والدین یعنی اساتذہ ومشائخ کی قبور کو بوسہ دینا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث ''آپ ﷺ مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے'' کے تحت فرمایا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین کی قبور کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ طوالع الانوار شرح الدر المختار میں ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ انبیاء اور دیگر متبرک قبور کو بوسہ دینے میں علماء کی کئی رائے ہیں بعض نے مکروہ اور بعض نے اچھا قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبرک کے لئے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر علماء کی ایک جماعت نے اعتماد فرمایا جن میں حافظ عینی حنفی شارح بخاری اور مقری مالکی مصنف فتح المتعال اور سعنھوری شافعی بھی ہیں۔ کراہت اور جواز کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قبر کو بوسہ دینا نیت پر منحصر ہے اور تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ سعنھوری نے کہا کہ طیب التاثری نے محب طبری سے نقل کیا ہے کہ قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور یہ عام صلحاء کا طریقہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے جیسا کہ کفایۃ الشعبی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنت کی چوکھٹ اور حور کو بوسہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور والد کے ماتھے کو بوسہ دو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میرے والدین نہ ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ کہا اگر میں ان کی قبریں نہیں جانتا تو؟ فرمایا دو لکیریں کھینچ کر یہ نیت کرو کہ یہ ایک میری ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی اور ان کو بوسہ دو تو حانث نہ ہوگا۔ جیسا کہ مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور میں ہے۔''

صدر الافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبد الحی صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔[1]

---

[1] (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۴۱۲ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے۔ واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک..فھو حسن محمود ''مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔''[1]

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضور ﷺ کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا: واذرأی قبور الصالحین قبلھا۔

ترجمہ: جب بزرگوں کے مزارات دیکھتے تو انہیں چومتے۔[3]

شرح الالیاس جلد ثالث صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے قولہ وکرہ تقبیل فم الرجل الخ قال الفقیہ ابو اللیث القبلۃ علی خمسۃ اوجہ قبلۃ تحیۃ وھی قبلۃ علی الید و قبلۃ رحمۃ وھی قبلۃ الابوین للولد علی الخد و قبلۃ شفقۃ وھی قبلۃ الولد للابوین وفی الحدیث الجنۃ تحت اقدام امھاتکم روی ان رجلا جاء الی النبی ﷺ وقال انا حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ و حور العین فامر النبی ﷺ ان تقبل رجل الام و جبھۃ الاب او یروی انہ قال یا رسول اللہ ﷺ لیس لی ابو ان فقال قبل قبرھما ثم قال لم اعرف قبرھما قال خط خطین و انوِ احدھما قبر الاب و الاٰخر قبر الام و قبلۃ المودۃ وھی قبلۃ الاخ للاخ و الاخت علی الجبھۃ و قبلۃ الشھوۃ وھی قبلۃ الرجل للزوجۃ، ابو المکارم۔

فتاویٰ عالمگیری (الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور و قرأۃ القرآن فی المقابر) میں ہے: ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ۔[4]

وکیل الاحناف ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، الفصل الثانی، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں: لا بأس بتقبیل قبر والدیہ۔

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، صاحب قمر الاقمار شرح نور الانوار، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ﷺ میں لکھا ہے: والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ مجمع البرکات میں بھی ہدایہ کی شرح ''عینی'' سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ ''مطالب المؤمنین'' میں ہے کہ اپنے والدین کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی وجہ ''کفایۃ الشعبی'' میں منقول یہ روایت ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حسین آنکھوں والی حور کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ کے پاؤں اور اپنے والد کی پیشانی کا بوسہ لے لے۔ اور مروی ہے کہ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اگر میرے والدین موجود نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: ان کی قبر کا بوسہ لے لو۔ اس نے کہا اگر ان کی قبر کی شناخت مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دو لکیریں کھینچ لو اور نیت کر لو کہ ان میں سے ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی قبر، اور پھر چوم لو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ (مغفرۃ الذنوب فی زیارۃ القبور)۔

شفا شریف جلد ۲، صفحہ ۷۰ میں ہے: کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَضَعُ یَدَہٗ عَلَی الْمِنْبَرِ الَّذِیْ یَجْلِسُ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی الْخُطْبَۃِ ثُمَّ یَضَعُھَا عَلٰی وَجْھِہٖ اِسْتَنْبَطَ بَعْضُھُمْ مِنْ مَشْرُوْعِیَّۃِ تَقْبِیْلِ الْاَرْکَانِ جَوَازَ تَقْبِیْلِ کُلِّ مَنْ یَسْتَحِقُّ الْعَظْمَۃَ مِنْ اٰدَمِیٍّ وَغَیْرِہٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِیْلِ مِنْبَرِ النَّبِیِّ ﷺ وَتَقْبِیْلِ قَبْرِہٖ قَالَ فَلَمْ یَرَ بِہٖ بَاْسًا وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ اَبِی الصَّنْفِ الْیَمَانِیِّ اَحَدُ عُلَمَائِ مَکَّۃَ مِنَ الشَّافِعِیَّۃِ جَوَازُ تَقْبِیْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَائِ الْحَدِیْثِ وَقُبُوْرِ الصَّلِحِیْنَ ملخصاً۔

ترجمہ: جس منبر پر حضور ﷺ خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری

---

[1] (ص ۲۴۱ جلد ۹، مطبوعہ بیروت لبنان)

[2] (خلاصہ الوفاء مجوب مدینہ ص ۴۶)

[3] (مزارات کو چومنا ص ۷-۸، مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی، بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق ص ۶۷۵، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی)

[4] (فتاویٰ عالمگیری، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱)

لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔امام احمد ابن حنبل سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے : قرآن کریم، حدیث کے اوراق اور بزرگان دین کی قبروں کو چومنا جائز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **استنبط بعض العارفین من تقبیل الحجر الاسود تقبیل قبور الصّلحین۔** یعنی حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے، نہ حرام ہے، نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے اور اس کے بارے میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں: امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں : **حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ قَالَ ثُمَّ اَقْبَلَ مَرْوَانُ یَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْھَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا ھُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَھْلُهٗ وَلٰکِنْ اُبْکُوْا عَلَیْهِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَھْلِهٖ۔**

''حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی کو قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا متولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا متولی نااہل ہو۔''[1]

امام محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں : **فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْھَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَاَخَذَ بِرَقَبَتِهٖ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا ھُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَھْلُهٗ وَلٰکِنْ اُبْکُوْا عَلَیْهِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَھْلِهٖ۔ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔** ''تو اس نے ایک آدمی کو (حضور اکرم ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نااہل ہو۔''[2]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں:

فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْھَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا ھُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ۔

ترجمہ : تو اس نے ایک آدمی کو (حضور ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر

---

[1] (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر) (تاریخ مدینۃ دمشق ج ۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج ۵ ص ۴۱۸ رقم الحدیث ۸۷۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، (طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۹۳۶۶ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ مصر)

کے پاس نہیں۔[1]

امام سید نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن۔[2]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **قال عبداللہ بن احمد رأیت ابی یاخذ شعرۃً من شعر النبی ﷺ فیضعھا علی فیہ یقبلھا واحسب انی رایتہ یضعھا علی عینہ ویغمسھا فی الماء ویشربہ یستشفی بہ ورایتہ اخذ قصعۃ النبی ﷺ فغسلھا فی جب الماء ثم شرب فیھا ورایتہ یشرب من ماء زمزم یستشفی بہ ویمسح بہ یدیہ ووجھہ۔ قلت این المتنطع المنکر علی احمد وقد ثبت ان عبداللہ سال اباہ عمن یمس رمانۃ منبر النبی ﷺ ویمس الحجرۃ النبویۃ فقال لا اری بذلک باسا اعاذنا اللہ وایاکم من رای الخوارج ومن البدع۔** ''امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک سے ایک مو (بال) لے کر اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک اپنی انکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لئے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے ابا جان کو دیکھا کہ آپ نے آقائے دوعالم ﷺ کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لئے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے کلام کو منع کرنے والا ہے؟ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی ﷺ کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتیوں سے۔ (آمین)۔[3]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **ان بلالاً رأی النبی ﷺ فی منامہ وھو یقول ماھذہ الجفوہ یا بلال اما آن لک ان تزورنی فانتبہ حزینا ورکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسین فجعل یضمھما ویقبلھما۔۔۔**

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ پس جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا اور دونوں کو بوسہ دیا۔[4]

امام سید نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ** ''حضور ﷺ کی

---

[1] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اھلھا ج ۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

[3] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موسۃ الرسالۃ بیروت)

[4] (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) (شفاء السقام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔"[1]

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں : حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔[2]

امام بدر الدین عینی رحمہ اللہ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں : محب طبری رحمہ اللہ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں محمد بن ابی صیف رحمہ اللہ سے کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔[3]

[4] میں لکھا ہے : قبروں پر قبہ بنانا، پھول چڑھانا، بوسہ لینا اور غلاف قبر پر ڈالنا یہ سب جائز ہے۔ چنانچہ سنن ابن داؤد میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

"قال دخلت علیٰ عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ و صاحبیه فکشف لی ثلثة قبور --- الحدیث"۔

یعنی قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علی صاحبہ التحیۃ والصلوۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولئے ہمارے سردار سید الابرار ﷺ کے مزار اقدس کو اور آپ ﷺ کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ (یعنی غلاف) پڑا ہوا تھا۔ ان کو اٹھایا اور طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے : **"وتقبیل بغیر المصحف کقبور الانبیاء و من یتبرک بهم فللعلماء فیه کلام کرهه بعضهم و استحسنه بعضهم حتی ان الشافعی اباحه مطلقاً"**

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھا ہے : **"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه و قال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین"**

نہایہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی کیونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی۔ فقط اصل الالفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

علماء دیوبند کا معتبر شیخ الحدیث علامۃ العصر مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری میں حجر اسود کے بارے میں لکھتا ہے: **ان تقبیله**

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

[2] (الجوہر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو، ص ۱۰۴)

[3] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

[4] مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت جلد اول صفحہ ۲۲۹ (از افادات حضرت علامہ و مولانا امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد)

ثابت شرعاً، فلیکن أصلا لتقبیل تبرکات الصالحین،وقبل عمر بن عبد العزیز المصحف، وأباح أحمد تقبیل الروضة المطهرة، وتحیر منه الحافظ ابن تیمیة، فانه لا یجوز عنده۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے صالحین کی تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے۔حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مصحف کو بوسہ دیا۔ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضہ مطہرہ کو بوسہ دینے کو جائز کہا۔حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ اس کے نزدیک جائز نہیں[1]۔

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۲۱ھ) لکھتے ہیں :**ان قصد بتقبیل اضر حتھم ای واعتابھم التبرک لم یکرہ۔**

''اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔''[2]

علامہ عبد الحمید شروانی شافعی (م ۱۳۰۱ھ) لکھتے ہیں :**ان قصد بتقبیل اضر حتھم التبرک لم یکرہ**۔''اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔''[3]

مشارق الانوار میں ہے:**و لا یقبل الاعتاب الا لقصد التبرک فلا بأس بہ کما قال القطب الشعرانی۔** ''اور چوکھٹوں کو نہ چوما جائے مگر برکت کے حصول کے ارادہ سے۔ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔''[4]

حضرت عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرماتے ہیں:

و اما تقبیل توابیت الاولیاء و اعتابھم فلا خلاف فی جوازہ بل و لا کراھة فی تقبیل اعتابھم علی قصد التبرک کما افتیٰ بہ شیخنا الرملی۔(الیٰ اخرہ) قالہ الشیخ الامام العلامة محمد الشوبری المصری الشافعی ثم الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کتابہ جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیة الاخیار ثم شواھد الحق۔

''رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور انکی چوکھٹوں کو بوسہ دینا،تو اس کے جواز میں اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ بطورِ تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے، جیسے کہ شیخ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتویٰ دیا ہے،علامہ شوبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں، یہ امر بالکل واضح وظاہر ہے اور محتاجِ دلیل نہیں ہے۔''[5]

کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہوسکتی ہے یا منکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحثہ شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔[6]

زاد الفقیہ میں صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے :**و لا بأس بتقبیل قبر والدیہ، کذا فی الغرائب۔** یعنی کوئی حرج نہیں کہ والدین کی قبر کو چوما جائے۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:**و نقل عن ابی الصیف و المحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین و عن اسمٰعیل الیمنی قال کان ابن المنکدر یصیبہ الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبر النبی ﷺ فعوتب فی ذٰلک فقال انہ یستشفی بقبر النبی ﷺ۔** علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر ہو جاتے تو آ کر نبی کریم ﷺ کے

---

[1] (فیض الباری، ج ۳ ص ۹۶، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

[2] (حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب ج ۱ ص ۴۹۶-۴۹۵ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

[3] (حواشی الشروانی علی تحفت المنہاج بشرح المنہاج، ج ۳، ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (مشارق الانوار ص ۱۰۴، مطبوعہ مصر، شواھد الحق ص ۹۶، المقاصد السنیۃ ص ۴۴۴)

[5] (ص ۹۶)

[6] (مقاصد السنیۃ ص ۴۳۷)

مزار اقدس پر اپنا رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا ﷺ کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ مخالف جس نیک کام کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نیک کام اور زیادہ اہتمام سے ہونے لگتا ہے۔ مخالفین نے مزارات کو جانا شرک اور اولیاء وانبیاء کی قبور کو چومنا حرام کہا ہے، لہٰذا عاشقانِ رسول ﷺ نے مزارات پر جانے اور قبور کو تبرکاً چومنے کا خوب اہتمام کیا۔ ویسے بھی فقہاء کرام نے قاعدہ وضع کیا ہے کہ جس نیک کام کی کوئی مخالفت کرے تو اس کام کو خوب اہتمام سے کیا جائے اور منکرین کو جلایا جائے۔ مثلاً جس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود ہوں، ادھر گائے کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے ہندو کو جلانے کے لئے۔ اور جیسا کہ فتاوی درمختار کتاب الطھارۃ میں ہے : والتوضی من الحوض افضل من النھر رغما للمعتزلہ۔ ''اور نہر کی بنسبت حوض سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے گمراہ فرقہ معتزلہ کو جلانے کے طور پر۔''[1]

اس قول کی وضاحت فتاوی شامی میں اس طرح ہے : أی لأن المعتزلۃ لا یجیزونہ من الحیاض فنرغمھم بالوضوء منھا۔

ترجمہ : چونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کرنا جائز نہیں جانتے تو ہم انہیں حوضوں سے وضو کر کے جلائیں گے۔[2]

فتاوی بزازیہ للکر دری میں ہے : والتوضی من الحوض افضل من التوضی بالجاری رغما للمعتزلۃ۔

ترجمہ اور حوض سے وضو کرنا جاری پانی سے وضو کرنے کی نسبت افضل ہے معتزلہ فرقہ کو جلانے کے طریقہ پر۔[3]

معلوم ہوا کہ جن شرعی امور سے بدمذھب خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ جبریہ منع کریں ان امور کو زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہمارا رسالہ تحفۃ الابرار فی تقبیل المزار کو رجوع کرے، ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

(۳۴) ﴿باب نمبر چونتیس انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی قبور کے گرد تبرکاً گھومنے کا ثبوت﴾

طواف کرنا بہ نیت تقرب وتعبد، یہ خاصہ ہے بیت اللہ شریف کا۔ مذکورہ نیت کے بغیر کسی اور چیز کا طواف کرنا یا اس کے ارد گرد گھومنا جائز ہے۔ اگر نیت تقرب اور تعبد (یعنی عبادت کرنے) کی نہ ہو بلکہ معائنہ کرنا مقصود ہو، یا اس سے برکت حاصل کرنا یا اس میں برکت ڈالنا مقصود ہو تو پھر جائز ہے اور شرع میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے : انما الاعمال بالنیات۔[4]

ایک اور حدیث شریف میں ہے : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

طاف حول اعظمھا بیدر أثلث مرات۔[5]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کھجوروں کے بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین چکر لگائے۔ اسی روایت کو بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۳۹۰ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] (فتاوی درمختار ج ۱ ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

[2] (فتاوی درمختار ج ۱ ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

[3] (الفتاوی البزازیہ ج ۱، بہامش من الفتاوی الھندیۃ الجزء الرابع ص ۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

[4] (بخاری، ج ۱ ص ۱۰۴)

[5] (مشکوۃ ص ۵۳۷)

فجعل الناس یطوفون به ویتعجبون له اه۔[1] فجعل یطوف بالجمل اه۔[2] فطاف بالنخل ودعا بثمرها اه۔[3] حدیث (طاف حول اعظمها۔۔۔الخ)[4]

الفتاویٰ الحنفیۃ میں لکھتے ہیں۔ وان کان قبر عبد صالح ویمکنه ان یطوف حوله ثلاث مرات فعلی ذلک۔[5]

فتاوی نور الہدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد مطبوعہ میر محمد کتب خانہ میں لکھتے ہیں۔

باک نے اگر قبر اولیاء وصلحاء طواف می کند۔[6]

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ومناقب، حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر حج پر روانہ ہو کر چند منزل تک پہنچنے کے بعد پھر واپس آگئے اور جب لوگوں نے ارادہ توڑنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ راستہ میں مجھے ایک حبشی مل گیا اور اس نے مجھے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ خدا کو بسطام میں چھوڑ کر کیوں جاتا ہے چنانچہ میں واپس آگیا حج کے سفر میں کسی نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے فرمایا کہ حج کا پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کچھ رقم ہے؟ فرمایا دو سو دیناراس نے عرض کیا کہ میں مفلس ہوں اور عیالدار ہوں لہذا یہ رقم مجھ کو دے کر سات مرتبہ میرا طواف کر لیجئے تو اس طرح آپ کا حج ہو جائے گا آپ نے اس کہنے پر عمل کیا اور وہ رقم لے کر رخصت ہو گیا۔[7]

نقل انه خرج بقصد الحجاز ثم رجع قیل له مافسخت العزیمة قط، کیف کان فی هذه النوبة؟ قال لما توجهت الی الطریق استقبلنی زنجیٌ بیده سیف وقصدنی وقال ترکت الله ببسطام وقصدت البیت الحرام إن رجعت فیها وإلا قطعت رقبتک ثم استقبلنی شخص آخر وقال إلی أین؟ قلت إلی مکة شرفها الله تعالیٰ قال وما معک قلت مائتا دینار قال أعطنی فإنی رجل فقیر ولی عیال وطف حولی سبع مرات فانما هذا حجک ففعلت ورجعت۔[8]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ، وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کے سر مبارک کی حجامت بنا رہا تھا اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے اردگرد (پروانوں کی طرح دیوانہ وار) گھوم رہے تھے اور ان (میں سے ہر ایک) کی یہ کوشش تھی کہ حضور اکرم

---

[1] (بخاری ج ۱، ص ۵۰۱)

[2] (بخاری ج ۱، ص ۴۰۱)

[3] (بخاری ج ۱، ص ۳۲۲، ایضا بخاری ج ۱، ص ۳۵۴)

[4] طیبی شرح مشکوۃ شریف ج ۱۱، ص ۱۳۶ باب فی المعجزات اور مظاہر حق ج ۵ ص ۲۴، اور اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۸۷ پر بھی ہے) ۔یدور بیدرا بیدرا اه نسائی للمجتبیٰ (ج ۲، ص ۱۳۰)

[5] (ص ۱۶۸ تالیف الشیخ الامام الفقیه النظار مسعود بن عمر المعروف به سعد الدین التفتازانی ولد ۷۱۲ھ وتوفی ۷۹۳ھ مطبوعة دار الکتب قصه خانی بازار پشاور)

[6] فتاوی نور الہدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد مطبوعہ میر محمد کتب خانہ (ص ۶۱)

[7] (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۱۲ (اردو) کتب خانہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ)

[8] (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۷۰ (عربی) دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ﷺ کا کوئی ایک بال مبارک بھی زمین پر گرنے نہ پائے بلکہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آجائے۔[1]

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [ص87:] :"إِنَّ لِلَّهِ مَلاَئِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا :هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ" قَالَ» :فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا« قَالَ :"فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ، مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ :يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ" قَالَ :"فَيَقُولُ :هَلْ رَأَوْنِي؟" قَالَ :"فَيَقُولُونَ :لاَ وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ؟ "قَالَ :"فَيَقُولُ :وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا" قَالَ :"يَقُولُ :فَمَا يَسْأَلُونِي؟" قَالَ» :يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ« قَالَ :"يَقُولُ :وَهَلْ رَأَوْهَا؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا" قَالَ :"يَقُولُ :فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ :فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :مِنَ النَّارِ" قَالَ :"يَقُولُ :وَهَلْ رَأَوْهَا؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا" قَالَ :"يَقُولُ :فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟" قَالَ :"يَقُولُونَ :لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً" قَالَ :"فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ" قَالَ :"يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ المَلاَئِكَةِ :فِيهِمْ فُلاَنٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ :هُمُ الجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ"

[تعليق مصطفى البغا]

6045(2353/5) -[ش أخرجه مسلم في الذكر والدعاء والتوبة باب فضل مجالس الذكر رقم 2689(يطوفون) يمشون ويدورون حول الناس. (يلتمسون) يطلبون. (فيحفونهم) يطوقونهم ويحيطون بهم بأجنحتهم. (فيسألهم) الحكمة من السؤال إظهار فضل بني آدم وأن فيهم المسبحين والمقدسين كالملائكة على ما هم عليه من الجبلة الشهوانية والفطرة الحيوانية. (يمجدونك) يعظمونك. (لحاجة) دنيوية (لا يشقى بهم جليسهم) ينتفي الشقاء عمن جالسهم][2]

(۳۵) ﴿باب نمبر پینتیس آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء رحمہم اللہ کی حرمت﴾

قارئین کرام! آپ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرور کائنات ﷺ کے آثار وتبرکات ومشاہد کی حفاظت کرتے تھے اور ہر وہ جگہ اور ہر وہ شیء جس کا تعلق اور نسبت رسول اللہ ﷺ سے ہوگئی، اس کی نہایت تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ اور اسی طرح بزرگانِ دین کے آثار ومشاہد کی مسلمان حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر وہابی نجدی بے غیرتوں نے جہاں بہت سی باتوں میں عام مسلمانوں کی مخالفت اور سلف صالحین کے خلاف ایک نئے عقیدے اور نظریے کی بنیاد ڈالی۔ جہاں ان گمراہوں نے نبی پاک ﷺ سے توسل اور شفاعت کا انکار کیا وہاں بزرگانِ دین، صحابہ کرام، اولیاء عظام کے مزارات اور آثار سے برکت حاصل کرنا شرک وبدعت قرار دیا ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں

---

[1] (اخرجه مسلم فی الصحیح کتاب الفضائل باب قرب النبی ﷺ من الناس وتبرکهم به ج۴ص۱۸۱۲رقم ۲۳۲۵،احمدبن حنبل فی المسندج۳ص۱۳۳و۱۳۷رقم۱۲۴۲۳،عبدبن حمیدفی المسندج۱ص۳۸۰رقم۱۲۷۳)

[2] (اخرجه البخاری فی الصحیح کتاب الدعوات باب فضل ذکرالله عزوجل ج۵ص۲۳۵۳رقم ۶۰۴۵،ابن حبان فی الصحیح ج۳ص۱۳۹رقم ۸۵۷،البیهقی فی شعب الایمان ج۱ص۳۹۹رقم ۵۳۱،ابن رجب فی جامع العلوم والحکم ج۱ص۳۴۵،المنذری فی الترغیب والترهیب ص۲۵۸ج۲رقم۲۳۱۶،روضة السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین ص۱۰۱)

ان کی مختصر روئیداد آپ کی دلچسپی اور معلومات کے لئے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تا کہ قارئین ان کے ظلم وتعدی سے آگاہی حاصل کریں۔

شیخ الاسلام علامہ سید احمد بن زینی دحلان مفتیٔ بیت اللہ الحرام لکھتے ہیں ''ان ملحدین مکفرین اہل اسلام کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ صالحین کے پاس جانا اور ان سے تبرک شرک اکبر ہے۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دعاء و استغفار چاہیں۔ جیسا صحیح مسلم میں ہے۔ اور تبرک صالحین کے آثار کے متعلق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت ﷺ کے آبِ وضو کے لئے اژدھام کرتے اور اسے تبرک بناتے تھے۔

آپ ناک صاف فرماتے یا تھوکتے تو اسے لے کر مل لیتے اور حضور ﷺ کی حجامت کے وقت حجام کے پاس جمع ہو جاتے۔ جب آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا۔ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارے لئے صحت ہے، یہ تمام امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، جن کا انکار جاہل یا معاند ہی کرے گا۔

بلکہ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سقایہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پانی پینے تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحب زادہ حضرت عبد اللہ کو حکم دیا کہ نبی کریم ﷺ کے لئے گھر سے پانی لاؤ اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس پانی میں عام ہاتھ لگتے رہتے ہیں، تو ہم آپ کے لئے دوسرا پانی لائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو مسلمانوں کی برکت بلکہ اسی پانی کو چاہتا ہوں جسے ان کے ہاتھ لگے ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ یہ فرمائیں تو دوسروں کا کیا حال ہونا چاہیے۔ پس ہر مسلمان میں نور و برکت ہے۔[1]

علامہ جمیل آفندی صدقی زہاوی عراقی ان کی لرزہ خیز داستان یوں تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ نجدی کے نفرت انگیز کاموں میں سے ایک کام یہ ہے کہ اس نے کثیر التعداد علمی کتابوں کو جلوا ڈالا۔ دوسرا یہ کہ کثیر علماء کو قتل کرا دیا۔ اسی طرح عوام وخواص میں بے گناہوں کے خون ناحق سے اس کے ہاتھ رنگین ہوئے اور اس نے ان کے قتل کو حلال اور مال کو لوٹنا جائز ٹھرایا تھا۔ تیسرا بد ترین فعل یہ ہے کہ اس نے اولیاء اللہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا اور چوتھا اس سے بھی قابل نفرت یہ کام کیا کہ احساء میں اولیاء کرام کی قبروں کو بیت الخلاء میں تبدیل کرا دیا۔ لوگوں کو دلائل الخیرات اور دوسرے وظائف و اذکار پڑھنے سے منع کرتا تھا، اسی طرح میلاد شریف اور مسجد کے میناروں میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا۔ جو مسلمان یہ مبارک اور مستحسن کام کرتے ان کو قتل کرا دیتا۔ نماز کے بعد دعاء مانگنے سے منع کرتا تھا۔ انبیاء وملائکہ اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعاء مانگنے کو صراحتاً کفر قرار دیتا تھا، یہ کہ جو شخص کسی کو مولانا یا سیدنا کہے وہ کافر ہے۔''[2]

محمد بن عبد الوھاب نجدی اور اس کے پیروکار وہابیوں کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ اجمعین سے توسل اور تبرک حاصل کرنا شرک ہے۔ اسی عقیدہ کی بنا پر آج کے سعودیہ عرب میں سرور کائنات ﷺ کے آثار، صحابہ کرام، واہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مشاہد و مزارات کے ساتھ جو سلوک روا کیا ہے۔ دل کو ہلا دینے والی ایک داستان ہے، جس کی مختلف مواقع پر خود ان کے ہم مسلک اور ہم مشرب حضرات نے مذمت کی اور شدید نفرت کا اظہار کیا ہے۔ ہم کچھ حضرات کی زبانی وہابیوں کی شرمناک حرکتوں کے متعلق نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں توحید کی آڑ میں اور شرک اور بدعت کو روکنے کی رٹ لگا کر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں۔

---

[1] (الدرر السنیہ فی رد علی الوھابیہ، ص ۳۹، ۴۰)

[2] (الفجر الصادق، ص ۲۱، ۲۲)

وہابیوں کے ظلم وستم کی کہانی اور شقاوتِ قلبی کی نشانی

مذہبِ نامُہذّب وہابیت کے بانی اور نام نہاد موحّد اور تحریکِ جہاد کے علمبردار محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین نے نہ کبھی کفّار اور مشرکین سے جہاد کیا نہ ہی کسی بت خانہ کو پاش پاش کیا بلکہ ان کے مذہب میں جہاد صرف اور صرف مرسلین، انبیاء کرام، اور اولیاء عظام کی عظمت و رفعت اور شان وشوکت کے متعلق نہایت نازیبا حملے کرنا اور مزاراتِ مقدسہ اور مشاہد مبارکہ کو شہید ومسمار کرنا ہے۔ نیز عشاق رسول، معتقدین اولیاء کاملین پر ظلم وستم بلکہ ان سے قتل وجدال رکھنا ہے۔ اور اسی طرق کار سے ان کی شقاوتِ قلبی عیاں ہوتی ہے، ان کی شقاوت قلبی اتنی حد تک پہنچ چکی ہے کہ حرمین شریفین پر بھی حملہ کرنے سے باز نہ آئے۔ ان کے ظلم وستم کی انتہا کا یہ حال ہے کہ انہوں نے شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں کے سینوں پر ہی ذبح کر دیا۔ شعائر اللہ کی عظمت ان کے دل سے اس حد تک ختم ہو چکی تھی کہ قرآن کریم اور کتب احادیث نبوی ﷺ کو انہوں نے نالیوں، روڑی اور کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا۔

یہ ساری کہانی اور روئیداد سب سے پہلے شیخ الاسلام مفتی حرم شریف علامہ احمد بن ذینی وحلان مکّی اور علّامہ جمیل آفندی علیہما الرحمۃ کی تحریروں سے پیش کی جاتی ہے۔

شیر خوار بچوں کو ماؤں کے سینوں پر ذبح کر دینا :

علامہ احمد بن ذینی اور علّامہ جمیل آفندی علیہما الرحمۃ کے ظلم وستم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذیقعدہ ۱۲۱۷ھ میں نجدیوں نے طائف شریف پر قبضہ کرلیا: وقتلوا الکبیر والصّغیر والمامور والآمر لم ینج الّا من طال عمرہ وکانوا یذبحون الصّغیر علیٰ صدر امّہ وغصبوا الاموال واسبوا النّسآء وفعلوا اشیاء یطول الکلام بذکرھا۔ ''اور بڑے چھوٹے، محکوم اور حاکم سب کو قتل کر ڈالا صرف وہی بچا جس کی عمر طویل تھی۔ شیر خوار بچوں کو ماں کے سینے پر ہی ذبح کر دیتے تھے۔ مال لوٹ لئے، عورتوں کو قید کرلیا۔ بہت سی ایسی حرکات کیں جن سے بہت طول ہوتا ہے۔''[1]

قرآن پاک اور کتب احادیث کو نالیوں اور گلیوں میں پھینکنا اور عورتوں کے ننگے جسم برف میں چھوڑنا

علّامہ جمیل آفندی علیہ الرحمۃ نے نجدیوں کا قرآن پاک اور کتبِ احادیث کو نالیوں میں پھینکنے، عورتوں اور مردوں کو قتل کرنے اور مال لوٹ لینے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے : وجدوا جماعۃ یتدارسون القرآن فقتلوھم عن آخرھم ولمّا أبادوا من فی البیوت جمیعاً خرجوا الی الحوانیت والمساجد وقتلوا من فیھا وقتلوا الرّجل فی المسجد وھو راکعٌ او ساجدٌ حتیٰ افنوا المسلمین فی ذالک البلد ولم یبق فیہ الا قدر بنیف وعشرین رجلا تمنعوا فی بیت الفتنیّ بالرّصص ان یصلوھم وجامعۃ فی بیت الفعر قدر المأتین وسبعین قاتلوھم یلومھم ثم قاتلوھم فی الیوم الثانی والثالث حتّی راسلوھم بالامان مکراً وخدیعۃ فلما دخلوا علیھم واخذوا منھم السّلاح قتلوھم جمیعا واخرجوا غیرھم ایضاً بالامان والعھود الی وادی وبح وترکوا ھنالک فی البرد والثّلج حفاۃ عرۃ مکشو فی السّوآت ھم ونسائھم من مخدّرات المسلمین ونھبوا اموال والنقود والاناث وطرحو الکتب علی البطاح وفی الازقۃ والاسواق تعصف بھا الرّیاح وکان فیھا کثیر من المصاحف ومن

---

[1] (الدرر السّنیہ ص ۴۹، الفجر الصادق ص ۲۲، مطبوعہ استنبول)

نسخ البخاری و مسلم و بقیة کتب الحدیث و الفقه و غیر ذالک تبلغ الوقاً ثم اخرجوا البیوت و جعلوها قاعاً صفصفاً و کان ذالک سنة ۱۲۱۷ھ

ترجمہ: اور ایک جماعت کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ تو انہوں نے سب کو قتل کر دیا۔ جو لوگ گھروں میں تھے ان سب کو قتل کر دیا۔ دکانوں اور مسجدوں کی طرف نکلے اور جو ان میں تھے ان کو بھی قتل کر دیا۔ انہوں نے مسجد میں ایک آدمی کو قتل کر دیا وہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں تھا۔ صرف بائیس تئیس آدمی رہ گئے، انہوں نے مضبوط قلعہ میں پناہ لی۔ ایک جماعت نے جو کہ دو سو ستر افراد پر مشتمل تھی، ایک گھر میں پناہ لی تھی۔ انہوں نے ان کے ساتھ لڑائی کی، پھر ان سے دوسرے اور تیسرے دن بھی لڑے حتیٰ کہ مکر و فریب سے پناہ دے دی۔ پھر ان کے پاس آئے تو ان سے ہتھیار لے کر ان سب کو قتل کر دیا۔ اور ان کے علاوہ جو تھے ان کو وادی وج کی طرف نکال دیا۔ ان کو اور ان پردہ نشین عورتوں کو وہاں برف اور سردی میں ننگے جسم چھوڑ دیا، ان کے مال، نقدی اور دیگر اثاثے لوٹ لئے۔ اور انہوں نے کتابوں کو نالیوں، گلیوں اور بازاروں میں پھینک دیا۔ ان کتابوں میں بہت سے قرآن پاک کے نسخے تھے۔ اور بخاری شریف و مسلم شریف کے نسخے تھے۔ احادیث اور فقہ کی باقی اور کتابیں بھی تھیں۔ جن کی تعداد ہزاروں تک تھی۔ پھر انہوں نے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا۔[1]

طائف میں نجدیوں نے جو انسانیت سوز اور وحشیانہ طریق اختیار کیا تھا اس کی مکہ مکرمہ سے ہندوستان میں سنٹرل خلافت کمیٹی کو جو رپورٹ آئی وہ بھی قابلِ مطالعہ ہے۔

نجدیوں کے وحشیانہ سلوک سے متعلق مکہ مکرمہ سے ٹیلیگرام آنا

سنٹرل خلافت کمیٹی کو مکہ مکرمہ سے وہابیوں کا شر طائف کے مسلمانوں پر انسانیت سوز وحشیانہ سلوک سے متعلق جو ٹیلیگرام آیا۔ اس کو سنٹرل خلافت کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں درج کیا ہے۔ وہ تار درجِ ذیل ہے۔

''مکہ ۱۱ ستمبر۔ باشندگانِ مکہ معظمہ آج کعبۃ اللہ کے سامنے جمع ہوئے۔ جس میں تقریباً ۲۰ ہزار مسلمان باشندگان جاوا، ہندوستان، سوڈان، ایران، الجیریا، روس شامل تھے۔ اور انہوں نے متفقہ طور پر مہذب دنیا کو یہ بتایا کہ وہابیوں نے شہر طائف پر حملہ کیا اور فوج ہاشمی نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا۔ باشندگانِ مکہ اور حکومتِ ہاشمی نے جس کی حمایت عام طور پر کی جا رہی ہے، ہر ممکن کوشش اس امر کی کی ہے کہ بیگانہ باشندگان اور غیر ملکیوں کو بچایا جائے۔ لیکن وہابیوں نے بجائے اس کے کہ وہ باقاعدہ طریقہ پر قبضہ کرتے نہایت وحشیانہ طریقہ اختیار کیا۔ اور وہاں کے باشندوں اور غیر ملکی رعایا پر جو وہاں مقیم تھی، انتہائی ظلم کیا ہے اور جیسا کہ خود ان غیر ملکیوں سے دوستی رکھنے والی سلطنتوں کو ان تمام حادثات کی خبر دی ہے۔ (یہ واقعہ ہے کہ) وہابیوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار کو پھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کیا ہے۔ جس میں بچے عورتیں اور بوڑھے سب شامل تھے۔ یعنی مختصر الفاظ میں ساری رعایا اور کل غیر ملک باشندے مارے گئے۔ اس لئے انسانیت، تہذیب، انصاف کے نام پر جس کی لیگ اقوام علمبردار ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان مظالم کا خاتمہ کیا جائے۔ اور ان وحشیانہ حرکات کو جس سے تہذیب اور انسانیت تھراتی ہے، جلد سے جلد سخت ترین کارروائی کر کے ختم کیا جائے۔ (۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء) عبد الغفار المدنی، عبد الساغانی، ابن قاری عبد اللہ مروح سوڈانی، موتاوی بدر الدین، ہدایت اللہ آذربائیجان، مولانا غفار بن قربی، مولانا محمد داؤدی الداغستانی، احمد بن محمد اناوانی، ابو الجوالاتی محمد عبد اللہ بن زیدان الشنکیتی، محمد حبیب اللہ شوکتی، عمر تونسی المراکشی، محمد مختار بن عاطرت ناظم الدولہ ایرانی، محمد بن عبد الکریم، محمد مطار بن سلطان، محمد بن اسماعیل

---

[1] (الفجر الصادق ص ۲۲، مطبوعہ استنبول)

اخلفلا نی،عبداللہ بن یعقوب ابن صبح سماری،ایک بخاری عبدالغنی،بدرالدین محمد عارف،محمد مظہر،ابوطالب۔
(نوٹ) تارفرانسیسی زبان میں تھااس لئے بہت سے نام صاف پڑھے نہیں گئے۔[1]

مکہ مکرمہ اور طائف پر حملہ،تباہی کے اقدام اور دعوتِ وہابیت قبول نہ کرنے پر جبر کرنا

وہابیوں کے سردارنواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں : عبدالعزیز نے دوسرے سال ایک لشکر تیار کر کے طائف کو بھیجا اور انہوں نے وہاں قتل وقمع کے بعد فتح پائی اور کربلا کی طرح وہاں بھی قتل عام کیا۔اور اموال ان کے لوٹ لیے اور اسی سال میں قنفذہ کو جو سات دن کی راہ پر جدہ سے جنوب کی جانب واقع ہے،فتح کیا اور ۱۸۰۴ء میں عبدالعزیز نے ایک لشکر وہابیوں کا تیار کر کے اپنے بیٹے سعود کو اس کا مقدمۃ الجیش بنایا۔اور مکہ معظمہ کو روانہ کیا۔لشکر مکّہ میں پہنچا اس نے اہل مکہ کو زیروزبر کر کے تین مہینے تک اس کے حصار کا محاصرہ کیا۔اہل مکّہ کا توشہ تمام ہوا۔ناچار انہوں نے اس کی اطاعت قبول کی۔بعضوں نے لکھا ہے کہ وہاں کے سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو برہنہ کر دیا۔اور دعوتِ وہابیت قبول کرنے کو لوگوں پر جبر کیا۔[2]

جاہل اور اکھڑ وہابی : سردار محمد حسن بی اے لکھتے ہیں کہ ''وہابی کیونکہ اکھڑ بدّو اور جاہل عرب تھے،اس لئے رفتہ رفتہ اس قدر متعصب ہو گئے کہ ترک مسلمان کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمتِ دین جانتے تھے۔عام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے۔اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے۔[3]

وہابیوں نے کفار کی خون ریزی نہیں،بلکہ مسلمانوں کا ہی قتل وغارت کیا

رپورٹ میں درج ہے کہ : قوم نجد کو ایک صدی سے زیادہ یہی سکھایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ سب مسلمان مشرک ہیں۔اور نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفّار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے۔جس قدر خونریزی انہوں نے کی ہے،وہ صرف مسلمانوں کی کی ہے۔وہ ذرا ذرا سی بات پر حجّاج کو مشرک کہہ دیتے تھے۔سلطان عبدالعزیز کی تمام تر قوت یہی (نجدی) لوگ ہیں اور ان کو لڑائی پر اسی طرح آمادہ کیا جاسکتا ہے کہ اس ملک گیری کی جنگ کا نام جہاد رکھا جائے اور جس ملک کو چھیننا ہو اس کے لوگوں کو مشرک کہا جائے۔ہم نے بارہا دیکھا کہ جو حجاج مقامِ ابراہیم کی جال کو یا اس کے قفل یا کنڈوں کو چھوتے تھے۔ان کو بید سے مارا جاتا تھا اور ''انت مشرک'' کہا جاتا تھا۔جو حجاج جنّت المعلیٰ میں زیارت قبور کو جاتے تھے ان میں اکثر پٹ کر آتے تھے۔

رپورٹ میں وفد نے مذہبی تعصّب کا ذکر کرتے ہوئے اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ تمام اسلامی دنیا نجدیوں کی ہم عقیدہ نہیں ہے۔[4]

مکہ مکرمہ پر حملہ : سردار محمد حسن بی اے مؤرخ لکھتے ہیں : سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا۔حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طائف پر قابض ہو گیا۔اور وہاں سے گرد ونواح میں افواج بھیجنے لگا۔شریف کے پاس کوئی قابل ذکر فوج نہ تھی۔مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدّہ چلا گیا۔اپریل ۱۸۵۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکہ مکرّمہ میں داخل ہو گیا۔وہابی مدّت سے ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکّہ سے کی جائے گی۔اور ہر وہ چیز جس میں کفر وشرک کا شائبہ پایا جاتا ہو،فنا کر دی جائے گی۔چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے۔زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی۔حرمِ کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے۔وہابیوں کے معتقدات کے مطابق جس قدر شعائر یا رسومات قرآن وسنت کے خلاف تھیں،یک لخت ممنوع قرار دے

---

[1] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ۵۱۴)

[2] (ترجمان وہابیہ ص ۳۴،۳۵)

[3] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۶)

[4] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفدِ خلافت ۱۹۲۶ء ص ۱۰۵)

دی گئیں۔[1]

حرم شریف کے مقدس مقامات کو تباہ و برباد کرنا: سردار محمد حسن بی اے ہی مزید وہابی بادشاہوں کا مکہ مکرمہ میں ظلم وتشدد کے کارناموں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ : ''یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابن سعود کے احکام اس وقت اہلیانِ مکہ کے کام آئے شہر میں قتل وغارت نہ ہوا۔طائف کے کشت وخون کے متعلق انگریزوں نے زبردست احتجاج کیا تھا اور سلطان ابن سعود نے ارادہ کرلیا تھا کہ حجاز کے متعلق بقیہ کارروائیاں اس کی ذاتی نگرانی کے ماتحت ہوں۔ چنانچہ شہر میں امن وامان کا اعلان کردیا گیا۔اور سلطان ابن بجاد شیخ عظ عظ نے عارضی طور پر شہری نظم ونسق سنبھال لیا۔لیکن امن وامان قائم ہوجانے کے باوجود سلطان بپھرے ہوئے تھے۔انہیں اصرار تھا کہ مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں لیکن مقابر ومزارات ضرور منہدم کردیئے جائیں گے اور مساجد کی آرائش ضائع کردی جائے گی کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ان چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حرم کے تمام مقدس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے۔آن کی آن میں تباہ وبرباد کردیئے گئے۔اس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں غصہ واضطراب کی لہر اٹھی۔[2]

''۱۸۵۳ء کو سعود بن عبدالعزیز ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔تا آنکہ مکہ کے تمام مشاہد اور قبے زمین کے برابر کر دیئے گئے۔کعبہ کے جواہر وقیمتی ذخیرے فاتحین میں تقسیم کردیئے گئے اور مجاور قتل بھی کیے گئے اور حرم کے غلاف پھاڑ دیئے۔''[3]

مکہ مکرمہ میں قتال قیامت تک حرام ہے: سرورِ کائنات فخرِ موجودات باعث تخلیق کائنات منبع کمالات خلاصۂ موجودات، مجازِ ششِ جہات احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے : **انه لم يحل القتال فيه لاحد قبلي و لم يحلّ لي الا ساعة من نهار فهو حرام بحرمة الله الى يوم القيامة**۔ ''مجھ سے پہلے حرم مکّہ میں کبھی قتال نہ ہوا، اور میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت کے سوا حلال نہ ہوا پس اللہ تعالیٰ کے حرام ٹھہرانے سے حرم مکّہ میں قیامت تک قتال حرام ہے۔''[4]

مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھانا منع ہے : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **سمعت النبیّ ﷺ يقول لا يحل لاحدكم ان يحمل بمكّة السّلاح**۔ ''میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھالے۔''[5]

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول مقبول ﷺ نے قیامت تک حرم شریف میں قتل وقتال کو حرام قرار دیا مگر وہابیوں نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ کے حکم کی صریحاً مخالفت کرتے ہوئے حرم شریف میں قتل وقتال کیا۔

اب خود اندازہ لگائیے کہ یہ وہابی مذہب کہاں تک اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے فرمودات پر عمل پیرا ہے اور ان کے ارشادات کی تبلیغ کرتا ہے۔

مکہ مکرمہ کے علاوہ وہابیوں نے مدینہ منورہ پر بھی حملہ کیا اور مقامات مقدسہ اور مزارات کو منہدم کردیا۔روضہ نبوی ﷺ کی زیارت کرنے والوں پر تشدد کیا، یہاں تک کہ گنبدِ خضرا کو منہدم کرنے کا بھی ارادہ کرلیا۔ان سب کا ثبوت وہابیہ کی ہی مستند کتب کے حوالہ جات سے پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۸)

[2] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۱۵۵)

[3] (سوانح سلطان اب سعود ص ۴۸ محمد بن عبدالوہاب ص ۷۳)

[4] (مشکوۃ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

[5] (مشکوۃ شریف ۲۳۸، صحیح مسلم)

مدینہ منورہ پر حملہ: وہابیہ نجدیہ کے مؤرخ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب حیات طیبہ میں لکھتا ہے کہ : ''سعود بن عبدالعزیز نجدی ۱۸۰۳ء کے آخر میں مدینہ منورہ پر قابض ہوا تو اس نے مدینہ منورہ کے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم ﷺ کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ ﷺ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ ﷺ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی۔''[1]

وہابیوں کی گنبد خضریٰ پر گولہ باری: سردار محمد حسن مؤرخ لکھتا ہے کہ اگست میں نجدی افواج مدینہ کی طرف بڑھیں۔ اسی مہینہ کی پچیس تاریخ کو امیر علی کے حکام نے اقصائے عالم میں یہ خبر مشہور کر دی کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کے مقدس مرقد پر نجدی گولہ باری کر رہے ہیں۔ نجدیوں کی طرف سے تردید تو شائع ہوئی لیکن بعد از وقت پہنچی۔ مسلمانوں میں پھر غیظ وغضب برپا ہوا۔ مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے۔ فرداً فرداً مسلمان بھی روضہ رسول (ﷺ) کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا ۱۹۲۵ء کے آخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضے کے گنبد پر پانچ گولیاں لگی ہیں۔[2]

مجتہد الوہابیہ نواب صدیق حسن کی گواہی : غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کے مجتہد نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں: ''سعود نے مزارِ مقدس ﷺ کو برہنہ کر دیا۔ اور اس کے خزائن اور دفائن سے سب لوٹ کر درعیہ کو لے گیا۔ بعضوں نے کہا کہ ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے خزانہ لے گیا۔ اور ایسا ہی ابی بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا۔ اور مدینہ پر نمر بن شیخ بنی حرب کو حاکم کیا۔ اور لوگوں کو دعوتِ وہابیہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور سعود نے قبہ مزارِ نبی ﷺ کو ڈھانے کا قصد کیا۔ مگر اس امر کا مرتکب نہ ہوا۔ اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے۔''[3]

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا مزارات مقدسہ کو تلف کرنے کا عہد لینا: روحانی ابوالوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اپنے پہلے ہم خیال عثمان بن معمّر والیٔ عیونیہ سے مزارات مقدسہ کو تلف کرنے کا عہد لیا تھا۔ جس کا تذکرہ سوانح حیات سلطان ابن سعود کے مصنّف سردار محمد حسن نے اس طرح کیا ہے کہ: ''شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پہلا قابل ذکر ہم خیال عثمان بن معمّر والیٔ عیونیہ تھا۔ شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ ان مزاروں اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا۔ ابن معمر نے قبول کیا۔ دونوں ہم مشورہ ہو کر جلیلہ گئے۔ یہاں چند صحابیانِ رسول ﷺ کے مزارات تھے۔ دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے۔''[4]

مزارات کو مسمار اور تلف کرنا ہی دراصل تحریکِ وہابیت کا ایک عظیم مقصد ہے جس کی تصدیق وفد خلافت کی رپورٹ میں بھی کیا ہے جو کہ درج کی جاتی ہے۔

تحریک وہابیت کا مقصد مزارات کو مسمار کرنا تھا: وفدِ خلافت کے اراکین کے سامنے دوسری ملاقات میں سلطان ابن سعود نے کہا ''ہماری قوم کے متعصب قبائل نے ہم کو دھمکی دے کر لکھا ہے کہ ہم نے حجاز میں جہاد اس لیے کیا تھا اور جان ومال اس لئے قربان کیا تھا کہ کتاب وسنت کو قائم کیا جائے، مراسمِ شرک کا استیصال ہو۔ اس لئے جلد از جلد ان قبوں اور عمارتوں کو منہدم کر دیا جائے۔ ورنہ ہم آ کر ان کو اپنے ہاتھوں سے گرا دیں

---

[1] (حیات طیبہ ص ۳۸۵، سطر ۱۲ تا ۱۵، مطبوعہ لاہور)

[2] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۱۵۷)

[3] (ترجمان الوہابیہ ص ۳۶)

[4] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۱)

گے۔اس بناء پر میں نے قاضی القضاۃ سے خواہش کی کہ وہ مدینہ منورہ جا کر اس کام (مزارات اور قبوں کو گرانا) کو سرانجام دیں۔"[1]

جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کا انہدام: وفد خلافت کی رپورٹ میں 'جنت البقیع کے مزارات کا انہدام' کی سرخی دے کر لکھا ہے کہ :

۲۶ مئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا، اس وقت سب سے پہلی جو وحشتناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کے انہدام کی تھی لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا۔اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ میں تمام مبانی مآثر کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھیں گے۔اور ان میں کسی قسم کا تغیر روا نہ رکھیں گے۔جب تک کہ موتمر اسلامی کوئی آخری فیصل نہ کر دے۔لیکن جدہ پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت عبد العزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی، تو انہوں نے (مزارات کے منہدم کرنے کی) تصدیق کی۔اور فرمایا اس مسئلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے، خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔مکہ پہنچ کر جب ہم نے سلطان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمیں مطمئن نہ کر سکا۔اور نہ دنیائے اسلام کی اکثریت کو مطمئن کر سکتا ہے۔[2]

وفد خلافت نے بالمشافہ ابن سعود کو مزاراتِ مقدسہ اور مآثر کو منہدم کرنے سے باز رہنے کے متعلق متنبہ کیا مگر جھوٹے وعدے کرتا گیا۔ کہ مزارات مقدسہ کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔وفدِ خلافت نے اس کو اس کی وعدہ خلافی کی طرف بے توجہ دلائی۔ابن سعود سے اراکین وفد کی بالمشافہ بات چیت درج کی جا رہی ہے۔

ابن سعود کو وفدِ خلافت کا بالمشافہ متنبہ کرنا

۳۰ مئی ۱۹۲۵ء صبح کو سلیمان ندوی صاحب مولانا شوکت علی صاحب، مولانا محمد علی صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب، (جو کہ وفد خلافت کے اراکین تھے) سلطان ابن سعود کو ملنے گئے۔رپورٹ میں درج ہے کہ : "آج وفد کے ارکان نے نہایت صفائی سے (سلطان کو) اپنے خیالات پیش کیے اور مجلس خلافت کی تجاویز کا ذکر کیا۔سلطان کے وعدے یاد دلائے۔خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب نے اتحادِ اسلامی اور حجاز کے مشترک حرم کے ساتھ دنیائے اسلام کے تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلاف پیدا کیا جائے۔آپ نے قبوں مآثر اور مزارات کے انہدام کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنے ملک میں ان خانہ جنگیوں کا خاتمہ کیا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کو ملا کر ایک متحدہ صف قائم کی ہے۔لیکن اس طرز عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں، ہماری قوتیں دوبارہ منتشر ہو جائیں گی اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائیگی۔علاوہ ازیں یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں۔ہم نے شکایتاً کہا کہ مدینہ منورہ کے مقابر و مآثر کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مؤتمر اسلامی کے فیصلہ کے بغیر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی اور دنیائے اسلام کی خواہش کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا۔"[3]

---

[1] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء)

[2] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ۸۵/۸۴)

[3] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء، ص ۷۳، ۷۴)

نجدی حکومت کا فراڈ : نجدی حکومت نے جب یہ دیکھا کہ دیگر مسلم ممالک اور ان کی رعایا کے جذبات ہمارے سخت خلاف ہیں تو انہوں نے پھر ایک چال چلی کہ یہ مشہور کر دیا کہ مدینہ منورہ کے علماء نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ مزارات اور قبوں کو مسمار اور منہدم کر دیا جائے۔ وفدِ خلافت نے اس کی تحقیقات کی تو اس میں سوائے فراڈ، دھوکہ دہی کے مطلقاً کوئی سچائی نہ تھی۔ وفدِ خلافت کی رپورٹ میں ہے کہ : ''مدینہ پہنچ کر جب ہم نے اس کی تحقیقات کی تو جو انکشافات ہوئے ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: اس فتویٰ کی حقیقت کے متعلق جو حالات ہم سے بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ قاضی عبداللہ بن بلہید جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے علماء مدینہ کو اپنے مکان میں بلوایا۔ علماء مدینہ ان کے مکان پر جمع ہو گئے تو قاضی عبداللہ بن بلہید مکان کے اندر تھے۔ ان کے حقیقی بھائی حمد بن بلہید پہلے باہر نکلے اور علمائے مدینہ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا : **یا اھل حجاز انتم اشد کفرا من ھامان و فرعون نحن قتلناکم مقاتلۃ المسلمین مع الکفار انتم عباد حمزہ و عبد القادر**۔ علماء مدینہ نے کہا کہ ہم سوائے خداوندِ قدوس کے کسی کی پرستش نہیں کرتے۔ اور ہم بحمداللہ مسلمان اور مومن ہیں۔ اس کے جواب میں حمد بن بلہید نے کہا کہ کفار بھی بالکل ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** کہہ کر اپنی بت پرستی اور کفر نوازی سے انکار کیا کرتے تھے۔ علماء مدینہ نے اس اعتراض کا جواب دیا مگر حمد بن بلہید نے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ علماء مدینہ کو سخت الفاظ سے مخاطب کرتا رہا۔ اس کے بعد قاضی عبداللہ بن بلہید تشریف لائے۔ تو انہوں نے علماء مدینہ سے حسبِ ذیل مسائل کے متعلق سوال کیے:

(۱) کیا مقبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت لاؤ اور اگر جائز نہیں ہے تو ان کا ہدم ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) غیر اللہ کی ندا کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) قبروں پر چراغ جلانا، چادریں چڑھانا، اور ان کا طواف کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ جو لوگ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں یا مشرک؟

علماء مدینہ نے ان سے گزارش کی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے آپ کو جواب دیں گے۔ اس پر عبداللہ بن بلہید نے سخت لہجہ میں فرمایا کہ کیا تم لوگ اب جا کر پڑھو گے اور جواب دو گے؟ مگر علماء مدینہ نے کہا کہ ہم بغیر کسی مشورہ کے کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ چنانچہ انہیں مہلت دی گئی۔ اور دوسرے دن علمائے مدینہ نے باہمی مشورہ کے بعد قاضی القضاۃ صاحب کو حسب ذیل جواب دیا۔ آپ اپنے استفتاء میں سے قباب کے علاوہ باقی تمام مسائل کو حذف کر دیجئے کیونکہ ان مسائل میں کوئی شخص بھی آپ سے اتفاق نہیں کرے گا۔ ہم میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا روا رکھتا ہے۔

مسئلہ قباب کے متعلق علماء مدینہ کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ قبوں کی تعمیر شرعاً ممنوع نہیں ہے جسے انہوں نے قاضی صاحب کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ ظاہر کیا۔ اسی جماعت میں مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلہ بھی تھے۔ دوسری جماعت کا خیال یہ تھا کہ اگرچہ تعمیر قباب جائز نہیں مگر ان کا ہدم بھی غیر ضروری ہے۔ اس لئے ان کے گرا دینے سے ساری دنیائے اسلام میں ایک زبردست شورش پیدا ہو جائے گی۔ اور بجائے اس کے کہ دنیائے اسلام کو حکومتِ حجاز کے ساتھ ہمدری ہو، سخت بیزاری ہو جائے گی اور اس کے خطرناک نتائج اہل حجاز اور حکومتِ حجاز دونوں کے لئے بدترین ثابت ہوں گے۔

ان مسائل میں قاضی عبداللہ بن بلہید اور علماء مدینہ کے درمیان بڑی دیر تک بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ان کے ضمن میں مسئلہ حیات النبی ﷺ بھی آیا۔ جس کے متعلق علماء مدینہ نے اپنے عقائد و خیالات کا صاف صاف اظہار کیا مگر معاملہ بحث و دلائل کی حد سے باہر تھا۔ قاضی عبداللہ بن بلہید نجدی قوم میں بہت زیادہ ہوشیار اور دورِ حاضر کی موجودہ سیاست کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں۔ دوسرے دن انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ جو علماء ان کی مخالفت میں زیادہ پیش پیش تھے، انہیں چھوڑ کر باقی کو دعوت دی۔ علماء میں سے جن کو مدعو کیا گیا تھا، مولانا عبدالباقی اور

علامہ داغستانی کے سوا باقی حضرات نے بادلِ نخواستہ دستخط کر دیئے اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہوگیا جس کی وجہ سے آج ساری دنیائے اسلام میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔ یہ ہے علماء مدینہ کے فتویٰ کی حقیقت، جسے ام القریٰ میں شائع کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ علماء مدینہ بھی ہدم قباب کے موافق تھے۔[1]

قارئین کرام! سرزمین حجاز میں نجدی حکومت نے مزاراتِ مقدسہ اور مآثر کو گرانے اور منہدم کرنا شروع کیا تو عالم اسلام میں ایک ہیجان اور اضطراب پیدا ہوا۔ سلطان ابن سعود نے نجدی علماء کو دنیائے اسلام کے علماء پر فوقیت دی اور اپنے نجدی علماء کے فیصلہ کو ہی ترجیح دی تو جیسا کہ مسئلہ حجاز رپورٹ وفدِ خلافت ۱۹۲۶ء میں اراکین خلافت نے بھی اس طرح درج کیا ہے۔ تو صدر الافاضل، علامہ سید نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے ابن سعود نجدی کو مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ اس وقت ہمدم، سیاست وغیرہ کثیر الاشاعت اخباروں میں چھپ چکا ہے۔ اس میں نجدیوں کو بتایا ہے کہ ان کے عقائد باطل ہیں۔ اگر ابن سعود کو خیال ہو کہ ان کے علماء ان امور کو حق ثابت کر سکیں گے تو وہ ان کو مناظرہ کے لئے سامنے لائیں اور جب تک ایسا فیصلہ کن مناظرہ نہ ہو ابن سعود اس قسم کے افعال سے باز رہیں۔ یہ اعلان اخباروں میں چھپا تھا کہ غیر مقلد گروہ کے مشہور رکن مولوی ابو الوفا ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہلحدیث امرتسر نے جو اہلحدیث کانفرنس کے ناظم بھی ہیں اور امسال ایام حج میں ابن سعود کی تَر دعوتوں سے فیضیاب بھی ہو چکے ہیں، اس کا حق نمک ادا فرمانے کے لئے حضرت علامہ نعیم الدین علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک رجسٹری بھیجی جس میں نجدیوں کی طرف سے تحریری مناظرہ کی درخواست کی ہے۔[2]

قارئین کرام! مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعود کو اعلانِ مناظرہ تحریری طور پر لکھا تھا۔ کہ نجدی علماء باطل پر ہیں اور ہم ان سے مناظرہ کے لئے آمادہ ہیں۔ اگر انہیں ہمت ہو اور وہ اپنے حق پر گمان کرتے ہوں تو ہم سے مناظرہ کر لیں۔ اور جب تک فیصلہ کن مناظرہ نہ ہو لے تم اس قسم کے افعال سے باز رہو۔

قارئین کرام! نجدیوں کا اہالیان حرمین شریفین سے ظلم وستم اور مقابر ومشاہد کو مسمار کرنے اور روضۂ رسول مقبول علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی توہین اور بے حرمتی کے واقعات کا مطالعہ کیا۔ اس میں اظہر من الشمس ہے کہ نجدیہ وہابیہ کو امام المرسلین سید الانبیاء افضل الصلوۃ والسلام اور صحابہ عظام علیہم الرضوان سے کتنی محبت وعقیدت ہے۔

روضۂ مصطفوی ﷺ کے متعلق نورِ مجسم شفیع معظم رسول مکرم ﷺ کا فرمان ہے : من زار قبری وجبت له شفاعتی۔ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر لازم ہے۔[3]

لیکن یہ نجدی اس کو مسمار کرنے کے درپے ہیں۔ کتنا عناد اور دشمنی ہے بلکہ نبی پاک ﷺ کی قبر شریف تو نجدیوں کے نزدیک ایک بت ہے جیسا کہ نجدیوں کی شائع کردہ کتاب شرح الصدور میں درج ہے : فالقبر المعظم المقدس وثن وصنم بکل معانی الوثنیة لو کانو یعقلون۔ ''پس حضور ﷺ کی قبر شریف ہر لحاظ سے بت ہے۔ کاش کہ لوگ اس بات کو سمجھیں!''[4]

یہ ہے نام نہاد توحید کا پرچار کرنے کے مدعی حضرات کے نزدیک حدیث نبوی کی عظمت اور پیارے مصطفی ﷺ کی عقیدت کا حال۔

---

[1] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفدِ خلافت ۱۹۲۶ء ص ۸۵، ۸۶)

[2] (السواد الاعظم ص ۳ ماہ جمادی الاول ص ۱۳۴۵ھ)

[3] (دار قطنی، مشکوۃ شریف، اشعۃ اللمعات، شفاء السقام، فضائل حج)

[4] (شرح الصدور ص ۲۵)

کربلا معلّی اور نجف اشرف پر حملہ :اب اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان سے جو ان کو محبت وعقیدت ہے،اس کا اندازہ کربلا معلی شریف اور نجف اشرف پر جو ان لوگوں کے ظلم وستم ڈھائے ان کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے: نجدیوں اور وہابیوں کے ممدوح سلیمان ندوی رقمطراز ہیں : ''۱۲۱۶ھ کو سعود بن عبدالعزیز نجدی تمام نجد جنوب حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور بلد الحسین کے باشندوں پر حملہ کیا۔ ان پر دھاوا بول دیا۔اس کی دیواروں پر چڑھ گئے۔اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا۔اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بنایا گیا تھا،منہدم کر دیا۔قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔قبہ، زمرّد، یاقوت جواہر سے آراستہ تھا۔اور اس کے علاوہ دو ہزار آدمی قتل کئے گئے۔[1]

کربلا معلی کے مزارات کو تہہ و بالا کرنا اور لوٹ مار قتل وغارت کرنا:

سردار محمد حسن بی اے وہابیہ نجدیہ کی کربلا معلی میں بے اعتدالیوں اور گستاخیوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ: ''محمد بن سعود کا انتقال ۱۷۶۴ء میں ہوا۔اور اس کا بیٹا عبدالعزیز، جانشین ہوا۔باپ کے وقت میں یہ بڑا مستعد مجاہد تھا۔خود امیر ہونے پر سال میں چھ چھ مرتبہ غزوات کرتا رہا۔لیکن اس کا بیٹا سعود باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا۔اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر نجف اشرف اور کربلا معلی پر حملے کئے اور وہاں کے مزاراتِ مقدّسہ کو تہہ و بالا کر دیا۔لوٹ و غارت کا تو کچھ حساب ہی نہ تھا۔ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بداعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں ایک شیعہ درعیہ میں آیا اور جب کہ سلطان عبدالعزیز مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔اس کو قتل کر دیا۔[2]

کربلا معلی میں بے اعتدالیوں پر مسلمانوں میں اضطراب اور نجدیوں میں خوشی کی لہر:

سردار محمد حسن بی اے مورّخ لکھتے ہیں کہ : وہابی،شجاعت اور فتوحات کے نشہ میں چور تھے انہوں نے اب تک مزاحمت اور شکست کا منہ نہ دیکھا تھا۔قرب وجوار پر یورش کرتے تھے اور بڑے بڑے علاقوں کو لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کرتے رہے۔ناظرین کو معلوم ہے۔فرات کے ساحلی علاقوں میں کئی سو برس سے شیعوں کی کثیر آبادی ہے۔عراق میں شیعہ عنصر کی کثرت تھی۔اور اب تک ہے۔وہابیوں کو سنیوں سے تو نفرت تھی ہی،لیکن شیعوں کو یہ لوگ بہت ہی برا جانتے تھے۔۔وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں کربلا معلی پر حملہ کیا۔اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔کربلا معلی کی نہتہ اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلاقصور تہہ وتیغ کر دیا۔کربلائے معلی سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا۔کروڑوں روپیہ کا مال واسباب لوٹ لیا۔فتنہ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم وفساد کبھی نہ ہوا تھا۔دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔لیکن درعیہ نجد کے دارالسلطنت میں فتح ونصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔[3]

ناظرین کرام! یہ سعود بن عبدالعزیز نے مسلمانوں پر جو ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے۔انبیاء عظام علیہم السلام،صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء الرحمن رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور گستاخی کی۔مزارات اور مقاماتِ مقدسہ کو تہہ و بالا کر دیا۔یہ سب کچھ اس نے انگریز کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا کیونکہ اس کے سرپرست انگریز تھے۔وہ انگریز کا وظیفہ خوار و پٹھو تھا اس لئے مسلمانوں کے دل دکھائے اور انگریزوں کو خوش کیا۔اس کے انگریز کا وظیفہ خوار ہونے کا ثبوت سنٹرل خلافت کمیٹی کی مسئلہ حجاز کتابی شکل میں شائع شدہ رپورٹ میں موجود ہے جو کہ درج کیا جاتا ہے : ''یہ بھی خبر ملی ہے کہ

---

[1] (محمد بن عبدالوہاب ص ۶۹)

[2] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۳،۴۴)

[3] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۷،۴۸)

ابن سعود سلطان نجد کو بھی انگریزی خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔ایک کو برطانیہ کا دفتر خارجہ کی معرفت اور دوسرے کو حکومت ہند کے ذریعہ سے۔مگر اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطان ابن سعود کو یہ وظیفہ اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ ان کا منہ بند ہو۔''[1]

برطانیہ کا پٹھوا ابن سعود : مسٹر محمد علی کا فتویٰ : مشہور لیڈر مسٹر محمد علی صاحب ایڈیٹر ہمدرد کامریڈ نے (جو آج کل ابن سعود کے خاص نعت خوانوں میں داخل ہیں) اس تقریر میں جو آپ نے خلافت کانفرنس کراچی میں فرمائی تھی۔ابن سعود کے متعلق فرمایا کہ: ''اگر کسی وقت شریفِ مکہ امیر فضل برطانیہ کے برخلاف ہو جائیں تو بنظرِ حفظ ماتقدم ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کرلیا ہے۔اور وہ ابن سعود ہے۔جسے ساٹھ ہزار پونڈ (۹ لاکھ روپیہ) سالانہ دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ بوقتِ ضرورت اس کو شریف کی جگہ بٹھا دیا جائے۔''[2]

سردار محمد حسنی بی اے کا بیان : سردار محمد حسنی بی اے بھی جو کہ سوانح ابن سعود کے مؤرخ ہیں، عبدالعزیز بن سعود (جو کہ وہابیہ نجدیہ کے مجدد ہیں) کے متعلق انگریزوں کے وظیفہ کے متعلق لکھتے ہیں : ''عبدالعزیز ابن سعود کو بھی پانچ ہزار پونڈ ماہوار کا وظیفہ انگریزوں کی طرف سے ملتا تھا۔'' سردار محمد حسنی نے اس وظیفہ کے جاری رہنے کی مدت بھی لکھی ہے کہ : ''ابن سعود کا ماہانہ وظیفہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہو کر مارچ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔''[3]

مولوی ظفر علی خان: مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار زمیندار نے بھی ایک رباعی لکھی ہے۔جس میں ابن سعود کا تعارف اس طرح کرایا ہے:[4]

ابن سعود کیا ہے؟ فقط ایک حرم فروش
برطانیہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر
اسلامیوں پر اس نے برسوائیں گولیاں!
پھر کیوں نہ کشتنی ہو زمیندار کا مرید

قارئین حضرات! سعودی حکومت میں آلِ سعود اور آلِ شیخ دو خاندان مشہور ہیں۔دونوں باہمی پروگرامات طے کرتے ہیں۔بعد ازاں اس پر عمل درآمد ہوتا ہے۔سعودی حکومت نے جو مزاراتِ مقدسہ کو مسمار کیا تھا، یہ ان کے مجدد اور بڑے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیم اور طریقہ کے مطابق تھا۔کیونکہ نجدی نے خود اپنے ہاتھ سے مزارات مقدسہ کو ڈھایا اور مسلمانوں پر ظلم وستم کیا جو کہ درج کیا جاتا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا خود قبروں کو مسمار کرنا : شیخ الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے خود بھی قبروں کو مسمار کیا۔لوگوں کو پیسے کی لالچ بھی دی۔ چنانچہ وہابیہ کے پروفیسر محمد شریف اشرف خود ہی رقم طراز ہیں کہ : ''شیخ (محمد بن عبدالوہاب) حریملاء چھوڑ کر جب عینیہ میں داخل ہوا تو امیر عینیہ عثمان بن معمر نے ان کا بہت زیادہ اکرام کیا۔اور آپ کے ساتھ پورا تعاون اور مدد کا وعدہ کیا۔اس صلہ اور رابطہ کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے امیر عثمان بن معمر نے اپنے بھائی کی بیٹی جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے ان کی شادی کر دی۔شیخ نے پورے زور سے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کر دیا۔شیخ کے ساتھ ستر آدمی کی ایک جماعت تھی جس میں امیر عثمان بن معمر بھی تھے۔انہوں نے چند ہی دنوں میں تمام درختوں، قبوں اور قبروں کا صفایا کر دیا۔''

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبہ گرانا : ''اس کے بعد شیخ نے ارادہ کیا۔حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو گرائیں۔جو کہ جلیلہ میں

---

[1] (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ۲۶)

[2] (تقاریر مسٹر محمد علی صاحبن مطبوعہ المطابع دہلی حصہ دوم ص ۶۷، فتنہ نجدیت کے ڈھال کا پول، ص ۱۱، ۱۲)

[3] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۹، مطبوعہ جالندھر)

[4] (نگار ۱۲۵۲ از ظفر علی خان)

تھی۔امیر عثمان بن معمر سے فرمایا کہ ہمیں اس قبر کے گرانے کی اجازت دو،انہوں نے کہا کہ آپ کو پوری اجازت ہے۔شیخ نے فرمایا کہ اہل جلیلہ کا ڈر ہے کہ وہ ہم پر ٹوٹ پڑیں۔اس لئے میں اکیلا اس کو نہیں گرا سکتا۔جب تک کہ آپ ہمارے ساتھ نہ ہوں۔امیر عثمان نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں۔چنانچہ وہ چھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے۔جب اس کے قریب پہنچے تو اہل جلیلہ ان کو روکنے کے لئے آئے۔جب امیر عثمان نے ان کو دیکھا کہ وہ روکنا چاہتے ہیں۔تو اپنے ساتھیوں کو جنگ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔جلیلہ والوں نے جب دیکھا کہ یہاں تو لڑائی کی نوبت آگئی ہے۔تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔جب توڑنے کا وقت آیا تو امیر عثمان نے توڑنے سے انکار کر دیا۔اور کہا کہ آپ خود توڑیں۔چنانچہ شیخ نے کدال لے کر اپنے ہاتھ سے اس کو پیوست کر دیا۔''[1]

عبدالعزیز بن باز کی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب'' میں ہے :**فقال الشیخ للامیر عثمان بن معمر لابدّ من ھدم ھٰذہ القبۃ التی علی قبر زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو اخو عمر بن الخطاب امیر المؤمنین رضی اللہ تعالی عنھما و کان من جملۃ الشّھدآء فی قتال مسیلمۃ الکذّاب فی عام ۱۲ من الھجرۃ النبویۃ قد بنی علیٰ قبرہ قبّۃ فیما یتذکرون فوافقہ عثمان کما تقدّم و ھدمت القبۃ۔**[2]

ترجمہ : ''شیخ محمد بن عبدالوہاب نے امیر عثمان بن معمر کو کہا کہ زید بن خطاب کی قبر پر جو قبہ ہے اس کو گرانا ضروری ہے۔زید بن خطاب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔نیز مسیلمہ کذاب کے ساتھ ۱۲ ہجری میں جنہوں نے جنگ کی تھی ان میں سے تھے۔ان کی قبر پر قبہ بنایا گیا تھا۔جس میں لوگ ذکر کرتے تھے۔عثمان نے محمد بن عبدالوہاب کا حکم مان لیا اور قبہ کو گرا دیا۔''

ھدموا ما فیھا من القباب التی بنیت علی قبر خدیجۃ و غیرہ فازالوا القباب کلّھا۔ ''حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر جو قبے تھے،وہ بھی گرا دیئے،پس تمام قبوں کو ضائع کر دیا۔''[3]

نجدیوں کا مکر و فریب :ایک اور مستقل رسالہ الہدایۃ السنیہ کے نام سے ابن سعود کے حکم سے شائع ہوا ہے۔وہ بھی میں نے سرسری طور پر دیکھا ہے۔اس میں بھی خرافات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔لیکن بخوف تطویل نمونہ کے طور پر صرف مجموعہ مذکورہ کی چند عبارتیں معہ ترجمہ ذیل میں نقل کرتا ہوں :(۱) نبی کریم ﷺ سے توسّل ناجائز ہے۔(۲) اسألک بنبیک کہنا بھی مکروہ ہے۔(۳) نبی کریم ﷺ سے طلبِ شفاعت حرام ہے۔(۴) امام رازی و دیگر امت کی تکفیر۔(۵) مصنف قصیدہ بردہ شریف پر کفر کا فتویٰ

ناظرین! دیکھئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے ستون اسلام اور دوسرے بزرگوں کو کس طرح صاف الفاظ میں توحید سے جاہل قرار دے کر نجدیوں نے اپنی خباثت کا ثبوت دیا ہے۔اور کس طرح قصیدہ بردہ شریف کو شرک کہہ کر اس کے بزرگ مصنف اور اس کے پڑھنے والوں کو جن میں ہزاروں علماء و صلحاء بھی داخل ہیں،مشرک بنا کر کفر پروری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میش اندر طعنۂ پاکاں برد

ان عبارات کو پڑھ کر شیخ الاسلام علامہ زینی وحلان محدث شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ نجدی چھٹی صدی

---

[1] (مجموعۃ التوحید ص ۳۳،از پروفیسر محمد شریف اشرف)

[2] (محمد بن عبدالوہاب ص ۲۶،۲۷ مطبوعہ سعودیہ)

[3] (محمد بن عبدالوہاب ص ۴۲)

کے بعد تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔[1]

کانوں سے سنا کرتے تھے جادو بھی ہے اک شے
آنکھوں سے تیری نرگس فتاں نے دکھا دیا

مولوی بہاء الحق قاسمی تمام مسلمانوں کو نجدیوں کی اسلام دوستی کے متعلق غور وخوض کی دعوت دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ''اہل اسلام خود اندازہ لگالیں کہ ایسی خطرناک جماعت کا مرکز اسلام کے تسلّط مقاصد اسلامیہ کے لئے کس حد تک مفید ہوسکتا ہے۔[2]

چنانچہ نجدیوں کو اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ وہابیوں نے عبدالعزیز کے قاتل کو زندہ جلا دیا۔حالانکہ پیارے مصطفی ﷺ نے دشمن کو زندہ جلانے سے منع فرمایا ہے۔

مورّخ حسنی بی اے نے قاتل کو زندہ جلانے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے : عبدالعزیز بن سعود کا قتل اور نجدیوں کا قاتل کو زندہ جلانا : ۴ نومبر ۱۸۰۳ء کا واقعہ ہے کہ عبدالعزیز ظہر کی نماز میں امامت کر رہا تھا کہ مقتدیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور عبدالعزیز کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ یہ شخص شیعہ تھا۔ دو برس پیشتر اس کے اہل وعیال کربلا معلی میں تہہ تیغ کیے گئے تھے۔ یہ شخص انتقام کی غرض سے درعیہ آیا اور دو برس تک وہابی بنا مناسب موقع کی تاک میں لگا رہا۔موقعہ غنیمت جان کر وار کر دیا۔عبدالعزیز صدمہ سے جانبر نہ ہوسکا۔وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا۔لیکن وہ انتقام لے چکا تھا۔اور ظلم وفساد کے بانی کو موت کی گہری نیند سلا چکا تھا۔اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ عالم وہابیوں کی حرکات کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔[3]

دشمن کو آگ میں زندہ جلانے کی ممانعت پیارے مصطفی ﷺ سے حدیث صحیح میں درج ہے : اِنّی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا وفلانا بالنار وان النار لا یعذب بھا الّا اللہ فان اخذتموھما فاقتلوھما۔ یعنی میں نے تم کو فلاں اور فلاں کو جلانے کا حکم دیا تھا۔(اب ایسا نہ کرنا کیونکہ) آگ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ عذاب دیتا ہے۔اگر ان دونوں کو پکڑلو تو قتل کر دینا۔[4]

انہدام قباب اور ترکوں کی یاد

مسلک اہل حدیث کی ایک خاتوں راحیل شروانیہ بنت حاجی محمد موسیٰ خان شروانی نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں حج کیا اور اپنے سفر حج کی روداد لکھی۔اس کے دو سال بعد راحیل شروانی کے بھائی ہاروں شروانی اور ان کے دوست محمد مقتدی شروانی نے حج کئے اور راحیل کے سفرنامہ، ''زاد السبیل'' پر بعد کے بدلے ہوئے حالات کے تحت نوٹ لکھے۔ہم یہاں پر محمد مقتدی شروانی کے نوٹ سے بعض اقتباس نقل کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

(۱) ''سلطان ابن سعود کا جب دور آیا تو قتل وخون ریزی اور زیارت ومزارات کی انتہائی بے حرمتی اپنے ساتھ لایا۔جس سے اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگیا۔صدہا پرائیوٹ خطوط ہندوستان پہنچے اور بیسوں مضامین اخبارات میں چھپے۔جن میں نجدیوں کے خلاف نالہ وسیوں بلند کیا گیا۔

---

[1] (فتنہ نجدیت کے ڈھول کا پول ص ۱۲ تا ۱۶)

[2] (فتنہ نجدیت کے ڈھول کا پول ص ۱۸)

[3] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۸، ۴۹)

[4] (صحیح بخاری شریف ص ۴۱۵، ج ۱ مطبوعہ قصور، وص ۱۰۱ ج ۲ مطبعہ مصر)

الیٰ ان قال۔[1]

(۲)''حرمین شریفین سے باہر کی زیارت گاہیں اور تبرک یادگاریں نہ صرف منہدم، بلکہ نہایت بے حرمتی کی حالت میں تھیں اور معلوم نہیں راحیل صاحبہ کے ہم اعتقاد و ہم ملّت سلطان ابن سعود نے ان دلخراش وشرمناک افعال کی حلت و اباحت کن نصوص سے مستنبط کی تھی۔ جب ہم مکّہ مکرمہ پہنچے تو یہ عالم تھا کہ کوئی شخص بغیر مار کھائے ان مقامات و مکانات کے قریب تک نہ جا سکتا تھا حتّٰی کہ حرم شریف کے اندر مقام ابراہیم کے دروازہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا ملتزم و حجر پر ادنیٰ وقفہ پر بھی نجدی پولیس کے سپاہی جو غلاف شریف کو تھامے دیوار کعبہ کے پشتبان پر کھڑے رہتے تھے، بید کی مار مارتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے مدفن جنت المعلیٰ میں نہ صرف قبوب کو زمیں بوس بلکہ قبور تک کو مسمار اور ان کے گرد و پیش بول و براز پڑا ہوا اور اونٹوں کو بے مہار چرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہی نقشہ مدینہ منورہ میں بھی تھا وہاں کے مدفن جنت البقیع کے تمام قبوب اکثر ڈھائے جا چکے تھے۔ کوئی شخص شبکہ (جالی) مبارک کو ہاتھ نہ لگا سکتا تھا، نہ اس کے قریب جا کر بآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھ سکتا تھا۔ ایک قاری صاحب صف پر بیٹھ کر قرآن بجہر ولحن پڑھا کرتے تھے، ان کو روک دیا گیا تھا۔

گر ہمیں است مسلمانی کہ واعظ دارد

وائے گر از پس امروز بود فردائے[2]

راحیل صاحبہ ''زاد السبیل'' کے مقدمہ میں لکھتی ہیں : ''گو کہ اعتقاداً اسلطان ابن سعود اور میں ایک ہی ملّت کے سمجھے جاتے ہیں کیونکہ الحمدللہ میں بھی اہل حدیث ہوں، مگر پھر بھی میں وہاں کے بعض حالات کو افسوس کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ مثلاً مقامات متبرکہ کے مسمار کر دینے سے ہرگز اسلام کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سلطان ابن سعود ضرور غلطی پر ہیں کیونکہ ہم اگر ایک آدھ معمولی کام بھی جرأت سے اپنی عمر میں کر گزرتے ہیں تو یہ امید ہمارے دل میں ہوتی ہے کہ ہماری یادگار قائم ہوگی۔ چہ جائیکہ جنہوں نے تمدن اسلام کی شان سے دنیا کی اصلاح کی، جن کے واسطے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان انہیں کی خاطر پیدا ہوئے، ان کی بعض ضروری یادگاریں زمین سے نابود کر دی گئیں۔ مولد النبی، مولد فاطمہ کو مسمار کر دیا گیا۔ اور یہ فرمایا جاتا ہے کہ اس کی سند نہیں کہ یہ وہی جگہ ہے۔ اگر اس کی سند نہیں تو ضرور مکہ میں کوئی جگہ ہوگی جہاں یہ واقعات گزرے۔ حکومتِ عرب کا یہ فرض عین تھا کہ ایسے مقامات پر شرک و بدعات ہوتے تھے تو ان کی روک تھام کرتی تو ثواب دارین حاصل ہوتا۔ مگر اینٹ سے اینٹ بجا دینے سے ہرگز کوئی تقویت اسلام کو نہیں ہوئی۔ مولد فاطمہ میں غرباء کے بچوں کا مدرسہ تھا، وہ کون سی بدعت تھی کہ اس کو بھی نہ قائم رہنے دیا گیا۔[3]

حکومت سعودی نے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار اور بزرگوں کے مقابر اور دینی مشاہد کو مٹایا ہے۔ اس پر ہر طبقہ کے مسلمانوں نے سخت نفرت اور افسوس کا اظہار کیا ہے، محمد عاصم صاحب اور مولانا مودودی اگرچہ عقیدہ سعودیہ وہابیہ نجدیہ کے ہم مشرب ہیں لیکن آثار صحابہ کے ساتھ ان کا ظلم وستم انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ محمد عاصم صاحب ''سفر نامہ ارض القرآن، روداد سفر مولانا مولوی مودودی'' میں لکھتے ہیں :

(۱)''تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال (جو وہابیہ کے نزدیک اولیاء سے توسل کرنا شرک ہے (مؤلف) کو روکنا بالکل برحق مگر اسلام کے نہایت قیمتی آثار تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح

---

[1] (زاد السبیل ص ۲۴ بحوالہ تاریخ نجد وحجاز ص ۴۲۸)

[2] (زاد السبیل ص ۲۵، ۲۶ بحوالہ تاریخ نجد وحجاز ص ۴۲۹)

[3] (زاد السبیل ص ۲، ۳ بحوالہ تاریخ نجد وحجاز ص ۴۳۰)

درست نہیں ہے۔[1]

(۲)''جنت المعلیٰ جاہلیّت کے زمانہ سے آج تک اہل مکہ کا قبرستان ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب، چچا ابوطالب اہلیہ مکرمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور تمام دوسرے اعزہ یہیں دفن ہوئے ہونگے اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد کے صلحاء فقہاء محدثین کی قبریں بھی یہیں ہوں گی۔لیکن ان جگہوں کا تعین قطعی ناممکن ہے۔نجدیوں کی حجاز میں آمد سے پہلے یہاں بہت سی پختہ قبروں پر بڑے شاندار قبہ بنے ہوئے تھے، جو اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب کئے جاتے تھے اور لوگ ان پر طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔نجدیوں نے آکر تمام قبوں کو گرادیا اور پختہ قبروں کو مسمار کردیا۔اب یہاں کوئی پختہ قبر نہیں ہے۔''[2]

مشاہد و مآثر کے انہدام پر اہل عرب کے تاثرات

محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں :''اگلے دن (۱۴دسمبر) صبح کے وقت میں اور چودھری صاحب مدینہ منورہ کے گورنر (امیر المدینہ) کے دفتر گئے۔مدینہ کے گورنر ضابطہ کے لحاظ سے ایک شاہی خاندان کے شہزادہ ہیں۔لیکن وہ عملاً سارا سال نجد میں رہتے ہیں۔ان کے وکیل (سیکرٹری) عبداللہ اسدھیری ان کی جگہ تمام فرائض انجام دیتے ہیں۔اس لئے عموماً انہی کو امیر المدینہ کہا جاتا ہے۔اسدھیری نجد کا ایک بارسوخ خاندان ہے۔سعودی خاندان کی اس سے رشتہ داریاں بھی ہیں۔اس لئے اس کے بہت سے افراد کئی جگہوں مثلاً تبوک، العجہ اور حائل کے امیر یا وکیل الامیر ہیں، جس عمارت میں امیر کا دفتر ہے نہایت خستہ اور پرانے طرز کی عمارت ہے۔اس کی ابتک قسمت نہ جاگنے پر ہمیں تعجب ہوا۔امیر عبد اللہ اسدھیری سے ہماری ملاقات نہ ہوسکی، ان کے وکیل جوان کے بڑے صاحبزادے ہیں، سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مغرب کے بعد مولانا کو اپنے والد کے ہاں آنے کی دعوت دی، مغرب کے بعد ہم ان کے ہاں گئے۔نہایت سادہ لیکن باخبر قسم کے آدمی معلوم ہوئے۔اسلامی آثار کی حفاظت سے غفلت پر افسوس ظاہر کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ والے جس طرح اپنے آثار کی حفاظت کرتے ہیں اس پر رشک کرتے رہے۔''[3]

شورش کاشمیری کے تاثرات

شورش کاشمیری مسلک دیوبند کے نقیب پاکستان کے مشہور اہل قلم اور نامور صحافی تھے۔انہوں نے شاہ فیصل کے دور حکومت میں ۱۹۶۹ء میں سعودی عرب میں چودہ دن گزارے اور ان تاثرات کو اپنی کتاب ''شب جائے کہ من بودَ'' میں تحریر کئے ہیں :''سعودی حکومت نے عہد رسالت کے آثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مظاہر، اور اہل بیت کے شواہد اس طرح مٹادیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہیئے تھیں، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر محو کردی گئی ہیں، کہیں کوئی قبر یا نشان نہیں۔لوگ بتاتے اور ہم مان لیتے ہیں حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا باقی رہنا بدعت ہے، عقیدہ توحید کے منافی ہے۔سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے لیکن عصر حاضر کی ہر جدّت جدّہ ہی میں نہیں، پورے حجاز میں موجود ہے، بلکہ بڑھ کر پھیل رہی ہے۔کیا قرآن وسنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا؟ شاہ فیصل کی تصویریں ہوٹلوں میں لٹک رہی ہیں۔انہیں حکومت نے خود مہیّا کیا ہے، ایئر پورٹ پر اترتے ہی شاہ فیصل کی تصویر پر نظر پڑتی ہے، قہوہ خانوں اور ریستورانوں میں ان تصویروں کی

---

[1] (سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۵۳)

[2] (سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۵۶)

[3] (سفرنامہ ارض القرآن ص ۲۱۷،۲۱۸)

بہتات ہے،لیکن اس میں کوئی بدعت نہیں! بدعت اسلاف کی یادیں بنانے اور باقی رکھنے میں ہے؟[1]

شرک اور عشق کا فرق

''میں نے سہیل سے کہا آخر اس بے توجہی اور آثار فراموشی کی وجہ کیا ہے؟ جس جگہ کو قرآن، سیرت اور احادیث و تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے وہ بے اعتنائی کی مستحق ہے؟ اگر یہ چیزیں مکّہ سے نکال دی جائیں تو مکّہ کے پاس کیا رہ جاتا ہے؟ بیت اللہ نے مکہ کو معراج بخشا، لیکن اس معراج کو جس صاحب کی معرفت ہم نے پہچانا، اور ہمیشہ کے لئے ام القریٰ ہوگیا، اس کے آثار و نقوش نہ ہوتے تو مکہ میں کرہ ارضی کے انسان کے لئے کیا کشش تھی، یہ چیزیں تو بیت اللہ کے حاشیے ہیں۔ عربوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے شرف و امتیاز کو انہی چیزوں نے زندہ کر رکھا ہے۔ یہ سب جس آقا کے دم قدم سے ہے وہی آقا عربوں کو ابدالآباد تک اعزاز دے گیا۔

محمد (ﷺ) عربی نہ ہوتے تو عربوں کی تاریخ اس کے سوا کیا تھی کہ اور قوموں کی طرح وہ بھی ایک قوم تھی۔ حج اور عمرہ نے طلوع قیامت تک عربوں کی معیشت قائم کر دی، ان کے بازاروں کی رونق فخر موجودات ﷺ کی ذات ہے، کہ لوگ ان کے عشق میں ان کی دعوت پر کھچے آتے ہیں اور مہمان ہو کر میزبانی کرتے ہیں۔ میں نے سہیل کو یاد دلایا کہ آل سعود کی حکومت یورپ کی ہر چیز سے متمتع ہو رہی ہے حتیٰ کہ طبیعت نوجوان رکھنے کا یہ سامان یہاں موجود ہے۔ لیکن جس علم نے یورپ کی بالادستی قائم کی ہے، اور اس نے جوڑ بٹور کر اپنی تاریخ گھڑلی ہے وہ علم عربوں کے ہاں حقیقی ماخذ سمیت موجود ہے اور عرب ہیں کہ اپنی تاریخ اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں۔ یورپ کا مزاج یہ ہے کہ وہاں علم کھنڈر تلاش کر رہا ہے اور جستجو ویرانے کھود رہی ہے۔ لیکن ہم تاریخ کی اس دولت سے جو سرور کونین ﷺ کے سوانح و افکار پر روشنی ڈالتی ہے، اور عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات و کوائف سے آگاہ کرتی ہے، ایک ایسا برتاؤ کر رہے ہیں کہ اس پر اغماض و استبداد دونوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ تاریخ و عشق دونوں سے زیادتی ہے۔ سعودی حکومت قرن اوّل کی حکومت نہیں آج کی بادشاہت ہے، منشاء نبی ﷺ نہیں، قیصر و کسریٰ کی یادگار ہے کہ ہم نے اپنے لئے اسے مشرف بہ اسلام کر لیا۔

سہیل کو اصرار تھا کہ یہ ''بے حرمتی'' شرک کی خرابیوں کا ردعمل ہے۔ لوگوں نے ان جگہوں کو معابد بنالیا اور معبود حقیقی سے ہٹتے جا رہے تھے۔ ان کے لئے بیت اللہ سے زیادہ بیعت رضوان کا درخت عزیز تھا کہ جس کے ہاں بچہ نہیں ہوتا وہ عورتیں اس سے لپٹ کر دعائیں مانگتی تھیں۔

میں نے سہیل سے کہا یہ کہانی صحیح بھی ہو تو یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیزیں مٹادی جائیں جو بہر حال تاریخ کی یادگار ہیں۔ آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی آثار ہیں، صفا اور مروہ بھی شعائر اللہ ہیں مزدلفہ کیوں جاتے ہیں، منیٰ کیوں پہنچتے ہیں، عرفات کیا ہے، جمرۃ العقبیٰ جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں، جو رسمیں وہاں ادا کی جاتی ہیں وہ مظاہر ہیں۔ انہی عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا ہے تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملّت تیار کی۔ بہ قول اقبال : دین اللہ کی طرف سے آتا ہے اور ملّت پیغمبر ﷺ بناتے ہیں۔ اس عالیشان پیغمبر ﷺ کا مولد و مسکن، اس کی دعوت کے مراکز، منازل اور نزول وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کئے جائیں، اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟ یہ سب ان انسانوں کی یادگاریں ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابدالآباد تک موڑ کر زندہ جاوید ہو گئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک زندہ رہے گا۔ جن کیلئے تمام عزتیں ہیں جو حضور ﷺ کے اہل بیت تھے وجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ ان کے آثار محفوظ نہ رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ کی جائے گی۔ سعودی حکومت نے شرک (خود ساختہ) کو منہدم کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی عشق کو بھی مسمار کر دیا وہ

---

[1] (شب جائے کہ من بودم ص ۲۳، ملخصًا)

شرک اور عشق میں امتیاز نہ کرسکی حالانکہ یہ چیزیں عقیدہ نہیں تاریخ ہیں۔جس قوم نے سب سے پہلے دنیا کو تاریخ دی اور جس کے مآخذ کلام اللہ نے محفوظ کئے ہیں، وہ قوم آج اپنی تاریخ کو مٹانے پر تلی ہو تو یہ ایک المیہ ہے۔"[1]

جنت المعلیٰ کے متعلق لکھتے ہیں "جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے۔منیٰ کے راستہ پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے، یہاں سے ایک چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔جس سے قبرستان کے دو حصّے ہو گئے ہیں گرد اگرد ایک پختہ چہار دیواری ہے کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں سب نشان ڈھا دیئے گئے ہیں۔ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں چراغ نہ پھول، کسی کی قبر پر نشاندہی کے لئے کنکریاں پڑی ہیں، عجیب ویرانہ ہے۔جس حصہ میں حضرت اسماء حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر، حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام جبیر اور سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کشتگانِ حجاج بن یوسف) کی قبریں ہیں، اندر جانے کے لئے ایک دروازہ ہے، لیکن وہ قبور پر حاضری کیلئے نہیں، نئی میتوں کے لئے ہے۔اور جس حصہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ان کے افراد خاندان آرام فرما ہیں، یا حضور کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور کے لختِ جگر قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور کے چچا ابو طالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہوگئی ہیں کسی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں، دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا۔میں اور سہیل ایک پہاڑی پر چڑھ گئے، وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر نگاہ کی، ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار۔؟ میں کانپ اٹھا، میرا دل دھک دھک کرنے لگا، مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے۔لیکن جس عورت کو پیغمبر آخر الزمان کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو فاطمۃ الزہریٰ رضی اللہ عنہا کی ماں تھیں، وہ ایک قبر ویران میں پڑی ہیں، میں اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا آنکھوں میں بدلیاں آگئیں۔میں نے کہا سہیل! عربوں کا مزاج ہی ان کے لئے سزا ہے، کیا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکی زندگی نہیں گزار رہیں؟ حضور کو بعثت سے پہلے گیارہ سال ستایا گیا، ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اب ستایا جا رہا ہے۔حضور مدینہ میں، ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں! اس عظیم عورت کا انسانیت پر کتنا احسان ہے، سب سے پہلی آواز جس نے نبوت کی بشارت پر صادکیا۔اپنی جسارت پر مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑے ہونے کا حوصلہ کیا۔میں ہل گیا، ایک کپکپی طاری ہوگئی۔

مرااے کاشکے مادر نہ زادے

جو لوگ اس کا نام قرآن وسنت رکھتے ہیں وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے ہیں۔اونچے محل بناتے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عربی کی دولت سمیٹتے اور اس کا نام خزانہ شاہی رکھتے ہیں۔جس ذات اقدس کے صدقہ میں عزتیں پالی ہیں، اس کے آثار اقدس کی یہ بے حرمتی!

یہ قرآن وسنت نہیں اہانت اور صریح اہانت ہے، اللہ کی زمین اور دفینے سب اللہ کا مال ہے، اس کی مخلوق کا مال ہیں۔کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو گلہ بنالے خود چرواہا بن بیٹھے، گوشت کھالے۔کھالیں بیچ ڈالے موت کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی، جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں موت ان سے بھی متعاقب ہے لیکن جنت معلیٰ میں وہ لوگ سو رہے ہیں۔جو ہمیں زندہ کر گئے، جو منہ پھیر کر شاہوں پر نگاہ کرتے تو ان کی گودڑیوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتی تھی۔سعودی حکومت عشق اور شرک میں فرق نہیں کرسکی ہے، رحمت ان قبروں میں ہونے والوں پر، اور عبرت ہمارے لئے! کتنی عظیم زندگیاں ان قبروں میں سو رہی ہیں۔"[2]

---

[1] (شب جائے کہ من بودم ص ۶۸ تا ۷۱)

[2] (شب جائے کہ من بودم ص ۷۱، ۷۳)

وادی بدر کی حالت زار

وادی بدر کے متعلق لکھتے ہیں : ''تین سو تیرہ نے، جن میں صرف دو گھوڑے سوار تھے، قریش کی ایک ہزار فوج کو جس میں ایک سو سوار تھے تین تیرہ کر دیا۔ قریش کے نامور روٴساء میں ننانوے فی صد لقمۂ اجل ہو گئے۔ ابو جہل، معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہم عمر بھائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا سر کاٹ کے حضور کے قدموں میں ڈال دیا، عتبہ جو روٴساء مکہ میں پہلے نمبر تھا، قریش کے لشکر کا سالار تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ سب کچھ اس جنگ ہی کی فتوحات تھیں اور وہ شہداء جنہیں حضور ﷺ نے خود دفنا دیا تھا۔ ان کی قبریں آج ''وارثین سنت'' کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں، تاریخ کے وہ عظیم آثار محو ہوتے جا رہے ہیں۔ جنہیں عتبہ و ابو جہل نہ مٹا سکے، انہیں ہم اپنے ہاتھوں محو کر رہے ہیں۔ میں جھنجھلا گیا، یہ قرآن و سنت نہیں! یہ سنگینی اور سنگدلی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یادگاریں مٹائی جا رہی ہیں اور اپنی یادگاریں کھڑی کی جا رہی ہیں۔

کیا عرب اس اہانت اور بغاوت کی سزا نہیں پا رہے؟ عربوں کو شرف انسان کن سے حاصل ہوا؟ آج یہی منبع مٹائے جا رہے ہیں۔ سورہ انفال کے مہبط سے یہ سلوک عشق و ایثار کی توہین ہے کیا قرآن و سنت کے داعی جو احادیث پر زندگی بسر کرتے ہیں بھول گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے کہا تھا کہ اہل بدر سب مسلمانوں میں افضل ہیں۔ اس پر جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا تھا جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے، ان کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔ ادھر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برچھی سے ابو کرش کا صفایا کر دیا، رسول اللہ (ﷺ) نے وہ برچھی لے لی، چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی، آخر اس برچھی میں کیا خصوصیت تھی؟ کیا اس کے لئے قرآن میں کوئی حکم آیا تھا؟ لیکن یادگار تھی، منتقل ہوتی گئی، آخر ان بادشاہوں نے جو امیہ کے خاندان میں سے تھے اور یادگاروں کی طرح اسے بھی گم کر دیا۔''[1]

جنت البقیع

''جنت البقیع کوئی آٹھ ایکڑ رقبہ میں ہوگا۔ چاروں طرف چار، ساڑے چار فٹ فصیل ہے، ایک ہی دروازہ، اس دروازہ پر ایک ہی سپاہی کھڑا رہتا ہے، کبھی بار زائروں کے انتظار میں رہے اور کوئی معاوضہ طے کئے بغیر وہ ڈھیریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی قبور کس وجود مبارک کی ہے۔ یہاں کوئی پھول والا نہیں، کوئی مشکیزہ نہیں، شمع و گل ناپید ہیں۔

جنت المعلیٰ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ وہاں کچھ بے اعتنائی زیادہ ہے۔ لیکن جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور ان گنت شہدائے اسلام، صلحائے امت اور اکابرین دین کے سفر آخرت کی منزل ہے، ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے۔ دامن یزداں چاک کرنے کا حوصلہ نہیں، کلاہ سلطانی تک رسائی نہیں، اپنا گریباں چاک کرنے سے فائدہ نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کہا تھا : ''عرب والے سرکش اونٹ ہیں، جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستے پر چلا کر چھوڑوں گا۔'' جنت البقیع میں کوئی عرب نہیں آتا، اصل عرب قبروں میں سو رہے ہیں۔ اور وہی صحیح عرب تھے جن کے لئے قرآن اترا تھا۔ اب وہاں ہم سے عجمی جاتے ہیں اور ایک ایسے منظر سے واسطہ پڑتا ہے کہ بکھر جاتا ہے۔ ان عربوں کا طرّہ کیا ہے؟ یہی کہ ان کے خطہ میں کعبۃ

---

[1] (شب جائے کہ من بودم ص ۱۲۷-۱۲۳ ملخصًا)

اللہ اور مدینۃ النبی ﷺ واقع ہیں۔ان کے دامن جبل نور، جبل رحمت، جبل صفا، اور جبل احد ہیں۔ان کے راستے رسول اللہ ﷺ کے قدموں سے مستفید ہیں، ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خطاب کیا ہے، آخری نبی کو ان میں سے مبعوث فرمایا۔نوے فیصد تاریخ اسلام ان کی آغوش میں استراحت کر رہی ہے۔لیکن یادگاروں کے محفوظ کرنے سے انہیں شرع روکتی ہے۔مگر ان کے اپنے وجود لفظی و معنوی ماوریٰ ہیں۔انہیں ذرا برابر احساس نہیں کہ اس مٹی میں کون سو رہے ہیں۔

رسول مقبول ﷺ کے لخت پارے ہیں، ان کی نور نظر اور اس نور نظر کے چشم و چراغ ہیں، چچا ہیں، چچا کے بیٹے ہیں، امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، اولیاء ہیں، فقہاء ہیں، علماء ہیں، حکماء ہیں، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں لیکن عرب ہیں کہ قبر ڈھائے جا رہے ہیں اور محل بنائے جا رہے ہیں۔مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا۔دل یوں ہوگیا جس طرح کنویں میں ڈول تھرتھراتا ہے۔"[1]

وہابی مذہب کی تاریخ، تعلیم و تربیت اور عقائد وہابی مذہب کی تاریخ

محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۱۱۱ھ بمطابق ۱۷۰۵ء میں نجد میں پیدا ہوا۔ابتدائے عمر میں مدینہ منورہ میں علم حاصل کرتا تھا۔مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان آیا جایا کرتا تھا۔اس کی اصل بنو تمیم سے ہے۔بہت سے علماء مدینہ سے پڑھتا رہا۔ان اساتذہ میں سے شیخ محمد بن سلیمان الکروی الشافعی اور شیخ محمد حیات السندی الحنفی بھی ہیں۔یہ دونوں اساتذہ اور دیگر شیوخ اس میں الحاد، ضلالت اور گمراہی کی علامات پاتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ **سیضل ھٰذا و یضل اللہ بہ من ابعدہ و اشقاہ فکان الامر کذالک و ما اخطأت فراستھم فیہ** عنقریب یہ گمراہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بعد میں آنے والے شقی لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ان مشائخ کی فراست غلط نہ ہوئی۔اس کے والد ماجد بھی اس میں الحاد کی علامت پاتے تھے۔اور اکثر اس کی برائی کرتے تھے لوگوں کو اس سے بچنے کی تاکید کرتے۔اسی طرح اس کے بھائی علامہ سلیمان بن عبدالوہاب بھی اس کی ایجاد کردہ بدعات و ضلال اور عقائد باطلہ کا انکار کرتے تھے بلکہ انہوں نے اس کے رد میں ایک کتاب **الصّواعق الالٰھیہ فی الرّدّ علی الوھابیۃ** لکھی۔[2]

علامہ محمد عبدالرحمن سلہٹی علیہ الرحمۃ کا بیان : علامہ محمد عبدالرحمن سلہٹی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف لطیف میں نجدی کے متعلق لکھا ہے کہ "سلطان محمود خان ثانی کے زمانہ میں ایک شخص محمد عبدالوہاب نامی ظاہر ہوا۔ابن تیمیہ کے مرجانے کے بعد اس نے اس مٹے ہوئے عقائد فاسدہ کو ظاہر کیا۔ **و ابتدع شریعۃ مخالفاً عن مذھب السّنّۃ و کان یطوف من الفرات الی امکنۃ و شام و البغداد و البصرۃ و من ھناک رجع الی بلاد العرب و باسعان الامیر ابن السّعود الذی کان دخل فی ھٰذہ الشیعۃ جذب الیہ جمھور من اھال البلاد و سمو الوھّابیۃ باسم کبیر ھم محمد بن عبد الوھاب** اس نے نئی شریعت کا اظہار کیا۔اہل سنت کے خلاف اس نے ایک گروہ بنا لیا فرات سے لے کر شام، بغداد شریف، بصرہ، تک شہروں میں گھومتا رہا اور وہاں سے بلادِ عرب کی طرف لوٹ آیا۔امیر ابن سعود کی مدد کی وجہ سے جو اس کے گروہ میں داخل ہو چکا تھا۔شہر کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔اس وجہ سے وہ اپنے سردار محمد بن عبدالوہاب کے نام پر وہابیہ کے نام سے پکارے گئے۔[3]

ممدوح الوہابیہ والدیابنہ مولوی عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ : "دراصل موصوف نے کسی ایسے استاد سے علم حاصل نہ کیا تھا۔جو انہیں صحیح

۱(شب جائے کہ من بودم، ص ۱۶۹)

۲(الدرالسنیہ ص ۴۲)

۳(سیف الابرار علی المسلول الفجار ص ۱۱)

ہدایت کی راہ پر لگاتا اور نفع مند علوم کی طرف ان کی رہنمائی کرتا۔ اور دین کے معاملات میں ان میں تفقہ اور سمجھ پیدا کرتا۔ طلب علم کے سلسلہ میں موصوف نے صرف اتنا کیا کہ شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی بعض کتابیں پڑھ لیں اور ان کی تقلید کی۔''

شیخ سیّد محمد امین جو ابن عابدین کے نام سے مشہور ہیں۔ شرح الدر المختار میں باغیوں کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے کہ ہمارے زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں یہ لوگ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر قابض ہو گئے، یہ اپنے آپ کو حنبلی مذہب کے پیرو کہتے تھے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اپنے سوا باقی سب مسلمانوں کو جو ان کے اعتقادات کے مخالف ہوں کافر سمجھتے ہیں۔ اور ان کا خون بہانا جائز جانتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کو قتل کرنے میں دریغ نہ کیا۔''[1]

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے جب اپنے عقائد باطلہ اور نظریاتِ فاسدہ کا اظہار کرنا چاہا تو وہ مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف چلا گیا اور لوگوں کو خرافات باتیں سناتا تھا اور سمجھاتا تھا کہ جس پر لوگ ہیں وہ سب شرک و گمراہی ہے۔ اور اپنا عقیدہ آہستہ آہستہ ظاہر کرتا تھا۔ جب عام جنگلی لوگوں نے اس کے عقائد کو اختیار کر لیا۔ ۱۱۵۰ھ میں نجد اور اس کے مضافات میں اس کی شہرت ہو گئی اور امیر الدرعیہ محمد بن سعود اس کا مددگار بن گیا اور شیخ نجدی کو اپنے ملک کی وسعت کا وسیلہ اور ذریعہ بنالیا۔ اور اہل درعیہ کو اس نے محمد بن عبدالوہاب کی متابعت پر آمادہ کر لیا۔ پس درعیہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں نے اس کا اتباع کیا۔''[2]

سردار محمد حسنی بی اے اپنی کتاب سوانح حیات ابن سعود میں رقمطراز ہیں کہ : ''شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ ان مزاروں اور ان کے متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا۔ ابن معمر نے قبول کیا۔ دونوں ہم مشورہ ہو کر جلیلہ گئے۔ یہاں چند صحابیانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات تھے۔ دونوں مزارات مسمار کر دیئے۔[3]

مفتی حرم شریف علامہ زینی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے عرب کے بہت سے قبائل اس کی اطاعت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو قوت ہو گئی تو جنگلی اس سے خوف کھانے لگے۔ وہ بدو بالکل جاہل تھے۔ امور دین کو قطعاً جانتے ہی نہ تھے۔'' (الدرر السنیہ ص ۴۳)

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیم : ان لوگوں کو محمد بن عبدالوہاب نجدی نے جو تعلیم دی اس کا تذکرہ علامہ زینی اور علامہ آفندی علیہما الرحمۃ نے اپنی کتابوں میں ان الفاظ میں فرمایا کہ : **الحق عنده ما وافق هواه وان خالف نصوص الشرعية واجماع الامّة وضابط الباطل عنده مالم يوافق هواه وان كان على نص جلي اجمعت عليه الامة وكان ينتقص النبي صلى الله عليه وآله وسلم كثيرا بعبارات مختلفةٍ ويزعم ان قصده المحافظة على التوحيد فمنها ان يقول انه طارش وهو في لغة اهل المشرق بمعنى الشخص المرسل من قوم الى آخرين فمراده انه صلى الله عليه وآله وسلم حامل كتب اى غاية امره انه كالطارش الذى يوسله الامير او غيره في امر الناس ليبلغهم اياه ثم ينصرف حتى ان بعض اتباعه كان يقول عصاى هٰذه خيرٌ من محمد لانها ينتفع بها في قتل الحية ونحوها ومحمد قدمات ولم يبق فيه نفح اصلا وانما هو طارش وقد مضى قال بعض من الف في الرّد عليه ان ذالك كفر في المذاهب الاربعة بل هو كفر عند جميع اهل الاسلام۔**

''محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نزدیک حق وہی تھا جو اس کی خواہش کے موافق ہو۔ اگرچہ نصوص شرعیہ و اجماع امت کے مخالف ہو اور باطل وہ تھا جو اس کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اگرچہ وہ نص جلی سے جس پر اجماع امت ہو ثابت ہو۔ اکثر وہ نص جلی سے جس پر اجماع امت ہو ثابت ہو۔ اکثر

---

[1] (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۳۰)

[2] (الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ ص ۴۲، ۴۳)

[3] (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۱)

نبی اکرم ﷺ کی تنقیص مختلف عبارتوں سے کیا کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میرا ارادہ توحید کی حفاظت ہے۔ مثلاً کہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ طارش تھے۔ اس کے معنی اہل مشرق کی لغت میں اس شخص کے ہیں جو ایک قوم کی طرف سے دوسری قوم کی طرف بھیجا جائے مطلب یہ تھا کہ نبی پاک ﷺ حامل کتب ہیں یعنی آپ کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ طارش کی طرح ہیں۔ جو لوگوں کو امیر وغیرہ کا پیغام پہنچا کر لوٹ آتا تھا۔ اس کے بعض متبعین یہ کہتے تھے کہ ہمارا عصا محمد ﷺ سے بہتر ہے۔ اس واسطے کہ اس سے سانپ وغیرہ کے مارنے سے نفع ملتا ہے۔ اور محمد تو مر چکے ہیں ان سے تو کچھ نفع نہیں وہ تو طارش تھے سو گزر چکے۔ بعض علماء نے اس کے رد میں لکھا ہے کہ یہ چاروں مذاہب میں بلکہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے۔"[1]

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے قبائح اور خبائث

نبی پاک ﷺ کے روضہ انور کی زیارت کرنے والوں کی ڈاڑھی مونڈھنا : علامہ آفندی علیہ الرحمۃ نے ابوالوہابیہ نجدی کے قبائح اور خبائث بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: **ومن قبائح ابن عبد الوهاب الشنيعة انه منع الناس من زيارة قبر النبي ﷺ فبعد منعه خرج اناس من الاحساء وزاروه ﷺ فلما رجعوا مروا على ابن عبد الوهاب في الدرعية فامر بحلق لحاهم وأركبهم مقلوبين الى الاحساء** ۔ محمد بن عبدالوہاب کی خباثتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان لوگوں کو زیارت نبی کریم ﷺ سے منع کر دیا۔ تو کچھ لوگ احساء سے نکلے اور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ یہ خبر اس کو پہنچ گئی۔ جب وہ واپسی میں درعیہ سے ہو کر گزرے تو محمد بن عبدالوہاب نے ان کی ڈاڑھی مونڈھنے کا حکم دیا۔ پھر ان کو درعیہ سے احساء تک الٹا سوار کر کے بھیجا۔[2]

دلائل الخیرات کو جلانا مزارات کی جگہ بیت الخلاء بنانا، اذان کے بعد درود شریف پڑھنے والے کو قتل کرنا : مفتی حرم شریف علامہ سید احمد بن ذینی علیہ الرحمۃ نے بھی ابوالوہابیہ نجدی کے قبائح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : **احراقه كثيرا من كتب العلم وقتله كثيرا من العلماء وخواص الناس وعوامهم واستباحة دمائهم واموالهم ونبشه لقبور الاولياء وقدامر في الاحساء ان تجعل بعض قبورهم محلا لقضاء الحاجة ومنع الناس من قرأة دلائل الخيرات ومن الرّواتب ولاذكار ومن قراءة المولد الشريف ومن الصلاة على النبي عليه الصلوة والسلام في المنائر بعد الاذان وقتل من فعل ذالك ومنع الدعاء بعد الصلاة وكان يصرح بكفر المتوسل بالانبياء والملائكة والاولياء يزعم ان من قال لاحد مولانا او سيدنا فهو كافر۔**[3]

ترجمہ: "محمد بن عبدالوہاب نجدی نے بہت سی کتابوں کو جلا دیا۔ بہت سے علماء اور خواص وعوام کو قتل کر دیا۔ اور ان کے جان مال کو حلال سمجھ کر لوٹ لیا۔ نبی پاک ﷺ و دیگر انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء الرحمن علیہم الرحمۃ والرضوان کی تنقیص کی اور ان کی قبریں اکھیڑ ڈالیں۔ احساء میں حکم دے دیا کہ بعض قبور اولیاء الرحمن کو بیت الخلاء بنا لیا جائے۔ لوگوں کو دلائل الخیرات اور درود و وظائف اور نبی پاک ﷺ کا میلاد شریف منانے اور مناروں پر بعد اذان درود شریف پڑھنے سے منع کر دیا۔ انبیاء ملائکہ اور اولیاء اللہ سے توسل کرنے والے کو صاف طور پر کافر کہتا تھا۔ اور گمان کرتا تھا کہ جو کسی کو مولانا یا سیدنا کہے وہ کافر ہے۔"

انبیاء اور اولیاء کی توہین کرنا : علامہ سیدی علوی الحداد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ : **محقق عندنا من اقواله وافعاله ما يوجب خروجه عن القواعد الاسلامية لما انه يستحل امورا مجمعا على تحريمها معلومة من الدين بالضرورة بلا تاويل سائغ وهو مع ذالك**

---

[1] (الدرر السنیہ ص ۴۲، الفجر الصادق ص ۱۸)

[2] (الفجر الصادق ص ۲۰، ۲۲، مطبوعہ استنبول)

[3] (الدرر السنیہ ص ۵۲، ۵۳)

ینتقص الانبیاء و المرسلین و الاولیآء و الصالحین و انتقاصھم عمدا کفر بالاجماع عند الآئمۃ الاربعۃ۔

"بے شک ہمارے نزدیک محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اقوال اور افعال سے یہ چیز ثابت شدہ ہے جو کہ قواعد اسلامیہ سے اس کو نکالتی ہے اس لئے کہ اس نے ان امور کو جائز قرار دیا ہے۔ جس کے حرام ہونے پر پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ جن امور کا بغیر تاویل کے تسلیم کرنا ضروریات دین سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ انبیاء مرسلین اولیاء وصالحین کی تنقیص اور توہین کرتا ان کی تنقیص عمدا کرنا آئمہ اربعہ کے نزدیک بالاجماع کفر ہے۔"[1]

محمد بن عبدالوہاب نجدی کو ماننے والوں کے علاوہ سب مشرک ہیں

علامہ آفندی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ : ویثبت فی قلوبھم ان جمیع من ھو تحت السّماء مشرک بلا مراءٍ و من قتل مشرکاً فقد وجبت لہ الجنۃ فکان ابن عبد الوھاب فی قومہ کالنبی فی امتہ لا یترکون شیئا مما یقولہ و لا یفعلون شیئا الا بامرہ و یعظمونہ غایۃ التعظیم۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں علی الاطلاق مشرک ہیں۔ اور جو مشرک کو قتل کرے گا اس کے لئے جنت لازم ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی ان میں نبی کی طرح تھا۔ وہ اس کے کسی قول کو نہ چھوڑتے تھے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام کرتے۔ اس کی از حد تعظیم کرتے تھے۔[2]

(۳۶) ﴿باب نمبر چھتیس خوارج وہابیہ کے اعتراضات کے بیان میں﴾

۱) انسان العیون میں ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی اس کا نام شجرۃ الرضوان مشہور ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمانہ خلافت میں خبر پہنچائی گئی کہ لوگ اس درخت (شجرۂ رضوان) کے نزدیک نمازیں پڑھتے ہیں (تبرک کے طور پر) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو وہاں سے بھگا کر اس درخت کو کٹوا دیا کہ کہیں بدعت نہ پھیل جائے۔

جواب: بدعت پھیل جانے کی وجہ وہ نہیں جو دیوبندیوں وہابیوں اور ان کے ہمنواؤں نے مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل درخت کٹوایا۔ اصل درخت کو کٹواتے تو ہم بھی تبرکات کے قائل نہیں ہوتے، بلکہ یقین سے اس درخت کو کاٹا جو لوگوں نے اپنے گمان سے اسے اصل درخت سمجھ رکھا تھا اور ہمارے نزدیک وہ متبرک نہیں بلکہ جعلی (من گھڑت شے) ہے اس کی بنیاد ختم کر دینا ضروری ہے ذیل میں ہم دلائل قائم کرتے ہیں کہ یقیناً درخت اصل پہلے سال ہی ناپید ہوگیا جس درخت کو عوام نے متبرک سمجھ رکھا تھا وہ ان کا محض گمان اور خیال تھا۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کبار تابعین سے ہیں) اپنے والد سے جو بیعت الرضوان میں شریک تھے، روایت کرتے ہیں کہ جب ہم سال آئندہ یہاں آئے تو ہم حدیبیہ کے مقام کو نہ پہچان سکے۔ اس زمانہ میں مکّہ مکرمہ پہنچنے کا یہی راستہ تھا یعنی حدیبیہ ہو کر مکہ مکرمہ میں پہنچتے تھے اور آج کل حدیبیہ کا مقام سیدھے ہاتھ کی طرف رہ جاتا ہے۔

(۲) طارق بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم ادھر گزرے تو ہم نے کچھ لوگوں کو ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پس میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے اور یہ مسجد یہاں کیسی بنائی ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ موضع شجرہ ہے، اس مقام پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کے نیچے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ﴿الفتح ۱۸﴾

---

[1] (الفجر الصادق ص ۱۹)

[2] (الفجر الصادق ص ۲۰، مطبوعہ استنبول)

ترجمہ : ''بیشک اللہ راضی ہوا ان مؤمنین سے جنہوں نے آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی''

لوگوں نے یہاں مسجد بنالی ہے جس طرح تمام مدینہ منورہ اور اس کے راستے میں تمام مصطفوی آثار پر مسجد بنا کر ان کو محفوظ کرلیا ہے اور ان مقامات پر نماز ادا کرتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ طارق ابن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ لوٹ کر آیا اور سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ واقعہ بتایا۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں شریک تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی لیکن جب ہم آئندہ سال مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور اس مقام پر پہنچے تو خاص اس مقام کو جہاں درخت موجود تھا نہ ڈھونڈ سکے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حیرت ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ اس جگہ کو نہ پاسکے اور تم کو وہ جگہ مل گئی، گویا تم اصحاب رسول ﷺ سے زیادہ دانشمند ہو حالانکہ ان حضرات کا علم اور ان کی معرفت تم سے کہیں بڑھ کر تھی۔ شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اصحاب رسول ﷺ سے علم و معرفت میں بڑھ کر کون ہوسکتا ہے، بلکہ ان کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں نے محض گمان سے کسی جگہ کو حدیبیہ کے نام سے متعین و مخصوص کر دیا ہوگا، ورنہ حقیقی تعین کوئی شخص نہیں کرسکا۔ اور اس طرح انہوں نے تنبیہ کی ہے یا از روئے عجز و انکسار یہ فرمادیا ہے۔[1]

جوابات وہابیہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ

صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا بدعت کا خدشہ ظاہر کرکے اس کے جوابات لکھتے ہیں:

جواب ۱ :روی الامام النسفی رحمہ اللہ فی التیسیر:

انھا عمیت من قابل فلم یدر و این ذھبت ۔[2]

یعنی بیشک وہ درخت اگلے سال سے پہلے گم ہوگیا کسی کو معلوم نہ ہوا وہ کہاں گیا۔

جواب:۲ مذکورہ بالا جواب اجمالی تھا اب خود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :یقول الفقیر یمکن التوفیق بین الروایتین بانھم لما عمیت علیھم ذھبوا یصلون تحت الشجرۃ علی ظن انھا ھی الشجرۃ البیعۃ فامر عمر رضی اللہ عنہ بقطعھا۔[3]

یعنی فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ ہے کہ وہ درخت گم ہوگیا لوگ صرف اپنے گمان پر جا کر کسی ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ کر سمجھتے تھے کہ یہ وہی ہوگا اس (جعلی) درخت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاٹنے کا حکم فرمایا۔

دیوبندیوں وہابیوں کے خدشوں اور غلطیوں کا صدیوں پہلے قلع قمع : دور حاضر میں دیوبندی وہابی بالخصوص اہل سنت کے بہت سے معمولات میں ایسے غلط خدشات اٹھاتے ہیں جن سے ایک مسلمان کا دل ہل جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ شاید ان معمولات میں واقعی کوئی دین کو نقصان پہنچے گا۔ حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ کی طرف سے صاحب روح البیان قدس سرہ ان خدشات کا قلع قمع کرتے ہیں چنانچہ لکھا کہ :وفی کشف النور للعلامۃ النابلسی واما قول بعض المغرورین بانّنا نخاف علی العوام اذا اعتقدوا ولیا من الاولیاء وعظموا قبرہ والتمسوا البرکۃ والمعونۃ منہ ان یدرکھم اعتقاد ان الاولیاء تؤثر فی الوجود مع اللہ تعالیٰ فیکفرون ویشرکون باللہ تعالیٰ فننھاھم عن ذٰلک ونھدم قبور الاولیاء ونرفع البنیانات الموضوعۃ علیھا ونزیل الستور عنھا ونجعل الاھانۃ للاولیاء ظاھرا حتی تعلم

---

[1] (تفسیر روح البیان اردو، پ۲۶ ص ۲۸۱-۲۸۰)

[2] (روح البیان ج ۹ ص ۳۴)

[3] (ج ۹ ص ۳۵، مطبوعہ بیروت)

العوام الجاهلون ان هٰؤلاء الاولیاء لو کانوا مؤثرین فی الوجود مع اللہ تعالیٰ لدفعوا عن انفسهم هذه الاهانة التی نفعلها معهم فاعلم ان هذا الصنیع کفر صریح ماخوذ من قول فرعون علے ما حکاه اللہ تعالیٰ لنا فی کتابه القدیم بقوله تعالیٰ {وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْیَدْعُ رَبَّهٗۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴿۲۶﴾

}(مؤمن:۲۶) و کیف یجوز هذا الصنیع من اجل الامر الموهوم و هو خوف الضلال۔[1]

یعنی کشف النور للعلامۃ النابلسی میں ہے کہ بہرحال بعض دھوکہ سازوں کا کہنا ہے کہ ہم کو خوف ہے کہ عوام جب کسی کو ولی اللہ اعتقاد کرتے ہیں تو اس کی قبر کی تعظیم کرتے ہیں اور اس سے برکت و مدد چاہتے ہیں انہیں یہ اعتقاد اس طرف نہ لے جائے کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ خدا ہیں، اس طرح سے وہ کافر و مشرک ہو جائینگے۔ اسی لئے ہم انہیں روکتے اور اولیاء کی قبور کو اور ان کے وہ قبے جو ان پر بناتے ہیں کو توڑتے اور ان کے غلاف قبور سے ہٹاتے ہیں بلکہ انکی اہانت و تحقیر بظاہر کرتے ہیں تاکہ عوام جہال کو معلوم ہو کہ یہ اولیاء اگر مؤثر ہوتے تو وہ ہماری ان حرکتوں کو روکتے، تو ان بدبختوں کے رد میں یقین کرلو کہ ان کا یہ کام کفر خالص اور فرعون کے اس عقیدہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا عقیدہ بتایا کہ کہتا مجھے چھوڑو موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرتا ہوں وہ اپنے خدا کو بلائے، مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا اور زمین پر فساد ڈالے گا۔ بے وقوفوں کو سمجھاؤ کہ وہ اس وہمی تصور سے اولیاء کی توہین کیوں کیا کرتے ہیں تمہارا یہ فعل گمراہی نہیں؟

جواب: ۳ صاحب روح البیان نے وہابیہ کے وہم کو صدیوں پہلے اڑا دیا چنانچہ فرمایا کہ:

و یقول الفقیر و التوفیق بین هذا و بین ما فعله عمر رضی اللہ عنہ ان الذی یصح هو اتباع الظن لا الوهم۔[2]

ترجمہ: فقیر کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ اتباع ظن پر بھی جائز ہے نہ کہ وہم اور یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کو کاٹا تھا وہ ظن نہیں بلکہ وہم تھا کیونکہ اصلی درخت تو تھا نہیں۔

"سعید الحق فی تخریج جاء الحق" میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہابیوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات کے تحت لکھتے ہیں:

اعتراض: جس درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنالیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوادیا۔ تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ہے۔

جواب: یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگیا تھا اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک، تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔

مسلم و بخاری جلد دوم باب غزوہ الحدیبیہ میں ابن مسیّب سے روایت ہے: کان ابی ممن بایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند الشجرۃ قال فانطلقنا فی قابل حاجین فخفی علینا مکانها۔ "میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لئے گئے تو اس کی جگہ ہم پر مخفی ہوگئی۔"[3]

---

[1] (روح البیان ج ۹ ص ۳۵-۳۴، کشف النور عن اصحاب القبور ص ۱۷)

[2] (روح البیان ج ۹ ص ۳۵، مطبوعہ بیروت)

[3] (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب بیان بیعت الرضوان تحت الشجرۃ ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

بخاری میں ہے :فلما خرجنا من العام المقبل نسیناھم فلم نقدر علیھا۔

یعنی :پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔[1]

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل درخت کٹوایا۔[2]

اسی کتاب میں باب ''بحث ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم کرنا'' میں لکھا ہے: اعتراض: احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنگ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا :انی اعلم انک حجر لا تنفع و لا تضر لو لا انی رءیت رسول اللہ ﷺ یقبلک ما قبلتک۔ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر، اگر میں نے حضور ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا لہٰذا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب : مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مقدمہ ہدایہ منیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِی اٰدَمَ مِن ظُھُورِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ ﴿الاعراف ۱۷۲﴾

یعنی جب میثاق کے دن ربّ تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے، اور مؤمنین کی گواہی دے گا۔ لہٰذا یہ اللہ کا امیر اور مسلمانوں کا گواہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے۔[4]

معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع ونقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے، ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا۔ اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہوگیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لا تضر و لا تنفع کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرمادیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات پتھر میں بالکل نفع وضرر نہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی۔ ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں، لیکن خود ہی حضور ﷺ سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی :وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ﴿البقرۃ ۱۲۵﴾ مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند ہے۔

اعتراض :بعض خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ وہابیہ خبیثہ کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور ﷺ کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا

---

[1] (صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ ص ۵۵۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (تخریج جاء الحق ص ۶۸۴)

[3] (صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف ج ۲ ص ۹۲۵ رقم ۱۲۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[4] (ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۵۶ مطبوعہ مطبع میمنہ مصر، شرح المؤطا امام مالک ج ۲ ص ۲۸۷ مطبوعہ مصر)

اصلی۔ چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا چومنا ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور ﷺ کے بال ہیں؟

جواب : تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور ﷺ کے تبرکات ہیں کافی ہے، اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا۔ زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار، دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح نسب یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن وشوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ احادیث سے، نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے صرف شہرت معتبر ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے : اَوَلَمْ یَسِیرُوا فِی الْاَرْضِ فَیَنظُرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِینَ مِن قَبلِھِمْ ﴿فاطر ۴۴﴾ ”کیا یہ لوگ زمیں کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔“ (الروم ۹:)

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گزشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی، قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا۔ اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا۔ شفا شریف میں ہے : **ومن اعظامه واکباره اعظام جمیع اسبابه واکرام مشاهده وامکنته ومالمسه** علیہ السلام **او عرف به**۔ یعنی حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور ﷺ کی ہے، ان سب کی تعظیم کرے۔[1]

شرح شفاء میں ملا علی قاری اس عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں : **ان المراد جمیع مانسب الیه ویعرفه به** علیہ السلام۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہ ہی عبارت شفا نقل فرما کر **ویعرف به** پر حاشیہ لکھا : **ای ولو کان علی وجه الاشتهار من غیر ثبوت اخبار فی آثاره کذا قال علی ن القاری**۔ یعنی اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ یہی مضمون ملا علی قاری نے مسلک متقسط میں تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔

تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقاں راچہ کار باتحقیق! ہر کجا نام اوست قربانیم!

لطیفہ : ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو وعظ کہنے گئے، وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے، درود پاک کا ورد کر رہے تھے، کوئی روتا تھا، کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرضیکہ عجب پر کیف منظر تھا۔ ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقوے نے مارا ہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے، اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بال حضور ﷺ کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے ان کا جواب نہ دیا

---

[1] (شفاء شریف ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمن۔ والد گرامی کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم کے فرزند ہیں؟ اولاً تو نکاح کے گواہ نہیں، اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان ہی کے قطرے سے ہے؟ تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمان کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب، مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ شرمندہ ہو گئے، کہنے لگے یہ اور بات ہے، پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں، فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور ﷺ کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیئے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں۔ انہوں نے جواب دیا چپ رہ الو۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی جب کہ حضور ﷺ مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ ﷺ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔ اللّٰھم ارزقنا شفاعتہ ﷺ۔[1]

آج لے انکی پناہ آج مدد مانگ ان سے　　پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

مفتی صوبہ سرحد قاطع النجدیت علامہ مولانا شائستہ گل صاحب قادری نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب المقاصد السنیہ میں فرماتے ہیں: ''اے وہابی تجھے کیا معلوم کہ تو جسے ابا کہتا ہے، وہ حقیقت میں تیرا ابا ہے۔ یا آپ کی امی جان نے کہیں چوری کر کے تجھے ناجائز جنا ہے۔ اے وہابی تو نے اپنے والد (وہ والد جس کا تجھے والد ہونے کا حق الیقین نہیں) کا جنازہ پڑھا۔ تجھے کیا تحقیق کہ تیرا یہ مشکوک والد مسلمان گزرا یا کافر، پھر تو نے اپنے اس مشکوک والد کا جنازہ کیوں پڑھا''[2]

شفاء السقام کے مصنف فرماتے ہیں: **انہ لو قیل لہ بناء علی قولک ھذا لا نصلی الجنازۃ علیک بعد موتک لانا لا ندری ھل مت انت علی الکفر او الایمان و انت مقر بذلک علی الغیر فلا یسلم ذلک لنفسہ فان لم یرض بذلک لنفسہ فلا یتجاری علی من غمرہ اللہ تعالیٰ برضاہ برمسہ۔**[3]

یعنی جب وہابی کافر یہ کہے کہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ شخص مسلمان مرا ہے یا کافر، تو کیونکر اس کے مزار کی زیارت کے لئے جایا کرتے ہیں، (یا یہ تبرکات حضور ﷺ کے ہیں یا نہیں) اگر یہی بات ہے تو پھر تیرے مرنے کے بعد ہم تیرا نماز جنازہ کیوں کر پڑھیں کیونکہ ہمیں کیا معلوم کہ تو مسلمان مرا یا کافر۔ جب کہ تو اپنے لئے کبھی بھی اس بات کے لئے تیار نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ جب تو اپنے لئے اس بات کو پسند نہیں کرتا تو جو بزرگ اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں ہیں، ان بزرگوں کے بارے میں ایسی گستاخی کیوں کرتا ہے؟

انہ اذا ک یجرہ الی الشک فی صحبتہ الصحابۃ بان یقول من این علمتم ان الصحابۃ ماتوا علی الاسلام فان اقر بموجب ھذہ المقالۃ۔ قلنا لہ یا خاسر الدین و یا عدو خاصۃ المسلمین ھم نجوم الاسلام۔[4]

''جب وہابی کافر، اولیاء کرام کی گستاخی کرتے کرتے یہاں تک پہنچتا ہے تو پھر (ایک دن) وہ یہ کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کرے گا اور کہے گا کہ تجھے کیا معلوم کہ صحابہ کرام حالت اسلام پر وفات ہوئے ہیں، جب وہ اس مقالہ تک پہنچ جائے تو ہم اسے کہیں گے اے مسلمانوں کے دشمن اور اے وہ

---

[1] (سعید الحق فی تخریج جاء الحق ص ۶۸۴ تا ۶۸۷)

[2] (المقاصد السنیہ ص ۱۴۶)

[3] (شفاء السقام ص ۲۳۴)

[4] (شفاء السقام ص ۲۳۴)

جس کا دین (اس طرح گفتگو کرنے سے) برباد ہوا صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو اسلام کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں!'' تفصیل کے لئے ''المقاصد السنیہ'' کا مطالعہ کیجئے۔

اعتراض: نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں، یہ تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو؟

جواب: یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے۔ لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی نقل ہے۔[1]

اب وہ روایات جو مخالفین فرقہ وہابیہ خبیثہ انہدامِ قبور پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱) مسلم شریف ابوھیاج اسدی سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ و لا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔**[2]

ترجمہ: کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ تو کسی تصویر کو بے مٹائے نہ چھوڑے اور نہ کسی قبر بلند کو مگر اس کو برابر کر دو۔

اس حدیث کو آڑ بنا کر منکرین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو تو اس کو گرا دینا واجب ہے۔ سعودی عرب میں بھی اس حدیث کو دلیل مان کر صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے مزارات کو گرا کر ہموار کر دیئے ہیں۔

تشریح: اب فقیر آپ کے سامنے اس حدیث کی تشریح کرتا ہے۔ امید ہے کہ اصل مسئلہ ذہن میں آجائے گا۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ زمانے تین ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل۔ ماضی گزرے ہوئے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ حال موجودہ زمانہ کو کہا جاتا ہے اور مستقبل آنے والے زمانہ کو۔ تو یہی تین زمانے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منسلک تھے۔ اب ہم دیکھتے ہیں مستقبل تو آنے والے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ تو جب زمانہ موجود نہ تھا۔ تو اس زمانہ کی قبور حضرت امیر المؤمنین نے کسی طرح گرائے ہم بھی اس زمانہ میں نہ تھے کہ منکرین کے نزدیک تو بزرگان دین کی قبروں پر قبے بنانے والے کو یہی لوگ مشرک کہتے ہیں یا بدعتی تو جب آنے والے پیدا ہی نہیں تھے تو حضرت نے کن لوگوں کی قبریں مسمار کیں۔ تو مستقبل زمانہ مراد نہیں ہو سکتا۔ باقی دو زمانے رہ گئے۔ ایک حال، دوسرا ماضی۔

حال زمانہ حضرت امیر المؤمنین کا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ سنہری زمانہ تھا۔ ان کا فعل بھی حجت ہے اگر کوئی صحابی قبر بنائے تو فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کے کہ **اصحابی کنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتھم۔** یعنی میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ستاروں کے مانند ہیں۔ ان میں سے جس کے اقتدا تم کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تو ایک صحابی قبر کو بنائے گا اور دوسرا صحابی گرا دے گا۔ اور صحابہ میں سے جو بھی فوت ہوتا اس کا زمانہ جنازہ خود حضور ﷺ پڑھاتے تھے آپ ﷺ کی موجودگی میں ان کو دفن کیا جاتا تو کون سی ایسی غیر شرعی قبریں تھیں جن کو حضرت سید المرسلین ﷺ نے مسمار کئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ حال بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ اب رہا ماضی کا زمانہ تو حضرت امیر المؤمنین سے پہلا زمانہ مشرکین اور کفار کا تھا۔ اور جس طرح زندگی میں مشرک اور کافر کی تعظیم ناجائز اور حرام ہے۔ تو بعد موت کی تعظیم تو اشد حرام ہے۔ ان کی قبریں لمبی لمبی اور بلند تھیں۔ اس لئے آپ کو یہ حکم دیا گیا۔ اور یہ قبریں مسلمانوں کی نہیں تھیں۔

---

[1] (سعید الحق فی تخریج جاء الحق، ص ۶۸۸)

[2] (مسلم)

بخاری شریف میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے بیان میں ہے :امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت۔ یعنی حضور ﷺ نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا۔پس وہ اکھاڑ دی گئیں۔[1]

بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مشرکین کی قبریں ڈھانا چاہیئیں۔اب یہ کہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مسلمانوں کی قبروں کے لئے یہ حکم تھا؟ مشرکین کا حکم مسلمانوں پر چسپاں کیا جاتا ہے۔(العیاذ باللہ)

بخاری شریف ص ۱۶۱، ج ۱ میں مشرکین کی قبروں کے ویران کرنے کے لئے پورا باب باندھا ہے :ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ۔ یعنی کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جائیں۔اس کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ای دون غیرھا من قبور الانبیاء و اتباعھم لما فی ذلک اھانۃ لھم یعنی ماسواء انبیاء اور انکے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔[2]

دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں :وفی الحدیث جواز تصرف فی المقبرۃ المملوکۃ وجواز نبش قبور الدارسۃ اذا لم یکن محرمۃً۔یعنی اس حدیث شریف میں اس پر دلیل ہے کہ مملوکہ مقبرہ میں تصرف جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محرومہ نہ ہوں (یعنی حرمت والی)۔

اب پھر حدیث کی طرف جاتے ہیں۔اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کا بیان ہے کہ مجھے مامور فرمایا حضور انور ﷺ نے کہ میں جو تصویر دیکھوں محو کر دوں اور جو قبر بلند دیکھوں اس کو برابر کر دوں۔اس حدیث میں تصویر کے متعلق بھی ذکر ہے۔تو مشرکین کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے اور مسلمانوں کی قبروں پر کوئی فوٹو نہیں ہوسکتا۔دوسری بات یہ ہے کہ برابر کرنے سے کیا مراد ہے۔آیا بالکل زمین سے ہموار کرنا کہ نشان باقی نہ رہے تو یہ سنت کے مخالف ہے۔کیونکہ مسلمانوں کی قبر ایک ہاتھ اونچی بنانا سنت ہے۔اس کو زمین کے ساتھ برابر کرنا خلافِ سنت ہے۔

دوسری حدیث اور تیسری حدیث شریفہ جو مخالفین پیش کرتے ہیں:

۲) بخاری و مسلم میں ہے :لعن اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجدٌ۔ یعنی :اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت فرمائی جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔[3]

۳) ابو داؤد اور ترمذی و نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا :لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور و لمتخذین علیھا المساجد و السرج۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور ان پر مساجد بنانے اور چراغاں رکھنے والوں پر لعنت فرمائی۔[4]

اس قسم کی ایک اور حدیث شریف درج کی جاتی ہے کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، فرماتے تھے "خبردار جو لوگ تم سے پہلے تھے، وہ اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔خبردار تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔"

---

[1] (بخاری ص ۶۱ ج ۱)

[2] (فتح الباری ج ۲ ص ۲۶)

[3] (بخاری و مسلم)

[4] (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

فتح الباری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔اس میں تصویریں تھیں۔تو حضور ﷺ سے ذکر کیا۔حضور ﷺ نے یہ فرمایا : ''ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال فرماتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے۔وہ اللہ کے نزدیک روز قیامت بدترین خلق ہیں۔[1]

مشکوٰۃ شریف میں ہے : ''الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پوجی جائے۔اللہ کا غضب اس قوم پر بہت سخت ہے جس نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔''

ترمذی اور مشکوٰۃ میں ہے : ''حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ قبروں پر گچ کیا جائے اور ان پر کتابت کی جائے انہیں روندا جائے۔''[2]

ان احادیث کریمہ کا بزرگان دین اور صلحاء کرام و انبیاء عظام کے قبہ جات مزار سے کیا تعلق ہے۔اتنا تو ایک معمولی اردو دان بھی جانتا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر انبیاء و صلحا کی قبروں کو مسجد بنالینے پر جو لعنت فرمائی گئی ہے،اس کا سبب کیا ہے۔احادیث شریفہ کے شروع کی طرف توجہ کرنے سے پہلے آخری حدیث سے پہلے دو احادیث جو ذکر ہیں اس پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال کر لیتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں ان کی تصویریں بناتے۔وہ اللہ کے نزدیک بدترین خلق ہے۔اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا قبور انبیاء پر مسجد بنانا ان قبور یا تصویر کی عبادت کے لئے تھا۔اور یہ بے شک مستحق لعنت ہے۔

آخری حدیث شریف سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ارشاد فرمایا : ''یارب میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پوجی جائے۔اللہ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔''اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قبروں کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے یا کم از کم انہیں قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔جیسا کہ ابو مرثد غنوی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **لا تجلسوا علی القبور و لا تقبلوا الیھا۔** ''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز ادا کرو۔''

اس سے خاص قبر کے اوپر نماز بھی ممنوع ہوئی کہ جلوس علی القبر ہوگا۔اور قبر حق مقبور ہے (**والقبر حق للقبور**) اور اسی وجہ سے حضور انور ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی۔ہر مسلمان قبر کی عبادت کو شرک جانتا ہے۔اب وہ کون سا مسلمان ہو سکتا ہے جو قبر کو معبود بنائے۔اور جن احادیث میں بناء کی ممانعت ہے ان سے بھی یہی بنا مراد ہے۔یہ حدیث شریف ان کی بہترین شرح ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں : ''بیضاوی نے فرمایا کہ جب یہود و نصاریٰ پیغمبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا رکھا تھا۔لہٰذا اس پر حضور انور ﷺ نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔''

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حدیثوں میں جس بناء یا قبر کی طرف نماز پڑھنے کی ممانعت موجود ہے،وہ قبر کو سجدہ گاہ بنانا ہے۔اور اگر یہ منع نہ ہوتا تو لوگ مقبروں میں قبروں کو ویران کرتے اور اس پر مسجد تعمیر کرتے۔اس میں نماز پڑھتے تو نماز قبر کے اوپر پڑھی جاتی اور نماز پڑھنے والے کے آگے قبلہ کی طرف بھی قبریں ہوتیں اور دائیں بائیں نماز کی جگہ میں بھی۔تو حضور ﷺ نے منع فرمایا۔اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بزرگوں کے قرب و جوار میں مسجد بنانا ناجائز ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں : **اتخذوا قبور انبیائھم مساجد** (اور اس کا معنی

---

[1] (فتح الباری پ ۴ ص ۲۶۱)

[2] (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

یہ ہے) کہ یہی لوگ اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیتے ہیں ۔

اب قبر کے اوپر مسجد بنانا یا خالی جگہ میں جہاں کوئی قبر نہ ہو مسجد بنانا دونوں میں عظیم فرق ہے ۔ بات صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے قرب میں مسجد بنانا اس لئے ہے کہ لوگ زیارت کو حرام جانتے ہیں ۔ تو زائرین کے نمازوں کے لئے مسجد بنانے کو بھی حرام جانتے ہیں ۔ تا کہ نہ لوگ آئیں اور نہ ہی ان مساجدوں میں نماز پڑھیں ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بخاری شریف میں باب الجرید علی القبر میں ہے : رأی ابن عمر فسطاطا علی قبر عبد الرحمان فقال انزعه یا غلام فانما یظله عمله ۔ ''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے لڑکے اس کو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر ان کے عمل سایہ کر رہے ہیں ۔

مشکوۃ باب البکاء میں ہے کہ حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ بنا ڈالا ۔ اس فعل کے متعلق ملا علی قاری شرح مشکوۃ باب البکاء میں لکھتے ہیں : الظاھر انه لاجتماع الاحباب للذکر و القرأة و حضور الاصحاب بالمغفرة اما حمل فعلها علی العبث المکروہ فغیر لائق یصنع اھل البیت ۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جمع ہونے کے لئے تھا کہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریم اور دعائے مغفرت کریں ۔ لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام و تلاوت و دعاء کے لئے جائز ہے ۔ باقی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ سایہ قبر کو فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ ان پر ان کے اعمال سایہ کر رہے ہیں ۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر پر سائبان خلاف اولیٰ ہے ، اگر محض سایہ قبر پر نہ ہوتا تو پھر حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا حوالہ ہم دے چکے ہیں ۔ وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فعل ہے ۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم غیر شرعی کام نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ وہ تمام اہل عدول ہیں ۔ حالانکہ وہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بھی ہیں ۔ اور ملا علی قاری نے اس کی توجیہہ بھی بیان کی ۔ کہ عمارت ذکر اللہ اور تلاوت اور دعائے مغفرت کے لئے تھی ۔

عینی شرح بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں : هی اشارة الی ان ضرب الفسطاط لغرض صحیح کالستر من الشمس مثلاً للاحیاء لا لاضلال المیت جاز ۔ یعنی ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے تو یہ فعل جائز ہے ۔

صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری نے تو یہ بات واضح کر کے اختتام کی مہر لگا دی کہ ''زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے سایہ کرنا جائز ہے نہ کہ صرف میت پر میت کے لئے سائبان بنانا ۔''

(۳۷) ﴿باب نمبر سینتیس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول (خوشبو مبارک) و دم مبارک تبرکاً پینے کا ثبوت﴾

نبی اکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو خواتین تھیں دونوں کا نام برکت تھا ۔ ایک برکت امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ، اور دوسری برکت امّ یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔ برکت امّ ایمن رضی اللہ عنہا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ تھیں ، اور برکت امّ یوسف رضی اللہ عنہا امّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں ۔ امّ ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی کے نیچے ایک پیالہ رکھا ہوتا تھا ، ایک دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں بول مبارک کیا ۔ بعد ازاں میں اٹھی اور مجھے پیاس لگ رہی تھی ، میں نے وہ پیالہ اٹھایا اور پی لیا ۔ جب صبح ہوئی تو امّت کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اے امّ ایمن (رضی اللہ عنہا) اس پیالے میں جو کچھ ہے زمین پر ڈال دو ، میں نے عرض کیا : و اللہ لقد شربت ما فیها فضحک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتّٰی بدت نواجذه

ثمّ قال لا یجفر بطنک بعدہ ابدًا و فی لفظٍ لا تلج النار بطنک۔ یعنی عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جو کچھ اس پیالہ میں تھا، میں نے وہ پی لیا ہے، یہ سن کر سیّد الکونین ﷺ ہنسے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی داڑھ مبارک بھی مسکرانے کی وجہ سے ظاہر ہوئیں، (بجائے اس کے کہ حضور ﷺ امّ ایمن سے ناراض ہوتے یا منہ دھونے کا حکم دیتے، بلکہ فرمایا) اے امّ ایمن، آئندہ تیرا پیٹ کبھی درد نہیں کرے گا، اور تیرا پیٹ کبھی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔[1]

حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ نے ایک برتن میں پیشاب (خوشبو مبارک) کیا۔ میں اٹھی اور پانی سمجھ کر پی گئی کیونکہ میں پیاسی تھی۔ صبح کو حضور ﷺ کے پوچھنے پر جب میں نے بتایا کہ واللہ وہ تو میں پی گئی، تو آپ ﷺ سن کر بہت ہنسے۔ **وَقَالَ لَنْ تَشْتَکِیَ وَجَعَ بَطْنِکَ بَعْدَ یَوْمِکَ ھٰذَا اَبَدًا۔** یعنی اور فرمایا آج سے تجھ کو کبھی پیٹ کی کوئی بیماری نہ ہوگی۔[2]

اسی طرح برکت رضی اللہ عنہا نامی کنیز نے (جو امّ المؤمنین امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی) حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا تھا جس پر حضور ﷺ نے اس کو فرمایا : **صحّتْ ایام امّ یوسف و فی روایۃٍ قال لھا لقد احتظرت من النّار بحظار۔** یعنی موت تک تجھے صحت و تندرستی عطا ہوگئی اور تو نے اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ وہ مرض الموت سے پہلے کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں۔[3]

حضراتِ گرامی! یہ حضور ﷺ کا بول مبارک ہے جو پیٹ کی بیماریاں گنوا رہا ہے۔ گویا رحمتِ عالم ﷺ کا بول مبارک دافع الامراض ہے اور ایک یہ ہے کہ جن کے تھوک کے لئے ریل گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ تھوکو مت اس سے بیماری پھیلتی ہے۔ گویا حضور ﷺ کا بول مبارک بھی شفا ہے اور ان وہابیوں خبیثوں کا لعابِ دہن بھی وَبا ہے۔ پھر ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا حقیقت رکھتا ہے؟

اس حدیث پاک کے متعلق حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : **وحدیث ھٰذہ المرأۃ الّتی شربت بولہ صحیحٌ الزم الدّار قطنی مسلمًا و البخاری اخراجہ فی الصّحیح۔** یعنی یہ حدیث پاک کہ امّ ایمن نے بول مبارک پی لیا یہ حدیث صحیح ہے۔ دار قطنی نے امام مسلم اور امام بخاری کی شرائط پر اس حدیث کو صحیح پایا اور کہا کہ ان دونوں اماموں کو یہ حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج کرنی چاہیئے تھی۔[4]

وفی شرح العلامہ الزّرقانی : (**وروی أنہ کان یتبرک ببولہ، ودمہ ﷺ**) **أی بشر بھما، کما ھو المروی۔** شرح علامہ زرقانی میں ہے : آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بول مبارک (خوشبو مبارک) اور خون مبارک پی کر تبرک حاصل کرتے تھے۔[5]

مصنّف البرھان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : ''اللہ تعالیٰ ایسے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے یہ کہہ کر ہمارے ایمان بچا لئے کہ حدیث صحیح ہے ورنہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق ہے وہ کچھ کا کچھ کر دیتے۔ **رحمھم اللہ تعالیٰ فی الدّارین۔**''

طبرانی و بیہقی نے بسندِ صحیح حکیمہ بنت امیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا سے انہوں نے ان کی والدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ امّ

---

[1] (المواہب اللدنیہ ج ۴ ص ۳۱۷، المستدرک ج ۴ ص ۶۴، سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸، زرقانی ج ۴ ص ۲۳۱، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۴، انوارِ محمدیہ ص ۲۱۹)

[2] (المستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۳، دلائل النبوۃ ابونعیم ص ۳۸۰، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۱، ج ۲ ص ۵۳۹، زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۳۱، انوار محمدیہ للنبہانی ص ۲۸۵، شفاء شریف ص ۳۲، کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۰، ذکر الجمیل فی حلیۃ الحبیب الخلیل ص ۳۴۹، عروج المحبوب ص ۳۰، نشر الطیب ص ۱۶۲، التعلیق المجلّی لمانی منیۃ المصلی للفقیہ المحدث العلّامۃ وصی احمد الصورتی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰۳)

[3] (سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۲۹، شفا قاضی عیاض ج ۱ ص ۳۶۱-۳۶۰، المکتبہ السّلفیۃ، المدینۃ المنورہ)

[4] (شفاء ج ۱ ص ۶۵، نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱)

[5] (ج ۵ ص ۵۴۴)

المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ برّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا۔ جس پر رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: وہ آتش جہنم سے چاروں طرف سے محفوظ ہوگئی۔[1]

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کے لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: **ولم یأمر واحدًا منھما بغسل فمٍ ولا نھاھما عن عودةٍ**۔ یعنی حضور ﷺ نے ان دونوں میں سے نہ تو کسی سے کہا کہ اپنے منہ کو دھو اور نہ ہی آئندہ کے لئے منع فرمایا۔

معلوم ہوا کہ امّت کے حق میں حضور ﷺ کے فضلات مبارک طیّب وطاہر باعثِ برکت اور دافع الامراض ہیں ورنہ حضور ﷺ منع فرما دیتے اور یہی امام اس کے بعد فرماتے ہیں: **الحدیث ھٰذہ المراۃ الّتی شربت بولہ صحیحٌ**۔[2]

حضرت سلمیٰ امرأۃ ابی رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے غسل فرمایا تو میں نے غسل کا پانی پیا اور آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ **فقال اذھبی فقد حرّم اللہ بدنک علی النار** ''تو فرمایا جا تیرے جسم پر آتش دوزخ حرام ہوگئی''۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے جو خون نکلا وہ ایک قریشی غلام نے پی لیا۔ **فقال اذھب فقد احذرت نفسک من النار**، ''تو حضور ﷺ نے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو دوزخ سے بچالیا''۔[4]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا خون مبارک پی گئے تھے جب کہ پچھنے لگوا کر خون ان کو دیا تھا کہ جاؤ باہر کہیں ایسی جگہ چھپا دو جہاں کوئی نہ دیکھے، وہ باہر نکل کر پی گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا کیا کر آیا ہے؟ عرض کی ایسی جگہ چھپا آیا ہوں جہاں کوئی نہ دیکھے گا۔ فرمایا شاید تو پی آیا ہے؟ عرض کی ہاں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس میں آپ ﷺ کا خون ہوگا اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ فرمایا جا تو بھی دوزخ کی آگ سے بچ گیا۔ پھر فرمایا: (**ویل لک من النااس وویل للناس منک**) افسوس ان لوگوں پر جو تجھے قتل کریں گے اور افسوس کہ تو ان سے نہ بچے گا۔ **ای اشارۃ الیٰ شھادۃ عثمان رضی اللہ عنہ من جانب الحجاج الظالم**۔[5]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ خونِ اقدس کا ذائقہ کیا تھا تو فرمایا ذائقہ شہد کی طرح اور خوشبو کستوری جیسی۔[6]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اکرم ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا تو لبِ مبارک بھی مجروح ہوگیا جس سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ حضرت مالک بن سنان (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد) رضی اللہ عنہما نے جو دیکھا تو آگے بڑھ کر لب مبارک کو چوسنا شروع کر دیا اور اتنا چوسا کہ وہ جگہ سفید ہوگئی۔ جب وہ چوس رہا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو فرمایا اسے پھینک دے! تو اس نے کہا واللہ! میں آپ ﷺ کے خون مبارک کو زمین پر نہ پھینکوں گا اور نگلتا ہی گیا۔ **فقال رسول اللہ ﷺ من اراد ان ینظر الیٰ رجل من اھل الجنّۃ فلینظر الیٰ ھذا**۔ یعنی تو حضور ﷺ نے فرمایا جو کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص (مالک بن سنان رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے (جس نے میرا خون پی لیا ہے)۔[7]

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۵۴۰)

[2] (شفاء شریف، زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۲۹)

[3] (طبرانی، خصائص کبریٰ)

[4] (خصائص کبریٰ، زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۲۹)

[5] (مستدرک، کنز العمال، شفاء شریف، بزار، ابویعلیٰ بیہقی، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸، زرقانی ج ۴ ص ۲۳۰)

[6] (شرح شفاء ملا علی قاری)

[7] (زرقانی علی المواہب، ج ۴ ص ۲۳۰)

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خُود کے حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کیے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا لیکن اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا لیکن وہ حلقہ بھی کھینچ لیا، ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے، اس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے حضور ﷺ کا جنگ احد میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خون زخم چوسنا اور ذائقہ حاصل کرنا اور حضور ﷺ کا بول مبارک لے جانا روایت معتبرہ سے ثابت ہے۔ درحالیکہ دونوں چیزیں نجس العین ہیں پس اس واقعہ کی تاویل کیا ہے۔ ارشاد فرمائیے۔ (جواب) : روایت کی تو میں نے تنقید نہیں کی لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو علماء نے حضور ﷺ کے ان رطوبات کو طاہر کہا ہے۔ علّامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے پس کچھ بھی اشکال نہیں اور اس کی کوئی دلیل میں نے کسی کے کلام میں منقول نہیں دیکھا لیکن اسی وقت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ان شاربین پر نکیر نہیں فرمایا اور آپ کا نکیر نہ فرمانا حجۃ شرعیہ بالاجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۰)

یہاں یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ خون کا حرام ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے:

انّما حرّم علیکم المیتة و الدّم۔ (البقرہ ۱۷۳)

کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی آدمی یا جانور کا خون پیا ہو مگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے خون مبارک کو پی لیا حالانکہ وہ ایسی چیز بھی نہیں جس کی طرف رغبت ہو، بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ خون پینا بالطبع مکروہ ہے۔ اگرچہ یہاں حضور ﷺ کے خونِ مقدس کی حلّت و حرمت کا بیان مقصود نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے کیوں پیا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ محبت کی وجہ سے تو یہ باور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کیسا ہی دوست اور محبوب ہو اس کا خون یا پیشاب پینا گوارا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوئی علامتِ محبت ہے۔ معلوم ہوا کہ محبت کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہی تھا اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس حقیقت کو جان گئے تھے کہ حضور پرنور ﷺ کا جسم مبارک اور اجسام کے مثل نہیں ہے، وہ سراپا طاہر اور مطہر ہے اور اس جسم پاک کا ہر ہر جزو ہمہ تن نور ہے اور اس میں وہ برکت اور فضیلت رکھی ہوئی ہے کہ کسی دوسرے جسم میں نہیں، چنانچہ وہ فضلات مبارک کو تبرّک سمجھتے تھے اور پی جاتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کو اپنے باطن میں پہنچانا باعثِ ترقی روحانی ہے۔

غور فرمائیے وہ صحابہ کرام جن کی فضیلت تمام امّت مرحومہ پر نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، جب حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کو طیّب و طاہر سمجھتے تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ معاذ اللہ وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کی مثل اور ہمسر سمجھتے ہوں؟ واللہ حضور پُرنور ﷺ تو کہاں آپ کے بول و براز کی ہمسری نہیں ہو سکتی۔

علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک تحریر کیا ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ رفع

---

[1] (حکایت صحابہ ص ۲۰۷)

حاجت کے لئے دور تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو میں اس جگہ پہنچا اور دیکھا کہ وہاں سوا تین پتھروں (ڈھیلوں) کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ فاخذتھنّ فاذًا بھنّ منھنّ روائح المسک فکنت اذا جئت یوم الجمعۃ المسجد اخذتھن فی کمّی فتغلب رائحتھنّ من تطیّب و تعطّر۔ یعنی میں نے ان تینوں ڈھیلوں کو اٹھالیا تو ان سے کستوری جیسی خوشبو مہک رہی تھی، میں ان کو گھر لے آیا اور جب جمعہ کا دن آتا میں ان کو آستین میں رکھ کر مسجد میں آتا اور ایسی پیاری خوشبو مہکتی کہ وہ خوشبو ہر کسی کی خوشبو اور عطر پر غالب آجاتی۔

اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوگیا، یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویسے ہی عقیدت سے بیان کر دیا بلکہ یہ قانونِ قدرت ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر فرض کر دیا ہے کہ جب بھی میرے حبیب رفع حاجت کریں فوراً فضلہ مبارک کو نگل جائے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :قلت یا رسول اللہ انّک تدخل الخلاء فاذا خرجت دخلت اثرک فمآ اری شیئًا الّا انّی اجد رائحۃ المسک قال انّا معاشر الانبیآء تنبت اجسادنا علیٰ ارواح اھل الجنّۃ فما خرج منھا من شیئٍ الّا ابتلعتہ الارض۔[1]

ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آتے ہیں تو میں اندر جاتی ہوں مجھے وہاں اور تو کچھ نظر نہیں آتا مگر یہ کہ وہاں سے کستوری کی سی خوشبو آتی ہے، فرمایا ہم پیغمبروں کے وجود بہشتی روحوں کی صفت پر پیدا کئے جاتے ہیں، پس ان جسموں میں سے کوئی چیز نہیں نکلتی، مگر زمین اسے نگل لیتی ہے۔

(یعنی جنتیوں کی روحوں میں جو لطافت و پاکیزگی اور خوشبو ہوتی ہے وہ ہمارے جسموں میں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا بول و براز اور پسینہ وغیرہ خوشبودار ہوتا ہے اور جس جگہ پر پڑتا ہے اسے معطر کر دیتا ہے) اور ان سے جو کچھ نکلتا ہے اسے زمین اپنے اندر حلول کر لیتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :قلت للنبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انّک تأتی الخلآء فلا نری منک شیئًا مّن الاذیٰ فقال یا عائشۃ ما علمت انّ الارض تبتلع ما یخرج من الانبیاء فلا یری منہ شیئٌ۔ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے تشریف لاتے ہیں تو ہم کو وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی؟ فرمایا اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو چیز انبیاء علیہم السلام سے نکلتی ہے، اس کو زمین نگل جاتی ہے اور اس میں سے کچھ دکھائی نہیں دیا کرتا۔[2]

اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کا فضلۂ مبارک کو نگل جانا اور وہاں سے خوشبو کا مہکنا غالباً اس لئے تھا کہ کوئی اس فضلہ مبارکہ کو دیکھنے نہ پائے اور اس کی طبیعت میں دوسرے لوگوں کے فضلات کی طرح نجاست و کراہت کا خیال پیدا نہ ہو بلکہ طہارۃ و پاکیزگی کا تصور پیدا ہو۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ قوی دلائل سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے فضلات طیّب و طاہر تھے اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔[3]

علامہ قاضی عیاض و علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں :انّہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا اراد ان یتغوّط انشقّت الارض فابتلعت غائطہ و بولہ و فاحت لذٰلک رائحۃ طیّبۃ۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاخانہ (خوشبو مبارک) پھرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاخانے

---

[1] (ابونعیم، شفاء، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰، زرقانی ج ۴ ص ۲۲۹)

[2] (ابونعیم، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰، شفاء شریف دلائل دلائل النبوۃ ص ۳۸۰، زرقانی ج ۴ ص ۲۲۸)

[3] (مدارج النبوّت)

(خوشبومبارک)اور پیشاب (خوشبومبارک) کو نگل جاتی اور وہاں سے عمدہ اور پاکیزہ خوشبو مہکنے لگتی۔[1]

امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :**واما طیب ریحه وعرقه وفضلاته فقد کانت الرائحة الطیّبة صفته ﷺ وان لم یمسّ طیبًا۔** یعنی بہر نوع حضور ﷺ کی ریح مبارک، پسینۂ اقدس اور حضور ﷺ کے فضلاتِ شریفہ کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سب حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کی صفات تھیں خواہ آپ ﷺ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔[2]

اور یہی امام آگے چل کر فرماتے ہیں :**وروی انّه کان یتبرّک ببوله ودمه ﷺ۔**

ترجمہ :اور مروی ہے کہ حضور ﷺ کے بول مبارک (خوشبومبارک) اور خونِ اقدس سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔[3]

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رحمہ اللہ القوی فرماتے ہیں :**وقد تکاثرت الادلّة علیٰ طهارة فضلاته وعدّ الائمّة ذالک فی خصائصه۔**

ترجمہ: بے شک آپ ﷺ کے فضلات شریفہ کے طیّب وطاہر ہونے پر بڑی کثرت سے دلائل قائم ہیں اور ائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کو آپ ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔[4]

البتہ وہ غیر لوگ جن میں ایمانی کمزوری ہے وہ تو مخالفت کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے رکھے۔ آمین **بجاہ حبیبه الکریم ﷺ۔**

شیخ الاسلام علامہ امام بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **قد وردت احادیث کثیرةٌ انّ جماعةً شربوا دم النّبیّ ﷺ منهم ابو طیبة الحجّام وغلامٌ من قریش حجم النّبیّ ﷺ وعبداللہ بن زبیرٍ شرب دم النّبیّ ﷺ رواه البزار والطّبرانی والحاکم والبیهقیّ وابو نعیمٍ فی الحلیة ویروىٰ عن علیص انّه شرب دم النّبیّ علیه الصّلوٰة والسّلام وروی ایضًا انّ امّ ایمن شربت بول النّبیّ ﷺ۔ رواه الحاکم والدّار قطنی وابو نُعَیمٌ واخرج الطّبرانی فی الاوسط فی روایة سلمیٰ امراة ابی رافعٍ انّها شربت بعض مآیٍ غسل به رسول اللہ ﷺ فقال لها حرّم اللہ بدنک علی النّار۔**

یعنی ”بے شک بہت سی حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کا خون مبارک پیا، ان میں حضرت ابوطیبہ حجام ہیں اور ایک قریشی لڑکا ہے جس نے حضور ﷺ کو پچھنے لگائے تھے اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ ﷺ کا خون مبارک پیا ہے، روایت کیا ہے اس کو بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے حلیہ میں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ کا خونِ اقدس پیا ہے نیز مروی ہے کہ امّ ایمن نے حضور ﷺ کا پیشاب مبارک پیا ہے۔ اس حدیث کو حاکم، دارقطنی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں ابورافع کی عورت سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ اس نے حضور ﷺ کا غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی وجہ سے تجھ پر دوزخ کو حرام کر دیا۔“[5]

---

[1] (شفاء شریف، زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۲۷)

[2] (مواہب اللدنیہ ص ۲۸۴)

[3] (مواہب للدنیہ ج ۱ ص ۲۸۴)

[4] (فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۱۸)

[5] (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۷۸)

حضرت امام ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :قال ابو بکر بن العربی بول النّبیّ ﷺ ونحوہ طاھران وھو احد قولی الشّافعی وقال النّوویّ فی الرّوضۃ انّ بولہ ودمہ وسائر فضلاتہ طاھرۃ۔[1]

ترجمہ :حضرت ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بول و براز مبارک طاہر ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔اور حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''الرّوضۃ'' میں کہا ہے کہ آپ ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک)،خون اور تمام فضلات پاک ہیں۔''

امام شہاب الدّین خفاجی فرماتے ہیں :قال النّووی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث شرب البول صحیح حسنٌ وذٰلک کافٍ فی الاحتجاج اذلم ینکر علیھا ولا امرھا بغسل فمھا ولا نھاھا عن العود لمثالہ وقال القاضی حسین الاصح القول بطھارۃ الجمیع واختارہ کثیرٌ من المتاخّرین۔[2]

امام نووی فرماتے ہیں :ورسول اللہ ﷺ لا یتقذّرہ احد بل یتبرکون بآثارہ ﷺ فقد کانوا یتبرّکون ببصاقہ ﷺ ونخامتہ ویدلکون بذٰلک وجوھھم وشرب بعضھم بولہ وبعضھم دمہ وغیر ذٰلک ممّا ھو معروفٌ من عظیم اعتنائھم بآثارہ ﷺ الّتی یخالفہ فیھا غیرہ۔[3]

یعنی''رسول اکرم ﷺ سے کوئی بھی مؤمن گھن نہ کرتا تھا بلکہ حضور ﷺ کے تبرّکات حاصل کیا کرتے تھے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کی تھوک مبارک رینٹھ مبارک کو بھی تبرّک جانتے تھے اور ان چیزوں کو اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا تھا اور بعض نے سرکار ﷺ کا خون مبارک پی لیا تھا، کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے تبرّکات کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے،ہاں اس میں غیر لوگ مخالفت کرتے ہیں۔''

رأس المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ القوی فرماتے ہیں :وہیچ کس اثر فضلۂ ایشاں را بروئے زمین ندیدہ زمین می شگافت وفرومیرود واز اں مکان بوئے مشک می شمیدند۔یعنی اور کسی نے آپ ﷺ کے فضلات مبارک کا اثر زمین پر نہیں دیکھا کیونکہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں پوشیدہ ہو جاتا اور اس جگہ سے نہایت پاکیزہ مشک جیسی خوشبو آتی۔[4]

شیخ المحدثین شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احادیث مبارکہ سے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا :یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) اور خون مبارک پاک و طاہر ہیں اور اسی قیاس پر آپ ﷺ کے تمام فضلات مبارکہ کا حکم ہے اور علّامہ عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[5]

نیز فرمایا کہ شیخ ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کے پاک ہونے پر بہت زیادہ اور کثرت سے روشن دلائل ہیں اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضور ﷺ کی خصوصیات سے شمار کرتے ہیں۔[6]

شفا قاضی عیاض میں ہے :فقد قال قومٌ من اھل العلم بطھارۃ ھٰذین الحدثین منہ ﷺ۔یعنی علماء کرام کی ایک جماعت نے

---

[1] (شرح شفاء ج ا ص ۳۵۴)

[2] (نسیم الریاض ج ا ص ۳۵۴)

[3] (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۰)

[4] (تفسیر عزیزی سورۃ والضحیٰ ص ۲۱۹)

[5] (مدارج النبوۃ (فارسی) ج ا ص ۲۶، (اردو) ج ا ص ۵۱)

[6] (مدارج النبوۃ ج ا ص ۵۱)

رسول اکرم ﷺ کے بول و براز مبارکہ (خوشبو مبارک) کو پاک کہا ہے۔[1]

تفسیر روح البیان میں ہے : وفی انسان العیون انّ فضلاته ﷺ طاهرة "انسان العیون میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ پاک ہیں۔"[2]

نیز فرمایا : حکی انّ بعض اهل الرّیاضة المحقّقین من اهل التّوحید الحقّانی کان یشّمّ من فضلاته رائحةُ المسک وذٰلک لیس ببعید لصفوة باطنهم وسریان آثار حالهم الیٰ جمیع اعضائهم واجزائهم۔ یعنی حکایت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول بندے جو کہ اہلِ ریاضت اور محققین میں سے اور حقّانی توحید والے تھے، ان کے فضلات (بول و براز وغیرہ) سے کستوری کی سی خوشبو مہکا کرتی تھی اور یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے باطن ان کے احوالِ مبارکہ کی وجہ سے صاف ہو چکے تھے اور ان کے باطنی احوال کے آثار ان کے اعضاء اور اجزاء تک سرایت کر جاتے ہیں۔[3]

فائدہ: علّامہ حقّی نے یہاں "توحیدِ حقّانی" فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ شیطانی توحید والوں کو یہ انعام کب نصیب۔ شیطانی توحید والے وہ ہیں جو کہ توحید کی آڑ میں نبیوں علیہم السلام، ولیوں رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے لوگوں سے بچائے رکھے۔ (آمین)

زرقانی علی المواہب میں ہے : وهو الطّاهرة علی الرّاجح ومجموع من قیل انّه شرب دمه لافی خصوص هٰذا الیوم مالک بن سنان هٰذا وعلیٌّ وابن الزّبیر وابو طیبة الحجّام وسالم بن ابی الحجّاج وسفینة مولی المصطفیٰ ﷺ۔[4]

یعنی رسول اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ قول راجح کی بناء پر پاک ہیں۔ نیز فرمایا جن حضرات نے سید الکونین ﷺ کا خون مبارک پیا ہے وہ حضرت صحابہ کرام مالک بن سنان، سیدنا مولیٰ علی شیر خدا، سیّدنا عبد اللہ بن زبیر، سیّدنا ابو طیبہ حجام اور سیدنا سالم بن ابو الحجاج اور سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، جیسی ہستیاں ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قطبِ وقت سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا : (فان قیل) یفهم من تقریرکم هٰذا انّ من کان معصومًا ولم یشتغل عن ربّه بحکم طبیعته ان یکون بوله وغائطه طاهرًا (فالجواب) نعم وهو کذٰلک کما افتیٰ به شیخ الاسلام البلقینی والسّبکی والجلال السّیوطی وغیرهم حتّٰی قال شیخ الاسلام السراج البلقینی واللّٰه لو وجدت شیئًا من بول النّبیّ وغائطه لاکلته وشربته وفی الحدیث مایؤیّد ذٰلک وروی الطّبرانی وغیره نحن معاشر الانبیاء بنیت اجسادنا علیٰ اجسام اهل الجنّة ولذٰلک کانوا یشمّون المسک من موضع برازه ﷺ۔[5]

ترجمہ: "اگر کوئی سوال کرے کہ تمہاری اس تقریر سے سمجھا جا رہا ہے کہ جو ذات معصوم ہو اور وہ اپنے ربّ تعالیٰ سے اپنے طبعی حکم کی وجہ سے اعراض نہ کرے تو اس کا پیشاب پاخانہ پاک ہونا چاہیئے۔ (جواب) ہاں ایسا ہی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی، علّامہ سبکی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہم

---

[1] (شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۶۴)

[2] (روح البیان ج ۵، ص ۶)

[3] (روح البیان ج ۵، ص ۷)

[4] (زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۹)

[5] (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۶۲)

اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ''سیدالکونین ﷺ کے بول و براز مبارکہ (فضلات) پاک ہیں''۔ حتیٰ کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اگر مجھے کہیں سے رحمت اللعلمین ﷺ کے بول و براز (خوشبومبارک) شریف مل جائیں تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بول شریف پی لوں اور براز شریف کھالوں اور حدیث پاک بھی اسی کی تاکید کر رہی ہے کہ رحمتِ دو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا ہم جنبیوں کی جماعت ہیں ہمارے اجسام جنتیوں کے اجسام پر بنائے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں رسول اکرم ﷺ رفع حاجت فرماتے تھے، وہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کستوری کی سی خوشبو سونگھا کرتے تھے۔''

میرے عزیز غور کر، اسے کہتے ہیں ایمان بالرسول ﷺ جیسے کہ آپ نے شیخ الاسلام بلقینی کا ارشاد گرامی پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ائمہ کرام کو ہماری طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے اور ہمیں بھی ان کے ساتھ اپنے حبیب لبیب ﷺ کے جوارِ خاص میں جگہ عطا کرے۔ (آمین)

عاشق رسول خواجہ غلام محی الدین قصوری رحمہ اللہ جن کا لقب تھا دائم الحضوری یعنی ہمیشہ دیدارِ مصطفی ﷺ سے مشرف رہنے والے، وہ اپنی ایمان افروز کتاب ''تحفۂ رسولیہ'' میں فرماتے ہیں :

غائط وخون و بولِ نبی طاہر است　　گفت چنیں آنکہ بدیں ماہر است[1]

یعنی نبی اکرم ﷺ کے بول و براز شریف (خوشبومبارک) اور خون مبارک پاک ہیں اور یہ کسی ایرے وغیرے کا قول نہیں بلکہ یہ ان اماموں رحمہم اللہ کا قول مبارک ہے جو کہ دین کے ماہر ہیں۔

فتاویٰ شامی رد المحتار میں ہے : **صحّح بعض ائمّة الشّافعيّة طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته وبه قال ابو حنيفة كما نقله في المواهب اللّدنية عن شرح البخاري للعيني وصرّح به البيري في شرح الاشباه وقال الحافظ ابن حجر تظافرت الادلّة على ذالك وعدّ الائمّة ذٰلك من خصائصه ﷺ ونقل بعضهم عن شرح المشكوة لملّا على القاري انّه قال اختاره كثيرٌ من اصحابنا واطال في تحقيقه في شرحه على الشّمائل في باب ماجاء في تعطّره عليه الصّلاة والسّلام۔**[2]

یعنی بعض ائمہ شافعیہ نے رسول اکرم ﷺ کے بول مبارک اور دیگر فضلات مبارکہ کے پاک ہونے کی تصحیح کی ہے اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، جیسے کہ ''المواہب اللدنیہ'' میں عینی شرح بخاری سے نقل کیا ہے نیز علامہ بیری نے شرح اشباہ میں اس کی تصریح کی ہے اور علّامہ ابن حجر نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت پر کثرت سے دلائل موجود ہیں اور ائمہ کرام نے فضلاتِ مبارکہ کی طہارت کو سرکار ﷺ کے خصائص سے شمار کیا ہے اور بعض ائمہ کرام نے مرقات شرح مشکوۃ سے نقل فرمایا ہے کہ اس حکم کو یعنی فضلات مبارکہ کی طہارت کو ہمارے بہت سے فقہاء حنفیہ نے اختیار کیا ہے، نیز ملّا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شمائل میں لمبی تحقیق کی ہے۔ (تعطّر خوشبو کے باب میں)

جناب مولوی انور شاہ کشمیری صدر مدرس دیوبند فرماتے ہیں : **لانّ العلمآء ذهبوا الى طهارة فضلاته ﷺ۔** یعنی علماء امّت حضور ﷺ کے فضلات شریفہ کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔[3]

''جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں : اور مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور

---

[1] (تحفہ رسولیہ ص ۵)

[2] (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳)

[3] (فیض الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۸۹)

آپ ﷺ کے بول و براز (خوشبومبارک) کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ بمثل مشک خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لئے علماء آپ ﷺ کے بول و براز (خوشبومبارک) کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ابو بکر بن سابق مالکی رضی اللہ تعالیٰ عنہو را بونصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نقل کیا ہے اور مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہیو م احد میں آپ ﷺ کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا، پی لیا تھا اور برکت اور آپ ﷺ کی خادمہ امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک (خوشبومبارک) پی لیا تھا، سوان کو ایسا معلوم ہوا جیسا شیریں نفیس پانی ہوتا ہے۔[1]

سید العارفین حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ القیوم فرماتے ہیں:

اشقیا را دیدۂ بینا نبود　　نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

(بدبخت لوگ حق بیں آنکھوں سے محروم ہیں، اس لئے ان کی آنکھوں میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتا ہے۔)

ہمسری باانبیاء برداشتند　　اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

(چنانچہ انہوں نے انبیاء کی برابری کا دعویٰ کر دیا اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا ہے)

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(اگر کسی نے اس سُوءِ ادب پر اعتراض کیا تو کہہ دیا ہم بھی انسان وہ بھی انسان،
ہم اور وہ دونوں سونے اور کھانے وغیرہ کے پابند ہیں پھر فرق کیا ہوا؟)

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ　　ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

(مگر انہوں نے اپنی کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں فریقوں میں بے انتہا فرق ہے)

ہر دوگوں زنبور خوردند از محل　　لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

(مثلاً ہر دو رنگ کی زنبوروں (یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی) نے (پھولوں اور شگوفوں کا رس)
ایک ہی جگہ سے چوسا مگر اس سے ڈنگ پیدا ہوا اور دوسری سے شہد)

ہر دوگوں آہو گیاہ خوردند و آب　　زیں یکے سرگیں وزاں مشکِ ناب

(دوسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے ہرنوں نے ایک ہی طرح کی گھانس چری اور ایک ہی گھاٹ
سے پانی پیا لیکن ایک میں تو مینگنیاں بن گئیں اور دوسری میں خالص کستوری)

ہر دو نے خوردند از یک آبخور　　آں یکے خالی وآں پر از شکر

(تیسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوئے
لیکن ایک کھوکھلا ہے اور دوسرا شکر سے پر ہے۔)

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں　　فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

(ایسی ہی لاکھوں نظیریں دیکھو گے　　ان میں ستر برس کی راہ کا فرق پاؤ گے)

ایں خورد گردد پیدی زو جدا　　واں خورد گرد وہمہ نورِ خدا

(اسی طرح یہ غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور
وہ (نبی) جو کھاتا ہے تو وہ سب کا سب نورِ خدا بن جاتا ہے)

---

[1] (نشر الطیب، ص ۱۹۳)

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست

(اگر دونوں کی صورتیں ملتی جلتی ہیں تو یہ ممکن ہے (چنانچہ) تلخ پانی اور شیریں پانی دونوں میں صفائی موجود ہے)

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب او شناسد آبِ خوش از شورہ آب

(صاحب ذوق کے سوا کون پہچان سکتا ہے (اس صاحب ذوق سے) ملاقات کر

کیونکہ وہی خوشگوار پانی اور شور (تلخ) پانی میں فرق کر سکتا ہے)

تفصیلی اشعار مثنوی شریف میں درج ہیں وہاں رجوع کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اجْعَل لِّی نُورًا فِی قَلبِی وَ نُورًا فِی قَبرِی وَ نُورًا مِّن بَینِ یَدَیَّ وَ نُورًا مِّن خَلفِی وَ نُورًا عَن یَّمِینِی وَ نُورًا عَن شِمَالِی وَ نُورًا مِّن فَوقِی وَ نُورًا مِّن تَحتِی وَ نُورًا فِی سَمعِی وَ نُورًا فِی بَصَرِی وَ نُورًا فِی شَعرِی وَ نُورًا فِی بَشَرِی وَ نُورًا فِی لَحمِی وَ نُورًا فِی دَمِی وَ نُورًا فِی عِظَامِی اللھُمَّ اَعظِم لِی نُورًا وَّ اَعطِنِی نُورًا وَ اجعَل لِّی نُورًا۔

ترجمہ: اے اللہ کر دے میرے لئے میرے دل میں نور اور میری قبر میں نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری جلد میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میری ہڈیوں میں نور، اے اللہ! میرے لئے بہت ہی زیادہ نور کر دے اور مجھے نور عطا فرما اور مجھ کو نور کر رکھ۔[1]

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی اس نورانی دعا کو ضرور قبول فرمایا تو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کی ہر چیز نور ہے اور آپ سراپا نور ہی نور ہیں اور جو چیز بھی آپ کے جسم مبارک میں جاتی وہ بھی نور ہو جاتی:

آں خورد گرد دہمہ نورِ خدا

ثابت ہوا کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں اور ان کو نجاست و غلاظت کہنا بے ادبی و گستاخی ہے۔ اور ان سے تبرک حاصل کرنا بھی ثابت بالسنۃ ہے۔

(۳۸) ﴿باب نمبر اڑتیس انگوٹھی سے برکت کے حصول کا ثبوت﴾

حدیث: قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلبس الخاتم بعد النبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الاظہر انھم لبسوھا احیانًا لاجل التبرک بہ۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی انگوٹھی مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک کے لئے کبھی کبھی پہنا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا - أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ - فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لاَ يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ۔

---

[1] (ترمذی شریف، ج ۲ ص ۴۸۹)

[2] (مرقات باب الخاتم ج ۸ ص ۲۷۳ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں : سرور دو عالم ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ اور سلاطین عالم کو دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب تک کسی خط پر مہر ثبت نہ ہو اس وقت تک وہ سلاطین ایسے خط وصول نہیں کرتے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ایک انگشتری بنوائی جس کا نقشہ یہ تھا: محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

اللہ

رسول

محمد [1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اب بھی اس مبارک انگشتری کی چمک مجھے نظر آ رہی ہے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے حضور ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کو صرف تین دن پہنا۔ اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کی طرف کیا۔ لوگوں نے بھی اپنے نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ ایک روز سرکارِ دو عالم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، حضور ﷺ نے انگوٹھی اٹھا کر پھینکی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے آقا ﷺ کی اقتداء کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے چاندی کی انگشتری بنوائی اور حکم دیا کہ اس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) کندہ کر دیا جائے۔

حضور ﷺ نے آخری دن تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی انگوٹھی پہنی۔ چھ سال تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنتے رہے، جب خط و کتابت کا سلسلہ دراز ہوا اور ہر خط پر مہر لگانا خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مشکل ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی ایک انصاری کے سپرد کی اور اسے حکم دیا کہ جتنے خطوط بھیجے جائیں ان پر تم مہر لگا دیا کرو۔

اگرچہ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی اور پھر بائیں ہاتھ کی انگلی پر پہنی، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر تعداد نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے آخر دم تک انگشتری کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنے رکھا اور وہ نگینہ جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا تھا وہ ہتھیلی کی طرف ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی چاندی کا تھا۔

حضور ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو انگشتری اتار کر رکھ دیتے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چاندی کی انگوٹھی بنانے کی اجازت تو دے دی لیکن اس بات پر منع کیا کہ کسی کی انگوٹھی کے نگینہ پر محمد رسول اللہ ﷺ کندہ کیا جائے۔

"ولا ینقش احد نقشه"

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے : "سرکار دو عالم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی لیکن اس کا نگینہ ایسے پتھر کا تھا جو حبشہ میں پایا جاتا ہے۔"

بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی اسی مبارک انگشتری میں ایک سرِّ الٰہی تھا جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہو گئی تو آپ کی ساری سلطنت ختم ہو گئی اور جب تک سرکار دو عالم ﷺ کی بابرکت انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سالوں میں یہ انگوٹھی رہی، مملکت اسلامیہ کے تمام اکناف و اطراف میں امن و سکون رہا۔ کسی فتنہ و فساد کی وہاں چنگاری بھی نہیں چٹخی۔ لیکن عثمانی خلافت کے چھٹے سال جب یہ مبارک انگوٹھی بئر اریس میں گری اور تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ

---

[1] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۳)

ہوئی تو اس وقت سے ہی فتنہ وفساد کا آغاز ہوگیا۔اور ابھی تک ان فتنوں کی آگ سلگ رہی ہے،اور کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہے اور ہر چیز کو خاکستر کر دیتی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا میری اس انگشتری پر ''محمد بن عبداللہ'' کندہ کرو اور وہ انگشتری خالص چاندی کی تھی۔تو وہ نقاش کے پاس لائے اور کہا کہ یہ نقش اس پر کندہ کر دو۔اس نے کہا کہ میں اسے کندہ کر دوں گا اور اس پر اجرت طے کی تو اللہ تعالیٰ نے نقاش کے ہاتھ کو اس طرح بدل دیا کہ اس نے ''محمد رسول اللہ'' کندہ کر دیا۔اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں نے تو تمہیں ''محمد بن عبداللہ'' کندہ کرنے کا حکم دیا تھا۔نقاش نے کہا بلاشبہ اللہ نے میرے ہاتھ کو پھیر دیا۔خدا کی قسم! میں یہی کندہ کرنا چاہتا تھا مگر بے شعوری طور پر یہ کندہ ہوگیا۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انگشتری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطراف وجوانب کے شہنشاہوں،بادشاہوں،اور حکمرانوں کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمانا چاہے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سلاطین خط پر مہر نہ ہو تو اس کو معتبر نہیں سمجھتے،بلکہ پڑھتے بھی نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگشتری میں مہر بنانے کا حکم دیا۔انگوٹھی بن کر آئی تو اسے انگشت مبارک میں پہنا۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننا شروع کر دیں۔اس موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کا حکم سنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے مردوں پر سونا پہننا حرام قرار دیا گیا ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگشتری تیار کروائی۔اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا جس میں ''محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)(۱) تین سطروں میں کندہ تھا۔اس طرح کہ ''اللہ'' کا لفظ سب سے اوپر،درمیان میں ''رسول'' اور آخر میں ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کبھی بائیں اور کبھی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے۔اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب ہوتا،یہ انگوٹھی حبشی صنعت کا نمونہ تھی۔کبھی کبھی اس پر دھاگہ باندھ لیتے کہ جو یادداشت کے لئے ہوتا تھا۔چاندی کی انگوٹھی پہننے سے لوگوں کو منع نہیں فرمایا،مگر ارشاد ہوا کہ کوئی شخص اس میں ایسا نقش کندہ نہ کروائے۔عہد رسالت میں یہ مہر تمام مراسلات،پیغامات،تحریروں،حکم ناموں پر لگائی جاتی رہی۔عہد صدیقی وفاروقی میں بھی اسی کا استعمال جاری رہا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال بعد ایک بار جبکہ وہ اریس کے کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے،یہ انگوٹھی انگلی سے نکل کر اس میں گر گئی۔بہت تلاش کے بعد بھی نہ ملی۔کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی سے عہد عثمانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں فتنہ کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔

حدیث: وكان المغيرة بن شعبة يقول :أخذت خاتمي فألقيته في قبر رسول الله وقلت حين خرج القوم :ان خاتمي قد سقط في القبر، وانما طرحته عمدًا لأمس رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فأكون آخر الناس عهداً به۔ یعنی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے تو میں نے اپنی انگوٹھی اتار کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک میں ڈال دی۔جب لوگ نکلے قبر سے تو میں نے کہا کہ میری انگوٹھی قبر مبارک میں گری ہے۔دراصل بات یہ تھی کہ میں نے قصداً انگوٹھی قبر میں ڈال دی تھی تاکہ انگوٹھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کے ساتھ مس ہو جائے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری تبرک حاصل کر سکوں۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان چیزوں سے تبرّک حاصل کیا کرتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے مس ہو چکی ہوتی تھیں۔

---

[۱] (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۲،دار احیاء التراث العربی،بیروت لبنان)

امام بخاری صحیح بخاری میں کتاب فرض الخمس ،باب ۵ میں لکھتے ہیں :باب ما ذکر من درع النبی ﷺ و عصاہ و سیفہ و قدحہ و خاتمہ و ما استعمل الخلفاء بعدہ من ذلک من ما لم یذکر قسمتہ و من شعرہ و نعلہ و آنیتہ مما یتبرک بہ اصحابہ و غیرھم بعد وفاتہ ﷺ ''حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات مثلاً زرہ ،عصا،تلوار، پیالہ اور انگوٹھی اور ان میں سے جن چیزوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفاء نے استعمال کیا جنہیں تقسیم نہیں کیا گیا، اور حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک اور برتن کا بیان جن سے حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر لوگ برکت حاصل کرتے تھے۔''

(۳۹)﴿باب نمبر انتالیس انبیاء اور اولیاء کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسمانیہ کا تبرکاً بوسہ لینا﴾

تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ امتِ مسلمہ کے ہر دور میں اکابر اولیاء اور عامۃ الناس اپنے زمانہ کی متبرک اور مقدس شخصیات کے ہاتھ ،پاؤں اور سر چوم کر ان کے فیوض و برکات کو سمیٹتے رہے ہیں۔ذیل میں اسی حوالے سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں :

حضرت عبدالرحمن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ربذۃ کے مقام سے گزرے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقیم ہیں، ہم نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور ان کو سلام عرض کیا :فاخرج یدیہ فقال بایعت بھاتین نبیّ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اٰلہٖ وسلّم فاخرج کفًّا لہ ضخمۃ کأنّھا کفّ بعیرٍ فقمنا الیھا فقبّلناھا۔ ''تو انہوں نے اپنے ہاتھ (چادر یا آستین سے) باہر نکالے اور فرمانے لگے کہ میں نے ان ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ہتھیلی سامنے کی جو اونٹ کی ہتھیلی کی طرح بھاری اور گداز تھی۔ہم کھڑے ہوئے اور اس کا بوسہ لے لیا۔[۱]

امام ابونعیم اصبہانی نے بھی حضرت یونس بن میسرہ سے مروی اسی طرح کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز یزید بن اسود عائدین کے پاس گئے۔ان کے پاس حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے :فلما نظر الیہ مدّ یدہ فأخذ یدہ فمسح بھا و جھہ و صدرہ لأنہ بایع رسول اللہ ﷺ یعنی پس جب حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے کیا، انہوں نے ہاتھ لے کر (حصولِ برکت کے لئے) اپنے چہرے اور سینے پر ملا کیونکہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے (اسی ہاتھ سے) بیعت کی تھی۔''[۲]

تابعی کبیر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:أمسست النبی ﷺ بیدک؟ یعنی کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چھوا ہے؟ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا : نعم !یعنی ہاں !فقبلھا یعنی حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوم لیا۔[۳]

یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر کہا :بایعت ھذہ رسول اللہ ﷺ؟ فقال : نعم، قلت :أعطنی یدک أقبلھا فأعطانیھا فقبّلتھا۔ ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا :ہاں! تو میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں، انہوں نے اس کو میری طرف کیا تو میں نے اسے بوسہ دیا۔''[۴]

---

[۱] (ادب المفرد للبخاری، باب تقبیل الید، صفحہ ۱۴۴ سطر ۱ تا ۳ تنویر القلوب صفحہ ۲۰۰)

[۲] (ابونعیم اصبہانی حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۳۰۶)

[۳] (بخاری، الأدب المفرد، ۱۴۴:۱، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۴) (تنویر القلوب ص ۲۰۰) (دارمی شریف ۳۱:۱)

[۴] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۹۴:۲۲، رقم ۲۲۶:) (ھیثمی، مجمع الزوائد، ۴۲:۸)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں : رأیت علیّا یقبل ید العباس و رجلیه۔ ''میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام عالی مقام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا :

أرنی الموضع الذی قبله رسول الله ﷺ فرفع الحسن ثوبه، فقبّل سرّته۔ یعنی آپ مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں حضور ﷺ نے بوسہ لیا ہے، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جسم سے کپڑا سرکا دیا تو انہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناف کا بوسہ لیا۔[2]

ذہن نشین رہے کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں، اس قدر عظیم البرکت شخصیت ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اہلِ بیتِ اطہار سے فیض اور برکت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

صاحبِ الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا : دعنی حتی أقبّل رجلیک، یا أستاذ الأستاذین و سید المحدثین و طبیب الحدیث فی علله۔ یعنی اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔''[3]

تمام محدثین، مفسرین، فقہاء محققین، اور علماء مدققین، سلف صالحین اور اولیاء کاملین، سب کا یہی عقیدہ ہے کہ ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ جیسا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف الادب المفرد میں باب تقبیل الرجل، باب تقبیل الید میں، امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جامع ترمذی باب ماجاء فی قبلة الید و الرجل میں، امام ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن ماجہ میں باب الرجل یقبل ید الرجل میں، اور امام کا باب باندھ کر احادیث جمع فرمائیں۔ اگر ہاتھ اور پاؤں چومنا شرک ہوتا تو اتنے بڑے محدثین اصحاب صِحاح جن پر وہابیہ اور دیابنہ کو بھی کلی طور پر اعتماد ہے، کبھی باب باندھ کر اتنے اہتمام سے احادیث شریف جمع نہ فرماتے۔

شیخ المحدثین شیخ عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : ''مسلم صاحب الصحیح چوں تردادے درآمد میگفت بگذار مرا تا بوسہ زنم دو پائے ترا'' یعنی امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ جو کہ صحیح مسلم شریف کے جامع ہیں، جب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے عرض کیا کہ مجھے چھوڑ دیں (اجازت فرمائیں) کہ میں آپ کے مبارک پاؤں کو چوم لوں۔''[4]

امام نووی رحمہ اللہ شارح صحیح مسلم سے کسی نے پوچھا تقبیل ید غیرہ ما حکمه یعنی اپنے غیر کے (دوسرے آدمی کے) ہاتھ کو چومنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا : یستحب تقبیل ایدی الصّالحین و فضلاء العلماء صالحین (او لیاء الله) فضلاء اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے۔[5]

---

[1] (بخاری، الادب المفرد، ۱:۳۳۹، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۶) (کنز العمال، ۱۳:۳۷۳۲۹) (فتاوی حقانیہ، ج ۲ ص ۴۵۳)

[2] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۹:۹۴، رقم ۴۶۷۷)

[3] (ابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ۱:۳۳) (اشعۃ اللمعات فارسی، ۱:۹ مطبوعہ نور الکشور)

[4] (اشعت اللمعات فارسی ۱:۹) (سیرت البخاری ص ۴، مولوی عبد السلام مبارک پوری وہابی)

[5] (کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴، سطر ۱۳، ۱۴، مصر و حاشیہ مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۲)

خاتم الفقہاء والمحدثین علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ پاؤں چومنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا : **المصافحة للقادم سنّة و كذا تقبيل ما ذكر من نحو عالم و صالح و شريف و نسيب۔** آنے والے کے ساتھ مصافحہ کرنا اور عالم دین صالح شریف اور عمدہ نسب والے کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینا سنّت ہے۔

آپ نے اپنے فتاویٰ میں ایک واقعہ درج فرمایا ہے کہ فقہائے ثقہ میں سے ایک فقیہ نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ کچھ عرصہ مکہ شریف میں برکت کے طور پر رہا۔ اولیاء اللہ میں سے مکہ میں ایک میرا دوست تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ مجھے زمانے کا قطب دکھائے۔ تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ جب تم اسے دیکھو تو اس کے ساتھ بات نہ کرنا۔ کچھ مدت گذرنے کے بعد میں نے قطب کو دیکھا۔ **فقبلت يده و جلست ساكتا** تو میں ان کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ قطب نے تھوڑی دیر مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا۔ اے فقہاء کی جماعت! تم میں سے ایک آدمی شہر کا سردار ہے۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس قطب سے اس فقیہہ سردار کی بابت پوچھوں، لیکن مجھے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مجھے پھر ان سے اتفاق ہوا۔ اور میرے دل میں حاضری کے وقت خیال تھا کہ اس فقیہہ سردار کے متعلق پوچھوں تو قطب نے خود ہی میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس وقت شہر کا فقیہہ سردار شیخ برھان الدین ابو شریف ہے۔ پھر اس کے بعد شیخ زکریا ہوگا۔ ان دو اماموں کے متعلق قطب کی شہادت کا مشاہدہ ہوا تو واقعی وہ دونوں شہر کے بلکہ دنیا کے سردار اور اس کی زینت تھے۔[1]

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : **عند ابی یوسف لا یکرہ و لا بأس بالمصافحة و تقبيل يد العالم و السلطان العادل۔** امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔[2]

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : **انّه قال تقبيل يد العالم و السلطان العادل سنّة۔** بے شک عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا سنت ہے۔[3]

حضرت سعد اللہ بن عیسیٰ المعروف سعدی چلپی علیہ الرحمۃ عنایہ شرح ہدایہ میں اور **علامة الفهامه امام اكمل الدين بابرتی عليه الرحمة** نے بھی شرح ہدایہ میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے۔ **عن سفيان رحمة الله عليه تقبيل يد العالم سنّة** حضرت سفیان علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ عالم دین کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے۔[4]

حضرت فقیہہ ابو اللیث السمرقندی، امام جلال الدین سیوطی اور علامہ عبد الغنی الدہلوی نے چومنے کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں : (۱) محبت کے طور پر، (۲) رحمت کے طور پر، (۳) شفقت کے طور پر، (۴) احترام کے طور پر، (۵) شہوت کے طور پر۔

فامّا قبلة المودة فهی قبلة الوالدين لولدهما علی الخد و اما قبلة الرحمة فقبلة الولد لوالديه علی الرأس و اما قبلة الشفقت فقبلة الاخت للاخ علی الجبهة و اما قبلة التحية فقبلة المؤمنين فيما بينهم علی اليد و امّا قبلة الشّهوة۔ فقبلة الزّوج لزوجته علی الفم۔ محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا۔ رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے اولاد کا والدین کے سر کو

---

[1] (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۳، مطبوعہ مصر مصنفہ ابن حجر مکی)

[2] (ملتقی الابحر ص ۳۳۸، للحلبی مطبوعہ مصر) (شرح الاشباہ عینیہ والنظائر للحموی ج ۲ ص ۴۵۱ شرح تحفۃ النصائح فارسی ص ۱۹۱)

[3] (مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر برحاشیہ ملتقی الابحر ص ۳۳۸ مطبوعہ مصر)

[4] (عنایہ شرح ہدایہ للسعدی الچلپی وعنایہ شرح ہدایہ للامام اکمل الدین برحاشیہ نتائج الافکار ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر)

چومنا۔شفقت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا۔عزت واحترام کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا۔اور شہوت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے منہ (ہونٹوں) کو بوسہ دینا۔[1]

شیخ محقق شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

تقبیل ید عالم وزاہد یا مرد سے کبیر السن جائز است۔عالم دین اور زاہد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔(اشعۃ اللمعات فارسی ج ۴ ص ۲۴ مطبوعہ نور الکشور)

امام الفضلاء حضرت علامہ سید احمد بن محمد الحموی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

فی مفتاح السعادت واما تقبیل الید ان کان ممن یستحق الاکرام کالعلماء والسادات والاشراف یرجی ان یجال الثواب کما فعلہ بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

یعنی مفتاح السعادت میں لکھا ہے کہ ایسے شخص جو تعظیم وتکریم کا مستحق ہے، جیسے علماء دین، سادات، اشراف اور ذوالاحترام حضرات ہیں، ان کے ہاتھ چومنے میں ثواب کی امید ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ثابت ہے۔[2]

علامہ قطب الدین دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیفِ لطیف مظاہر حق میں فرماتے ہیں کہ بوسہ دینا اوپر ہاتھ عالم متورع کے جائز ہے بعضوں نے کہا کہ مستحب ہے۔[3]

کتاب تنویر الابصار کے مصنف سند الفقہاء حضرت علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف لطیف میں تحریر فرماتے ہیں : **من طلب عالماً او زاھداً ان یمکّنہ من قدمہ لیقبلہ اجابہ۔** ''جو شخص کسی عالم یا زاہد سے اس کے پاؤں چومنے کی اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دینی چاہیئے۔''

لا بأس بتقبیل ید العالم والسلطان العادل۔ ''عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''[4]

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار کے مصنف علامہ علاؤ الدین الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : **لا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التسبرک ونقل المصنف عن الجامع انہ لا بأس بتقبیل ید الحاکم المتدین والسطان العادل وقیل سنّۃ مجتبیٰ۔**

حصولِ برکت کی غرض سے عالم اور پرہیزگار متقی شخص کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔مجتبیٰ نامی کتاب کے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔[5]

خاتم الفقہاء والمحققین علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور ومعروف کتاب ردالمحتار المشہور شامی میں فرماتے ہیں : **قیل سنۃ ای تقبیل ید العالم والسلطان العادل۔**

---

[1] (بستان العارفین للسمرقندی بر حاشیہ تنبیہ الغافلین ۱۵۹، مصباح الزجاجہ للسیوطی ابن ماجہ ۱۷۲ الحاجہ للعلامہ عبدالغنی الدہلوی بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۷۲ درمختار ج ۲ ص ۳۴۳، مطوعہ کلکتہ، مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴، مطبوعہ لکھنؤ)

[2] (شرح الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۴۵۲، مطبوعہ نور الکشور)

[3] (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ لکھنؤ)

[4] (تنویر الابصار باب الاستبراء، مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴)

[5] (درمختار ج ۲ ص ۳۴۳ باب الاستبراء حاشیہ جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۸)

یعنی عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کو سنت کہا گیا ہے۔[1]

عارف باللہ علامہ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :یسن تقبیل الید لصالحٍ و نحوہ کعلم و زھد۔ علم اور زہد و منیرہ کی بناء پر ہاتھ چومنا سنت ہے۔[2]

علامہ عبدالرحمن صفوری اپنی کتاب شرعت الاسلام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: من قبل رجلی امہ فکانما قبل عتبۃ الکعبۃ۔ جس نے اپنی والدہ کے پاؤں کو بوسہ دیا پس اس نے خانہ کعبہ کی دہلیز کو بوسہ دیا۔[3]

حضرتِ عمرو بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں (سیدنا) حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ طیبہ کے (پاکیزہ) گلیوں میں سے گزر رہا تھا، کہ سامنے سے حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، سو انہوں نے جنابِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا (اے امام) میں آپ پر فداء ہو جاؤں، اپنے شکم اقدس سے ذرا سا قمیص اٹھا دیں تا کہ میں اس مقام کو بوسہ دے سکوں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسے دیا کرتے تھے۔ سو جنابِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیٹ سے قمیص ہٹا دی، تو جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناف (مبارک) کو بوسہ دیا۔[4]

وروی عن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھم کانو ااذا قدم من سفرھم یعانق بعضھم بعضا ویقبل بعضھم بعضا۔ ''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جب وہ اپنے سفر سے واپس ہوتے تو ایک دوسرے کو گلے لگا کر ملتے، اور ایک دوسرے کو بوسہ دیتے۔''[5]

عن انس قبلۃ المسلم المصافحۃ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی مسلمان کو بوسہ دینا، مصافحہ ہے۔ یعنی مصافحہ سنت ہے تو بوسہ دینا بھی سنت ہے۔[6]

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے ہم جلیس کے ساتھ بھیجتے تو وہ میرے سر کو بوسہ دیتے تھے۔[7]

حضرت ابونضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رخسار کو بوسہ دیا۔ عن ایاس بن دغفل قال رأیت ابا نضرۃ قبل خد الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ''حضرت ایاس بن دغفل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابونضرہ منظر بن مالک بصری تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا انہوں نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رخسار کو بوسہ دیا۔''[8]

عن حسن بن علی تقبیل المسلم ید اخیہ المصافحۃ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ کو بوسہ دینا مصافحہ ہے۔ یعنی مصافحہ سنت ہے تو بوسہ دینا بھی سنت ہے۔[9]

---

[1] (رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۷)

[2] (تنویر القلوب ص ۱۹۹، مطبوعہ مصر)

[3] (نزہۃ المجالس ج ۱ ص ۱۷۱، مطبوعہ مصر)

[4] (اخرجہ احمد فی مسندہ والطبرانی فی المعجم وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی فی سننہ وابن ابی شیبۃ فی مسندہ ثم نصبالرایۃ جلد ۲ کراھیۃ (۲۹))

[5] (بستان العارفین، الباب الثانی، والثمانون ص ۸۴)

[6] (کنز العمال، کتاب الصحبۃ فی سنن الاقوال والافعال ص ۵۶، ج ۹)

[7] (سیر الصحابہ ص ۱۴۷، ج ۷)

[8] (المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الادب باب فی المعانقۃ عند ما یلتقی الرجلان، ج ۱۳، ص ۱۸۹) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی قبلۃ الخد، ص ۳۶۸، ج ۲)

[9] (کنز العمال، کتاب الصحبۃ فی سنن الاقوال والافعال ص ۵۷، ج ۹)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سر مبارک کو بوسہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ قال ابو وائل قال رجل انی لاشتھی ان اقبل راسہ یعنی من حلاوۃ کلامہ۔ حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شیریں بیانی کی حلاوت پر میرا دل بے اختیار چاہتا تھا کہ ان کے سر کو بوسہ دوں۔[1]

عن سعید بن جبیر کنت اسمع الحدیث من ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فلو یؤذن لقبلت رأسہ۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنا کرتا تھا۔ پھر اگر وہ اجازت مرحمت فرماتے تو یقینا میں ان کے سر کو بوسہ دیتا۔[2]

سوال : کیا علماء وصلحاء کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے؟

جواب :حامدا و مصلیا علم اور بزرگی کے احترام کی خاطر ہاتھ پیر چومنے کی اجازت ہے۔[3]

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ استاذ، والد، والدہ، کسی بزرگ اور صالحین کے ہاتھ پاؤں چومنا برائے تعظیم چومنا جائز ہے یا ناجائز۔ بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب :استاذ وغیرہ کا ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔

لان صحابہ یقبلون ید رسول اللہ ﷺ ورجلہ وکذا بعضھم یقبل ایدبعضھم من شاء الاطلاع علی الروایات فلیراجع الی الادب المفرد المؤلفۃ للامام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھو الموفق۔[4]

اس فتاویٰ فریدیہ میں حاشیہ پر مفتی محمد وہاب منگلوری مدرس دارالعلوم صدیقیہ، زروبی، لکھتے ہیں :قال العلامۃ الحصکفی ولا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرّک درر۔۔۔ وقیل سنۃ مجتبیٰ وتقبیل رأسہ أی العالم أجود۔ قال ابن عابدین أی تقبیل ید العالم والسلطان العادل قال الشرنبلالی وعلمت أن مفاد الاحادیث سنیّتہ أو ندبہ کما اشار الیہ العینی۔[5]

لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

فواللہ ما یرحوا حتی اعتلو الجدار، وقلصوا المآزر، وطفق الناس بالعباس یمسحون ارکانہ، ویقولون :ھنیئا لک ساقی الحرمین۔[6]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط عام الرمادہ کے موقع پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ یا خدا! پہلے ہم حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم حضور ﷺ کے چچا محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل ہم کو سیراب کر۔[7]

---

[1] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ حرف العین المہملۃ ص ۱۲۹، ج ۴) (سیر الصحابہ ص ۲۶۸، ج ۲)

[2] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ حرف العین المہملۃ ص ۱۲۹، ج ۴)

[3] (فتاویٰ محمودیہ، ج ۱۹ باب السلام والقیام والمصافحہ، الفصل الرابع فی القیام والتقبیل ص ۱۲۶)

[4] (فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، ج ۱ ص ۳۱۱ مصنفہ شیخ الحدیث مفتی محمد فرید، مفتی دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

[5] (الدر المختار مع رد المحتار، ص ۲۷۱، ج ۵ قبیل فصل فی البیع کتاب الخطر والاباحۃ) (فتاویٰ فریدیہ ص ۳۱۱)

[6] (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حرف العین ج ۲ ص ۳۶۱) (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۰۴)

[7] (بخاری ج ۱ ص ۵۲۶)

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو یکا یک صاف شفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے۔ چونکہ یہ بارش بالکل غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرط محب ومسرت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے کر کہتے تھے ساقی حرمین مبارک ہو! ساقی حرمین مبارک ہو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقفا مع علی بن ابی طالب اذا قبل ابو بکر صدیق فصافحه النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعانقه وقبل فاه فقال علی اتقبل فا ابی بکر فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابا الحسن منزلة ابی بکر عندی کمنزلتی عند ربی۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا دیکھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور گلے لگایا اور ان کے دہن مبارک پر بوسہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ کا بوسہ لیتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اے ابو الحسن، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ اپنے رب کے حضور۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

ثم قال این ابو بکر الصدیق قال فوثب الیه ابو بکر وقال ها انا ذا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ادن منی فدنا منه فضمه الی صدره وقبل بین عینیه۔[2]

حافظ ابو سعید خرگوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف المصطفی عربی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پاس آؤ! پاس حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سینہ سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

پس گفت کجاست عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ **این عمر ابن خطاب فوثب الیه عمر وقال ها انا ذا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ادن منی فدنا منه فضمه النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی صدره وقبل بین عینیه۔**[3]

حضرت نجم الدین محمود راوندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف النبی فارسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سینے سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

---

[1] (سیرت حافظ عمر بن محمد ملا۔ العطایا النبوۃ فی الفتاوی الرضویہ ج ۲۲ ص ۲۶۵)

[2] (شرف النبی باب بیست ونہم در فضیلت صحابہ صدر فضیلت صحابہ ص ۲۸۸)

[3] (شرف النبی باب بیست ونہم در فضیلت صحابہ ص ۲۸۹)

صعد رسول اللہ ﷺ علی المنبر ثم قال این عثمان بن عفان فوثب الیہ وقال ھا انا ذا یا رسول اللہ ﷺ فقال ادن منی فدنا منہ فضمہ الی صدرہ وقبل بین عینیہ۔[1]

حافظ ابوسعید خرگوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف النبی ﷺ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی میں حاضر ہوں یارسول اللہ ﷺ، فرمایا پاس آؤ، پاس حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں سینے سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوسہ دیا

عن عائشۃ قالت رأیت النبی ﷺ التزم علیا وقبلہ وھو یقول بابی الوحید الشھید۔[2]

ابویعلی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چمٹے ہوئے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ فرمارہے تھے میرا باپ یگانہ شہید پر قربان ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

ان علیا دخل علی النبی ﷺ وعندہ العباس فسلم فرد علیہ ﷺ وقام فعانقہ وقبل ما بین عینیہ واجلسہ عن یمینہ۔[3]

ابوالخیر الحاکمی اور اصحاب کنوز المطالب نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے سلام کیا اور حضور اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور اٹھ کر آپ سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور دائیں طرف بٹھایا۔

امام الانبیاء ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **ما رأیت أحدا أشبہ سمتا ودلا وھدیا برسول اللہ ﷺ فی قیامھا وقعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ قالت: وکانت اذا دخلت علی النبی ﷺ قام الیھا فقبلھا وأجلسھا فی مجلسہ وکان النبی ﷺ اذا دخل علیھا قامت من مجلسھا فقبلتہ وأجلستہ فی مجلسھا۔**

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو طریقہ، روش اور نیک خصلتی (اور ایک روایت میں ہے کہ بات کرنے میں) حضور ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں) جس وقت داخل ہوتی تھیں حضور نبی اکرم ﷺ فاطمہ کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہوتے، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، حضور ﷺ جب ان کے ہاں جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دستِ مبارک کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ اس حدیث سے فاطمۃ الزہرا رضی

---

[1] (شرف النبی باب بیست ونہم در فضیلت صحابہ ص ۲۸۹) (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۲۶۷)

[2] (الصواعق المحرقۃ الباب التاسعۃ الفصل ثانی ص ۱۲۴)

[3] (الصواعق المحرقۃ الباب الاحد عشر الفصل الاول ص ۱۵۶)

اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔"[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لئے حیدر کہتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو دودھ نہیں پیتے تھے بلکہ ناخن مارتے تھے۔ اتنے میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ کو گود میں لے کر بوسہ دینا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے کہا کہ یا محمد (ﷺ) اس کو بوسہ نہ دیں کیونکہ یہ حیدر ہے، یعنی ناخن مارتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی والدہ کی بات نہ سنی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیا اور اپنا لعاب دہن مبارک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں ڈالا۔ پہلی چیز جو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں داخل ہوئی وہ حضور اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک تھا۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

واعتنق علیا باحدی یدیه وفاطمة بالید الاخریٰ فقبل فاطمة وقبل علیا۔[3]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنار میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کنار میں لیا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوسہ دیا۔

حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیتے تھے

وکان علیه السلام یقبل رأس فاطمة رضی اللہ عنہا ویقول اجد منها ریح الجنة۔

حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سر کو بوسہ دیتے اور فرماتے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔[4]

وکان اذا قدم من سفرٍ بدأ بها فقبلها وعانقها۔ جب حضور اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف فرماتے تو پہلے آپ ﷺ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے اور انہیں سینے سے لگاتے اور پھر انہیں بوسہ دیتے۔[5]

وکان یقبلها فی فیها ویمصوها لسانه واذا اراد سفراً یکون أخر عهده بها واذا قدم اوّل ما یدخل علیها۔ حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے دہان مبارک میں بوسہ دیتے تھے اور اپنی زبان مبارک ان کو چوساتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے، سب سے آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے

---

[1] (ترمذی الجامع الصحیح، ج ۵ ص ۷۰۰، کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ رقم ۳۸۷۲، ابو داؤد السنن ج ۴ ص ۳۵۵، کتاب الادب رقم ۵۲۱۷، نسائی السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۶، رقم ۸۳۶۹، ابن حبان الصحیح ج ۱۵، ص ۴۰۳، رقم ۹۹۵۳، حاکم، المستدرک، ج ۳ ص ۱۷۴، رقم ۴۷۵۳، ابن راہویہ المسند، ج ۱ ص ۸، رقم ۶، عسقلانی، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، ادب المفرد ص ۱۳۸ مطبوعہ مصر، حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۸، غنیۃ الطالبین ص ۳۱، مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۵۴۲)

[2] (حضرات القدس دفتر اول ص ۸۰)

[3] (مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ام سلمۃ زوج النبی ﷺ ج ۷ ص ۴۲۱)

[4] (رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق عینی ج ۲ ص ۲۱۰، اشعۃ اللمعات باب المصافحہ والمعانقہ ج ۹ ص ۲۳) (محمود الفتاویٰ کتاب الحظر والاباحۃ ج ۴ ص ۲۷۳، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۸ ص ۲۲۱)

[5] (رمز الحقائق، شرح کنز الدقائق، عینی ھذا کتابٌ فی بیان احکام الکراہیۃ، ھذا فصلٌ فی البیان احکامُ النظر والمس، ص ۲۱۰، ج ۲) (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۳)

آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس داخل ہوتے۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا

فضمها اليه و قبلها۔[2] حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف کھینچا اور انہیں بوسہ دیا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے سر اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیفِ لطیف مدارج النبوۃ شریف میں ایک روایت درج فرماتے ہیں : کہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۱ ربیع الاول شریف کو نور مجسم شفیع معظم ﷺ کی خدمت سراپا قدس میں اپنے لشکر سمیت رخصتی کی اجازت حاصل کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوئے : و بر بالین شریف حاضر شد۔ وسر مبارک را پیش برود۔ سر و دست مبارکش را تقبیل نمود۔ اور نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے سر کو جھکا کر حضور ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا۔[3]

حضرت وازع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت وازع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول پاک ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ (مگر ہم نبی اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ سے نا آشنا تھے) تو کسی نے ہم کو کہا : ذاک رسول الله ﷺ (یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں) : فاخذنا بيديه و رجليه فقبلناهما تو ہم نے حضور پرنور ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو پکڑ کر بوسہ دیا۔[4]

ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنی معرکۃ الآراء مبارک تصنیف خصائص الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کی شکایت حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کی۔ تو حبیب رب العالمین رحمۃ اللعالمین محمد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تو اس پر ناراض رہتی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سروں کو ایک دوسرے کے قریب کرو۔ تو رسولِ مقبول ﷺ نے ان دونوں کے سروں کو اس طرح ملایا کہ عورت کی پیشانی اس کے خاوند کی پیشانی سے ملی اور دعا فرمائی : اے اللہ! ان دونوں میں محبت اور الفت پیدا فرما دے۔ ان کی ایک دوسرے ساتھی سے محبت پیدا فرما دے۔ کچھ عرصہ بعد وہ عورت شفیع معظم نورِ مجسم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ فقبلت رجليه تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے خاوند کیسے ہو؟ تو اس نے عرض کیا حضور ﷺ نہ وہ بچوں کی طرح ہے اور نہ بڑوں کی طرح ہے اور اسے مجھ سے زیادہ کوئی بچہ بھی محبوب نہیں (یعنی وہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتا ہے)۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : اشهد انی رسول الله میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی عرض کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔[5]

---

[1] (المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۱ ص ۳۹۵)

[2] (المصنف لابن ابی شیبۃ ۳۰ کتاب الفضائل ۱۸ باب الفضائل علی بن ابی طالب ص ج ۱۷ ص ۱۱۹)

[3] (مدارج النبوۃ شریف فارسی ج ۲ ص ۴۸۶)

[4] (ادب المفرد للبخاری ص ۱۴۴ تنویر القلوب ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر)

[5] (خصائص کبریٰ ص ۸۷ ج ۳، دلائل نبوۃ لابونعیم ۱۶۵ ج ۲)

حضرت اشج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا

حضرت مزیدۃ العبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اشج رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے ہوئے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے :حتیٰ اخذ بید النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقبلھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ رحمت پکڑ کر اس کو چوما۔تو نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :ان فیک لخلقین یحبھما اللہ ورسولہ تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہیں۔[1]

مندرجہ بالا حدیث شریف سے واضح ہے کہ ہاتھ چومنا نہ فعل قبیح ہے اور نہ ہی شرک بلکہ احسن فعل ہے۔جس کی تحسین رسول رب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔

حضرت ذارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت ذارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ وفد عبدالقیس میں تھے۔جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو ہم نے اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کی :فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورجلہ۔ تو ہم نے شہنشاہِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔[2]

دو یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دو یہودیوں نے سید الابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اِقدس میں حاضر ہو کر سوال کئے۔تو رازدارِ رب العلاء محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء نے ان کے جواب ارشاد فرمائے۔تو ان یہودیوں نے جواب سن کر فقبلا یدیہ ورجلیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔[3]

ایک اعرابی نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی میں،علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ردالمحتار میں،علامہ فقیہ سمرقندی رحمہ اللہ نے تنبیہ الغافلین میں،علامہ کردی اربلی علیہ الرحمۃ نے تنویر القلوب میں ایک روایت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نقل فرمائی ہے کہ ایک اعرابی نے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :قل لتلک الشجرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدعوک۔اس درخت کو کہو کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں۔حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں۔پھر وہ زمین کو کھودتا ہوا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا خاک اڑاتا ہوا اور آگے بڑھتا ہوا بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے :السلام علیک یا رسول اللہ!اعرابی نے کہا اب اس کو اپنی جگہ پہ لوٹنے کا حکم فرمائیں۔تو نبی مختار حبیب کردِگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر درخت واپس اسی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔معجزہ دیکھ کر اعرابی نے عرض کیا :اذن لی اسجد لک۔مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلاشک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔بعد ازیں اس نے عرض کیا :اذن لی ان اقبل یدیک ورجلیک فاذن لہ۔ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں۔تو ہادی سبل،ختم

---

[1] (ادب المفرد ص ۸۶ مطبوعہ مصر)

[2] (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۱۸،مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۲،کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴)

[3] (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸،مشکوۃ شریف ص ۱۷)(کتاب الاذکار للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۲ ص ۲۷۱،شرح فقہ اکبر لعلامۃ المغنیساوی ص ۲۲،حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۸)

رسل ﷺ نے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت عنایت فرمادی۔[1]

اگر ہاتھ پاؤں چومنا ناجائز ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کبھی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے والدین،مشائخ،علماء حقداروں کے ہاتھ پاؤں کو تبرکاً چومنا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :**فقبلنا یداہ** ﷺ۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔[2]

علامہ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری علیہ الرحمۃ الباری نے حدیث شریف درج فرمائی ہے :**ان رجلا اتی النبی** ﷺ **فقال یا رسول اللہ انی نذرت ان فتح اللہ عز و جل علیک بمکۃ ان اتی البیت فاقبل اسفل الاسکفۃ فقال قبل قدمے امک و قد وفیت نذرک۔** بے شک ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔اس نے عرض کی کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ پر فتح دی تو میں بیت اللہ کے پاس جاؤں گا اور اس کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی والدہ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دو۔تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔[3]

اگر ہاتھ اور پاؤں چومنا شرک ہوتا یا سجدہ ہوتا تو سرکارِ دوعالم ﷺ اس کو والدہ کے پاؤں کو چومنے کا حکم نہ فرماتے۔

صفوان بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی کو کہا کہ آؤ اس نبی سے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ﴿الاسراء ۱۰۱﴾ کے متعلق پوچھتے ہیں۔پس ان دونوں نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا۔آپ ﷺ نے ان کو جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اور اسراف نہ کرو،زنا نہ کرو،اس نفس کو قتل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے ساتھ۔جادو نہ کرو،سود نہ کھاؤ،کسی بری کو لے کر کسی غلبے والے کے پاس نہ جاؤ کہ وہ اس کو قتل کر دے۔کسی پر الزام نہ دو،پاک دامن عورت کو خصوصاً۔ہفتہ کے روز تجاوز نہ کرو۔ان دونوں یہودیوں نے سن کر **فقبلا یدہ و رجلہ و قالا نشھد انک نبی**۔حضور پرنور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔[4]

عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سر ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

فاکب عداس علی رسول اللہ ﷺ **فقبل رأسہ و یدیہ و رجلیہ قال یقول :ابنا ربیعۃ احدھما لصاحبہ :اما غلامک فقد افسدہ علیک، فلما جاءھما عداس قالا لہ :ویلک یا عداس مالک تقبل راس ھذا الرجل و یدیہ و قدمیہ قال یا سیدی ما فی الارض خیر من ھذا الرجل :لقد اخبرنی بامر لا یعلمہ الا نبی۔**[5]

ترجمہ:ابن ربیعہ،عتبہ اور شیبہ نے جب حضور اکرم ﷺ کی تکلیف و پریشانی کو دیکھا تو اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کو عداس کہا جاتا تھا،اور اسے کہا کہ ان انگوروں کا ایک گچھا تھال میں رکھ کر اس شخص کی خدمت میں لے جا کر پیش کر اور عرض کر کہ اسے تناول فرمائیں۔عداس نے انگور لئے اور

---

[1] (شفاء شریف ۱۹۶،ج ۱)(تنبیہ الغافلین،۲۶۲)(شامی ج ۵ ص ۲۷۱)(تنویر القلوب للکردی ص ۱۹۹)

[2] (ابوداؤد شریف ۲۱۸،ج ۲)(الادب المفرد ۱۴۳)(کتاب الاذکار للعلامہ نووی علیہ الرحمۃ ص ۲۳۴)(تنویر القلوب ص ۲۰۰)

[3] (عمدۃ القاری ص ۸۲ ج ۲ مطبوعہ مصر)

[4] (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۷،۱۱۸ مطبوعہ مصر)

[5] (الوفا باحوال المصطفی الباب التاسع والعشرون فی ذکر ما جری لرسول اللہ فی خروجہ الی الطائف ص ۲۱۴)(لمواہب الدنیہ ج ۱ ص ۱۳۷)(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ فی باب العین والدال ج ۴ ص ۴)(الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۲۴)(الاصابہ فی تمیز الصحابہ حرف العین المہملۃ ج ۳۸۶)

تھال میں رکھے، اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک تھال کی طرف بڑھایا کہ انگور کھائیں تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور انگور کھائے۔ عداس آپ ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھنے لگا اور عرض کیا بخدا اس شہر کے لوگ تو یہ کلام زبان پر نہیں لاتے۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نصرانی ہوں اور اہل نینوا سے تعلق رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نیک بندے حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کے شہر سے؟ تو اس نے پوچھا آپ ﷺ کو حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کا پتا کیسے چلا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں، میں بھی نبی ہوں اور وہ بھی نبی تھے۔ عداس نے آپ ﷺ کا جواب سنا تو ادب اور نیاز سے جھک کر آپ ﷺ کے سر، ہاتھ، اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ ربیعہ کے بیٹوں نے یہ منظر دیکھا تو ایک دوسرے سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے تیرے غلام کو اب تیرے کام کا نہیں چھوڑا۔ جب عداس ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا تیرے لئے افسوس ہے تجھے کیا ہو گیا تو اس شخص کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے لگ گیا تو اس نے کہا: ''اے میرے سردار اس شخصیت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسے امر کی خبر دی ہے کہ جس کو صرف نبی ہی جانتا ہے۔''

حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

فدنوت منه رويدا فوضعت يدی علی صدره فتبسم ضاحكا، وفتح عينيه لينظر الی، فخرج من عينيه نور حتی دخل خلال السماء وانا انظر، فقبلته بين عينيه، واعضيته ثدی الايمن، فاقبل عليه بما شاء من لبن فحولته الی الا يسر فابی۔ آپ ﷺ اپنی پشت مبارک پر سوئے ہوئے تھے اور نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے باعث میں آپ ﷺ کو جگانے سے ڈری۔ آہستہ سے آپ ﷺ کے قریب گئی۔ پھر میں نے آپ ﷺ کے سینے مبارک پر ہاتھ رکھا آپ ﷺ نے ایسے تبسم فرمایا کہ گویا ہنس رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں تا کہ میری طرف دیکھ سکیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے نور نکلا۔ حتیٰ کہ آسمان میں داخل ہو گیا۔ اس وقت میں اس نور کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیاں بوسہ دیا۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنی دائیں چھاتی دے دی۔ آپ ﷺ نے جتنا دودھ چاہا میری چھاتی سے اتر آیا۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنی بائیں چھاتی کی طرف پھیرا لیکن آپ ﷺ نے دوسری چھاتی کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

شیخ الاسلام ابو القاسم عبدالکریم ہوازن القشیری، شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلوی، شیخ الاسلام ابن حجر مکی علامہ یافعی علیہم الرحمۃ نے اپنی اپنی مستند کتب میں ایک روایت درج فرمائی ہے: **قال الشعبی: صلی زيد بن ثابت علی جنازة فقربت اليه بغلته ليركبها فجاء ابن عباس فاخذ بركابه فقال زيد: خل عنه يا ابن عم رسول الله ﷺ فقال ابن عباس: هكذا امرنا ان نفعل بالعلماء والكبراء فقبل زيد بن ثابت يده وقال هكذا امرنا ان نفعل باهل بيت نبينا ﷺ۔**

''حضرت شعبی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور فراغت کے بعد لوگوں نے خچر پیش کیا تا کہ اس پر سوار ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور خچر کی لگام تھام لی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے، آپ لگام کو چھوڑ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمیں یہی بتایا ہوا ہے کہ علماء کرام کی تعظیم کریں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا ہمیں اہل بیت کے متعلق یہی

حکم ملا ہے۔"[1]

مندرجہ بالا روایت میں ہاتھ کو بوسہ دینے والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جن کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا گیا، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ دونوں وہ قابل قدر ہستیاں ہیں جن کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں جاگزین ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ الباری جیسی شخصیت جن پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی انبیاء علیہم السلام میں ناز ہے، تحریر فرماتے ہیں : حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ مبارک پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوسہ دیا۔[2]

حضرت بی بی فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیا

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت :فلما مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دخلت فاطمة علیه فقبلته ثم رفعت رأسها فبکت۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارک ناساز ہوئی تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دینے لگیں۔ پھر اپنا سر اٹھا کر رونے لگیں۔[3]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بمع جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا

ثم مثنی معهم حتی اتی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرموا بانفسهم عن رکائبهم، فاخذوا یده فقبلوها۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گفتگو فرما رہے تھے، دوران کلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس جگہ سے تم پر ایک جماعت ظاہر ہوگی، وہ لوگ خیر اہل مشرق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے آنے کی طرف گئے اور تیرہ شتر سواروں سے ملاقات ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ان کے بارے میں فرمایا تھا، اس سے ان کو بشارت دی۔ پھر ان کے ہمراہ ہو لئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ لوگ اکٹھے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، اور اپنے اونٹوں سے کود پڑے۔ کوئی چل کر کوئی دوڑ کر آیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا اور بوسہ دیا۔[4]

الحاصل اس بارے میں بہت احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبارک کا ہاتھ پاؤں مبارک کو بھی بوسہ دیا اور ایک دوسرے کے ہاتھ کو بھی بوسہ دیا۔ اسی طرح چار مذاہب سے بھی یہ ثابت ہے کہ حقداروں کا ہاتھ پاؤں تبرکاً چومنا جائز ہے اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی خبیث ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے: **ان تعانق و قبل احدهما رأس الآخر ویده علی وجه التبرک وتدین جازا۔** "اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھ کو انہوں نے تبرکاً بوسہ دیا تو یہ شرعاً جائز ہے۔"[5]

---

[1] (احیاء علوم الدین کتاب العلم الباب الخامس فی آداب المتعلم والمعلم ج ۱ ص ۷۵) (الاصابہ فی تمیز صحابہ حرف العین المہملۃ ج ۴ ص ۱۲۶) (فتح الباری شرح صحیح البخاری باب ۲۸ ج ۱۱ ص ۶۸) (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۷۰) (مدارج النبوۃ زید بن ثابت بن ضحاک ج ۲ ص ۵۴۱) (کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الثالث الفصل الخامس برآلہ وذریتہ وامہات المؤمنین ج ۲ ص ۴۰۹) (الصوائق المحرقۃ الباب الاحد عشر الفصل الاول ص ۱۷۹) (رسالہ قشیریہ ص ۷۶)

[2] (کیمیائے سعادت فارسی ۱۹۴) (عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی ص ص ۱۶۰)

[3] (ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ج ۲) (حیاۃ الصحابہ، القیام للمسلم، ۲:۲۱۷)

[4] (المواہب اللدنیہ الفصل العاشر ذکر من وفد علیہ وزادہ فضلا وشرفا لدیہ ج ۱ ص ۴۷۰)

[5] (غنیۃ الطالبین، ص ۳۱)

معلوم ہوا کہ ہاتھ پاؤں چومنا سلف صالحین کا طریقہ ہے اور سلف صالحین اور اولیاء کاملین علیہم الرحمۃ کا طریقہ ایک ایسا طریقہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی پسند ہے۔ چنانچہ سرور کائنات فخر موجودات، باعثِ تخلیق کائنات، منبع کمالات حضور پرنور، نورٌ علی نور، شہنشاہ زمین وآسمان، سید مرسلاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات والتحیات کا فرمان مقدس حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :ماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن۔ یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے :ومن فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ۔ ''جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔'' قرآن کریم میں ہے :وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ﴿النساء ۱۱۵﴾ ''اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔''[2]

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد واعمال میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہے، ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لہٰذا ہاتھ اور پاؤں کو تبرکاً چومنا یعنی سچے مؤمنوں کا عقیدہ اور عمل ہے۔

خاتمۃ الکتاب :راقم الحروف فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روحانی تاثیر سے مسئلہ تبرکات کو قرآنِ مجید، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اقوال صلحاء وعلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت کر دیا اور منکرین حاسدین کے ہر اعتراض کا دندان شکن جواب دے دیا، امید قوی ہے کہ وہ شخص جو عقلِ سلیم رکھتا ہے اگر تعصب کو دور کر کے حق شناسی سے ان اوراق کا مطالعہ کرے گا، تو اس کے تمام شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے، ہاں اگر کسی منکر کو اس قدر دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ہوتے ہوئے بھی تسلی نہ ہو تو اس کا علاج خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، ہمارا کام تو سمجھا دینا ہے۔ اگر وہ نہیں سمجھتا تو اس میں راقم الحروف فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی کا کوئی قصور نہیں۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

گر نیا ید بگوش رغبت کس　　بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ :اگر کسی کے رغبت کے کان میں نصیحت نہ پڑے (تو ناصح کو کوئی نقصان نہیں کیوں کہ) پیغام پہنچانے والوں کی ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی آیات مع تفسیر، احادیث مبارکہ مع شرح، اقوال ائمہ مذاہب اربعہ اور اقوالِ اولیاء وعلماء سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور ثابت ہو گئی کہ تبرکات کی تعظیم کرنا، سنبھال کے اپنے پاس رکھنا، جائز اور درست ہے۔

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲، رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، المدخل السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت، مستدرک ج ۳ ص ۷۸، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۸، ابوداؤد طیالسی ج ۱ ص ۳۳، رقم ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷، اعلام الموقعین لابن قیم ج ۱ ص ۶۹، بستان العارفین للسمرقندی ص ۹ مرقات باب الاعتصام، کتاب الروح لابن قیم ص ۱۰، الزیلعی ج ۴ ص ۱۳۳، ریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۹۸، موطا امام محمد ص ۱۰۴، رد المختار للشامی ج ۳ ص ۵۱۸، ج ۵ ص ۴۳، تفسیر مواہب الرحمن، الدرایہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۰۶، ہمعات للشاہ ولی اللہ ص ۲۹، مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ ج ۱ ص ۲۰۷ کتاب الموفق، عمدۃ التحقیق للشیخ ابراہیم المالکی ص ۹۵، شرح لقطۃ العجلان للعلامہ محمد جمال الدین دمشقی ج ۱ ص ۹۵ مطبوعہ مصر تنویر العینین فارسی للشاہ ولی اللہ، فتاویٰ ستاریہ از عبدالستار دہلوی، تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ، السنی المطالب از امام محمد بن سید درویش علیہ الرحمۃ اہل حدیث امرتسر ص ۹، ۳ ستمبر ۱۹۱۵)

[2] (پارہ ۵ سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

(۴۰)﴿باب نمبر چالیس قرآن عظیم الشان کو تبرکاً چومنے کے بارے میں ثبوت احادیث اور اقوال علماء سے﴾

أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ :أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ :كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي.

سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو اپنے چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب، میرے رب کی کتاب۔[1]

و الحديث ذكر - الحاكم في المستدرك على الصحيحين -

اور حاکم نے مستدرک میں اس حدیث مبارکہ کا ذکر فرمایا ہے۔[2]

عكرمة بن أبي جهل عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم أبو عثمان القرشي المخزومي، كان من سادات الجاهلية كأبيه، ثم أسلم عام الفتح بعد ما فر، ثم رجع إلى الحق. واستعمله الصديق على عمان حين ارتدوا فظفر بهم كما تقدم. ثم قدم الشام وكان أميرا على بعض الكراديس، ويقال :إنه لا يعرف له ذنب بعدما أسلم. وكان يقبل المصحف ويبكي ويقول :كلام ربي كلام ربي. واحتج به أحمد بن حنبل في تقبيل المصحف. (عكرمة) عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم بن يقظة بن مرة ابن كعب بن لؤي. أسلم بعد الفتح وفر مغاضبا، ثم كر راضيا، وقدم على رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فأكرمه، وحسن إسلامه جدا، وكان يقبل المصحف ويقول كلام ربي۔

عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن ابوعثمان القرشی المخزومی اپنے باپ کی طرح زمانہ جاہلیت میں ان کا شمار اہل سادات میں ہوا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں اسلام قبول کیا بعد میں پھر فرار ہوئے پھر حق کی طرف رجوع کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں عمان (ملک) پر عامل بنایا اس وقت جب وہ مرتد ہوئے تھے پس یہ ان پر کامیاب ہوئے جیسے یہ بات پہلے گزری ہے پھر ملک شام آئے اور بعض بڑے لشکروں پر یہ امیر رہے اور کہا گیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو کسی نے بھی گناہ نہ سے پہچانا اور آپ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ عادت مبارکہ تھی کہ قرآن پاک کو چوم کر رویا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "میرے رب کا کلام، میرے رب کا کلام" اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک سے قرآن عظیم الشان کو چومنے کی دلیل دیا کرتے تھے۔[3]

الامام العالم العلامۃ البحر الفہامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

تَقْبِيل الْمُصحف قيل بِدعَة لَكِن روى عَن عمر رضى الله عنه انه كَانَ يَأْخُذ الْمُصحف كل غَدَاة ويقبله وَيَقُول عهد رَبِّي ومنشور رَبِّي عز وَجل وَكَانَ عُثْمَان يقبل الْمُصحف ويمسه على وَجهه۔ احتج بهذا الامام أحمد على جواز تقبيل المصحف ومشروعيته.

قرآن مجید کا چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ ہر روز صبح قرآن کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن کو چومتے اور اسے اپنے چہرے سے مس

---

[1] (سنن الدارمی ج 10/ص 229/ رقم/ 3413)

[2] (ج 11/ص 434/ رقم/ 5057). 5- وابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ- (ج 7/ص 41)

[3] (جامع المسانید والسنن باب عکرمۃ بن ابی جہل ج ۶ ص ۲۷۳) (العبارۃ غیر واضحۃ بالمخطوطۃ، ویوضحہ الخبر الذی أخرجہ الحاکم والطبرانی : کان یأخذ المصحف ویضعہ علی وجہہ، ویبکی ویقول : کلام ربی کتاب ربی. مستدرک الحاکم 3 :/243؛ والمعجم الکبیر للطبرانی 17 :/371.)

کرتے تھے۔قرآن عظیم الشان کو چومنے کی مشروعیت کے جواز پر اسی حدیث کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ دلیل پکڑتے ہیں۔[1]

الامام العالم العلامۃ البحر الفہامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْعَلُهُ وَبِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ، وَلِأَنَّهُ هَدِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَشَرَعَ تَقْبِيلَهُ كَمَا يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْوَلَدِ الصَّغِيرِ۔وَعَنْ أَحْمَدَ ثَلَاثُ رِوَايَاتٍ :الْجَوَازُ وَالِاسْتِحْبَابُ، وَالتَّوَقُّفُ۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بھی قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا مشروع ہوا جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایت منقول ہیں۔پہلی روایت جواز کی، دوسری روایت استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی ہے۔[2]

الإمام العلامة فضيلة الشيخ :أحمد بن محمد بن عبد الغني الدمياطي، شهاب الدين ,الشهير بالبناء. لکھتے ہیں۔

ويندب :تقبيل المصحف وتطييبه وجعله على كرسي والقيام له كما قاله النووي۔

اور مستحب ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور اس کو خوشبو لگانا اور اسے اونچے مقام پر رکھنا اور اس کیلئے قیام کرنا جیسے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔[3]

شمس الدین محمد بن الشیخ زین الدین عمر بن الشیخ شہاب الدین السفیری الحلبی الشافعی لکھتے ہیں۔

ويستحب تقبيل المصحف قياساً على تقبيل الحجر الأسود، ولأنه هدية من الله فشرع تقبيله، كما يستحب تقبيل الولد الصغير۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ یہ رب ذوالجلال کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔[4]

مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الْبَاقِي بْنِ يُوسُفَ الزُّرْقَانِيّ لکھتے ہیں:

نُقِلَ عَنِ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ الشَّافِعِيِّ جَوَازَ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ، وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ.

قرآن عظیم الشان اور صالحین کی قبور کو چومنے کا جواز الصیف الیمانی سے منقول ہے۔[5]

امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مَكَّةَ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَأَجْزَاءِ الْحَدِيثِ وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ كَذَا فِي الْفَتْحِ۔

الصیف الیمانی جو کہ مکہ مکرمہ میں شافعی علماء میں سے ایک عالم ہیں اور ان سے قرآن عظیم الشان احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام قبور کو چومنے کا جواز

---

[1] (شرح سنن ابن ماجہ للسیوطی وغیرہ باب المیاثر الحمر جمع میثرۃ وہی قطیفۃ ج ۱ ص ۲۶۳)

[2] (الاتقان فی علوم القرآن ج ۴ ص ۱۸۹ باب النوع السادس والسبعون فی مرسوم الخط وآداب کتابتہ)

[3] (اتحاف فضلاء البشر فی القراءت الاربعۃ العشر باب اسماء الائمۃ القراء الاربعۃ عشر ج ۱ ص ۲۵)

[4] (شرح البخاری للسفیری باب المجلس العاشر ج ۱ ص ۲۴۰)

[5] (شرح الزرقانی علی المؤطا باب تقبیل الرکن الاسود فی الاستلام ج ۲ ص ۴۵۸)

منقول ہے۔[1]

المبحث الثاني في إيراد أقوال الفقهاء من المذاهب الاربعة المعروفة وغيرهم في تقبيل المصحف)

یہ دوسری بحث قرآن عظیم الشان کو چومنے میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال جو کہ معروفہ ہیں یا کہ غیر معروفہ کے جواز میں ہے۔

العلامۃ الشیخ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں:

۱-وَفِي الْقُنْيَةِ فِي بَابِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَقَابِرِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدْعَةٌ لَكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ :عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ عُثْمَانُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - يُقَبِّلُ الْمُصْحَفَ وَيَمْسَحُهُ عَلَى وَجْهِهِ،

اور قنیہ کے باب ما یتعلق بالمقابر میں ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اسے اپنے چہرے پر مس کرتے تھے۔[2]

۲-وفی الفتاویٰ النقشبندیۃ :

وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا تاہ خادمہ بالمصحف استقبلہ، عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہدربی ومنشور ربی، روی عن عثمان رضی اللہ عنہ انہ یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویمسحہ علی وجھہ۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے شان یہ ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خادم قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے چوم لیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور چوما کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اسے چومتے اور چہرے پر مس کرتے تھے۔[3]

۳-العلامۃ الامام قدوۃ اعلام فقہاء بلاد السند المخدوم محمد جعفر ابن العلامۃ المخدوم عبد الکریم الشھیر بمیران من اعیان علماء القرن العاشر الھجری لکھتے ہیں :

روی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا تاہ خادمہ بالمصحف استقبلہ، فی القنیۃ (مت) وفی شرح الجامع الصغیر ان قبلۃ الدیانۃ قبلۃ الحجر الاسود عند الاستلام وقبلۃ المصحف وعن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداً ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عز وجل۔ فی الفتاویٰ الصیرفیۃ من الیتیمیۃ روی عن عثمان انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویمسح علی وجھہ۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خادم آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو اسے چوم لیتے اور یہی عبارت قنیہ میں بھی ہے اور جامع صغیر کی شرح میں ہے کہ تحقیق کے ساتھ (قبلۃ الدیانۃ) حجر اسود کو چومنا استلام کے وقت اور قرآن عظیم الشان کو چومنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اور چومتے تھے پھر کہتے تھے کہ میرے رب

---

[1] (نیل الاوطار باب جاء فی استلام الحجر الاسود ج ۵ ص ۵۱)

[2] (الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲، شرح شرعۃ الاسلام ص ۷۸)

[3] (الفتاوی النقشبندیہ ص ۱۵۷)

کا عہد اور میرے رب کا منشور اور فتاوی الصیر فیۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے اپنے چہرے سے مس کرتے تھے۔[1]

۴-قال عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْمَدْعُوُّ بِشَيْخِ زَادَهْ الحنفي في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر میں لکھتے ہیں -

كَذَا لَا بَأْسَ بِقُبْلَةِ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ.

جیسے کہ قرآن عظیم الشان کے چومنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو ہر روز صبح لیتے اور اسے چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور جیسے کہ قنیہ میں ہے۔[2]

۵-وقال أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله الزركشي الشافعي، في البرهان في علوم القرآن میں لکھتے ہیں۔

ويستحب تقبيل المصحف لأن عكرمة بن أبي جهل كان يقبله وبالقياس على تقبيل الحجر الأسود ولأنه هدية لعباده فشرع تقبيله كما يستحب تقبيل الولد الصغير وعن أحمد ثلاث روايات الجواز - والاستحباب - والتوقف۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور (علماء) اس کو حجر اسود کے چومنے پر قیاس کرتے ہیں ۔کیونکہ یہ رب کی طرف سے بندوں کیلئے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے۔جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔اور امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایات ہیں پہلی جواز کی، دوسری استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی۔[3]

۶-اور علامہ ابن حجر العسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں :

- إِسْتَنْبَطَ بَعْضهمْ مِنْ مَشْرُوعِيَّة تَقْبِيل الْأَرْكَان جَوَاز تَقْبِيل كُلّ مَنْ يَسْتَحِقّ التَّعْظِيم مِنْ آدَمِيّ وَغَيْره , فَأَمَّا تَقْبِيل يَد الْآدَمِيّ فَيَأْتِي فِي كِتَاب الْأَدَب , وَأَمَّا غَيْره فَنُقِلَ عَنْ الْإِمَام أَحْمَد أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيل مِنْبَر النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْبِيل قَبْره فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا وَنُقِلَ عَنْ اِبْن أَبِي الصَّيْف الْيَمَانِيّ أَحَد عُلَمَاء مَكَّة مِنْ الشَّافِعِيَّة جَوَاز تَقْبِيل الْمُصْحَف وَأَجْزَاء الْحَدِيث وَقُبُور الصَّالِحِينَ وَبِاَللَّهِ التَّوْفِيق.

اور بعض فقہاء نے دلیل پکڑی ہے کہ ارکان کو چومنے کی مشروعیت سے ہر اس چیز کو چومنے پر جو تعظیم کی مستحق ہو چاہے آدمی ہو یا غیر پس ہر جو آدمی کے ہاتھ کو چومنا کتاب الادب میں آئے گا ہر جو غیر ہے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا آپ ﷺ کی منبر مبارک اور قبر اطہر کے چومنے کے بارے میں تو آپ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم الصیف الیمانی سے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور احادیث مبارکہ اور صالحین کی قبور کو جواز میں روایت منقول ہے۔[4]

۷-اور صاحب تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج میں لکھتے ہیں

وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ.

اور امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لیا ہے حجر اسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ، صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ

---

[1] (المتانة فی مرمة الخزانة ص ۶۳۵)

[2] (ج 1/ص478)

[3] (ج 8/ص214)

[4] (ج 5/ص273)(فَائِدَةٌ أُخْرَى)

پراور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[1]

۸-اورصاحب حاشیۃ الجمل لکھتے ہیں.

قَالَ بَعْضُهُمْ يُؤْخَذُ مِنْ هُنَا أَيْ مِنْ سَنِّ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ سَنُّ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَالْمِنْبَرِ الشَّرِيفِ وَالْقَبْرِ الشَّرِيفِ أَيْضًا وَمِثْلُهُ قُبُورُ بَقِيَّةِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَأَجْزَاءُ الْحَدِيثِ أَفْتَى بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ.

اوربعض علماء نے کہا کہ لیا جائے گا وہاں سے یعنی حجراسود کو چومنے کا سنت ہونے سے قرآن عظیم الشان کے چومنے پر دلیل اوراسی طرح منبر شریف اور قبر اطہر شریف کے چومنے کے سنت ہونے پر اوراسی کی مثل بقیہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبور اور احادیث مبارکہ کے اجزاء اوراسکے جواز پر ابن ابی الصیف جوکہ شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہیں فتویٰ دیا ہے۔[2]

۹-اورصاحب حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب لکھتے ہیں۔

- وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ ؛ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ-

اورامام سبکی رحمہ اللہ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لیا ہے حجراسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ،صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ پراور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[3]

۱۰-صاحب حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فَائِدَةٌ :اسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ تَقْبِيلَ الْمُصْحَفِ وَالْقَبْرِ النَّبَوِيِّ وَالْقُبُورِ الشَّرِيفَةِ وَقُبُورِ الصُّلَحَاءِ، وَمِمَّنْ قَالَ بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَنِيُّ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ.

اوربعض علماء نے حجراسود کو چومنے سے استنباط کیا ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور قبر نبوی شریف اور قبور شریفہ اور قبور صلحاء اور جس نے اس کے جواز پر گفتگو فرمائی ہے تو وہ ابن ابی الصیف الشافعی ہیں۔[4]

۱۱-اور الشمس السفاريني الحنبلي في شرح منظومة الآداب عن الرعاية میں لکھتے ہیں :

إنه يستحب تقبيل المصحف، لأن عكرمة بن أبي جهل كان يفعل ذلك. رواه جماعة منهم الدارمي بإسناد صحيح. قال :كان يضع المصحف على وجهه ويقول :كتاب ربي كتاب ربي.

اورشان یہ ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چوما کرتے تھے۔اوراس کی روایت جماعت نے کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔

وممن صحح إسناد الدارمي عن عكرمة النووي في التبيان، وفي مناسك العلامة شيخ الجماعة بفاس أبي عبد الله محمد بن

---

[1] (ج 2/ص157)

[2] (ج 9/ص181)

[3] (ج 3/ص316)

[4] (حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب باب کتاب الحج ج ۲ ص ۴۴۰)

عبد السلام البناني، ورد أن الحجر الأسود يمين الله في أرضه، والعادة تقبيل يمين من يقصد إكرامه. فجعل إشارة إلى ذلك تعالى الله عن التشبيه، وهذا معنى لطيف في تقبيله، ولا يخفى أن القرآن العظيم صفة الله فهو بالتقبيل أولى، ومنه يؤخذ تقبيل المصحف، ويد العالم والولي والرجل الصالح، وآثار الصالحين ونحو ذلك مما يعظم. ذكر معناه السبكي في طبقاته اهـ. اورجنہوں نے دارمی کی اسناد کی تصحیح فرمائی ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ان میں سے امام نووی نے تبیان میں اور مناسک میں علامہ شیخ الجماعۃ بفاس ابی عبداللہ محمد بن عبدالسلام البنانی نے اور یہ بات وارد ہوئی ہے کہ حجر اسود اللہ کی یمین ہے زمین پر اور عادت یہ ہے کہ یمین کو اکرام کے قصد کی وجہ سے چوما جاتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت تشبیہ سے پاک ہے اور یہ معنیٰ لطیف ہے چومنے میں اور یہ بات کسی پر چھپی نہیں کہ تحقیق کے ساتھ قرآن عظیم الشان اللہ کی صفت ہے تو قرآن عظیم الشان کو چومنا اولیٰ وافضل ہے اور ان میں سے لیا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا عالم اور ولی اور نیک صالح آدمی اور صالحین کے آثار کو اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کی تعظیم کی جاتی ہو امام سبکی نے طبقات میں یہی معنیٰ ذکر فرمایا ہے۔[1]

۱۲-المؤلف :لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية لکھتے ہیں۔

[السُّؤَالُ]-[ما حكم تقبيل المصحف إذا سقط مني أو إذا بدأت في قراءته وهل هو بدعة نرجو منكم التفصيل؟]-

[الفَتْوَى]الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه، أما بعد:فقد ذهب بعض أهل العلم إلى استحباب تقبيل المصحف قال النووي في التبيان في آداب حملة القرآن روينا في مسند الدارمي بإسناد صحيح عن أبي مليكة :أن عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول :كتاب ربي كتاب ربي.

سوال: کیا حکم ہے قرآن عظیم الشان کے مجھ سے گرنے پر اسے چومنے کے بارے میں یا جب میں قرأت شروع کروں اور کیا یہ بدعت ہے میں آپ لوگوں سے تفصیل کی امید رکھتا ہوں۔الفتویٰ۔تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے اور درود وسلام ہو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی آل واصحاب پر۔امابعد! پس تحقیق کے ساتھ بعض اہل علم قرآن عظیم الشان کے چومنے کے استحباب کی طرف گئے ہیں،امام نووی نے تبیان میں فی آداب حملۃ القرآن میں اور مسند دارمی میں اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے روایت ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھتے اور کہتے میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[2]

۱۳-اور شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي لکھتے ہیں۔

وَجَازَ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ، قَدَّمَهُ فِي الرِّعَايَةِ. وَعَنْهُ يُسْتَحَبُّ؛ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ الدَّارِمِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ. قَالَ :كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ :كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي.

اور قرآن عظیم الشان کو چومنا جائز ہے اور رعایت میں مقدم ہے اور ایک روایت مستحب کی ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا کرتے تھے جماعت نے اس کی روایت کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[3]

---

[1] (التراتیب الاداریۃ نظام الحکومۃ النبویۃ باب فی ان معاویۃ کان لہ غلمان ج ۲ ص ۱۹۷)

[2] (فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ باب ہل یستحب تقبیل المصحف ج ۲ ص ۳۶۷)

[3] (غذاء الالباب فی شرح منظومۃ الآداب باب مطلب فی اول من جمع القرآن ج ۱ ص ۴۱۱)

۱۴-امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں

ونقل عن ابن أبي الصيف اليمنى أحد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف، وأجزاء الحديث، وقبور الصالحين انتهى كلام الحافظ.

اورابن ابی الصیف یمنی شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم ہیں قرآن عظیم الشان کے چومنے کے جواز پر اور اجزائے احادیث اور صالحین کی قبور کی روایت نقل ہے۔[1]

۱۵- اور ملا علی القاری لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَطْنَبَ ابْنُ حَجَرٍ هُنَا بِذِكْرِ الْفُرُوعِ الْفِقْهِيَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُرْآنِ مِنْ تَحْرِيمِ تَوَسُّدِ الْمُصْحَفِ وَمُسْتَثْنَيَاتِهِ، وَتَحْرِيمِ مَدِّ الرِّجْلِ، وَوَضْعِ الشَّيْءِ فَوْقَهُ، وَاسْتِدْبَارِهِ، وَتَخَطِّيهِ، وَرَمْيِهِ، وَتَصْغِيرِ لَفْظِهِ، وَجَوَازِ تَقْبِيلِهِ،

اور علامہ ابن حجر نے یہاں کلام میں مبالغہ کرتے ہوئے فقہی فروع کا ذکر کر کے جو کہ قرآن کے متعلقہ ہیں: قرآن کے ساتھ تکیہ لگانا اور اس کی حرمت کے بارے میں اور قرآن پر کوئی چیز رکھنے کے بارے میں اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے اور اس کے روندنے اور اس کو نشانہ بنانے اور اس کے لفظوں کی حرمت کے بارے میں اور اس کو چومنے کے جواز میں۔[2]

۱۶-امام سبکی لکھتے ہیں۔

سَمِعت الْوَالِد رَحمَه الله فِي درس الغزالية يَقُول وَقد سُئِلَ عَن الدَّلِيل على تَقْبِيل الْمُصحف دَلِيله الْقيَاس على تَقْبِيل الْحجر الْأسود وَيَد الْعَالم وَالْوَالِد والصالح وَمن الْمَعْلُوم أَن الْمُصحف أفضل مِنْهُم.

میں نے اپنے والد سے سنا کہ غزالی کے درس میں کہ وہ فرمارہے تھے اور تحقیق کے ساتھ ان سے پوچھا گیا تھا قرآن عظیم الشان کو چومنے پر دلیل کے بارے میں تو اس کی دلیل حجر اسود کو چومنے پر قیاس کرتے ہوئے اور عالم کے ہاتھ اور صالح کے ہاتھ پر اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[3]

۱۷-شیخ عائض القرنی لکھتے ہیں۔

السؤال :ماحكم تقبيل القرآن الكريم بعد القراءة؟

الجواب :سئل الإمام أحمد عن هذا فرآه ,وقال :قبله عكرمة بن أبي جهل ,وكان يقبله ويبكي ويقول:(كلام ربي كلام ربي)ولا أعلم فيه حديثاً مرفوعاً إليه عليه الصلاة والسلام ,لكن أسأل الله أن من قبل على جهة التعظيم والاحترام أن يثيبه ويأجره.

سوال: قرأت کے بعد قرآن عظیم الشان کو چومنے کا کیا حکم ہے؟ جواب: امام احمد سے پوچھا گیا اس مسئلے کے بارے میں تو انہوں نے رائے دی اور کہا کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے قرآن کو چوما اور وہ ہمیشہ قرآن کو چومتے تھے اور روتے تھے اور کہتے تھے کہ (میرے رب کی کلام میرے رب کی کلام) اور مجھے حدیث مرفوع اس میں معلوم نہیں لیکن میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو قرآن عظیم الشان کو تعظیم اور احترام

---

[1] (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۹۹ اور وفاء الوفاء باب الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ ج ۴ ص ۲۱۸)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح 7/ص72)

[3] (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی باب ذکر شیئ من مباحثہ ولطائفہ التی سمعناج ۱۰ص ۲۵۹)

کی وجہ سے چومے اسے اجروثواب عطافرمایا جائے گا۔[1]

۱۸-عظیم البرکت شیخ الاسلام امام احمد رضا خان قادری بریلوی نوراللہ مرقدہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں۔

کہ قرآن مجید کو بعد تلاوت ماتھے پر بہ نیت تعظیم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: مصحف شریف کو تعظیماً سر اور آنکھوں اور سینے سے لگانا اور بوسہ دینا جائز ومستحب ہے کہ وہ اعظم شعائر سے ہے اور تعظیم شعائر تقوی القلوب سے ہے۔واللہ اعلم۔[2]

۱۹-اور الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے

تقبيل المصحف :- ذكر الحنفيّة :وهو المشهور عند الحنابلة - جواز تقبيل المصحف تكريماً له، وهو المذهب عند الحنابلة، وروي عن أحمد استحبابه، لما روي عن عمر رضي الله عنه أنّه :كان يأخذ المصحف كلّ غداة ويقبّله، ويقول : عهد ربّي ومنشور ربّي عزّ وجلّ، وكان عثمان رضي الله عنه يقبّل المصحف ويمسحه على وجهه. وقال النّوويّ في التّبيان : روينا في مسند الدّارميّ بإسناد صحيح عن ابن أبي مليكة أنّ عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول : كتاب ربّي كتاب ربّي. ونقل صاحب الدّرّ عن القنية :وقيل :إنّ تقبيل المصحف بدعة، وردّه بما تقدّم نقله عن عمر وعثمان.

قرآن عظیم الشان کا چومنا: احناف نے ذکر کیا ہے اور یہ حنابلہ کے نزدیک مشہور ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز یہ اسکی تکریم ہے اور یہ حنابلہ کا بھی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ سے چومنے کے استحباب کی روایت ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اپنے چہرے پر مس کیا کرتے تھے اور امام نووی نے تبیان میں کہا اور مسند دارمی میں روایت ہے اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے کہ عکرمۃ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنے چہرے پر قرآن عظیم الشان کو رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب اور صاحب الدر نے قنیہ سے نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا بدعت ہے اور اس قول کو رد کیا ہے جیسے پہلے گزرا ہے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نقل سے۔[3] واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

(۴۱) ﴿باب نمبر اکتالیس رداء (چادر) کی شرعی حیثیت﴾

چادر کی دنیاوی فضیلتیں

چادر رکھنا اگر ایک طرف سنت ہے (جیسا کہ آئندہ صفحات سے معلوم ہو جائے گا)، تو دوسری طرف اگر چادر کے ظاہری اور دنیاوی فوائد دیکھے جائیں، تو یقیناہر باشعور مسلمان اپنے پاس چادر ضرور رکھے گا۔

علماء ومشائخ نے چادر کے درج ذیل فوائد بیان فرمائے ہیں۔ چادر رکھنا سنتِ مصطفوی (ﷺ) ہے جس پر عمل کرنا ثواب ہے، چادر موسم کے مطابق استعمال ہوتی ہے، سردی میں رضائی کا کام دیتی ہے، جبکہ عام حالت میں بستر وتلائی ہے، ضرورت کی بناء پر سر کے نیچے رکھ کر تکیہ کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر زخمی ہو جائے تو پٹی کا کام دیتی ہے، دھوپ کی شدت کے وقت سر پر رکھو تو چھتری کا کام دیتی ہے۔ راستہ میں چلتے چلتے

---

[1] (دروس للشیخ عائض القرنی باب حکم تقبیل المصحف ص ۲۱)

[2] (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۵۶۳ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور)

[3] (الموسوعۃ الفقہیۃ ۸-۱۴-(ج ۴/ص ۲۳۵)

بیت الخلاء کی ضرورت پیش آنے پر اوپر ڈال کر باپردہ فارغ ہوا جاسکتا ہے، اگر خدانخواستہ ناڑہ ٹوٹ جائے یا کوئی عذر پیش آئے تو ارد گرد لپیٹ کر شلوار وتہبند کا کام لیا جاسکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

چادر کے مختلف نام اور اقسام

جاننا چاہیئے کہ جس طرح لغت سلیمانی میں چادر کے کئی نام اور اقسام ہیں مثلاً کمبل، دوپٹہ، شال وغیرہ وغیرہ سفید، سرخ، زرد، سیاہ، سادہ، لکیر والی، وغیرہ وغیرہ، اس طرح لغت عربی میں بھی ہے مثلاً انما الرداء هو الذی یستر اعالی البدن فقط۔[1]

الرِداء ج ارديةمايلبس فوق الثياب۔ (المنجد ص ۲۵۶)

العباية ج عبايات وعبيّ :العبائة وهی ضرب من الاكسية تلبس فوق الثياب۔[2]

شملة ج شملات: وسیع چادر جس سے بدن لپیٹ لیتے ہیں۔

نَمِرة ج نمَار : دھاری دار چادر جسمیں سیاہ وسفید دھاریاں ہوں۔

الْخملة ج خملات : چادر=الخميلة خَمَائل، روئیں دار چادر۔

بُرْد بُرْدَة ج برود، ابراد :دھاری دار چادر

اَلْبُرْد : کالاکمبل وَاحد بُردَة۔ مِرْط ج مُرُوط :اونی یا ریشمی کمبل

خَمِيصَة:هی كساء اسود مربع له علمان خَمَائص : سیاہ وسفید چوغہ

لِقَاع : چادر، دوپٹہ، برقع۔ انبجانيّة :هی كساء غليظ لا علم له۔ موٹا چوغہ جس پر کوئی نشانی یعنی دھاری دار نہ ہو۔[3]

وقيل انها منسوب الى موضع اسمه انبجان، وهو أشبه اه نهاية لابن اثير۔ وغيره

الْقَطِيْفَة ج قُطُف وقَطَائِف : مخملی چادر۔ الْمِلْحَف والمِلْحفة ج مَلَاحِف : چادر، (مصباح)

الكِساء ج أكسِيَة: عموماً مطلقاً لباس کو کہتے ہیں لیکن چادر کے بھی معنی میں آتا ہے۔

الحِبَرَة :البرد اليمانی۔ لونها اخضر لانها لباس اهل الجنة۔

عصمة : گلوبند۔ یمنی کمبل جو سبز رنگ کا ہوتا ہے جو جنتی لوگوں کا لباس ہوتا ہے۔

حُلَّة : ج حِلَال، حُلَل :دوشالہ۔ دوہری چادر۔ ازار و چادر

لقد قال ابو عبدالله محمد بن سليمان الجزولی حسن رحمة الله تعالیٰ عليه فی دلائل الخيرات :اسماء سيدنا ونبينا ومولانا محمد ﷺ مأتان وواحد وعدمنهم؛

صاحب الرداء (ﷺ) ص ۳۸۰ وذکر علامہ نور محمد دیوبندی: اور آپ ﷺ کی چادر شریف کا طول (لمبائی) چار گز ہوتا تھا اور عرض (چوڑائی) ڈھائی گز، زرقانی حاشیہ ۵، دلائل الخیرات ص ۱۳۸ صبح المطابع آرام باغ۔

وفی مواهب اللدنية للعلامة قسطلانی رحمة الله عليه :وعن عروة :ان طول رداء النبی ﷺ أربعة أذرع وعرضه

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح/۱۰)

[2] (المنجد: ۴۸۵، ایضا المغرب فی ترتیب المعرب :۲۲۰/۲)

[3] (حاشیۃ بخاری ص ۵۴ منسوب الی منیج۔ المدینۃ المعروفۃ)

ذراعان وشبر وعن عروة ایضاً أن ثوب رسول اللہ ﷺ الذی یخرج فیه الی الوفود رداء اخضر فی طول اربعة أذرع وعرضه ذراعان وشبر:[1]

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔ نیز حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لباس جس میں آپ ﷺ کسی وفد سے ملنے نکلتے، وہ سبز رنگ کی چادر ہوتی جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

وفی شرحه زرقانی :(وعن عروة) بن الزبیر أحد الفقهاء۔(أن طول رداء النبی ﷺ الخ) (حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپ ﷺ کی چادر مبارک کی چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی)۔ ویأتی له عروة لتخریج الدمیاتی وقد رواه ابو الشیخ فی الاخلاق النبویة عن عروة بلفظ وعرضه ذراعان ونصف قال حافظ العراقی وفیه ابن لهیعة ومسند احمد بن حنبل۔ وعن عروة ایضاً :أن ثوب رسول اللہ ﷺ الذی کان یخرج فیه الخ جلد ۲، ص ۳۰۳ صفة ازارہ ﷺ۔

*** چادر کی اہمیت ***

(۱) اخرج ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجه فی سننه :قال :حدثنا احمد بن عبدة اخبرنی عمرو بن النعمان حدثنا علی بن الحزوّر عن نفیع عن عمران بن الحصین وابی برزة قالا خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازة فرأی قوماً قد طرحوا ارديتهم یمشون فی قمص فقال رسول اللہ ﷺ أبفعل الجاهلیة تأخذون او بصنع الجاهلیة تشبهون لقد هممت ان أدعو علیکم دعوةً ترجعون فی غیر صورکم قال فاخذوا ارديتهم ولم یعودوا لذٰلک اه۔[2]

ترجمہ: عمران بن حصین اور ابو برزہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں گئے۔ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا جنہوں نے اپنی چادریں اتار رکھی تھیں (یعنی ان کے کاندھوں پر چادریں نہیں تھیں) اور صرف قمیص میں چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : کیا تم لوگ جاہلوں کے طریقے پر چل رہے ہو؟ کیا تم لوگ جاہلوں کے کام کی مشابہت کر رہے ہو؟ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے خلاف ایسی دعا کروں کہ واپس جاتے جاتے تمہاری شکلیں بگڑ جائیں! راوی نے کہا پھر انہوں نے چادریں لے لیں اور آئندہ اس پر عمل کیا۔

وفیه تشدید عظیم فاذا اورد فی مثل أدنی تغیر من موضع الرداء عن المنکب هذا الوعید البلیغ، فکیف بما یشاهد من الناس؟

ترجمہ: اس میں سخت زجر ہے، وہ بھی صرف ادنیٰ سی سُستی کی وجہ سے کہ چادر کاندھوں پر نہ تھیں اور اتنی وعید فرمائی تو آج کل لوگوں کی جو حالت ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس میں یہ ثابت ہوا کہ چادر سنت ہے نہ کہ کاندھے کا رومال۔ کیونکہ رومال یا تو بدعت ہے یا فقط مباح۔ جب کہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے۔[3]

(۲) واخرج امام المسلم رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی صحیحه بسنده عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت :فأخذ ردآئه رُویداً وانتعل رویداً

---

[1] (رواهما الدمیاطی مواهب جلد ۲ ص ۱۶۲)

[2] (ابن ماجة باب ماجاء فی النهی عن التسلب مع الجنازة ص ۱۰۸ ومشکوٰة باب البکاء علی المیت الفصل الثالث ص ۱۵۲ وفی شرح الطیبی ج ۳ ص ۴۰۹)

[3] (اه ومرقات شرح مشکوة ج ۴ ص ۱۰۶ وفیه الرداء سنة بخلاف المندیل علی الکتف فانه اما مباح أو بدعة قال بعض علمائنا انه مکروه۔ واشعة اللمعات ص ۶۷ ومظاهر الحق شرح مشکوٰه۔ جلد ۲ ص ۹-۸ ,وطبرانی فی الاوسط ج ۲ ص ۸-۳۰۷، وفیه فمارؤی احد بعد ذلک یمشی بغیر رداء ومعجم الاوسط ج ۵ ص ۲۲۱، وفی الکبیر ج ۱ ص ۲۳۹ (۶۰۱))

وفتح الباب رویداً فخرج۔۔الیٰ ان قالت حتی جاء البیقیع۔

یعنی آپ ﷺ نے آہستہ سے اپنی چادر مبارک لی، جوتے مبارک پہنے، آرام سے دروازہ کھولا اور باہر نکلے.. یہاں تک کہ بقیع پہنچے۔[1]

(۳)وأخرج الامام البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسندہ :قال :اخبرنی جبیر بن مطعم انہ بینما ھو یسیر مع رسول اللہ ﷺ ومعہ الناس مقفلۃ من حنین فعلقت الاعراب یسألونہ حتی اضطروہ الی شجرۃ فخطفت ردائہ فوقف النبی ﷺ فقال أعطونی ردائی لو کان لی عدد ھذہ العضاہ نعم لقسمتہ بینکم الخ۔[2]

ترجمہ : جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ دیگر لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حنین سے واپس آرہے تھے تو دیہاتی لوگ آپ ﷺ سے چمٹ گئے اور کچھ مانگنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کو ایک خاردار درخت کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کیا، تو آپ ﷺ کی چادر مبارک درخت کے کانٹوں میں الجھ گئی تو وہ اسے لے اڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری چادر مجھے واپس دے دو، اگر میرے پاس اس وادی کے کانٹوں کے برابر اونٹ ہوتے، تو تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔

(۴)وفی صحیح ابن حبان :بسندہ :عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا صلی احدکم فلیلتذر ولیرتد۔[3]

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو ازار اور چادر بندھے یعنی چادر اوڑھ لے۔

ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے نماز میں چادر پہننے کا حکم دیا ہے۔

(۵)وأخرج الشیخ الحافظ الامام الناقد سلیمان بن الاشعث ابی داؤد السجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسندہ عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ :قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یصلی فی لحاف لا یتوشح بہ والاخر ان یصلی فی سراویل ولیس علیہ رداء:[4]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی صرف لحاف اوڑھ کر نماز نہ پڑھے بلکہ کاندھے پر کچھ حصہ ڈال دے، اور بغیر چادر کے صرف شلوار میں نماز نہ پڑھے۔ یعنی اس حدیث شریف میں بغیر چادر نماز پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(۶)وفی کنز العمال حدیث ۴۰۰۳۳۔لاینظر اللہ الی قوم لا یجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلاۃ۔[5]

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قوم نماز میں اپنے عمامے اپنی چادروں کے نیچے نہیں کرتی اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا۔

(۷)وفی الاعتصام شاطبی :قال أبو مصعب صاحب مالک :قدم علینا ابن مھدی یعنی المدینۃ۔فصلی ووضع رداءہ بین یدی الصف فلما سلم الامام رمقہ الناس بأبصارھم ورمقوا اماماً وکان قد صلی خلف الامام، فلما سلم قال :من ھاھنا من الحرس، فجائہ نفسان فقال :خذا صاحب ھذا الثوب فاحبساہ۔فحبس، فقیل لہ :انہ ابن مھدی فوجہ الیہ وقال لہ اما خفت اللہ واتقتیہ ان وضعت ثوبک بین یدیک فی الصف وشغلت المصلین بالنظر الیہ، واحدثت فی مسجد ناشیئاً ما کنا نعرفہ وقد

---

[1] (ج ۱ ص ۳۱۳، نسائی بسندہ جلد ۱ ص ۲۸۶ و جلد ۲ ص ۹۷)

[2] (بخاری جلد ۱ ص ۲۹۶ باب الشجاعۃ فی الحرب وایضاً ج ۱ ص ۴۴۶ باب ما کان یعطے المؤلفۃ قلوبھم وغیرہ وصحیح ابن حبان ج ۵ ص ۳۷۹ ومسند امام احمد ج ۵ ص ۹-۳۸ ومصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۲۳ حدیث ۱۶۹۲ وفی صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۱۳ وفیہ :فقال ردوا علی ردائی۔ومشکوۃ ص ۳۹۶)

[3] (ج ۳ ص ۸۳، وسنن کبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۳۳۳)

[4] (سنن کبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۳۳۴، وابو داؤد ج ۱ ص ۹۳ کتاب الصلوۃ باب من قال یتزر بہ اذا کان ضیقاً)

[5] (ابو نعیم عن ابن عباس :کنز العمال ج ۷ ص ۵۱۶، فتاویٰ بحر العلوم ج ۱ ص ۴۵۴، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۱۸ مکتبہ رضویہ)

قال النبی ﷺ من احدث فی مسجدنا حدثا فعلیه لعنة الله و الملائکة و الناس أجمعین؟ فبکی ابن مهدی و آلی علی نفسه أن لا یفعل ذلک أبداً فی مسجد النبی ﷺ و لا فی غیره۔[1]

ترجمہ : ابومصعب رضی اللہ عنہ نے کہا ابن مہدی ہمارے پاس مدینہ آئے اور اس حال میں نماز پڑھی کہ اپنی چادر اپنے آگے صف میں رکھ دی، جب نماز پڑھنے لگے تو لوگ کھنکھیوں سے امام اور ابن مہدی کو دیکھ رہے تھے جب کہ ابن مہدی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب امام نے سلام پھیرا تو کہا : یہاں کون محافظ ہیں؟ دو افراد آگئے تو امام نے کہا اس چادر والے کو پکڑ کر گرفتار کرلو تو گرفتار کرلیا گیا، امام سے کسی نے کہا یہ ابن مہدی ہیں۔ امام نے اس سے منہ پھیر کر فرمایا : کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ چادر کو اپنے سامنے صف میں رکھ کر لوگوں کو اس کی وجہ سے مشغول رکھا (یعنی لوگ نماز میں چادر کو دیکھ رہے تھے)۔ اور تم نے ہماری اس مسجد میں ایسی بدعت جاری کی جس کو ہم نہیں جانتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا : جس نے ہماری اس مسجد میں بدعت جاری کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ ابن مہدی رونے لگے اور مسجد نبوی میں قسم کھائی کہ آئندہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔

(۸) صحیح ابن حبان میں غزوۂ بدر کے متعلق روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں : **عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه و فیه فما زال یتصف ربه جل و علا مادّا یدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداؤه۔**[2]

ترجمہ : حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ نے دست مبارک پھیلائے اور اللہ کی حمد بیان فرمائی جب کہ آپ ﷺ قبلہ رو کھڑے تھے، حتیٰ کہ چادر مبارک گرگئی۔

قاعدہ کلیہ : انه قد مر منی غیر مرة أن المسائل لا تؤخذ من حدیث واحد و لکن تجمع أحادیث الباب کلها ثم تبنی علیها المسائل۔ (کئی بار میں نے عرض کیا تھا کہ تمام مسائل ایک ہی حدیث سے اخذ نہیں کئے جاتے بلکہ اس باب کی تمام احادیث جمع کی جاتی ہیں پھر ان سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے)۔[3]

(۹) اخرج الامام البخاری فی صحیحه بسنده عن أنس بن مالک رضی الله عنه : ثم اخذ طرف ردائه فبصق فیه ثم رد بعضه علی بعض فقال او یفعل هکذا باب حک البزاق بالید من المسجد۔[4]

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے چادر مبارک میں تھوک کر کپڑا موڑ کر مل دیا، اور فرمایا : یا نمازی یوں کرے۔

علم مما ذکر ان الرداء فی الصلاة مطلوباً شرعاً لانه ان لم یکن له رداء فی الصلاة ما یفعل ببذاقه فی الصلوة لان الارض المساجد مفروش فی هٰذا الزمان۔

---

[1] (ج ۱ ص ۳-۲۷ و ج ۲ ص ۲۶۸)

[2] (صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۰۳ و حاشیة البخاری ج ۱ ص ۴۰۸، از کرمانی و خیر جاری باب قبل فی درع النبی ﷺ و مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۱، حدیث ۲۰۸ و ج ۱ ص ۵۴ حدیث ۲۲۱)

[3] (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۸ لا نور شاہ کشمیری)

[4] (جلد ۱ ص ۵۸ و ج ۱ ص ۵۹ باب اذا بذره البزاق۔ و ج ۱ ص ۳۸ باب البزاق و المخاط و نحوه فی الثوب۔ نیز انظر اطرافه فی عمدة القاری ج ۴ حدیث ۴۰۵ ص ۲۲۱ و حدیث ۴۰۸ ص ۲۲۵ و حدیث ۴۱۶ ص ۲۲۹ و حدیث ۴۱۲ ص ۲۶۳ و حدیث ۴۱۳ ص ۲۲۷ و حدیث ۴۱۷ ص ۲۳۱ و حدیث ۵۳۱ ص ۲۶ ج ۵ عمدة القاری و حدیث ۵۳۲ ص ۲۷، ج ۵ و حدیث ۸۲۲ ج ۶ ص ۱۳۹ و حدیث ۱۲۱۴ ج ۷ ص ۵۲۶)

معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں چادر رکھنا مطلوب شرعی ہے کیونکہ اگر چادر نہ ہوئی تو تھوک کے ساتھ کیا کرے گا، کیونکہ اس دور میں تو اکثر مساجد میں فرش ہوتا ہے۔

تنبیہ :ان من لم یجد ثوباً طاھراً یجوز صلاتہ عریانا ومن لم یجد ثوباً۔ یجوز صلاتہ فی ثوب واحد وھکذا حکم الثوبین لیس کلامنا فیہ بل فی الذین وسع اللہ علیھم فمن انعم اللہ علیہ فلیریٰ أثرہ علیہ أما فی زماننا یکون لواحد صنادیق الثیاب ومع ذلک ھم یصلون فی سراویل وقمیص فقط، لیس لھم حیاء من اللہ ورسولہ ﷺ کیف حالھم یوم القیامۃ۔ ففھم فی الحدیث :اذا وسع اللہ علیکم فوسعوا علی انفسکم۔

ترجمہ: جو پاک کپڑا نہ پائے تو اس کے لئے برہنہ نماز پڑھنا جائز ہے، اور جس کے پاس ایک کپڑا ہو تو وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھے گا، یہی حکم دو کپڑوں کا بھی ہے۔ ہماری تحقیق اور کلام ایک دو کپڑوں والے شخص کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و وسعت دی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ ہمارے زمانے میں تو لوگوں کے کپڑوں کے صندوق بھرے ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی وہ صرف شلوار و قمیص میں نماز پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ و رسول ﷺ سے حیاء نہیں آتی ان لوگوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مالی وسعت عنایت فرمائے، تو وہ لوگ اپنے آپ پر وسعت لے آئیں۔

(۱۰)فی مصنف عبد الرزاق :عن ابراھیم قال :کان الرجل من أصحاب النبی ﷺ اذا لم یجد رداء یصلی فیہ طرح علی کتفیہ او قال علی عاتقہ عقالاً قلت ثبت منہ ان الصحابۃ مع وجدان الرداء لا یصلون بغیر رداء۔[1]

یعنی ابراہیم نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کچھ جب نماز کے لئے چادر نہ پاتے تو کسی بھی کپڑے کو لے کر کاندھے پر ڈال لیتے، یا آپ نے یوں فرمایا کہ رسی کی طرح لٹکا لیتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چادر کی موجودگی میں بغیر لپیٹے نماز نہیں پڑھتے تھے۔

و فی صحیح البخاری حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا ھمام عن قتادۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھم قال قلت لہ ای الثیاب کان احب الی رسول اللہ ﷺ قال الحِبَرۃ۔[2] (قتادہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا کپڑا زیادہ محبوب تھا؟ فرمایا :یمنی چادر۔)

(۱۱)وحدثنا عبد اللہ بن ابی الاسود حدثنا معاذۃ حدثنی ابی عن قتادۃ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ ان یلبسھا الحِبَرۃ۔[3]

ترجمہ :انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ ﷺ کو پہننے میں سرخ دھاری دار رنگ کی یمنی چادر پسند تھی۔

(۱۲)واخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن طاؤس :قال: کان قمیصہ فوق الازار والرداء فوق القمیص۔[4]

ترجمہ : طاؤس نے کہا : آپ ﷺ کی قمیص ازار (دھوتی) کے اوپر ہوتی تھی اور چادر قمیص کے اوپر ہوتی تھی۔

(۱۳)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ تعالیٰ الکبریاء ردائی (ای بمنزلتہ عندکم مرقات ص ۳۰۹، ج ۹) والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحداً منھما ادخلتہ النار وفی روایۃ قذفتہ فی النار۔ (رواہ مسلم ومشکوۃ ص ۴۳۳)

---

[1] (مصنف ج ۱ ص ۳۶۲)

[2] (ج ۲ ص ۸۶۵)

[3] (ج ۲ ص ۸۶۵)

[4] (ج ۸ ص ۲۷۲ و ج ۱۱ ص ۳۰۹ دار القرآن والعلوم۔ اس کے ساتھ حدیث ۵۲۴ جمع کر کے نتیجہ نکالیں مرصفحہ ۷)

ترجمہ :ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : کبریائی (تکبر) میری چادر ہے۔(جیسے کہ تمہاری چادر ہوتی ہے) عظمت (بڑائی) میری ازار ہے جو مجھ سے ان دونوں کے بارے میں لڑے گا یعنی جو تکبر اور بڑائی کرے گا تو میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔

وفی المرقات : الکبریاء ای الذاتی و العظمة ای الصفاتی فان رتبة الصفة دون رتبة الذات ۔۔۔ والمعنی انهما مختصان بی اختصاصا ظاهراً کنسبة الثوبین الیکم حیث لا یمکن المنازعة فی واحد منهما لاحد علیکم ۔۔۔ قال الامام فخر الدین الرازی جعل الکبریاء قائما مقام الرداء و العظمة قائمة مقام الازار و معلوم ان الرداء أرفع درجة من الازار فوجب ان یکون صفة الکبریاء أرفع حالا من صفة العظمة ۔۔۔[1]

ترجمہ :مرقات میں ہے : کبریائی میری ذاتی اور عظمت میری صفاتی شان ہیں۔اور صفت کا رتبہ ذات کے رتبے سے کم ہوتا ہے۔معنی یہ ہے کہ یہ دونوں میرے ساتھ ظاہری طور پر خاص ہیں۔جیسے کہ تمہاری طرف دو کپڑوں کی نسبت ہوتی ہے اور ان دونوں کپڑوں کے بارے میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تمہارے ساتھ لڑائی اور اختلاف کرے۔امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کبریائی کو چادر کے قائم مقام فرمادیا اور عظمت کو تہبند کے قائم مقام فرمادیا۔اور یہ معلوم ہے کہ چادر تہبند سے اونچے درجے کا ہوتا ہے تو واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی صفتِ عظمت سے بلند وارفع ہے۔

وفی الطیبی شرح مشکوٰة :انه سبحانه و تعالیٰ شبه صفة الکبریاء بالرداء و الرداء مایلبس الرجل رأسه و کتفیه و هذه الأعضاء مختصة بالترفع و التکبر و الظهور فناسب الرداء۔ و شبه صفة العظمة بالازار، و الازار مایلبس الرجل من وسطه الی قدمیه و هذه الأعضاء مختصة بالنزول و الانحطاط و الخفاء فناسب الازار۔ (و ذکر معنی الاختصاص کما مر)۔۔۔ (و ذکر) فالحدیث اذن من جوامع الکلم و کنوز الحکم التی خص بها النبی صلوات اللہ و سلامه علی قائله۔[2]

ترجمہ: طیبی شرح مشکوٰۃ میں ہے :اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ کبریائی کو چادر کے مشابہ فرمایا اور چادر وہ ہے کہ جس کو انسان سر اور کاندھوں پر ڈالتا ہے،اور یہ اعضاء جسم انسانی میں بلندی، بڑائی،اور ظہور کے ساتھ خاص ہیں تو چادر کے مناسب ہیں۔اور صفت عظمت کو ازار کے ساتھ مشابہ فرمایا اور ازار وہ ہے جسے انسان آدھے جسم کے نیچے تک پہنتا ہے،اور یہ اعضاء نزول (اتار) جھکاؤ اور پوشیدہ ہونے کے ساتھ خاص ہیں تو ازار کے مناسب ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث قدسی پر تھوڑے غور وفکر سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ صفتِ کبریاء اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے،لہذا اس کا اللہ تعالیٰ سے انفکاک کسی بھی وقت وحال میں نہیں ہوسکتا،بلکہ یہ محال ہے۔

اس طرح مسلمان کے لئے چادر ہر وقت اور ہر حال میں ضروری ہے۔دوسرا یہ کہ جسطرح اللہ تعالیٰ کی کبریائی لامحدود ہے،اسطرح چادر کے فوائد بھی ہیں۔

(۱۴) و مصنف ابن ابی شیبه اخرج بسنده عن أبی رزین قال :خرج علی بن أبی طالب و علیه قمیص من قز و علیه برد من

---

[1] (و کذا أحمد أبو داؤد و ابن ماجه عن أبی هریرة و ابن ماجه ایضا عن ابن عباس و رواه الحاکم مختصرا بلفظ الکبریاء ردائی فمن نازعنی ردائی قصمته، ج ۹ ص ۳۰۹)

[2] (ج ۹ ص ۲۵۳)

فطوس [1] من قال :الیس ماشئت۔

ترجمہ: ابورزین نے کہا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور آپ قز کی قمیص اور فطوس کی چادر پہنے ہوئے تھے۔

(۱۵) وفی مصنف اخرج عن قتادۃ عن محمد قال :لتمیم رداء اشتراہ بألف فیصلی فیہ ص ۸ ص ۲۲۵۔

ترجمہ: قتادہ نے محمد سے روایت کی : تمیم نے ہزار (درہم یا دینار) کی چادر خریدی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے تھے۔

وفی البخاری :باب الاردیۃ وقال انس جبذا اعرابی رداء النبی ﷺ حدثنا عبد ان قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا یونس عن الزُھری قال اخبرنی علی بن حسین ان حسین بن علی اخبرہ ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فدعا النبی ﷺ بردائہ فارتدی بہ [2] اقول لم اجد فی فتح الباری و العمدۃ القاری شرح قولہ علیہ السلام فدعا النبی ﷺ بردائہ فارتدی ثم انطلق یمشی لکن عندی ھو کما قال فی حدیث ۳ ص ۷ فخطفت ردائہ فوقف النبی ﷺ فقال أعطونی ردائی :ولیس المراد منہ انہ علیہ السلام جالس مع زید بن حارثۃ بغیر رداء فطلب ردائہ ففھم۔

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کی چادر پکڑ لی، حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ﷺ نے اپنی چادر طلب فرمائی پھر اوڑھ لی۔لیکن میرے نزدیک یہ وہی بات ہے کہ آپ ﷺ کی چادر اچک لی گئی، آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا میری چادر مجھے دے دو، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بغیر چادر کے بیٹھے ہوئے تھے اور پھر اپنی چادر طلب فرمائی۔

(۱۶) عن ابی عالیۃ :قال و علی قمیص و رداء و عمامۃ بخمسۃ عشر درھماً۔ [3]

ترجمہ: ابوالعالیہ نے کہا کہ میری قمیص، چادر اور عمامہ پندرہ درہم کا تھا۔

*** قمیص کی اہمیت ***

وفی تفسیر روح المعانی :وکان عند یعقوب قمیص ابراھیم علیہ السلام الذی کساہ اللہ تعالیٰ ایاہ من الجنۃ حین القی فی النار الخ۔ [4]

ترجمہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جنت کی قمیص تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت پہنائی تھی جب آتش نمرود میں ڈالے گئے تھی۔

فثبت منہ ان اصل القمیص من الجنۃ و من وقت القاء ابراھیم علیہ السلام فی النار۔

یعنی ثابت ہوا کہ قمیص کی اصل جنت سے ہے اور اس وقت لائی گئی کہ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا۔

وفی تفسیر مظھری وفی القصص :ان ابراھیم علیہ السلام حین القی فی النار جرد عن ثیابہ۔ فاتاہ جبرئیل بقمیص من حریر الجنۃ فالبسہ ایاہ فدفعہ ابراھیم الی اسحاق و اسحاق الی یعقوب فجعلہ فی تمیمۃ الخ۔

---

[1] (ج ۸ ص ۲۰۸)

[2] (جلد ۲ صفحہ ۸۶۲ و قد تقدم بتمامہ فی فرض الخمس ج ۱ ص ۴۳۵ صحیح بخاری)

[3] (ابن عساکر ج ۲۰ ص ۱۴۱)

[4] (ج ۱۲ ص ۱۹۷)

ترجمہ: مظہری میں ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا تو آپ علیہ السلام کے کپڑے اتارے گئے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جنتی ریشمی قمیص لاکر ان کو پہنادی۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ آپ علیہ السلام نے اسے تعویذ میں بند کر دیا۔ [1]

وفی البدایة والنهایة لابن کثیر :وکان أول کسوتهما من شعر الضأن جزاه ثم غزلاه فسنج آدم له جبة والحواء درعاً وخماراً۔ [2]

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام وحواء علیہا السلام کے پہلے کپڑے بھیڑ کے اون کے تھے، آپ نے بھیڑ سے کاٹ کر کات دیئے، سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے لئے جبہ بنایا اور سیدہ حواء علیہا السلام کے لئے قمیص اور دوپٹہ بنایا۔

وفی بدائع الزهور :فمضی جبرائیل الی حواء ومعه کبش من الجنة فقص من صوفه ودفعه الی حواء وعلمها کیف تغزل الصوف فلما علمها وغزلته علمها کیف تنسجه فنسجته عباءة فأخذها جبرائیل ومضی بها الی آدم فستر بها جسده۔ [3]

ترجمہ: بدائع الزھور میں ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت حواء علیہا السلام کے پاس گئے اور ان کے پاس جنتی بھیڑ تھا اس کے اون کاٹ کر حضرت حواء علیہا السلام کو دے کر چرخہ کاتنے کا طریقہ بھی سکھادیا، پھر حضرت حواء علیہا السلام نے دھاگے بنا کر چغہ (جبہ) بنایا، حضرت جبریل علیہ السلام نے وہ لے کر حضرت آدم علیہ السلام کو دیا انہوں نے اس سے ستر پوشی فرمائی۔

درع :دِرْعُ المراةِ :عورت کی قمیص، کرتا۔ [4]

العَبَاء :دھاری دار کمبل :بیان اللسان :چوغہ منجد ومصباح اللغات عربی اردو۔

عبا :هو ضَرْب من الاکسیة الواحدة عباءة وعباية :یعنی چادر کی ایک قسم۔ [5]

العباء: کِساء۔ (چادر) [6]

الکِسَاء : کپڑا، کمبل ج اَکْسِیَة :۔ [7]

یعنی بیان اللسان و قاموس المحیط منجد عربی یترجم العباء ة بالکساء وبدائع الزهور صرح انه لم یزل ما لبس آدم علیه السلام فعلمنا ان القمیص والرداء یعنی العباء وهو ما لبس آدم علیه السلام وحواء رضی الله عنها۔ وهو المطلوب۔

ترجمہ :یعنی بیان اللسان اور قاموس المحیط نے عباء کا معنی چادر کیا ہے۔ بدائع والزھور نے تصریح کی کہ حضرت آدم علیہ السلام اس کو مستقل پہنتے رہے۔ معلوم ہوا کہ قمیص اور چادر یعنی عباء یہ وہ لباس ہے جو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام پہنتے تھے، اور یہی مطلوب ہے۔

(۱۷) واخرج ابو داؤد بسنده عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم صلی فی خمیصة له لها اعلام فنظر الی اعلامها فلما سلم

---

[1] (ج ۵ ص ۱۴۸)

[2] (ج ۱ ص ۱۰۳۔ الجبہ :زرہ، منجد :چوغہ (فیروز اللغات)

[3] (ص ۵۴)

[4] (المنجد ص :۲۱۳ پیرہن۔ فروز اللغات ص ۶۲۲ ومصباح اللغات)

[5] (النھایہ لابن الاثیر ج ۳ ص ۱۷۵)

[6] (قاموس المحیط ج ۱ ص ۲۲۔ ومختار ص ۳۲۵)

[7] (اردو ومصباح اللغات ص ۷۳۹ سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی)

اذھبوا بخمیصتی ھذہ الیٰ ابی جھم فانھا الھتنی فی صلاتی وائتونی بانبجانیۃ اھ۔[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کڑھائی والے جبہ میں نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو فرمایا یہ ابی جھم کو دے آؤ، اس نے مجھے نماز میں مشغول رکھا۔ اور میرے پاس انجانیہ جبہ لے آؤ۔ یعنی متبادل چادر مانگنا بھی اس بات پر دلیل ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام بلاوجہ بغیر چادر نماز ادا نہیں کرتے تھے۔

(۱۸) وفی المسند احمد بن حنبل: مسندہ عن النعمان بن بشیر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یخطب یقول: انذرتکم النار أنذرتکم النار انذرتکم النار حتی لو ان رجلاً کان بالسوق سمعہ من مقامی ھذا قال: حتی وقعت خمیصۃ کانت علی عاتقہ عند رجلیہ۔[2]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ﷺ نے خطبہ میں تین بار فرمایا: میں نے تم لوگوں کو آگ سے ڈرایا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی بازار میں ہو تو اس نے بھی اس مقام سے سنا ہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی چادر کاندھوں مبارک سے قدموں میں گر گئی۔

(۱۹) واخرج بسندہ عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن أبیہ قال: رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان مصبوغان بالزَّعفران ورداء وعمامۃ ص ۹۹-۹۸ صفۃ ردائہ علیہ الصلوۃ والسلام کتاب لحافظ أبی جعفر بن حیان الاصبھانی متوفی ۳۶۹ھ فی اخلاق النبی ﷺ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ ﷺ کو زعفران کے رنگے ہوئے دو کپڑوں میں دیکھا: چادر اور عمامہ۔

(۲۰) واخرج احمد بن حنبل بسندہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کان النبی ﷺ یصلی وعلیہ مرطٌ وصلّی بعضہ علیھا بعضہ وعلیہ بعضہ۔[3]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما نے کہا آپ ﷺ بڑی چادر میں نماز پڑھتے تھے، کچھ حصہ آپ ﷺ پر ہوتا اور کچھ مجھ پر۔

(۲۱) واخرج البیھقی بسندہ: عن عبداللہ بن مسلم اخی الزھری قال: رأیت ابن عمر وازارہ الی انصاف ساقیہ والقمیص فوق الازار والرداء فوق القمیص اھ شعب الایمان ج۵ ص ۱۴۹ قلت: ھذا حال من ھو اشد اتباعاً لاثارہ ﷺ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضرت (عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تہبند نصف پنڈلی تک اٹھی ہوئی تھی، قمیص تہبند کے اوپر اور چادر قمیص کے اوپر تھی۔ میں نے کہا: یہ آپ ﷺ کے آثار کی سخت اتباع کی حالت تھی۔

(۲۲) واخرج الحافظ ھیثمی عن عطاء قال: کان عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یلبس قمیصاً من کرابیس الی نصف ساقیہ ورداؤہ یضرب الخ۔[4]

ترجمہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئی کی قمیص پہنتے تھے، جو آدھی پنڈلی تک تھی اور چادر

---

[1] (ج۲ ص ۲۰۵ وصحیح البخاری ج۲ ص ۸۶۵، وج۱ ص ۵۴ وصحیح مسلم ج۱ ص ۲۰۸ ثلاثۃ احادیث ونسائی ج۱ ص ۱۲۵۔ انبجانیۃ۔ الکساء الغلیظ: کرمانی والجمع حاشیہ ج۵ ۸۶۵ بخاری)

[2] (ج۵ ص ۳۴۰ حدیث ۱۷۹۳۔ ایضاً)

[3] (ج۸ ص ۹۹ حدیث ۲۳۸۶۱ وانظر حدیث ۲۴۱۵۴ ج۷ ص ۱۴۳ وحدیث ۵۸ ج۱ ص ۱۸۶ ومسلم ج۱ ص ۱۹۸ ونسائی ج۱ ص ۱۲۵)

[4] (مجمع الزوائد ج۵ ص ۲۱۱، حدیث ۸۵۰۸ واخرج الطبرانی فی الکبیر برقم ص ۲۶۰)

ڈالے ہوئے تھے۔

(۲۳)وایضا اخرج :عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ :الإرْتِدادُ لِبْسَةُ العرب والاتفاع لبسة الاعیان وکان رسول اللہ ﷺ یتلفع۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا چادر اوڑھنا عرب کا لباس ہے اور آپ ﷺ چادر اوڑھتے تھے۔[۱]

(۲۴)ایضا اخرج عن ام سلمة رضی اللہ عنہا قالت :ربما صبغ رسول اللہ ﷺ رداءہ وازارہ بزعفران اوورس ثم یخرج فیھا۔[۲]

ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کبھی کبھی آپ ﷺ اپنی چادر اور تہبند زعفران یا ورس میں رنگتے تھے پھر اس لباس میں باہر تشریف لے جاتے۔

(۲۵)روی أبو یعلی (عن عبد اللہ بن جعفر) رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیه ثوبان مصبوغان بالزعفران :رِداء وعمامة وفیه عبداللہ بن مصعب الزھری ضعفه ابن معین۔[۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے آپ ﷺ پر زعفران کے دو رنگے ہوئے کپڑے دیکھے۔

(۲۶)عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ من کانت له سریرة صالحة او سیئة اظھر اللہ منھا رداء یعرف به۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان مشکوة ص ۴۵۶ قبیل باب البکاء والخوف۔ وقال شیخ محدث دھلوی :المراد بالرداء ھنا علامة یعرف بھا کما یعرف بالرداء کون الرجل من الایمان۔[۴]

یعنی مراد برداء علامت ست کہ بدان چیزے شناختہ می شود چنانچہ مرد برداء شناختہ می شود کہ از اعیان ست کذا قالوا اشعة اللمعات ج ۴ ص ۲۷۴ وفی المرقات کما یعرف بالرداء کون الرجل من الاعیان أو غیرہ من الاعوان ج ۱۰ ص ۷۴ وفی المظاھر حق :رداء اصل میں چادر کو کہتے ہیں مراد علامت ہے کہ اس سے ایک چیز پہچانی جاتی ہے اور ممتاز ہوتی ہے غیر اپنے سے جیسے کہ مرد چادر سے پہچانا جاتا ہے اور ممتاز ہوتا ہے الخ۔[۵]

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : آپ ﷺ نے فرمایا : جو شخص خلوت میں اچھا یا برا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی علامت سے ظاہر فرمادے گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا : رداء سے مراد نشانی اور علامت ہے جس سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح چادر کی وجہ سے ممتاز نظر آتا ہے۔

لمعات میں ہے :رداء سے مراد علامت ہے کہ اس سے چیزوں کی پہچان ہوتی ہے اسی طرح کامل شخص کی پہچان چادر سے ہوتی ہے۔

---

[۱](رواہ طبرانی وفیہ سعید بن سنان شامی وھو ضعیف جداً ونقل عن بعضھم توثیقه ولم یصحاہ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۲ حدیث ۸۵۴۵)

[۲](رواہ طبرانی فی الکبیر ۲۳، ۳۹۹، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۵ حدیث ۸۵۵۷)

[۳](مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۷ حدیث ۸۵۶۵، رواہ طبرانی فی الصغیر (س، ۲۳۳) واب یعلی فی سندہ برقم (۶۷۵۶))

[۴](معات برحاشیہ مشکوۃ حاشیہ ۵)

[۵](مظاہر حق ج ۴ ص ۲۷۹)

(۲۷)وفی مجمع الزوائد :فاذاهم بعبداللہ بن عباس قاعداً قریباً من زمزم وعلیہ رداء لہ أحمر و قمیص۔[1]

ترجمہ: اچانک لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو زمزم کے قریب سرخ چادر اوڑھے ہوئے دیکھا۔

واخرج مصنف ابن شیبہ بسندہ عن طاؤس قال :کان قمیصہ فوق الازار والرداء فوق القمیص۔

(طاؤس نے کہا کہ ان کی قمیص ازار (تہبند یا شلوار) کے اوپر اور چادر قمیص کے اوپر ہوتی ہے)[2]

(۲)اخرجہ عبدالرزاق فی مصنفہ ۱۱/۸۲/من طریق معمر عن طاؤس عن ابیہ ولفظہ :قال :الازار فوق الکعبین۔والقمیص فوق الازار، والرداء فوق القمیص۔

(ازار (تہبند یا شلوار) ٹخنوں کے اوپر، اور قمیص ازار (تہبند یا شلوار) کے اوپر اور چادر قمیص کے اوپر ہوتی ہے)[3]

وحدیث ۱۴۰۵۔عبدالرزاق عن الثوری عن منصور عن ابراھیم قال کانوا یرون السیف رداءً۔

(حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا لوگ تلوار کو بطور علامت چادر کی طرح سمجھتے تھے)[4]

ثبوت الرداء یوم القیامۃ (قیامت کے دن چادر کا ثبوت)

حدیث ۶۰۷۲۔عبدالرزاق عن ابن التیمی عن الحجاج قال حدثنی أبو عمرۃ شیخ من بنی تمیم قال :یقال :معزی المصائب یکسی رداءً من ایمان یکون لہ ستراً من النار ج۳صـ۳۹۶مصنف عبدالرزاق۔

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ مصائب میں تسلی دینے والے کو قیامت کے دن ایمان کی چادر پہنائی جائے گی جو اس کے لئے جہنم سے بچاؤ ہوگی۔

وفی حدیث ۶۰۷۴ عن أبی عبد السلمی عن علمائھم قال :من عزّی مؤمناً بمصیبۃ دخلت علیہ۔ کساہ اللہ یوم القیامۃ رداء یحبر بہ۔[5]

ترجمہ: جس نے کسی مصیبت زدہ انسان کے پاس آ کر اسے تسلی دی، تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ چادر پہنائے گا جس سے وہ فخر کرے گا۔

اہل جنت کے لباس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ سے ہوا ہے :

(۱) کھف آیت ۳۱ :وَیَلْبَسُوْنَ ثِیَاباً خُضْراً مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ۔ (جنتیوں کو سبز رنگ سندس اور استبرق ریشمی کے لباس پہنائے جائیں گے۔)

(۲) سورۃ الدھر آیت ۲ عٰلِیَھُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ۔ (ان پر سبز رنگ کے سندس اور استبرق کے کپڑے ہوں گے)

(۳) و سورۃ الحج آیت ۲۳ :وَ لِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ ط و سورۃ فاطر آیت ۳۳:وَ لِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ ط (جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا)۔

واخرج ابنی ای عن عباد بن تمیم عن عمہ قال :خرج النبی ﷺ یستسقی وحول رداءہ۔[6]

---

[1] (الحدیث ج۷ ص ۹ حدیث ۱۰۸۰۵)

[2] (ج ۸ ص ۲۷۲ و نسخۃ اخری ص ۲۰۹ حدیث ۴۸۹۸)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸۔مصنف ابن ابی شیبۃ ادارۃ القرآن والعلوم کراچی ص ۲۰۹ مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۱)

[4] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۶۱)

[5] (الحدیث ج۳صـ۳۹۶مصنف عبدالرزاق)

[6] (ج ۱ ص ۱۳۶)

ترجمہ: حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہما کے چچا نے کہا آپ ﷺ استسقاء کے لئے نکلے اور اپنی چادر پلٹ دی۔

وفی مجموع النوازل سئل عن الزینة والتجمل فی الدنیا قال خرج رسول اللہ ﷺ ذات یوم وعلیه رداء قیمته ألف درهم۔ (دنیاوی مال وزینت کے متعلق سوال پر فرمایا کہ ایک دن آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ پر ہزار درہم کی چادر تھی)

وربما قام الی الصلاة وعلیه رداء قیمته أربعة الاف درهم۔ (کبھی آپ ﷺ نماز پڑھتے اور آپ ﷺ پر چار ہزار درہم کی چادر ہوتی) ودخل رجل من أصحابه یوما وعلیه رداء خز فقال علیه السلام ان اللہ تعالیٰ اذا أنعم علی عبد نعمة أحب أن یری أثر نعمته علیه (ایک دن ایک صحابی آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ پر اونٹ کے بالوں کی چادر تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی کو نعمت (مال) سے نوازتا ہے، تو اللہ اچھا جانتا ہے کہ اس کا اثر اس بندے پر ظاہر ہو) وابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه کان یرتدی برداء قیمته أربعمائة دینار۔ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سو دینار کی چادر اوڑھتے تھے)[1]

عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا استجد ثوبا سماه باسمه عمامة أو قمیصاً أو ردائً الخ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ جب نیا لباس پہنتے تو اس کا نام رکھتے کہ یہ عمامہ، قمیص یا چادر ہے۔

صحیح بخاری نے استسقاء میں تحویل رداء کی دس (۱۰) احادیث بیان کی ہیں، صحیح مسلم نے چار (۴)، جامع الترمذی نے ایک، نسائی مجتبیٰ نے چھ (۶) ابوداؤد نے سات (۷)، ابن ماجہ نے تین (۳) اور مسند احمد نے تیرہ (۱۳)۔

وذکر الشیخ حسین بن محمد الدیار بکری فی تاریخ الخمیس بحواله بحر العلوم شکا آدم الی جبریل فجاء بشاة من الجنة عظیمة لها صوف کثیر (الیٰ ان قال) دفعه حوّاء ذلک الصوف ونسجه واتخذ منه لنفسها درعا وخمارا ولآدم قمیصا وازارا وکان ذلک أصل اللباس اھ۔[3]

ترجمہ: بحر العلوم میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے شکایت کی تو وہ جنت سے بہت اون والی بڑی بکری لے آئے۔ وہ اون حضرت حواء علیہا السلام کو دیا انہوں نے کاتا اور اپنے لئے جبہ اور دوپٹہ بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے قمیص تہبند۔ یہ اصل لباس ہے۔

تاریخ طبری میں ہے: حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لئے ایک جبہ تیار کیا جبکہ اماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے لئے ایک قمیص اور چادر تیار کی۔ (ج ۱ ص ۲۲۸)

میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تاریخ طبری کا ترجمہ کرنے والا سید عاصم محمود غلط ہو کہ عباء کا ترجمہ جبہ کیا، کیونکہ عَبَاء اور عَبَاءَۃ کے ترجمہ کرتے ہوئے قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی بیان اللسان میں لکھتے ہیں دھاری دار کمبل ص ۴۸۹ اور قباء: اچکن، شیروانی، جمع اقبیۃ ص ۶۳۴۔ طبقات ابن سعد کے مترجم علامہ العمادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارے گئے بھیڑ سے ایک کو ذبح کر کے اون لی حواء علیہ السلام نے، اسے کاتا اور دونوں مل کر اسے بننے لگے اپنے لئے تو آدم علیہ السلام نے ایک جبہ تیار کیا اور حوا علیہ السلام کے لئے ایک کرتہ اور ایک اوڑھنی یہی کپڑے تھے جو دونوں نے پہنے۔[4]

---

[1] (کذا فی الزخیرۃ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۲ و ۳۳۳ وتبین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، وبحر ج ۸ ص ۱۹۵)

[2] (مسند احمد ج ۳ حدیث ۱۱۰۷۷ ص ۲۲۸)

[3] (ج ۱ ص ۵۵)

[4] (ج ۱ ص ۴۳ طبقات کبریٰ)

طبری کے مترجم نے لکھا کہ حواء علیہ السلام نے دو پٹہ اور چادر تیار کیا اور طبقات ابن سعد کے مترجم نے لکھا کہ ایک کرتہ اور اوڑھنی تیار کی۔

جُبَّه : چوغہ (فیروز اللغات اردو) اور صاحب قاموس المحیط لکھتے ہیں :وعباء کِسَاء کالعباءة : ج ا ص ۲۲ کمامر ص :۱۴ جب سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ منجد عربی میں عباء کا ترجمہ کساء سے کیا گیا ہے اور منجد ترجمہ اردو میں چوغہ سے کی گئی ہے یہ دلیل ہے اس پر کہ اردو والے مترجمین نے چادر کو چوغہ یا جبہ بنا دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ چادر تھی۔

جس کا انعام حضرت آدم اور ماں حواء علیہما السلام پر جنت سے دنیا کو آنے کے وقت ہوا۔ ارشاد ربانی ہے یٰبَنِی اٰدَمَ قَدْ اَنزَلْنَا عَلَیکُمْ لِبَاسًا یُوَارِی سَوْاٰتِکُمْ وَرِیشًا ﴿الاعراف ۲۶﴾ (اے انسان ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا جس سے تمہاری ستر عورت اور حسن و جمال ہے) اب ہمیں چادر و قمیص سے شیطان ہی محروم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :یٰبَنِی اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیطٰنُ کَمَا اَخْرَجَ اَبَوَیکُم مِّنَ الْجَنَّةِ یَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ﴿الاعراف ۲۷﴾ (اے انسان :شیطان تمہیں گمراہ نہ کرے جیسے تمہارے والدین کو جنت سے نکال کر بے حجاب کر دیا) الایۃ پ ۸ آیت ۲۶ و ۲۷ اعراف روح المعانی میں ہے :

وفی الکشاف ان هذه الآیة واردة علی سبیل الاستطراد عقیب ذکر بدء السوءات وخصف الورق علیها اظهار اللمنة فیما خلق من اللباس ولما فی العری وکشف العورة من المهانة والفضیحة واشعاراً بان التستر باب عظیم من أبواب التقوی۔[1]

(کشاف میں ہے کہ یہ آیت حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے بے حجاب ہونے کے بعد نازل ہوئی، اور ان کے خود کو پتوں سے ڈھانپنے کے ذکر کے بعد کلام میں خارج از بحث مضمون کے طور پر تخلیق لباس کے حوالے سے، نیز عریانی اور ستر کھلنے کی سبکی اور رسوائی کے حوالے سے احسان جتانے اور یہ بتانے کے لئے آئی ہے کہ ستر ڈھانپنا تقویٰ کے عظیم ابواب میں سے ایک باب ہے۔)

حکم الٰہی ہے :یٰبنی آدم خذوا زِینتکم عند کل مسجد۔ (اے انسان مسجد جاتے ہوئے زینت اختیار کرو) (الایۃ)

قرطبی میں ہے :هو خطاب لجمیع العالم ایضاً فانه عام فی کل مسجد للصلاة لان العبرة للعموم لا لسبب۔ (یہ حکم ہر مسجد میں نماز کے لئے عام ہے کیونکہ اعتبار حکم کے عموم کا ہوتا ہے، سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا)۔[2]

فان کان اماما فلا یصلی الا بردائه لانه من الزینة۔ (امام بغیر چادر کے نماز نہیں پڑھائے گا کیونکہ چادر زینت ہے)[3]

معارف القران میں ہے : حق تعالیٰ نے تمام اولاد آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہارا لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو ج ۳ ص ۵۳۳ دوسرا مسئلہ اس آیت میں یہ ہے کہ لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق لباسِ زینت اختیار کیا جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہترین لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتا ہے اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :خذوا زینتکم عند کل مسجد اه۔[4]

وفی المشکوٰة: عن هلال بن عامر عن ابیه قال رأیت النبی ﷺ بمنیٰ یخطب علی بغلة وعلیه برد أحمر وعلیؓ امامه

---

[1] (ج ۸ ص ۱۰۳)

[2] (ج ۷ ص ۱۸۹)

[3] (قرطبی ج ۷ ص ۱۹۱)

[4] (معارف ج ۳ ص ۵۴۳)

یعبر عنه۔ (حضرت ہلال بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے کہا میں نے آپ ﷺ کو منیٰ میں خچر پر خطبہ دیتے دیکھا، آپ ﷺ کی سرخ دھاری دار چادر تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی باتیں ہجوم کی وجہ سے آگے آگے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔[1]

الرداء :وھو مایوضع علی العاتق او بین الکتفین من الثیاب علی ای صفة کان :[2]

ترجمہ: رداء ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو کاندھے یا شانوں کے مابین رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کسی طرح کا ہو۔

قال العلامه بدر الدین العینی بحواله داؤدی رحمة الله تعالیٰ علیه البرود کالأردیة والمیازر وبعضها أفضل من بعض وقال ابن بطال النمرة والبردة سواء۔ (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے داؤدی کے حوالے سے کہا : برود، اردیۃ اور میازر کی طرح ہی ہے، جن میں سے بعض بعض سے افضل ہے۔ اور ابن بطال نے کہا نمرہ اور بردہ دونوں ایک ہے۔)[3]

قلت :أن أهل اللغة صرحوا بان الرداء منها ما یلبس فوق النصف الاعلی من الجسم والازار مکان السروال کما مر من الطیبی۔ (لغوی علماء نے صراحت کی ہے : رداء وہ ہے جو جسم کے اوپری حصے میں پہنی جاتی ہے اور ازار تہبند شلوار کی جگہ پر باندھی جاتی ہے جیسا شرح طیبی کے حوالے سے گزر چکا ہے)۔ واللہ اعلم۔ فقط۔

(۹۶) ﴿باب نمبر چھیانوے طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس تک سونے کا بیان﴾

سوال: طلوعِ صبح سے طلوعِ شمس تک نیند کرنا کیسا ہے؟ اور اس وقت کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: تفسیر روح البیان میں ہے :الم تر الی ربک کیف مد الظل أی بسطه فیما بین طلوع الفجر الی طلوع الشمس لانه لا شمس معه وهو اطیب الا زمنة۔۔۔ قال تعالیٰ فی وصف الجنة (وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ) ویقال تلک الساعة تشبه ساعة الجنة الا ان الجنة انور۔[4]

ترجمہ: ''کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ کو کیسے پھیلاتا ہے، یعنی طلوع فجر اور طلوع شمس کے مابین پھیلاتا ہے کیونکہ اس وقت سایہ کے ساتھ سورج نہیں ہوتا اور یہ بہت بہتر اور اچھا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے : ''اور پھیلا ہوا سایہ۔'' کہا جاتا ہے کہ طلوع فجر اور طلوع شمس کے مابین والا وقت جنت کے وقت کے مشابہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ جنت نور ہے (زیادہ روشن ہے)۔''

تفسیر قرطبی میں ہے : وقال الحسن وقتادة وغیرهما :مد الظل من طلوع الفجر الی طلوع الشمس۔ وقیل هو من غیوبة الشمس الی طلوعها والاول اصح والدلیل علی ذالک أنه لیس من ساعة أطیب من تلک الساعة فان فیها یجد المریض راحة والمسافر وکل ذی علة :وفیها ترد نفوس الأموات والارواح منهم الی الاجساد، وتطیب نفوس الاحیاء فیها وهذه الصفة مفقودة بعد المغرب وقال ابو العالیة :نهار الجنة هکذا۔ آه

ترجمہ: ''حسن اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں : مد الظل (اس نے سایہ کو پھیلایا) سے مراد طلوع فجر سے طلوع شمس کے مابین وقت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سورج غروب ہونے سے طلوع ہونے تک کا وقت ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس وقت سے بہتر کوئی دوسرا وقت

---

[1] (رواہ مشکوٰۃ ص ۳۷۶ فصل ثانی کتاب اللباس ومرقات ج ۸ ص ۲۶۳، وبذل المجہود ج ۶ ص ۵۱)

[2] (عمدۃ القاری ج ۲۱، ص ۳۰۱، باب الاردیة وفتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۸، ومختار الصحاح للرازی رحمة اللہ تعالیٰ علیہ من ص ۲۴۰)

[3] (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۰۱)

[4] (ج ۱۹ ص ۲۲۰)

نہیں کیونکہ اس وقت میں مریض، مسافر اور دوسرے پریشان لوگ راحت پاتے ہیں، اور اس وقت میں اموات (مردوں) کی ارواح اور نفوس ان کے جسموں کی طرف آتے ہیں۔ اور زندوں کی ارواح وطبیعتیں بھی اس وقت بہت خوش اور تر وتازہ ہوتی ہیں۔ جب کہ یہ صفت مغرب کے بعد مفقود اور معدوم ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جنت کی نہریں اسی طرح ہیں۔"[1]

و ابن عباس و مجاهد و ایوب بن موسیٰ ابراهیم التیمی و الضحاک و ابی مالک الغفار و ابی عالیة و سعید بن جبیر: و ذلک أطیب الاوقات۔

ترجمہ: "ابن عباس، مجاہد، ایوب بن موسیٰ ابراہیم التیمی، ضحاک، ابو مالک الغفار، ابو العالیہ، سعید بن جبیر ث سے مروی ہے: یہ بہترین اوقات میں سے ہے۔"[2]

رات نیند کے لئے ہے اور دن سونے کے لئے نہیں ہے سوائے قیلولہ کے۔ اس بات کا ذکر قرآنِ کریم کی آیات میں بھی ہے۔ طلوع صبح سے طلوع شمس تک سونے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱) اخرج المنذری فی الترغیب و الترهیب و روی ابن ماجة من حدیث علی رضی الله تعالیٰ عنه قال نهیٰ رسول الله ﷺ عن النوم قبل طلوع الشمس۔

ترجمہ: "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: آپ ﷺ نے طلوع شمس سے پہلے سونے سے منع فرمایا ہے۔"[3]

۲) عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما اذا صلیتم الفجر فلا تناموا عن طلب أرزاقکم۔[4]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم فجر کی نماز پڑھو تو حلال روزی کی طلب سے مت سونا۔"

۳) و عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لان أقعد مع قوم یذکرون الله من صلوٰة الغداة حتی تطلع الشمس أحب الیّ من ان اعتق اربعة من ولد اسمٰعیل علیه السلام۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: فجر کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک ذاکرین کے ساتھ بیٹھنا مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کے چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔[5]

۴) و عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد یذکر الله حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت له کاجر حجة و عمرة قال قال رسول الله ﷺ تامةٍ تامةٍ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا: جو فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر طلوع شمس تک بیٹھ کر ذکر اللہ کرتا رہے اور پھر دو رکعات نماز پڑھے تو اسے حج وعمرے کا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: مکمل مکمل ثواب ملے گا۔[6]

---

[1] (ج ۱۳ ص ۳۷، سورۃ الفرقان ۴۵:)

[2] (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶ وغیرہ)

[3] (ج ۲ ص ۳۳۶ اشاعۃ الاسلام پشاور)

[4] (الجامع الصغیر للسیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱ ص ۳۰، کنوز الحقائق علی ھامش الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۱ لعبد الرؤف المناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

[5] (ابو داؤد مشکوۃ ص ۸۹ وفتاوی الدین الخالص ص ۲۳۴ والترہیب ج ۱ ص ۱۷۸ وغیرہ)

[6] (رواہ الترمذی ومشکوۃ ص ۸۹، فتاوی الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۴، ومسند ابی یعلی ج ۲ ص ۳۶، ۳۹، والترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۷۸، اور ترغیب کے ص ۱۷۸، ۱۷۹ پر آٹھ احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

۵)وعن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا صلی الفجر تربع فی مجلسہ حتی تطلع الشمس حسنًا۔[1]

ترجمہ : جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز کے بعد آلتی پالتی مار کر بیٹھتے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح ظاہر ہو جاتا۔

۶)وفی فتاویٰ الدین الخالص :وقد اخرج مسلم وغیرھا کما فی المشکوۃ ص ۲۰۰ عن جویریۃ انھا جلست بعد الصلوۃ الفجر الی الضحیٰ ثم علمھا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکرًا جامعاً۔

ترجمہ : حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد چاشت تک بیٹھی رہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جامع ذکر کی تعلیم فرمائی۔[2]

۷)عن فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت :مر بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأنا مضطجعۃ متصبحۃ فحرکنی برجلہ وقال یابنیۃ قومی فاشھدی رزق ربی ولا تکونی من الغافلین فانہ یقسم أرزاق الناس مابین طلوع الفجر الی طلوع الشمس۔

ترجمہ : حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے گزرے جب کہ میں صبح کے وقت لیٹی ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پاؤں سے ہلایا اور فرمایا :اے میری بیٹی :اٹھو اور اپنے رب کے رزق میں حاضر ہو جاؤ اور غافل نہ بنو کیونکہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک لوگوں کا رزق تقسیم ہوتا ہے۔[3]

۸)رواہ ایضاً عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی فاطمۃ بعد ان صلی الصبح أو ھی نائمۃ فذکرہ بمعناہ۔[4]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس فجر کی نماز کے بعد آئے جب کہ وہ سو رہی تھیں، پھر آگے حدیث بیان کی۔

۹)وروی عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصَّبحۃ یمنع الرزق۔ یعنی ”حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبح کی نیند رزق روک دیتی ہے۔“[5]

۱۰)عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال مر بی عمرو بن بلبل وانا متصبح فی النخل فحرکنی برجلہ فقال أترقد فی الساعۃ التی ینشر فیھا عباد اللہ۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا میرے پاس سے عمرو بن بلبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے اور میں نخلستان میں صبح کو سو رہا تھا، تو مجھے پاؤں سے حرکت دی اور فرمایا : کیا تم اس وقت میں سو رہے ہو جس وقت اللہ کے بندے پھیل جاتے ہیں۔[6]

---

[1](رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی والطبرانی وغیرہ، الترغیب ج ۱ ص ۱۸۰ وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۴، وغیرہ ومشکوۃ ص ۴۰۴)

[2](ج ۲ ص ۲۳۴)

[3](ذکرہ الہندی فی کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۳۴، حدیث ۴۲۲۸- بحوالہ ابن النجار، راجع الترغیب للمنذری ص ۵۶۹ ص ۵۳۱ ج ۲ ونسخۃ دیگر ج ۲ ص ۳۳۶، وقال فیہ رواہ البیہقی)

[4](الترغیب ج ۲ ص ۳۳۶)

[5](رواہ احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۷۳، والبیھقی وغیرھما واوردہ ابن عدی فی الکامل وھو ظاھر النکارۃ۔الترغیب ص ۳۳۶ ج ۲، وفی فتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۵ وقال اخرجہ ابن الجوزی فی الموضوعات ج ۳ ص ۶۸ وفی المسند ج ۱ ص ۷۳ بسند ضعیف فیہ رجل مجھول ومجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۶ وقال رواہ احمد بن حنبل وفیہ اسحاق بن ابی فروۃ وھو ضعیف۔ واخرجہ ابن العساکر بسندہ لیس فیہ اسحاق بن ابی فروۃ، حدیث ۳۲۷ واحکام النبویۃ ج ۱ ص ۱۱۵ (الصبحۃ تمنع الرزق یعنی نوم الغداۃ ج ۱۶ ص ۱۶۵) دار الاحیاء التراث بیروت)

[6](رواہ ابن ابی شیبۃ ج ۸ ص ۳۶۵ وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۵)

۱۱)عن عروة قال :كان الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنه ینهیٰ بنیه عن التصبح قال :وقال عروة انی لاسمع بالرجل یتصبح فأزهد فیه۔[1]

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹوں کو صبح کی نیند سے منع فرماتے تھے۔

۱۲)عن طلحة ابن عبید اللہ رضی اللہ عنهما انه مر بابن له تصبح فذکر أنه فقده و نهاه عن ذلک۔ ''حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بیٹے کے پاس سے گزرے جو صبح کے وقت سو رہے تھے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سونے سے منع فرمایا۔''[2]

۱۳)عن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال :التقی الزبیر و عبید بن عمیر فتذاکرا شیئاً فقال له الآخر :اما علمت ان الارض تصیح الی ربها من نوم غلمانها۔

ترجمہ: حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : زبیر اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی اور گفتگو کے دوران ایک نے دوسرے سے کہا : کیا تم کو پتہ نہیں کہ زمین اللہ کی بارگاہ میں نوجوانوں کے سونے پر چیخ و پکار کرتی ہے۔[3]

۱۴)عن داؤد بن ابراهیم أن الأسد حبس الناس لیلة .... فلما کان فی السحر ذهب عنهم فنزل الناس یمیناً و شمالاً ، فالقوا أنفسهم فناموا قام طاؤوس یصلی فقال رجل لطاؤوس الا تنام؟ فانک قد نصبت اللیلة۔ قال فقال طاؤوس :وهل ینام السحر؟[4]

ترجمہ: ''حضرت داؤد بن ابراہیم رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شیر نے ایک رات لوگوں کو روک لیا، صبح ہوئی تو شیر چلا گیا، پھر لوگ ادھر اُدھر جا کے سو گئے جبکہ طاؤس نماز میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے طاؤس سے کہا کیا تم نہیں سو گے، تم نے بھی رات مشقت میں گزاری ہے؟ طاؤس نے کہا کیا صبح کے بعد بھی سویا جاتا ہے؟''

۱۵)عن علقمة بن قیس قال :بلغنا أن الأرض تعج الی اللہ تعالیٰ من نومة العالم بعد صلاة الصبح۔[5]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عالم کی صبح کی نماز کے بعد کی نیند کی وجہ سے فریاد کرتی ہے۔

۱۶)وعن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال :انی لأزهد فی الرجل یتصبح۔

ترجمہ : حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس شخص سے دور رہتا ہوں جو فجر کی نماز کے بعد سوتا ہے۔[6]

۱۷)قال البخاری فی الأدب المفرد ص ۳۲۰ رقم ۱۲۴۲ عن خوات بن جبیر قال :نوم أوّل النهار فی شرح فضل اللہ قال

---

[1](فتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۵ و مصنف ابن ابی شیبة ج ۸ ص ۳۶۵)

[2](مصنف ابن ابی شیبة ج ۸ ص ۳۶۵، وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۵)

[3](الدین الخالص ج ۲ ص ۱۳۶، ومصنف ابن ابی شیبه ج ۶ ص ۱۰۳ کتاب الأدب باب ما قالوا فی التصبح نومة الضحیٰ وما جاء فیها ج ۸ ص ۲۳۶ بیروت وفیه لفظ ''تعج'' بدلاً تصبح)

[4](المصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۴۰)

[5](المصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۴۷ واذکار للنووی رحمة اللہ تعالیٰ علیه دار القلم بیروت ص ۱۷، وشرح السنة للبغوی وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۶)

[6](المصنف لابن ابی شیبة ج ۸ ص ۳۶۶ والدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۶)

الحافظ ابن حجر۔ ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ادب المفرد میں لکھتے ہیں، خوات بن جبیر نے کہا کہ دن کے اول وقت کی نیند۔''[1]

۱۸) عن عبید اللہ قال کان سالم لا یتصبح و کان یقیل۔[2]

حضرت عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سالم فجر کے بعد نہیں سوتے تھے بلکہ وہ قیلولہ کیا کرتے تھے۔

۱۹) عن عبید اللہ بن عبد اللہ مثلہ۔ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل روایت ہے۔

۲۰) عن مکحول (مثلہ)[3] (مکحول رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت ہے)۔

۲۱) عن طارق ابن شہاب قال : کان عبد اللہ اذا صلی الفجر لم یدع أحداً من أھلہ صغیراً و لا کبیراً یطوف حتی تطلع الشمس۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا : فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ اپنے گھر کے کسی چھوٹے یا بڑے کو سونے نہیں دیتے تھے۔[4]

۲۲) وفی الطلب لأبی نعیم[5] مرفوعاً : لا تصبحوا و قیلوا فان الشیطان لا یقیل۔

ابو نعیم اور خطیب رضی اللہ عنہما نے مرفوع روایت کی، فرمایا : فجر کے بعد نہ سو بلکہ قیلولہ کیا کرو کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔

وفی سندہ ضعف یسیر کما فی الصحیحۃ جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۔ ثم رأیت فی المجمع جلد ۱ صفحہ ۳۱۸، باب نوم بعد الصبح عن عبد اللہ بن عمر ان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ مر علی رجل بعد صلاۃ الصبح و ھو نائم فحرکہ برجلہ و قال اما علمت ان اللہ تعالیٰ یطلع فی ھذہ الساعۃ الی خلقہ فیدخل ثلۃ منھم الجنۃ برحمتہ''[6]

ترجمہ : ''حضرت عبد اللہ بن عمران رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد ایک سوتے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے تو پاؤں سے حرکت دی اور فرمایا : کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اپنی مخلوق کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ایک جماعت کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔''

قال عیسیٰ علیہ السلام لأصحابہ فیکم خصلتین من الجھل الضحک من غیر عجب و الصبحۃ من غیر سھر۔'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا : تم میں نادانی کی دو خصلتیں ہیں۔ بغیر تعجب کے ہنسنا اور صبح کو سونا۔[7]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں و نوم النھار ردی یورث الامراض الرطوبۃ و النوازل و یفسد اللون و یورث الطحال و یرخی العصب یکسل و یضعف الشھوۃ الا فی الصیف وقت الھاجرۃ و أردأہ نوم أول النھار و أردأ منہ النوم آخرہ بعد العصر و رأی عبد اللہ بن عباس ابناً لہ نائماً نومۃ الصبحۃ۔ فقال لہ قم أتنام فی الساعۃ التی تقسم فیھا الأرزاق و نوم الصبحۃ یمنع الرزق لأن ذالک الوقت تطلب فیہ الخلیقۃ أرزاقھا و ھو وقت قسمۃ الأرزاق فنومہ حرمان الا لعارض أو ضرورۃ، و ھو مضرّ جداً بالبدن لارخائہ

---

[1] (أخرجہ سفیان بن عینیۃ فی جامعہ و سندہ صحیح۔ ایضاً فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۷۰ قبیل باب القائلۃ فی المسجد باب القائلۃ بعد الجمعۃ)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸: ۳۶۶)

[3] (ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۶۶)

[4] (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۹ ص ۳۶ کتاب الأدب (ج ۲ ص ۲۲۲) (باب من کان لا یدع أحداً من اہلہ الخ)

[5] (ج ۲ ص ۱۰۲ و الخطیب فی الموضع ج ۲ ص ۸۱)

[6] (الطبرانی فی الکبیر و فیہ من لا یعرف و فی البدایۃ و النھایۃ ج ۲ ص ۸۴)

[7] (لدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۷)

البدن و افساده للفضلات التی ینبغی تحلیلها بالریاضة، فیحدث تکسراً و عیاً و ضعفاً و ان کان قبل التبرز و الحرکة و الریاضة و اشتغل المعدة بشیء فذالک الداء العضال المولدة نوع من الأدوات انتهی۔[1]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں : صبح کا سونا بے کار ہے، کئی امراض و بیماریوں کا سبب ہے۔ اس سے۔ اس سے رنگ خراب ہوتا ہے۔ تلی کی بیماری اور پٹھوں کی سستی کا سبب ہے، سستی آتی ہے اور شہوت کم ہوتی ہے، ہاں گرمیوں میں ظہر کو سویا کرے دن کے پہلے حصے میں سونا خراب ہے اور اس سے بھی زیادہ خراب ہے اور اس سے بھی زیادہ خراب دن کے آخری حصے میں عصر کے بعد سونا ہے، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صبح کے وقت اپنے بیٹے کو سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا : اٹھو کیا تم ایسے وقت میں سوتے ہو کہ جس میں رزق تقسیم ہوتا ہے؟'' فجر کی نیند رزق کو روک دیتی ہے کیونکہ اس وقت مخلوق اپنا رزق تلاش کرتی ہے۔ وہ رزق کی تقسیم کا وقت ہے اور اس وقت سونا رزق سے محروم ہونا ہے ہاں اگر کوئی عذر اور ضرورت ہو تو سونا جائز ہے۔ صبح کا سونا بدن کے لئے شدید نقصان دہ ہے، اس سے بدن سست ہوتا ہے، جن فضلاتِ جسمانی کو محنت سے تحلیل ہونا چاہیئے وہ برباد ہو جاتے ہیں، ان میں ٹوٹ پھوٹ، عاجزی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے، اور اگر قضائے حاجت کرنے، ہلنے جُلنے اور محنت سے پہلے ہو اور معدہ بھی کسی چیز میں مشغول ہو تو پھر تو وہ کئی علتوں کو جنم دینے والی سخت بیماری بن جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے : یکرہ النوم فی اول النهار۔۔۔ ویقوم من مقامه قبل الصبح فان الارض تشکی الی الله من غسل الزانی و دم حرام یسفک علیها و نومة بعد الصبح۔ یعنی دن کی ابتدا میں سونا مکروہ ہے، اور صبح سے پہلے بستر سے اٹھے کیونکہ زمین اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہے زنا کار کے غسل، ناحق خون بہانے اور فجر کے بعد سونے والے کی۔''[2]

تعلیم المتعلم اور شرعة تفهیم المتفهم میں ہے : و کذا نوم الصبحة یمنع الرزق أی حصوله قیل ان الغنم لا ینام وقت السحر و الصبح و لذلک حصل البرکة فیه حتی یوجد فی آبادی اکثر الانسان اکثر من عشرة اغنام مع انه یولد واحد و یؤکل کثیر و اما الکلب فلا ینام فی اللیل الا وقت السحر و الصبح فلذالک لا یوجد فی المنازل الا واحد و اثنان مع انه یولد أربعة أو ستة أو تسعة و لا یؤکل۔ یعنی'' صبح کے بعد سونے سے رزق کے حصول میں کمی آتی ہے : کہا جاتا ہے کہ بھیڑ بکریاں سحری اور صبح کے وقت نہیں سوتیں، اسی وجہ سے ان میں برکت ہے۔ لہٰذا ہر علاقے میں بھیڑ بکریوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے حالانکہ ایک بچہ دیتی ہے اور ان کا گوشت بھی زیادہ کھایا جاتا ہے، اور کتے چونکہ رات کو جاگتے ہیں اور سحری اور صبح کے وقت سوتے ہیں اس وجہ سے گھروں میں ایک یا دو پائے جاتے ہیں، حالانکہ کتے چار، چھ اور نو تک بچے دیتے ہیں، اور ان کا گوشت بھی نہیں کھایا جاتا۔''[3]

اور قطب الارشاد میں ہے : ویکره النوم بعد صلوة الصبح أشد کراهة سیما للعالم ففی شرح السنة قال علقمة بن قیس بلغنا ان الارض تعج الی الله تعالیٰ من نومة العالم بعد صلوة الصبح و فی روایة البیهقی ان الصبحة تمنع الرزق۔

یعنی فجر کی نماز کے بعد سونا سخت مکروہ ہے خاص کر علماء کے لئے۔ شرح السنۃ میں ہے : علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عالم کی نیند کی شکایت کرتی ہے جو صبح کے بعد سوتا ہے اور بیہقی میں ہے کہ فجر کی نیند رزق کو روکتی ہے۔'' (ص ۲۵۹) اور احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ان النوم فی هذا الوقت مکروه جداً، فان غلبه النوم فلیقم فی مصلاه

---

[1] (زاد المعاد ج ۳ ص ۸۲۲ وحیدی کتب خانہ، پشاور)

[2] (ج ۵ ص ۳۷۶ متفرقات طبع نورانی کتب خانہ پشاور)

[3] (ص ۱۳۲، ۱۳۳۔ یمنع الرزق ص ۱۳۵)

قائما مستقبل القبلة فان لم یذهب النوم بالقیام یخط خطوات نحو القبلة ویتأخر بالخطوات کذالک۔ اه۔ یعنی ''اس وقت سونا سخت مکروہ ہے اگر کسی کو نیند آجائے تو قبلہ رو ہو کر جائے نماز پر کھڑا ہو جائے۔ اگر نیند ختم نہ ہوئی تو چند قدم قبلہ کی طرف چلے اور پیچھے آئے۔'' [1]

تفسیر کبیر میں ہے :قال شفیق البلخی رحمة الله تعالیٰ علیه :ثلاثة من النوم یبغضها الله تعالیٰ :النوم بعد صلاة الفجر وقبل صلاة العتمة والنوم فی الصلاة والنوم عند مجلس الذکر۔اه

''شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : تین اوقات میں سونا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے : فجر کے بعد، عشاء سے پہلے، اور نماز اور مجلسِ ذکر میں۔'' [2]

قبیل المسئلة السادسة فی بیان فضل العلم۔ (مزید تفصیل کے لئے انوار القدسیہ ج ۱ ص ۱۱۰ ملاحظہ ہو۔)

اللهم اغفر لقارئه ولکاتبه ولسامعه ولناظره ولحافظه ولمصححه ولناشره وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم والاموات من الذّنوب الصّغائر والکبائر کلّها بحقّ لا اله الّا الله محمّد رسول الله وبحقّ الانبیاء والمرسلین والاولیآء الکاملین خصوصًا صاحب الوقت قیوم الزّمان قطب الارشاد نائب مناب الرّسول الامین ﷺ سیّدی مرشدی اخندزاده سیف الرّحمٰن نوّر الله مرقده وجعل الجنّة مثواه ورفع الله تعالیٰ درجاته فی اعلیٰ علیین واوصله الله تعالیٰ الیٰ اقصی الغایات ونهایة النهایات والیٰ اقصیٰ مایتمناه وافاض الله علیه وعلینا وعلیٰ سائر المسلمین من فیوضاته وبرکاته وتوجهاته وتصرفاته الکریمة بعد الوصال۔ اٰمین بجاه حبیبه ﷺ وبکرمک یا اکرم الاکرمین وبرحمتک یا ارحم الرّاحمین وصلّی الله علی خیر خلقه محمّدوّ اله واصحابه اجمعین الطّیّبین الطّاهرین وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

حررہ :نائب امیر جماعت اہلسنت کراچی، فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفیفر وری ۲۰۱۵ء بمطابق ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

اثبات تقبیل قبور الانبیاء والاولیاء والآبآء تبرّکاً

انبیاء، اولیاء اور آباء کی قبور کو تبرکاً بوسہ دینے کا ثبوت

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ قبور کی دو قسمیں ہیں ایک عام مسلمانوں کی قبور جن کی شریعت وطریقت سے کوئی نسبت نہیں، دوم وہ قبور جو مسلمان والدین، مشائخ، علماء، سادات کی ہیں تو پہلی قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو فقہاء نے مکروہ، اور دوسری قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو مستحسن، مستحب اور جائز قرار دیا ہے۔

نور الصراط فی اثبات جواز الحیل ودور الاسقاط۔ [3]

کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے :بوسہ دادن قبر والدین را جسمی دا شاجی یا اشاہی باشد یا روحی مثل اساتذہ ومشائخ علامہ علی القاری در مرقات شرح مشکوٰۃ تحت حدیث مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِیْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِمْ آورده که وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَائِ لَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ الْوَالِدَیْنِ انتهی ودر طوالع الانوار شرح در المختار آورده که وَالتَّقْبِیْلُ لِغَیْرِ الْمُصْحَفِ کَقُبُوْرِ الْاَنْبِیَائِ وَمَنْ یُّتَبَرَّکُ بِهِمْ فَلِلْعُلَمَائِ فِیْهِ کَلَام'' کَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَاسْتَحْسَنَهُ بَعْضُهُمْ حَتّٰی اَنَّ الشَّافِعِیَّ رَحْمَةُ الله عَلَیْهِ اَبَاحَهُ مُطْلَقًا اِذَا کَانَ. لِلتَّبَرُّکِ. وآورده۔ وَاعْتَمَدَهُ جَمَاعَة'' مِنْهُمُ الحافظ العینی الحنفی الشارح للبخاری والمقری المالکی صاحب فتح المتعال والسعنهوری الشافعی وَلَا مُنَافَاتَ بَیْنَ

---

[1] (ج ۵ ص ۲۵۸ احیاء العلوم (نورانی کتب خانہ پشاور)

[2] (مختصر آج ۱ ص ۲۵۸، المصری)

[3] (مصنفہ شیخ القرآن والحدیث مفتی نور الدین نور اللہ مرقدہ)

الْکَرَاھَۃِ وَالْاِسْتِحْسَانِ بِاَنَّہٗ مُقَیَّد ''بِنِیَّۃِ التَّبَرُّکِ وَالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَالْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا وَلِکُلِّ امْرِیٍٔ بِمَا نَوٰی وَنِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْر'' مِّنْ عَمَلِہٖ قال السعنھوری نقل الطیب التاثری من المحب الطبری یَجُوْزُ تَقْبِیْلُ الْقَبْرِ وَمَسُّہٗ، قال وعلیہ عامۃ الصالحین انتھی وفی مطالب المؤمنین وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ وَالِدَیْہِ لما فی کفایۃ الشعبی اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ حَلَفْتُ اَنْ اُقَبِّلَ عَتَبَۃَ بَابِ الْجَنَّۃِ وَالْحُوْرَ الْعِیْنِ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُقَبِّلَ رِجْلَ الْاُمِّ وَجَبْھَۃَ الْاَبِ وَیُرْوٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنْ لَمْ یَکُنْ لِیْ اَبَوَانِ فَقَالَ قَبِّلْ قَبْرَ ھُمَا قَالَ فَاِنْ لَمْ اَعْرِفْ قَبْرَ ھُمَا قَالَ خُطَّ خَطَّیْنِ وَانْوِ بِاَنَّ اَحَدَھُمَا قَبْرُ الْاُمِّ وَالْاٰخَرُ قَبْرُ الْاَبِ فَقَبِّلْھُمَا فَلَا تَحْنَثُ فِیْ یَمِیْنِکَ کذا فی مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور۔

ترجمہ: والدین خواہ جسمی ہوں یعنی جن سے پیدا ہو، یا علم ظاہر کے والدین یا طریقت کے والدین یعنی اساتذہ ومشائخ کی قبور کو بوسہ دینا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث ''آپ ﷺ مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے'' کے تحت فرمایا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین کی قبور کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ طوالع الانوار شرح الدر المختار میں ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ انبیاء اور دیگر متبرک قبور کو بوسہ دینے میں علماء کی کئی رائے ہیں بعض نے مکروہ اور بعض نے اچھا قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبرک کے لئے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر علماء کی ایک جماعت نے اعتماد فرمایا جن میں حافظ عینی حنفی شارح بخاری اور مقری مالکی مصنف فتح المتعال اور سعنھوری شافعی بھی ہیں۔ کراہت اور جواز کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قبر کو بوسہ دینا نیت پر منحصر ہے اور تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ سعنھوری نے کہا کہ طیب التاثری نے محب طبری سے نقل کیا ہے کہ قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور یہ عام صلحاء کا طریقہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے جیسا کہ کفایۃ الشعبی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنت کی چوکھٹ اور حور کو بوسہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور والد کے ماتھے کو بوسہ دو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میرے والدین نہ ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ کہا اگر میں ان کی قبریں نہیں جانتا تو؟ فرمایا دو لکیریں کھینچ کر یہ نیت کرو کہ یہ ایک میری ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی اور ان کو بوسہ دو تو حانث نہ ہوگا۔ جیسا کہ مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور میں ہے۔''

صدر الافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: یہ روایت مخالفین کے مقبول ومسلم پیشوا مولوی عبد الحئ صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔[1]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے۔ واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک۔۔۔ فھو حسن محمود ''مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔''[2]

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضور ﷺ کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔[3]

امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا: واذا رأی قبور الصالحین قبلھا۔

---

[1] (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۴۱۲ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

[2] (ص ۲۴۱ جلد ۹ مطبوعہ بیروت لبنان)

[3] (خلاصۃ الوفاء بمحبوب مدینہ ص ۴۶)

ترجمہ : جب بزرگوں کے مزارات دیکھتے تو انہیں چومتے۔[1]

شرح الالیاس جلد ثالث صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے : قوله وكره تقبيل فم الرجل الخ قال الفقيه ابو الليث القبلة على خمسة اوجه قبلة تحية وهي قبلة على اليد و قبلة رحمة وهي قبلة الابوين للولد على الخد وقبلة شفقة وهي قبلة الولد للابوين وفي الحديث الجنة تحت اقدام امهاتكم روىٰ ان رجلا جاء الى النبي ﷺ وقال انا حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وحور العين فامر النبي ﷺ ان تقبل رجل الام وجبهة الاب او يروى انه قال يا رسول الله ﷺ ليس لي ابوان فقال قبل قبر هما ثم قال لم اعرف قبر هما قال خط خطين وانوِ احدهما قبر الاب والأخر قبر الام وقبلة المودة وهي قبلة الاخ للاخ والاخت على الجبهة وقبلة الشهوة وهي قبلة الرجل للزوجة، ابو المكارم۔

فتاویٰ عالمگیری (الباب السادس عشر في زيارة القبور وقرأة القرآن في المقابر) میں ہے : ولا بأس بتقبيل قبر والديه۔[2]

وکیل الاحناف ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، الفصل الثانی، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں : لا بأس بتقبيل قبر والديه۔

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، صاحب قمر الاقمار شرح نور الانوار، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ﷺ میں لکھا ہے : والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ مجمع البرکات میں بھی ہدایہ کی شرح ''عینی'' سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ ''مطالب المؤمنین'' میں ہے کہ اپنے والدین کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی وجہ ''کفایۃ الشعبی'' میں منقول یہ روایت ہے : ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ! میں نے جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حسین آنکھوں والی حور کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ کے پاؤں اور اپنے والد کی پیشانی کا بوسہ لے لے۔ اور مروی ہے کہ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اگر میرے والدین موجود نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا : ان کی قبر کا بوسہ لے لو۔ اس نے کہا اگر ان کی قبر کی شناخت مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم دو لکیریں کھینچ لو اور نیت کر لو کہ ان میں سے ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی قبر، اور پھر چوم لو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ (مغفرۃ الذنوب فی زیارۃ القبور)۔

شفا شریف جلد ۲، صفحہ ۷۰ میں ہے : كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ يَجْلِسُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلٰى وَجْهِهٖ اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشْرُوْعِيَّةِ تَقْبِيْلِ الْاَرْكَانِ جَوَازَ تَقْبِيْلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعَظْمَةَ مِنْ اٰدَمِيٍّ وَغَيْرِهٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيْلِ مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَقْبِيْلِ قَبْرِهٖ قَالَ فَلَمْ يَرَ بِهٖ بَاْساً وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ اَبِي الصِّنْفِ الْيَمَانِيِّ اَحَدُ عُلَمَاءِ مَكَّةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَقُبُوْرِ الصَّلِحِيْنَ ملخصاً۔

ترجمہ : جس منبر پر حضور ﷺ خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے : قرآن کریم، حدیث کے اوراق اور بزرگان دین کی قبروں کو چومنا جائز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : استنبط بعض العارفين من تقبيل الحجر الاسود تقبيل قبور

---

[1] (مزارات کو چومنا ص ۷-۸، مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی، بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق ص ۶۷۵، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی)

[2] (فتاویٰ عالمگیری، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱)

الصّلحین۔ یعنی حجرالاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے، نہ حرام ہے، نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے اور اس کے بارے میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں: امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں: حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ قَالَ ثُمَّ اَقْبَلَ مَرْوَانُ یَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَهْلُهٗ وَلٰکِنْ اُبْکُوْا عَلَیْهِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَهْلِهٖ۔

ترجمہ: ''حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی کو قبرِ انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا متولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا متولی نااہل ہو۔''[1]

امام محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں: فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَاَخَذَ بِرَقَبَتِهٖ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَهْلُهٗ وَلٰکِنْ اُبْکُوْا عَلَیْهِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَهْلِهٖ۔

هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔ ''تو اس نے ایک آدمی کو (حضور اکرم ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نااہل ہو۔''[2]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهٗ عَلَی الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضور ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔[3]

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر) (تاریخ مدینۃ دمشق ج ۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج ۵ ص ۴۱۸ رقم الحدیث ۸۷۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۹۳۶۲ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ مصر)

[3] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اھلھا ج ۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

رواہ احمد بسند حسن۔[1]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: قال عبد اللہ بن احمد رأیت ابی یاخذ شعرۃً من شعر النبی ﷺ فیضعھا علی فیہ یقبلھا و احسب انی رایتہ یضعھا علی عینہ و یغمسھا فی الماء و یشربہ یستشفی بہ و رایتہ اخذ قصعۃ النبی ﷺ فغسلھا فی جب الماء ثم شرب فیھا و رایتہ یشرب من ماء زمزم یستشفی بہ و یمسح بہ یدیہ و وجھہ۔ قلت این المتنطع المنکر علی احمد و قد ثبت ان عبد اللہ سال اباہ عمن یمس رمانۃ منبر النبی ﷺ و یمس الحجرۃ النبویۃ فقال لا اری بذلک باسا اعاذنا اللہ و ایاکم من رای الخوارج و من البدع۔ ''امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک سے ایک مو (بال) لے کر اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک اپنی آنکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لئے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے ابا جان کو دیکھا کہ آپ نے آقائے دو عالم ﷺ کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لئے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے کلام کو منع کرنے والا ہے؟ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی ﷺ کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتیوں سے۔ (آمین)۔[2]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ان بلالاً رأی النبی ﷺ فی منامہ و ھو یقول ما ھذہ الجفوہ یا بلال اما آن لک ان تزورنی فانتبہ حزینا و رکب راحلتہ و قصد المدینۃ فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ و یمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن و الحسین فجعل یضمھما و یقبلھما۔۔۔

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ پس جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا اور دونوں کو بوسہ دیا۔[3]

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ و یمرغ وجھہ علیہ۔ ''حضور ﷺ کی قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔''[4]

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

[2] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موسۃ الرسالۃ بیروت)

[3] (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) (شفاء السقام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[4] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں :

''حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔''[1]

امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں : محب طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں محمد بن ابی صیف رحمہ اللہ سے کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔[2]

مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت جلد اول صفحہ ۲۲۹ (از افادات حضرت علامہ ومولانا امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مناظرِ اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد) میں لکھا ہے : قبروں پر قبہ بنانا، پھول چڑھانا، بوسہ لینا اور غلاف قبر پر ڈالنا یہ سب جائز ہے۔ چنانچہ سنن ابن داؤد میں قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے : ''قال دخلت علیٰ عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فکشف لی ثلثۃ قبور ۔۔۔ الحدیث'' یعنی قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علی صاحبہ التحیۃ والصلوۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولئے ہمارے سردار سید الابرار ﷺ کے مزار اقدس کو اور آپ ﷺ کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ (یعنی غلاف) پڑا ہوا تھا۔ ان کو اٹھایا اور طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے : ''وتقبیل بغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم واستحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی اباحہ مطلقاً''

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھا ہے : ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین۔''

نہایہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی کیونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی۔ فقط اصل الالفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

علماء دیوبند کا معتبر شیخ الحدیث علامۃ العصر مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری میں حجر اسود کے بارے میں لکھتا ہے : ان تقبیلہ ثابت شرعاً، فلیکن أصلا لتقبیل تبرکات الصالحین، وقبل عمر بن عبد العزیز المصحف، وأباح أحمد تقبیل الروضۃ المطھرۃ، وتحیر منہ الحافظ ابن تیمیۃ، فانہ لا یجوز عندہ۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے صالحین کی تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

---

[1] (الجوھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو، ص ۱۰۴)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

مصحف کو بوسہ دیا۔اور امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے روضہ مطہرہ کو بوسہ دینے کو جائز کہا۔حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ اس کے نزدیک جائز نہیں۔[1]

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۲۱ھ) لکھتے ہیں : ان قصد بتقبیل اضر حتھم ای و اعتابھم التبرک لم یکرہ۔ ''اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔''[2]

علامہ عبد الحمید شروانی شافعی (م ۱۳۰۱ھ) لکھتے ہیں : ان قصد بتقبیل اضر حتھم التبرک لم یکرہ۔ ''اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔''[3]

مشارق الانوار میں ہے : و لا یقبل الاعتاب الا لقصد التبرک فلا بأس بہ کما قال القطب الشعرانی۔ ''اور چوکھٹوں کو نہ چوما جائے مگر برکت کے حصول کے ارادہ سے۔ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔''[4]

حضرت عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کئی سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرماتے ہیں : و اما تقبیل توابیت الاولیاء و اعتابھم فلا خلاف فی جوازہ بل و لا کراھۃ فی تقبیل اعتابھم علی قصد التبرک کما افتیٰ بہ شیخنا الرملی۔ (الیٰ اخرہ) قالہ الشیخ الامام العلامۃ محمد الشوبری المصری الشافعی ثم الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کتابہ جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار ثم شواھد الحق۔

''رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور انکی چوکھٹوں کو بوسہ دینا، تو اس کے جواز میں اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ بطور تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے، جیسے کہ شیخ رملی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شوبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں، یہ امر بالکل واضح وظاہر ہے اور محتاجِ دلیل نہیں ہے۔''[5]

کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہوسکتی ہے یا منکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحثہ شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔[6]

زاد الفقیہ میں صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے : و لا بأس بتقبیل قبر والدیہ، کذا فی الغرائب۔ یعنی کوئی حرج نہیں کہ والدین کی قبر کو چوما جائے۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

و نقل عن ابی الصیف و المحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین و عن اسمٰعیل الیمنی قال کان ابن المنکدر یصیبہ الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبر النبی ﷺ فعوتب فی ذٰلک فقال انہ یستشفی بقبر النبی ﷺ۔

علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہوجاتا اور وہ بولنے سے قاصر ہوجاتے تو آکر نبی کریم ﷺ کے مزار اقدس پر اپنا

---

[1] (فیض الباری، ج ۳ ص ۹۶، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

[2] (حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب ج ۱ ص ۴۹۶-۴۹۵ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

[3] (حواشی الشروانی علی تحفۃ المنہاج بشرح المنہاج، ج ۳، ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (مشارق الانوار ص ۱۰۴، مطبوعہ مصر، شواھد الحق ص ۹۶، المقاصد السنیۃ ص ۴۴۴)

[5] شواھد الحق ص ۹۶

[6] (مقاصد السنیۃ ص ۴۳۷)

رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا ﷺ کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ مخالف جس نیک کام کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نیک کام اور زیادہ اہتمام سے ہونے لگتا ہے۔مخالفین نے مزارات کو جانا شرک اور اولیاء وانبیاء کی قبور کو چومنا حرام کہا ہے،لہٰذا عاشقانِ رسول ﷺ نے مزارات پر جانے اور قبور کو تبرکاً چومنے کا خوب اہتمام کیا۔ویسے بھی فقہاء کرام نے قاعدہ وضع کیا ہے کہ جس نیک کام کی کوئی مخالفت کرے تو اس کام کو خوب اہتمام سے کیا جائے اور منکرین کو جلایا جائے۔مثلاً جس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود ہوں،ادھر گائے کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے ہندو کو جلانے کے لئے۔اور جیسا کہ فتاوی درمختار کتاب الطھارۃ میں ہے :والتوضی من الحوض افضل من النھر رغما للمعتزلہ۔''اور نہر کی بنسبت حوض سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے گمراہ فرقہ معتزلہ کو جلانے کے طور پر۔''[1]

اس قول کی وضاحت فتاویٰ شامی میں اس طرح ہے :أی لأن المعتزلة لا یجیزونه من الحیاض فنرغمهم بالوضوء منها۔'' چونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کرنا جائز نہیں جانتے تو ہم انہیں حوضوں سے وضو کر کے جلائیں گے۔'' [2]

فتاویٰ بزازیہ للکردری میں ہے :والتوضی من الحوض افضل من التوضی بالجاری رغما للمعتزلة۔

ترجمہ :اور حوض سے وضو کرنا جاری پانی سے وضو کرنے کی نسبت افضل ہے معتزلہ فرقہ کو جلانے کے طریقہ پر۔[3]

معلوم ہوا کہ جن شرعی امور سے بدمذھب خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ جبریہ منع کریں ان امور کو زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے۔اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہمارا رسالہ تحفة الابرار فی تقبیل المزار کو رجوع کرے،ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

اللھمّ اغفر لقارئه ولکاتبه ولسامعه ولناظره ولحافظه ولمصححه وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم والاموات من الذّنوب الصّغائر والکبائر کلّها بحقّ لا اله الّا الله محمّد رّسول الله وبحقّ الانبیاء والمرسلین والاولیآء الکاملین خصوصًا صاحب الوقت قیّوم الزّمان قطب الارشاد نائب مناب الرّسول الامین ﷺ سیّدی مرشدی اخندزاده سیف الرّحمٰن نوّر الله مرقده و جعل الجنّة مثواه ورفع الله تعالیٰ درجاته فی اعلیٰ علیین واوصله الله تعالیٰ الیٰ اقصی الغایات ونهایة النهایات والیٰ اقصیٰ ما یتمناه وافاض الله علی وعلینا وعلیٰ سائر المسلمین من فیوضاته وبرکاته وتوجهاته وتصرفاته الکریمة بعد الوصال۔ آمین بجاه حبیبه ﷺ وبکرمک یا اکرم الاکرمین وبرحمتک یا ارحم الرّاحمین وصلّی الله علی خیر خلقه محمّدوّ اله واصحابه اجمعین الطّیّبین الطّاهرین وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

حرّره :فقیر سیّد احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی سواتی،

(۴۲)﴿باب نمبر بیالیس مسئلة الاشارة بالسبابة﴾

حمد وصلوٰۃ کے بعد اولیاء کرام کا خادم فقیر سید احمد علی شاہ عرض پرداز ہے کہ استدلال کرنے والا مجتہد ہوگا یا مقلد اگر مجتہد ہوگا تو وہ استدلال کرے گا قرآن مقدس سے یا سنت رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصول فقہ

---

[1] (فتاوی درمختار ج ا ص ۱۲۴،کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

[2] (فتاوی درمختار ج ا ص ۱۲۴،کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

[3] (الفتاوی البزازیہ ج ا،بہامش من الفتاوی الھندیۃ الجزء الرابع ص ۷،مطبوعہ دار احیاء التراث العربی،بیروت لبنان)

شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہوگی جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے ص ۱۱ میں اپنے اس قول میں کہا ہے۔ ''واما المقلد فمستنده قول مجتهده۔الخ۔''

ترجمہ :اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہوگا۔

شرح طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۶۵ کے مؤلف لکھتے ہیں ولذا کان دلیل المقلد هو قول المجتهد الخ ایضا۔[۱] میں بھی ایسا ہی ذکر ہے۔(ترجمہ) اور اس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے پس جاننا چاہئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا قول وہ نص سے ہوگا اور وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کا دوسرا نص معارض ہوگا کہ یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہوگی یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہوگا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا ہوگا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں

ولذا كان دليل المقلد هو قول المجتهد لا النصوص اذا استخراج الاحكام منها ليس الا منصب المجتهد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقهاء يؤخذ بقول الفقهاء اذا يحتمل كون النص اجتهاديا وله معارض قوى وتاويل وتخصيص وناسخ وغيرها مما يختص بمعرفته المجتهد وان ذالک كالرائے فی مقابلة النص الخ۔[۲]

ترجمہ :اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابلہ نص میں واقع ہو۔''

اور اسی مؤلف بریقہ نے ذکر کیا ہے :وكان احتجاج المعترض بالحديث كان رايا فی مقابلة النص وترجيح المرجوح على الراجح وقد كان دليل المقلد هو قول من قلده لا غير وان الاحتجاج هو منصب الاجتهاد۔الخ۔[۳]

''اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور رائے نص کے مقابل میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہوگی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج اجتہاد کے قبیلہ سے ہے۔

آگے لکھتے ہیں ''وان ادلة المقلد ليست الا قول المجتهد ولهذا اذا ظهر التعارض بين اقوال الفقهاء وبين آيات

---

[۱] (ج ۱ ص ۲۵۴، ج ۱، ۱۴۷، ج ۱۰۱۲)

[۲] (بریقۃ، ج ۱ ص ۶۵)

[۳] (بریقۃ، ج ۲ ص ۱۰۱) وایضا، ج ۱، ۱۴۷، ۹۱

و حدیث فیقدم قول الفقهاء لان معرفة علی وجه التحقیق لمجتهد فلعل لتلک الآیة مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخًا اطلع علیه المجتهد و لم تطلع انت الخ۔[1]

اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیت و حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھو گے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہ آیت معارض ہوگی یا مخصص یا اس میں تاویل ہوگی یا اس کے لئے ناسخ ہوگی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہوگی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو" اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔" و من شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامه الخ"

مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

اور اسی بات کو امام شعرانی اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھتے ہیں۔"فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتهد الی ان قال و کذالک یجب علیه الاعتقاد الجازم بان ذالک الامام علی هدی من ربه فی ذالک"[2]

تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے اور اس طرح اس پر پختہ یقین واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے"فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک الخ"

تو اے میرے بھائی ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تو واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے اور اسی بات کو مؤلف تفسیر احمدی لکھتے ہیں" و لیس للمقلد ان ینازع المجتهد فی حکمه الخ۔[3]

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے اور کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولو الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے شارع علیہ السلام کی طرف خطا کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔

اور اسی بات کو صاحب میزان شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" میں یوں لکھا ہے"لا ینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتهد ااو یطعن فی کلامه لان الشرع الذی هو حکم الله تعالیٰ قد قرر حکم المجتهد فصار شرع الله تعالیٰ بتقریر الله تعالیٰ ایاه فکل من خطأ مجتهدا بعینه فکانه خطأ الشارع فیما قرره حکماً الخ"[4]

کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرع اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پا گیا تو یہ

---

[1] (بریقص ۲۵۴ ج ۱)

[2] (میزان الکبریٰ ص ۵۹ ج ۱)

[3] (تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۹)

[4] (میزان الکبری ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ کی تقریر سے شرع اللہ کا ہوا خاص اس کے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاء وار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔

اشارہ بسبابہ تشہد میں تحقیق

جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک کے علماء کرام اس مسئلہ ''اشارہ'' میں مختلف ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اشارہ سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس وجہ سے دونوں میں افراط وتفریط ہوئی ہے وہ ایسا ہے کہ اشارہ شہادت کی انگلی سے. بہت سی احادیث اور بے شمار روایات میں مختلف کیفیات کے ساتھ وارد ہے تو اس وجہ سے مذاہب ثلاثہ کے علماء اس کی سنت کی طرف گئے ہیں لیکن امام اعظم کو فی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً یا ان احادیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یا بوجہ اختلاف جو کہ متن میں واقع ہے جو موجب ہوا اضطراب کا جو توقف کو مؤجب بناتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں تو کتب ستہ (للامام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) جو مسمی ہیں ظاہر المذہب اور ظاہر الروایۃ کے ساتھ تو یہ اشارہ شہادت کی انگلی کے ساتھ تعرض سے خالی ہیں اور متون جو وضع کئے گئے ہیں مذہب کے نقل کرنے میں وہ بھی خالی ہیں اور اس بات سے کہ اشارہ سنت ہے۔ یہ کوئی اعتراض نہیں کرسکتا کہ ظاہر الروایت کی کتابیں جب ساکت ہیں اشارہ شہادت کی انگلی سے تو یہ نفی اشارہ کے لئے دلیل کس طرح ہوسکتی ہیں؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ علماء اصول فقہ نے اقسام بیانات میں ذکر کیا ہے کہ حاجت کی جگہ سکوت بیان کے لئے بیان ہے۔ جیسا کہ شفیع کا ساکت ہونا علم البیع کے وقت شفع کی طلب سے تو یہ دلیل تسلیم کی ہے اور صاحب شرع کا ساکت ہونا جس وقت وہ دیکھے اور اس کی طاقت اس کے منع پر بھی ہو اور یا حکم بھی دے سکتا ہو تو یہ دلیل ہے کہ وہ کام جائز ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ثبوت اشارہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول نہیں ہے لیکن ثابت ہوا صاحب اشارہ سے تو مؤمن کے لئے جائز ہے کہ وہ اعتراض کرے عما ثبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو یہ کام مجتہد کا ہے اور ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے استخراج کی طرف ان کی طرح اور مجتہد کی دلیل کتاب وسنت اجماع صحابہ اور قیاس ہے۔ اور جو مقلد ہے دلیل اس کی مجتہد کا قول ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم ومقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا ہے۔ وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناخذ هذا قولی وقول ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه کہ ہم حضور ﷺ کے کرنے سے اس پر عمل کرتے ہیں یہ میرا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے لیکن یہ روایت ظاہر الروایت میں مندرج نہیں ہے تو انکی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے نہ کہ روایت پر۔

محقق ابن عابدین شامی نے فرمایا ہے ''کل ما یخالف ظاهر الروایة فهو دلیل رجوع الامام عنه فلا ینبغی ان یفتی به وان العمل والافتاء بالاقوال الضعیفة والروایات المرجوحة جهل وخرق الاجماع۔

جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اس پر فتویٰ دے کیونکہ عمل اور افتاء دینا اقوال ضعیفہ اور مرجوحہ روایات پر اجماع کو توڑنا ہے تو احناف کے معمولات میں سے یہ ہے کہ وہ عدم اشارہ پر

فتویٰ دے کیونکہ مقلدین کی کتب مختلف ہیں اشارہ کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں لیکن اشارہ کی ممانعت فتویٰ مضبوط کے ساتھ پیوست ہے ۔دیکھو فتاویٰ عالمگیری وہ لکھتے ہیں ''نقلاً عن الخلاصة وعليه الفتوىٰ كذا فى المضمرات ناقلاً عن الكبرىٰ وكثير من المشائخ لا يرون الاشاره۔[1] وقال فى درالمختار ''الاعتماد على ما عليه الجم الغفير المختار انه لا يشير وهو المختار''[2]

خلاصۃ الفتاوی سے نقل کرتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے وہ کبریٰ سے نقل کرتے ہیں اور زیادہ مشائخ اشارہ نہیں کرتے تھے اور شامی میں ہے کہ جم غفیر کا اعتماد اس پر ہے کہ وہ اشارہ نہیں کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے پسند کی ہے ۔

اور ایسا ہی فتویٰ غوثیہ میں اشارہ کے نہ کرنے کو مختار کہا ہے ۔وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ (انگلی) سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں ۔[3]

فتاویٰ قاضی خان سراجیہ ص ۱۱ نے مکروہ کہا ہے اور شیخ بدالدین سرہندی نے اس کو مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں حرام اور منع لکھا ہے ۔

اگر ان دونوں روایتوں کو برابر تسلیم کیا جائے تو بھی اشارہ کا ترک کرنا بہتر ہے[4] کے اس قول کے مطابق اذتردد الحكم بين السنة والبدعة كان ترك السنة اولىٰ ۔جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے اور بہتر بیان مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ربانی کا ہے ۔[5]

(نوٹ) حدیث اشارہ خبر واحد ہے اور خبر واحد علماء اصول کے نزدیک مشروط ہے دس شرائط پر پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عام حادثہ کے مخالف نہ ہوگی اور اشارہ کے اثبات والی حدیث عام حادثہ کے مخالف ہے پانچ وقت نماز کے لئے ہر وقت حاضر ہونا ضروری ہے اور دوسرے ساتھی بھی حاضر ہوتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے یہی بات شرح العقائد نے لکھی ہے ۔[6] اور اشارہ اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام مضطرب ہیں بغیر امکان توفیق کے اور مضطرب کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہ احادیث موقوف العمل ہیں تو ایسا ہوا کہ اس دنیا میں یہ احادیث موجود نہیں ہیں ۔

''وان وقع فى الاسناد او المتن اختلاف من الرواة بتقديم وتاخير او زيادة ونقصان او ابدال راوٍ مكان راوٍ آخر او متن مكان متن او تصحيف فى اسماء السند او اجزاء المتن او باختصار او حذف ومثل ذالك فالحديث مضطرب الخ''

مقدمة المشكوة لشيخ عبدالحق الدهلوى (ص ۲) فان امكن الجمع فبها والا فالتوقف۔[7]

(ترجمہ) اگر اسناد یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو یا اس کی تقدیم یا تاخیر یا زیادت و کمی یا ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی یا متن کی

---

[1] (فتاوی عالمگیری ص ۷۴ ج ۱)

[2] (خلاصہ ص ۵۵ درالمختار ص ۸۰ ج ۲)

[3] (شرح الیاس ص ۱۲۸، ج ۱)

[4] (درالمختار ج ۱ ص ۴۵۰)

[5] (ج ۲ ص ۲۱۶ مکتوبات)

[6] (ص ۸۱، ۴۴)

[7] (مقدمۃ الشیخ المذکور)

جگہ متن یا اسماء السند میں تصحیف یا متن کے اجزاء میں یا اختصار وحذف میں یا ان جیسا تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے مقدمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہی بات لکھی ہے اور اگر دونوں کا اکٹھا ہونا مناسب ہو تو ٹھیک ہے اگر دونوں کو اکٹھا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر اس میں توقف ہے۔

اضطراب کی وجوہات

پہلی وجہ: قبض اصابعه كلها (الحديث)[1] تمام انگلیوں کو بند رکھے۔

دوسری وجہ: وقبض ثنتين وحلقه (الحديث)[2] یعنی دو انگلیوں کو بند رکھے اور باقی انگلیوں سے حلقہ بنائے۔

تیسری وجہ: ترپین کا عقد بنائے۔[3]

چوتھی وجہ: تئیس کا عقد بنائے۔[4]

پانچویں وجہ: مدمر فقه الايمن على فخذه اليمنىٰ۔[5] دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر۔

وضع كفه اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ[6] دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا۔

چھٹی وجہ یہ ہے وضع ابهامه على اصبعه الوسطى۔[7]

انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھنا۔

ساتویں وجہ یہ ہے يحرکها[8] کہ اس سبابہ انگلی کو ہلائے۔اس میں اثبات دوام تجددی حرکت ہے۔ لا يحرکها۔[9] کہ اس انگلی کو نہ ہلائے اس حدیث میں نفی دوام تجددی حرکت ہے اور ان وجوہات کی بنا پر ان روایات کی موافقت ممکن نہیں ہے۔مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکم کیا ہے کہ اشارہ بسبابہ کی تمام احادیث مضطرب ہیں۔[10]

مولانا بحر العلوم عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہ الاخوان میں لکھا ہے کہ اشارہ کے بارے میں احادیث تشہد میں مشکوٰۃ شریف ص ۸۵ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور وائل بن حجر اور پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فصل ثانی اور نافع سے مختلف روایات ذکر ہیں اور کیفیت اس کی پانچ یا سات طور ہیں تو تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ میں فرمایا گیا

---

[1] (حدیث ابن عمر موطاء امام مالک ص ۹۶ وموطاء محمد ص ۱۰۸)

[2] ابوداؤد، دارمی ثم مشکوٰۃ ص ۷۷)

[3] (حدیث ابن عمر و مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[4] (حدیث ابن زبیر مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[5] (الحدیث حدیث وائل بن حجر ابو داؤد، دارمی، مشکوٰۃ ص ۷۷)

[6] (موطاء امام مالک ص ۹۶ و موطاء امام محمد ص ۱۰۸)

[7] (حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ابن ماجہ والمشکوٰۃ ص ۷۷)

[8] (حدیث وائل بن حجر ابو داؤد دارمی مشکوٰۃ)

[9] (ابن زبیر ابوداؤد، نسائی مشکوٰۃ ص ۷۷)

[10] (مکتوبات ص ۳۱۲)

ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''قال الحمیدی قولہ و انما یوخذ بالآخر فالاخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذا لفظ البخاری و کذا فی البخاری (ص ۹۶) حمیدی نے فرمایا اس کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری فعل سے اخذ کیا جاتا ہے اور وہ آخری فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو یہ بخاری کے الفاظ ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے ''ان الذی یجب بہ العمل ھو ما استقر علیہ آخر الامر من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما کان قبلہ من ذالک مرفوع الحکم وھو الذی ذھب الیہ ابو حنیفہ والشافعی والثوری وجمھور السلف رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔[1]

''وعمل کردہ نمی شود مگر بہ آخر پس از فعل پیغمبر کہ ناسخ فعل اول است''

و کذا ص ۲۱۹ عمدۃ القاری للعینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الجزء الخامس''۔ وہ جس پر عمل واجب ہے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری حکم ہے اور اس سے جو پہلا حکم ہو اس کا حکم اٹھایا جاتا ہے اور اس بات کی طرف امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام ثوری اور جمہور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم گئے ہیں اور اشعۃ اللمعات میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے کہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل پر ہوگا اور وہ فعل اول کا ناسخ ہے ایسا ہی عمدۃ القاری میں ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں تو اس وجہ سے فقہاء اور اکابرین کے درمیان اشارہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو مکروہ کہتے اور بعض اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاویٰ اور عتابیہ و بزازیہ و تارتارخانیہ و جامع المضمرات وغیرہ میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۵۸ میں ذکر ہے کیا گیا ہے ''والمختار انہ لا یشیر وعلیہ الفتویٰ و کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ و کرھھا کذا فی التبیین''

مختار یہ ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت نہیں جانتے تھے اور اس کو مکروہ جانتے تھے ایسا ہی تبیین میں لکھا ہے تو یہ اختلاف کیفیت اشارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ہے اور ایسا ہی اختلاف اکابر علماء سے کیفیت کے بارے میں ہے تو تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لئے کہ صلوۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عام ہے اور حادثہ بھی عام ہے اور ہر صحابی کی روایت میں کیفیت کی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

قال فی فصول الشاشی ''ومن صور مخالفتہ الظاھر عدم اشتھار الخبر فیما یعم بہ البلویٰ فی الصدور الاول والثانی فاذا لم یشتھر الخبر مع شھرۃ الحاجۃ وعموم البلویٰ کان ذالک علامۃ عدم صحۃ (ص ۷۷) فصول الشاشی وھو مختار ابی حسن الکرخی من اصحابنا المتقدمین وھو مختار المتاخرین منھم۔[2]

فصول شاشی میں ہے ظاہر کی مخالفت کی شکل یہ ہے کہ جہاں عام بلویٰ ہو اور خبر کی شہرت نہ ہو پہلے اور دوسرے زمانوں میں اور جب سخت حاجت اور بلویٰ کے ساتھ بھی خبر کی شہرت نہ ہو تو یہ عدم صحت کی علامت ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ ابی الحسن کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی متقدمین میں سے مختار روایت ہے۔ اور متأخرین میں سے بھی یہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی مولوی علی الحسامی ص ۲۹۱ نے لکھا ہے ''حتی لو کان ورودہ فیما یعم بہ البلوی یعنی ورود الخبر الواحد لا یقبل لان خبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیما بہ البلویٰ لو یقتصر علی

---

[1] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۲۶ حاشیہ ص ۲) و کذا قال اشعۃ اللمعات (ترجمہ مشکوۃ ج ۱ ص ۴۸۸)

[2] (فصول الشاشی ص ۲۷۲)

مخاطبۃ الاحاد بل یلقیہ الی عددٍ قد یحمل بہ التواتر فی الشیاعۃ یشتھر علم انہ سھو او منسوخ"[1]

یہاں تک کہ عموم بلویٰ میں وہ وارد ہو یعنی خبر واحد کا ورود ہو تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اس معاملہ میں جہاں بلویٰ ہو تو خبر واحد پر اقتصار نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ کئی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ جن کے شائع ہونے میں تواتر حاصل ہو اور انکا جاننا مشہور ہو تو وہ یا سہو میں سے ہوگا یا منسوخ ہوگا۔

اختلاف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اشارہ کی کیفیت کے بارے میں ثبوت ہوا خبر واحد کے لئے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اگر بعض صاحبان یہ کہیں کہ تعدد خبر واحد میں نقل کے طریقہ سے یہ شہرت پیدا کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ خبر واحد میں تعدد خبر کو مشہور بنا دیتا ہے لیکن جب کیفیت واحدہ میں ہو اور جب کیفیت مختلف ہو اور وہ احادیث مذکورہ کیفیت میں مختلف ہو تو ہر ایک کیفیت اپنے ہاں الگ الگ خبر واحد بنا اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے تو ثابت ہوا اشارہ کا ترک ہونا۔

تو مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات حصہ اول میں لکھا ہے "بحث الاشارۃ فعلی المنکرین ان یطالعھا" اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے جیسا کہ قول خلاصہ کیدانی ہوا "والاشارۃ بالسبابۃ ای حرام" یعنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرنا حرام ہے "کاھل الحدیث الذین لا یفرقون بین الناسخ والمنسوخ والراجح والرجوح ویغفلون من المعنی الفقھی فیقع لھم الغلط کثیرا"۔

یعنی اہل حدیث وہ ہیں جو فرق نہیں کرتے ناسخ اور منسوخ کے درمیان یعنی اشارہ کی احادیث منسوخ ہیں یا مرجوح ہیں اور عمل مرجوح یا منسوخ پر حرام ہے جیسا کہ علامہ شامی نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا معنیٰ اہل حدیث کا یہ ہے کہ وہ فقہ کے معنیٰ سے غافل ہیں یعنی علت کو نہیں جانتے اور اشارہ کی علت ابتداء اسلام میں یہ تھی کہ اعتقاد کے ساتھ اور زبان سے اور اعضاء سے توحید کی طرف اشارہ کیا جائے اب اسلام مضبوط ہے تو اس کی حاجت نہیں اور ابتداء اسلام میں نماز کے اندر سلام اور کلام جائز تھا تو اشارہ بھی ثابت تھا اب سلام کلام منسوخ ہے تو اشارہ بھی منسوخ ہے تو ضد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم حق کو دیکھیں گے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ملا علی قاری نے خلاصہ کیدانی پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ صاحب خلاصہ کیدانی نے اپنی کتاب میں ایک بات ذکر کی ہے جیسا کہ ڈھول میں آواز پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کو حرام کہنا ناجائز ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صاحب خلاصہ کیدانی کی بے ادبی ہے اگر خلاصہ کیدانی معتمد کتاب نہ ہوتی تو میر سید السند الجرجانی اس پر شرح کیوں لکھ دیتے اور دوسری کتاب یعنی شرح علامہ تفتازانی کی نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور اس نے خلاصہ کیدانی کی شرح لکھی ہے کہ اس کا نام سعدیہ شرح خلاصہ کیدانی ہے اور ان دونوں علماء نے اس مسئلہ کا رد نہیں لکھا ہے اور دوسری بات حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو حرام کہنا نسخ کے بعد ہے اور یا ترجیح کے بعد ہے نہ کہ مطلق اگر آیت منسوخ ہو جائے تو اس پر بھی عمل کرنا حرام ہے اور فقہ کی بہت سی کتابوں میں مکروہ اور حرام بھی کہا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا ہے "قیل یشیر وقیل لا یشیر والمختار لا یشیر" کسی نے کہا ہے کہ اشارہ کیا جائے اور کسی نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے لیکن مختار یہ ہے کہ اشارہ سبابہ انگلی سے نہ کیا

---

[1] (مولوی شرح حسامی ص ۲۹۰ حاشیہ ۱، وکذا ص ۹۱)

جائے۔اور فتاویٰ عالمگیری چارسوعلماء نے اتفاق سے مرتب کیا ہے اور آٹھ سال میں مرتب ہوئی اور اس وقت اس پر دولاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور بہت سے فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اشارہ نہ کرے جیسا کہ صاحب تنویر الابصار نے لکھا ہے ''ولا یشیر بالسبابۃ عند التشھد وعلیہ الفتویٰ''[1]

تشہد کے وقت سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کریں اور اسی پر فتویٰ ہے۔جامع الرموز میں بھی لکھا ہے کہ''اشارہ نہیں کرنا چاہئے اسی پر فتویٰ ہے۔''

صاحب واقعات نے لکھا ہے:''ان الاشارۃ حرام'' بے شک اشارہ حرام ہے۔وعلیہ الفتویٰ اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب غرائب نے بھی لکھا ہے ''والصحیح ان الاشارۃ حرام''کہ صحیح یہ ہے کہ بے شک اشارہ حرام ہے۔

''محیط میں بھی لکھا ہے کہ''اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ'' خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے ''المختار انہ لا یشیر''مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے۔

فتاویٰ غیاثیہ میں بھی لکھا ہے ''ولا یشیر بالسبابۃ عند التشھد وھو المختار وعلیہ الفتویٰ'' تشہد میں سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کرے یہ قول مختار ہے۔

تارتارخانیہ میں لکھا ہے کہ''اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے''۔

زاھدی میں لکھا ہے ''لا یشیر وعلیہ الفتویٰ''

مفاتیح الجنان میں بھی لکھا ہے ''لا یشیر وعلیہ الفتویٰ''

منظومہ نامی کتاب میں لکھا ہے ''ولا شک فی تحریمہ'' کہ اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ اشارہ کرنا نماز میں منع ہے مذہب حنفی میں اب اگر کوئی امام صاحب کا مذہب چھوڑ دے تو امام صاحب قیامت کے دن اس کو گلے سے پکڑیں گے کہ تم نے میرا مسلک کیوں چھوڑ دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ''من اشار بالسبابۃ فھو مِن الخاطئین''[2]

جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیا تو وہ خطا کاروں میں سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء حضرت ابو بکر صدیق،حضرت عمر فاروق،حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔

ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیا ہے اگر یہ زیادہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اشارہ نہیں فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفا ہوتا ہے تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفا ہوتا ہے نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر اور

---

[1] (تنویر الابصار والدر المختار ج ۱ ص ۴۴۲ ھندیہ ج ۱ ص ۱۵۰،بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴،شبلی ج ۱ ص ۱۲۱)

[2] (بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص ۳۴)

شیطان کو اس پر بھی خفا کیجئے کہ اشارہ کو ترک کر دو اور تہجد سے بھی اس کو خفا کیا جائے نماز اشراق پر نماز ضحیٰ پر اور کم کھانے پر بھی خفا کرو اور سنت کے بعد دعاء پر بھی اس کو خفا کرو۔اس طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء اور عمامہ پر اس کو خفا کرو تو ان میں سے کوئی بھی کام نہ کریں گے اور منکر کے زعم میں کہ شیطان اس کے کرنے پر خفا ہوتا ہے یہ پہلے کی بات ہے کہ ابتدا اسلام میں وہ خفا ہوتا تھا لیکن جب اشارہ منسوخ ہوا تو اب اس کے کرنے پر خوش ہوتا ہے۔

تو میرے بھائی جب امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کوئی کام نہیں کیا ہو اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی چھوڑ دیا ہو تو اگر یہ اشارہ سنت ہوتا تو یہ حضرات کرتے اور یہ بھی کسی کو گمان نہیں کرنا چاہئے کہ میں مانکی خیل ہوں یا مانکی شریف کے ماننے والوں میں سے نہیں ہوں ہم تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے۔اس کے علاوہ مولانا نظام الدین بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اشارہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کئی دلائل نقل کئے ہیں۔[1]

فقہ شریف کی کتابوں میں درج ہے کہ تمام اعضاء کعبہ شریف کی طرف کرنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قد اَفْلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ای ساکنون بالجوارح خائفون بالقلب"[2]

تحقیق کامیاب ہیں مومنین جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں۔تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اعضاء کو آرام سے رکھتے ہیں اور دل سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے بہت سے دوستوں نے اشارہ نہیں کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے "کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ الخ"[3] بہت سے مشائخ نے اشارہ کو پسند نہیں فرمایا ہے۔[4] "فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین الخ"[5]

اگر وہ اختلاف کریں تو اکثر علماء کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن الاسلام میں باب الحرمات میں فرمایا ہے کہ "اشارہ سبابہ سے یہ مذہب شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے اور یہ فعل حنفیوں پر حرام ہے"۔

فوائد شریعت ص ۹۶ میں ہے کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرنا سبابہ انگلی سے حرام ہے اور یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے" تو میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بہت بسط اور تفصیل کی ضرورت ہے لیکن میں اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ خیر الکلام ما قل و دل و لم یمل اشارہ کی حرمت کے بارے میں صرف خلاصہ کیدانی نے اکیلے نہیں لکھا ہے بلکہ تقریباً اکیسو بیس ۱۲۰ کتابوں میں حرمت و کراہت کا بیان موجود ہے اور جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انہوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لئے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے۔

---

[1] (جامع الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱۳ حصہ چہارم المعروف انوار شریعت)

[2] (تفسیر مدارک)

[3] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴)

[4] (زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹ شبلی ج ۱ ص ۱۲۰ رسالہ فتح التردد ص ۱۲۱، ص ۱۲۴ ص ۱۲۵، ص ۱۴۲)

[5] (شامی ج ۱ ص ۴۸ ص ۴۹ و مکتوبات مجدد الف ثانی ص ۲۱۲)

شرع وقایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے "ومثل هذا جاء عن علماء نا ایضا عند الشافعی الخ" عن روایت کے لئے آتا ہے اور عند مذہب کے لئے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے "وهو قول ابی حنیفة" اس لئے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔

خلاصہ کیدانی میں لکھا ہے۔ "والاشارة باالسبابة كاهل الحديث" یعنی کاف علت کے لئے ہے معنیٰ یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لئے کہ اہلحدیث اس منسوخ روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں اور یہ معنیٰ خلاصہ کیدانی کی شروح جیسا کہ بدریہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے یہ حضرات اہل حدیث کی تشریح کرتے ہیں۔ "الذين يعملون بظاهر الحديث ولا يفرقون بين الناسخ والمنسوخ فيقع لهم الغلط كثيراً" تو اس قول کی بنا پر جو اشارہ کرتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مجتہد کی طرف نہیں جاتے۔

مولانا شیخ القرآن حمد اللہ صاحب نے البصائر میں ذکر کیا ہے "الاخذ بظواهر الكتب والسنة من اصول الكفر"[1]

کتاب اور سنت کے ظاہر سے مسائل اخذ کرنا اصول کفر سے ہے۔ تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہوگئیں بنا بر قول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لئے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔

اب اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہے اور اشارہ کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض بغض اور حسد ہے۔ (نعوذ باللہ)

ابو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے :"من اشار اشارة فی الصلوة تفهم منها فليعدها۔"

جس نے نماز میں اشارہ کیا جس سے کوئی معنیٰ سمجھ میں آجائے تو اس نماز کو وہ دوبارہ پڑھے اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں نفی کی طرف اشارہ ہے کہ "لا اله" ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو "الا الله" ہے تو یہ معنیٰ سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہئے تو اس لئے حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ تیرہ قسم کی کیفیات کا احادیث میں ذکر ہے اور ترجیح ایک کی دوسرے پر نہیں تو حدیث مضطرب ہوئی تو اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور ہدایہ میں بھی اشارہ نہیں ہے اور ہدایہ معتمد کتاب ہے اب ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔[2]

مولانا شیخ القرآن والحدیث مفتی اعظم پاکستان شائستہ گل صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب الحجۃ المنذرہ فی الاسئلۃ المبتدرہ میں ص ۲ تا ۵ 'کہ اشارہ کرنا نماز میں شرعاً منع ہے. بہت سی وجوہات کی بنا پر،

پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے صراحتاً جیسا کہ خلاصہ کیدانی، تنویر الابصار یا تبادراً جیسا کہ کنز کا قول

---

[1] (البصائر ص ۵۲، صاوی تنویر الایمان)

[2] (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۴) برجندی ج ۱ ص ۱۰۹، فتاویٰ سراجیہ ج ۱ ص ۵۸، زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹، شبلی ص ۱۲۰، رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱، ص ۱۲۴، ص ۱۲۵، ص ۳۴۲، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴، مجموعہ خانی ص ۶۵، تنویر الابصار ص ۲۴۲، مکتوبات شریف مکتوب ص ۳۱۲، شامی ج ۱ ص ۳۴۲، ولباب القدوری ص ۵۴، فتویٰ مالا بدمنہ ص ۴۶، خلاصہ کیدانی حرام کی بحث میں، خلاصہ مذیل الشبہات فی تمثیل الاشارات ص ۲، فتاویٰ برہنہ ص ۱۷ تنبیہ الضمائر علے رد الذخائر ص ۸)

اور ہدایہ، قدوری ومختصر والوقایہ وغیرہ کا "وبسط اصابعه الخ" انگلیوں کو کھولنا" والمتبادر منها انه يسبط اصابعه من اول التشهد الى آخره بدون عقد واشارة عند التلفظ بالشهادة الخ"[1] ونهر ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۵ المشهور فی المذهب بسط الاصابع بدون اشارة الخ"[2] والمذهب ما فی المتون لانه ظاهر الرواية الخ[3] "فالاشارة خلاف المتون فيكون خلاف المذهب فظهر ان البسط حقيقة فيه لان التبادر الى الفهم من اقوىٰ اماراة الحقيقة الخ"[4] "فلا يجوز العدول منه"۔ متبادر ان میں سے یہ ہے کہ وہ تشہد کے ابتداء سے آخر تک انگلیوں کو کھلا رکھے اور اشارہ شہادت کے لفظ کے وقت کرنا چاہئے۔ یہی بات رفع التردد اور جامع الرموز ونہر میں نقل ہے۔

پھر رسالہ رفع التردد میں لکھا ہے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ اشارہ کے بغیر انگلیوں کو کھلا رکھے۔

شامی ولباب القدوری میں بھی اسی طرح نقل ہے مذہب وہ ہے جو متون میں ہو کیونکہ وہ ظاہر الروایۃ ہوتا ہے۔[5] تو اشارہ متون کے خلاف ہے جو خلاف مذہب ہوا تو ظاہر ہوا کہ حقیقت میں بسط ہے کیونکہ تبادر فہم امارات حقیقت کے جاننے کے لئے بہت قوی ذریعہ ہے۔ تو عدول اس سے جائز نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ۔ لا یشیر بالسبابة عند الشهادة وعليه الفتوىٰ۔[6]

لفظ المتون اكد من جميع علامات الفتوىٰ الخ اذا ديلت روايته بلفظ عليه الفتوىٰ لم يفت بمخالفه الخ۔[7]

تیسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لا یشیر کے لفظ سے ہے وہ ظاہر الروایت ہے۔[8]

چوتھی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ "لا یشیر" ہے "وهو ظاهر اصول اصحابنا الخ"[9] وہ ہمارے اصحاب یعنی حنفیوں کے ظاہری اصول ہیں۔

ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۴ "هذا اللفظ مرادف بلفظ ظاهر الرواية فثبتهما يكون واحداً۔ فی البحر باب المصرف اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها الخ۔[10]

---

[1] (رسالۃ رفع التردد ص ۱۲۰ جامع الرموز ج ۱ ص ۷۱)

[2] (شامی ج ۱ ص ۳۴۲ ولباب القدوری ج ۱ ص ۵۴)

[3] (رد المحتار ج ۱، بحث ستر العورة)

[4] (مختصر المعانی۔ بحث الام ص ۲۳۴)

[5] (شامی بحث ستر العورة)

[6] (تنویر الابصار ومضمرات وفتاوی کبریٰ ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵ والمنیہ والواقعات ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ والوالجیہ ثم جامع الرموز وابو المکارم ج ۱ ص ۶۱ مجموعہ سلطانی ص ۵۶ مجموعہ خانی ص ۶۵ رسالہ رفع التردد ص ۱۲۰ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ وغیرہا)

[7] (درمختار ج ۱ رسم المفتی ص ۵۰ وشرح رسم المفتی ص ۳۸)

[8] (لباب القدوری ص ۵۴ وذخیرہ ثم کافی ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ معراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۳۳ ص ۷۲ وعینی الھدایہ وشرح سفر السعادت وکفایہ ومکتوبات المجدد الف ثانی وغیرہ)

[9] (جامع الرموز ج ۱ ص ۷۱)

[10] (شامی جلد ۱ ص ۴۹)

پانچویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ مشہور فی المذہب فی بسط الاصابع بدون اشارۃ الخ۔[1]

اقول فالاشارۃ خلاف المذہب الذی ھو ظاھر الروایۃ وخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لیس قولاً لہ وفیہ من التوشیح ان ماوجع عنہ المجتھد لا یجوز الاخذ بہ الخ"[2]

چھٹی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لا یشیر سے ہے اور وھو المختار وہ مختار قول ہے۔[3]

واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ الخ"[4]

ساتویں وجہ یہ ہے کہ اشارہ کی ممانعت ثابت ہے لفظ کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ الخ سے کہ بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت خیال نہیں کرتے تھے۔[5]

"فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثیرین الخ" اگر اختلاف دونوں اقوال میں موجود ہو تو اکثر علما کے قول پر عمل کیا جائے۔[6]

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ "منع الاشارۃ وکرھھا فی منیتہ المفتی کذا فی التبیین" منیتہ المفتی میں اشارہ کو مکروہ لکھا ہے ایسا ہی تبیین میں ہے۔[7]

مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہو یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اسکو سنت کہا ہو۔

نویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا سبب حکم نسخ الاشارۃ الخ الامام کرخی مبسوط، محیط، قاعدی والکرمانی وسراج الھدایۃ ثم دلائل الانارۃ ص ۱۲ ومکتوبات المجدد الف ثانی ومولوی عبد الحکیم فی شرح المراح وصاحب کل کتاب حکم بحرمۃ الاشارۃ او کراھتھا والمراد بالمنسوخیۃ عدم المعمولیۃ ولا یصح الحکم بالحرمۃ والکراھۃ مع معمولیۃ تلک الاحادیث ومن المعلومات ان العمل بالمنسوخ حرام" ہر اس کتاب میں جس میں اشارہ کی حرمت یا کراھت کا حکم دیا گیا ہے تو ان کی مراد اشارہ والی احادیث کی منسوخیت ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ معمولیت کی وجہ سے ان احادیث پر حرمت یا کراھت کا حکم صحیح نہیں اور یہ معلومات سے ہے کہ منسوخ پر عمل حرام ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ "منع الاشارۃ لفظ کان القول بعدمھا الاقوی من حیث النقل عن اھل المذہب الخ"[8] کہ عدم

---

[1] (شامی ج ۱ ص ۳۴۲ ولباب القدوری ص ۵۴ وفتاوی مالابدمنہ ص ۴۶)

[2] (بحر ثم شامی ج ۱، ص ۴۶ وشرح رسم المفتی)

[3] (خلاصہ ج ۱ ص ۵۹، عالمگیری ص ۱۰۴، برجندی ج ۱ ص ۱۰۹، ابوالکلام فصل المکروہ ص ۵۸)"

[4] (درمختار وشامی جلد ۱ رسم المفتی ص ۵۲)

[5] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴ تبیین ج ۱ ص ۱۲۱ ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵)

[6] (شامی ج ۱، رسم المفتی ص ۴۸ ص ۴۹ ورسالہ رسم المفتی ص ۴۳)

[7] (ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴، ومعراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۳ ص ۱۲۴، فتاوی سراجیہ فصل المکروہ ص ۵۸، بحر الرائق بحر فائق ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ اہ درمختار باب ادراک الفریضۃ ص ۴۸۱)

[8] (رسالہ رفع التردد ص ۱۲۸)

والا قول قوی ہے اہل مذاھب کی نقل سے۔

"ولا یشیر بسبابۃ عند الشھادۃ وعلیہ الفتوی کما فی الولواجیۃ والتجنیس وعمدۃ المفتی وعامۃ الفتوی الخ" سبابہ انگلی سے شہادۃ کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1] ولا یخفی ان مسائل ھٰذا الکتاب (ای تنویر الابصار) مذکورۃ علی الوجہ الحق وثابتۃ بدلائلھا عند المجتھد ولا یلزم من اثبات الشئ بدلیلہ ان یکتب دلیلہ معہ حتی یردانہ لم یذکر فی المتن الادلۃ الخ"[2]

فانی ارویہ عن شیخنا عبد النبی الخلیلی عن المصنف عن ابن نجیم المصری بسندہ الی صاحب المذھب ابی حنیفۃ بسندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن جبرئیل عن اللہ الواحد القھار کما ھو مبسوط فی اجازاتنا بطرق عدیدۃ الخ۔[3]

اقول فلما ثبت ان منع الاشارۃ حدیث ومذھب فلا مفر منہ فلا یجوز للمقلد خلافہ لان منع الاشارۃ متعین للمقلد الحنفی۔

کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اس کتاب (تنویر الابصار) میں جو مسائل مذکور ہیں وہ حق ہیں مجتہدین کے نزدیک وہ دلائل سے ثابت ہیں کسی چیز کے اثبات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شے کے اثبات کے دلائل بھی اس کے ساتھ لکھے جائیں اور جاننا چاہئے کہ متن میں دلائل کا ذکر نہیں ہے (شامی) تو میں نے روایت کی ہے اپنے استاد عبد الغنی خلیلی سے اس نے مصنف سے اس نے ابن نجیم مصری سے اپنی سند سے صاحب مسلک ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس نے اپنی سند سے حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے انہوں نے اللہ تعالیٰ واحد قہار سے یہ ہماری اجازتوں میں بسط سے مختلف طریقوں سے نقل ہے۔[4]

میں کہتا ہوں کہ جب ثابت ہوا کہ اشارہ منع حدیث ومذہب سے تو اس سے بھاگنا نہیں چاہئے اور مقلد کے لئے اس کے خلاف جائز نہیں کیونکہ اشارہ کی ممانعت مقلد حنفی کے لئے متعین ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم۔

(۴۳) ﴿باب نمبر تینتالیس اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا سب کچھ حضور ﷺ کیلئے پیدا ہوا کے بیان میں﴾

جیسا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

محدث خیر الامم امیر المومنین خلیفۃ المسلمین غیظ المنافقین مراد رسول ﷺ، تاجدار عدالت حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

---

[1] (تنویر الابصار ودر مختار ج ۱ ص ۳۴۱)

[2] (شامی ج ۱ ص ۱۳۱)

[3] (در مختار ج ۱ ص ۱۴)

[4] (در مختار ج ۱ ص ۱۴)

ہے کہ نبی مکرم رسول محتشم نور مجسم شفیع معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

ا۔لما اقترف آدم الخطیئۃ، فقال یارب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا اے رب کریم میں تجھ سے محمد کریم ﷺ کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما اس پر اللہ تعالیٰ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کہ تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا ابھی تک تو ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی آدم علیہ السلام نے عرض کیا مولا جب تو نے مجھ اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ستون پر لکھا ہوا دیکھا۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ۔پس میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اس کا نام ہو سکتا ہے جو تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہے۔ **وقال اللہ تعالیٰ صدقت یا آدم** ۔اللہ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تو نے سچ کہا کہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا وہی محبوب ہے۔اب جب کہ تو نے اس کے وسیلے سے دعا کی ہے **تو فقد غفرت لک**۔ پس تحقیق میں تمہیں

معاف فرمادیا ہے۔اور (سن لو) ولو لا محمد ما خلقتک اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔[1]

گرارض وسمائی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ یعیسیٰ! آمن بمحمد وأمر من ادرکه من امتک أن یؤمنوا به..... یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام! تم بھی ایمان لاؤ محمد کریم

---

[1](مستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۸، تفسیر روح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت الآیۃ سورۃ البقرۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، ھکذا فی تفسیر روح المعانی، المعجم الاوسط من اسمہ محمد ج ۵ ص ۳۶ رقم الحدیث ۶۵۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۱۳ھ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد کتاب علامات النبوۃ باب عظیم قدرہ ج ۸ ص ۲۲۳ رقم الحدیث ۱۳۹۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الفضائل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱۱ ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۳۲۱۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تاریخ دمشق الکبیر ذکر من اسمہ ادریس ج ۷ ص ۳۰۹ رقم الحدیث ۱۹۷۸ دار الاحیاء التراث العربی بیروت، تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۶۰ دار المسیرۃ بیروت لبنان، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الباب الثالث الفصل الاول فبینما ورد من ذکر مکانتہ ج ۱ ص ۱۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکتابۃ اسمہ ج ۱ ص ۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، الریاض الانیقۃ فی شرح اسماء خیر الخلیقۃ ص ۵۴ شبیر برادرز لاہور پاکستان، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض الباب الثالث فصل فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتوقیرہ وجلالہ ج ۴ ص ۴۸۶ دار العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۱ء، دلائل النبوۃ ومعرفۃ الاحوال صاحب الشریعۃ ج ۵ ص ۴۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۸ھ، جامع الآثار فی مولد النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱ ص ۳۹۱ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۹ء، تفسیر الروح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، تفسیر روح المعانی تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۳۲۰ مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ پاکستان، تفسیر فتح العزیز تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ص ۳۷۴ نوریۃ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، المواھب اللدنیۃ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۵۲ فرید بک اسٹال لاہور پاکستان، المواھب اللدنیہ المقصد العاشر فصل فی زیارۃ قبرہ الشریف ج ۳ ص ۶۲۰ فرید بک اسٹال لاہور پاکستان، مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ۱۲ ص ۲۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء، الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الباب الاول ج ۱ ص ۳۳ مکتبۃ نوریۃ رضویۃ فیصل آباد پاکستان، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۳۱ دار الفکر بیروت لبنان، انسان العیون فی سیرۃ امین المامون باب ماجاء من امر رسول اللہ عن اخبار الیھود ج ۱ ص ۳۱۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جامع ابواب التوسل الباب الثانی ج ۲ ص ۴۰۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۲۷ کبر بک سیلرز لاہور پاکستان، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الباب الثامن الفصل الاول ج ۴ ص ۱۹۳ مکتبۃ الحقانیۃ پشاور پاکستان، جواھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم ص ۲۱۲ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور پاکستان، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۱۸۹ ادارہ مصباح القرآن ساھیوال پاکستان، الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی ان الادلۃ المعتبرۃ قامت علی تفصیل نبینا ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین ص ۲۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹-۲۶۵ نوریۃ رضویۃ پبلی کیشنز لاہور، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من جواھر شیخ اسماعیل حقی ج ۲ ص ۲۹۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۹ مرکز تحقیقات اسلامیۃ لاہور پاکستان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۸۶ ج ۲ جواھر البحار فی فضائل النبی المختار من جواھر ابن حجر ج ۲ ص ۱۳۷، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات الباب الثانی الفصل الثالث القسم الرابع ص ۵۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الانوار المحمدیۃ من المواھب اللدنیہ المقصد الاول ص ۱۴ حقیقت کتابوی ترکی استنبول ۲۰۱۱ء، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۴ ص ۴۷ من جواھر السمودی دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۹۸ء، مصباح الظلام باب ماجآء فی استغاثۃ سیدنا آدم ابی البشر بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۶۰ مکتبۃ قادریۃ لاہور پاکستان، شواھد الحق فی استغاثۃ بسید الخلق ص ۲۱۷ حامد اینڈ کمپنی لاہور پاکستان، شفاء النواد بزیارۃ خیر العباد ص ۲۸۲ کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور پاکستان، السیرۃ النبویۃ للدحلان مکی ج ۱ ص ۱۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، (یہی حدیث شریف دیوبندیوں اور غیر مقلدین کی درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔) شیخ ابن تیمیہ کتاب الوسیلۃ ص ۹۰ اسلامی اکیڈمی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی نشر الطیب ص ۱۳ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، شیخ زکریا کاندھلوی فضائل درود شریف ص ۱۵۶ کتب خانہ اشرف کراچی پاکستان، شیخ عنایت شاہ باغ جنت ص ۳۶۱ مکتبۃ الحسن لاہور، مفتی حبیب دیوبندی تحقیق مسئلہ توسل ص ۶۸ سرگودھا پاکستان، عابد میاں رحمۃ اللعلمین ص ۳۹۷، ۱۵۹، ۱۳۶، ۹۲ محمد دین اینڈ سنز کراچی پاکستان، ھدیۃ المھدی ص ۴۸ چشتی کتب خانہ فیصل آباد)

نوٹ: امام حاکم، علامہ سمہودی، علامہ خفاجی، علامہ زرقانی، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ﷺ پر اور امت کو بھی حکم دو جو بھی ان کا زمانہ پائے تو ضرور ان پر ایمان لائے....

فلو لا محمد ﷺ ما خلقت آدم.....اگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو بھی پیدا نہ کرتا۔

و لو لا محمد ﷺ ما خلقت الجنة و لا النار....اور اگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ۔

ولقد خلقت العرش علی المآء فاضطرب فکتبت لا اله الا الله محمد رسول الله فسکن.....اور جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو مضطرب ہوا تو میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔[1]

نہ جنت ہوتی نہ دوزخ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **اتانی جبریل فقال یا محمد ﷺ لو لاک ما خلقت الجنة و لو لاک ما خلقت النار**۔ جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ جنت کو پیدا کیا جاتا اور نہ دوزخ کو۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی حدیث قدسی مروی ہے کہ حضور جان کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: **یقول الله عز و جل و عزتی و جلالی لو لاک ما خلقت الجنة و لو لا ما خلقت الدنیا**.....یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ،اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا۔[3]

یہاں ہم قارئین کی ضیافت طبع اور حدیث شریف کی وضاحت کیلئے مناظر اہلسنت، منبع علم وحکمت، عالم باعمل، شیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۸۱ کا ایک ملفوظ درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ جنت ہوتی اور نہ دوزخ۔ ارے جنت جنت کرنے والو! جنت بھی مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں بنی ہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس طرح کوئی اپنے محبوب کے سر کا صدقہ دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق اپنے محبوب وحبیب ﷺ کے سر کا صدقہ بنادی۔ (اپنی مخلوق کیلئے)۔

نہ زمین و آسمان ہوتے:

الامام، المحدث، سیف الدین ابی جعفر ابن طغربک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الدر النظیم فی مولد النبی الکریم، میں لکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت

---

[1] (مستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء باب ذکر سید المرسلین ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۷ دار الکتب العلمیه لبنان، مصابیح السیرة المحمدیة ج ۱ ص ۸۶ دار الکتب العلمیه بیروت، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصییته ﷺ ج ۱ ص ۱۴ دار الکتب العلمیه لبنان، حاشیه شهزاده علی الخرپوتی ص ۱۷ نور محمد اصح المطابع کراچی، الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ باب الاول ص ۴۸ حامد اینڈ کمپنی لاهور پاکستان، تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۰ الفتاویٰ الشهاب الدین الرملی ص ۲۹۴ سورة الفرقان الآیة دار الکتب العلمیة بیروت، شواهد الحق فی الاستغاثة فی سید الخلق ﷺ ص ۲۶۵ حامد اینڈ کمپنی لاهور پاکستان، الفتاویٰ الحدیثیة مطلب فی ان الادلة المعترة ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان، اس حدیث شریف کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں۔ هذا حدیث صحیح الاسناد یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

[2] (الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانه کراچی، کنز العمال کتاب فضائل نبینا محمد ﷺ ج ۱۱ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲ دار الکتب العلمیه بیروت لبنان۔ مصابیح السیرة المحمدیة ج ۱ ص ۸۶ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[3] (مسند الفردوس، بماثور الخطاب، باب الیاء، ج ۵ ص ۲۲۷، رقم الحدیث ۸۰۳۱ دار الکتب العلمیه بیروت، الاسرار المرفوعه فی اخبار الموضوعة رقم الحدیث ۷۵۵ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانه کراچی پاکستان، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ج ۱ ص ۷۵ الباب الثانی دار الکتب العلمیه بیروت لبنان)

آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوں۔ یارب لم کنیتنی ابامحمد۔ یعنی اے میرے رب عزوجل! میری کنیت ابومحمد کیوں ہے؟ قال اللہ تعالیٰ: یاآدم ارفع رأسک..... اللہ کریم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھاؤ.... فرفع رأسہ فرای نور محمد علی سرادق العرش..... پس انہوں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ نور محمد عرش کے اردگرد چھایا ہوا ہے۔ فقال یارب ماھذاالنور؟ عرض کیا یااللہ یہ نور کیسا ہے؟ قال ھذا نور نبی من ذریتک اسمہ فی السماء و فی الارض محمد.... ارشاد ہوا کہ یہ نور اس نبی کا ہے جو تیری اولاد میں سے ہوگا اس کا نام آسمانوں میں احمد ہوگا اور زمین میں محمد ﷺ۔ لولاہ ماخلقتک و لا خلقت سماء و لا ارضا..... اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔[1]

نہ جن ہوتے نہ فرشتے:

علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ لولاک ماخلقت سمآء و لا ارضاً و لا جنا و لا ملکا۔ اے پیارے محبوب ﷺ اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو جنات کو اور نہ ہی فرشتوں کو پیدا فرماتا۔[2]

نہ عرش ہوتا نہ کرسی نہ لوح وقلم:

علامہ شیخ محمد المغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ فبینما آدم یسیر فی الجنۃ۔ آدم علیہ السلام جنت میں سیر کر رہے تھے کہ (کیا دیکھا) اذرای نور سیدنا محمد فی سرادق العرش۔ انہوں نے دیکھا کہ نور محمد ﷺ عرش کے کناروں پر واسمہ مکتوبا علیہ و مقرونا باسم الرب جل جلالہ اور محمد ﷺ کا نام نامی اسم گرامی عرش پر لکھا ہے اور وہ رب تعالیٰ جل جلالہ کے نام مبارک کے ساتھ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا یارب من ھذاالذی قرن اسمہ باسمک اے میرے رب عزوجل یہ کون ہے جس کا نام تیرے نام کے ساتھ لکھا ہے قال ھذا نبی من ذریتک اسمہ فی السماء احمد و فی الارض محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ ارشاد ہوا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی ہیں جن کا نام آسمانوں پر احمد اور زمین پر محمد (ﷺ) ہے۔ فلولاہ ماخلقتک و لا خلقت عرشا و لا کرسیا و لا لوحا و لا قلما و لا سماء و لا ارضا و لا جنۃ و لا نارا و لا دنیا و لا اخری۔ اے آدم! اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ عرش و کرسی کو پیدا کرتا نہ لوح وقلم کو پیدا کرتا نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا نہ جنت و دوزخ کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا اور نہ آخرت کو پیدا کرتا...[3] معلوم ہوا کہ ساری کائنات رب کائنات نے اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت و وجاہت وعزت کی خاطر پیدا فرمائی۔ کیا خوب قلم اٹھایا بریلی کے تاجدار علیہ رحمۃ الغفار والستار نے۔

زمین و ماں تمہارے لئے، مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
وہ کنز نہاں یہ نور فشاں وہ کن سے عیاں یہ بزم فکاں
یہ تن و جاں یہ باغ جناں یہ سارا ساماں تمہارے لئے
یہ شمس و قمر یہ شام و سحر یہ برگ و شجر یہ باغ و ثمر

---

[1] (مواہب اللدنیہ مع زرقانی باب فی تشریف اللہ تعالیٰ، ج ۱ ص ۸۶-۸۵ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الانوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیہ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ... ص ۱۲-۱۳ حقیقت کتابوی ترکی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار من جواہر سید عبداللہ مرغنی، ج ۴ ص ۱۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت استنبول)

[2] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار من جواہر الصماوی ج ۴ ص ۴۹ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۹۸ء)

[3] (کاروان قمر جنوری ۲۰۱۶ ص ۳۱، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۳ ص ۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

یہ تیغ و سپر یہ تاج و کمر یہ حکم رواں تمہارے لئے
نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی نہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے[1]

نہ سورج ہوتا نہ چاند:

ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چاند نہ ہوتا تو آسمان کا چاند بھی نہ ہوتا اور اگر یہ نبوت و رسالت کا سورج طلوع نہ ہوتا تو آسمانوں کا سورج بھی نہ ہوتا۔ اگر یہ نور ہے آفتاب کا تو صدقہ اسی عالی جناب کا اگر وجود کا ماہتاب کا تو بھی وسیلہ ہے رسالت مآب کا، پڑھیئے علامہ نبہانی علیہ رحمۃ الوہاب کا۔ ولا الطول ولا العرض ...اور نہ لمبائی کو نہ چوڑائی کو ولا وضع ثواب ولا عقاب.....اور نہ ثواب ،عذا ب کا تقرر ہوتا ولا خلقت جنة ولا نارا....اور نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ کو پیدا۔ ولا شمسا ولا قمرا....اور نہ سورج کو پیدا کرتا اور نہ چاند کو پیدا کرتا۔[2]

باعث تخلیق کائنات:

صحابیٔ رسول حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور جان کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ (ﷺ) کو اپنا حبیب بنایا ہے، میری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی بھی عزت والا نہیں ۔ ولقد الدنیا و اهلها لا عرفهم کرامتک و منزلتک عندی۔ یعنی میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ان کو آپ (ﷺ) کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔ ولولاک ما خلقت الدنیا۔ اور اگر آپ (ﷺ) نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[3]

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر:

مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ہجری ۱۱۲۷ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ: خالق مصطفیٰ جل وعلا نے اپنے پیارے مصطفیٰ ﷺ سے ارشاد فرمایا: لولاک یا محمد ما خلقت الکائنات... یعنی اے محمد ﷺ! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔[4]

---

[1] (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۷۲-۷۳ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

[2] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۲ ص ۴۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، من جواہر ابن حجر ج ۲ ص ۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ ص ۲۳۶ دار الفکر بیروت/تہذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۲۳ دار المہرہ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ ،المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۵۳ مقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ... فرید بک سٹال لاہور، مصابیح السیرۃ المحمدیہ ص ۱۲۱-۱۲۰ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۴۶۵ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۲ ص ۲۶۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ المقصد الاول ص ۱۴-۱۵ حقیقت کتابوی ترکی استنبول)

[4] (جواہر البحار ج ۲ ص ۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

دوسرے الفاظ یوں ہیں: لولاک لماخلقت الافلاک..... محبوب پیارے (ﷺ)! اگر تو نہ ہوتا میں ہفت افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا۔[1]

نوٹ: دیوبندی علماء کی بھی ایک کثیر تعداد نے حدیث لولاک یعنی مندرجہ بالا حدیث لکھی ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔[2]

حضرت شیخ الحدیث محمد نصر اللہ خان نور اللہ مرقدہ جعل الجنۃ مثواہ بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین مقدمہ عید میلاد النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ

اسعدک اللہ تعالیٰ بدانکہ آن صاحب تاج لولاک سید الارض والافلاک ومافیھن شھنشاہ کونین سرور دارین وہ ذات ہے جو ہر ذات سے برتر۔ اس کی ہر ہر صفت کونین کی تمام صفات سے اعلیٰ اور ہر عیب وشین سے منزہ ومبراء ہے کائنات کے کل فضائل اعلیٰ وکمالات بالا کا منبع وسرچشمہ ساری خدائی کا مرجع ومنشاء ہے ہر زین سے مزین و پیراستہ اور تمام اخلاق جمیلہ سے آراستہ وشائستہ ہے آپ ہی وہ انسان کامل ہیں جس کو خالق عالم اپنی جمال ذات واپنی تمام صفات جلال وجمال کا مظہر اتم بلکہ شفاف آئینۂ اَفخم گردانا ہے۔ پوری خدائی کو آپ ﷺ ہی کی خاطر ہستی پر ظاہر فرمادیا ہے۔ پس فیض وہدایت عرفان ودلالت میں ہر ایک شئے آپ ﷺ کی محتاج رہی کہ خالق عالم نے جس کو جو بھی عطا کیا یا جو بھی جس سے لے لیا یہ سب آپ ﷺ ہی کیلئے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حضرت ﷺ سے نبیوں کو نبوت ملی آپ ﷺ کی خاطر ولیوں کو ولایت سے نوازا گیا آپ ﷺ کی خاطر ثواب وعقاب کی خاطر غرض کہ مقصود ذات اوست دیگر جملگی طفیل۔ منظور نوراوست دیگر جملگی ظلام۔ کہ **لولاک لولاک لماأظھرت الربوبیۃ**۔ اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے اور اگر نہ ہوتے تو میں ہرگز ہرگز اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور ظاہر کہ اگر ربوبیت کا ظہور نہ ہوتا تو یقیناً مربوبیۃ نہ ہوتی کوئی شئے نہ ہوتی کہ ماسوی اللہ، اللہ کے مربوب ہیں خدائی کا ظہور اسی نور کی خاطر رہا ہے۔[3]

مولانا فقیر ابوالفیض ابومحمد حبیب الرحیم "الدولۃ المدنیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" میں لکھتے ہیں کہ **لولاک لماخلقت الدنیا** یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔ دنیا میں تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی ہے تمام آپ ﷺ کی خاطر اور آپ ﷺ کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ تمام اشیاء کی اصل اور منبع ہیں۔ جیسے خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ **انا من نور اللہ وکل شئی من نوری**۔ میرا نور اللہ کے نور سے مخلوق ہے اور تمام اشیاء (عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک) میرے نور مطہر سے ظہور میں آئے ہیں۔ یعنی تمام اشیاء میرے نور مطہر میں ودیعت رکھی ہوئی

---

[1] (کاروان قمر جنوری ۲۰۱۶ء ص ۳۱، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ۹ ص ۴۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ۶ ص ۱۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، مکتوبات امام ربانی ج ۲ دفتر ۳ رقم المکتوب ۱۲۲ ص ۵۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ۵ ص ۵۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، شرح شفاء ج ۱ ص ۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، انیس الجلیس ص ۱۳۵ اویسی بک سٹال گوجرانوالہ پاکستان، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، عصید ۃ الشھدۃ شرح قصیدۃ البردۃ ص ۱۷ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی، الزبدۃ شرح قصیدۃ بردہ ص ۸۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین ص ۱۸۶ دار الاشاعت کراچی، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۲ روح البیان ص ۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۳ ص ۴۳۳ من جواھر سید احمد عابدین دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۲۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۲۷۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، کشف الخفاء، تحت حرف اللام ج ۲ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی، مجموعہ رسائل الکھنوی الآثار المرفوعہ ج ۵ ص ۱۳۳ انتشارات شیخ الاسلام احمد وجام)

[2] (فتاوی رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۳۴ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی پاکستان، الشھاب الثاقب ص ۴۷ کتب خانہ رحیمیہ یو بند سہارن پور بھارت، براہین القاطعہ افادات شاہ عبد الغنی پھولی نوری مرتب حکیم محمد اختر ص ۱۱۰ کتب خانہ مظہری کراچی، صدائے محراب ج ۱ ص ۳۳۴ ادارہ تالیفات ختم نبوت لاہور، ۶۳ نکات میلاد النبی ص ۱۳۵ ادارہ نشریات اہلسنۃ جامعہ ابی صدیق عمر کالونی کبیر والا، شرف المصطفیٰ ص ۲۳ شعبہ نشر واشاعت مجلس صیانۃ مسلمین ہارون آباد بہاولنگر، تقاریر اسعد محمود مکی ص امرکز الشیخ زکریا فیصل آباد، مضامین ومقالات عبد الحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی، احسن الفتاوی ج ۱ ص ۱۸۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۸۴ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، باادب بانصیب ص ۳۷ مکتبہ الفقیر فیصل آباد، فضل الرحمٰن دھرم کوٹی بہارستان شرح اردو بوستان ص ۲۵ مکتبۃ المصباح لاہور)

[3] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱۸ و کذا جاء فی الحدیث القدسی حدیث الاسراء لولاک لماخلقت الافلاک) (ص ۴)

تھیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آئیں اور جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لولاک لماخلقت الافلاک یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو ظہور میں نہ لاتا تو آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا اور لولاک لمااظھر ربوبیۃ یعنی اور اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ فرماتا تو اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔

علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔[1]

لولاک لماخلقت الافلاک حدیث قدسی ہے کہ اے محبوب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا اس حدیث شریف کو عظیم المرتبت محدثین کرام علیہم الرحمۃ کے علاوہ دیوبندیوں کے نہایت ہی مستند مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب عطر الوردۃ میں درج کیا ہے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ اول ماخلق اللہ نوری و قال اللہ تعالیٰ مخاطبا لآدم علیہ السلام لولاہ ماخلقتک و ورد ایضاً لولاک لماخلقت الافلاک۔[2]

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر وہ حضور پرنور ﷺ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود کی طرف نہ آتی اور موجود نہ ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ خود دنیا کا وجود رسول پاک ﷺ کے طفیل سے ہے۔

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
گروہ نہ ہوں عالم نہ ہو گروہ نہ تھے عالم نہ تھا

شیخ الامام قدوۃ الانام شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی لئے عرض کیا ہے۔

و کیف تدع الی الدنیا ضرورۃ من
لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ اور کیوں کر دنیا کی طرف ضرورتیں ایسے نفس زکی کو بلا سکتی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے اور دنیا میں جلوہ افروزی نہ فرماتے تو دنیا عدم سے منصۂ شہود پر ظاہر نہ ہوتی۔

محمد (ﷺ) کی جلوہ نمائی نہ ہوتی
تو دارین میں روشنائی نہ ہوتی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ لولاہ لماخلق اللہ سبحانہ الخلق ولمااظھر الربوبیۃ۔ اگر حضور پرنور ﷺ کی ذات بابرکات نے اس عالم دنیا میں ظہور نہ فرمانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ فرماتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔

---

[1] (نشر الطیب ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

[2] (عطر الوردہ ص ۲۴ دیوبند)

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی جوکہ طائفہ دیوبندیہ کے جید عالم اور مدرسہ دیوبند کے چشم و چراغ ہیں نے بھی حدیث قدسی اس طرح درج کی ہے۔ لولاک لماخلقت الافلاک ولولاک لمااظھرت الربوبیۃ۔یعنی اے میرے محبوب ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ فرماتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی احسن الفتاویٰ میں لکھتے ہیں۔امام شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری نے کتاب مواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے۔ قال اللہ تعالی :یاآدم ارفع رأسك، فرفع رأسه فرأی نور محمد-صلی اللہ علیہ وسلم-فی سرادق العرش، فقال: یارب، ماھذا النور؟ قال :ھذا نور نبی من ذریتك اسمه فی السماء أحمد، وفی الأرض محمد، لولاہ ما خلقتك ولا خلقت سماء ولا أرضا.[1]

یہ روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں۔مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب اللدنیہ اور انوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی کا قول منقول ہے۔حضرت کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تورات و انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر تھے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد ﷺ رواہ البیھقی۔

حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔لولاک لمااظھرت الربوبیۃ۔(دیوبند کے) حضرت حکیم الامت الشاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں۔عن عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی ﷺ قال اللہ تعالیٰ لآدم یآدم لولا محمد ماخلقتک رواہ حاکم وصححه البیھقی والطبرانی۔قال اللہ تعالیٰ یآدم لولا محمد ﷺ ماخلقتک وھو آخر الانبیاء۔[2]

علامہ امام زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب اللدنیہ ج ا میں لکھتے ہیں۔عن ابی الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم علیه السلام۔یاعیسیٰ! لولا محمد ماخلقت آدم ولا الجنة ولا النار وروی الحاکم مثله وصححه ورواہ السبکی والبلقینی، قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولا محمد ماخلقت عرشا ولا کرسیا ولا سمآء ولا ارضا ولا جنة ولا نارا ولا لیلا ولا نھارا وما خلقت جمیع الاشیاء الا اکراما للذی سمیته محمدا ﷺ۔(مولد النبی ﷺ للقطب الربانی الشیخ عبدالرحیم البرعی) ھذا ما ظھر لی فی ھذا الباب۔[3]

حدیث لولاک.... کی تحقیق:

حدیث لولاک لماخلقت الافلاک اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنیٰ و مضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامر ہے جوکہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار منقول ہے وہ بھی الفاظ ہی

---

[1] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۵، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ا ص ۷۴ المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ-مصر)

[2] (الدرر النظیم فی مولد النبی الکریم ﷺ)

[3] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۶)

کے بارے میں ہے معنیٰ کے بارے میں نہیں ہے چنانچہ خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اگر چہ علامہ صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ثابت ہے حدیث لولاک لماخلقت الافلاک قال الصغانی انه موضوع کذافی الخلاصة لکن معناه صحیح فقدروی الدیلمی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهمامرفوعااتنی جبریل فقال یامحمدلولاک ماخلقت الجنةولولاک ماخلقت النارو فی روایة ابن عساکر لولاک ماخلقت الدنیا۔[1]

وفی حدیث سلمان عند ابن عساکر قال» :هبط جبریل علی النبی صلی الله علیه وسلم- فقال :إن ربك یقول :إن کنت اتخذت إبراهیم خلیلا، فقد اتخذتك حبیبا، وما خلقت خلقا أکرم علی منك، ولقد خلقت الدنیا وأهلها لأعرفهم کرامتك ومنزلتك عندی، ولولاك ما خلقت الدنیا۔[2]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ :أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عِيسَى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَسَكَنَ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ علیہ السلام! ایمان لا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ ان پر ایمان لائیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا نہ جنت دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا پس ٹھہر گیا۔[3]

شیخ المشائخ استاذ العلماء والمجاہدین بقیۃ السلف مناظر اسلام محمد لعل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ میں بہت زیادہ تحقیق فرمائی ہے۔اس کا مطالعہ کریں تا کہ سب شکوک وشبہات ختم ہو جائیں۔[4]

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعین اول ''حب''

فقیر صدیق احمد القریشی الہاشمی الدیوبندی شفاء القلوب میں لکھتے ہیں کہ سلوک کی کتابوں میں تعین حبی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ تعین حبی کے کیا معنی ہیں۔اگر سالکین تعین حبی کو سمجھ لیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات کے ان اسباق کا تعلق حب سے کیوں ہے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۵ میں فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ عزوجل نیچے اتر آیا۔پس وہ حب یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) کے ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے،اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبداء ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں

---

[1] (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)

[2] (مواهب اللدنیا ج ۱ ص ۸۳ بحواله فتاویٰ حقانیة اکوڑہ خٹک ج ۲ ص ۲۰۳)

[3] (المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجود الناس بالخیر دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۶۱۵)

[4] (ص ۲۶۸) التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ

نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔[1]

سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہی حب ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی اگر یہ حب نہ ہوتا تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک ۔اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو پیدا نہ کرتا(کشف الخفاء ص ۲۱۴۳) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے ۔اور لولاک لما اظھرت الربوبیۃ ۔اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا[2] کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیے تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہوتے ہیں ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اعتبار کون سا ظاہر ہوا۔ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے ۔دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ عجیب بات فرماتے ہیں کہ حب یعنی یہ چاہنا کہ میں پہچانا جاؤں تعین اول ہے اور یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدی ﷺ کی تخلیق ہوئی ۔شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہے حب ذاتیہ تمام کمالات کا سبب وآغاز ہے ۔پھر دوسرا اعتبار جب اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا وہ وجودی ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے تعین وجودی تعین جمی کا ظل ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ (الاحزاب ۷)

ترجمہ: اور جب ہم نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات سے عہد لیا اور آپ ﷺ سے اور اس طرح نوح ،ابراہیم ،موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ۔''اس آیت کریمہ میں عالم ارواح کی ترتیب میں آپ ﷺ کو سب پر مقدم کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی ہے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کنت اولا النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث۔ تخلیق کے اعتبار سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے میں سب سے آخری نبی ہوں ۔[3]

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا۔لولاک لماخلقت الافلاک ولمااظھرت الربوبیۃ ۔''اے محمد ﷺ! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[4]

اعتراض:

یہ حدیث تو موضوع ہے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور علامہ علی قاری نے لکھا ہے ۔

جواب:

ہمارے پاس علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی کتاب کے تین نسخے ہیں ایک عربی،ایک دیوبندی ،ایک غیر مقلدین کا ترجمہ ۔آیئے ہم اصل عبارات وترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی چنانچہ عظیم حنفی محدث علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری

---

[1] (کشف الخفاء ص ۲۱۶)

[2] (کشف الخفاء ص ۴۱-۴۳)

[3] (کشف الخفاء ص ۲۰۹)

[4] (کشف الخفاء ص ۲۱-۲۳،شفاء القلوب ص ۵۳۴،غیاث اللغات مع منتخب اللغات وچراغ ہدایت مولانا محمد غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لولاک حدیث قدسی کہا ہے ۔ص ۶۱۹)

لکھتے ہیں: لولاک لماخلقت الافلاک....قال الصنعانی انہ موضوع کذافی (الخلاصۃ) لکن معناہ صحیح۔[1]

دیوبندی ترجمہ: علامہ صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے البتہ اس کا مضمون صحیح ہے۔[2]

اہلحدیث ترجمہ: صنعانی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے۔[3]

دیکھئے ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب کی مکمل عبارت مع ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس میں صرف ایک علامہ صنعانی جن کا نام بھی ذکر نہیں کیا کے حوالے سے لکھا کہ وہ موضوع کہتے ہیں۔ملا علی قاری نہیں، بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اس کا دفاع کیا اور کہا کہ معناً یہ صحیح ہے علامہ علی قاری نے اپنی دوسری کتابوں میں علامہ صنعانی کا قول ذکر کے اس کی حدیث کو معناً صحیح قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو علامہ علی قاری، شرح شفاء اور الزبدۃ العمدۃ۔

بلکہ علامہ علی قاری نے تو موضوعات کبیر میں اس کو معنوی طور پر صحیح قرار دے کر اس کی تائید میں حدیث مرفوع ذکر کی ہے۔چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا اتانی جبریل فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاک ماخلقت النار۔[4]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو نہ میں جنت پیدا کرتا نہ دوزخ۔ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[5]

نوٹ: دیوبندی ترجمہ میں اس حدیث کو نکال دیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو۔[6]

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث سے حدیث لولاک کی تائید ہوتی ہے کیا نامعلوم صنعانی کے کہنے پر ان کو ٹھکرا دیا جائے گا؟ تین روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اور ایک حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کو مرفوعہ قرار دیا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کے مرفوع ہونے کو بیان کیا۔اب مرفوع کسے کہتے ہیں؟ تو پڑھئے اس پر ضمناً دو حوالہ جات۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ مرفوع وہ حدیث ہے کہ جس کی نسبت خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ وہ روایت جس میں صحابی رض اللہ تعالیٰ عنہ نبی کل کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک بیان کرے۔[7]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے وہ مرفوع ہے۔[8]

تو جس حدیث کی تائید حدیث اور حدیث مرفوع سے ہو رہی ہو اس کو موضوع قرار دینا اور وہ بھی ایک صنعانی کے کہنے پر، یہ کوئی علمی دیانت داری

---

[1] (موضوعات کبیر ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (موضوع روایت ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

[3] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[4] (الاسرار المرفوعۃ فی احادیث الموضوعۃ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[5] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ اہلحدیث ترجمہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[6] (موضوع روایات ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

[7] (تدریب الراوی ص ۹۴ قدیمی خانہ کراچی)

[8] (مقدمہ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۸ فرید بک سٹال لاہور)

ہے نہ حدیث رسول ﷺ سے وفاداری ۔آئیے! ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بھی ایک حدیث نقل کرتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

یامحمد! وعزتی و جلالی لو لاک ماخلقت ارضی و سمائی و لا رفعت ھذہ الخضراء و لا بسطت ھذہ الغبراء۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں زمین کو پیدا کرتا اور نہ آسمان کو نہ میں یہ سبز چھت سجاتا اور نہ میں فرش زمین بچھاتا۔

اسے شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن محمد بن احمد، ابوالقاسم بن طالب العرفی کے مولد سے اور ابن سبع اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔[1]

حدیث لولاک کو موضوع کہنے والے اور سن کر سیخ پا ہونے والے حضرات کے اس تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر الصدور حیدر آباد دکن، انڈیا لکھتے ہیں:

یہاں معلوم کرنا چاہیئے کہ آج کل جو غل مچ رہا ہے کہ **لو لاک لما خلقت الافلاک** حدیث موضوع ہے۔ یہ تسلیم بھی کیا جائے تو جرح کو اس سے کیا فائدہ؟ زمین، دریا، جنت، دوزخ، ثواب، عقاب، جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہوئی تو افلاک کیا چیز ہیں؟ دیکھ لو! جنت، دوزخ بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم، دیلمی، سبکی، بلقینی، نے روایت کیا ہے اور زمین و دریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور عرفی نے، اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے اور ثواب و عقاب کی حدیث کو ابن سبع و عرفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن عساکر، ابونعیم، ابوالشیخ، بلقینی اور سبکی نے روایت کیا ہے۔[2]

خود دیوبندی علماء بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔

مولوی خیر محمد جالندھری نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:[3]

مفتی محمود نے بھی تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو:[4]

مفتی عبدالحکیم سکھروی نے بھی اسے معناً صحیح تسلیم کیا، ملاحظہ ہو:[5]

معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کو لے کر موضوع کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ ان کے بغض باطنی کا اظہار ضرور ہو جائے گا کہ اس بہانے سے وہ عظمت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے،، اور تم کہتے ہو کہ نبی

---

[1] (زرقانی، مصابیح السیرۃ المحمدیۃ، ج ۱ ص ۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱ ص ۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ہارون دیوبندی خصوصیات مصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۴۵۳ دارالاشاعت کراچی، انسان المفہون فی سیرۃ الامین المامون ج ۱ ص ۳۱۷ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[2] (انوار احمدی ص ۵۳-۵۴ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، پاکستان)

[3] (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۸۲-۸۴)

[5] (مقالات ومضامین مفتی عبدالحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی)

پاک ﷺ کیلئے پیدا کیا ہے، تو تمہارا یہ مؤقف اور یہ احادیث موضوع ہیں کیونکہ قرآن کریم کے معارض ہیں۔

جواب:

اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں، سب سے پہلے ہم علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنے جوابات عرض کریں گے، چنانچہ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ: یہ احادیث قرآن کریم کی اس آیت وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ ﴿الذریت ۵۶﴾ کے خلاف نہیں ہے، اگر یہ بات ہے تو پھر وہ کتنے کثیر تعداد انسان اور جنات ہیں جو عبادت نہیں کرتے تو کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے اور احادیث مبارکہ پوری مخلوق کو شامل ہیں لہٰذا قرآن کے معارض نہیں ہیں۔[1]

راقم الحروف کا پہلا جواب:

ایک ہوتی ہے علت غائبہ اور ایک علت باعثہ، انسانوں اور جنات کو عبادت کیلئے پیدا کرنا علت غائبہ ہے یعنی ان کی تخلیق کی غرض و غایت عبادت خداوندی ہے اور اس کا باعث ہے وجود باسعود صاحب مقام محمود و محبوب رب ودود لہٰذا قرآن وسنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

دوسرا جواب:

ضروری نہیں کہ ایک کام کا ایک ہی سبب ہو، ایک کام کے دو سبب بھی ہو سکتے ہیں اور تخلیق کائنات کے بھی دو سبب ہیں غرض و غایت کے طور پر عبادت اور اس کا باعث بنی ذات مصطفیٰ کریم ﷺ۔ ہم انسان بھی بعض اوقات ایسے کام کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے کئی کئی اغراض ومقاصد ہوتے ہیں تو جب انسان کے کسی کام کے دو مختلف سبب ہو سکتے ہیں تو اس رب العلمین واحسن الخالقین کے کسی فعل کے دو سبب کیوں نہیں ہو سکتے؟

اظہار ربوبیت اور شان احمدیت:

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں۔ **لولاک لما اظھرت الربوبیۃ۔**

ترجمہ: اے محبوب! اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[2]

ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کی توحید جوش آئے اور وہ کہہ دے کہ جی ان احادیث کی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی موضوع ہے۔ تو ہم گزارش کریں گے کہ یہ حدیث حضور مجدد پاک نے نقل کی ہے اور مجدد پاک کی علمی جلالت مسلمہ ہے لیکن ہم پھر اتمام حجت کے طور پر ایک دو حوالہ جات عرض کئے دیتے ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے "مناظر" مولوی منظور نعمانی نے مجدد صاحب کے متعلق یوں لکھا ہے: "امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے۔ اسی طرح اخیر دور میں (جس کا آغاز ہزارہ روم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اکرم ﷺ کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد ہوتا ہے) امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دین کی تجدید وحفاظت اور احیاء شریعت کا جو کام ہمارے اس ملک

---

[1] (مصابیح السیرۃ المحمودیۃ ج ۱ ص ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[2] (مکتوبات امام ربانی ج ۲ دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جواہر البحار ج ۲ ص ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

میں ہی لیا وہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔"[1]

مزید یوں لکھتا ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں کئی مجدد نظر آتے ہیں کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے۔ کوئی فقہ شافعی کا کوئی علم کلام کا مجدد اور کوئی سلوک و احسان کا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کیلئے خاص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں۔[2]

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مفتی وعلامہ ولی حسن ٹونکی دیوبندی نے لکھا ہے:

راقم الحروف کی رائے ہے کہ اگر حضرت مجدد اپنے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت نہ فرماتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو چین کے مسلمانوں کی ہے۔[3]

دیوبندی مولوی روح اللہ غفوری نے حضرت مجدد پاک کے متعلق لکھا ہے:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ باقویہ کے بانی ہیں، فرماتے تھے، شیخ احمد (امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں، ان جیسے اس امت میں چند ہی بزرگ گزرے ہیں جو آپ کی زیارت کرتا بے اختیار کہتا "فتبارک اللہ احسن الخالقین"[4]

امت کے جلیل القدر مجدد حدیث لکھ رہے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو رب کریم عزوجل اظہار ربوبیت نہ فرماتا اور لوگوں کو افلاک کی پریشانی ہو رہی ہے۔

کنز مخفی اور شان مصطفوی ﷺ:

رب محمد جل وعلا ﷺ نے ارشاد فرمایا "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق....."

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ پس مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا...[5]

خالق کائنات نے اپنی پہچان کیلئے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سب سے قبل اپنے محبوب کے نور اور روح کو پیدا فرمایا۔ انبیاء سے عالم ارواح میں عہد لیا عالم ارواح میں محبوب علیہ السلام کی نبوت کے چرچے فرمائے اور انبیاء کرام و رسولان عظام علیہم السلام، عارفین، کاملین، صالحین، صدیقین بلکہ کل عالمین کو بتا دیا کہ لوگو!

ہر شئے خدا نے بنائی اے سوہنے مدنی دے واسطے　　دو جگ دی کھیڈ رچائی اے سوہنے مدنی دے واسطے

---

[1] (تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۱-۲۰ دار الاشاعت کراچی)

[2] (تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۷۶)

[3] (تذکرہ اولیاء پاک و ہند ص ۱۳۹ بار اول دسمبر ۱۹۹۹ء، ادارہ اسلامیات لاہور)

[4] (بزرگان نقشبندیہ کو خواب میں زیارت نبی ﷺ ص ۱۴۱، اشاعت دوم جنوری ۲۰۱۰ء مکتبہ عمر فاروق کراچی)

[5] (تفسیر روح البیان، ج ۶ ص ۶۱ تحت الآیۃ سورۃ الحج ۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۲۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ المقاصد الحسنۃ باب الالف ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۸۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۶۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ کی شان لولاک کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بوصیری عرض کرتے ہیں۔

و کیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من	لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم
کہا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف	گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

تراعز لولاک تمکیں بس است	ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است
آپ (ﷺ) کو بطور مرتبہ عزت لولاک کافی ہے	آپ (ﷺ) کی تعریف میں طٰہٰ و یٰسٓ کافی ہے

صلاح بن مبارک بخاری فرماتے ہیں۔

خواجۂ لولاک وسلطان رسل	مقتدا و رہنمائی جزوکل (ﷺ)

امام اہلسنت امام عشق ومحبت تاجدار بریلی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب لکھتے ہیں:

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ	لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اقبال سہیل نے کہا۔

کتاب فطرت کے سر ورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا	تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح وقلم نہ ہوتا
یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امام امم نہ ہوتا	زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

ظفر علی خان نے کہا۔

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو	یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ سیاروں میں

شورش کاشمیری دیوبندی کہتا ہے۔

جب دوش پہ گیسو کھلتے ہیں، واللیل کی شرحیں ہوتی ہیں	لولاک لما کے سانچے میں اک نور مجسم ڈھل کے رہا

مولوی طالوت دیوبندی کہتا ہے۔

ادب سے سر جھکاؤ مالک لولاک آتے ہیں	ردائے انما اوڑھے نبی پاک آتے ہیں (ﷺ)[1]

صلی اللہ علی النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(۴۴) ﴿باب نمبر چوالیس اثبات سراویل یعنی پاجامہ کا ثبوت کے بیان میں﴾

پاجامہ (شلوار) پہننا بھی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ لبس السراویل سنة وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذافی الغرائب۔ پاجامہ (شلوار) سنت ہے اور یہ مردوں اور عورتوں دونوں اصناف کیلئے زیادہ ستر پوش ہے۔ یونہی الغرائب میں مذکور ہے۔[2]

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کیلئے دعائے مغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنیں اور اپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کی۔

---

[1] (ماہنامہ حق چار یار، ج ۳ شمارہ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء بیک ٹائٹل)

[2] (فتاویٰ ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع ج ۵ ص ۳۳۳ نورانی کتب خانہ پشاور)

رواہ الترمذی والعقیلی والضعفاء وابن عدی والدیلمی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ بلفظ اللھم اغفر للمتسرولات من امتی یایھا الناس اتخذوا السراویلات فانھا من استر ثیابکم وحصنوا بھا نساء کم اذاخرجن وفی الحدیث قصۃ وفی اسانیدہ مقال رضبی یتقوی بتعدد طرقہ خلافہ الصنیع ابی الفرج۔

ترمذی نے اس کو روایت کیا اور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عدی اور دیلمی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی :اے اللہ! میری امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کو بخشش فرما۔اے لوگو، پاجامہ (یعنی شلوار) پہنا کرو کیونکہ یہ تمھارے لباس میں سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے شلوار سے اپنی عورتوں کو محفوظ کرو جب وہ باہر نکلیں۔اور حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے اس کی سندوں میں اشکال پایا جاتا ہے۔بسا اوقات متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے حدیث قوی ہو جاتی ہے لیکن اس میں علامہ ابو الفرج ابن جوزی کا اپنی کارکردگی کی وجہ سے اختلاف ہے۔[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا۔حضور پاجامہ پہنتے ہیں۔فرمایا :اجل فی السفر والحضر وفی اللیل والنھار فانی امرت بالستر فلم اجد شیئا استر منہ۔رواہ ابویعلی وابن حبان فی الضعفاء والطبرانی فی الاوسط والدار قطنی فی الافراد والعقیلی فی الضعفاء عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ہاں سفر وحضر میں شب وروز پہنتا ہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شئے کو نہ پایا (اس کو ابویعلی اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے الاوسط میں اور امام دارقطنی نے الافراد میں اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

رواہ الترمذی واستقربہ والحاکم وصححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان علی موسٰی یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمہ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت۔

اس کو امام ترمذی نے روایت کرتے ہوئے برقرار رکھا اور حاکم نے روایت کر کے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کی تصحیح فرمائی۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اللہ تعالٰی نے کلام فرمایا تو اس دن وہ اون کی بنی ہوئی چادر اونی جبہ اونی ٹوپی اور اونی شلوار میں ملبوس تھے البتہ ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔[3]

حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراھیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ہیں، رواہ ابو نعیم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من لبس السراویل ابراھیم الخلیل۔ابونعیم نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان وارشاد ہے کہ سب سے پہلے جس نے شلوار پہنی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام تھے۔[4]

---

[1] (کنزالعمال بحوالہ البزار حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ / ۴۶۳)(الکامل لابن عدی ترجمہ ابراہیم بن زکریا العلم الخ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱ / ۲۵۵)(الموضوعات لابن جوزی کتاب اللباس دارالفکر بیروت ۳ / ۴۶)

[2] (مجمع الزوائد بحوالہ ابویعلی والمعجم الاوسط للطبرانی کتاب اللباس باب فی السراویل دارالکتب العربی بیروت ۵ / ۱۲۲)

[3] (جامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الصوف امین کمپنی کراچی ۱ / ۲۰۷۔۲۰۶)

[4] (تہذیب تاریخ ابن عساکر ذکر ما کان من امر ابراھیم علیہ السلام بعد ذٰلک داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ / ۱۴۹)(الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱ / ۲۸)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بالجملہ پاجامہ پہننا بلا شبہ مستحب بلکہ سنت ہے۔

ان لم یکن فعلا فقول و الا فلا اقل من الستنان تقریرا کما علمت۔ اگر فعلی سنت نبی ہو تو قولی سنت ضروری ہے اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم آں حضرت ﷺ کی تقریری سنت تو لامحالہ ہے۔[1]

شلوار پہننا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت مبارکہ ہے، اور سب سے پہلے شلوار حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے پہنی اور شلوار بیٹھ کر پہننا سنت ہے۔

الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّازِ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّكَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ قَالَ أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالتَّسَتُّرِ وَفِيهِ يُونُسُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ قَالَ بن الْقَيِّمِ فِي الْهُدَى اشْتَرَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ إِنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ ثُمَّ قَالَ وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ قُلْتُ وَتُؤْخَذُ أَدِلَّةُ ذَلِكَ كُلِّهِ مِمَّا ذَكَرْتُهُ۔[2]

قال ابن القيم في "الهدى" :اشترى - صلى الله عليه وسلم - السراويل، والظّاهر أنّه إنّما اشتراه ليلبسه ثمّ قال :وروي في حديث أنّه لبس السّراويل، وكانوا يلبسونه في زمانه وبإذنه.[3]

أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى 807 :هـ) لکھتے ہیں

بَابُ :لُبْسِ السَّرَاوِيلِ

- حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الأَغَرِّ بْنِ مُسْلِمٍ وَيُكَنَّى أَبَا مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّارِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ. وَكَانَ لأَهْلِ السُّوقِ وَزَّانٌ يَزِنُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :اتَّزِنْ وَأَرْجِحْ فَقَالَ الْوَزَّانُ :إِنَّ هَذِهِ لَكَلِمَةٌ مَا سَمِعْتُهَا مِنْ أَحَدٍ. فَقَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ :فَقُلْتُ لَهُ :كَفَى بِكَ مِنَ الرَّهْقِ وَالْجَفَاءِ فِي دِينِكَ أَنْ لا تَعْرِفَ نَبِيَّكَ.

فَطَرَحَ الْمِيزَانَ وَوَثَبَ إِلَى يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ أَنْ يُقَبِّلَهَا فَحَذَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ : »مَا هَذَا؟! إِنَّمَا يَفْعَلُ هَذَا الأَعَاجِمُ بِمُلُوكِهَا وَلَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ« .فَوَزَنَ وَأَرْجَحَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّرَاوِيلَ. قَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ :فَذَهَبْتُ لأَحْمِلَهُ عَنْهُ فَقَالَ» :صَاحِبُ الشَّيْءِ أَحَقُّ بِشَيْئِهِ أَنْ يَحْمِلَهُ إِلا أَنْ يَكُونَ ضَعِيفًا يَعْجَزُ عَنْهُ فَيُعِينُهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ« .قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّكَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ» :أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَبِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالسَّتْرِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا أَسْتَرَ مِنْهُ

المقصد العلي في زوائد أبي يعلى الموصلي۔[4]

---

[1] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۱۵۵)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۰، صفحہ ۳۳۶، مکتبہ عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ)

[3] (فتح السلام شرح عمدة الأحكام، للحافظ ابن حجر العسقلاني مأخوذ من كتابه فتح الباري ج ۹ ۴۳۸)

[4] (ج ۴ ص ۲۸۳ الناشر :دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

العلامةمحمود محمد خطاب السّبكي لکھتے ہیں

(قال) وفي زاد المعاد :واشترى صلى الله عليه وعلى آله وسلم السراويل. والظاهر أنه إنما اشتراه ليلبسه (وقد) روى في غير حديث أنه صلى الله عليه وعلى آله وسلم لبس السراويل وكانوا يلبسون السراويلات في زمانه وبإذنه أهـ.

العلامةصهيب عبد الجبار لکھتے ہیں

وَعَنْ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - قَالَتْ :قَالَ رَسُول اللهِ - صلى الله عليه وسلم - :("إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا) ثُمَّ قَرَأَ : {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (فَقُلْتُ :يَا رَسُول الله، الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟) (فَقَالَ : "يَا عَائِشَةُ {لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ} (وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ") يُقَال :إِنَّ الْحِكْمَةَ فِي خُصُوصِيَّةِ إِبْرَاهِيمَ بِذَلِك ,لِكَوْنِهِ أُلْقِيَ فِي النَّار عُرْيَانًا، وَقِيلَ :لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ لَبِسَ السَّرَاوِيل.[1]

(بابُ السَّرَاوِيلِ)

أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى 855 :هـ) لکھتے ہیں

أَي :هَذَا بَاب يذكر فِيهِ السَّرَاوِيل، وَقَالَ الْجَوْهَرِي :السَّرَاوِيل مَعْرُوف يذكر وَيُؤَنث، وَالْجمع السراويلات، وَقَالَ سِيبَوَيْهِ: سَرَاوِيل وَاحِدَة هِيَ عجمية عربت فَأَشْبَهت من كَلَامهم مَا لَا ينْصَرف فِي معرفَة وَلَا نكرَة، فَهِيَ مصروفة فِي النكرَة، وَمن النَّحْوِيين من لَا يصرفهُ أَيْضا فِي النكرَة، وَيَزْعُم أَنه جمع سروال وسروالة، وَقَالَ شَيخنَا زين الدّين، رَحمَه الله تَعَالَى :روينَا من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مَرْفُوعا أَن أول من لبس السروايل إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ السَّلَام رَوَاهُ أَبُو نعيم الْأَصْبَهَانِيّ، وَقيل :هَذَا هُوَ السَّبَب فِي كَون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة، كَمَا ثَبت فِي (الصَّحِيحَيْنِ) من حَدِيث ابْن عَبَّاس، فَلَمَّا كَانَ أول من اتَّخذ هَذَا النَّوْع من اللبَاس الَّذِي هُوَ أستر للعورة من سَائِر الملابس جوزي بِأَن يكون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة.

وَفِيه :اسْتِحْبَاب لبس السَّرَاوِيل، وَقد روى التِّرْمِذِيّ من حَدِيث سُوَيْد بن قيس قَالَ :جلبت أَنا ومخرفة الْعَبْدي بزا من هجر، فجاءنا النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فساومنا بسراويل... الحَدِيث، وَرَوَاهُ أَبُو يعلى فِي (مُسْنده) من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مطولا.

وَفِيه :إِخْبَاره ﷺ[2]

:زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي المصري الشافعي (المتوفى 926 :هـ) لکھتے ہیں

(وأول من يكسى يوم القيامة إبراهيم) خص بذلك؛ لأنه أول من كسي الكعبة، أو لأنه ألقي في النار عريانًا، أو لأنه أول من لبس السراويل مبالغة في الستر.[3]

زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031هـ) لکھتے ہیں

---

[1] (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد ج ۳ ص ۴۵ فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ۶ ۳۹۰)

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاريج ۱ ۲ ص ۳۰۶ الناشر :دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[3] (منحة الباري بشرح صحيح البخاري المسمى »تحفة الباري ج ۶ ص ۴۳۳ الناشر :مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض - المملكة العربية السعودية)

(اتخذوا) خذوا أخذ معتن بالشيء مجتهد فيه والأمر للندب المؤكد (السراويلات) التي ليست بواسعة ولا طويلة جمع [ص110:] سراويل أعجمي عرب جاء بلفظ الجمع وهو مفرد يذكر ويؤنث والسراوين بنون والشراويل بشين معجمة لغة (فإنها من أستر ثيابكم) أي أكثرها سترا ومن مزيدة لسترها للعورة التي يسيء صاحبها كشفها وفيه ندب لبس السراويل لكن إذا لم تكن واسعة ولا طويلة فإنها مكروهة كما جاء في خبر آخر وفي تفسير ابن وكيع أن إبراهيم أول من تسرول قال الداراني: لما اتخذ الله إبراهيم خليلا أوحى إليه أن وار عورتك من الأرض فكان لا يتخذ من كل شيء إلا واحدا سوى السراويل فيتخذ اثنين فإذا غسل أحدهما لبس الآخر حتى لا يأتي عليه حال إلا وعورته مستورة به۔[1]

(فائدة) أول من لبس السراويل سيدنا ابراهيم عليه الصلاة والسلام، كان كثير الحياء حتى كان يستحي من أن ترى الأرضُ مذاكيره، فاشتكى إلى الله تعالى فهبط عليه جبريل بخرقة من الجنة ففصلها جبريل سراويل وقال ادفعها الى سارة تخيطه. فلما خاطئة ولبسه ابراهيم قال ما أحسن هذا وأستره فإنه نعم الستر للمؤمن. ذكره في غذاء الألباب۔[2]

شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي (المتوفى 1188 :هـ) لکھتے ہیں

مَطْلَب :فِي أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَبِسَ السَّرَاوِيلَ أَمْ لَا؟.

(الثَّانِي) :اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمْ لَا؟ قَالَ فِي الْآدَابِ الْكُبْرَى :قَدْ رُوِيَ عَنْ إبْرَاهِيمَ وَمُوسَى - عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - أَنَّهُمَا لَبِسَاهُ وَلَبِسَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -.

وَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ كَسَلْمَانَ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ بِهِ.

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِهِ الْوَفِيِّ وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ بُرَيْدَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ» :إنَّ النَّجَاشِيَّ كَتَبَ إلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إنِّي قَدْ زَوَّجْتُك امْرَأَةً مِنْ قَوْمِك وَهِيَ عَلَى دِينِك أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَهْدَيْتُ لَك هَدِيَّةً جَامِعَةً قَمِيصًا وَسَرَاوِيلَ وَعِطَافًا وَخُفَّيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا «قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُد أَحَدُ رُوَاةِ الْحَدِيثِ :قُلْت لِلْهَيْثَمِ بْنِ عَدِيٍّ مَا الْعِطَافُ؟ قَالَ :الطَّيْلَسَانُ.

وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ »سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ :جَلَبْت أَنَا وَمَخْرَمَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ إلَى مَكَّةَ فَأَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ، وَثَمَّ وَزَّانٍ يَزِنُ بِالْأَجْرِ، فَقَالَ :إذَا زِنْت فَأَرْجِحْ« وَأَخْرَجَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ عَمِيرَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ »قَدِمْت قَبْلَ مُهَاجَرِ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى مِنِّي سَرَاوِيلَ فَأَرْجَحَ لِي« قَالَ فِي الْفَتْحِ وَمَا كَانَ لِيَشْتَرِيَهُ عَبَثًا وَإِنْ كَانَ غَالِبُ لُبْسِهِ الْإِزَارَ.

وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ »دَخَلْت يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَجَلَسَ إلَى الْبَزَّازِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ« الْحَدِيثَ وَفِيهِ »فَقُلْت :يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنَّك لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ : أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْت بِالتَّسَتُّرِ« وَفِيهِ يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ ضَعِيفٌ.

قَالَ فِي الْهَدْيِ :اشْتَرَى - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ إنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ. ثُمَّ قَالَ :وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ

---

[1] (فيض القدير شرح الجامع الصغير ج ۱ ص ۱۰۹)

[2] (الدين الخالص أو إرشاد الخلق إلى دين الحق (والمجلد التاسع طبع باسم :إرشاد الناسك إلى أعمال المناسك ج ص ۱۵۸)

السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ۔[1]

أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى 571 :هـ) لکھتے ہیں

أخبرنا أبو عبد الله الفراوي وأبو محمد عبد الجبار بن محمد بن أحمد الخواري (1) قالا أنا أبو بكر البيهقي أنا أبو علي الحسين بن أحمد بن إبراهيم بن شاذان البغدادي بها أخبرنا عبد الله بن جعفر نا يعقوب بن سفيان نا أبو إسحاق إبراهيم بن زكريا البجلي ناهمام عن قتادة عن قدامة بن وبرة عن الأصبغ بن نباتة عن علي قال كنت قاعدا عند النبي (صلى الله عليه وسلم) بالبقيع في يوم دجن مطر فمرت امرأة على حمار معها مكار فهوت يد الحمار في وهدة من الأرض فسقطت المرأة فأعرض النبي (صلى الله عليه وسلم) عنها بوجهه فقالوا يا رسول الله إنها متسرولة فقال اللهم اغفر للمتسرولات من أمتي ثلاثا يا أيها الناس اتخذوا السراويلات فإنها من أستر ثيابكم وخصوا بها نساءكم إذا خرجن۔[2]

قال العلامة محمد بن يوسف الصالحي الشامي المتوفى ۹۴۲ھ قال الشيخ برهان الدين الباجي حافظ الشام في كتابه قلائد العقيان فيما يورث الفقر والنسيان إن التعمم قاعدا والتسرول قائما يورثان الفقر والنسيان۔[3]

قالا من تعمم قاعداً او تسرول قائماً ابتلاه الله تعالىٰ ببلاء لا دواء له۔[4]

هداية الابرار الى طريقة الاخيار میں ہے:

ولبس السراويل سنة وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه خليل الله عليه السلام ليكون حائلاً بين عضوه وبين الارض وأمر أن يغسل فيه ويكفن فوقه وكان الحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما يتغاطون فى الماء وعليهم سراويلات تستّر اعن سكّان الماء۔[5]

شرح شرعة الاسلام میں ہے۔

(ولبس السراويل سنة) الانبياء عليهم السلام (وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه ابراهيم خليل الله عليهم السلام ليكون حائلاً بين عضوه) المعهود (وبين الارض) روى عن ابى سليمان رحمه الله انه قال لما اتخذ الله تعالىٰ ابراهيم خليلا اوحى اليه ان استر عورتک من الارض وكان النبى ﷺ يتخذ من كل لباس واحدا الا السراويل فانه كان يتخذ سراويلين فاذا غسل احدهما كان يلبس الآخر۔[6]

صحابی رسول ﷺ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بھی شلوار پہنا ہے۔

---

[1] (غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب ج ۲ ص ۲۴۱ الناشر :مؤسسة قرطبة-مصر)

[2] (تاريخ دمشق ج ۴ ص ۲۰۶ ج ۸ ص ۲۲۲ الناشر :دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[3] (سبل الهدى والرشاد ج ۷ ص ۲۸۲ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

[4] (كشف الالتباس فى استحباب اللباس فارسى اردو ص ۱۶ مطبوعه دار احياء العلوم كراتشى)

[5] (هداية الابرار الى طريقة الاخيار ص ۳۷)

[6] (شرح شرعة الاسلام ص ۲۸۳)

أبو السَرِي هَنَّاد بن السَرِي بن مصعب بن أبي بكر بن شبر بن صعفوق بن عمرو بن زرارة بن عدس بن زيد التميمي الدارمي الكوفي (المتوفى243 :هـ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي مَرْزُوقٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ :" رَأَيْتُ سَلْمَانَ الْفَارِسِيَّ فِي سَرِيَّةٍ وَهُوَ أَمِيرُهَا عَلَى حِمَارٍ وَعَلَيْهِ سَرَاوِيلُ وَخَدْمَتَاهُ تَذَبْذَبَانِ ,وَالْجُنْدُ يَقُولُونَ :قَدْ جَاءَ الْأَمِيرُ، فَقَالَ سَلْمَانُ» :إِنَّمَا الْخَيْرُ وَالشَّرُّ بَعْدَ الْيَوْمِ۔[1]

(۴۵)﴿باب نمبر پینتالیس جشن عید میلاد النبی ﷺ منانے کا بیان﴾

عید میلاد النبی ﷺ نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن کو کہا جاتا ہے کیونکہ ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت نصیب ہو عید یعنی خوشی ومسرت ظاہر کرنے کا دن ہے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿المائدة۱۱۴﴾

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

بنی اسرائیل پر آسمان سے تیار شدہ کھانا (من وسلویٰ) اترنے کا دن عید ہو کیونکہ یہ من وسلویٰ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو پھر نبی رحمۃ للعلمین ﷺ کی پیدائش کا دن مسلمانوں کیلئے عید کا دن کیوں نہ ہو جب کہ وہ تمام کی جان اور سب سے بڑی نعمت ہیں۔اس لئے علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب جواہر البحار میں فرمایا۔فرحم اللہ امرء اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیاداً۔پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آپ ﷺ کے مولد پاک کے مہینہ کی راتوں کو عید کے طور پر منایا۔علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ دیگر علمائے اسلاف نے بھی میلاد النبی ﷺ کے شب وروز کو عید قرار دیا کیوں کہ کسی کو بھی اس حقیقت میں شک نہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت بلکہ نعمتوں کی اصل اور جان ہیں۔حق تو یہ ہے کہ انہیں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمتوں سے نوازتا ہے۔

وہ نعمت ہیں:

۱۔حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہونا قرآن کریم کی دیگر آیات کے علاوہ اس آیت میں بھی واضح ہے۔آپ ﷺ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿الانبیاء۱۰۷﴾ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو مردہ نہ ہو کیونکہ مردہ رحم نہیں کرسکتا بلکہ وہ تو رحم کا طالب ومستحق ہوتا ہے لہذا اگر حضور خاتم النبیین ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو وہ رحمۃ للعلمین نہیں ہوسکتے۔دوسری بات یہ ہے کہ رحم کرنے والے کا صرف زندہ ہونا کافی نہیں بلکہ جس پر رحم کرے گا اس کی حالت سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ رحم کرنے والا جب تک مرحوم کے حال سے باخبر نہ ہوگا اس پر رحم نہیں کرسکتا لہذا حضور اقدس ﷺ کا عالم ما کان ومایکون ہونا ضروری ہے۔آیت قرآنی کی روشنی میں حضور ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں تو حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوری کائنات اور پوری کائنات میں موجود تمام مخلوقات کا حال کا علم بھی ضروری ہے کیوں کہ تمام کائنات اور مخلوقات کے حالات

---

[1](الزھد ج۲ ص۱۸۴ الناشر :دار الخلفاء للکتاب الإسلامي-الکویت)

کو جانے بغیر حضور ﷺ رحمۃ للعلمین نہیں ہو سکتے جب کہ حضور ﷺ کا رحمۃ للعلمین ہونا نص سے ثابت ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم یا باخبر ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم (جس پر رحم کرنا ہو) تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو۔چوتھی بات یہ کہ کسی پر رحم کرنے کیلئے صرف قدرت و اختیار بھی کافی نہیں بلکہ کسی پر رحم کرنے کیلئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔چنانچہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴿الاحزاب ٦﴾ کی صفت سے سرفراز فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمام عالم کے قریب اس وقت ہو سکتے ہیں کہ جب اعلیٰ درجے کے نورانی و روحانی اور لطیف ہوں چونکہ رحمۃ للعلمین ہونے کی وجہ سے ان کا تمام جہانوں سے قریب ہونا ضروری ہے اس لئے ان کا روحانی ،نورانی اور لطیف ہونا ضروری ہوا غرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی ایک صفت رحمۃ للعلمین میں مذکورہ بالا پانچوں صفات جمع فرما دیں لیکن حضور ﷺ سے بغض وعناد رکھنے والوں کے بغض وعناد کو ظاہر فرمانے کے لئے تمام صفات جداگانہ بیان فرما کر خاک آلود فرما دیا۔ایک آیت سے پانچ مسئلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئے یعنی حضور ﷺ تمام عالم کیلئے رحمت فرمانے والے ہیں لہذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات وکیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی عالم کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شئے سے قریب بھی ہیں نیز ایسے روحانی ،نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بناء پر آپ ﷺ کا کسی ایک چیز کے قریب ہونا دوسری شئے سے بعید ہونے سے مستلزم نہیں بلکہ بیک وقت تمام افراد عالم سے یکساں قریب ہیں۔

انبیا کو بھی اجل آنی ہے،مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اُسی آن کے بعد ان کی حیات،مثل سابق وہی جسمانی ہے
رُوح تو سب کی ہے زندہ ان کا جسم پُرنور بھی رُوحانی ہے
اوروں کی رُوح ہو کتنی ہی لطیف،اُن کے اَجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی،رُوح ہے پاک ہے نورانی ہے
اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح،اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے
یہ ہیں حَیّ ابدی ان کو رضا،صدقِ وعدہ کی قضا مانی ہے[1]

۲۔نبی کریم ﷺ تمام جہانوں کو کسی نہ کسی اعتبار سے فائدہ پہنچانے کیلئے تشریف لائے تو وہ چیزیں جو کسی خاص قوم یا فرد کو وقتی اور عارضی فائدہ پہنچاتی ہیں اگر نعمت ہو سکتی ہیں تو تمام جہانوں کیلئے رحمت بن کر تشریف لانے والے نبی کے نعمت ہونے میں کس طرح شبہ کیا جا سکتا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿النحل ١٨﴾ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس قدر بے شمار نعمتیں عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی احسان ظاہر نہ فرمایا لیکن بعثت محمد رسول اللہ ﷺ ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس ان کے پیدا کرنے والے خدا نے خود اظہار احسان فرمایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ﴿آل عمران ١٦٤﴾ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول بھیجا۔

ایسی عظیم نعمت کے حصول کی تاریخ کو یقیناً سب سے بڑی عید ہی سمجھنا چاہیئے اور اس دن اس نعمت عظمیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو چرچا کر کے اللہ

---

[1] (جشن عید میلاد النبی ﷺ ص ۲)

تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہی حصول برکت و رحمت کا ذریعہ ہے کیونکہ نعمتوں سے نوازنے والا اللہ تعالیٰ یہی پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے نعمتیں حاصل کر کے خوشیاں منائیں ان نعمتوں کا اظہار کریں اور ان کا چرچا کریں۔

۳۔احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذات محمد رسول اللہ ﷺ نعمت الہیٰ ہے۔بطور نمونہ بخاری شریف کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

حدثنا الحميدي، حدثنا سفيان، حدثنا عمرو، عن عطاء، عن ابن عباس-رضى الله عنهما {الذين بدلوا نعمة الله كفرا} قال هم والله كفار قريش. قال عمرو هم قريش ومحمد صلى الله عليه وسلم نعمة الله {وأحلوا قومهم دار البوار} قال النار يوم بدر.

ہم سے حمیدی نے بیان کیا' ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا' ان سے عمرو بن دینار نے بیان کیا' ان سے عطاء نے اور ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے' قرآنمجید کی آیت ((اَلَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا)) (ابراہیم 28) کے بارے میں آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم! یہ کفار قریش تھے عمرو نے کہا کہ اس سے مراد قریش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی نعمت تھے کفار قریش نے اپنی قوم کو جنگ بدر کے دن دار البوار یعنی دوزخ میں جھونک دیا۔[1]

بہرحال حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہونا ایک واضح حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی صاحب نہیں کرسکتا اور جو کوئی انکار وہ صاحب ایمان نہیں ہوسکتا۔

شکر نعمت:

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے نعمتیں ملنے پر خوش بھی ہوں اظہار نعمت بھی کریں اور وہ نعمتوں کا شکر بھی ادا کریں۔قرآن کریم میں ہے کہ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿یونس ۵۸﴾ تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔'' یعنی بندے نعمتوں کے ملنے پر خوش ہوں اور وہ اظہار خوشی میں اپنا وقت اور دولت جو بھی صرف کریں گے وہ ضائع نہیں جائے گا بلکہ جس طرح دوسری نیکیوں کا بدلہ ملتا ہے اسی طرح اس نیکی کا بھی بدلہ دیا جائے گا۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿والضحیٰ ۱۱﴾ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔'' جو نعمتیں قابل استعمال ہیں ان کے اظہار کا طریقہ ان کو استعمال کرنا ہے اور جو نعمتیں قابل بیان ہوں ان کے اظہار کا طریقہ ان کا ذکر اور چرچا کرنا ہے۔حضور ﷺ نعمت اللہ ہیں۔(بخاری ج ۲ ص ۵۶۶) وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿البقرۃ ۱۷۲﴾ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔'' گویا نعمت کا شکر ادا کرنا عبادت گزار ہونے کا ثبوت ہے جو نعمت کا شکر ادا کرتا ہے درحقیقت وہی اپنی بندگی کا اعتراف کرتا ہے۔قرآن کریم کی یہ تین آیات اس بات کا اعتراف کرنے کیلئے کافی ہیں کہ نعمت ملنے پر خوشی منانا نعمت کو ظاہر کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے اور زیادہ انعامات نصیب ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿ابراھیم ۷﴾ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دونگا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔'' یعنی اگر تم شکر کرو گے تو ہم پر اپنی نعمت زائد کریں گے تو حضور ﷺ کے یوم ولادت کو عید جاننا در حقیقت خدا کی سب سے بڑی نعمت پر خوشی ظاہر کرنا ہے اور اس دن ان کے فضائل و مناقب و کمالات کو بیان کرنا اس نعمت کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی اطاعت و پیروی کا عزم کرنا شکر نعمت ہے اور جو مسلمان ایسا کرتے ہیں وعدۂ الہیٰ کے مطابق ان کو مزید انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۹۷۷)

ذکرنعمت:

قرآن کریم اس بات کو بھی ثابت کرتا ہے کہ قوم کو وہ خصوصی ایام یاد دلائے جانا چاہیئے جن میں اس کو خدا کوئی خاص انعام ملا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ﴿ابراھیم ۵﴾ اور انہیں اللہ کے دن یاد دِلا۔'' یہاں بات سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وہ خاص دن یاد دلایا کریں جن میں انہیں فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی اور ان پر من وسلویٰ نازل ہوا اور اس قسم کے دوسرے دن جن میں انہیں انعامات سے نوازا گیا یہ حکم دو وجہ سے دیا گیا۔ نمبر ایک اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے جس کیلئے موزوں ترین وقت وہی تاریخ ہے جس میں وہ نعمت ملے۔ نمبر دو اس لئے کہ بندے جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے اور سنتے ہیں تو وہ ان نعمتوں کی قدر بھی کرنے لگتے ہیں اور انہیں ان نعمتوں کے دینے والے سے بھی تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ کے خاص دنوں کو یاد کرائیں تو یقیناً اس نعمت کا ذکر بھی عین مرضی الہیٰ کے مطابق ہے جس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند بھی فرمایا اور اسے اپنا ہی ذکر قرار دیا۔ فرمایا گیا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿الشرح ۴﴾ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔'' قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر سیدنا ابن عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنی کتاب شفاء شریف میں اس طرح نقل فرمائی ۔جعلتک ذکرامن ذکری فمن ذکرک ذکرنی ۔اے نبی ﷺ میں نے آپ کو اپنا ذکر بنا دیا ہے جو آپ کو یاد کرے گا گویا مجھے یاد کرے گا۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہودی عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہیں جب کچھ یہودیوں سے اس روزے کی وجہ معلوم کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ عاشورا وہ تاریخ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دلائی تو ہم اس نعمت پر شکر کرتے ہوئے یہ روزہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ جاننے کے بعد فرمایا

وحَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَوَجَدَ الْيَهُودَ صِيَامًا، يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :مَا هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ؟« فَقَالُوا :هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، أَنْجَى اللهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ، وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ، فَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا، فَنَحْنُ نَصُومُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

ابن ابی عمر، سفیان، ایوب، عبداللہ بن سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس دن کی کیا وجہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہ وہ عظیم دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق فرمایا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کا روزہ رکھا اس لئے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم زیادہ حقدار ہیں اور تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔'' اس لئے آج عاشورا کا روزہ مستحب ہونا باقی ہے کسی نے اس کو حرام قرار نہیں دیا تو جب نبی کریم ﷺ نے خود سابقہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد کو باقی رکھنے اور ان کا دن منانے کی اجازت دی تو خود صاحب شریعت ﷺ کی یاد کرنا اور ان

کے دن کو منانا کیسے خلاف شریعت ہوسکتا ہے۔

ا۔نبی کریم ﷺ سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ خود بھی اپنی پیدائش کو یاد رکھتے تھے اور اپنے بلند مقام کو ظاہر فرما کر اپنا یوم پیدائش منایا کرتے تھے۔جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے جب آپ ﷺ سے اس روزے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ۔کہ اس دن میں پیدا ہوا اور اس دن مجھ پر قرآن نازل ہوا"یعنی یہ روزہ اس دن میں کسی خوبی کی وجہ سے نہیں رکھا جاتا بلکہ ان دو نعمتوں کے شکر پر رکھا جاتا ہے جو کہ پیر کے دن نصیب ہوئیں۔(حضور علیہ السلام کی پیدائش اور نزول قرآن کی ابتداء) گویا نبی کریم ﷺ ہر ہفتہ اپنا یوم ولادت مناتے تھے تو کیا ہم ان کے غلام سال میں ایک مرتبہ بھی یہ دن نہیں منا سکتے۔

میلاد پر خوشی کا اظہار کرنے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہوتا ہے اس پر درج ذیل واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ کے ایک چچا کا نام ابولہب تھا اس نے آپ ﷺ کی حد درجہ مخالفت کی حتیٰ کہ قرآن حکیم میں اس کی مذمت میں ایک سورۃ نازل ہوئی جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی اور اس کو اس کی لونڈی ثویبہ نے اطلاع دی کہ تیرے بھائی عبداللہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو اس نے فقط اس خوشی میں کہ بھتیجا پیدا ہوا ہے لونڈی کو آزاد کر دیا۔بخاری شریف میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ، قَالَ لَهُ :مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ :لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ۔ یعنی ابولہب کے مرنے کے بعد اہل خانہ میں سے بعض لوگوں نے اسے خواب میں بری حالت میں دیکھا اور اس سے پوچھا کیا حال ہے؟اس نے کہا کہ یہاں میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں کبھی اس سے راحت نہیں ہوتی ہاں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں اس لئے کہ میں نے (حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کر دیا۔[1]

اس واقعہ کو عظیم محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔

وَذَكَرَ السُّهَيْلِيُّ أَنَّ الْعَبَّاسَ قَالَ لَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ رَأَيْتُهُ فِي مَنَامِي بَعْدَ حَوْلٍ فِي شَرِّ حَالٍ فَقَالَ مَا لَقِيتُ بَعْدَكُمْ رَاحَةً إِلَّا أَنَّ الْعَذَابَ يُخَفَّفُ عَنِّي كُلَّ يَوْمِ اثْنَيْنِ قَالَ وَذَلِكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب مرگیا تو میں نے اسے ایک سال بعد خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے پایا کہ تمہاری جدائی کے بعد آرام نصیب نہیں ہوا بلکہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں لیکن سوموار کا دن آتا ہے تو میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے یہ اس لئے کہ پیر کے دن نبی ﷺ کی ولادت ہوئی۔[2]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت کا تذکرہ کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ یہ روایت موقع میلاد پر خوشی اور مال صدقہ کرنے والوں کیلئے دلیل اور سند ہے۔ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا جب وہ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کر کے عذاب میں تخفیف حاصل کر لیتا ہے تو کیا مقام ہوگا اس مسلمان کا جس کے دل میں محبت رسول ﷺ موجزن ہو اور ایسے موقع پر خوشی کا اظہار کرے ہاں بدعت مثلاً رقص غیر اسلامی اعمال وغیرہ سے اجتناب ضروری ہے۔کیوں کہ اس کے ذریعے میلاد کی برکات سے انسان محروم

---

[1] (بخاری شریف ۲:۷۶۴)

[2] (فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۱۴۵)

ہو جاتا ہے۔[1]

امام القراء الحافظ شمس الدین ابن الجزری اپنی تصنیف عرف تعریف بالمولد الشریف میں لکھتے ہیں۔

فاذا کان ابو لهب الکافر الذی نزل القرآن بذنبه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ فما حال المسلم الموحد من امة محمد ﷺ بنشر مولده و بزل ماتصل الیه قدرته فی محبته لعمر انما یکون جزاءه من الله الکریم ان یدخله بفضله جنات النعیم

۔یعنی جب وہ دشمن خدا ابولہب جس کی مذمت میں قرآن کی سورۃ نازل ہوئی حضور ﷺ کی میلاد کی رات خوشی کرنے پر اس کے عذاب میں کمی کردی جاتی ہے تو وہ مسلمان جو کہ آپ ﷺ کا عاشق ہے میلاد کی خوشی سے کیا مقام پائے گا۔خدا کی قسم میرے نزدیک اللہ کریم ایسی مسلمان کو اپنے محبوب کریم ﷺ کی خوشی میں جنت النعیم عطا فرمائے گا۔[2]

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی مولد الصاوی فی مولد الہادی میں فرماتے ہیں۔

قد صح ان ابا لهب یخفف عنه عذاب النار فی مثل یوم الاثنین بعتاقه ثویبة مسرورا بمیلاد النبی ﷺ ثم انشد۔

اذا کان هذا کافر جآء ذمه — وتبت یداه فی الجحیم مخلدا

اتی انه فی یوم الاثنین دائما — یخفف عنه للسرور باحمدا

فما انطق بالعبد الذی کان عمره — باحمد امسرورا و مات

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میلاد کی خوشی میں ثویبہ کے آزاد کرنے پر ابولہب کے عذاب میں اللہ تعالیٰ نے کمی کردی اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔یعنی جب ابولہب جیسا کافر ومشرک جس کے بارے میں قرآن میں مذمت نازل ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا مستحق قرار دیا گیا کیلئے حضور ﷺ کے میلاد پر خوشی کرنے کی بناء پر ہر سوموار کو اس کے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے تو کتنا خوش قسمت ہوگا وہ مسلمان جس کی زندگی میلاد کی خوشیوں میں بسر ہو جائے۔[3]

مولوی عبدالحیی لکھنوی لکھتے ہیں پس جب ابولہب جیسے کافر پر آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف کردی گئی تو جو امتی آپ ﷺ کی ولادت کی وجہ سے خوشی کرے اور اپنی قدرت کے موافق آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے کیونکر اعلیٰ مرتبے کو نہ پہنچے گا۔[4]

مفتی رشید احمد لدھیانوی احسن الفتاوی میں استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کیلئے میلاد النبی ﷺ کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی امتی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسب وسعت آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے تو کیونکر اعلیٰ مراتب حاصل نہ کرے گا۔[5]

ان تمام محدثین اور علماء ثویبہ کے واقعہ سے استدلال کرنا اس کی صحت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا:

---

[1] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۹)

[2] (حجۃ اللہ علی العلمین ص ۲۳۸)

[3] (حجۃ اللہ علی العلمین ص ۲۳۸)

[4] (فتاویٰ عبدالحیی ص ۲۸۲ ج ۲)

[5] (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۷ و ۳۴۸)

اے اللہ جل جلالہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں میرے تمام اعمال فساد نیت کا شکار ہیں البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض آپ ہی عنایت سے اس قابل اور لائق التفات ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک ﷺ پر درود پاک وسلام بھیجتا ہوں۔اے اللہ جل جلالہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقینا تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگی۔[1]

حضور نبی اکرم ﷺ کا وجود بلاشبہ رب کائنات کی سب سے بڑی نعمت اور کائنات انسانی پر اس کا سب سے بڑا انعام ہے اور اس کے لطف وکرم پر تحدیث نعمت کا حکم بھی نصوص صریحہ سے ثابت ہے چنانچہ امت مسلمہ مختلف ادوار میں آپ ﷺ کا یوم ولادت بڑے اہتمام سے مناتے چلے آئے ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ کے یوم ولادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار اور مختلف النوع اعمال خیر کا صدور دور حاضر کے اختراع نہیں بلکہ ہر دور کے اکابرین سے ثابت ہے۔فقیر چند جلیل القدر ائمہ اور اکابرین امت رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے اقتباسات پیش کرتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

عِنْدِي أَنَّ أَصْلَ عَمَلِ الْمَوْلِدِ الَّذِي هُوَ اجْتِمَاعُ النَّاسِ وَقِرَاءَةُ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ وَرِوَايَةُ الْأَخْبَارِ الْوَارِدَةِ فِي مَبْدَأِ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا وَقَعَ فِي مَوْلِدِهِ مِنَ الْآيَاتِ، ثُمَّ يُمَدُّ لَهُمْ سِمَاطٌ يَأْكُلُونَهُ وَيَنْصَرِفُونَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ عَلَى ذَلِكَ - هُوَ مِنَ الْبِدَعِ الْحَسَنَةِ الَّتِي يُثَابُ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ قَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِظْهَارِ الْفَرَحِ وَالِاسْتِبْشَارِ بِمَوْلِدِهِ الشَّرِيفِ۔

میرے نزدیک میلاد کیلئے اجتماع تلاوت قرآن حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات اور ولادت کے موقع پر ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان بدعات حسنہ میں سے ہے جن پر ثواب مترتب ہوتا ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی تعظیم ومحبت اور آپ ﷺ کی آمد کی خوشی کا اظہار ہے۔[2]

شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

ولا زال أهل السلام يحتفلون بشهر مولده- عليه السّلام-، ويعملون الولائم، ويتصدقون فى لياليه بأنواع الصدقات، ويظهرون السرور، ويزيدون فى المبرات. ويعتنون بقراءة مولده الكريم، ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عميم.

ومما جرب من خواصه أنه أمان فى ذلك العام، وبشرى عاجلة بنيل البغية والمرام، فرحم الله امرآ اتخذ ليالى شهر مولده المبارك أعيادا، ليكون أشد علة على من فى قلبه مرض۔

ربیع الاول چونکہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے لہذا اس میں تمام اہل اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل کا انعقاد کرتے چلے آرہے ہیں۔اس کی راتوں میں صدقات اور اچھے اعمال میں کثرت کرتے ہیں خصوصاً ان محافل میں آپ ﷺ کے میلاد کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرتے ہیں محافل میلاد کی یہ برکت مجرب ہے اس کی وجہ سے یہ سال امن میں گزرتا ہے اللہ تعالیٰ

---

[1] (اخبار الاخیار ص ۶۲۴)

[2] (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۸۹ باب حسن المقصد فی عمل المولد)

اس آدمی پر اپنا فضل واحسان کرے جنہوں نے آپ ﷺ کے میلاد مبارک کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض ہے۔[1]

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دشمنانِ رسول ﷺ نے آپ ﷺ کے نسب پر طعنہ زنی کی کہ جس کا علم نہیں نبی کریم ﷺ کو تو آپ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے خود اپنے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''میں کون ہوں؟''، حاضر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، ''آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں''، آپ ﷺ نے فرمایا، ''میں محمد (ﷺ) بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، اللہ نے مخلوق پیدا کی اور ان میں سب سے بہتر مجھے بنایا، پھر سب مخلوق کے دو گروہ کئے، اور ان میں مجھے بہتر بنایا۔ پھر ان کے قبیلے کئے اور مجھے ان میں بہتر قبیلے میں بنایا۔ پھر ان کے گھرانے بنائے اور ان میں مجھے بہتر بنایا۔ تو میں ان سب میں اپنی ذات کے اعتبار سے اور گھرانے کے اعتبار سے بہتر ہوں۔'' اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنا حسب ونسب بیان کیا۔ (کتاب مشکوۃ شریف، باب فضائل سید المرسلین) متعدد احادیث شریفہ موجود ہیں جن میں میلاد شریف کا بیان موجود ہے، لیکن یہاں اختصار کی وجہ سے ان کا بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ ان احادیث پر علماء اسلاف نے کس طرح عمل کیا۔ اور عید میلاد النبی ﷺ کے متعلق ان کا کیا عقیدہ تھا، تو یہاں صرف چند علماء کے عمل وعقیدے کو بیان کیا جاتا ہے جس پر اگر غور کیا جائے، تو عید میلاد النبی ﷺ منانے والوں کو اپنے اس عمل پر مزید سکون واطمینان ہوتا ہے، الحمد للہ، اور منکرین کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ ابن حجر ہیتمی

فرماتے ہیں محافل میلاد واذکار جو ہمارے یہاں بیان کئے جاتے ہیں، ان میں اکثر بھلائی پر مشتمل ہیں، جیسے صدقہ، ذکر، صلوۃ وسلام بحضور خیر الانام ﷺ اور ان کی مدح اور قسم ثانی سنت ہے۔ کیونکہ جو احادیث خاص وعام اذکار کے بارے میں وہ اس کو شامل ہیں۔

(۲) علامہ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ہمارے زمانے کی اچھی ایجادوں میں وہ افعال ہیں جو مولد النبی ﷺ کے دن کی جاتی ہیں۔ یعنی صدقات، بھلائی کے کام، فرحت ومسرت کا اظہار، فقراء کے ساتھ احسان کرنے کے علاوہ ان تمام چیزوں کے کرنے والوں کی محبت حضور علیہ السلام سے ظاہر ہوتی ہے اور اس نعمت کا شکر ادا ہوتا ہے جس کے عطا کرنے پر خدا نے احسان جتایا۔

وفیہ اغاظتہ الکفرۃ والمنافقین

یعنی اور اس میں کفار اور منافقین کو جلانا مقصود ہے۔

حضرت علامہ ابو شامہ نے میلاد النبی ﷺ پر کئے جانے والے کاموں کو بہترین ایجاد قرار دیتے ہوئے، اس کے فائدے بیان فرمائے۔ ایک فائدہ تو یہ کہ اس موقع سے فقراء ومساکین کا بھلا ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعی نبی کریم علیہ السلام سے کس کو محبت ہے۔ تیسری، خدا کی سب سے بڑی نعمت یعنی بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا ہوا جاتا ہے۔ اور چوتھا سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ سے اسلام کے دشمن جلتے بھنتے ہیں۔ اس آخری جملہ میں حضرت علامہ نے فیصلہ فرمایا کہ میلاد النبی ﷺ منانا محبت وایمان کے کمال کی دلیل ہے۔ اور اس سے روکنا، اس کو ناجائز وحرام کہنا، اسلام دشمنی کی نشانی ہے۔ کوئی مؤمن کامل ولادتِ رحمت اللعالمین ﷺ پر اظہارِ مسرت وشکر کو منع کر ہی نہیں سکتا۔

(۳) علامہ سید احمد عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو صاحبِ معجزات ﷺ کے مولد کے واقعات سننے کے لئے جمع ہونا بڑی نیکی ہے کیونکہ

---

[1] (المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۱ ص ۸۹ المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ-مصر)

یہ نیکیوں اور درود شریف پر مشتمل ہے اور ان پر درود وسلام کی کثرت ان کی محبت کا سبب ہے۔اور یہ ان کے قرب کا سبب ہے۔علامہ برھان حلبی نے روح السیر میں تحریر فرمایا''نبی کریم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے دن میں بھلائی کرنے والوں، فرحت ومسرت کا اظہار کرنے والوں، اور ان سے محبت کرنے والوں کو کافی ہے کہ وہ اصحابِ خیر اور فقراء ومساکین کو جمع کریں اور حضور ﷺ کی محبت میں ان کو کھانا کھلائیں اور ان پر صدقہ کریں، اور ان سے بھی زائد کچھ چاہیئے تو ان سے اشعار پڑھوائیں جن میں نعتِ مصطفی ﷺ میں اچھے اخلاق کی طرف رغبت دلانا ہو، قلوب بھلائیوں کی طرف برانگیختہ کرنا ہو اور بدعات ومنکرات سے روکنا ہو۔

برکات عِید میلاد

ابولہب حضور ﷺ کا جانی دشمن تھا۔جب اس کو لونڈی ثویبہ نے آکر اطلاع دی کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کا لڑکا یعنی تمہارا بھتیجا پیدا ہوا ہے، تو اس نے خوشی میں آکر اپنی انگلی کے اشارے سے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔جب ابولہب مرگیا تو اس کو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کی بری حالت ہے۔اس نے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہے، تو اس نے جواب دیا لم القی بعد کم خیرا انی ثقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ یعنی تمہارے بعد مجھے کوئی بھلائی نہیں ملی سوائے اس کے کہ میری اس انگلی کو سیراب کر دیا گیا جس سے میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔حافظ الحدیث ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن الجذ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا''تو جب ابولہب کہ جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، کو جہنم میں یہ بدلہ ملا، یعنی پوروے سے پانی کا پینا، اور ہر دوشنبہ کو عذاب کا کم ہونا کیونکہ اس نے ثویبہ کو نبی کریم علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کیا تو اس مسلم موحد کا کیا حال ہوگا جو نبی کریم علیہ السلام کی ولادت پر خوشی مناتا ہے اور حسب استطاعت خرچ کرتا ہے۔میری جان کی قسم خداوند کریم کی جانب سے یہی جزا ہوگی کہ وہ اس کو اپنے فضل وکرم سے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا۔ اس موقع پر حضرت محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی نے ایک بہت ہی فکر انگیز اور بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے جو اہل محبت کے لئے نہایت ہی لذت بخش ہے۔''اس جگہ میلاد کرنے والوں کے لئے ایک سند ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی شب ولادت میں خوشی مناتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب کو، جو کہ کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، آنحضرت ﷺ کی ولادت پر خوشی منانے اور باندی کا دودھ خرچ کرنے پر جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آنحضرت ﷺ کی محبت میں سرشار ہو کر خوشی مناتا ہے اور اپنا مال خرچ کرتا ہے۔''[1]

ثار تیری چہل پہل پر، ہزاروں عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

میلاد النبی ﷺ سنتِ الٰہی ہے

قرآن کریم میں حضور اقدس ﷺ کا میلاد شریف اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿اٰل عمران: ۸۱﴾

ترجمہ :اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری

---

[1] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۹)

کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

چنانچہ قرآنِ پاک نے بیان فرمایا ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلا اجتماع خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے منعقد فرمایا، اس میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ بھی گواہ بنا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿التوبۃ:۱۲۸﴾

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان اور رحم فرمانے والے۔

اس آیت میں لفظ ''جا'' (آئے) فرما کر آپ ﷺ کی پیدائش اور دنیا میں آپ ﷺ کی تشریف آوری قریش میں، پھر آپ ﷺ کے اخلاق وعادات، ونعمتِ پاک کا بیان کیا گیا کہ امت کا کسی مشقت یا مصیبت میں پڑ جانا آپ ﷺ پر بہت گراں ہے، پھر آپ ﷺ کے فضائل کا بیان ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر بہت مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں۔ غرض جو مضامین محفلِ میلاد شریف میں عموماً بیان کئے جاتے ہیں وہ سب اس ایک آیت میں جمع ہیں۔

اس آیت میں حضور علیہ السلام کی چھ صفات بیان ہوئیں : (۱) رسول، (۲) تم میں سے، (۳) ان پر تمہاری تکلیف بھاری پڑتی ہے، (۴) تم پر حریص ہیں، (۵) مسلمانوں پر رؤوف اور (۶) رحیم ہیں۔ رسول ﷺ کی تشریف آوری کا ماننا، اسی پر ایمان کا دارومدار ہے۔ بشر یا اپنا مثل، اور بھائی ماننے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ ابولہب بھتیجا ہونے کی وجہ سے ولادت کی خوشی منائی، اور ابوطالب نے بھی اس رشتہ کی وجہ سے خدمت کی۔ اگر رسول ہونے کی وجہ سے یہ کام کرتے تو مسلمان اور صحابی ہوتے۔ اس لئے یہاں رسول فرمایا گیا۔

تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہوا ہے : کہ اس آیت میں آپ ﷺ کی میلاد مبارک کا بیان ہے، کہ ترمذی کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ سید عالم ﷺ نے اپنی پیدائش کا بیان ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔[1]

تیسرے مقام پر اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب کے میلاد کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿اٰل عمران:۱۶۴﴾

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلے گمراہی میں تھے۔

ثابت ہوا کہ محفلِ میلاد کا انعقاد کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس میں شرکت وشمولیت کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتِ مطہرہ ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کا ظہور اور پیدائش موجب سرور ہے

اللہ تعالیٰ جل جلالہ قرآن میں فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿یونس ۵۸﴾

---

[1] (خزائن العرفان، ص ۲۴۷، سورۃ التوبہ)

ترجمہ :اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

جبریل امین علیہ السلام کی سنت:

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے مشارق ومغارب میں پھر کر دیکھا کوئی شخص محمد ﷺ سے افضل نظر نہیں آیا اور نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل دیکھنے میں آیا۔[1]

اس روایت کو خود دیوبندی جماعت کے حکیم الامۃ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی کتاب نشر الطیب ص ۱۴ پر بیان کیا ہے۔

خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف لطیف **النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم** میں خلفاء راشدین علیہم الرضوان کے ارشادات میلاد شریف کی فضیلت میں درج فرمائے ہیں۔ ذیل میں چند ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کا میلاد شریف پڑھنے پر ایک درہم خرچ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے میلاد شریف کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام زندہ کر دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کا میلاد شریف پڑھنے پر ایک درہم خرچ کیا گویا غزوہ بدر وحنین میں شریک ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے میلاد شریف کی تعظیم کی اور میلاد خوانی کا سبب بنا وہ دنیا سے ایمان کی دولت لے کر جائے گا اور جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگا۔[2]

رضائے مصطفیٰ ﷺ

صحابہ کرام علیہم الرضوان مختلف مواقع پر حضور ﷺ کی ثناء خوانی اشعار کی صورت میں کرتے تھے چنانچہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اشعار پڑھے تو محبوب کریم ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ ﷺ مسکرائے، موتیوں کی طرح دندان مبارک نظر آنے لگے۔ یہ نعتیہ اشعار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے وقت پیش کیے تھے۔[3]

صحابہ کرام علیہم الرضوان ہمیشہ اس عظیم نعمت کا بیان فرماتے رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک دن رسول کریم ﷺ اپنے حجرہ انور سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ آج کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہم بیٹھ کر اس رب کریم کی حمد وثنا کر رہے ہیں جس نے فقط اپنے فضل وکرم سے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت عطا فرمائی اور اپنا پیارا حبیب ﷺ ہمیں عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کے کلمات کو سن کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ

---

[1] (زرقانی شریف)

[2] (نعمت کبریٰ ص ۷، ۸ مطبوعہ استنبول)

[3] (ملاحظہ ہو الوفاء باحوال مصطفیٰ ﷺ)

اپنے فرشتوں پر فخر کر رہا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بیٹھ کر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات وکمالات کا تذکرہ کر رہے تھے، اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا اور یہ تمام حق ہے اور اب میرے بارے میں بھی سن لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ [1]

شاعر رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالت مآب ﷺ میں عرض کرتے ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی	واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب	کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: ترجمہ: (۱) آپ ﷺ سے زیادہ حسین نہ کبھی میری آنکھوں نے دیکھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے جنا۔

(۲) آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے گویا آپ ﷺ کی تخلیق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق ہوئی۔

مقام ثناء خوان مصطفیٰ ﷺ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی شریف میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے منبر رکھتے چادر مبارک بچھاتے اور پھر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم ﷺ کے محامد وفضائل بیان کرتے آپ ﷺ کی مدافعت کرتے اور مفاخرت فرماتے۔

اللہ اکبر! حضور پرنور ﷺ اپنے ثناء خوان کو خوش ہو کر اس طرح دعا سے نوازتے۔

اللھم ایدہ بروح القدس

اے اللہ! روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ذریعے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد فرما۔ [2]

بردران اسلام! نعت خواں کیلئے محبوب ﷺ منبر بچھا رہے ہیں یہ خصوصی کرم اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ اپنے غلاموں کی جو محبت وتعظیم رسول ﷺ پھیلانے کا ذریعہ ہیں، بے حد پسند فرماتے ہیں۔ واضح رہے کہ حضور ﷺ کی ثناء حقیقتاً حمد باری تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے اصول بیان کیا ہے کہ مصنوع کی تعریف درحقیقت صانع ہی کی تعریف ہوتی ہے کیوں کہ حقیقتاً خوبی وکمال عطا کرنے والی ذات صانع حقیقی خالق ومالک عزوجل کی ہے۔

خود سرکار کائنات ﷺ فرماتے ہیں انا ملیح واخی یوسف اصبح یعنی میں ملیح (نمکین) ہوں اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام خوب گورے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے حسن وجمال میں شہرہ آفاق ہیں مگر حضور اقدس ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسن وجمال میں بے مثل وبے مثال ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ مارأیت

---

[1] (مشکوۃ المصابیح)

[2] (بخاری ج ۱ ص ۶۵)

شیئاً احسن من رسول اللہ ﷺ کان الشمس تجری فی وجھہ رواہ الترمذی۔[1]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت وحسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا کہ سورج آپ ﷺ کے چہرے میں چل رہا ہے۔

اور حضرت جابر سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاندنی رات نبی کریم ﷺ کو دیکھا فجعلت انظر الی رسول اللہ ﷺ والی القمر وعلیہ حلۃ حمراء فاذا ھو احسن عندی من القمر رواہ الترمذی والدارمی۔[2]

تو میں ایک نظر حضور ﷺ کی طرف دیکھتا اور ایک نظر چاند کی طرف آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

اس قسم کی کثیر روایتیں ہیں جس سے حضور اقدس ﷺ کے حسن و جمال اور جلوہ جہاں زیبا کا روشن ثبوت ملتا ہے۔

غور کیجئے کہ ان احادیث مبارکہ میں وہی سب مضامین ہیں جو محفل میلاد شریف میں بیان کیے جاتے ہیں اور حضور ﷺ نے ان دونوں حدیثوں کو مجمع عام میں بیان فرمایا تو ذکر میلاد شریف کو مجمع عام میں بیان کرنا بھی ثابت ہوگیا لہذا میلاد شریف کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور حضور ﷺ کے ذکر جمیل کیلئے مجمع جمع کرنا تو خداوند قدوس کی سنت اور اس کا مقدس طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کو ایک مجمع میں جمع فرما کر حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا سب نبیوں سے عہد لیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ جیسا کہ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۸۱ بہرحال محفل میلاد شریف کا ثبوت قرآن مجید اور حدیثوں سے ثابت ہے اور اس بابرکت محفل کا انکار کرنا سخت محرومی اور اعلیٰ درجے کی شقاوت (بدبختی) اور دین میں ان منکروں کی جہالت اور سفاہت (بے وقوفی) کا بدترین نمونہ ہے۔ (واللہ اعلم)

خصوصی نظر کرم

شارح بخاری شریف مواہب الدنیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں چند اشعار پڑھے۔ حضور اکرم ﷺ نے خوش ہو کر انہیں یہ دعا دی۔

لا یفضض اللہ فاک ای لا یسقط اللہ اسنانک۔[3]

ترجمہ: اللہ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر (۱۰۰) سال کی ہوگئی تھی لیکن ان کے کل کے کل دانت صحیح تھے اور اولے کی طرح سفید تھے راویان حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ اذا سقط لہ سن نبت لہ اخری۔ جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا دانت نکل آتا۔

یہ سراسر حضور اکرم ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔[4]

عمل الصالحین

شیخ الاسلام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے علاوہ اولیاء کاملین اور محققین علیہم الرحمۃ کے بھی فرمودات درج فرمائے ہیں۔

---

[1] (مشکوۃ ص ۵۱۸)

[2] (مشکوۃ ص ۵۱۷)

[3] (بیہقی)

[4] (مقام مصطفیٰ ﷺ از شیخ الاسلام حضرت محمد انوار اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مظہر علم لاہور)

سیدنا حسن بصری علیہ الرحمۃ کا عمل

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ کاش میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوا ور میں اسے حضور اکرم ﷺ کے میلاد شریف پر خرچ کر دوں۔

میلاد شریف سے متعلق محدثین وفقہائے کرام ومشاہیر علمائے عظام علیہم الرحمۃ کے خیالات میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

انت الذی لولاک ماخلق امرء　　کلاولا خلق الوریٰ لولاک

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ آپ وہ ذات ہیں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی مخلوق پیدا کی جاتی۔

انت الذی من نورک البدر اکتسیٰ　　والشمس مشرقۃ بنور بھاک

ترجمہ: اور آپ ﷺ وہ نور اعظم ہیں کہ چاند آپ ﷺ کے نور سے روشن اور سورج کی چمک بھی آپ ﷺ ہی کے نور سے ہے۔

وبک المسیح اتی بشیرا مخبرا　　بصفات حسنک مادحا لعلاک

ترجمہ: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ ہی کی خبر دیتے اور آپ ﷺ کی صفات حسنہ کا بیان اور آپ ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے تشریف لائے۔[1]

میلاد شریف کی تعظیم وتکریم

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو حضور اکرم ﷺ کے میلاد شریف کی محفل میں حاضر ہوا اور اس کی تعظیم وتکریم کی تو وہ ایمان کے ساتھ کامیاب ہوگا۔[2]

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

محافل میلاد شریف اوراذکار جو ہمارے ہاں کیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر نیکی پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ، ذکر، نبی پاک ﷺ پر صلوۃ وسلام اور ان کی تعریف۔[3]

میلاد کی برکت

امام المحدثین علامہ احمد بن محمد القسطلانی شافعی المصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میلاد شریف کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکانے اور دعوت طعام کرتے چلے آئے ہیں اور ان راتوں میں انواع واقسام کی خیرات کرتے اور مسرت ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور نیک کاموں میں ہمیشہ زیادتی کرتے رہے ہیں اور حضور ﷺ کے میلاد کے پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں چنانچہ ان پر اللہ کے فضل عمیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور یہ میلاد شریف کے خواص میں سے آزمایا گیا ہے کہ جس سال میلاد شریف

---

[1] (مجموعہ القصائد، مطبوع مجتبائی دہلی)

[2] (نعمت کبریٰ ص ۸ مطبوعہ استنبول)

[3] (فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر)

پڑھا جاتا ہے وہ سال مسلمانوں کیلئے حفظ وامان کا سال ہوتا ہے اور میلاد شریف کرنے سے دلی مرادیں برآتی ہیں۔اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے ماہ ولادت کی تمام مبارک راتوں کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض وعناد ہے۔[1]

خوشی کا مہینہ:

شیخ محمد طاہر پٹنی علیہ الرحمۃ ماہ ربیع الاول شریف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کا مہینہ منبع انوار اور رحمت کا مظہر ہے یہ ایسا مہینہ ہے کہ ہر سال اس مہینہ میں خوشی کا اظہار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[2]

تفسیر محمد رسول اللہ ﷺ

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تفسیر روح البیان آیۃ کریمۃ محمد رسول اللہ کے تحت فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کرنا بھی حضور ﷺ کی ایک تعظیم ہے جب کہ وہ بری باتوں سے خالی ہو۔[3]

میلاد شریف منانے پر حضور ﷺ کی شفاعت

علامہ محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو نبی پاک ﷺ کے میلاد شریف کی خوشی کرے تو وہ خوشی دوزخ کی آگ کیلئے پردہ اور حجاب بن جائے گی اور جو نبی پاک ﷺ کے میلاد شریف پر ایک درہم بھی خرچ کرے تو اس کی نبی پاک ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی۔[4]

میلاد شریف منانے سے مقاصد حسنہ میں کامیابی

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام اور عرب کے دوسرے شہروں میں لوگ نبی کریم ﷺ کی مجلس میلاد میں جمع ہوتے ہیں اور ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر بہت خوشی مناتے ہیں اور اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور طرح طرح کی زینت کرتے ہیں اور خوشبو لگاتے ہیں اور فقراء پر صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے ذکر مولود شریف سننے کیلئے بہت اہتمام کرتے ہیں اور اس کے ذریعے بہت اجر پاتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں اور خیر وبرکت، سلامتی اور عافیت، روزی میں ترقی، مال واولاد میں زیادتی اور شہروں میں امن وامان اور گھروں میں سکون وقرار پاتے ہیں۔

میلاد النبی ﷺ پر خوشی کا اظہار

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے حضور ﷺ کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محفل میلاد شریف میں لوگوں کا جمع ہونا اور قرآن شریف کا پڑھنا، ان معجزات کو بیان کرنا جو اس بارے میں وارد ہیں، اس کے بعد کھانا کھلانا اچھا فعل ہے اس کے کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے کیوں کہ اس میں حضور ﷺ کی تعظیم

---

[1] (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ بیروت مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ مصر)

[2] (مجمع البحار ج ۳ ص ۵۵۰ مطبوعہ مصر)

[3] (ج ۹ ص ۵۶)

[4] (مولد العروس لابن جوزی ص ۹ مطبوعہ بیروت)

اور آپ ﷺ کے پیدا ہونے کی خوشی کا اظہار ہے۔

میلاد شریف منانا سنت ہے

پھر علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی علیہما الرحمۃ نے میلاد شریف کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور ان لوگوں کو رد کیا ہے جو میلاد شریف کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔[1]

سیرت شامی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مولود شریف کی خوشی کے اظہار میں آدمی کو بقدر نیت ثواب ملتا ہے۔

امن وامان کے حصول کیلئے مجرب عمل

محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ مسلمان ربیع الاول میں جمع ہو کر کھانا کھلاتے ہیں اور طرح طرح کے صدقات کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں اور مولود شریف پڑھتے ہیں جس کے سبب ان پر برکت ہوتی ہے اور مولود شریف کی خاصیتوں میں سے ایک مجرب خاصیت یہ ہے کہ تمام سال امن وامان رہتا ہے اور لوگوں کے نیک مقصد اس سے حاصل ہوتے ہیں پس اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جس نے آپ ﷺ کی پیدائش کی رات کو عید بنایا۔

میلاد النبی ﷺ منانا سب سے بہتر عمل

مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دعا میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال فسادنیت کا شکار ہیں۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض آپ ہی کی عنایت سے اس قابل (اور لائق التفات) ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعے سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگا۔[2]

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل سرکار ﷺ کی بارگاہ میں مقبول

ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے مجھ سے فرمایا کہ میں میلاد شریف میں کھانا پکا کر آنحضرت ﷺ کو تحفہ بھیجا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میرے پاس کچھ نہ تھا تو چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ وہ چنے آپ ﷺ کے پاس رکھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں۔[3]

نعمت عظمیٰ

اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے والد گرامی حقیقت میلاد کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تو محفل میلاد کی

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۵۷)

[2] (اخبار الاخیار ص ۶۲۴ مطبوعہ کراچی)

[3] (الدار الثمین)

حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص یا چند آدمی شریک ہو کر خلوص عقیدت ومحبت حضرت رسالت مآب ﷺ کی ولادت اقدس کی خوشی اور اس نعمت عظمیٰ اعظم نعم الہیہ کے شکر میں ذکر شریف کیلئے مجلس منعقد کریں اور حالات ولادت باسعادت ورضاعت وکیفیت نزول وحی وحصول مرتبہ رسالت واحوال معراج وہجرت وارہاصات ومعجزات واخلاق وعادات آنحضرت ﷺ اور حضور کی بڑائی اور عظمت جو خدا تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی تاکید اور خاص معاملات وفضائل وکمالات جن سے اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخصوص اور تمام مخلوق سے ممتاز فرمایا اور اسی قسم کے حالات وواقعات احادیث وآثار صحابہ وکتب معتبرہ سے مجمع میں بیان کئے جائیں اور اثنائے بیان میں کتاب خوان وواعظ درود پڑھتا جائے اور سامعین وحاضرین بھی درود پڑھیں۔ بعد ازاں ماحضر تقسیم کریں۔ یہ سب امور مستحسن ومندوب ہیں اور ان کی خوبی دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ سے ثابت!!

بھنگڑا، رقص اور ڈانس بلکہ ہر وہ عمل جو خلاف شرع ہو، اس کو کوئی جائز نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص ان اعمال کو محفل میلاد کا حصہ تصور کرتا ہے تو اسے غلط فہمی ہے اور اسے علماء کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر بعض جہال ایسا کرتے ہیں تو ان کا محاسبہ ضروری ہے۔ لیکن ان کے اس عمل کی وجہ سے محفل میلاد کو بدعت اور خلاف شرع کہنا صراحتہً زیادتی ہے۔ آج تک کسی عالم نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ مسجد سے چونکہ جوتے چوری کر لئے جاتے ہیں اس لئے مسجد نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ یہی کہا کہ جوتوں کی حفاظت ہونی چاہئے اور اس کیلئے انتظام کیا جانا چاہیئے۔

ہر سال، مہینہ، ہفتہ، اور دن کو میلاد شریف سے نسبت

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملۃ طاہر، صاحب الحجۃ القاہرہ مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ القوی نے کتنے پیارے انداز میں جان کائنات ﷺ کا میلاد پاک بیان کر دیا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ مسلمان محافل میلاد دوبارہ ربیع الاول کے علاوہ باقی ایام میں کیوں منعقد کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ جس ماہ میں پیدا ہوئے وہ سال میں ایک بار آتا ہے آپ ﷺ جس تاریخ کو پیدا ہوئے وہ ہر ماہ میں ایک بار ضرور آتی ہے۔ آپ ﷺ جس دن (یعنی پیر کو) تشریف لائے وہ دن ہر ہفتے میں ایک بار ضرور آتا ہے اور آپ ﷺ جس ساعت میں پیدا ہوئے وہ ساعت ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار آتی ہے۔ ثابت ہو گیا کہ میلاد النبی ﷺ سے کوئی ماہ خالی نہیں، کوئی ہفتہ خالی نہیں اور کوئی دن خالی نہیں۔ بخوف طوالت عمل صالحین کا انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

نواب صدیق حسن بھوپالی کی شہادت

اب غیر مقلدین حضرات کے مجدد اور شیخ الاسلام نواب صدیق حسن بھوپالی کی گواہی پیش کی جاتی ہے تاکہ منکرین میلاد شریف اپنے عقائد پر نظر ثانی فرما سکیں۔ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ جس کو حضرت ﷺ کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔[۲]

ناظرین کرام! سردار اہلحدیث نواب صدیق حسن بھوپالی نے تو میلاد النبی ﷺ پر خوشی نہ کرنے والے پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اب خود ہی اہلحدیث حضرات اور دیوبندی حضرات اپنے عقیدہ باطلہ پر غور فرمائیں۔ کیوں کہ الشمامۃ العنبریہ وہ کتاب ہے جس کو دیوبندی مکتبہ

---

[۱] (اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام ص ۳۹)

[۲] (الشمامۃ العنبریہ ص ۱۲)

فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے مستند قرار دیا ہے۔[1]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان

دیوبندی اکابر کے پیشوا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام لطف ولذت پاتا ہوں۔[2]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کا فرمان امداد المشتاق میں بھی موجود ہے جس میں سرور عالم نور مجسم ﷺ کا محفل میلاد شریف میں تشریف آوری کا عقیدہ رکھنا بھی درست قرار دیا ہے۔اصل عبارت پیش خدمت ہے۔

البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیئے اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔کیوں کہ عالم خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔[3]

سلام کا بیان قرآن سے

میلاد شریف کے بعد سلام:

اہل وسنت کا جماعت کا معمول ہے کہ میلاد شریف کے بعد سلام پڑھتے ہیں۔اس کی دلیل بھی قرآن عظیم میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ مریم میں دو پیغمبروں کے میلاد اور ان کی پیدائش کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے ایک حضرت یحیی علیہ السلام اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد۔پہلے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری پھر ان کی ولادت پھر ان کے اوصاف کا تذکرہ فرما کر آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔(مریم ۱۵)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا کہ حضرت مریم حاملہ ہوئیں۔پھر بستی سے باہر ایک کھجور کے درخت کے نیچے درد زہ (بچہ کو جننے کا درد) کی وجہ سے وہ بیٹھ گئیں اور اسی جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کی پاک دامنی اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ان سب تذکروں کو ذکر فرما کر اخیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے میلاد کے بعد خود اپنے اوپر سلام پڑھا کہ

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۳۳)

اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔(مریم ۳۳)

مسلمانان اہلسنت جب میلاد شریف کے بعد سلام پڑھتے ہیں تو کچھ بے ادب اور گستاخ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔انہیں ہوش میں آجانا چاہیئے کہ وہ کس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں؟ کیا آیات خداوندی ،سنت الہیہ اور سنت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑا رہے ہیں؟ اگر معاذ اللہ ایسا خیال ہے تو انہیں اپنے ایمان واسلام کی خبر گیری کرنی چاہیئے کہ ایسی بے ادبی اور گستاخی کے بعد ان کا ایمان واسلام باقی رہا۔یا تباہ وبرباد ہو گیا۔مگر سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس ایمان واسلام تھا بھی یا پہلے ہی سے یہ ایمان واسلام سے خالی تھے۔مثل مشہور ہے کہ عزت اس

---

[1] (نشر الطیب ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

[2] (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵ مطبوعہ دیوبند)

[3] (امداد المشتاق ص ۵۶)

شخص کی کی جاتی ہے جو عزت دار ہو اور جس کی عزت تھی ہی نہیں تو اس پر کتنے ہی جوتے برسیں اس کی عزت کیسے جائے گی۔

مجالس واجتماعات کا اہتمام

عید میلاد النبی ﷺ کے پر مسرت موقع پر محافل نعت، مجالس ذکر مصطفیٰ ﷺ اور خصوصی اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں جن میں لوگ انتہائی عقیدت واحترام اور جوش وخروش سے شریک ہوتے ہیں اور اپنے قلوب واذہان کو محبوب خدا ﷺ کے ذکر جمیل سے معطر ومعنبر کرتے ہیں بیان میلاد رسول ﷺ کیلئے ایسے اجتماعات کا اہتمام کرنا خود سنت وسیرت سرور کائنات ﷺ سے ثابت ہے۔ ذیل میں چند احادیث بطور حوالہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضور ﷺ کا اپنے بیان میلاد کیلئے جلسہ کا اہتمام

حضرت مطلب بن ابی وداع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جَاءَ العَبَّاسُ، إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهُ سَمِعَ شَيْئًا، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى المِنْبَرِ فَقَالَ» :مَنْ أَنَا؟«، فَقَالُوا :أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْكَ السَّلاَمُ. قَالَ» :أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ، فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا وَخَيْرِهِمْ نَسَبًا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پاس کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (اس وقت ان کی کیفیت ایسی تھی) گویا کہ انہوں نے (حضور ﷺ سے متعلق کفار سے) کچھ (نازیبا الفاظ) سن رکھے تھے (اور وہ حضور ﷺ کو بتانا چاہتے تھے) (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلمات حضور ﷺ کو بتائے یا آپ ﷺ علم نبوت سے جان گئے) تو حضور ﷺ منبر پر قیام فرما ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق (انسان) کہ اندر مجھے پیدا فرمایا اور پھر اس بہترین مخلوق کے دو حصے (عرب وعجم) کیے اور ان دونوں میں سے بہترین حصہ عرب میں مجھے پیدا کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس حصے کے قبائل بنائے اور ان میں سے بہترین قبیلہ (قریش) کے اندر مجھے پیدا کیا اور پھر اس بہترین قبیلہ کے گھر بنائے تو مجھے بہترین گھر اور نسب (بنو ہاشم) میں پیدا کیا۔[1]

اس حدیث مبارکہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اپنی ولادت (میلاد پاک) کا بیان فرمایا اپنے نسب شریف عالی مرتبت خاندان اور گھرانے کا تذکرہ کیا اور اس بیان خاص کیلئے معمول سے ہٹ کر جلسہ کا اہتمام فرمایا منبر پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔ ہمارے ہاں بھی میلاد النبی ﷺ کے جلسہ میں یہی معمولات اور موضوعات ہوتے ہیں۔

بیان شرف وفضیلت کیلئے جلسہ کا اہتمام

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا، فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلاَتَهُ عَلَى المَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى المِنْبَرِ، فَقَالَ: إِنِّي فَرَطُكُمْ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الأَرْضِ -أَوْ مَفَاتِيحَ الأَرْضِ- وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

---

[1] (ترمذی الجامع الصحیح ج۵ ص ۵۴۳ کتاب الدعوات رقم ۳۵۳۲ ترمذی احمد بن حنبل نے المسند ج ۱ ص ۷۸۸ و ۲۱۰ میں آخر حدیث میں انا خیرکم بیتا وخیرکم نفسا کا اضافہ کیا ہے۔ احمد بن حنبل المسند ج ۴ ص ۱۶۵ حصے میں مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۶، بیہقی دلائل النبوت ج ۱ ص ۱۶۹، کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۱۵ رقم ۳۱۹۵۰)

ایک روز حضور ﷺ باہر (میدان احد کی طرف) تشریف لے گئے پس آپ ﷺ نے شہداء احد پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے (اور) فرمایا بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ (تمہارے احوال سے باخبر) ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس وقت حوض کوثر دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے البتہ یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا پرستی میں باہم فخر و مباحات کرنے لگو گے۔[1]

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے خطاب کرنے کیلئے انہیں طلب کیا اور برسر منبر اپنے ذاتی فضائل کا بیان فرمایا اس کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی تربیت کرتے ہوئے انہیں دنیا پرستی کے خطرے سے متنبہ کیا اس حدیث مبارکہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ میدان احد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کر کے جلسہ کیا گیا اور منبر کا بھی خصوصی طور پر اہتمام کیا گیا کیونکہ وہاں پر کوئی مسجد تو نہ تھی کہ جس کے اندر منبر پہلے سے موجود تھا اور حضور ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر اپنے شرف و فضیلت کو بیان فرمایا یہ حدیث جلسہ میلاد مصطفیٰ ﷺ کی واضح دلیل ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :أَنَا أَوَّلُهُمْ خُرُوجًا، وَأَنَا قَائِدُهُمْ إِذَا وَفَدُوا، وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا أَنْصَتُوا، وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُبِسُوا، وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا أَيِسُوا، الْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي، وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي، يَطُوفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُونٌ، أَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُورٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے میں ہی اپنی قبر سے باہر نکلوں گا اور جب سب لوگ بارگاہ ایزدی میں اکٹھے ہوئے ہوں گے تو میں ہی ان کا پیشوا ہوں گا اور جب سب لوگ خاموش ہوں گے تو میں ہی کلام کروں گا اور جب کوئی کلام نہ کر سکے گا تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا اور جب سب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ہی ان کو (نجات کی) خوشخبری دوں گا بزرگی اور جنت و رحمت کی چابیاں اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی ولواء الحمد (حمد الٰہی کا جھنڈا) اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا میرے عزت خدا کے نزدیک تمام اولاد آدم سے زیادہ ہے اس ہزاروں خادم میرے ارد گرد گھوم رہے ہوں گے کہ ایسا معلوم ہوگا کہ وہ (گرد و غبار سے محفوظ) سفید (خوبصورت) انڈے میں یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔[2]

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَهُ فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ، سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ، فَتَسَمَّعَ حَدِيثَهُمْ، فَإِذَا بَعْضُهُمْ يَقُولُ :عَجَبًا إِنَّ اللهَ اتَّخَذَ مِنْ خَلْقِهِ خَلِيلًا فَإِبْرَاهِيمُ خَلِيلُهُ، وَقَالَ آخَرُ : مَاذَا بِأَعْجَبَ مِنْ {وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا} [النساء164 :] وَقَالَ آخَرُ :فَعِيسَى كَلِمَةُ اللهِ وَرُوحُهُ، وَقَالَ آخَرُ :وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ وَقَالَ» :قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ، أَنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ، وَهُوَ كَذَلِكَ، وَمُوسَى نَجِيُّهُ، وَهُوَ كَذَلِكَ، وَعِيسَى رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ، وَهُوَ كَذَلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ تَعَالَى، وَهُوَ كَذَلِكَ، أَلَا وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ، وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ بِحَلَقِ الْجَنَّةِ وَلَا فَخْرَ، فَيُفْتَحُ

---

[1] (بخاری الصحیح ج ا ص ۴۵۱ کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الشہید رقم ۱۲۷۹ بخاری الصحیح ج ۳ ص ۱۳۱۷ کتاب المناقب باب علامات نبوت رقم ۱۴۰۱ بخاری الصحیح ج ۴ ص ۱۴۹۸ کتاب المغازی باب احد یحبنا رقم ۳۸۵۷ بخاری الصحیح ج ۵ ص ۲۳۶۱ کتاب الرقاق باب مایحضر من زھرۃ الدنیا وتنافس فیھا رقم ۶۰۶۲ بخاری الصحیح ج ۵ ص ۲۴۰۸ کتاب الحوض باب فی الحوض رقم ۶۲۱۸ مسلم الصحیح ج ۴ ص ۱۷۹۵ کتاب الفضائل باب اثبات الحوض رقم ۲۲۹۶ میلاد النبی ﷺ ص ۷۵۰)

[2] (ترمذی الجامع الصحیح ج ا ص ۲۰۱ کتاب المناقب باب فی فضل النبی ﷺ دارمی السنن ج ا ص ۳۰ بیہقی دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۴)

اللہَ فَیَدْخِلُنِیھَا وَ مَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِینَ وَ لَا فَخْرَ، وَ أَنَا أَکْرَمُ الْأَوَّلِینَ وَ الْآخِرِینَ عَلَی اللہِ، وَ لَا فَخْرَ۔

رسول اللہ ﷺ کے کئی صحابہ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ باہر تشریف لے آئے جب ان کے قریب ہوئے تو سنا کہ وہ آپس میں کچھ تذکرہ کر رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے (ابراہیم علیہ السلام کو اپنا) خلیل بنایا دوسرے نے کہا یہ اس سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تیسرے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلمہ اور روح ہیں چوتھے نے کہا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے حلقے میں تشریف لے آئے حضور ﷺ نے سلام کیا اور فرمایا میں نے تم لوگوں کا کلام اور تعجب کرنا سن لیا ہے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں بے شک وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرنے والے اور وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا اور وہ ایسے ہی ہیں تم لوگ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں لیکن میں فخر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن لواء الحمد اٹھانے والا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع اور پہلا مشفع ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جو بہشت کی زنجیر ہلائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ وہ مومنین ہوں گے جو فقیر (غریب و مسکین) تھے اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور اولین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم و محترم میں ہی ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

شب میلاد رسول ﷺ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے

جس کے اوصاف جمیلہ کے ذکر اور خلق عظیم کو بیان کرنے والی کتاب کے اترنے سے رمضان کو اتنی فضیلت ملی کہ اس کی صرف ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ٹھہرے اور اس ماہ مقدس یعنی ربیع الاول کی عظمت کا کیا عالم ہوگا جس کو صاحب کتاب محبوب کبریاء ﷺ کے ماہ میلاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس رات یہ کلام الہیٰ یعنی ذکر خلق عظیم اترا اللہ تعالیٰ نے اس رات کو قیامت تک انسان کیلئے لیلۃ القدر کی صورت میں بلندی درجات اور شرف نزول ملائکہ سے نوازا اور فرمان ایزدی لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ اس ایک رات کو ہزار مہینوں پر فائق و برتر قرار دیا گیا تو جس رات صاحب قرآن یعنی مقصود و محبوب کائنات ﷺ کا ورود ہوا اور بزم حسینان عالم کے تاجدار ﷺ کی اس زمین و مکان کو ابدی رحمت اور لازوال سعادتوں سے منور فرمایا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی کتنی قدر و منزلت ہوگی؟ اس کا اندازہ لگانا انسانی فہم و شعور کیلئے ناممکن ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اس لئے ہے کہ وہ نزول قرآن اور ملائکہ کی رات ہے اور نزول قرآن مصطفیٰ ﷺ کیلئے ہوا اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ قرآن ہوتا اور نہ شب قدر ہوتی اور نہ کوئی رات ہوتی۔ یہ سارے فضیلتیں میلاد مصطفیٰ ﷺ کا صدقہ ہے۔ سو شب میلاد رسول ﷺ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے۔ ہزاروں مہینوں سے افضل قرار دے کر باری تعالیٰ نے شب قدر کی حد مقرر فرمادی جبکہ شب میلاد رسول ﷺ کی فضیلت زمان و مکان کی حد سے مطلق ہے۔

ائمہ و محدثین نے راتوں کی فضیلت پر گفتگو کی ہے مثلاً لیلۃ القدر، لیلۃ نصف شعبان، لیلۃ یوم العرفۃ، لیلۃ یوم الفطر وغیرہ ان میں لیلۃ مولد النبی ﷺ کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہت اہل علم و محبت ائمہ و محدثین نے شب میلاد کو شب قدر سے افضل قرار دیا ہے امام قسطلانی، امام زرقانی اور نبہانی نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سب راتیں فضیلت والی ہیں مگر شب میلاد رسول ﷺ سب سے افضل ہے۔ امام قسطلانی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

إذا قلنا بأنه - علیه الصلاة و السلام - ولد لیلا، فأیما أفضل: لیلة القدر أو لیلة مولده - صلی الله علیه وسلم -؟ أجیب: بأن لیلة

مولده أفضل من ليلة القدر من وجوه ثلاثة:أحدها :أن ليلة المولد ليلة ظهوره- صلى الله عليه وسلم-، وليلة القدر معطاة له، وما شرف بظهور ذات المشرف من أجله أشرف مما شرف بسبب ما أعطيه، ولا نزاع فى ذلك، فكانت ليلة المولد- بهذا الاعتبار۔

جب ہم نے یہ کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت پیدا ہوئے تو سوال یہ ہے کہ شب میلاد رسول ﷺ افضل ہیں یا لیلۃ القدر تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ آپ ﷺ کے میلاد کی رات تین وجوہ سے لیلۃ القدر سے افضل ہے، ایک تو یہ حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کی رات وہ رات ہے جس میں حضور ﷺ کا ظہور ہوا جب کہ لیلۃ القدر آپ ﷺ کو عطا کی گئی لہذا وہ رات جس کو آپ ﷺ کے ظہور کا شرف ملا اس رات سے زیادہ شرف والی ہوگی جس سے اس رات میں تشریف لانے والی شخصیت کے سبب سے شرف ملا پس اس میں کوئی نزاع نہیں لہذا شب میلاد رسول ﷺ لیلۃ القدر سے افضل ہوئی ۔ دوسرا یہ کہ اگر لیلۃ القدر کی عظمت اس بناء پر ہے کہ اس میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے تو شب ولادت کو یہ حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالی کے محبوب ﷺ کائنات میں جلوہ فرما ہوئے، جمہور اہلسنت کے صحیح اور منتخب قول کے مطابق جس وجہ سے شب میلاد رسول ﷺ کو شرف سے نوازا گیا وہ لیلۃ القدر کو شرف سے نوازنے سے کئی درجہ زیادہ افضل واشرف ہے ۔لہذا شب ولادت افضل ہوگی ۔اور تیسری یہ وجہ ہے کہ لیلۃ القدر کے باعث امت محمدیہ ﷺ کو فضیلت بخشی گئی اور شب میلاد رسول ﷺ سے جمیع موجودات کو فضیلت سے نوازا گیا حضور نبی اکرم ﷺ ہی ہیں جن کو اللہ تعالی نے رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا تو اس نعمت کو جمیع کائنات کیلئے عام کر دیا گیا پس شب ولادت نفع رسانی میں کہیں زیادہ ہے لہذا اس اعتبار سے یہ لیلۃ القدر سے افضل ہوئی ۔[1]

امام طحاوی بعض شوافع سے نقل کرتے ہیں ۔ ان افضل الليالى ليلة مولده ﷺ ثم ليلة القدر ثم ليلة الاسراء والمعراج ثم ليلة عرفة ثم ليلة الجمعة ثم ليلة النصف من شعبان ثم ليلة العيد۔

سب سے افضل راتوں میں سے شب میلاد رسول ﷺ، پھر شب قدر پھر شب اسراء اور معراج پھر شب عرفہ پھر شب جمعہ پھر شعبان کی پندرہویں شب اور پھر شب عید ہے ۔[2]

امام نبہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی مشہور تصنیف الانوار محمدیہ میں رقم طراز ہیں ۔

وليلة مولده ﷺ افضل من ليلة القدر اور شب میلاد رسول ﷺ شب قدر سے افضل ہے ۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے گھر میں محفل میلاد کرتے تھے

عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما انه كان يحدث ذات يوم فى بيته وقائع ولادته ﷺ لقوم فيستبشرون ويحمدون الله ويصلون عليه السلام فاذا جآء النبى ﷺ قال حلت لكم شفاعتى۔

ترجمہ: حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ایک دن اپنے گھر میں ولادت مصطفیٰ ﷺ کے واقعات لوگوں سے بیان کر رہے تھے تو لوگ خوش ہو رہے تھے اور اللہ تعالی کی حمد کر رہے تھے اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ تشریف

---

[1] (المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ا ص ۱۴۵، زرقانى شرح المواهب اللدنيه ص ۲۵۵ ج ا نبهانى جواهر البحار فى فضائل النبى المختار ﷺ ص ۴۲۴ ج ۳)

[2] (نبهانى جواهر البحار ج ۳ ص ۴۲۶، من جواهر السيد احمد عابدين)

[3] (الانوار محمديه ص ۲۸ بحواله ميلاد النبى ﷺ ۲۹۸)

لائے فرمایا تمہارے لئے میری شفاعت حلال (یعنی ثابت) ہوگئی۔

میلاد مصطفی ﷺ بزبان سیدنا عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

و نیز دراں رسالہ از ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی است

مر مع النبی ﷺ الی بیت عامر الانصاری و کان یعلم وقائع و لادته علیه السلام لابنائه و عشیرته ویقول هذا الیوم هذا الیوم فقال علیه الصلوة و السلام ان الله فتح لک ابواب الرحمة و ملئکته کلهم یستغفرون لک من فعل فعلک نجیٰ نجاتک انتهی بحروفه۔

ترجمہ: اور اسی رسالہ میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف سے گزرے اور عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی ولادت کے واقعات اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو سنا رہے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے تھے یہ ہی دن تھا یہ ہی دن تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے رحمت کے دروازے کھول دیئے اور فرشتے سارے تیرے لیئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ جس نے تیرے جیسا کام کیا وہ تیری طرح نجات پا جائے گا۔[1]

میلاد النبی ﷺ بزبان وہب بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیم بیداری کی حالت میں بشارت

اخرج الواقدی عن وهب بن زَمعَة عَن أَبِيه عَن عمته قَالَت كُنَّا نسْمع ان رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لما حملت بِهِ آمِنَة كَانَت تَقول ما شعرت أني حملت به و لا وجدت ثقله كما تجد النساء إلا أنني أنكرت رفع حيضتي وربما ترفعني وتعود وأتاني آتٍ وأنا بين النائم و اليقظان فقال لي هل شعرت أنك حملت؟ فأقول: ما أدري فقال: إنك حملت بسيد هذه الأمة ونبيها وذلك يوم الاثنين و آية ذلك أنه يخرج معه نور يملأ قصور بصرى من أرض الشام، فإذا وضع فسمّيه محمداً.

ترجمہ: امام واقدی نے وہب بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سنا کرتے تھے سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے حاملہ ہوئی تو مجھے محسوس نہیں ہوتا تھا کہ میں حاملہ ہوں اور نہ ہی میں عام عورتوں کی طرح حمل کا بوجھ پاتی تھی سوائے اس کے کہ مجھے حیض کا نہ آنا عجیب لگتا تھا اور کبھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی بتایا کرتی تھیں کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا جب کہ میں سونے اور جاگنے کی درمیانی (نیم بیداری) کی حالت میں تھی اس نے مجھے کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تو حاملہ ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ اس نے کہا بیشک تو اس امت کے سردار اور نبی ﷺ کے ساتھ حاملہ ہے اور تو ان کا نام محمد ﷺ رکھنا۔[2]

(۴۶) ﴿باب نمبر چھیالیس بوسیدہ و ناقابل قرأت قرآن مجید کتب حدیث وفقہ جلانے کے بیان میں﴾

قرآن مجید، احادیث مبارکہ، فقہ اور مقدس اوراق کی عزت سب مسلمانوں پر فرض ہے یعنی ایسے اوراق کو جمع کرنا اور شرعی طریقے سے سنبھالنا بہت ضروری ہے ایک اچھا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایسی جگہ پر دفن کرنا چاہیئے کہ کوئی چیز اس کے اوپر بے ادبی کا باعث نہ بنے۔ **قال اصحابنا الحنفية**

---

[1] (میلاد مصطفی ﷺ بزبان مصطفی ﷺ ص ۲۸۰)

[2] (الخصائص الکبریٰ جلال الدین عبد الرحمن السیوطی باب ما وقع فی حملہ ﷺ من الآیات، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد الباب الثانی فی حمل آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا برسول اللہ ﷺ)

ان المصحف اذا بلی بحیث لا ینتفع به یدفن فی مکان طاهر بعید عن وطئها الناس۔[1]

دینی کتب رسائل ومجلات اوراخبارات کہ جن میں اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی لکھے ہوں یا قرآن کریم کے اوراق مقدسہ اتنے شکستہ و بوسیدہ ہو چکے ہوں کہ انہیں پڑھنا یا تلاوت کرنا ممکن نہ رہے ان کی بے حرمتی حق تلفی اور ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہو تو بھی انہیں جلایا نہیں جائے گا بلکہ نہایت ادب کے ساتھ صاف ستھرے کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دیا جائے گا جہاں نہ نجاست وگندگی پہنچنے کا خوف ہو اور نہ انسانوں یا چوپایوں کے پاؤں تلے روندے جانے کا اندیشہ ہو۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی (متوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ وَفِي الذَّخِيرَةِ : الْمُصْحَفُ إذَا صَارَ خَلَقًا وَتَعَذَّرَ الْقِرَاءَةُ مِنْهُ لَا يُحْرَقُ بِالنَّارِ إلَيْهِ أَشَارَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا يُكْرَهُ دَفْنُهُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُلَفَّ بِخِرْقَةٍ طَاهِرَةٍ، وَيُلْحَدَ لَهُ لِأَنَّهُ لَوْ شُقَّ وَدُفِنَ يَحْتَاجُ إلَى إهَالَةِ التُّرَابِ عَلَيْهِ، وَفِي ذَلِكَ نَوْعُ تَحْقِيرٍ إلَّا إذَا جُعِلَ فَوْقَهُ سَقْفٌ وَإِنْ شَاءَ غَسَلَهُ بِالْمَاءِ أَوْ وَضَعَهُ فِي مَوْضِعٍ طَاهِرٍ لَا تَصِلُ إلَيْهِ يَدُ مُحْدِثٍ وَلَا غُبَارٌ، وَلَا قَذَرٌ تَعْظِيمًا لِكَلَامِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ اھ۔

اور الذخیرہ میں ہے کہ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اسے آگ میں نہ جلایا جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے جسے ہم اختیار کر رہے ہیں اور اس کا دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور اسے صاف ستھرے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا چاہیئے اور اس کیلئے لحد (بغلی قبر) بنائی جائے کیونکہ اگر زمین کو کھود کر گڑھا کھود کر دفن کریں گے تو اس پر مٹی یا ریت ڈالنا پڑے گی تو یہ بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے سوا اسکے پہلے اس پر چھت پر بنائی جائے اور پھر اس پر مٹی ڈالی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر چاہے تو ان بوسیدہ اوراق مقدسہ کی روشنائی کو پانی سے دھو ڈالیں (اور پانی کو کسی صاف جگہ پر پھیلا دیں، بہا دیں یا پودوں کو ڈال دیں) یا اسے اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس کی تعظیم کرتے ہوئے کسی پاک جگہ پر رکھ دے وہاں کسی ناپاک شخص کے ہاتھ غبار اور گندگی نہ پہنچ پائے۔[2]

فقہائے احناف کا موقف موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں یوں بیان ہوا ہے۔ أقال الحنفية لا تحرق المصاحف اذا صار المصحف خلقا ای بالیا أو تعذرت قرأته فلا یحرق بالنار بل یجعل فی خرقة طاهرة ویدفن۔ یعنی احناف کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم پرانا بوسیدہ یا کرم خوردہ و بد بودار ہو جائے تو اسے جلایا نہیں جائے گا بلکہ کسی صاف ستھرے کپڑے میں رکھ کر باندھ کر دفن کر دیں گے البتہ اگر ایسے اوراق اور صحائف جرائد واخبارات رسائل ومجلات اور کتب دینیہ سے مقدس ومتبرک نام مٹا کر انہیں جلا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن علاؤ الدین الحنفی الحصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں۔

الْكُتُبُ الَّتِي لَا يُنْتَفَعُ بِهَا يُمْحَى عَنْهَا اسْمُ اللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَيُحْرَقُ الْبَاقِي وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُلْقَى فِي مَاءٍ جَارٍ كَمَا هِيَ أَوْ تُدْفَنَ وَهُوَ أَحْسَنُ كَمَا فِي الْأَنْبِيَاءِ.

وہ کتابیں رسائل ومجلات جرائد واخبارات ودیگر بوسیدہ کاغذات کہ جن سے کوئی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے ان سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ اسکے فرشتوں اور اسکے رسولوں کے مقدس ومتبرک اسماء گرامی مٹا کر کھرچ کر باقی حصہ جلا دیا جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ انہیں بہتے پانی میں ڈال

---

[1] (عینی البخاری جمع القرآن ص ۲۰۶ والدر المختار ج ۱ ص ۱۱۹ والذخیرة ثم الشامی ص ۱۱۹ ج ۱ وسراجیة ص ۵ ج ۳ وغرائب برفتاوی برهنه ص ۳۱۳ والدر المختار ص ۲۷۱ ج والدفن احسن شامی ص ۱۱۹ وکذلک المصحف لیس دفنه اهانة له بل ذلک اکرام خوف من الامهان اھ۔ شامی قبیل المیاه ج ۱ ص ۱۱۹)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۴۲۲ دار الفکر-بیروت)

دیا جائے یا دفن کر دیا جائے اور یہ دفن کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہے۔[1]

علامہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ وَلَا يَجُوزُ لَفُّ شَيْءٍ فِي كَاغَدٍ فِيهِ مَكْتُوبٌ مِنْ الْفِقْهِ، وَفِي الْكَلَامِ الْأَوْلَى أَنْ لَا يُفْعَلَ، وَفِي كُتُبِ الطِّبِّ يَجُوزُ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ اسْمُ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ -، وَيَجُوزُ مَحْوُهُ لِيُلَفَّ فِيهِ شَيْءٌ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ. وَلَوْ مَحَا لَوْحًا كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ، وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْ مَحْوِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى بِالْبُزَاقِ، كَذَا فِي الْغَرَائِبِ.

جس کاغذ میں مسائل فقہ لکھے ہوں تو اس میں کسی چیز کا لپیٹنا جائز نہیں اور اگر کلام مقدس لکھا ہو تو بطریق اولیٰ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں طب کی کتابوں میں ایسا کرنا جائز ہے اور اگر کسی کاغذ میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا نام یا رسول اللہ ﷺ کا نام لکھا ہو تو اس تحریر کو مٹانا جائز ہے کہ اس میں کوئی چیز لپیٹی جائے۔ قنیہ میں اس طرح ہے کہ اگر ایسی تختی یا بلیک بورڈ وغیرہ کہ جس پر قرآن پاک لکھا ہوا ہو اسے مٹا کر دنیاوی کاموں میں استعمال کیا جائے تو جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کو تھوک سے مٹانا منع ہے غرائب میں اس طرح ہے۔[2]

(قَوْلُهُ : يُدْفَنُ) أَيْ يُجْعَلُ فِي خِرْقَةٍ طَاهِرَةٍ وَيُدْفَنُ فِي مَحَلٍّ غَيْرِ مُمْتَهَنٍ لَا يُوطَأُ. وَفِي الذَّخِيرَةِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُلْحَدَ لَهُ وَلَا يُشَقُّ لَهُ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى إهَالَةِ التُّرَابِ عَلَيْهِ، وَفِي ذَلِكَ نَوْعُ تَحْقِيرٍ إلَّا إذَا جُعِلَ فَوْقَهُ سَقْفٌ بِحَيْثُ لَا يَصِلُ التُّرَابُ إلَيْهِ فَهُوَ حَسَنٌ أَيْضًا اهـ. وَأَمَّا غَيْرُهُ مِنْ الْكُتُبِ فَسَيَأْتِي فِي الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ أَنَّهُ يُمْحَى عَنْهَا اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَيُحْرَقُ الْبَاقِي وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُلْقَى فِي مَاءٍ جَارٍ كَمَا هِيَ أَوْ تُدْفَنُ وَهُوَ أَحْسَنُ. اهـ.[3]

حاصل یہ ہے کہ قرآن جلانا منع ہے جیسا کہ بریقہ محمودیہ ص ۱۹۹ ج ۴ میں ہے اس طرح بہت سی کتابوں میں لکھا ہے اگر بنفسہ جلانے کا جواز تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی فی زمانا سبب وقوع فتنہ بین المسلمین ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ نیز احترام و بے حرمتی کا مدار عرف پر ہے اور عرف موجود میں احراق یعنی جلانا انتہائی درجہ کی بے حرمتی سمجھا جاتا ہے۔ (واللہ ورسولہ اعلم عزوجل وﷺ)[4]

(۴۷) ﴿باب نمبر سینتالیس میت کو عمدہ کفن پہنانے کے بیان میں﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فليحسن كَفنه«. رَوَاهُ مُسلم۔

میت کو عمدہ کفن پہنانے کا حکم

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے چاہیئے کہ عمدہ کفن پہنائے۔[5]

حضرت ابن عدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

وَرَوَى ابْنُ عَدِيٍّ» :أَحْسِنُوا أَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهُمْ يَتَزَاوَرُونَ فِي قُبُورِهِم۔

اپنی موتی کو اچھے کفن پہناؤ کیوں کہ وہ اپنی قبور میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔[6]

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۴۲۲ دار الفکر-بیروت)

[2] (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۲۲ باب الخامس فی آداب المسجد و القبلۃ و المصحف دار الفکر)

[3] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۷۷ دار الفکر-بیروت)

[4] (احسن الفتاویٰ ص ۱۳ ماھنامہ بشار ص ۸۷ مؤسس و مدیر ڈاکٹر محمد اویس معصومی ستمبر ۲۰۱۸)

[5] (مشکاۃ المصابیح ص ۱۴۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[6] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ص ۱۰۵ مطبوعہ مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ)

درِمختار میں ہے۔

وَيُحَسَّنُ الْكَفَنُ لِحَدِيثِ » حَسِّنُوا أَكْفَانَ الْمَوْتَى فَإِنَّهُمْ يَتَزَاوَرُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَيَتَفَاخَرُونَ بِحُسْنِ أَكْفَانِهِم۔

میت کو اچھا کفن پہنایا کرو کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے اموات کو اچھا کفن پناؤ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اپنے کفن کی اچھائی پر فخر کرتے ہیں۔[1]

علامہ السید امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (یتفاخرون) کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(قَوْلُهُ وَيَتَفَاخَرُونَ) الْمُرَادُ بِهِ الْفَرَحُ وَالسُّرُورُ حَيْثُ وَافَقَ السُّنَّةَ، وَالزِّيَارَةُ وَإِنْ كَانَتْ لِلرُّوحِ لَكِنْ لِلرُّوحِ نَوْعُ تَعَلُّقٍ بِالْجَسَدِ۔[2]

''باہمی فخر سے مراد فرحت وسرور ہے جب کہ وہ کفن سنت کے مطابق ہو، (یہاں یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ زیارت کرنا ارواح کا فعل ہے اور کفن بدن کے لئے ہوتا ہے نہ کہ روح اس میں ملفوف ہوتے ہیں لہذا اچھا کفنوں کی بنا پر ارواح میں فخر کا کیا مطلب ہوسکتا ہے، تو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا) زیارت اگرچہ روح کا فعل ہے لیکن روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

قبر والا اپنے زائرین کو پہچانتا اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہے

متعدد احادیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد بالکل ہی بے حس نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے روح کا تعلق اس کے جسم کے ساتھ باقی رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ کلام سنتا ہے، زائرین کو پہچانتا ہے، سلام کا جواب دیتا ہے، اپنے عزیز و اقارب کے آنے پر خوش ہوتا ہے۔علامہ ابن قیم کتاب الروح میں متعدد احادیث نقل کرتے ہیں مسئلے کی وضاحت کے لئے چند احادیث نقل کر دیتے ہیں:

ابْن عبد الْبر ثَبت عَن النَّبِي أَنه قَالَ :مَا من مُسلم يمر على قبر أَخِيه كَانَ يعرفهُ فِي الدُّنْيَا فَيسلم عَلَيْهِ إِلَّا رد الله عَلَيْهِ روحه حَتَّى يرد عَلَيْهِ السَّلَام فَهَذَا نَص فِي أَنه بِعَينِه وَيرد عَلَيْهِ السَّلَام۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے اس بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے کہ وہ اسے اس دنیا میں پہچانتا تھا، سلام کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ قبر والا اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔[3]

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ میت (صاحبِ قبر) خاص اسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عَائِشَة رضی الله عَنْهَا أَنَّهَا قَالَت قَالَ رَسُول مَا من رجل يزور قبر أَخِيه فيجلس عِنْده إِلَّا استأنس بِهِ حَتَّى يقوم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں ہے کوئی مرد کہ جو اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے، اس کے پاس بیٹھتا ہے مگر قبر والا اس سے مانوس ہوتا ہے اس کی باتوں کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کھڑا ہو جائے۔[4]

عَن أَبِي هُرَيْرَة رضی الله تَعَالَى عَنهُ قَالَ إِذا مر الرجل بِقَبْر أَخِيه يعرفهُ فَسلم عَلَيْهِ رد عَلَيْهِ السَّلَام۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب مرد اپنے اس بھائی کی قبر سے گزرے جسے وہ جانتا ہے، سلام کرے تو صاحبِ قبر سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان لیتا ہے اور جب اس کا گزر ایسی قبر کے پاس سے ہو کہ صاحبِ قبر کو نہیں پہچانتا، سلام

---

[1] (رد المحتار على الدر المختار ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبۃ حنفیۃ کوئٹہ)

[2] (رد المحتار على الدر المختار ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبۃ حنفیۃ کوئٹہ)

[3] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعۃ بیروت)

[4] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعۃ بیروت)

کرے تو صاحب کرے (صرف سلام کا جواب دیتا ہے)۔[1]

وذخیرتی وَمن عَلَیهِ اعتمادی فِي حیاتی وَبعد موتی لَا تخذلنی عِنْد الْمَوْت وَلَا توحشنی فِي قبری قَالَ فَمَاتَتْ فَكنت آتیها فِي كل جُمُعَة فأدعو لَهَا وَأَسْتَغْفِر لَهَا وَلأَهل الْقُبُور فرأیتها ذَات یَوْم فِي منامی فَقلت لَهَا یَا أمه كَیفَ أَنْت قَالَت أَی بنی ان للْمَوْت لكربة شَدِیدَة وإنی بِحَمْد الله لفي برزخ مَحْمُود نفترش فِیهِ الریحان ونتوسد فِیهِ السندس والاستبرق إِلَی یَوْم النشور فَقلت لَهَا أَلَك حَاجَة قَالَت نعم قلت وَمَا هی قَالَت لَا تدع مَا كنت تصنع من زیارتنا وَالدُّعَاء لنا فإنی لأبشر بمجیئك یَوْم الْجُمُعَة إِذا أَقبلت من أهلك یُقَال لي یَا راهبة هَذَا ابْنك قد أقبل فَأسر وَیسر بذلك من حولی من الْأَمْوَات۔

حضرت عثمان ابن سودا الطفاوی بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔ انہیں راہبہ کہا جاتا تھا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ اے میرے ذخر اور ذخیرہ! اے وہ ذات جس پر میری زندگی اور موت کے بعد اعتماد ہے تو مجھے موت کے وقت رسوا نہ کر اور میری قبر میں وحشت پیدا نہ کر فرماتے ہیں کہ ان کا وصال ہوگیا میں ہر جمعہ ان کی قبر پر آتا تھا اور ان کے لئے دعا کرتا تھا، ان کے لئے اور تمام اہل قبور کے لئے استغفار کرتا تھا۔ میں نے ایک دن انہیں خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اے امی جان آپ کیسی ہیں، تو انہوں نے کہا اے میرے بیٹے، موت کی وجہ سے سخت مصیبت ہے اور الحمدللہ میں برزخ محمود میں ہوں، ہم اس میں پھولوں کا بچھونا بچھاتے ہیں اور یوم نشور (قبر سے اٹھنے کے دن) تک سندس والاستبرق کے تکیے رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ کی کوئی حاجت ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا تو انہوں نے کہا جو تم ہماری زیارت کو آتے ہو اور ہمارے لئے دعا کرتے ہو، اسے نہ چھوڑنا جب تم اپنے اہل سے جمعہ کے دن آتے ہوں تو وہ تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے کہا جاتا ہے کہ اے راہبہ، یہ تیرا بیٹا آگیا تو میں خوش ہو جاتی ہوں اور اس کی وجہ سے میرے اردگرد اموات بھی خوش ہو جاتے ہیں۔[2]

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کا جسم سے تعلق وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور انسان وفات کے بعد بھی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے اس کی قبر پر آنے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم مزید لکھتے ہیں۔

وَالسَّلَف مجمعون علی هَذَا وَقد تَوَاتَرَتْ الْآثَار عَنْهُم بِأَن الْمَیِّت یعرف زِیَارَة الْحَیّ لَهُ ویستبشر بِهِ۔

اسلاف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے آثار تواتر سے سے وارد ہیں کہ میت زندہ انسان کی زیارت کو پہچانتے ہیں اور اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔[3]

روح کا جسم کے ساتھ کلی طور پر تعلق رہتا ہے

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں کافر و مومن کی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

وَتَكُونُ دَائِمًا مَحْبُوسَةً فِي أَسْفَلِ السَّافِلِينَ بِخِلَافِ رُوحِ الْمُؤْمِنِ ; فَإِنَّهَا تَسِيرُ فِي مَلَكُوتِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَتَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ تَشَاءُ، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ تَحْتَ الْعَرْشِ، وَلَهَا تَعَلُّقٌ بِجَسَدِهِ أَيْضًا تَعَلُّقًا كُلِّيًّا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي قَبْرِهِ وَيُصَلِّي، وَيَتَنَعَّمُ وَيَنَامُ كَنَوْمِ

---

[1] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۸ مطبوعة بيروت)

[2] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۹ مطبوعة بيروت)

[3] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعة بيروت)

الْعَرُوسِ، وَيَنْظُرُ إِلَى مَنَازِلِهِ فِي الْجَنَّةِ بِحَسَبِ مُقَامِهِ وَمَرْتَبَتِهِ۔

کفار کی ارواح اسفل السافلین میں قید ہوتی ہیں بخلاف مؤمنین کی ارواح کہ وہ آسمان و زمین کی بادشاہی میں سیر کرتی ہیں اور جنت میں جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں اور عرش کی قندیلوں کی طرف آتی ہیں، اور نیز ان کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ کلی طور پر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ مرنے والا اپنی قبر میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، راحت محسوس کرتا ہے، دلہن کی طرح سوتا ہے، جنت میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے اپنے منازل کو دیکھتا ہے۔[1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ آگے مزید لکھتے ہیں :

قَالَ الْعَسْقَلَانِيُّ فِي فَتَاوِيهِ :أَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِينَ فِي عِلِّيِّينَ، وَأَرْوَاحُ الْكُفَّارِ فِي سِجِّينٍ، وَلِكُلِّ رُوحٍ بِجَسَدِهَا اتِّصَالٌ مَعْنَوِيٌّ لَا يُشْبِهُ الِاتِّصَالَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، بَلْ أَشْبَهُ شَيْءٍ بِهِ حَالُ النَّائِمِ، وَإِنْ كَانَ هُوَ أَشَدَّ مِنْ حَالِ النَّائِمِ اتِّصَالًا، وَبِهَذَا يُجْمَعُ بَيْنَ مَا وَرَدَ أَنَّ مَقَرَّهَا فِي عِلِّيِّينَ أَوْ سِجِّينٍ وَبَيْنَ مَا نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ عَنِ الْجُمْهُورِ أَنَّهَا عِنْدَ أَفْنِيَةِ قُبُورِهَا. قَالَ :وَمَعَ ذَلِكَ فَهِيَ مَأْذُونٌ لَهَا فِي التَّصَرُّفِ، وَتَأْوِي إِلَى مَحَلِّهَا مِنْ عِلِّيِّينَ أَوْ سِجِّينٍ. قَالَ :وَإِذَا نُقِلَ الْمَيِّتُ مِنْ قَبْرٍ إِلَى قَبْرٍ فَالِاتِّصَالُ الْمَذْكُورُ مُسْتَمِرٌّ وَكَذَا لَوْ تَفَرَّقَتِ الْأَجْزَاءُ اھ

علامہ عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا :مومنین کی ارواح علیین میں ہیں اور کفار کی سجین میں ہیں، اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ معنوی اتصال (تعلق) حاصل ہے جو کہ حیاتِ دنیویہ سے مشابہ نہیں بلکہ اس کے مشابہ ترین صرف حالتِ نیند ہے۔ اگرچہ موت کے بعد روح کا اتصال بدن کے ساتھ اس حالت سے قوی ہے اور اسی قول (یعنی اثبات اتصالِ معنوی) سے ہی اس کے اختلاف کے دور کیا جاسکتا ہے جو روایات اور ابن عبدالبر کے قول میں ہیں۔ روایات سے پہتہ چلتا ہے کہ ارواح کا محل علیین یا سجین ہے، اور ابن عبد البر نے جمہور سے یہ نقل کیا ہے کہ ارواح قبور کے احاطے وصحن میں ہوتی ہیں، ارواح کو علیین یا سجین میں ہونے کے باوجود کائناتِ ارضی میں تصرف حاصل ہے اور آمد و رفت کی اجازت ہے اور پھر اپنے محل و مستقر علیین وسجین میں جا گزیں ہونے کی بھی اجازت ہے جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف منتقل کیا جائے تو بھی یہ اتصال (تعلق) برقرار رہتا ہے اور اگر اجزاء کی ترکیب ختم ہو جائے تو بھی یہ تعلق و اتصال باقی رہتا ہے۔[2]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے بخوبی واضح ہوگیا کہ میت کے جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہر حال رہتا ہے۔

(۴۸) ﴿باب نمبر اڑتالیس امام الانبیاء ﷺ کی نماز جنازہ کے بیان میں﴾

رسالت مآب ﷺ کی نماز جنازہ میں نہ کوئی امام تھا اور نہ ہی اس میں معروف دعا اللھم اغفر لحینا پڑھی گئی اور اس نماز سے مقصود ہرگز آپ ﷺ کو فائدہ پہنچانا نہ تھا بلکہ اس کے ذریعے اپنی غلامی کا اظہار اور برکات کا حصول تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کے وصال شریف کا وقت قریب آیا تو ہم نے عرض کیا۔

عَن ابْن مَسْعُود قَالَ لما ثقل رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قُلْنَا من يغسلك يَا رَسُول الله قَالَ رجال من أهل بَيْتِي الْأَدْنَى فالأدنى مَعَ مَلَائِكَة كَثِيرَة يرونكم من حَيْثُ لَا ترونهم قُلْنَا من يُصَلِّي عَلَيْك قَالَ إِذا غسلتموني وحنطتموني وكفنتموني فضعوني على سَرِيرِي هَذَا على شَفِير قَبْرِي ثمَّ اخْرُجُوا عني سَاعَة فَإِن أول من يُصَلِّي عَليّ جِبْرِيل ثمَّ مِيكَائِيل ثمَّ إِسْرَافِيل ثمَّ ملك الْمَوْت مَعَ جنود من الْمَلَائِكَة ثمَّ ليصل عَليّ أهل بَيْتِي ثمَّ ادخُلُوا عَليّ أفْوَاجًا وفرادي قُلْنَا فَمن يدْخلك قبرك قَالَ أَهلِي مَعَ مَلَائِكَة كثيرين

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ص ۸۶ ج ۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (مرقات المفاتیح جلد ۴ صفحہ ۹۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یرونکم من حَیثُ لَاترونھم۔

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو غسل کون دے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل بیت کے افراد جن کے ساتھ فرشتے تمہیں دیکھتے ہوں گے اور تم نہ دیکھ سکو گے ہم نے عرض کیا آپ ﷺ کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تم غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو کچھ وقت کیلئے میرے حجرہ انور سے تمام لوگ باہر چلے جائیں سب سے پہلے جبریل علیہ السلام حاضری دیں گے پھر میکائیل علیہ السلام پھر اسرافیل علیہ السلام پھر ملک الموت علیہ السلام اور ان کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے اس کے بعد اہل بیت کے افراد آئیں اس کے بعد تمام لوگ گروہ در گروہ اور تنہا حاضری دیں ہم نے عرض کیا کہ قبر انور میں کون اتارے فرمایا میرے اہل بیت کے افراد اور ان کے ساتھ بے شمار فرشتوں کی جماعت ہوگی جن کو وہ نہیں دیکھیں گے۔[1]

شمائل ترمذی میں ہے کہ جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا

أیصلّي علی رسول الله؟ قال :نعم، قالوا :وکیف؟ قال :یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس۔

کیا ہم آپ ﷺ کی نماز پڑھیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔عرض کیا گیا کہ اس کا طریقہ کیا ہوگا فرمایا گروہ در گروہ داخل ہو کر تکبیر دعا اور صلوۃ وسلام عرض کرتے جاؤ یہاں تک کہ تمام لوگ فارغ ہو جائیں۔[2]

آپ ﷺ کی نماز میں امام کی ضرورت نہ تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

لایؤم احدکم علیه لانه امامکم حال حیاته وحال مماته۔

یعنی آپ ﷺ کی نماز کی امامت کوئی نہیں کرسکتا کیوں کہ قبل اور بعد از وصال امام آپ ﷺ ہی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور قول ان الفاظ سے بھی منقول ہے۔

لایقوم علیه احدهو امامکم حیاو میتا۔یعنی کوئی امام نہ ہو کیونکہ حیات ظاہری اور بعد از وصال امام آپ ﷺ ہی ہیں۔[3]

نماز میں معروف دعا نہیں پڑھی گئی جو الفاظ پڑھے گئے وہ یہ ہیں۔

لبیك اللهم ربنا وسعدیك، صلوات الله البر الرحیم، والملائکة المقربین، والنبیین والصدیقین والشهداء والصالحین، وما سبح لك من شئ یارب العالمین، علی محمد بن عبد الله خاتم النبیین، وسید المرسلین، وإمام المتقین ورسول رب العالمین، الشاهد البشیر الداعی إلیك بإذنك السراج المنیر، وعلیه السلام۔

اے اللہ جل جلالہ ہم حاضر ہیں اللہ جو نہایت ہی رحیم وکریم ہے ملائکہ مقربین، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور ہر وہ شئے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے ان سب کی طرف سے اس ذات گرامی پر سلام ہو جن کا اسم گرامی محمد ﷺ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ خاتم الانبیاء سید المرسلین اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول شاہد بشیر اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا چمکتا ہوا چراغ ہیں۔[4]

---

[1] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۷۶-۲۷۷)

[2] (الشمائل المحمدیۃ للترمذی ص ۳۴)

[3] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۷۶-۲۷۷)

[4] (المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة مع الزرقانی ج ۸ ص ۲۹۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ خصوصی کلمات بھی منقول ہیں۔

السَّلَام عَلَيْك أَيهَا النَّبِي وَرَحْمَة الله وَبَرَكَاته اللَّهُمَّ إِنَّا نشْهد أَن قد بلغ مَا أنزل إِلَيْهِ و نصح لأمته و جاهد فِي سَبِيل الله حَتَّى أعز الله دينه و نصح لأمته و جاهد فِي سَبِيل الله و تمت كَلمته اللَّهُمَّ فاجعلنا مِمَّن يتبع مَا أنزل إِلَيْهِ و ثبتنا بعده و اجمع بَيْننَا وَبَينه۔

اے نبی محترم آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کا نزول ہو اے اللہ ہم گواہ ہیں اس تیرے برگزیدہ رسول ﷺ نے تیرے احکام لوگوں تک پہنچا دیئے اور امت کو نصیحت فرمائی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مشن کو غالب فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کا نام اور کلمہ اس کائنات میں بلند ہوگیا۔اے اللہ ہمیں ہمیشہ ان کی تعلیمات پر چلنے کی توفیق دے ان کے بعد ثابت قدم رکھ اور قیامت کے روز ہمیں ان کی رفاقت عطا فرما۔[1]

حضرت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ زائد الفاظ بھی منقول ہیں۔

و اجمع بيننا و بينه حتى تعرفه بنا و تعرفنا به فإنه كان بالمؤمنين رؤوفا رحيما، لا نبتغي بالإيمان به بدلا و لا نشتري به ثمنا أبدا، فيقول الناس آمين آمين۔

اے اللہ جل جلالہ ہمیں وہاں آپ ﷺ کی اس طرح رفاقت عطا فرما کہ ہماری پہچان ان کے حوالے سے ہو یہ مومنوں پر نہایت ہی رحیم و کریم تھے۔ہم ان پر ایمان لانے کا کوئی عوض نہیں چاہتے ہیں۔اس پر لوگ آمین آمین کہتے جاتے تھے۔[2]

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الخصائص نبویہ میں لکھتے ہیں۔

و صلى عليه الناس افواجا بغير امام و قال على هو امامكم حيا و ميتا و بغير دعاء الجنازة المعروف۔

آپ ﷺ کی نماز گروہ در گروہ بغیر امام کے ادا کی گئی اور اس میں معروف دعائے مغفرت نہ پڑھی گئی۔[3]

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں باقاعدہ امامت کا ثبوت نہیں اور نہ کسی کو امام بننے کی جرأت ہوئی بلکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جماعت در جماعت حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں داخل ہو کر آپ ﷺ کا جنازہ پڑھتے رہے یوں متعدد بار آپ ﷺ کا جنازہ ادا کیا گیا اور عام دعا کی بجائے مندرجہ ذیل کلمات پڑھے گئے۔

قال العلامة السيد زرقاني و منها أنه صلى عليه الناس أفواجًا أفواجًا" أي :فوجًا بعد فوج، روى الترمذي أن الناس قالوا لأبي بكر، أنصلي على رسول الله؟ قال :نعم، قالوا :و كيف نصلي؟ قال :يدخل قوم يصلون و يدعون، ثم يدخل قوم فيصلون، فيكبرون و يدعون، فرادى۔[4]

و فيه ايضاً و بغير دعاء الجنازة المعروف عن علي أنهم كانوا يكبرون، و يقولون السلام عليك أيها النبي و رحمة الله، اللهم إنا نشهد أن محمدًا قد بلغ ما أنزل عليه، و نصح لأمته، و جاهد في سبيلك حتى أعز الله كلمته۔[5]

---

[1] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۸۴)

[2] (السيرة الحلبية = إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ص ۵۰۳ ج ۳)

[3] (الخصائص النبویہ ص ۲۵)

[4] (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ۵ ص ۳۷۹)

[5] (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ۵ ص ۳۷۹)

(۴۹)﴿باب نمبر انچاس تئیس رمضان المبارک کی شب میں سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم پڑھنا﴾

دور حاضر کے علماء تئیس رمضان المبارک کی شب میں سورۃ العنکبوت، اور سورۃ الروم پڑھنے کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے پڑھنے سے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں : کقوله علیه السلام وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ من قرأ حرفا من کتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول آلم حرف الف ولام حرف وميم حرف۔[1]

حاشیہ مشکوٰۃ پر تفصیل یوں ذکر کی ہے کہ "الف حرف ای مسمی الف حرف والاسم ثلثة احرف ففی سورة البقرة يكون عدد الحسنات تسعين الخ"[2]

خاص کر سورۃ عنکبوت و سورۃ روم پڑھنا کیونکہ یہ جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کا سبب ہے : عن النبی ﷺ من قرأ سورة العنكبوت كان له من الاجر عشر حسنات بعدد كل المؤمنين والمنافقين اٰه۔[3]

وعن رسول الله ﷺ من قرأ سورة الروم كان له من الاجر عشر حسنات بعدد كل ملك الله تعالى بين السماء والارض وادرک ماضيع فی يوم وليلة اٰه۔[4]

کتاب جنت الفردوس جو نظم کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ جسے جنت چاہئے اور اس کا امیدوار ہو تو جب رمضان کی تئیسویں رات آجائے تو تراویح کے بعد سورہ عنکبوت و روم کو پڑھے یا سنے تو یہ شخص اہل جنت سے ہو کر حضور ﷺ کے دوستوں میں سے ہو جائے گا۔[5]

در بیان شب کہ در آن شب گناہان ہمہ بخشیدہ میشوند و آن شب بیست و سوئم ماہ رمضان است و اگر در شب بیست و سوئم ماہ رمضان سورۃ عنکبوت و روم بخواند خواننده و شنواننده را با آتش دوزخ کار نباشد۔[6]

رسول اللہ ﷺ گفت : من قرأ سورة العنكبوت وسورة روم فی ليلة الثالثة والعشرين من رمضان فهو من اهل الجنة۔[7]

سننے کا ثواب پڑھنے سے زیادہ ہے۔ پڑھنے والے کیلئے ایک اجر ہے اور سننے والے کے لئے دو اجر ہیں اس لئے قاری سورۃ عنکبوت و روم کی تلاوت کرتے ہیں اور باقی لوگ سنتے ہیں۔ اسی طرح سننے اور سنانے کا معمول حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا : کقوله وقد كان

---

[1] (رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۸۶)

[2] (لمعات حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۸۶)

[3] (تفسیر ابی السعود آخر سورۃ عنکبوت صفحہ نمبر ۲۶۴/۷، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن سورۃ العنکبوت (29) : الآیات 1 الی 11 ص ۲۶۹ ج ۷، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوتِ ج ۳ ص ۴۱۲، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل سورۃ العنکبوت ج ۳ ص ۴۶۵، أنوار التنزیل وأسرار التأویل سورۃ العنکبوت : آیۃ 69 ج ٤ ص ۲۰۰، اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۵ ص ۳۸۰ دار الکتب العلمیۃ - بیروت/ لبنان، السراج المنیر فی ال إعانۃ علی معرفۃ بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر ج ۳ ص ۱۵۵ مطبعۃ بولاق (الأمیریۃ) - القاہرۃ، تفسیر أبی السعود = إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم سورۃ العنکبوت ج ۷ ص ۴۸ دار إحیاء التراث العربی - بیروت، دُرْجُ الدُّرر فی تفسیر الآیِ والسُّوَر سورۃ العنکبوت ج ۳ ص ۷۳ ۱۳ مجلۃ الحکمۃ، بریطانیا، دُرْجُ الدُّرر فی تفسیر الآیِ والسُّوَر سورۃ العنکبوت ج ۲ ص ۴۳۴ دار الفکر - عمان، الأردن، فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب (حاشیۃ الطیبی علی الکشاف) سورۃ العنکبوت ج ۱۲ ص ۲۰۶ جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، فضائل القرآن سورۃ العنکبوت ج ۲ ص ۱۸۷ دار ابن حزم، تخریج الأحادیث والآثار الواقعۃ فی تفسیر الکشاف للزمخشری سُوَرَةُ العنکبوت ج ۳ ص ۵۰ دار ابن خزیمۃ - الریاض)

[4] (تفسیر ابی السعود آخر سورۃ الروم ص ۲۸۸/۷)

[5] (جنت الفردوس صفحہ نمبر ۶۵ تا ۶۷)

[6] (ارشاد الطالبین صفحہ نمبر ۲۲۳)

[7] (انیس الواعظین صفحہ نمبر ۳۰)

رسول اللہ ﷺ یامر من قرأ القرآن فی المسجد ان یسمع قرأته وکان ابن عمر رضی اللہ عنهما یامر من یقرأ علیه وعلی اصحابه وهم یستمعون ولانه اکثر عملا وابلغ فی اللہ براونفعه متعد لایقاظ قلوب الغافلین۔[1]

وکان اصحاب النبی ﷺ اذا اجتمعوا امروا احدهم ان یقرأ سورة من القرآن وهکذا فی[2] اور جو شخص سلف صالحین کے معمولات پر طعن کرتے ہیں تو وہ مردود الشہادۃ ہے :قال فی التکملة ص ۱۴۵/۱۔ من طعن فی علماء الامة لا یلو من الا امه کما فی الکرمانی ۱۲۔

حجۃ الاسلام السید محمد تقی المقدم خزانۃ الاسرار میں لکھتے ہیں۔

سورۃ العنکبوت :

روی عن رسول اللہ الاعظم ﷺ قوله۔من قرأ سورة العنکبوت کان له من الأجر عشر حسنات بعدد کل المؤمنین والمنافقین۔"[3]

وروی عن الامام الصادق رضی اللہ عنه قوله۔"من قرأ سورة العنکبوت والروم فی لیلة ثلاث وعشرین من شهر رمضان فهو واللہ من اهل الجنة لا استثنی فیه ابداً، ولا اخاف أن یکتب اللہ علیّ فی یمینی إثما وان لهاتین السورتین من اللہ مکانا۔"[4]

سورۃ الروم:

روی عن رسول اللہ ﷺ قوله :ومن قرأها کان له من الأجر عشر حسنات بعدد کل ملک سبح لله مابین السماء والارض ،وأدرک ماضیع فی یومه ولیلته۔[5]

(۵۰)﴿باب نمبر پچاس شب جمعہ میں سورۃ الملک پڑھنا﴾

بعض علماء شب جمعہ میں سورۃ الملک پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ مبارک نے فرمایا :من قرأ فی کل لیلة الجمعة بعد العشاء الاخیرة تبارک الذی بیده الملک اذا مات ینزل به منکر ونکیر قال من ربک فقال نکیر لمنکر لا تسأله من ربک فانه کان یقرأ تبارک الذی بیده الملک۔[6]

یعنی جو شخص ہر شب جمعہ کو بعد نماز عشاء "تبارک الّذی بیده الملک" پڑھے گا تو جب اس کا انتقال ہوتا ہے اور اس کے پاس منکر ونکیر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے،تو نکیر منکر سے کہتا ہے اس سے من ربک کے بارے میں مت پوچھو کیونکہ یہ تبارک الذی بیده الملک پڑھتا تھا۔

---

[1] (طحاوی صفحہ ۱۷۴ وفی احیاء العلوم ص ۱۵۸)

[2] (تفسیر روح البیان صفحہ ۵۰۰/۴)

[3] (خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱،مجمع البیان ج ۸ مقدمۃ السورۃ)

[4] ((خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱)،اعلام الدین فضائل سور القرآن ص ۳۷۳،الشیخ الحسن بن ابی الحسن الدیلمی من اعلام القرآن ثامن الهجری،ثواب الاعمال ج ۱ ص ۱۰۹ ثواب من قرأ سورۃ العنکبوت والروم،مؤلف الشیخ الصدوق المتوفی ۳۸۱ھ)

[5] (خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱،مجمع البیان ج ۸ مقدمۃ السورۃ)

[6] (جواہر النفیس فصل احوال المیت ص ۲۰۴،دستور القضاۃ ص ۴۸،لصدر بن رشید الترمذی)

وفی خزانة الروایات من دستور القضاة قال رسول اللہ ﷺ من قرأ فی کل لیلة الجمعة بعد العشاء الاخیرة تبرک الذی بیده الملک اذامات ینزل به منکر ونکیر قال من ربک فقال نکیر لمنکر لاتسئله من ربک فانه کان یقرأ تبرک الذی بیده الملک اھ۔[1]

(۵۱)﴿باب نمبر اکیاون محفل میلاد شریف منعقد کرنا﴾

بعض علماء محفل میلاد شریف منعقد کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔حالانکہ میلادِ مصطفی ﷺ منانا مستحب اور مستحسن اور عاشقوں کا کام ہے۔اقامۃ القیامۃ میں حضرت علامہ مولانا محمد صالح لکھتے ہیں : امة النبیّ ﷺ من العرب والمصر والشّام والرّوم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمعٌ ومتّفقٌ علیٰ استحبابه واستحسانه۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کی امت،عرب،مصر،شام،روم،اندلس اور اسلامی ممالک سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ میلاد مصطفی ﷺ مستحب اور مستحسن ہے۔

آگے لکھتے ہیں : حضرت علی شامی نے فرمایا :الّف فی ذالک العلماء وحثوا علی فعله فقالوا لا ینکرها الّا مبتدع فعلیٰ حاکم الشّریعة ان یعزره۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کے میلاد پاک پر علمائے کرام نے کتابیں لکھیں اور اس میلاد شریف کرنے پر رغبت دلائی اور فرمایا میلاد مصطفی ﷺ کا انکار کرنے والا بدمذہب ہے حاکم شریعت پر لازم ہے کہ ایسے منکر کو سزا دے۔[2]

(۵۲)﴿باب نمبر باون حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ایمان کا بیان﴾

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے اور کفر پر فوت ہوئے (العیاذ باللہ)۔حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام اباواجداد،صاحبانِ ایمان وتوحید تھے،سب مؤمن مسلمان تھے۔جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے :المراد منه تقلبک من اصلاب الطّاهرین السّاجدین لله الیٰ ارحام الطّاهرات السّاجدات ومن ارحام السّاجدات الیٰ اصلاب الطّاهرین ای الموحّدین والموحّدات حتّٰی یدلّ علیٰ انّ آباء النبی صلی اللہ علیه وسلم کلّهم کانوا مؤمنین۔یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں اور پھر ان طاہرات وساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے جو سبھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ اکے تمام آباواجداد صاحبانِ ایمان وتوحید تھے۔[3]

حدیث پاک میں ہے :عن عروة بن الزبیر عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان رسول اللہ ﷺ سال ربه ان یحیی ابویه فاحیاهما له فامنا به ثم اماتهما۔[4]

ترجمہ: ”حضرت عروۃ بن زبیر،ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کریم سے دعا کی یا اللہ میرے والدین کو زندہ کر تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا،دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں (والدین

---

[1] (جواهر النفیس فصل احوال المیت ص ۲۰۴ ودستور القضاة ص ۴۸ لعون بن رشید الترمذی ،الفتاویٰ الحنفیة تالیف الشیخ الامام الفقیه مسعود بن عمر المعروف بسعد الدین التفتازانی ص ۱۷۰ مکتبة دار الکتب پشاور)

[2] (اقامۃ القیامۃ ص ۱۹)

[3] (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۸۹) تحت هذه الایت وتقلّبک فی السّاجدین۔(تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ مطبوعہ بیروت)

[4] (زرقانی علی المواہب صفحہ ۱۶۸ جلد ۱،حجۃ اللہ علی العلمین صفحہ ۴۱۲)

کریمین) اپنے لختِ جگر رحمت اللعالمین ﷺ پر ایمان لائے اور پھر اپنی اپنی آرامگاہوں میں آرام فرما ہو گئے۔"

ایک محب نبی ﷺ کا قول مبارک :قال بعضهم :

ایقنت ان ابا النبی و امه	احیاهما الرب الکریم الباری
حتی له شهدا بصدق رسالة	سلم فتلک کرامة المختار
هذا الحدیث و من یقول بضعفه	فهو الضعیف عن الحقیقة عاری۔

"بیشک نبی رحمت ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ ان دونوں کو ان کے رب کریم نے زندہ کیا حتی کہ دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے سچے رسول ہونے کی گواہی دی۔"

اے عزیز اس بات کو مان لے کہ یہ مختار نبی ﷺ کی کرامت ہے (عزت افزائی کے لئے ہے) اور دوبارہ زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا یہ حدیث سے ثابت ہے اور جو کوئی اس حدیث پاک کو ضعیف کہے وہ خود ضعیف ہے (اس کا ایمان ضعیف ہے) ایسا شخص حقیقت سے عاری ہے۔[1]

محب الرسول علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک:

ان الله احیاهما له ﷺ حتی آمنا به و هذا السبیل مال الیه طائفة "کثیرة" من الائمة الحفاظ هم الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی و الحافظ ابو القاسم ابن عساکر و الحافظ ابو حفص بن شاهین و الحافظ ابو القاسم السهیلی و الامام القرطبی و الحافظ محب الدین الطبری و العلامة ناصر الدین بن المنیر و الحافظ فتح الدین بن سید الناس۔[2]

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے اعزاز و اکرام کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ اس امر کی (زندہ ہو کر ایمان لانے کی) حدیث پاک کو بہت سارے اماموں اور حافظ حدیث نے اپنایا ہے، مثلاً :(۱) حافظ الحدیث ابو بکر خطیب بغدادی، (۲) حافظ الحدیث ابو القاسم ابن عساکر، (۳) حافظ الحدیث ابو حفص بن شاہین، (۴) حافظ الحدیث ابو القاسم سہیلی، (۵) امام قرطبی، (۶) حافظ الحدیث محب الدین طبری، (۷) علامہ ناصر الدین بن منیر، (۸) حافظ الحدیث فتح الدین بن سید الناس۔

الحافظ السیوطی رحمه الله تعالیٰ و جزاه عن الاسلام و المسلمین خیر الجزاء فانه الف فی ذلک جملة مولفات اثبت فیها نجاتهما ببراهین کثیرة و اقام النکیر علی من زعم خلاف ذلک من اهل الجمود و الجحود۔

اللہ تعالیٰ حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے کئی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور دلائل قاہرہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کا نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ضد تعصب اور جمود کی وجہ سے اس کے خلاف باتیں کی ہیں ان کی خوب خبر لی ہے۔ (حجۃ اللہ علی العلمین ص ۲۹۸)

علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

آیت پاک سے سید العلمین ﷺ کے والدین کریمین کے مؤمن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جیسے کہ اہلسنت کے بہت سارے جلیل القدر علماء اور ائمہ کرام کا مسلک ہے۔ نیز فرمایا: و اخشیٰ الکفر علیٰ من یقول فیهما رضی الله عنهما۔ یعنی جن علماء نے رحمتِ کائنات ﷺ

---

[1] (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹۸)

[2] (زرقانی علی المواہب ص ۱۲۹ ج ۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۱۳)

کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق اس کے خلاف کہا ہے مجھے تو ان کے متعلق خوف ہے کہ ان کا اپنا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔[1]

(۵۳) ﴿باب نمبر ترپن اولیاء اللہ کی کرامات کے بیان میں﴾

بعض علماء اولیاء اللہ کی کرامات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جسم کے ساتھ ظاہر نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو جو کرامات عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر متعدد اجساد کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کرامت کو تعددِ اجساد کہا جاتا ہے۔ جیسا تفسیر روح البیان میں لکھا ہے: ذَکَرَ ابْنُ السَّبکِی فِی الطَّبَقَاتِ اَنَّ الْکَرَامَاتَ اَنْوَاعٌ وَعَدَّ مِنْهَا اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَةٌ۔ یعنی علامہ ابن سبکی نے طبقات میں ذکر فرمایا کہ کرامتوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولی کے کئی جسم ہو جاتے ہیں۔[2]

تفسیر مظہری میں ہے : وَکَذٰلِکَ یَجْعَلُ لِنُفُوْسِ بَعْضِ اَوْلِیَآئِهٖ فَاِنَّهُمْ یَظْهَرُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی آنٍ وَاحِدٍ فِی اَمْکِنَةٍ شَتّٰی بِاَجْسَادِهِمِ الْمُکْتَسِبَه۔[3]

یعنی یوں ہی خدا تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آن میں متعدد جگہوں میں اپنے اجساد مبارکہ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے :وَلَا مَانِعَ مِنْ اَنْ یَّتَعَدَّدَ الْجَسَدُ الْمِثَالِیُّ اِلٰی مَالَا یُحْصٰی مِنَ الْاَجْسَادِ۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵، الجزء ثانی والعشرین تحت هذا الآیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ" ص ۱۵، مطبعه دار الفکر بیروت)

یعنی اس سے کوئی مانع نہیں کہ جسد مثالی کا تعدد بے شمار اجساد میں ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :وَلَا تباعد مِنَ الْاَوْلِیَاءِ حَیْثُ طُوِیَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِیْ اَمَاکِنَ مُخْتَلِفَةٍ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط[4]

حضرت خواجہ محمد حضرمی قدس سرہ نے پچاس شہروں میں بیک وقت جمعہ پڑھایا۔

قَالَ الشَّعْرَانِی وَاَخْبَرَنِی مِنْ صُحْبِ الشَّیْخِ مُحَمَّدٍ الْحَضْرَمِیِّ اَنَّهٗ خَطَبَ فِی خَمْسِیْنَ بَلْدَةٍ فِی یَوْمٍ وَاحِدٍ خُطْبَةَ الْجُمْعَةِ وَصَلّٰی بِهِمْ اِمَاماً۔ یعنی قطب وقت سیدنا امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضرمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضرمی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سبحان اللہ! یہ تو شانِ ولایت ہے۔ شانِ نبوّت کا کیا کہنا۔[5]

حضرت محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی، اور کچھ اولاد عجم میں تھی، اور کچھ اولاد بلادِ ہند میں تھی، اور کچھ بلادِ تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنی اہل وعیال کے پاس ہو آتے، اور ان کی ضرورتیں پوری

---

[1] (تفسیر روح المعانی ص ۱۳۸ ج ۱۹ مطبوعہ ملتان، زیر آیت وتقلبک فی الساجدین)

[2] (تفسیر روح البیان ص ۲۱۵ ج ۹، الحاوی للفتاوی ص ۳۴۲ ج ۱)

[3] (تفسیر مظہری ص ۲۷۷ ج ۳)

[4] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۱)

[5] (روح البیان ج ۹ ص ۲۱۶، جمال الاولیاء ص ۱۸۸، مطبع تھانہ بھون)

فرماتے تھے۔اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی کے پاس قیام رکھتے تھے۔[1]

سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں : وَفِیْ الْمُمْکِن اَنْ یَّخَصَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ بَعْضُ عِبَادَہ فِی حَالِ الْحَیٰوۃِ بِخَاصِیَۃِ لِنَفْسِہِ الْمَلکِیَۃِ الْقُدْسِیَّۃِ وَ قُوَّۃٌ لَھَا یَقْدِرُ بِھَا عَلٰی التَّصَرُّفِ فِی بَدَنٍ آخَرَ غَیْرَ بَدَنِھَا اَلْمَعْھُوْدُ مَعَ اِسْتِمْرَارٍ تَعْرِفُھَا فِیْ الْاَوَّلِ۔ ''ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خداداد قدرت کے ذریعے اپنے بدن حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف وقادر کیا ہو۔''[2]

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات کے صفحہ ۶۷ میں فرماتے ہیں : جب جنات کو یہ طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب وغریب حالتیں ظاہر کرتے ہیں تو اگر اولیاء اللہ کو یہ امور حاصل ہوں تو محل تعجب کیوں؟ ان کا دوسرے جسم میں تصرف کرنا اسی قبیل سے ہے جو منقول ہے کہ اولیاء اللہ ایک گھڑی میں متعدد مقامات میں حاضر ہو کر لطائف وظرائف دکھاتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں جو اسی تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں کے ہاں بھی ہیں اور حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسی وقت کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت روم میں دیکھا دوسرے کہتے ہیں اس گھڑی ہم نے انہیں بغداد میں دیکھا۔ یہ انہی بزرگ کی واقعی وہی صورت ہے جو انہوں نے مختلف شکلیں اختیار کر کے تصرف کیا اور متعدد مقامات پر موجود ہوئے۔ یہ شکل کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک رات میں ہزاروں سعادت مند حضور سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ صورت مبارکہ کے لطائف سے ہے۔ اسی طرح مریدین اپنے مشائخ کی صورت مثالیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور حل مشکلات کراتے ہیں۔

شیخ المحققین سیدنا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اولیاء کرام کا متعدد مقامات پر ہونا بعید نہیں کیونکہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد وصال بمنزلہ ملائکہ کے ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی افضل جیسے ملائکہ مختلف شکلوں میں آسکتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی آسکتے ہیں اور عالم دنیا کی حیات میں بھی بعض حضرات کو اس کا تصرف حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی روح متعدد ابدان میں جو معہود بدن کا غیر ہے تصرف کرے۔[3]

حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہوں پر دعوت قبول کر سکتے ہیں۔[4]

قطب وقت عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی ص نے فرمایا : وَمِنْھَا شُھُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِیْ مَکَانَیْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ۔ ''کرامت سے یہ بھی ہے کہ ایک جسم کا آنِ واحد میں دو جگہوں میں ظاہر ہونا یعنی تعددِ اجساد۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعدد اجساد صرف روح کے ساتھ ہوتا ہے، جسم کے ساتھ محال ہے۔اس پر امام شعرانی رضی اللہ عنہ کو جلال آگیا۔فرماتے ہیں : فَمَنْ یَّقُوْلُ اَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا یَکُوْنُ فِیْ مَکَانَیْنِ کَیْفَ یَکُوْنُ اِیْمَانُکَ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ فَاِنْ کُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِّدْ وَاِنْ کُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَاِنَّ الْعِلْمَ یَمْنَعُکَ۔ یعنی افسوس ہے اس

---

[1] (جمال الاولیاء ص ۲۰۲ مطبوعہ تھانہ بھون)

[2] (وَکَذَالِکَ قَالَ الْعَلَّامَہ اِبْنِ حَجَر ھَیْتَمِی مَکِّیْ قَدَّسَ سِرَّہٗ فِی الْفَتَاوٰی حَدِیْثِیَہ، ص ۴۶)

[3] (جذب القلوب بحوالہ اولیاء اللہ کے تصرفات ص ۵۴ تا ۵۷)

[4] (ملفوظات شریف ج ۱)

شخص پر جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں ہوسکتا۔اے ایسا کہنے والے،کیا تیرا معراج پاک والی حدیث پر ایمان نہیں۔(جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر مبارک میں بھی دیکھا) ارے ایسا کہنے والے،اگر تو مومن ہے تو تقلید کر،اگر تو عالم ہے تو اعتراض کیوں کرتا ہے(اگر تیرا علم نوری ہے) تو تجھے تیرا علم اعتراض کرنے سے باز رکھے گا۔[1]

حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ کو ایک نیازمند نے نمازِ جمعہ کے بعد اپنے گھر تشریف لے جانے کی دعوت دی۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔پھر دوسرا عقیدت مند آیا،اس نے بھی اپنے ہاں کے لئے دعوت دی۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ فرمالیا۔پھر تیسرا،پھر چوتھا،پھر پانچواں آیا۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

ثُمَّ صَلَّى الشَّيْخُ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ وَلَمْ يَذْهَبْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ وَاِذَا بِكُلٍّ مِّنَ الْخَمْسَةِ جَاءَ يَشْكُرُ الشَّيْخَ عَلٰى حُضُوْرِ عِنْدَهٗ۔[2]

یعنی حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ نے نماز جمعہ پڑھی تو آپ علماء کرام کے پاس بیٹھ گئے اور کہیں نہیں گئے۔کچھ دیر کے بعد وہ پانچوں نیازمند دعوت دینے والے آئے اور حضرت شیخ کا ان سب کے گھروں میں تشریف لے جانے پر ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔

حضرت ابو العباس مرسی قدس سرہ وہ ہستی ہیں کہ جن کے بارے میں آتا ہے،وہ خود فرماتے ہیں :لَوْ حَجَبَ عَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَاعَدَدْتُ نَفْسِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْن۔یعنی اگر رسول اکرم ﷺ مجھ سے پلک جھپکنے کی مقدار غائب ہوجائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان ہی نہ سمجھوں۔

حضرت سید امام علی شاہ مکان شریف والوں کو ساٹھ آدمیوں نے افطاری کی دعوت دی تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کے گھر بیک وقت روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔[3]

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت چالیس اشخاص کے گھر جا کر کھانا کھایا۔[4]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے لاتعداد گھروں میں بیک وقت کھانا کھایا۔جہانگیر بادشاہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول اکرم ﷺ ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہوگی۔اور رسول اللہ ﷺ تو ایک ذات ہیں۔تو حضور ﷺ ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔اس کی وضاحت فرمائیں۔سیدنا امام ربانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں،لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ہو۔اس فرمائش پر جہانگیر نے اپنے بہت سے احباب کو امام ربانی رحمہ اللہ کی دعوت کے متعلق کہہ دیا اور اس دن خود بھی جہانگیر نے امام ربانی رحمہ اللہ کی دعوت کی۔وقتِ مقرر پر سیدنا امام ربانی رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی۔رات اس کے ہاں قیام فرمارہے۔صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے فرداً فرداً اقرار کیا کہ امام ربانی رحمہ اللہ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔سیدنا امام ربانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :اے بادشاہ! میں تو سیدِ دو عالم ﷺ کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا

---

[1] (الیواقیت والجواہر ص ۲)

[2] (الحاوی للفتاوی للعلامہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۴۰،ج ۱)

[3] (بحوالہ سلسبیل بابت ماہ شوال مکرم، ۱۳۸۴ھ بحوالہ حاضر و ناظر ص ۹۵،۹۶)

[4] (کتاب ذخیرۃ الملوک منقول از خزینہ معرفت ص ۱۸۳)

کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم ﷺ کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے۔[1]

خاتمۃ المحدثین علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ قضیب البان رحمہ اللہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے، اور حضرت قضیب البان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق حضرت محبوب سبحانی سرکار غوث اعظم قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا :هُوَ وَلِيٌّ مُقَرَّبٌ ذُوْ حَالٍ مَعَ اللهِ تَعَالٰى وَقَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَهٗ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب والا ولی ہے۔ وہ صاحب حال ہے اور وہ قضیب البان رحمہ اللہ خدا تعالیٰ کے دربار میں سچائی کے قدم والے ہیں۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نماز نہیں پڑھتا۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا :اَنَّهٗ يُصَلِّيْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهٗ وَاِنِّيْ اَرَاهُ اِذَا صَلّٰى بِالْمُوْصِلِ اَوْ بِغَيْرِهَا مِنْ اٰفَاقِ الْاَرْضِ يَسْجُدُ عِنْدَ بَابِ الْكَعْبَةِ یعنی فرمایا کہ قضیب البان رحمہ اللہ وہاں نماز پڑھتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ مگر میں اسے دیکھتا ہوں کہ موصل میں یا کسی اور جگہ زمین کے کسی خطہ میں نماز پڑھے تو سجدہ وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس ہی کرتا ہے۔[2]

تفریح الخاطر میں ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان شریف میں ستّر اشخاص نے حضور غوث پاک رحمہ اللہ کو دعوتِ افطار دی اور ان میں ہر ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ نے ہر ایک کی دعوت افطار قبول کی اور ہر ایک کے گھر میں بیک وقت حاضر ہو کر روزہ افطار کیا۔ نیز اسی دن اور اسی وقت اپنی خانقاہ شریف میں بھی حاضر تھے اور روزہ افطار فرمایا تھا۔ **وشاع هذا الخبر فی بغداد فخطر فی قلب خادم من الخادمین ان حضرت الغوث ما خرج من التكية فكيف يتصور رواحه الى بيوتهم واكل طعامهم فی آن واحد منهم وحضرت واكلت طعامهم فی بيوتهم فردا فردا۔** (ص ۳۸) یعنی یہ خبر بغداد شریف میں شائع ہوئی تو غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادموں میں سے ایک خادم کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کہ غوث پاک تو اپنی خانقاہ شریف سے باہر نہیں گئے تو یہ کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گھر میں بیک وقت آن واحد میں تشریف لے گئے اور روزہ افطار کیا۔ اس پر غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ تمام لوگ اپنے اپنے قول میں سچے ہیں۔ میں نے ہر ایک کی دعوت کو قبول کیا۔ آن واحد میں ان کے گھروں میں حاضر ہوا اور ان کے ہمراہ طعام بھی کھایا۔

قارئین کرام یہ تو مصطفی ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی قوتِ خداداد کا حال ہے۔ خود اس آقا و مولیٰ و معشوقِ حقیقی شاہدِ کائنات ﷺ کی قوتِ خداداد کا تصور کر لو۔ جب آپ ﷺ کے غلام اولیاء اللہ اپنے عقیدتمندوں کے ہاں بیک وقت حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں تو سید العالمین ﷺ کیونکر شاہدِ کائنات نہیں ہو سکتے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قدیم مدّت سے چلا آرہا ہے اور منکر کے لئے زجراً فرماتے ہیں کہ اس میں وہی جھگڑا کرے گا جسے وہم ہے کہ اَنَّ وُجُوْدَ شَخْصٍ وَاحِدٍ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ غَيْرَ مُمْكِنٍ بَلْ هُوَ مُسْتَحِيْلٌ۔ یعنی ایک شخص کا موجود ہونا دو مکانوں میں ایک ہی وقت میں غیر ممکن ہے بلکہ محال ہے۔ وَلَيْسَ كَمَا تَوَهَّمَ هٰذَا الْمُتَوَهِّمُ مِنَ الْاِسْتِحَالَةِ یعنی جس طرح یہ وہمی وہم کر رہا ہے یہ بات محالات سے نہیں ہے کیونکہ بڑے ائمہ عظام نے اس قسم کے جواز اور ممکن ہونے پر نص کی ہے۔ غور کیجئے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی شخصیت اس شخص کو وہمی خبطی یعنی مخبوط الحواس، پاگل سے تعبیر کر رہے ہیں جو اس مسئلہ کا منکر ہے۔

کرامت کا منکر، دل کا اندھا

علامہ عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :**لا ينكره الا جاهل معاند من انواع الكرامات للعلماء والصالحين۔۔ ولا**

---

[1] (ملخصاً فیوضات مجددیہ ص ۱۱)

[2] (الحاوی للفتاوی، ۳۴۱، ج ۱)

یعاند فیه الا من طمس قلبه و العیاذ باللہ۔ ''علماء وصالحین کی کرامات کا منکر، معاند جان بوجھ کر مخالفت کرنے والا ہوتا ہے۔ کرامت کی مخالفت کرنے والے کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دیتا ہے۔'' [1]

منکرین کرامات کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں

علامہ عزالدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :مما یدلّ علی صحة مذهب الفقراء کثرة کراماتهم و ما راینا احدًا من الفقهاء وقع علی یدیه کرامة الا من سلک منهاجهم و من لم یؤمن بکرامتهم حرم برکتهم و قد شاهدنا کل من انکر علی الفقراء من غیر دخول فی طریقهم یصیر علی وجهه کابة و علامة علی الطرد و المقت لا تخفیٰ علی ذی بصیرة و لا ینفع اللہ بعلمه احدا بخلاف اهل الاعتقاد فیهم۔ ''طریقۂ فقراء کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ان سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا ہے، اس کے برعکس ہم نے کسی بھی ظاہری علم والے سے کوئی کرامت کبھی نہیں دیکھی، البتہ جو ظاہری علم والا فقیروں کے طریقہ پر چلے گا، تو اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ جو کرامات فقراء کے منکر ہیں، یہ ان کی برکت سے محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ایسے منکرین کو دیکھا ہے جو فقراء کے طریقے کو سمجھے بغیر اعتراض کرتے رہتے ہیں، تو ان کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں، ان پر غضب خداوندی اور ان پر مردود ہونے کی نشانی لگی ہوتی ہے جو اہل بصیرت سے چھپی نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ ایسے علم والوں سے کسی کو نفع نہیں پہنچاتا۔ مگر فقراء سے عقیدت رکھنے والوں کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔'' [2]

کرامات اولیاء حق ہیں

کتب عقائد میں تصریح کی گئی ہے کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔ [3]

صاحب نبراس نے لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کا منکر معتزلی ہے۔ اہل سنت و جماعت سے خارج ہے ملاحظہ ہو۔ [4]

علمائے دیوبند کے مشہور شیخ القرآن والحدیث اور مولوی زکریا صاحب کے شاگرد خاص مولوی حمداللہ مظاہری اپنی کتاب البصائر لمنکری التوسل باهل المقابر میں لکھتے ہیں۔

چھٹا نکتہ : کرامت کے بیان میں۔ جاننا چاہیے کہ مطلق کرامت شرافت کے معنی میں غیر ذوی العقول پر ہر انسان کیلئے ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے ''ولقد کرّمنا بنی اٰدمَ''۔ تو یہ کرامت آدمیت اور انسانیت کی ہے باقی تمام اشیاء پر۔ اور اصطلاحِ علماء میں کرامت خارقِ عادت اُمور کا ظہور ہے اُس شخص سے جو مسلمان ہو اور دعویٰ نبوّت نہ کرتا ہو۔ اور خلافِ شرع کاموں سے بچتا ہو اور طاعات میں مشغول ہو۔ کیونکہ اگر خارقِ عادت اُمور نبوت کے مُدعی سے قبل از نبوت ظاہر ہو تو اُسے اِرھاص کہتے ہیں۔ اور اس کو تغلیباً اور تشبیہاً معجزہ کہتے ہیں۔ اگر نبوت کے اعلان کے بعد ظاہر ہو تو مُعجزہ ہے۔ اور اگر غیر مدّعی نبوت جو مؤمن ہو اور خواہشات ولذّات سے بچتا ہو اور اطاعت میں مشغول ہو، سے صادر ہو تو یہ کرامت ہے اور اگر خواہشات سے پرہیز نہ کرتا ہو تو یہ کام اس کے دعوی کے مطابق ہو گا یا مخالف۔ اگر مطابق ہو تو استدراج ہے اور اگر مخالف ہو تو اھانت

---

[1] (طبقات، ص ۷۲، ج ۲)

[2] (انوار قدسیہ، ص ۴۶، ج ۱)

[3] (شرح عقائد ص ۱۴۴)

[4] (نبراس ص ۱۴۷)

ہے۔جیسا کہ مسیلمہ کذّاب نے دعوی کیا کہ میں اندھی آنکھ ٹھیک کرونگا تو صحیح آنکھ کو بھی اندھی کر دیا اور اگر عام مؤمن کے دعوے کے مطابق ہوا اور دُعا کرے کہ مصیبت دُور ہو جائے تو یہ معونت ہے۔معلوم ہوا کہ خارقِ عادت کی چھ اقسام ہیں۔جب آپ نے ان اقسام کو جان لیا تو یہ جاننا چاہیے کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔جیسا کہ شرح عقائد میں ہے"کہ کرامات الاولیاء حق خلافا للمعتزلۃ"۔اور وہ لوگ جو معتزلہ کے قائم مقام ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامت نہیں ہے جیسا کہ قصیدہ امالیہ میں ہے۔"کرامات الولی بدار دنیا لھا کون فھم اھل النوال"۔یعنی اولیاء کی کرامات دنیا میں ثابت ہیں اور ولی عطا اور بخشش کے اہل ہیں اور شرح مواقف مقصدنھم میں کرامتِ اولیاء کی بحث میں ذکر ہے کہ کرامات جائز ہیں ہمارے نزدیک۔اور یہ بات اُن لوگوں کے خلاف ہے جو خارقِ عادت کے جواز اور وقوع کے مخالف ہیں،خلافا للاستاذ ابی اسحاق والحلیمی اور معتزلہ بھی کراماتِ اولیاء کا انکار کرتے ہیں،اور استاذ ابوالحسن معتزلی انکار نہیں کرتے۔

(۱) اگر کسی اور کو علم حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے (حافظ کفایت اللہ صاحب)

امام نے اربعین میں کہا ہے کہ معتزلہ کرامت کا انکار کرتے ہیں،اور استاذ ابو اسحاق بھی ان کی موافقت کرتے ہیں۔جبکہ ہمارے اکثر اصحاب اس کو ثابت کرتے ہیں۔اور کرامات کا جواز ہمارے اُصول سے ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہے جو تمام ممکنات کو شامل ہے پس کوئی ممکن شئ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ناممکن یعنی ممتنع نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض واجب نہیں۔اور اس میں شک نہیں کہ کرامت ایک ممکن ہے ذات کے اعتبار سے۔فرض کے وقوع سے محال لازم نہیں آتا۔(۱) کرامت کے وقوع کی دلیل حضرت مریم علیہا السلام کا قصّہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر ظاہری سبب کے رزق پہنچتا تھا۔اور خشک درخت سے تازی اور پختہ کھجور گری تھی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کرامت تھی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارہاصات میں سے ہے۔(۲) مگر یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔(۳) اسی طرح حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصّہ کہ حضرت بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تخت ایک لمحہ یعنی (پلک جھپکنے) میں حاضر کر دیا۔(۴) اسی طرح اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قصّہ کہ تقریباً تین سو ۳۰۰ سال تک سوتے رہے مگر اُن کے جسموں میں کوئی تبدیلی اور تغیّر نہیں آیا بلکہ اُن کے اجسام صحیح وسالم تھے۔جبکہ اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالاتفاق انبیاء نہ تھے تو یہ کرامت ہوئی۔اور یہ خارقِ عادت امور جو مذکور ہوئے ہیں ان میں نبوت کی شرائط بھی نہ تھیں اور نہ ہی معجزے کی شرائط تھیں جو کہ نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔

(۱) تو کرامت بھی واقع ہو سکتی ہے بلکہ واقع ہوئی ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

(۲) ارہاصات۔خرق عادت امور کی تقسیم میں وضاحت ہو چکی ہے۔(مترجم ابوالصابر سواتی)

(۳) کیونکہ اگر یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر یہ کیوں پوچھا کہ انّٰی لک ھٰذا اور حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ قالت ھو من عند اللہ۔بلکہ یوں فرماتی کہ یہ آپ کا معجزہ ہے۔اور حضرت زکریا علیہ السلام کیا اپنے معجزے سے باخبر نہ تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا؟ اور دوسرا یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام نے دعویٰ نبوت بھی نہیں کیا تھا تو یہ بات ثابت ہے کہ جو خرقِ عادت کام کسی غیر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے نہ کہ معجزہ۔(حافظ کفایت اللہ)

(۴) پندرہ سو میل کے فاصلے سے تخت حاضر کرنا بھی کرامت ہے نہ کہ معجزہ کیونکہ یہ کام غیر نبی کے ہاتھ سے صادر ہوا ہے۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت لانے کا حکم مخاطبین کو فرمایا تھا کقولہ تعالیٰ "قال یاایّھا الملأ أیکم یأتینی بعرشھا۔۔۔الخ"۔تو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا بلکہ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔(حافظ کفایت اللہ)

محقق بغدادی نے روح المعانی میں آیت ''واحاط بما لدیھم واحصٰی کلّ شیٔ عددًا'' کے تحت فرمایا ہے کہ ای فردًا فردًا حال من فاعل یسلک بتقدیر قد۔۔۔الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے احاطہ کیا ہے ہر اس چیز کا جو ان کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو فردًا فردًا یعنی ایک ایک کر کے گن لیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے تمام اشیاء پر علم کے مزید اعتناء اور اہتمام کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس علم میں علی الکمال۔ اور اس علم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں مثلاً فرشتے جو وسائط اور ذرائع اس علم کے ہیں۔ گویا ایسا کہا گیا کہ لٰکن من ارتضیٰ جو وہ رسول ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ مَلک یعنی فرشتہ کے بعض وہ غیب عطا فرمایا جو رسالت سے متعلق ہے اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام احوال اور وسائط اور تمام اشیاء پر بطریقہ حصر و تفصیل کے احاطہ فرمایا ہے۔ پس واسطے کب اس کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور یا یہ حال ہے احصیٰ کے فاعل کا اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ رصد نے بذاتِ خود اس علم میں جو ان کو دیا گیا ہے زیادتی اور نقصان نہیں کیا گویا کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اس بات کو جان لیں کہ رصد نے اُمورِ مفوضہ ان کو پہنچائیں ہیں اس حال میں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو جانتا ہے پس اگر انہوں نے زیادتی یا نقصان کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے رصد مقرر نہیں فرماتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں زیادتی یا نقصان کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس آیت ''فلایظھر علی غیبہٖ احدًا۔۔۔الخ'' سے استدلال کرے کہ بعض غیب کی باتوں کی اطلاع کرامات اولیاء سے نہیں ہے تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سالبہ جزئیہ کی قوت میں ہے کیونکہ حیز سلب میں وہ چیز شامل ہے جو عموم کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا استعمال اکثر سلبِ عموم کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب شرح مقاصد نے تصریح فرمائی ہے۔ اور عمومِ سلب کیلئے نہیں آتا جو سلبِ کلی ہے بلکہ سلبِ جُزئی کیلئے آتا ہے اور یہ ایجابِ جزئی کے منافی نہیں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بعض غیب ولی کیلئے بھی ثابت ہے جیسا کہ بعض اہلسنت و جماعت نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''لاتدرکہ الابصار وھو یُدرک الابصار''۔ کی تفسیر میں (۱) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ استثناء کا تقاضہ یہ ہے کہ مرتضیٰ رسول مظہر اور مطّلع ہیں اللہ تعالیٰ کے تمام غیوب پر کیونکہ نفی سے استثناء مستثنیٰ کیلئے نفی کی نقیض کے ایجاب کا تقاضا کرتا ہے اور سالبہ جزئیہ کا نقیض موجبہ کلیہ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اپنے تمام غیوب کا ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ یہ استثناء منقطع ہے جس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر استثناء متصل ہوتا تو پھر یہ مراد ہوتا جبکہ حقیقتاً یہ استثناء منقطع ہے نہ کہ متصل۔

(۱) کہ یہاں مراد عموم کا سلب ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ عام اوقات میں لوگ دیکھ نہیں سکتے نہ کہ یہ مراد ہے کہ کسی بھی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔

(حافظ کفایت اللہ)

اور یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کے اظہار کی نفی ہر کسی کیلئے سوائے رسولوں کے فرمائی ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فرشتوں کو بھی معلوم نہیں یعنی ان پر بھی اظہار نہیں فرمایا کیونکہ رسول سے مراد بشر ہیں۔ جیسا کہ ''فانہ یسلک۔۔۔الخ'' سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ رسولِ بشر کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ رسول کے بغیر جو صرف نبی ہو اور رسول نہ ہو اُن پر بھی غیب کا اظہار نہ ہوا ہو کیونکہ یہاں خاص معنیٰ مراد ہے جو کہ رسالت اور اس کے ساتھ نبوت ہے۔ اور یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہو سکتا کہ ہم پہلے اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح یہ لازم بھی نہیں آتا کہ وہ علم جو رسالت سے متعلق نہ ہو وہ رسول پر ظاہر نہ ہو اور وہ علم حکمتِ شرعی میں مُخل نہ ہو اگر اس کا اظہار کیا جائے کیونکہ بعض مظہر کا اس علم کے ساتھ جو رسالت سے متعلق ہے حصر نہیں ہے۔ اور اگر اس کی طرف روح المعانی نے اشارہ کیا ہے تو یہ مقام کے تقاضے کی وجہ سے ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر وہ غیب جو ظاہر ہو جائے رسول ﷺ پر تو وہ رسالت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور رسالت کے متعلقات

سے ہوگا تو بات محلّ توقف ہے یعنی اس بارے میں تصریح نہیں ہوئی ہے۔اور مفسرین نے اس مقام پر کلام مع ماله وما علیه علی حسب الامکان فرمایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اولیاء کی کرامات ثابت ہیں وہ غیب پر مطلع ہیں۔اور ظاہر آیت سے نفی معلوم ہو رہی ہے''فلایظهر علی غیبه احدًا۔۔۔الخ''۔کیونکہ اس میں صرف رسول اور نبی علیہ السلام کا استثناء ہوا ہے نہ کہ ولی کا۔تو زمخشری نے کہا کہ اس میں فی الجملہ کرامات کی نفی اور ابطال ہے نہ کہ سلب کلی کے ساتھ کیونکہ مراد اس سے غیب کا اظہار ہے نہ کہ مطلق کرامت کیونکہ اظہارِ غیب کے بغیر مطلق کرامت کی نفی اس آیت سے معلوم نہیں ہوتی۔اور یہ کیوں کرامت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔زمخشری کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو کرامت کی اضافت حاصل ہوتی ہے۔

(۱) میں نہیں جانتا کہ مصنّف کی یہ بات ماذکرنا یعنی ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، سے کیا مراد ہے۔(واللہ اعلم) اور یہ کس چیز کا حوالہ ہے۔اور میرا خیال یہ ہے کہ تفصیلی علم جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے تو یہ حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر بہ نسبت تمام مخلوقات کے ہو تو پھر حاصل ہوسکتا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ رسولِ ملائکہ کو عطا فرمائے تو بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ علم اگر فرشتوں کے واسطے سے ہو تو جو فرشتے اس علم کو لاتے ہیں تو ان کو بھی یہ معلوم ہوگا کیونکہ اگر انہیں معلوم نہ ہو تو وہ رسول تک کیسے پہنچائیں گے اور اگر یہ علم بغیر واسطے کے ہو تو ہوسکتا ہے کہ رسولِ بشری کو حاصل ہو اور فرشتوں کو اس کی خبر نہ ہو۔اور جب رسول کو یہ علم عطا کیا گیا جو رسالت سے متعلق ہے تو پھر یہ علم نبی کو بھی عطا کیا جاسکتا ہے کیونکہ نبی کے بھیجنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ رسالت اور نبوت کے متعلقات لوگوں تک پہنچائیں جائیں۔اور عام سے خاص کا ارادہ کرنا یہ مجازًا ہے اور یہاں پر مجازی معنی پر رسول سے خاص معنی مراد لیا جائے تو وہ بعثت کے منافی ہے جو اللہ کے احکام کی تبلیغ ہے۔واللہ ورسولہ اعلم (حافظ کفایت اللہ)

اولیاء ہیں اور مرتضین بھی ہیں لیکن انبیاء اور رُسل نہیں ہیں اور جبکہ اس آیت میں رسولوں کی تخصیص اطلاع علی الغیب کے ساتھ ہے۔اور کہانت اور علمِ نجوم کا ابطال ہے کیونکہ یہ لوگ ارتضاء سے بہت دُور ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے غصّہ اور ناراضگی میں داخل ہیں۔اور انہوں نے آیتِ کریمہ کی تفسیر اپنے مذہب کے موافق کی ہے اور معتزلی کا استدلال اپنے مذہب پر تام یعنی مکمل نہیں ہوتا کیونکہ امام نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں عموم کا صیغہ نہیں ہے پس کافی ہے اس آیت پر عمل کرنے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب کو کسی پر بھی ظاہر نہیں فرماتا پس اس آیت میں اس بات کی دلیل نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ غیب میں سے کوئی چیز ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ اس سے مراد قیامت کا وقوع ہے کہ قیامت کب ہوگی نہ کہ اس سے مراد عام غیب ہے۔پھر کہا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ آیت کو خاص غیب پر محمول کرتے ہیں جو قیامت کا واقع ہونا ہے اور یہ خاص غیب ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ ''الّا من ارتضٰی من رسول۔۔۔الخ''۔اور یہ (قیامت کا علم) رسولوں پر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے بلکہ قیامت کے وقوع کا علم قُربِ قیامت میں ظاہر ہوگا اور کیوں نہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''ویوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائکة''۔اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت فرشتوں کو وقوع قیامت کا علم حاصل ہوگا۔اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد استثناء منقطع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس ظاہر نہیں فرماتا کسی پر بھی خاص غیب کو جو وقوعِ قیامت کا علم ہے اس کے بعد کہا گیا ہے ''الّا من ارتضٰی من رسول''۔یعنی ''یسلک من بین یدیه ومن خلفه حفظة یحفظونه من شرّ مردة الانس والجن انتهٰی''۔یعنی آگے پیچھے نگہبان فرشتے حفاظت کرتے ہیں سرکش انسان اور جنّات سے۔

اس پر اعتراض ہے کہ علی غیبہ میں عموم پر دلالت ہے۔اور سیاق بھی عموم کے منافی نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس میں طعن کیا جائے اس کا ظاہر اول جواب یہ ہے کہ قیل کے قول سے مراد رسول سے ملک یعنی فرشتہ ہے اس آیتِ کریمہ میں۔لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ

یسلک۔۔۔الخ اس سے موافقت نہیں ہے جیسے کہ پہلے یہ بحث گزر چکی ہے۔کیونکہ فرشتوں کا سلک رسولِ بشری سے ہوتا ہے نہ کہ رسولِ ملکی سے تو رسولِ بشری ہے نہ کہ رسولِ ملکی۔اس کے علاوہ یہ کہ فرشتوں کا علم "یوم تشقق السماء"۔کے دن اظہارِ غیب نہیں بلکہ شہادت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔جیسا کہ بارش کا اظہار بارش کے نزول کے وقت اور مافی الارحام کا اظہار وضع حمل کے وقت، یہ شہادت کا اظہار ہے۔اسی طرح اس وجہ سے انقطاع جس کا ذکر ہو چکا بہت بعید ہے کیونکہ اس میں سابق اور لاحق کے درمیان مناسبت نہیں ہے مگر یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ مناسبت کا قطع ہونا منقطع میں ضرر یعنی نقصان نہیں دیتا۔اور کہا گیا ہے کہ غیب کا اطلاع کے معنی میں ظاہر ہونا مکمل وجوہ کے ساتھ اس شان سے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا علم حاصل ہو جائے اور مراد عموم السلب ہے اور ضرر نہیں دیتا اس میں اس چیز کا دخول جو نفی کے حیّز میں عموم کا فائدہ دیتا ہو کیونکہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ اس آیتِ مبارکہ کی وجہ سے کہ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۲۳﴾"۔یا یہ آیتِ کریمہ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ أَثِیمٍ ﴿بقرۃ ۲۷۶﴾(۱)۔ان آیتوں میں عموم السلب ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور فخر کرنے والے سے محبت نہیں فرماتا اور ہر کافر اثیم کے ساتھ محبت نہیں فرماتا۔یعنی عدم محبت ہر کافر متکبّر اور فخور کو شامل ہے اور عموم کا سلب مراد نہیں ہے کہ گویا ہر ایک کو پسند نہیں فرماتا اور بعض کے ساتھ محبت فرماتا ہے اور علّامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔اس بناء پر آیت کا معنیٰ یہ ہوا "فَلَا یُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (۲۶) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (الجن ۲۷) مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے بعض اشیاء کو اس شان سے ظاہر فرماتا ہے کہ آگے پیچھے چلتا ہو، الخ اور وارد نہیں ہوتا ولی کی کرامت کیونکہ اس کو اظہار مذکور نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کو علم کے اعلیٰ مراتب حاصل نہیں ہوتے اس غیب سے جس سے خبر دی جاتی ہے۔اور ظنونِ صادقہ یا اس کی مثل حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اور لوگ بھی ہیں جیسے کافروں کے اربابِ ریاضت یعنی کافروں کو بھی ریاضت کی وجہ سے ظنون حاصل ہوتے ہیں۔پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض صوفیاءِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں مثلاً محی الدین قدس سرہ کہ اولیاء پر بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور کبھی کبھی ان اولیاء کو غیب کی خبر دیتے ہیں اور اس بات پر یہ آیت "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (الاحقاف ۱۳)"۔دلیل ہے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ظن ہے اور اس علم کی طرح نہیں ہے جو رسول کو حاصل ہوتا ہے۔تو یہ بات بحث سے خالی نہیں بلکہ کبھی ولی کو بواسطہ الہام حاصل ہوتا ہے جس طرح رسول کو حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح یہ لازم آتا ہے کہ فرشتے کیلئے غیب ظاہر ہو جائے کیونکہ رسول مستثنیٰ رسولِ بشری ہیں۔جیسا کہ سابقہ بحث سے ظاہر ہوا اور اگر یہ التزام کیا جائے کہ معنیٰ سابقہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ واسطے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی وجہ نہیں۔آخر میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ کرامات کا اثبات جمہور اہلِ سنت و جماعت کا قول ہے بخلاف معتزلہ کے۔اور ان کی دلیل غیر تام یعنی نامکمل ہے جیسا کہ آپ نے جوابات سے سمجھ لیا ہے۔

اسی طرح کراماتِ اولیاء کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں اور کتب احادیث میں باب الکرامات ذکر کیا جاتا ہے۔جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔جیسے بغیر باپ کے بیٹا پیدا کرنا اور بغیر سبب کے رزق دینا اور حضرت بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تخت حاضر کرنا اور اصحابِ کہف کا واقعہ یہ سب کرامات ہیں۔

(۱) یعنی یہ قاعدہ ہے کہ جب عام نفی کے حیّز میں آجائے تو سلب العموم کا فائدہ دیتا ہے۔یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

ساتواں نکتہ :اس بحث میں ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اس معنیٰ میں کہ جو شخص اس دنیا میں صاحبِ کرامت ہے آیا مرنے کے بعد بھی ان کی کرامت باقی ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے۔جس طرح موت سے نبوت منقطع نہیں ہوتی اور

مؤمن کا ایمان منقطع نہیں ہوتا اسی طرح موت سے کرامات کا انقطاع بھی نہیں ہوتا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی سُنن میں ایک باب ''باب مایری من النّور عند قبر الشهید''۔باب باندھا ہے اور حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر نور دیکھا جاتا تھا اور یہ بعد الوفات کرامت ہے۔طریقہ محمدیہ اور اس کے حاشیہ حدیقہ الندیہ میں مذکور ہے کہ ''کرامة الولی لاتنقطع بالموت کما ان رسالة الرسول لاتنقطع بالموت''۔(۱) اسی طرح علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح المعانی میں ''فالمدبرات امرًا''۔کی تفسیر میں فرمایا ہے ''کہا گیا ہے کہ یہ نفوسِ فاضلہ پر قسم ہے موت کے وقت ابدان سے مفارقت کے وقت کیونکہ نفوس اجسام سے بڑی سختی سے خارج ہوتے ہیں الخ''۔پھر فرمایا کہ یہ نفوس شرافت اور قوت کی وجہ سے مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں۔یعنی فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور تدبیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔جیسا کہ امام نے فرمایا ہے کہ یہ نفوس ابدان سے جدا ہونے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں اثرات اور احوال ہوتے ہیں جس طرح ایک شخص وفات کے بعد اپنے شیخ کو دیکھتا ہے اور وہ شیخ اس کو وہ بات بتاتا ہے جس نے اسے پریشان کر رکھا ہوتا ہے اور غم میں ڈالا ہوتا ہے۔جیسا کہ جالینوس سے یہ بات منقول ہے کہ جب وہ بیمار ہوا اور حکماء اور اطبّاء اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو خواب میں اسے علاج بتایا گیا پھر جب وہ نیند سے بیدار ہوا اور وہی عمل کیا تو شفایاب ہو گیا۔اور اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ (جبکہ یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے) ''اذاتحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور ای من اصحاب النفوس الفاضلة المؤمنین''یعنی جب تم لوگ حیران ہو جاؤ کسی کام میں تو پاکیزہ اہل النفوس سے مدد مانگو۔اور اس میں شک نہیں کہ زیارت کرنے والے کو روحانی مدد ان کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔اور سخت اُمور حل ہو جاتے ہیں۔اور گرہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے توسل کی انگلیوں سے کھول دی جاتی ہیں۔اور النازعات کی تفسیر میں حضرت سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ''نفوس'' روایت ہوا ہے۔پھر فرمایا کہ اس بات میں شک نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اولیاءِ کرام میں سے جن کو چاہے اکرام عطا فرماتا ہے مرنے کے بعد جس طرح کہ موت سے قبل عطا فرماتا (۱)

اسی طرح بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ میں مذکور ہے ''ولاینکر الکرامة بعد الموت الّا رافضی۔۔۔الخ''۔جیسا کہ یہ بات جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم صاحب مرحوم نے اپنے رسالے زیارۃ القبور میں ذکر کی ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

ہے۔پس اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کو اس کرامت کے ذریعے ظاہر کر دیتا ہے مثلاً مریض کا صحت مند ہو جانا، غرق ہونے سے بچ جانا، دشمن پر غلبہ حاصل ہونا اور بارش کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ولی کی شکل میں صورتِ مثالی پیدا فرما دیتا ہے جو وہ کام کر دیتا ہے جس کا سائل نے سوال کیا ہوتا ہے۔اور یہ کام وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور ولی کے وسیلے اور حُرمت سے کرتا ہے وہ کام میں جس میں اثم اور گناہ نہ ہو سائل کی اجابت کیلئے۔اور سائل کے استدراج کیلئے جس کام میں گناہ ہو اور ناجائز ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ظاہر فرما دیتا ہے۔(۱) یہ روح المعانی پارہ تیس ۳۰ کی عبارت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اولیاء کیلئے بعد الوفات روحانی مدد بھی ثابت ہے اور یہ کرامت بعد الوفات ہے اور صاحب روح المعانی علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان مخالفین کے بھی معتمد ہیں۔اور ہو سکتا ہے کہ ان (مخالفوں) نے اس مقام کا مطالعہ نہ کیا ہو ورنہ پھر یہ (مخالفین) ان (علّامہ آلوسی) پر اعتقاد نہ رکھتے کیونکہ یہ ان (مخالفین) کا طریقہ ہے۔(۲) اور یہ مخالفین ہر اس شیخ، عالم، مرشد اور مفسّر کی بے ادبی کرتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مخالف ہو۔یا اللہ ہم مشائخِ عظام کی بے ادبی سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ بے ادبی فیضان ربّ سے محرومی کا سبب ہے جیسا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بے ادب محروم بود از فضل رب　　از خُدا خواہیم توفیق ادب

تفسیر مظہری جلد ۲: میں آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران ۱۶۹) کی تفسیر میں مذکور ہے۔صوفیاءِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں۔"ان ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا"۔ہماری ارواح ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے اجساد ہماری ارواح ہیں۔اور تواتر کے ساتھ اولیاءِ کرام سے یہ بات منقول ہے کہ"ینصرون اولیاءھم ویدمرون اعدائھم"۔کہ اولیاءِ کرام (شہداء) اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔اور بقول مفسرین یہ نسبت مجازی ہے۔جیسا کہ"انبت الربیع البقل وشفی المریض الطبیب"۔یعنی موسمِ بہار نے سبزہ اُگایا اور طبیب نے مریض کو شفا دی حالانکہ حقیقت میں شافی اور سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور موحد کا یہ عقیدہ ہے اور یہ مجاز کی دلیل ہے جیسا کہ علمِ معانی میں یہ ذکر ہے مثلاً مختصر المعانی اور مطول وغیرہ۔

(۱) تاکہ سائل یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں۔(حافظ کفایت اللہ)

(۲) یعنی اگر یہ مخالفین اپنے عقیدے کے خلاف کوئی بات دیکھے اگرچہ کہ معتمد شخص نے فرمایا ہو مگر یہ مخالفین پھر بھی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔(حافظ کفایت اللہ)

ملّا علی قاری رحمہ اللہ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص ۳۳۵: میں فرماتے ہیں کہ"مؤمن کی روح آسمان اور زمین کے ملکوت میں سیر کرتی ہے اور جنت میں جہاں چاہے جاتی رہتی ہے اور پھر عرش کے نیچے قنادیل یعنی (شمعوں) کی طرف آتی ہیں اور روحوں کا جسم سے تعلق اس شان سے ہے کہ وہ تلاوۃ قرآن کرتی ہیں اور نماز بھی پڑھتی ہیں"۔پھر فرمایا کہ کسی آیت سے بھی اس چیز میں اشکال وارد نہیں ہوتا۔پھر اسی جلد : ص ۳۴۲: میں فرماتے ہیں اور اولیاء کی شان سے یہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین ان کے لیے سمیٹ دی جاتی ہے جسے طَیُ الارض کہتے ہیں۔اور انہیں مختلف اور متعدد مکتسب ابدان حاصل ہوتے ہیں۔یعنی کام کرنے والے مختلف اجسام حاصل ہوتے ہیں۔اور ایک آن میں مختلف مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔اسی طرح مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں شہید کا اپنی قبر میں سورۃ الملک کا پڑھنا اور صحابی رسول ﷺ کا اسے سننا ذکر کیا گیا ہے۔پھر صحابی کا حضورِ اکرم ﷺ کو سارا قصّہ بیان کرنا اور حضور ﷺ کا اس پر انکار نہ فرمانا اس بات پر روشن دلیل ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اور روح کا اپنے جسم سے تعلق ہے کیونکہ تلاوت کر رہی تھی یا جسم تلاوت کر رہا تھا۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے کتاب بزم جمشید میں ذکر کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب کے والد ماجد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر عادتاً حاضری دیتے تھے۔ایک دن ان کے دل میں یہ بات آئی کہ صاحبِ مزار (بختیار کاکی) کو میری حاضری کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اچانک قبر مبارک سے ایک شعر سُنا کہ "احسبنی حیا مثل نفسک ان کنت جئت بجسدک فانّی جئت بالروح"۔یعنی مجھے زندہ سمجھو اپنی طرح اگر تم جسمانی طور پر حاضری دیتے ہو تو میں روحانی طور پر حاضر ہوتا ہوں۔پھر تفصیلی قصّہ ذکر کیا ہے۔ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے ذکر کروں گا۔ان دلائل سے کرامت بعد الموت واضح طور پر ثابت ہوئی جبکہ ان کے علاوہ بھی کثیر دلائل ہیں جن سے میں نے مشتِ نمونہ خروار کے طور پر چند ذکر کئے ہیں۔کیونکہ عقل مند کیلئے اشارہ کافی ہے اور چُلّو پانی دریا پر دلالت کرتا ہے۔اور یہاں جن مفسرین اور محدثین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں وہ سب حنفی ہیں۔مثلاً صاحبِ روح المعانی، صاحبِ تفسیر مظہری، صاحبِ مرقات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور مولانا اشرف علی تھانوی۔پس متقدمین اور متاخرین علماء سے کرامات بعد الوفات کا تسلیم کرنا ثابت ہوا۔الحمد للہ علی ذٰلک۔

(۵۴) ﴿باب نمبر چوّن اذان میں رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر رکھنا﴾

بعض علماء اذان میں رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں : یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرّۃ عینی

بک یارسول اللہ ﷺ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدًا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد قھستانی ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیہ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع اشھد ان محمدًا رسول اللہ ﷺ فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ وتمامہ فی حواشی البحر للرملی۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اللّٰھمّ متّعنی بالسّمع والبصر کہے تو حضور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد للامام قہستانی میں اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ ﷺ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور کا ارشاد ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری تشریح اور بحث البحر الرائق کے حواشی رملی میں موجود ہے۔[1]

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں۔

مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلھما ثم سماع قول المؤذن :أشھدُ أن محمداً رسولُ اللہ، مع قولہ : أشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ، رضیت باللہ ربّاً، وبالاسلام دیناً، وبمحمد ﷺ نبیاً۔

رواہ الدیلمی عن أبی بکر :لما سمع قول المؤذن ((أشھد أن محمداً رسول اللہ)) قالہ وقبل باطن الانملتین السبابتین ومسح عینیہ فقال امن فعل فعل خلیلی فقد حلّت لہ شفاعتی قال فی المقاصد ولا یصح۔ وقال القاری واذا ثبت رفعہ الی الصدیق فیکفی العمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وقیل لا یفعل ولا ینھی وکذا لا یصح۔

ترجمہ:.....یعنی مؤذن سے اشھد ان محمداً رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کے باطن کو چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا۔

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے مؤذن کو اشھدانّ محمداً رسول اللہ کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا، اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی، جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔

اور کہا گیا کہ نہ یہ عمل کریں نہ اس سے منع کریں اسی طرح یہ صحیح نہیں۔[2]

اسی طرح حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب ''موجبات الرحمہ وعزائم المغفرۃ'' میں روایت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ اسلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدارسول اللہ، مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ، ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم لم یرمد ابدا۔

ترجمہ:.....جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشھد ان محمدا رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ﷺ کہے

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔[1]

پھر ایک سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے۔

وانه لما سمع المؤذن يقول اشهد ان محمدا رسول الله قال ذلک فخرجت الحصاة من فوره۔ قال الرداد هذا يسير فی جنب فضائل رسول ﷺ۔

ترجمہ جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشهد ان محمدا رسول الله تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہو فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔[2]

فقیہ ابوالحسن علی بن محمد نے روایت کیا کہ

اور طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ

من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفری ابهاميه ومسحهما علی عينيه وقال عند المس اللهم احفظ حدقتی ونورهما ببركة حدقتی محمد رسول الله ﷺ ونورهما لم يعم۔

ترجمہ:..... جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے **اللهم احفظ حدقتی ونورهما ببركة حدقتی محمد رسول الله ﷺ ونورهما لم يعم** (یا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک اور ان کے نور کی برکت سے میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور ان کو روشن فرما) وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔[3]

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں۔

وحكی عن البعض من صلی علی النبی ﷺ اذا سمع ذكره فی الاذان وجمع اصبعيه المسبحة والابهام ومسح بهما عينيه لم يرمدا ابدا وقال ابن صالح وسمعه عن بعض الشيوخ انه يقول عند ما يمسح عينيه صلی الله عليک يا سيدی يا رسول الله يا حبيب قلبی ويا نور بصری ويا قرة عينی قال ومذ فعلته لم ترمد عينی وقد جرب كل منهم ذالک وروی الحسن مثل ما روی عن الخضر عليه السلام بعينه انتهی۔

بعض علماء محدثین کرام سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملا کر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اور امام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں۔ **صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی۔**

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام (بھی اسی طرح مروی ہے اور) جیسے مروی ہے ایسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی۔[4]

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے تحت لکھتے ہیں۔

قال القهستاني فی شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانية (صلی الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عينی بك يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعنی بالسمع والبصر) بعد وضع ظفر الابهامين علی العينين فانه صلی الله عليه وسلم يكون قائد اله الی الجنة انتهی۔

---

[1] (کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[3] (کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[4] (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ مطبوعہ ملتان)

ترجمہ:.....علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر تو حضور ﷺ ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔[1]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

در محیط آوردہ کہ پیغمبر ﷺ بمسجد درآمد ونزدیک ستون بنشست وصدیق رضی اللہ تعالی عنہ دربرابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چوں گفت اشہدان محمدا رسول اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود رابر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قرۃ عینی بک یارسول اللہ چوں بلال رضی اللہ تعالی عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ یاابابکر ہرکہ بکند ایں چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید اورا قدیم۔ اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

ترجمہ:.....محیط میں ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور اذان دینا شروع کی۔ جب کہا اشھدان محمدا رسول اللہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا۔ قرۃ عینی بک یارسول اللہ۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

اے ابوبکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمہاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالی اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگر چہ عمداً کیا ہو یا خطاءً"[2]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوطالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں کہ۔

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی مکی رفع اللہ درجاتہ درقوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد درآمد دردہ محرم و بعد از انکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گفت و ابوبکر رضی اللہ عنہ، بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت قرۃ عینی بک یارسول اللہ و چوں بلال رضی اللہ عنہ، از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ افرمودہ کہ اے ابابکر ہرکہ بگوید آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے درگزارد گناہاں ویرا آنچہ باشد نود کہنہ خونہاں وآشکارا۔

ترجمہ:.....حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ کہ ابن عیینہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دس محرم کو مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک ستون کے نزدیک جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا۔ اور قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو شخص تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پھر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالی اس کے تمام نئے اور پرانے ظاہر و باطن سب گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔[3]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وفی قصص الأنبیاء وغیرھا ان آدم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین کان فی الجنۃ

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فاوحی اللہ تعالی الیہ ھو من صلبك ویظھر فی آخر الزمان فسأل لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالی الیہ فجعل اللہ النور المحمدي فی إصبعہ المسبحۃ من یدہ الیمنی فسبح ذلك النور فلذلك سمیت تلك الإصبع مسبحۃ کما فی الروض الفائق. او اظھر اللہ تعالی جمال حبیبہ فی صفاء ظفری ابھامیہ مثل المرآۃ فقبل آدم ظفری ابھامیہ و مسح علی عینیہ فصار أصلا لذریتہ فلما اخبر جبرائیل النبي صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ القصۃ قال علیہ السلام (من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابھامیہ و مسح علی عینیہ لم یعم ابدا)۔

ترجمہ:..... قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کہ جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالی کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے جمال محمد ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبریل علیہ اسلام نے حضور اکو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔[1]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حم السجدۃ پارہ ۲۴ آیت نمبر ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں۔

ویستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللہ تعالی علیك یا رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بك یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الا بھامین علی العینین کما فی شرح القھستاني"۔

ترجمہ:..... پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر۔[2]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں۔

واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" وعند الثانیۃ منھا "قرۃ عینی بک یا رسول اللہ" ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ ﷺ یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد۔

ترجمہ:..... جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر تو حضور ا ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔[3]

علامہ محمد تجریم مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ من مسح بیدہ اسم محمد ثم قبل یدہ بشفتیہ ثم مسح علی عینیہ یری ربہ بما یراہ الصالحون وینال وشفاعتی ولو کان عاصیاً۔

ترجمہ:..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ سے اسم محمد کو چھوا پھر اپنے ہونٹوں سے اپنے ہاتھ کو چوما پھر اپنی آنکھوں پر ملا۔ تو اللہ

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۸ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

تعالی کی زیارت کرے گا۔ جیسے صالحین کی زیارت کرتا ہے۔ اور میری شفاعت اس کے قریب ہوگی۔ اگر چہ وہ گنہگار ہو۔[1]

شیخ المشائخ، رئیس محققین مولانا جمال الدین عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں۔

سئلت عن تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان، ھل ھو جائز ام لا، اجبت بمانصہ نعم تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب۔

ترجمہ:.....یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اکا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا اکا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے ہمارے مشایخ نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔[2]

پیر طریقت رہبر شریعت شیخ الاسلام عبداللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری متوفی ۱۰۴۸ھ لکھتے ہیں۔

''وچوں اشھدان محمدا رسول اللہ گوید سامع ہر دو انگشت ابہام را بر ہر دو چشم بنہد یعنی ناخن ایشان دیدہ بروارد و بدان ناخن نظر کند حق تعالی چہار ہزار گناہ کبیرہ اورا عفو کند۔

ترجمہ:.....جب اشھدان محمدا رسول اللہ کہا جائے تو سننے والا اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے یعنی ناخنوں کو دیکھے اللہ تعالی چار ہزار گناہ کبیرہ اس کا معاف فرمائے گا۔''[3]

یہی شیخ الاسلام عبداللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''و در قران خوانی مسطور است کہ این انگشت نہادن سنت است ترک نمی تواں کرد و ہر کہ بجائے آرد در عرصات حضرت رسالت پناہ اورا چناں طلب کند کہ کسی گم شدہ خود را بطلبد و بگوید قرۃ عینی بک سیدی و مولائی و یا ایں گوید صدق رسول اللہ''

ترجمہ:.....قرآن خوانی میں لکھا ہے کہ یہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور ﷺ اس کو قیامت کے دن اس طرح طلب کرے گا کہ جس طرح کسی سے کوئی گم ہو جائے اور اس کو تلاش کرتا رہے اور کہے اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یا یہ کہے صدق رسول اللہ (ﷺ)۔[4]

مزید لکھتے ہیں۔

''و بعضی گفتہ اند کہ سنت بابا آدم است کہ روزے آرزو ے کرد کہ اگر جمال محمد آخر الزمان میدید مے چہ خوش بودے فرمان حضرت عزت شد کہ بر ہر دو ناخن نظر کن چوں نظر نمود جمال جہاں آرا ے حضرت دران دید ناخن را بر چشم نہاد و گفت صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی''

ترجمہ:.....اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت بابا آدم علیہ السلام ہے کہ ایک دن انہوں نے تمنا کی کہ اگر جمال محمد آخر زمان دیکھ لیتا کیا اچھا ہوتا اللہ تعالی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اپنے دونوں ناخنوں کو دیکھو جب حضور اکا جمال مبارک اس میں دیکھا تو ان ناخنوں کو آنکھوں پر رکھا اور کہا **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی۔**[5]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الاسلام والمسلمین اعلی حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی

---

[1] (النوافح العطریہ ص ۵۱ مطب)

[2] (فتاوی جمال بن عبداللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)

[3] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

[4] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

[5] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

مبسوط کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین کا مطالعہ فرمائیں۔مخالفین کے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

و اخرج ابو نعیم في (الحلیة) عن وهب قال : کان في بني اسرائیل رجل عصی الله مائتی سنة ثم مات فاخذوه فالقوه علی مزبلة، فأوحی الله الی موسی ان اخرج فصل علیه، قال یارب : بنو اسرائیل شهدوا انه عصاک مائتی سنة، فأوحی الله الیه : هکذا کان الا انه کان کلما نشر التوراة و نظر الی اسم محمد ﷺ قبله و وضعه علی عینیه و صلی علیه، فشکرت له ذلک و غفرت ذنوبه و زوجته سبعین حوراء۔

ترجمہ:.....ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حلیہ'' میں وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔پھر وہ مرگیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے دوسو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتا وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی ﷺ پر نظر پڑتی تو ''وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ پر درود بھیجتا تھا'' تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[1]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

ما رواه ابو نعیم في الحلیة عن وهب بن منبه رحمه الله تعالی قال : کان في بني اسرائیل رجل عصی الله تعالی مائة سنة ثم مات فاخذوه فألقوه علی مزبلة فاوحی الله تعالی الی موسی علیه الصلوة و السلام : ان اخرج فصل علیه، قال: یارب ان بني اسرائیل یشهدون انه عصاک مائة سنة، فاوحی الله تعالی الیه : هکذا کان الا انه کان کلما نشر التوراة و نظر الی اسم محمد ﷺ قبله و وضعه علی عینیه فشکرت له ذلک و غفرت له و زوجته سبعین حوراء۔

ترجمہ:.....امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حلیہ'' میں وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے سوسال تک خدا کی نافرمانی کی۔پھر وہ مرگیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سوسال تک تیری نافرمانی کی ہے۔حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتا وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی ﷺ پر نظر پڑتی تو ''وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ ﷺ پر درود بھیجتا تھا'' تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[2]

(۵۵)﴿باب نمبر پچپن اوجھڑی کھانے کے جواز کے بارے میں﴾

بعض علماء اوجھڑی کھانے کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ اوجھڑی کھانا جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔جیسا کہ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں : **روی أن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کان في أیام خلافته دخل السوق فاشتری کرشا و حمله بنفسه فراه علی رضی اللہ تعالی عنہ من بعید فتنکب علی عن الطریق فاستقبله عمر رضی اللہ تعالی عنہ و قال له لم تنکبت عن الطریق؟ فقال علی رضی اللہ تعالی عنہ : حتیٰ لا تستحی، فقال : و کیف أستحی من حمل ما هو غذائی۔**

---

[1] (خصائص الکبری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ :مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں بازار میں داخل ہوئے اور اوجھڑی خریدی اور اس کو خود اٹھایا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ص کو دور سے دیکھا تو راستے سے ہٹ گئے (گویا آپ کو نہیں دیکھا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ راستے سے ایک طرف کیوں ہٹ گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے راستے سے ہٹ گیا کہ آپ کو شرم نہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس چیز کو اٹھانے میں کیسے شرما سکتا ہوں جو میری غذا ہے۔[1]

اوجھڑی کی حلت پر امام طبرانی علیہ الرحمۃ المعجم الکبیر میں روایت فرماتے ہیں :**حدثنا محمد بن عبداللہ الحضرمی ثنا عبداللہ بن الحکم بن أبی زیاد القطوانی ثنا عبیداللہ بن موسیٰ عن ابراھیم بن اسماعیل عن حبیبة بنت سمعان عن نسیکة أم عمرو بن جلاس قالت :انی لعند عائشة وقد ذبحت شاة لھا، فدخل رسول اللہ ﷺ فی یدہ عصیة، فألقاھا ثم ھوی الی المسجد فصلی فیہ رکعتین، ثم ھوی الی فراشہ فاضطجع علیہ ثم قال :ھل من غداء؟ فاتیناہ بصحفة فیھا خبز شعیر، وفیھا کسرة وقطعة من الکرش وانھا لتنھشھا اذا قالت :ذبحنا شاة الیوم فما أمسکنا غیر ھذا قالت :یقول رسول اللہ ﷺ :لا بل کلھا أمسکت الا ھذا۔**[2]

ترجمہ: نسیکہ ام عمرو بن جلاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی اور آپ کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھوٹا عصا تھا۔آپ نے اسے رکھ دیا پھر مسجد گئے اور اس میں دو رکعت ادا فرمائی پھر آپ ﷺ اپنے بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا : کیا دوپہر کے کھانے میں سے کچھ ہے؟ پس ہم آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ لے کر آئے اس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں گوشت سمیت ہڈی اور اوجھڑی کا ٹکڑا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اوجھڑی میں سے ایک ٹکڑا لیا اور آپ رضی اللہ عنہا اسے اپنے دانتوں سے نوچتی تھیں۔نسیکہ نے کہا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آج ہم نے ایک بکری ذبح کی تھی اور پھر ہم نے اس کے علاوہ کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ تم نے اس کے سوا سب کچھ بچا لیا ہے۔اس حدیث کو مجمع الزوائد میں امام نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی باب ماجاء فی اللحم میں روایت کیا ہے۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی علیہ الرحمۃ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے روایت فرماتے ہیں :**حدثنا ابن خزیمة قال ثنا حجاج قال ثنا عمارة ابن زاذان عن محمد بن المنکدر قال :دخلت علی فلانة بعض ازواج النبی ﷺ قدسماھا و نسیت قالت :دخل علی رسول اللہ ﷺ وعندی بطن معلق فقال لو طبخت لنا من ھذا البطن کذا و کذا قالت فصنعناہ فأکل ولم یتوضا۔** یعنی ''حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے ان کا نام ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے پاس بکری کا لٹکا ہوا پیٹ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اس بطن میں سے یہ اور یہ پکا دیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے اس کو کھایا اور پھر وضو نہیں کیا۔

حدثنا ابن مرزوق وربیع الجیزی وصالح بن عبدالرحمن قالوا ثنا القعنبی قال ثنا فائد مولی عبیداللہ بن علی عن

---

[1] (التفسیر الکبیر ج ۳۲ ص ۱۴۳، دارالفکر)

[2] (المعجم الکبیر : ج ۲۵ ص ۴۴، رقم الحدیث ۸۳)

عبیداللہ عن جدہ قال طبخت لرسول اللہ ﷺ بطن شاۃ فأکل منھا ثم صلی العشاء ولم یتوضأ.[1]

حضرت عبیداللہ اپنے دادا (ابو رافع القبطی مولی رسول اللہ ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے بکری کا بطن پکایا اور آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا پھر عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔ تفکر و لاتکن من الممترین۔

(۵۶) ﴿باب نمبر چھپن جنازہ کی نماز کے بعد دعا کے بیان میں﴾

بعض علماء جنازہ کی نماز کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ جنازہ کے بعد دعا کرنا قرآن، احادیث اور مذہب کی کتب سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (مؤمن ۶۰)

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

دعا عبادت ہے۔

حدیث شریف میں ہے الدعاء ھو العبادۃ (یعنی دعا عبادت ہے)۔[2]

دوسری جگہ ہے الدعاء مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے)۔[3]

آیت اور حدیث کو ملایا جائے نتیجہ نکلتا ہے ''جو لوگ عبادت سے روکتے ہیں وہ دوزخی ہیں''۔ (العیاذ باللہ)

اس کا صغریٰ اور کبریٰ اس طرح بنے گا:

صغریٰ: مانع الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مستکبر

کبریٰ: وکل مستکبر سیدخل جھنم داخرین

نتیجۃ: مانع الدعاء بعد الصلوۃ الجنازۃ سیدخل جھنم داخرین۔

صغریٰ: نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا متکبر ہے۔

کبریٰ: ہر متکبر دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوگا۔

نتیجہ: نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوگا۔

لہٰذا منکرین دعا بعد جنازہ کو ان آیات کی روشنی میں غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ منکرین دعا بعد جنازہ کو ہدایت عطا فرمائے۔ وہی ہدایت دینے والا ہے۔

---

[1] (شرح معانی الآثار: ج ۱ ص ۵۳)

[2] (أخرجہ الترمذی فی جامعہ، کتاب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ، باب: ومن سورۃ البقرۃ، ۵/۲۱۱، الرقم ۲۹۶۹: ، وفی کتاب: الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب: ماجاء فی فضل الدعاء، ۵/۴۵۶، الرقم ۳۳۷۲: ، وأبو داؤد فی السنن، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، ۲/۷۶، الرقم ۱۴۷۹: ، وابن ماجۃ فی السنن، کتاب: الدعاء باب فضل الدعاء، ۲/۱۲۵۸، الرقم ۳۸۲۸: ، والنسائی فی السنن الکبری، سورۃ المؤمن ۶۰، ۶/۴۵۰، الرقم ۱۱۴۶۴: ، وابن حبان فی الصحیح، ۳/۱۷۲، الرقم ۸۹۰: ، والحاکم فی المستدرک، ۱/۶۶۷، الرقم ۱۸۰۲: ، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۶، ومسند أبو یعلی، ۱/۲۶۲، الرقم ۳۲۷: ، والمسند الطیالسی، ۱/۱۰۸، الرقم ۸۰۱:)

[3] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: الدعاء عن رسول اللہ ﷺ، باب: ماجاء فی فضل الدعاء، ۵/۴۵۶، الرقم ۳۳۷۱: ، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/۲۲۴، الرقم ۳۰۸۷: ، والحکیم الترمذی فی نوادر الأصول، ۲/۱۱۳، وابن رجب فی جامع العلوم والحاکم، ۱/۱۹۱، والمنذری فی الترغیب والترہیب، ۲/۳۱۷، الرقم ۲۵۳۴:)

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے :فالو عید انما ھو فی حق من ترک الدعاء استکبارا و من فعل ذلک کفر۔[1]

ترجمہ: تو وعید ان لوگوں کے حق میں ہے جس نے تکبر کی وجہ سے دعا چھوڑ دی اور جس نے یہ کام کیا تو وہ کافر ہوا۔

جب دوزخی کو دوزخ میں ڈالا جائے تو وہ یہ دعاء کریں گے :رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ (١٠٧) قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (١٠٨) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (١٠٩) فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ (١١٠) إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ (المومنون ١١١)

ترجمہ: ''اے رب ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں۔رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا، یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسا کرتے، بے شک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلا دیا کہ وہی کامیاب ہیں۔''

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں دعاء کی وضاحت پر قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ بیان کی ہیں۔تو آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ وَالْآيَاتُ كَثِيرَةٌ فِي هَذَا الْبَابِ فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ اھ۔ (ج ۴ ص ۱۰۹)

ترجمہ :تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو۔اس بارے میں بہت سی آیات ہیں تو جس نے دعا باطل کی تو یقیناً اس نے قرآن پاک سے انکار کیا۔

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ دعا سے استکبار (تکبر) کرنے والا کافر ہے۔

استکبار کا معنی ہے''خود را بزرگ مرتبہ پنداشتن و گردن کشے کردن (غیاث اللغات بحوالہ موید و منتخب) یعنی اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا اور بڑا سمجھ کر کسی کام سے پہلوتہی کرنا۔اور دعا کرنے والوں کو برا بھلا کہنے والا خود دوزخی ہے۔

ہر نیک عمل کے بعد اس کے قبول ہونے کے لئے دعاء بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں یہ دعا کرتے :رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

ترجمہ: ''اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی بہت سننے خوب جاننے والا۔''

اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر روح البیان اور شیخ زادہ البیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر مامور بالعبادت والقربت جب اس کو امر ہی کے موافق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبول ہونے کے لئے لازمی طور پر دعا کریں۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔[2]

خاتمۃ الفقہاء والمحدثین، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ فتاوی حدیثیہ میں لکھتے ہیں :

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۴)

[2] (شیخ زادہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ دار الکتب علمیہ بیروت، روح البیان ج ۱، تفسیر منار ج ۱ ص ۴۶۶، اور تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۴۔(المسئلۃ الثانیہ)

لاینکر الدعاء الا کافر مکذب بالقرآن۔[1]

اس طرح دعاء بالجمع کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا ترغیبات دی ہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو۔سورۃ فاتحہ آیت ۴،۵ کی تفسیر کے لئے تفسیر بیضاوی اور اس کی شروح اور سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۶ اور اس کی تفسیر کے لئے تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۶۰،السوال الثالث و جوابہ ملاحظہ فرمائیں اور حبیب بن سلمہ کی حدیث مرویہ میں ہے کہ لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم، ویؤ من بعضھم، إلا أجابھم اللہ".[2]

وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ و مظنۃ قبولہ أکثر من دعاء الوحدان۔[3]

ترجمہ: جب ایک جماعت مل کر بعض دعا کرتے ہیں اور بعض اس پر آمین کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے۔شیخ سید محمد یوسف بنوری معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں : یہ بھیئۃ اجتماعی دعا کرنے کے لئے دلیل ہے،اور اکیلے دعا کی نسبت اور قبولیت بہت زیادہ ہے۔اور اس طرح صاحب ھدایہ نے مبسوط امام محمد رحمہ اللہ کے حوالے سے ہدایہ ج ۱ کتاب الحج ص ۲۴۴ پر ذکر کی ہیں اور نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر بھی اس طرح مذکور ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اجتماعی دعا بہت کامل ہے،ص ۳۵ ثم نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر ہے۔

امام حافظ ابی نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے"وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس آدمی جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر سوال کرتے ہیں،ظلم کا سوال اور صلہ رحمی ختم ہونے کا سوال نہیں کرتے،تو جو وہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دیتا ہے۔[4]

مندرجہ بالا عبارات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا اور ہر ذی شعور آدمی جان گیا ہوگا کہ سنتوں اور نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء ممنوع یا غیر مشروع نہیں ہے۔جو لوگ اس کو بدعت اور نامشروع کہتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے رموز کو نہیں جانتے۔

آمدم برسر مطلب

نماز جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔[5]

فرض نماز کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ المَكْتُوبَاتِ"[6]

---

[1] (الفتاویٰ الحدیثیۃ،ص ۱۲۶)

[2] (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷)

[3] (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)(ایچ ایم سعید،کراچی)

[4] (حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۴۱۴،رقم الحدیث ۷۸۶۱)

[5] (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۰،مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)اور عنایہ برفتح القدیر ص ۸۰،وکفایہ بنیچے فتح القدیر کے،اور بدائع الصنائع لکاسانی الحنفی ج ۱ ص ۳۱۱،۳۱۰ (مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)،شرح الوقایہ وحاشیہ عمدۃ الرعایہ ص ۲۵۲،ہدایہ ص ۱۸۰،فتاوی تاتارخانیہ (ادارۃ القرآن کراچی) ج ۲ ص ۱۵۳،بنایہ شرح ہدایہ (دار الفکر بیروت) ص ۲۵۶،درمختار علی الشامی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے بالاجماع اور اس کا منکر کافر ہے۔ج ۳ ص ۱۲۱،۱۲۰ (رشیدیہ کوئٹہ) ایضاً شامی۔اور الموسوعۃ الفقہیہ المقارنۃ التجرید والاحلام (دار اسلام بیروت) لصاحب القدوری، ج ۲ ص ۱۰۳ وغیرہ۔

[6] (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، فرمایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ کون سی دعاء زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض کے بعد۔'' جبکہ نماز جنازہ فرض نماز ہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے بعد دعا سنی جاتی ہے، تو جس دعا کو حضور ﷺ دعائے مقبول فرماتے ہیں اور بعض متعصب علماء اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں تو آپ ان کا حکم خود سوچیں۔

علمائے دیوبند کے علامہ رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ کاندہلوی اور مولانا محمد زکریا نے الکوکب الدری علی جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۹۱ میں ہے (ترجمہ: نماز میں ضمنی دعاؤں پر ہمیں اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مستقل دعا نمازوں کے بعد ضروری ہے۔ تو دعا نہ کرنے والوں کو تعزیر دیا جائے گا اور معذور تصور نہ کیا جائے گا۔)

ملا علی قاری صاحب کا یہ فرمانا: ''وَلَا يَدْعُو لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ.[1]

اس کو فقہاء نے اس طرح ذکر فرمایا ہے: ''لا يقوم بالدعاء في قراءة القرآن لاجل الميت بعد صلاة الجنازة''[2]

وغیرہ۔ یعنی: کہ مردے کے جنازہ کے بعد (سلام سے پہلے) دعا نہ کریں اس لئے کہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے سے مشابہ ہو جاتی ہے۔'' لمبی چوڑی دعا نہ کریں، قرآن پاک پڑھنے میں مردے کے لئے''۔ اس سے بعض کم علم لوگ نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کو ممنوع قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ تو نماز جنازہ کی تعریف سے ناواقف ہیں۔ نماز جنازہ کی تعریف تمام فقہاء کرام یہ کرتے ہیں:

تعریف نماز جنازہ:

''هي أربع تكبيرات'' کنز و بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳، اور النہر الفائق شرح کنز ج ۱ ص ۳۹۳ و رد المحتار مع الدر مختار ج ۱ ص ۵۸۵ میں اس طرح ہے۔ اور ایک محاورہ ہے کہ ''كلام الملوك ملوك الكلام'' یعنی بادشاہوں کی باتیں، باتوں کی بادشاہ ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے کم علم علماء ان کی باتوں کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

اس لئے فقہاء کرام کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے لمبی چوڑی دعاء نہ مانگے۔ فتح الباری میں ہے: من قام على الشيء اذا داوم عليه۔ اس طرح قرآن کریم کی سورہ توبہ آیت ۲۱ میں ہے: نعیم مقیم اور آیت ۲۶ میں ہے ذلک دین القیم اور آیت ۶۸ میں ہے ولهم عذاب مقيم اور سورہ روم آیت ۳۰ میں ہے الدين القيم اور سورہ شوریٰ آیت ۴۵ میں ہے في عذاب مقيم اور سورہ زمر آیت ۴۰ میں ہے عذاب مقيم۔

جیسا کہ یہاں مذکورہ آیتوں میں دائمی ثواب اور دائمی عذاب کا ذکر ہے۔

مذکورہ دلائل کی بناء پر فقہاء کرام اور ملا علی قاری کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگیں تاکہ پانچویں تکبیر کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ ملا علی قاری حصین بن وحوح کی روایت پر طلحہ بن البراء کی تشریح میں فرماتے ہیں مرقاۃ ج ۴ ص ۱۷ پر ہے: هو الانصار الذي قال النبي ﷺ لما مات وصلى عليه اللهم الق طلحة وأنت تضحك اليه ويضحك اليك اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ صفحہ ۱۹۲ پر ہے: ثم رفع يديه فقال: اللهم الق۔۔الخ'' اور ''الاصابۃ'' میں ہے:

''أورده أبو داؤد مختصراً كعادته في الاقتصار على ما يحتاج اليه في بابه أورده ابن الأثير من طريقه وأخرجه الطبراني في

---

[1] (مرقاۃ ج ۴ ص ۶۴)

[2] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵)

الأوسط و ابن السكن و علی بن عبد العزیز فی مسندہ و أبو نعیم۔"[1]

ترجمہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ انصاری صحابی ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے اور آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا مانگی کہ "(اے اللہ) تو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو" اس کے باوجود ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمازِ جنازہ کے سلام کے بعد دعا کو نماز میں زیادتی کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

نیز نماز سے سلام پھیرنے پر مکمل فصل ہوتا ہے۔ سلام کے بعد کسی بھی نماز کے بعد اوراد پڑھنے سے نماز میں زیادتی کا شبہ نہیں ہوسکتا تو نماز جنازہ میں کس طرح ہوسکتا ہے۔ یہ مسکینان علم نہیں جانتے کہ سلام پھیرنے پر مکمل فصل اور جدائی آتی ہے، دوسرا ایسا کوئی عمل فصل کیلئے نہیں۔ خواہ صفیں منتشر کرنا ہو یا بیٹھنا ہو۔

۱۔ موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے :أَخْبَرَنَا مَالِك، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ :أَنَّهُ رَأَى رَجُلا رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ :مَا شَأْنُهُ؟فَقَالَ نَافِعٌ :فَقُلْتُ :يَفْصِلُ بَيْنَ صلاته، قال ابن عمر وَأَيُّ فَصْلٍ أَفْضَلُ مِنَ السَّلامِ.قَالَ مُحَمَّدٌ: وبقولِ ابنِ عمرَ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله.[2]

۲۔ اس طرح کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال السلام يقطع ما بين الصلاتين قال محمد رحمة الله تعالىٰ عليه :وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله۔[3]

ترجمہ: پہلی حدیث میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نافع نے خبر دی اور وہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹ گیا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ اس شخص نے یہ کام کیوں کیا؟ تو نافع نے فرمایا کہ میں نے جواباً کہا کہ یہ اپنے نمازوں میں فصل (جدائی) کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سلام سے زیادہ بہتر فصل اور کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہم عمل کرتے ہیں اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی وہ حضرت حماد رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا دو نمازوں کے درمیان فصل (جدائی) سلام ہے۔

لہٰذا نماز جنازہ سے سلام پھیر کر نہ صفوں کی انتشار کی ضرورت ہے اور نہ بیٹھنے کی۔ بلکہ اسی حالت میں کھڑے کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دعا کھڑے ہو کر بیٹھنے اور لیٹنے کی تینوں حالتوں میں جائز ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ ال عمران کی آیت ۱۹۱، اور سورہ نساء کی آیت ۱۰۳، اور سورہ یونس آیت ۱۲۔

ملاحظہ ہو صاحبِ درمختار کا قول :

ويسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلمتين :در مختار علی بیاض۔[4]

---

[1] (ج ۳ ص ۴۲۷، ۴۲۶) (دار الکتب العلمیہ بیروت) میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

[2] ص ۱۴۵، ۱۴۶۔ موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[3] (امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۷۳-۷۲)

[4] (شامی ج ۱ ص :۵۸۵ الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری ج ۱ ص ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

عالمگیری میں بحوالہ شرح جامع الصغیر لقاضی خان نقل ہے : وَلَيسَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ هٰكَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ.اھ.[1]

یعنی چہارم تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے (ظاہر مذہب کی بنا پر) دعاء نہیں بلکہ چہارم تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

صاحب بحر العلوم، علامہ سید علی ملیح آبادی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر، مواہب الرحمان میں رقمطراز ہیں : شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ جب نجاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وفات پائی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار پڑھو یعنی اس کے لئے مغفرت مانگو (یعنی بعد نماز پڑھنے کے جیسا کہ مذکور ہوا)۔[2]

شرح وقایہ ج ا ص ۲۲۹ علی ھامش شرح الوقایہ لمفتی عبد الرحیم عفی اللہ عنہ فرماتے ہیں : من صلی صلوۃ الجنازۃ ولم یقرء الدعاء لا یجوز جنازتہ لان الدعاء شرط بعد الصلوۃ وقال المعتزلۃ لا یفید الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لان الصلوۃ دعاء من وجہ قلت امر رسول اللہ ﷺ بدعاء بمکۃ حین سئل عمر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ ای فائدۃ بدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ فقال رسول اللہ ﷺ ھذا امر منھی فی حق الکافرین کذا فی الدرر۔

ترجمہ: جس نے نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد دعا نہ کی تو اس کا نماز جنازہ درست نہیں اس لئے کہ دعا بعد نماز جنازہ شرط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک وجہ سے دعاء ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امر فرمایا مکہ مکرمہ میں دعاء کے ساتھ جب آپ ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کوئی فائدہ دیتی ہے کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر ممنوع ہے کفار کے حق میں (یعنی کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہے، نہ کہ مسلمانوں کے لئے)۔

اور حاشیہ شرح الوقایہ لمفتی محمد داؤد پشاوری ج ا ص ۲۲۴ پر بھی اس طرح ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں منھیّ فی حق الکافرین پر اگر غور کیا جائے تو اس سے پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لفظ حق مصدر مضاف ہے اور الکافرین مضاف الیہ ہے۔ اب اگر یہ حق مصدر بمعنی فاعل کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو کافر ممنوع قرار دیتے ہیں اور اگر حق مصدر بمعنی مفعول کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز کے بعد کی دعا کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ تو بنا بر تقدیرِ اوّل مانعین کافر ہو جاتے ہیں اور بنا بر تقدیرِ ثانی مردے کافر ہو جاتے ہیں۔ تو مانعین دعا یا تو خود کافر ہیں اور یا مردوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دعا نہیں کرتے۔

ضروری وضاحت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۱۵)

ترجمہ: ''اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہئے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔''

اس کی تفسیر میں علامہ الوسی بغدادی فرماتے ہیں : (وَما كانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْماً أي ما يستقيم من لطف الله تعالى و أفضاله أن يصف قوما بالضلال عن طريق الحق ويذمهم ويجري عليهم أحكامه بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ للإسلام حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ بالوحي صريحا أو دلالة ما

---

[1] (فتاوی عالمگیری ج ا ص : ۱۶۴ بالکل واضح اور بے غبار ہے۔)

[2] (مواہب الرحمان ج ۲ پارہ ۴ ص ۱۴۴)

يَتَّقُونَ أي مايجب اتقاؤه من محذورات الدين فلاينزجروا عما نهوا عنه، اه۔[1]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کرے، اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک قوم کو حق کے راستے سے گمراہی پر موصوف کرے اور ان کی مذمت کرے اور ان پر گمراہی کے احکام جاری کرے (ان کو ہدایت دینے کے بعد) اسلام کو (حتیٰ کہ ان کیلئے یہ بیان کردے) صریحی یا دلالتی وحی کے ذریعے (کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیئے) دین کے وہ ممنوعات جن سے بچنا واجب ہو تو جس چیز سے وہ منع کئے گئے ہوں منع نہ ہوں (یعنی ممنوعاتِ شرعیہ پر عمل کریں)۔

اور علامہ ابن کثیر دمشقی اپنے شہرۂ آفاق تفسیر ج ۲ ص ۳۹۶ پر رقمطراز ہیں: فَأَمَّا قبل أن يبين لكم كراهة ذلك بالنهي عنه فلم تضيعوا نهيه إلى ما نهاكم منه فإنه لا يحكم عليه بِالضَّلَالِ، فَإِنَّ الطَّاعَةَ وَالْمَعْصِيَةَ إِنَّمَا يَكُونَانِ مِنَ الْمَأْمُورِ وَالْمَنْهِيِّ، وَأَمَّا مَنْ لَمْ يُؤْمَرْ وَلَمْ يُنْهَ فَغَيْرُ كَائِنٍ مُطِيعًا أَوْ عَاصِيًا فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ وَلَمْ يَنْهَ عَنْهُ. اه۔

ترجمہ: تو اس سے پہلے کہ منع کرنے سے ان کو کراہیت بیان نہ کریں تو انہوں نے منع کی ہوئی چیز کو ضائع نہیں کیا۔ اس لئے ان پر گمراہی کا حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عبادت اور معصیت دونوں صرف امر اور نہی سے ہوتے ہیں اور جس کو امر و نہی نہیں کی گئی تو وہ مامور بہ اور منہی عنہ میں اطاعت کرنے والا اور گنہگار نہیں ہوتا۔ (ابن کثیر)

اور عصام علی البیضاوی پھر نفائس مطوبہ ص ۲۲ پر ہے: استقباح المستحب كفر یعنی مستحب کا استقباح (قبیح جاننا یا کہنا) کفر ہے۔

حق کسی کی خواہش کا تابع نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ۔[2]

خلاصہ تفسیر: اور (بفرض محال) اگر ایسا امر واقع ہو جاتا اور دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ تمام آسمان اور زمین اور جو اُن میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرے عباد بھی ہیں کہ حق کا اتباع جو انہی کے نفع کا سامان ہے اس سے دور بھاگتے ہیں الخ۔[3]

ثابت ہوا کہ نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا کرنے والوں کو اور دعا کو برا بھلا کہنے والا گمراہ ہے اور جو بھی ان لوگوں (یعنی دعا سے منع کرنے والوں) کی بات مانیں تو وہ بھی گمراہ ہیں۔

سوال: دعا کرنے والوں کو جو بعد از سلام نماز جنازہ دعا کرتے ہیں خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی ان کو بُرا بھلا کہنے والے کیوں کر گمراہ ہوتے ہیں؟ اور دعا کرنے کو بدعت کہنے کا بیان۔

جواب: ایک تو یہ لوگ نصوص مطلقہ کو اپنی ہی رائے سے مقید کرتے ہیں جو کہ نسخ کے مترادف ہے۔

دوسرا یہ کہ نصوص کو اپنے ہوا پرستی سے منسوخ کرتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ اپنی عقل کی تابعداری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے آپ کو (العیاذ باللہ) زیادہ راست باز اور ہوشیار سمجھتے ہیں۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۹۴ مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (سورۃ المؤمنون آیت ۷۱ پ ۱۸)

[3] (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۲۱، ۳۲۰)

ارشاد باری تعالیٰ ہے :اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ[1]

ترجمہ: سوکیا(توحیدوآخرت کے ان واضح بیانات کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے؟(کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے)۔اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود (اس شخص کی) سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے(کہ حق کو سُنا اور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہوگیا)اور(خدا تعالیٰ نے)اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے(یعنی نفس پرستی کی بدولت قبولِ حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہوگئی) سو ایسے شخص کو بعد خدا کے(اسے گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے،آگے ان منکرین کو زجر کے طور پر خطاب ہے کہ) کیا تم (ان بیانات کو سن کر) پھر بھی نہیں سمجھتے (یعنی ایسا سمجھنا جو نافع ہو) اگرچہ عام معانی کے اعتبار سے سمجھتے تھے انتہی۔[2]

(۲) قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡكٰفِرِیۡنَ ؕ[3]

ترجمہ: آپ یہ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول (ﷺ) کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔[4]

سوال: ان کی تابعداری کرنے والے اور ان کی بات ماننے والے کیوں مشرک بنتے ہیں؟

الجواب: وَ اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِهِمۡ لِیُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَ اِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ۝[5]

ترجمہ: اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے۔[6]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهۡوَآءَكُمۡ ۙ قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُهۡتَدِیۡنَ ۔[7]

خلاصۂ تفسیر: آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں تمہارے (باطل) خیالات کی اتباع نہیں کروں گا۔کیونکہ (اگر نعوذ باللہ) اس حالت میں میں بے راہ ہوجاؤں گا اور راہ (راست) پر چلنے والوں میں سے نہ رہوں گا۔[8]

اللہ تعالیٰ جل جلالہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔[9]

ترجمہ: انہوں نے(یعنی یہود و نصاریٰ نے) خدا(کی توحید فی الطاعۃ) کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار طاعت) رب بنا رکھا ہے(کہ

---

[1] (الجاثیہ آیت ۲۳)

[2] (خلاصہ تفسیر معارف القرآن، جلد ۷، ص ۷۸۶)

[3] (ال عمران، آیت ۳۲)

[4] (بیان القرآن ص ۱۰۹)

[5] (الانعام آیت ۱۲۱ رکوع ۱۴)

[6] (معارف القرآن ج ۳ ص ۴۳۲)

[7] (الانعام آیت ۵۶)

[8] (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۴۱)

[9] (سورۃ التوبۃ آیت ۳۱)

ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے پس اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں)۔[1]

حضرت علامہ بغوی رحمہ اللہ اپنے شہرۂ آفاق تفسیر بغوی میں ج ۲ صفحہ ۳۴۰ پر رقمطراز ہیں :رُوِيَ عَنْ عُدَيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صليب من ذَهَبٍ فَقَالَ لِي :يَا عُدَيُّ اطْرَحْ هَذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِكَ ، فَطَرَحْتُهُ ثُمَّ انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقْرَأُ ,اتَّخَذُوا أَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ أَرْباباً مِنْ دُونِ اللَّهِ، حَتَّى فَرَغَ منها، قلت إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ، فَقَالَ أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فَتُحَرِّمُونَهُ، وَيُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَتَسْتَحِلُّونَهُ؟ قال :فقلت :بَلَى، قَالَ :فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ۔اھ۔

ترجمہ: امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر فرمایا :ابن عدی نے فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور میرے گلے میں سونے کا صلیب تھا۔تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عدی اپنے گلے سے اس بت کو گرادو،تو عدی کہتے ہیں کہ میں نے گرادیا۔پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہوا اور آپ ﷺ قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے : اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (کہ انہوں نے اپنے علما و مشائخ کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا تھا) یہاں تک کہ آپ ﷺ تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے،تو آپ ﷺ نے فرمایا آیا ایسا نہیں ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے ان کو انہیں لوگوں نے حرام کردیا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادی ہے ان کو انہیں لوگوں نے حلال کردیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جی،ایسا ہی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عبادت ہے۔[2]

امام بخاری نماز جنازہ کو نماز ثابت کرنے کے لئے دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفیھا تکبیر و تسلیم اھ۔[3] یعنی دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی تکبیر تحریمہ اور تحلیل کے لئے نمازِ جنازہ سے سلام پھیرنا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے :عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔[4]

اسی لئے مقام حیرت ہی ہے کہ جب تکبیر تحریمہ نہ ہوئی مگر پھر بھی بہیئت اجتماع بحالت قیام دعاء منع نہ ہوئی،مگر سنت ٹھہرا اور جب تحلیل کے لئے سلام پھیرا اور نماز میں نماز کی وجہ سے جو امور ممنوع ہوئے تھے وہ حلال اور رواء ہوئے تو جو چیز نماز میں سنت تھی وہ کس طرح اور کیوں ممنوع ہوئی اور بدعت ٹھہری،ایسے عقل پر مناسب ہے رونا۔

---

[1] (معارف القرآن ج ۴ ص ۳۶۴)

[2] (تفسیر مظہری ص ۱۹۴ ج ۴)

[3] صحیح بخاری ص ۱۷۶ باب سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ

[4] رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجۃ عنہ وعن ابی سعید مشکوۃ ص ۴۰ باب ما یوجب الوضوء الفصل الثانی حدیث نمبر ۳۔ابو داؤد ج ۱ ص ۹ باب فرض الوضوء حدیث ۳ اور جلد ۱ ص ۹۱ باب تحریم الصلوۃ وتحلیلھا حدیث نمبر ۱ اور ترمذی ج ۱ ص ۳ باب ماجاء ان مفتاح الصلوۃ الطھور :حدیث ۱ قال ابو عیسیٰ ھذا الحدیث اصح شیء فی ھذا الباب واحسن وفی الباب عن جابر وابی سعید۔ اور ج ۱ ص ۳۲ باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا عن ابی سعید حدیث ۱ وفی الباب عن علی وعائشۃ اھ اور ج ۱ ص ۵۴ وقال احمد۔۔۔وتحلیلھا التسلیم۔اھ۔اور ابن ماجۃ ج ۱ ص ۲۴ باب مفتاح الصلوۃ الطھور حدیث ۱ عن محمد بن الحنفیۃ عن ابیہ اور حدیث ۲ عن ابی سعید الخدری اھ وسنن دارمی ج ۱ ص ۱۴۱، ۱۴۰ باب مفتاح الصلاۃ الطھور۔وغیرہ وغیرہ۔

قالوا (ای الاکثرون) ان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلوة ۔۔۔ قال اللہ تعالیٰ وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾[1]

مکتبہ فکر دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا قول:

فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوٰت مسنون و مشروع فی المذاھب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ و وسوس لہ الشیطان فاغواہ۔[2]

ترجمہ: پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دعاء کرنا چاروں مذہبوں میں مسنون ومشروع ہے۔اس کا انکار سوا اس جاہل، مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہوگیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکایا۔

نیز مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

بعد نماز عیدین کے دعاء مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اسلئے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوا۔[3]

قابل غور بات ہے کہ نماز عیدین کے بعد خیر القرون میں دعاء مانگنا ثابت نہیں تو پھر بھی دعاء مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسنون قرار پایا تو نماز جنازہ کے بعد تو خیر القرون میں دعاء مانگی جاتی رہی جیسے اوپر مذکور ہوا پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے مگر ضد کا علاج نہیں۔

بدمذہب لوگ نماز جنازہ کو دعاء بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز نہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی صحیح میں مستقل باب باندھا ہے۔جس کا نام ہے،،باب سنة الصلوٰة علی الجنازة،،اس باب کے عنوان کے تحت امام بدرالدین عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں۔

أَي :ھَذَا بَاب فِي بَيَان سنة الصَّلَاة على الْجِنَازَة، وَالْمرَاد من السّنة مَا شَرعه النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي صَلَاة الْجِنَازَة من الشَّرَائِط، والأركان. وَمن الشَّرَائِط أَنَّهَا لَا تجوز بِغَيْر الطَّهَارَة، وَلَا تجوز عُرْيَانا، وَلَا تجوز بِغَيْر اسْتِقْبَال الْقبْلَة. وَمن الْأَرْكَان: التَّكْبِيرَات. وَقَالَ الْكرْمَانِي :غَرَض البُخَارِيّ بَيَان جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة، وَكَونهَا مَشْرُوعَة، وَإِن لم تكن ذَات الرُّكُوع وَالسُّجُود۔

یعنی یہ باب جنازہ پر،،نماز،،کے سنت ہونے کے بیان میں ہے (دعا کے نہیں) اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ میں شرائط وارکان کے ساتھ مشروع فرمایا ہے۔اس (نماز جنازہ) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ یہ بغیر طہارت اور عریان (برہنہ) حالت میں جائز نہیں اور نہ ہی قبلہ کی طرف رخ کئے بغیر جائز ہے اور اس کے ارکان میں سے تکبیرات ہیں اور کرمانی نے کہا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی (باب کا عنوان سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ) سے غرض صلوٰۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کا بیان ہے۔اور اس کا مشروع ہونا ہے۔اگرچہ اس میں رکوع و

---

[1] نووی علی المسلم ج ۱ ص ۱۸۱، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ۔

[2] (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۱۵۷ اشرف علی تھانوی دیوبندی)

[3] (بہشتی زیور ص ۸۱ جلد ۱۱)

سجود نہیں۔[1]

اس مقام پر اس سے ملتا جلتا کلام علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی فرمایا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

قال الزین بن منیر المراد بالسنة ماشرعه النبی ﷺ فهی اهم من الواجب والمندوب۔الی قوله، ولیست بمجرد الدعاء فلاتجزی بغیر الطهارة۔

زین بن منیر نے کہا سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی ﷺ نے مشروع فرمایا اور یہ واجب اور مندوب سے اہم ہے الی قولہ، اور یہ صرف دعاء نہیں (اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ) بغیر طہارت جائز نہیں۔[2]

اس باب کے تحت امام بخاری جو پہلی حدیث لائے ہیں اس کا بعض حصہ ملاحظہ ہو تا کہ بات مزید واضح ہو جائے۔

قال النبی ﷺ من صلی علی الجنازة وقال صلوا علی صاحبکم وقال صلوا علی النجاشی سماها صلاة لیس فیها رکوع ولا سجود ولا یتکلم فیها تکبیر وتسلیم وکان ابن عمر لا یصلی عند طلوع الشمس ولا غروبها۔وفیها۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جنازہ پر نماز پڑھی اور فرمایا اپنے صاحب (ساتھی) پر نماز پڑھو۔اور فرمایا نجاشی پر نماز پڑھو، آپ ﷺ نے اسے نماز کا نام دیا اگر چہ اس میں رکوع وسجود نہیں۔(لیکن) اس میں کلام نہیں کیا جاتا اور اس میں تکبیر وسلام بھی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف طاہر (باوضو) حالت میں نماز پڑھتے اور طلوع شمس اور اس کے غروب کے وقت نماز جنازہ نہ پڑھتے۔اور اس میں۔[3]

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً جنازہ پر،،نماز،،کے سنت (مشروع) ہونے پر باب باندھا۔اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف فرامین اس بات پر نقل کیے کہ صلوٰۃ الجنازہ میں لفظ،،صلوٰۃ،،سے مراد اس کا لغوی اور حقیقی معنی،،دعا،،نہیں بلکہ اس سے مراد ارکان مخصوصہ کی ادائیگی ہے اور وہ نماز ہے (جو کہ منقول شرعی ہے) پھر اس صلوٰۃ کو نماز ثابت کرنے کیلئے بطور دلیل یہ ذکر کیا کہ حضور نے اسکا نام صلاۃ رکھا ہے اگر چہ اسمیں رکوع وسجود نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کیا جاتا (جس طرح دیگر نمازوں میں کلام نہیں کیا جاتا) اور دوسری نمازوں کی طرح اس میں تکبیر (افتتاح جو کہ دوسری نمازوں میں رکن ہے اسمیں بھی رکن ہے) اور سلام بھی ہے اور (جس طرح دیگر نمازیں طلوع شمس اور اسکے غروب کے وقت ادا نہیں کی جاتیں) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (نماز جنازہ کو بھی) ان اوقات منہیہ میں ادا نہ فرماتے۔

اب ذرا حدیث کے الفاظ پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ ملاحظہ فرما کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔آپ فرماتے ہیں۔

وَقَالَ النبیُّ صلی الله عَلَیْهِ وَسلم مَنْ صَلَّی عَلَی الجَنَازَةِ، هَذَا استدلَّ بِهِ البُخَارِيّ علی جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة علی صَلَاة الْجِنَازَة، فَإِنَّهُ صلی الله عَلَیْهِ وَسلم قَالَ :من صلی علی الْجِنَازَة ... فَأَطلق بِلَفْظ (صلی علی الْجِنَازَة)، وَلم یقل :من دَعَا للجنازة۔الی قوله۔

یعنی (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر صلوٰۃ (نماز) پڑھی) اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ الجنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر نماز پڑھی۔پس آپ ﷺ نے صلی علی الجنازہ کے لفظ سے اطلاق فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ جس نے جنازہ کیلئے دعا کی۔

---

[1] (عمدۃ القاری للعینی، ج ۷، ص ۱۲۲، مطبوعۃ احیاء التراث بیروت)

[2] (فتح الباری علی البخاری للعسقلانی، ج ۳، ص ۱۴۸)

[3] (صحیح البخاری، سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ)

پھر حضور ﷺ کے اس قول صلوا علی صاحبکم کے تحت فرماتے ہیں۔

هَذَا اسْتدلَّ بِهِ على مَا ذهب إِلَيْهِ من إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة بِالْأَمر بِالصَّلَاةِ عَلَيْهَا حَيْثُ قَالَ :(صلوا)، کہ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے جو کہ نماز کے امر (حکم) کے ساتھ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "صلوا" یعنی تم نماز پڑھو۔

پھر حدیث کے الفاظ ،،سَمَّاهَا صَلَاةً لَيْسَ فِيهَا رُكُوعٌ وَلَا سُجُودٌ ،، کے تحت فرماتے ہیں۔

أَي :سمى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْهَيْئَة الْخَاصَّة الَّتِي يدعى فِيهَا للْمَيت :صَلَاة، وَالْحَال أَنه لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود۔ یعنی حضور رحمت عالم ﷺ نے ہیئت مخصوصہ جس میں میت کیلئے دعا کی جاتی ہے کو نماز کا نام دیا اور حال یہ ہے کہ اسمیں نہ رکوع ہے اور نہ سجود۔

وَلَا يُتَكَلَّمُ فِيهَا وَفِيهَا تَكْبِيرٌ وَتَسْلِيمٌ کے تحت فرماتے ہیں۔

اَي :وَلَا يتَكَلَّم فِي صَلَاة الْجِنَازَة، وَهَذَا أَيْضا من جملَة جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة بِإِثْبَات مَا هُوَ من خَصَائِص الصَّلَاة، وَهُوَ عدم التَّكَلُّم فِي صَلَاة الْجِنَازَة كَالصَّلَاةِ۔

یعنی نماز جنازہ میں گفتگو نہ کی جائے۔ یہ بھی نماز جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کے جملہ سے ہے نماز کے خصائص کو ثابت کرنے کیلئے اور وہ نماز جنازہ میں عدم تکلم ہے (دوسری) نماز کی طرح۔

قَوْله :(وفيهَا) أَي :وَفِي صَلَاة الْجِنَازَة (تَكْبِير وَتَسْلِيم) كَمَا فِي الصَّلَاة۔ یعنی حدیث کے الفاظ ،،فیہا،، یعنی نماز جنازہ میں تکبیر بھی ہے اور تسلیم بھی ہے جیسے دوسری نماز میں ہیں۔

وَكَانَ ابْن عُمَر لَا يُصَلِّي إِلَّا طَاهِرا وَلَا تُصَلَّى عِنْد طُلُوع الشَّمْس وَلَا غُرُوبهَا وَيَرْفَع يَدَيْهِ کے تحت علامہ عینی لکھتے ہیں۔

هَذَا أَيْضا مِمَّا اسْتدلَّ بِهِ البُخَارِيّ على إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة.

هَذِه ثَلَاث مسَائِل.

الأولى :أَن عبد الله ابْن عمر كَانَ لَا يُصَلِّي على الْجِنَازَة إِلَّا بِطَهَارَة، وَقَالَ ابْن بطال :كَانَ غَرَض البُخَارِيّ بِهَذَا الرَّد على الشّعبِيّ، فَإِنَّهُ أَجَاز الصَّلَاة على الْجِنَازَة بِغَيْر طَهَارَة، قَالَ :لِأَنَّهُ دُعَاء لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود. قَالَ :وَالْفُقَهَاء مجمعون من السّلف وَالْخلف على خلاف قَوْله. انْتهى.

یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ علی الجنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال فرمایا ہے اور یہ تین مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صرف طہارت کی حالت میں نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام بخاری کا اس سے مقصود شعبی کا رد ہے جس نے نماز جنازہ کو بغیر طہارت جائز قرار دیا (اور اسکی دلیل یہ دی کہ) چونکہ اس میں رکوع وسجود نہیں اسلئے کہ یہ دعا ہے جب کہ سلف وخلف میں سے فقہاء کا شعبی کے اس قول کے خلاف پر اجماع ہے (یعنی شعبی کے اس قول کے خلاف کہ صلاۃ الجنازہ دعا ہے نماز نہیں) ابن بطال کا قول ختم ہوا۔

قلت :وَقَالَ بِهِ أَيْضا مُحَمَّد بن جرير الطَّبَرِيّ والشيعة، وَقَالَ أَبُو عمر :قَالَ ابْن علية :الصَّلَاة على الْمَيِّت اسْتِغْفَار، وَالِاسْتِغْفَار يجوز بِغَيْر وضوء۔ (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہی قول ابن جریر طبری اور شیعہ کا ہے اور ابو عمر نے کہا کہ ابن

علیۃ کا قول ہے کہ صلاۃ علی المیت استغفار ہے اور استغفار بغیر وضو جائز ہے۔[1]

(نوٹ: علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حوالے سے مزید سیر حاصل بحث کی ہے جسے ہم عمداً بخوف طوالت ترک کر رہے ہیں۔ نیز امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ اور شرح بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ لیکن چونکہ آپ شافعی المسلک ہیں اس لئے اس موضوع پر لے دے سے بچتے ہوئے سوائے ایک مقام کے ہم نے علامہ عسقلانی کا تبصرہ نقل نہیں کیا۔)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی صحیح بخاری میں مذکورہ روایت کو امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا کے اندر معمولی تغیر کے ساتھ روایت فرمایا ہے یہ بھی ملاحظہ ہو۔ موطا امام محمد میں آپ نے، باب الرجل تدرکہ الصلاۃ علی الجنازۃ وھو علی غیر وضوء، کے نام سے باب باندھا ہے اور اسمیں آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کو ان الفاظ سے روایت فرماتے ہیں۔

اخبرنا مالک اخبرنا نافع عن ابن عمر انہ کان یقول لا یصلی الرجل علی جنازۃ الا وھو طاھر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کسی جنازہ پر نماز نہ پڑھے مگر اس حال میں کہ وہ طاہر (باوضو) ہو۔

،،قال محمد وبھذا ناخذ لا ینبغی ان یصلی علی الجنازۃ الا وھو طاھر،،

امام محمد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ جنازہ پر نماز صرف حالت طہارت میں (باوضو ہو کر) ہی پڑھی جائے۔

موطا کی اس روایت پر امام عبدالحی لکھنوی کے حاشیہ، مسماۃ التعلیق الممجد، کی عبارت بھی ملاحظہ ہو۔

قولہ الا وھو طاھر لحدیث لا یقبل اللہ الصلاۃ بغیر طھور وسمی ﷺ الصلاۃ علی الجنازۃ صلوۃ فی نحو قولہ صلوا علی صاحبکم وقولہ فی النجاشی فصلوا علیہ۔ حدیث کے الفاظ الا ہو طاہر۔ یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ،، اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اور حضور سرور دو عالم ﷺ نے صلاۃ علی الجنازہ کو نماز سے موسوم فرمایا جس طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو اور نجاشی کے (جنازہ کے متعلق) آپ کا ارشاد ہے پس تم اس پر نماز پڑھو۔[2]

قارئین کرام: مذکور الصدر حدیث (من البخاری والموطا) پر بحث ونظر کے بعد درج ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فوائد:

۱) امام بخاری کا اس بات پر مستقل باب باندھنا کہ جنازہ پر،، نماز،، سنت (مشروع) ہے نہ کہ دعا اور اس کی تائید میں امام بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تصریحات کہ باب کے عنوان کا معنی نماز ہے نہ کہ دعا۔

۲) صحیح بخاری کے متن کے اندر ہی اس بات کی صراحت کا پایا جانا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد کہ،، جس نے نماز جنازہ پڑھی،،

۳) تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو۔

۴) تم نجاشی پر نماز پڑھو۔

۵) شارع علیہ السلام نے صلاۃ علی الجنازہ کو نماز سے موسوم فرمایا۔ اگرچہ اس میں رکوع وسجود نہیں۔ لیکن اسمیں دوسری نمازوں کی طرح گفتگو نہیں کی جاتی۔ اور اسمیں سلام پھیرنا بھی ہے اور تکبیر بھی۔ جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں اور اسمیں بھی۔

---

[1] (عمدۃ القاری علی البخاری، للعینی، ج ۷، ص ۲۴۔ ۱۲۲)

[2] (موطا امام محمد مع التعلیق الممجد، ص ۱۷۰)

۶) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا صرف طہارت میں نماز جنازہ ادا فرمانا اور اسے دیگر نمازوں کی طرح اوقات منہیہ میں ادا نہ فرمانا۔

۷) ان سب نکات پر علامہ بدرالدین عینی حنفی کا تبصرہ کہ امام بخاری کا مقصود اس متن سے ان تمام وجوہ میں صلوٰۃ علی الجنازۃ کو دعا نہیں بلکہ نماز ثابت کرنا ہے۔

۸) آخر میں امام عینی کا فرمان کہ صلوٰۃ علی الجنازہ کے نماز ہونے پر تمام سلف وخلف فقہائے کرام نے اجماع قائم کیا ہے اور اسکی مخالفت یا ابن جریر طبری نے کی یا شیعہ نے۔

۹) ابن علیہ کا قول جو کہ سلف وخلف فقہائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے نقل کیا کہ اسکے نزدیک صلاۃ علی الجنازہ فقط استغفار ہے اور استغفار بغیر وضو کے جائز ہے۔

۱۰) امام بخاری شافعی، امام ابن حجر عسقلانی شافعی، امام بدرالدین عینی حنفی کی طرح سرخیل احناف امام محمد بن حسن شیبانی کا اپنی موطا میں اسی عبداللہ بن عمر والی حدیث کو لانا اور امام عبدالحی لکھنوی کا موطا کے حاشیہ پر اس حدیث مذکور کی غرض بیان کرتے ہوئے صلوۃ علی الجنازہ کو نماز ثابت فرمانا۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

تنبیہ: (ان نکات کی روشنی میں نجدی فکر کے حامل علماء کو چاہیئے کہ وہ بغیر وضو، بغیر استقبال قبلہ، بغیر ستر عورت وغیرہ کے نماز جنازہ کے جواز کا فتوی دیں)

اگرچہ اس موضوع پر ذخیرہ احادیث کی رو سے مزید علی التفصیل بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ,, خیر الکلام ماقل ودل ولم یمل ,, اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس قول کہ ,, اگر درخانہ کس است یک حرف بس است ,, کے مصداق ہم اقوال فقہاء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فنقول وباللہ التوفیق وھو المستعان

لیکن اس سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ مانعین دعا بعد جنازہ ان مبتدعین کی طرف سے ہمارے (اہل سنت کے) اوپر یہ اتہام کہ صلاۃ علی جنازہ سے مراد دعا ہے اور نماز کے بعد دعا کی فضیلت میں مذکور احادیث وآثار کو جنازہ کے بعد دعا پر محمول کرنا خلط مبحث ہے، باطل ہوگیا۔ **فللہ الحمد**۔ لہذا ثابت ہوا کہ صلوٰۃ علی الجنازہ سے مراد دعا لینا نہ تو حدیث کی منشاء کے مطابق ہے اور نہ شارحین حدیث کے نظریہ کے موافق، بلکہ صحیح بات وہی ہے جس کو ہم نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ذکر کر دیا۔ **فالحمد للہ علی ذلک**۔

اب ملاحظہ ہوں اقوال فقہاء کرام بالاختصار:

۱) امام محمد۔ الجامع الصغیر (جو کہ احناف کی کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے) میں ,, **باب فی حمل الجنازۃ والصلوٰۃ علیھا** ,, میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

قوم صلوا علی الجنازۃ رکبانا اجزاھم فی القیاس ولا یجزیھم فی الاستحسان ,,

یعنی قوم اگر سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھے تو انہیں قیاس میں یہ بات کفایت کرتی ہے لیکن استحسان میں یہ بات جائز نہیں۔

۲) امام عبدالحی لکھنوی استحسان کے تحت فرماتے ہیں۔

"قولہ فی الاستحسان، لانہ صلاۃ من وجہ لوجود التحریمۃ ولھذا یشترط فیہ الطھارۃ واستقبال القبلۃ فلا یجوز راکبا من غیر عذر استحساناً"

یعنی سوار ہو کر نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ تحریمہ ہونیکی وجہ سے یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے اسلئے اسمیں تحریمہ اور استقبال قبلہ شرط ہے، پس یہ بلا عذر استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔[1]

۳) اسی بات کو شرح الوقایہ جو کہ فقہ حنفی کی معروف کتاب ہے اور درسیات میں شامل ہے میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔

ولم تجز راکبا استحساناً۔ الاستحسان هو الدليل الذى فى مقابلة القياس الجلى الذى يسبق اليه الافهام والقياس ههنا ان يجوز راكباً لانه ليس بصلاة لعدم الاركان بل هو دعاء والاستحسان انها صلاة من وجه لوجود التحريمة فلا يترك القيام من غير عذر احتياطاً۔

نماز جنازہ استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔ استحسان اس قیاس جلی کے مقابلے میں ہے کہ جس کی طرف ذہن سبقت کرتے ہیں۔ اور قیاس یہ ہے کہ یہ نماز جنازہ سوار ہو کر پڑھنا میں جائز ہو کیونکہ یہ عدم ارکان (رکوع وسجود وغیرہ) کی وجہ سے نماز نہیں بلکہ دعا ہے۔ لیکن استحسان یہ ہے کہ یہ من وجہ وجود تحریمہ کے سبب سے نماز ہی ہے لہذا احتیاطاً بغیر عذر قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

۴) اور ساتھ ہی اس کے حاشیہ مسماۃ،، عمدۃ الرعایہ،، پر اسکی وضاحت بایں الفاظ مذکور ہے۔

قوله لوجود التحريمة ۔ ولوجود السلام واشتراط الطهارة واستقبال القبلة ونحوهما مما يشترط للصلوت ولذا اطلق عليها لفظ الصلوٰة اطلاقا شائعاً۔

نماز جنازہ تحریمہ، سلام، طہارت اور استقبال قبلہ کی شرائط کے سبب جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں، نماز ہی ہے اسلئے اس پر لفظ صلوٰۃ (نماز) کا اطلاق بطور اطلاق شائع کیا گیا ہے۔[2]

۵) اس کے ساتھ ہی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ شریف کی عبارت بھی ملاحظہ ہو۔

فان صلوا ركبانا اجزاهم فى القياس۔ لانها دعاء وفى الاستحسان لاتجزيهم لانها صلوة من وجه لوجود التحريمة فلا يجوز تركه من غير عذر احتياطاً۔

پس اگر لوگ سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھیں تو قیاس کے مطابق انہیں کفایت کرے گا کیونکہ (قیاس کی رو سے) یہ دعا ہے۔ اور استحسان (دلیل خفی) میں اس کو سوار ہو کر پڑھنا انہیں کفایت نہ کریگا۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے (اور اسکی دلیل یہ ہے کہ) اس میں تکبیر تحریمہ ہے لہذا بغیر عذر قیام کو ترک کرنا احتیاطاً درست نہیں۔[3]

۶) حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں مذکور ہے۔

(قوله فرض كفاية) بالاجماع فيكفر منكرها لانكار الاجماع كذا فى البدائع والقنية والاصل فيه قوله تعالىٰ (وصل عليهم) التوبة: ۱۰۳ وقوله ﷺ صلوا على كل بر وفاجر[4] الى قوله۔ ويصح النذر بها لانها قربة مقصودة۔ الخ،

(نماز جنازہ فرض کفایہ ہے) کے تحت امام طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ بالاجماع (فرض کفایہ) ہے اور اسکا منکر اجماع کے انکار کی وجہ سے

---

[1] (الجامع الصغیر للامام محمد وشرحہ النافع الکبیر للامام عبد الحی الکھنوی ص ۹۰)

[2] (شرح الوقایہ اولین مع عمدۃ الرعایہ ص ۵۵، ۲۵۴)

[3] (ہدایہ اولین، فصل فی الصلاۃ علی المیت، ص ۱۹۳)

[4] (رواہ الدار القطنی فی سننہ، ج ۲ ص ۵۷)

کافر ہے۔جیسا کہ بدائع اور قنیہ میں ہے اوراس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ،،آپ ﷺ ان پرنماز پڑھیں ،،اورحضور علیہ السلام کا یہ ارشادکہ ،،ہرنیک اور بد پرنماز جنازہ پڑھو،،الی قولہ۔اورنماز جنازہ کی نذرماننا جائز ہے کیونکہ یہ قربت (عبادت) مقصودہ ہے۔[1]

عبارات فقہاء کرام کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی دوسری نمازوں کی طرح نماز ہے کیونکہ اسمیں بھی دیگر نمازوں کی طرح شرائط مثلاً طہارت،تحریمہ اورارکان قیام اورسلام ہیں اگرچہ اسمیں رکوع وسجود نہیں۔

اورنماز جنازہ کی یہ شرائط معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔اگراس کے متعلق دعاواستغفار کا قول کیاجائے تواول تو یہ اہل سنت (احناف) کا مختار ہی نہیں بلکہ ابن جریرطبری،شیعہ اورابن علیہ کا مختار ہے۔(کمامر)

اگر یہ فقط دعاواستغفار ہوتواسمیں طہارت اوردیگر شرائط وارکان ملحوظ نہ ہوں کیونکہ یہ چیزیں دعاوغیرہ میں شرط نہیں۔

اب فرمائیے کہ نماز جنازہ کو دعا کہنے والا دلائل مذکورہ کی روشنی میں احناف کا وکیل ہے۔۔۔؟ یا۔۔۔۔شیعہ کا۔۔۔؟ اوروہ درپردہ کس کے مذہب کوتقویت پہنچانے میں مشغول ہے۔۔۔۔؟ اگراس طرح کا وکیل ہوتو۔۔۔الحذر۔۔۔الحذر۔۔۔الحذر

ہمارے ان جملوں کے متعلق غیرمقلدین حضرات بھی غورکریں۔گوکہ وہ فقہائے کرام کی عبارات کو حجت تسلیم نہیں کرتے لیکن بخاری،جسکو وہ بھی کتاب اللہ کے بعدسب سے معتبرکتاب گردانتے ہیں۔اسمیں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خصوصی طور پر باب ہی اس غرض سے باندھا ہے تاکہ نماز جنازہ کا،،نماز،،ہونا ثابت ہوسکے۔

آخرمیں منکرین دعابعدنماز جنازہ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ طحطاوی کی مذکورہ عبارت کو بار بارغورسے پڑھیں اوراپنے ایمان کی فکرکریں۔توبہ کادروازہ کھلا ہے لیکن اگرتوبہ کی توفیق نہ ہوتو دوسروں کو اپنے ساتھ گمراہ کرنے کا آپ کوکوئی اختیارنہیں۔واللہ الموفق للھدایۃ۔

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایاجب تم میت پرنماز پڑھوتو خلوص سے اس کیلئے دعا کرواس حدیث سے نماز جنازہ کے بعد دعاما نگنا ثابت ہوا جولوگ اس دعاسے وہ دعامراد لیتے ہیں جونماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے ان کو اس حدیث کے اس جملہ (فاخلصوا لہ الدعاء) میں غورکرنا چاہیئے۔

کیونکہ وہ دعاء جونماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ خالصتاً میت کیلئے کہاں ہوتی ہے،وہ تمام زندوں،مردوں،غائب،حاضر،مردوں،عورتوں، سب کیلئے ہوتی ہے،جبکہ حدیث کے الفاظ ہیں،کہ جب تم نماز جناز پڑھ لوتو مرحوم کیلئے خلوص سے دعاما نگو،سومعلوم ہوا کہ اس دعاسے مراد جنازہ پڑھنے کے بعد کی دعاہے (کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ چکوتو اخلاص کے ساتھ میت کیلئے دعاما نگو)

(۲) نیز (اذا صلیتم علی المیت) شرط ہے اور (فاخلصوا لہ الدعاء) اس کی جزا ہے۔شرط اورجزا میں تغیر ہوتا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: لابأس بتکرار الدعاء: دعامیں تکرار کرنا جائز ہے اوراحناف کامذہب بھی ہے۔ ان التنفل بالدعاء والاستغفار مشروع، یعنی نماز جنازہ میں فرض دعاکے بعدنفلی دعااوراستغفار جائز ہے۔[3]

(۳) حدیث مبارک میں (صلیتم) ماضی کا صیغہ ہے،اور (فاخلصوا) امرکا صیغہ ہے،اور یہاں (فا) برائے تعقیب مع الوصل ہے۔ثابت ہوا کہ

---

[1] (طحطاوی علی المراقی،ج ۲،ص ۲۴۰)

[2] (ابوداود جلد ۲۔جنائز (۴۵۶) وابن ماجہ جنائز (۱۰۹) ثم مشکوۃ صلوۃ الجنائز فصل ۲۔(۱۳۸)

[3] (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۷-۴۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد فوراً دعا مانگنے کا حکم ہے۔

(۴)عن ابن عمر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ فلاتسبقونی بالدعاء لہ۔[۱]

(ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازہ میں شرکت کیلئے اس وقت پہنچے جب کہ نماز جنازہ پڑھا جاچکا تھا) تو فرمایا اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں سبقت کی تو (میت کیلئے دعا کرنے میں) سبقت نہ کرو (بلکہ آؤملکر دعا کریں)

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قولاً فعلاً ثابت ہوا نیز (فلاتسبقونی) مجھ سے آگے نہ بڑھو یہ جملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا، پھر (فلاتسبقونی) میں بھی (ف) برائے تعقیب مع الوصل ہے، جو بتارہا ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

(۵)وترفع الایدی فی دعاء الاستسقاء ونحوہ لان رفع الیدفی الدعاء سنۃ وکذلک عنددعائہ بعدفراغۃ من التسبیح والتھلیل والتکبیر وعقیب الصلوٰت کماعلیہ المسلمون فی سائر البلدان۔[۲]

''دعاء استسقاء میں اور اس کے مثل (جیسے نماز جنازہ کے بعد کی دعا) میں ہاتھ اٹھائے جائینگے۔ کیونکہ دعاؤں میں ہاتھ کا بلند کرنا سنت ہے۔ اسی طرح جب تسبیح وتہلیل وتکبیر سے فارغ ہوں اور نمازوں سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا سنت ہے۔ تمام مسلمانوں کا تمام شہروں میں یہی معمول ہے۔''

دیکھئے اصل مسئلہ کا عموم اور لفظ (صلوات) کا عموم اس دعا کو بھی شامل ہے جو نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر بھیئیۃ اجتماعیہ کی جاتی ہے۔ اور جمیع مسلمانوں کا معمول ہے۔

(۶)وتحقق ماذکروا ان کون الدعاء غیر جائز لم یقل بہ احد کمانقل عن حمقۃ زماننا ممن لاشعور لھم فی علم الدین بوجہ من اھل البدعۃ المستحدثۃ طھر اللہ الارض منھم بمنہ تتمہ مجمع البحار (۶۵)

(اقوال مذکورہ سے) یہ بات محقق ہوگئی (تحقیق تک پہنچ گئی) کہ (بعد نماز جنازہ) دعا کرنا جائز ہے (دعا بعد نماز جنازہ کا انکار کسی نے نہیں کیا سوائے) ہمارے زمانے کے ان احمقوں نے جو علم دین سے نابلد ہیں جو دین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ (یہ احمق) اہل بدعت ہیں (انہوں نے دعا بعد الجنازہ سے انکار کرکے دین میں) ایک نئی بدعت ایجاد کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم کیساتھ ان (پلیدوں سے) زمین کو پاک فرمادے۔

نماز کے بعد دعا مانگنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ﴿الانشراح ۸﴾ تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں آئمہ کے کیا اقوال ہیں تاکہ اس کا معنی سمجھ میں آسان ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (م ۶۸ھ) فرماتے ہیں۔

ویقال اذافرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب فی الدعاء۔

---

[۱] المبسوط السرخسی جلد ۲، باب غسل المیت (۶۷)

[۲] (نور الایضاح المراقی والطحطاوی قبیل الامامۃ (۱۷۰)

اور کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔[1]

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، م ۱۰۵ھ

فاذافرغت قال۔من الصلوٰۃ المکتوبۃ والیٰ ربک فارغب فی المسألۃ والدعاء۔وقال ایضاً فاذافرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب الیٰ ربک فی الدعاء وارغب فی المسألۃ یعطیک۔

پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سوال اور دعا کیلئے رجوع کرو۔اور اسی طرح فرمایا پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب سے دعا کیلئے کھڑے رہو اور اسی کی طرف سوال کیلئے رجوع کرو وہ تم کو عطا فرمائے گا۔[2]

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔م ۲۰۷ھ

فاذافرغت فانصب اذافرغت من صلاتک فانصب الی ربک فی الدعاء وارغب۔

جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے کھڑے رہو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔[3]

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: م ۲۱۱ھ

عن معمر عن قتادۃ فی قولہ تعالیٰ فاذافرغت فانصب۔قال اذافرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

اللہ تعالیٰ کے قول {فاذافرغت فانصب} کے تحت حضرت قتادۃ نے فرمایا کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہوں تو دعا کیلئے کھڑے رہیں۔[4]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، م ۳۱۰ھ

حدثنی علی قال ثناابو صالح قال حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین فی قولہ۔(فاذافرغت فانصب)یقول فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فاذافرغت فانصب" کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب تم (نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے اپنے رب کی طرف رجوع کرو)[5]

نمبر (۲)

حدثنی محمدبن سعدقال ثناابی حدثنی عمی قال ثناابی عن ابیہ عن ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین(فاذافرغت فانصب)یقول فرغت مما فرض علیک من الصلاۃ فسئل اللہ وارغب الیہ وانصب لہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے، تو اللہ سے سوال کرو اور اسی کی

---

[1] (تنویر المقیاس علی درمنثور جلد ۶ ص ۳۲۱)

[2] (تفسیر ضحاک جلد ۲ ص ۹۷۷ برقم: ۲۹۷۱ دارالسلام قاہرہ)

[3] (تفسیر معانی القرآن جلد ۲ صفحہ: ۲۰ دارالسرور)

[4] (تفسیر عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۹ برقم: ۳۶۴۵ دارالکتب العلمیۃ)

[5] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱ مکۃ المکرمۃ)

طرف رغبت کرو اور اسی کیلئے کھڑے رہو۔[1]

نمبر(۳)

حدثنا بشر قال ثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادة قوله۔(فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب)قال امره اذا فرغ من صلاته ان یبالغ فی دعائه۔

حضرت قتادہ حضرت رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس{فاذا فرغت فانصب و الی ربک فرغب} کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ جب آپ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنی دعا میں مبالغہ کریں۔[2]

نمبر(۴)

حدثنا ابن عبد الاعلی قال ابو ثور عن معمر عن قتادة فی قوله فاذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[3]

ابو الحسن علی بن محمد بن محمد حبیب الماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، م ۴۵۰ھ

{فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب}فیه اربعة تاویلات احدها فاذا فرغت من الفرائض فانصب من قیام اللیل قاله ابن مسعود الثانی فاذا فرغت من صلاتک فانصب فی دعائک قاله الضحاک{والی ربک فارغب} فیه ثلاثة اوجه، احدها: فارغب الیه فی دعائک قاله ابن مسعود۔۔۔۔

{فاذا فرغت فانصب} اس میں چار تاویلات ہیں ان میں سے پہلی: جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تو رات کے قیام کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دوسری جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دعا کرنے کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ امام ضحاک نے کہا۔{والی ربک فرغب} اس میں تین وجہ ہیں پہلی تو اپنی دعا میں رغبت کرو یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔[4]

ابو قاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، م ۴۶۵ھ

فاذا فرغت من الصلاة المفروضة علیک فانصب فی الدعاء۔ یعنی جب تم نماز جو تم پر فرض کی گئی ہے سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[5]

عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ابی زید الثعالبی المالکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود و عن مجاهد۔ فاذا فرغت من العبادة فانصب فی الدعاء۔

---

[1] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱)

[2] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)

[3] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)

[4] (النکت والعیون تفسیر الماوردی ج ۶ ص ۲۹۸-۲۹۹ دار الکتب العلمیہ)

[5] (تفسیر القشیری المسمی لطائف الاشارات جلد ۳ صفحہ ۴۳۳، دار الکتب العلمیۃ)

حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[1]

حافظ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر فرماتے ہیں

وقال ابن عباس (فاذا فرغت فانصب) یعنی فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم (نماز) سے فارغ ہو جاؤ تو دعا مانگنے میں کوشش کرو۔[2]

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اخرج ابن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویه عن طریق ابن عباس فی قوله {فاذا فرغت فانصب} قال اذا فرغت من الصلاة فانصب فی الدعاء و اسال الله و ارغب الیه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا، کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ تو خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اللہ کریم سے سوال کرو اور اس کی طرف راغب ہو جاؤ۔[3]

نمبر (۲)

و اخرج ابن ابی الدنیا فی الذکر عن ابن مسعود رضی الله عنه فاذا فرغت من الصلاة فانصب الی الدعاء و الی ربک فارغب فی المسئلة۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اپنے رب کی طرف سوال کرنے کیلئے راغب ہو جاؤ۔

نمبر (۳)

و اخرج عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر عن قتادة فاذا فرغت فانصب قال اذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگو۔[4]

نمبر (۴)

و اخرج عبد بن حمید و ابن نصر من الضحاک فاذا فرغت قال من الصلاة المکتوبة و الی ربک فارغب فی المسئلة و الدعاء۔

حضرت ضحاک نے فرمایا کہ جب تم فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا اور سوال کیلئے اپنے رب کی طرف راغب ہو جاؤ۔[5]

---

[1] (اور اس کے محقق نے اس کے ذیل میں اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۸۲۶ برقم ۳۷۵۴۱ عن ابن عباس و ذکرہ البغوی جلد صفحہ ۵۰۳ و ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۳۶)

[2] (مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶۵۳)

[3] (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

[4] (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵ و قیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

[5] (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵ و قیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

قارئین کرام! اس آیت اور صحابی رسول ﷺ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور تابعین وآئمہ وغیرہ سے نقل کی گئی تفسیر سے دعا مانگنا ہر نماز کے بعد نہ صرف جائز بلکہ حکم ربانی سے ثابت ہوا۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ فاذا قضیتم الصلاۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا۔[1]

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے،، یعنی دائماً اس سے ثابت ہو چکا دعا بعد از نماز جنازہ کیونکہ مفسرین ومحدثین کے نزدیک ذکر بھی عین دعا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (اَلْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿التوبة ٦٧﴾ "منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں اور وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بے شک منافق وہی پکے بے حکم ہیں" اس سے معلوم ہو گیا کہ (ویقبضون ایدیھم) کا ترجمہ تفسیر ایضاح القرآن باالقرآن میں اس طرز پر ہے کہ (ای عن الانفاق فی سبیل اللہ او عن رفعھما فی الدعاء الی اللہ تعالیٰ) یعنی منافقین روکتے ہیں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے یا دعا میں ہاتھ اٹھانے سے۔[3]

والسنۃ فی الادعیۃ تاخیرھا عن الصلاۃ۔[4]

دعاؤں میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو تو دعائیں مانگی جائیں۔(ادعیہ میں تاخیر از تکمیل نماز سنت طریقہ ہے) نماز جنازہ بھی نماز ہے۔

وفی البحر ان السنۃ تأخیر الدعاء عن الصلٰوۃ لانہ ھو السنۃ فی الادعیۃ

اس میں کوئی شک نہیں کہ صلوٰۃ جنازہ یقینی نماز ہے۔[5]

ارفع یدیک عقیب الصلاۃ عند الدعاء۔

ترجمہ: نماز کے بعد دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔[6]

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قیل لرسول اللہ ﷺ أی الدعاء اسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر، ودبر الصلوات المکتوبات۔[7]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کس وقت کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا رات

---

[1] (الآیۃ سورۃ النساء ۱۰۲)

[2] (تنویر الایمان فی اتباع مذہب نعمان صفحہ ۴۰۷)

[3] (جلد اول صفحہ ۵۴۸ رکوع ۸ جز ۱۰ ومثلہ فی تفسیر حسینی)

[4] (ہدایہ ۲۲۵)

[5] (جلد دوم صفحہ ۷۶۱)

[6] (تفسیر روح المعانی تفسیر قولہ تعالیٰ فصل لربک وانحر صفحہ ۳۱۶ جز ۳۰ جلد ۱۰)

[7] (رواہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی ہذا الحدیث حسن۔)

کے آخری حصے میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے۔)[1]

عمدۃ المفسرین زبدۃ العارفین محمد یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد الغزنوی ثم چرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر یعقوب چرخی میں لکھتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھ لیتا ہے اور دعا نہیں مانگتا تو اس کی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

{دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان}

قال ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ: دعا النبی ﷺ ثم رفع یدیہ، ورأیت بیاض إبطیہ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔[2]

عن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ: رفع یدیہ حتی رأیت بیاض ابطیہ۔ رواہ البخاری (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔،،[3]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما: رفع النبی ﷺ یدیہ وقال: اللھم إنی أبرأ الیک مما صنع خالد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا: اے اللہ! جو خالد نے کیا میں تیری بارگاہ میں اس سے بری ہوں۔[4]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء، لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ رواہ الترمذی والحاکم والبزار۔ وقال ابو عیسیٰ: ھذا حدیث صحیح۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرنے سے پہلے

---

[1] (اخرجہ الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول اللہ ﷺ باب: (۷۹)، ۵/ ۵۲۶، الرقم ۳۴۹۹:، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۶/ ۳۲، الرقم ۹۹۳۶:، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/ ۴۲۴، الرقم ۳۹۴۴:، والنسائی فی عمل الیوم واللیلۃ، ۱/ ۱۸۶، الرقم ۳۴۲۸:، وفی مسند الشامیین، ۱/ ۴۰۴، الرقم ۸۰۳:، والبیھقی فی السنن الصغریٰ، ۱/ ۴۷۷، الرقم ۸۳۹:۔ ۸۴۰، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱/ ۲۷۳، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ۲/ ۳۲۱، الرقم ۲۵۵۰:، والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/ ۱۳۴، والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۲/ ۱۷۲)

[2] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/ ۲۳۳۵، وفی کتاب: المغازی، باب: غزوۃ اوطاس، ۴/ ۱۵۷۱، الرقم ۴۰۶۸:)

[3] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/ ۲۳۳۵، وفی کتاب: الاستسقاء، باب: رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، ۱/ ۳۴۹، الرقم ۹۸۴:، وفی کتاب: المناقب، باب: صفۃ النبی ﷺ، ۳/ ۱۳۰۷، الرقم ۳۳۷۲:)

[4] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/ ۲۳۳۵، وفی باب: بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمۃ، ۴/ ۱۵۷۷، الرقم ۸۰۸۹:، وفی کتاب: الأحکام، باب: إذا قضیٰ الحاکم بجور، أو خلاف أھل العلم فھو رد، ۶/ ۲۶۲۸، الرقم ۶۷۶۶:، والنسائی فی السنن، کتاب: آداب القضاۃ، باب: الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق، ۸/ ۲۳۶، الرقم ۵۴۰۵:، وابن حبان فی الصحیح، ۱۱/ ۵۳، الرقم ۴۷۴۹:، والبیہقی فی السنن الکبری، ۹/ ۱۱۵، وعبدالرزاق فی المصنف، ۵/ ۲۲۱، الرقم ۹۴۳۴:، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۲/ ۱۵۰، الرقم ۶۳۸۲:۔

(ہاتھ) نیچے نہ کرتے تھے۔[1]

عن السائب بن یزید عن ابیه ان النبی ﷺ کان اذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه۔ رواه ابو داود احمد والطبرانی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو (اس کیلئے) اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے (پھر دعا کے بعد) اپنے چہرہ انور پر ہاتھ پھیرتے۔[2]

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مامن عبد یرفع یدیه حتی یبدو ابطه یسأل الله مسألة الا آتاها إیاه مالم یعجل۔ قالوا: یارسول الله ﷺ، وکیف عجلته؟ قال: یقول: قد سألت وسألت ولم أعط شیئاً۔ رواه الترمذی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بغل ظاہر ہوجاتی ہے پھر وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمادیتا ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! جلدی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کہے: میں نے مانگا، میں نے مانگا لیکن مجھے کچھ نہ دیا گیا۔[3]

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: ان ربکم حیی کریم، یستحی أن یرفع العبد یدیه، فیردهما صفراً لا خیر فیهما، فاذا رفع أحدکم یدیه فلیقل: {یاحی لا اله الا انت یا ارحم الراحمین} ثلاث مرات ثم اذا ردیدیه فلیفرغ ذلک الخیر علی وجهه۔ رواه ابن حبان وابو یعلی والبزار والطبرانی واللفظ له۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹادے پس جب بھی تم میں سے کوئی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو یوں کہے: {یاحی لا اله الا انت یا ارحم الراحمین} یہ کلمات تین بار دہرائے پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں اپنے چہرہ پر پھیر لے۔[4]

عن الزهری قال: کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه عند صدره فی الدعاء، ثم یمسح بهما وجهه۔ رواه عبدالرزاق وقال: وربما رأیت معمراً یفعله وانا افعله۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ مبارک سینہ اقدس تک بلند فرماتے اور پھر دعا کے بعد ان کو اپنے چہرہ انور پر پھیر لیتے۔

---

[1] (أخرجه الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب: ماجاء فی رفع الأیدی عند الدعاء، ۵/ ۴۶۳، الرقم ۳۳۸۶:، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/ ۲۴۷، الرقم ۳۲۳۴:، والحاکم فی المستدرک، ۱/ ۷۱۹، الرقم ۱۹۶۷:، والبزار فی المسند، ۱/ ۲۴۳، الرقم ۱۲۹:، والطبرانی فی المعجم الاوسط، ۷/ ۱۲۴، الرقم ۷۰۵۳:، وعبد بن حمید فی المسند، ۱/ ۴۴، الرقم ۳۹:، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/ ۱۵۶، الرقم ۲۳۶:، والمناوی فی فیض القدیر، ۵/ ۱۳۸)

[2] (أخرجه أبوداود فی السنن، کتاب: الصلاة، باب: الدعاء، ۲/ ۷۹، الرقم ۱۴۹۲:، واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۲۲۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۲/ ۲۴۱، الرقم ۶۳۱:، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/ ۴۵، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/ ۱۴۵، الرقم ۲۱۶:، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱/ ۱۵۲)

[3] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الدعوات عن رسول الله ﷺ باب: (۱۳۸)، الرقم ۳۶۰۸: / ۳۹۶۹)

[4] (أخرجه ابن حبان فی الصحیح، ۳/ ۱۰۶، الرقم ۸۷۶، وأبویعلی فی المسند، ۳/ ۳۹۱، الرقم ۱۸۶۷، والهندی فی کنز العمال، ۲/ ۸۷، الرقم ۳۲۶۶:، ۳۲۶۸، والبزار عن سلمان رضی الله عنه فی المسند، ۶/ ۴۷۸، الرقم ۲۵۱۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۲/ ۴۲۳، الرقم ۱۳۵۵۷:، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/ ۲۲۱، الرقم ۸۴۷، وابن راشد فی الجامع، ۱۰/ ۴۴۳، والقضاعی فی مسند الشهاب، ۲/ ۱۶۵، الرقم ۱۱۱۱، والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۲/ ۳۱۵، الرقم ۲۵۲۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/ ۱۶۹، والعجلونی فی کشف الخفاء، ۲/ ۲۷۱، الرقم ۲۲۹۷)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معمر کو اکثر (دعا میں) ایسے کرتے دیکھا اور میرا اپنا معمول بھی یہی ہے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا دعا جعل باطن کفہ الی وجھہ۔ رواہ الطبرانی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی مبارک ہتھیلیوں کو اپنے رخ زیبا کی طرف فرمالیتے۔[2]

عن خلاد بن السائب الانصاری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا دعا جعل باطن کفیہ الی وجھہ۔ رواہ احمد۔

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ انور کے سامنے کرلیتے۔[3]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ رأیت رسول اللہ ﷺ یدعو ھکذا بباطن کفیہ وظاھرھما۔ رواہ ابوداود واحمد نحوہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دعا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کے باطن اور (نماز استسقاء میں) ظاہر کو یوں کیا ہوا تھا۔[4]

عن سلمان رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان اللہ عزوجل لیستحی اذا رفع العبد یدیہ ان یردھما صفرا لاشیء فیھما رواہ الطبرانی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دعا کیلئے (اس کے سامنے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی (بغیر کچھ ڈالے) لوٹادے۔[5]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا العبد فرفع یدیہ فسأل، قال اللہ عزوجل: انی لأستحیی من عبدی ان اردہ۔ رواہ الطبرانی فی الدعاء۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک میں اپنے اس بندے سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کی دعا کو رد کردوں۔[6]

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان ربکم حیی کریم، یستحی اذا رفع العبد یدیہ ان

---

[1] (أخرجہ عبدالرزاق فی المصنف، ۲/ ۲۴۷، الرقم ۳۲۳۴:، ۳۲۳۵، ۳/ ۱۲۳، الرقم ۵۰۰۳:)

[2] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۱/ ۴۳۵، الرقم ۱۲۲۳۴:، وفی المعجم الأوسط، ۵/ ۲۵۰، الرقم ۵۲۲۶:، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/ ۱۴۵، الرقم ۲۱۷:، والمناوی فی فیض القدیر، ۵/ ۱۳۳)

[3] (أخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۵۶، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/ ۱۴۶، الرقم ۲۱۷:، ۲۴۷، والمزی فی تہذیب الکمال، ۷/ ۷۷، الرقم ۱۴۱۸:، والعسقلانی فی تلخیص الحبیر، ۲/ ۱۰۰، الرقم ۷۲۳:، والشوکانی فی نیل الأوطار، ۴/ ۳۵)

[4] (أخرجہ ابوداؤد فی السنن، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، ۲/ ۷۸، الرقم ۱۴۸۷: واحمد بن حنبل فی المسند، ۵/ ۴۲۷، الرقم ۲۳۶۷۰:، والشیبانی فی المبسوط، ۱/ ۱۰۲، والقرطبی فی الجامع الاحکام القرآن، ۱۱/ ۲۳۷، وابن عدی فی الکامل، ۵/ ۳۲، الرقم ۱۲۰۲:)

[5] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/ ۲۵۶، الرقم ۶۱۴۸:، وفی کتاب الدعاء، ۱/ ۸۴، الرقم ۲۰۳:، ۲۰۵، والہندی فی الکنز العمال، ۲/ ۸۷، الرقم ۳۲۶۷:)

[6] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/ ۲۵۶، الرقم ۶۱۴۸:، وفی کتاب الدعاء، ۱/ ۸۴، الرقم ۲۰۳:، ۲۰۵، والہندی فی الکنز العمال، ۲/ ۸۷، الرقم ۳۲۶۷:)

یر دھما صفر الاخیر فیھما۔ رواہ الدار قطنی فی الافراد کما قال الھندی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور سخی ہے۔ اسے اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ (دعا کیلئے اس کے سامنے) اپنے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی، ان میں خیرات ڈالے بغیر واپس لوٹا دے۔ [1]

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ ﷺ قال: لاتستروا الجدر من نظر فی کتاب اخیہ بغیر اذنہ فانما ینظر فی النار سلوا اللہ ببطون أکفکم و لاتسألوہ بظھورھما فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دیواروں کو (پردوں سے) نہ چھپایا کرو اور جو شخص اپنے بھائی کے خط میں بغیر اس کی اجازت کے دیکھتا ہے بیشک وہ جہنم کی آگ میں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیاں اوپر کرکے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت اوپر نہ رکھا کرو اور جب فارغ ہو جاؤ تو انہیں چہروں پر مل لیا کرو۔ [3]

الْأَسْوَدِ الْعَامِرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفجر فما سَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا۔ [4]

اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں نماز فجر ادا کی پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو ایک طرف ہو کر اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ [5]

عن محمد بن ابی یحی قال: رأیت عبداللہ الزبیر رضی اللہ عنھما ورأی رجلاً رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال، ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ رواہ المقدسی، والطبرانی کما قال الھیثمی۔ وقال: ورجالہ ثقات۔

محمد بن ابی یحییٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا اور انہوں نے ایک آدمی کو ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ہوئے دیکھا قبل اس کے کہ وہ نماز سے فارغ ہوتا پس جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیشک حضور نبی کریم ﷺ (دعا کیلئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں۔ [6]

عن انس عن النبی ﷺ انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلاۃ ثم یقول اللھم الھی و الہ ابراھیم و اسحق و یعقوب و الہ جبریل و میکائیل و اسرافیل علیھم السلام أسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر، و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی و تنالنی برحمتک فانی مذنب، و تنفی عنی الفقر، فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عز و جل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ [7]

---

[1] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/ ۲۵۶، الرقم ۶۱۴۸: ، وفی کتاب الدعاء، ۱/ ۸۴، الرقم ۲۰۳: ، ۲۰۵، والہندی فی الکنز العمال، ۲/ ۸۷، الرقم ۳۲۶۷:)

[2] (رواہ ابوداود والحاکم وابن ابی شیبۃ والبیہقی والطبرانی۔ ورجالہ ثقات)

[3] (اخرجہ ابوداؤد فی السنن، کتاب: الصلوۃ، باب: الدعا، ۲/ ۷۸، الرقم ۱۴۸۵: ، والحاکم فی المستدرک، ۱/ ۷۱۹، الرقم ۱۹۶۸: ، وابن ابی شیبۃ فی المصنف، ۶/ ۵۲، الرقم ۲۹۴۰۵: ، والبیہقی فی السنن الکبری، ۲/ ۲۱۲، الرقم ۲۹۶۹: ، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۰/ ۳۱۹، الرقم ۱۰۷۷۹: ، وفی مسند الشامیین، ۲/ ۴۳۲، الرقم ۱۶۳۹: ، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۴/ ۴۱۰، الرقم ۲۴۵۹: ، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/ ۳۰۶، الرقم ۳۳۸۳: ، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱/ ۱۵۲، والہیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/ ۱۶۹، وقال: رجالہ ثقات، والقرطبی فی الجامع الاحکام، ۱۱/ ۳۳۷)

[4] (تحفۃ الأحوذي بشرح جامع الترمذي، باب مایقول اذا سلم من الصلاۃ، ج ۲ ص ۱۷۱ دار الکتب العلمیۃ-بیروت)

[5] (اخرجہ ابن ابی شیبہ فی المصنف، ۱/ ۲۶۹، الرقم ۳۰۹۳: ، والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۲/ ۱۷۱، وقال: رواہ ابن أبی شیبۃ فی مصنفۃ، وابن القدامۃ فی المغنی، ۱/ ۳۲۸)

[6] (أخرجہ فی المقدسی المختارۃ، ۹/ ۳۳۶، الرقم ۳۰۳: ، والہیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/ ۱۶۹، وقال: رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن یحیی الأسلمی عن عبداللہ بن زبیر ورجالہ ثقات، والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۲/ ۱۰۰، وقال: رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔)

[7] رواہ ابن عساکر و ابن السنی و اللفظ لہ و الدیلمی و الھندی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مومن ایسا نہیں جو ہر نماز کے بعد اپنی ہتھیلیاں پھیلاتا ہے پھر یہ کہتا ہے :اے میرے اللہ !اے میرے اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے معبود اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے معبود !میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا قبول فرما کیونکہ میں مجبور ہوں اور تم مجھے میرے دین میں مجھے مضبوط رکھ کیونکہ میں ابتلاء میں ہوں اور تم مجھے اپنی رحمت سے حصہ وافر عطا فرما کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فکر کو دور فرما کیونکہ میں ایک مسکین ہوں پھر اللہ اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے اور اس کے ہاتھوں کو ناکام واپس نہیں لوٹاتا۔[1]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما قال: خرجت مع رسول اللہ ﷺ من البیت الی المسجد، وقوم فی المسجد رافعی ایدیھم یدعون اللہ عزوجل فقال لی رسول اللہ ﷺ: ھل تری ماأری بأیدی القوم ؟فقلت :ماتری فی ایدیھم ؟فقال: نور قلت: ادع اللہ أن یریہ، قال :فدعا، فرأیتہ، فقال: یاانس استعجل بناحتی نشرک القوم، فأسرعت مع نبی اللہ ﷺ فرفعنا أیدینا۔ رواہ البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الدعاء واللفظ لہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گھر سے مسجد کی طرف نکلا اور کچھ لوگ مسجد میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اللہ عزوجل سے دعا مانگ رہے تھے تو مجھے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو ان کے ہاتھوں میں ہے؟ تو میں نے عرض کیا: آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (میں ان کے ہاتھوں میں) نور دیکھ رہا ہوں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ !اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی یہ نور دکھائے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس جلدی کرو یہاں تک کہ ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ (دعا میں) شریک ہوسکیں۔ پس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی ان لوگوں کی طرف گیا پھر ہم نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھالئے۔[2]

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: الصلاۃ مثنی، مثنی تشھد فی کل رکعتین، وتخشع وتضرع، وتمسکن وتقنع یدیک تقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھم وجھک وتقول: یارب یارب، ومن لم یفعل ذلک فھو کذا وکذا۔ رواہ الترمذی والنسائی واحمد والطبرانی۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز (نفل) دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے خشوع وخضوع سکون اور اپنے رب کی طرف ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ ان کا اندرونی حصہ منہ کی جانب رہے اور پھر کہنا اے رب !اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے۔[3]

عن المطلب عن النبی ﷺ قال: الصلاۃ مثنی مثنی ان تشھد فی کل رکعتین وتباءس وتمسکن وتقنع بیدیک وتقول: اللھم اللھم فمن لم یفعل ذلک فھی خداج، رواہ ابوداود وابن ماجۃ والنسائی وابن خزیمۃ۔

وقال ابن خزیمۃ بعد تخریج الحدیث المذکور: فی ھذا الخبر زیادۃ شرح ذکر رفع الیدین لیقول: اللھم اللھم، وفی خبر اللیث

---

[1] (أخرجہ ابن عساکر، ۱۶/ ۳۸۳، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ، ۱/ ۵۲، الرقم: ۱۳۹: والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/ ۴۸۱، الرقم ۱۹۷۰:، والہندی فی کنز فی کنز العمال، ۲/ ۱۳۴، الرقم ۳۴۷۵:، والمبارکفوری فی تحفۃ الاحوذی، ۲/ ۱۷۱)

[2] (أخرجہ البخاری فی التاریخ الکبیر، ۳/ ۲۰۲، الرقم ۶۹۲:، والطبرانی فی الدعاء، ۱/ ۸۵، الرقم ۲۰۶:)

[3] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب: ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ، (ج ۱ ص ۸۷/ ۲۲۵)، الرقم ۳۸۵:، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۱/ ۲۱۲، ۴۵۰، الرقم ۱۴۴۰:، واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۱۶۷، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۸/ ۲۹۵، الرقم ۷۵۷:، والمنذری فی الترغیب والترہیب، ۱/ ۲۰۳، الرقم ۷۷۰:، وأبوالمحاسن فی المعتصر المختصر، ۱/ ۳۸، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۰۶، وابن قتیبہ فی تأویل مختلف الحدیث، ۱/ ۱۶۸)

ترفعهماالی ربک تستقبل بهماوجهک وتقول :یارب یارب،ورفع الیدین وتشهدقبل التسلیم لیس من سنة الصلاة ،وهذادالّ علی انه انماأمره برفع الیدین والدعاو المسألة بعدالتسلیم من المثنی۔

حضرت مطلب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نماز کی دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت پر تشہد ہے اور عاجزی اور سکون کا حال عرض کرتا ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے، یااللہ یااللہ! اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز نامکمل ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کے بعد بیان فرماتے ہیں: اس حدیث میں دعامیں ہاتھ اٹھانے کی مزید شرح ہے اور یہ کہ دعامانگنے والے کو کہنا چاہیئے: اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! اور لیث کی روایت میں ہے کہ دعامانگنے والا اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھائے اور ان کو اپنے چہرے کے سامنے رکھے اور یہ کہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اور رفع یدین اور سلام سے پہلے تشہد سنت نماز میں سے نہیں ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رفع یدین اور دعااور سوال کرنا سلام کے بعد ہے یعنی دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد (نماز مکمل کرنے کے بعد) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیئے۔[1]

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال:المسألة أن ترفع یدیک حذومنکبیک أونحوهماوالاستغفاران تشیرباصبع واحدوالابتهال ان تمدیدیک جمیعا۔

وفی روایة:عن عباس بن عبدالله بن معبدبن عباس بهذاالحدیث قال فیه والابتهال هکذاورفع یدیه وجعل ظهورهمامایلی وجهه۔رواه أبوداودوعبدالرزاق والطبرانی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاؤ یاان کے برابر اور استغفار ایک انگلی سے اشارہ کرنا ہے اور اظہار عجز دونوں ہاتھوں کا اکٹھے پھیلانا ہے۔

اور عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس رضی اللہ عنہم اسی حدیث کی روایت میں فرماتے ہیں کہ اظہار عجز اس طرح ہے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت اپنے چہرے کے سامنے رکھی۔[2]

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال:قال رسول الله ﷺ:اذادعوت الله فادع ببطون کفیک۔ولاتدع بظهورهما۔فاذافرغت فامسح بهماوجهک۔رواه ابن ماجة۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے

---

[1] (أخرجه أبوداود فی السنن، کتاب: الصلاة، باب: فی صلاة النهار، ۲/ ۲۹، الرقم ۱۲۹۶: ، وابن ماجة فی السنن، کتاب: اقامة الصلاة والسنة فیها، باب: ماجاء فی صلاة اللیل والنهار مثنی مثنی، ۱/ ۴۱۹، الرقم ۱۳۲۵: ،والنسائی فی السنن الکبری، ۱/ ۲۱۲، ۴۵۱، الرقم ۶۱۶: ،۱۴۴۱،وابن خزیمة فی الصحیح، ۲/ ۲۲۰_۲۲۱، الرقم ۱۲۱۲: _ ۱۲۱۳،واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۱۶۷،والدارقطنی فی السنن، ۱/ ۴۱۸، الرقم ۴: ،والبیهقی فی السنن الکبری، ۲/ ۴۸۸، الرقم ۴۳۵۴: ،والدیلمی فی الفردوس بماثورالخطاب، ۲/ ۴۰۷، الرقم ۳۸۱۱: ،والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۱/ ۲۰۳، الرقم ۷۷۰:)

[2] (أخرجه أبوداودفی السنن ، کتاب: الصلاة، باب: الدعاء، ۲/ ۷۹، الرقم ۱۴۸۹: _ ۱۴۹۰،وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/ ۲۵۰، الرقم ۳۲۴۷: ،والطبرانی فی کتاب الدعاء، ۱/ ۸۶، الرقم ۲۰۸: ،والمقدسی فی الاحادیث المختارة، ۹/ ۴۸۶، الرقم ۴۶۸: _ ۴۶۹،والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/ ۱۴۳، وقال: أخرجه ابوداود والحاکم، وایضافی الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة، ۲/ ۱۷، الرقم ۴۲۶: ،والزیلعی فی نصب الرایة، ۳/ ۵۱، والصنعانی فی سبل السلام، ۴/ ۲۱۹،والزرقانی فی شرح الموطا، ۲/ ۵۹، الرقم ۱۲۳: ،والمناوی فی فیض القدیر، ۱/ ۱۸۴،والعظیم آبادی فی عون المعبود، ۴/ ۲۵۳)

دعا کیا کرو نہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو چہرے پر مل لو۔[1]

وقال الامام البیهقی فی الشعب وأما آدابه:

فمنها: المحافظة علی الدعاء فی الرخاء دون تخصیص حال الشدة والبلاء۔

ومنها: افتتاح الدعاء وختمه بالصلاة علی رسول الله ﷺ۔

ومنها: أن یدعو فی دبر صلوته۔

ومنها: أن یرفع الیدین حتی یحاذی بهما المنکبین اذا دعا۔

ومنها: ان یمسح وجهه بیدیه اذا فرغ من الدعاء۔

امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں فرمایا: آداب دعا میں سے ہے: (انسان کا) ہمیشہ دعا پر استقامت اختیار کرنا اگرچہ وہ خوشحالی میں ہو اور دعا کو صرف سختی اور مصیبت کے ساتھ خاص نہ کرنا۔

اور یہ کہ دعا کے آغاز اور آخر میں حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا۔

اور یہ کہ اپنی نمازوں کے بعد دعا کرنا۔

اور یہ کہ ہاتھوں کو دعا میں اپنے کندھوں کے برابر بلند کرنا۔

اور یہ کہ دعا سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔[2]

وقال الامام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی: قال جماعة من اصحابنا وغیرهم السنة فی کل دعاء لرفع بلاء کالقحط ونحوه أن یرفع یدیه ویجعل ظهر کفیه الی السماء احتجوا بهذا الحدیث قوله عن انس رضی الله عنه أن النبی ﷺ کان لا یرفع یدیه فی شیء من دعائه الا فی الاستسقاء حتی یری بیاض ابطیه، هذا الحدیث یوهم ظاهره انه لم یرفع ﷺ الا فی الاستسقاء ولیس الامر کذلک بل قد ثبت رفع یدیه ﷺ فی الدعاء فی مواطن غیر الاستسقاء وهی اکثر من أن تحصر وقد جمعت منها نحو امن ثلاثین حدیثا من الصحیحین او احدهما۔

امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی نے فرمایا: ہمارے علمائے کرام اور بعض دیگر نے کہا ہے کہ ہر دعا میں جو کسی مصیبت جیسے قحط وغیرہ کے ٹالنے کیلئے ہو ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف کرے۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے بعض لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ دعا میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے حتی کہ (جب آپ ﷺ ہاتھ بلند فرماتے تو) آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی مبارک نظر آتی تھی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ وہم ڈالتا ہے کہ آپ ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور معاملہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز استسقاء کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اور یہ مواقع بے شمار ہیں اور میں نے صحیحین یا ان دونوں میں کسی ایک میں سے اس طرح کی تیس احادیث جمع کی ہیں۔[3]

---

[1] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، کتاب: الدعاء، باب: رفع الیدین فی الدعاء، ۲/ ۱۲۷۲، الرقم ۳۸۶۶:، وفی کتاب: اقامة الصلاة والسنة فیها، ۱/ ۳۷۳، الرقم ۱۱۸۱:، والکنانی فی مصباح الزجاجة، ۱/ ۱۴۱، الرقم ۴۲۲:، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱/ ۱۵۱، الرقم ۶۵:، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/ ۲۷۵، الرقم ۳۸۶۶:)

[2] (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۲/ ۴۵)

[3] (أخرجه النووی فی شرح علی صحیح مسلم، ۶/ ۱۹۰)

قال الامام ابن تیمیه فی الفتاوی: وَإِنْ أَرَادَ أَنَّ مَنْ دَعَا اللهَ لَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ، فَهَذَا خِلَافُ مَا تَوَاتَرَتْ بِهِ السُّنَنُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فَطَرَ اللهُ عَلَيْهِ عِبَادَهُ مِنْ رَفْعِ الْأَيْدِي إِلَى اللهِ فِي الدُّعَاءِ۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا اور اگر اس سے کسی نے یہ مراد لیا ہے کہ دعا کرنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے تو یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول سنن متواترہ کے خلاف ہے اور اس (انسانی) فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں (یعنی مانگنے والا ہمیشہ ہاتھ بڑھاتا ہے) اور وہ یہ ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ بلند کیے جائیں۔[1]

واخرج الامام ابن رجب الحنبلی: مدّیدیه الی السمآء وهو من آداب الدعاء التی یرجی بسببها اجابته۔

امام ابن رجب حنبلی نے ایک طویل حدیث میں (حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کی کیفیت دعا بیان کرتے ہوئے) بیان کیا: انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور یہ آداب دعا میں سے جس کے سبب امید قبولیت رکھی جاتی ہے۔[2]

وقال الامام جلال الدین السیوطی: احادیث رفع الیدین فی الدعاء فقد وردعنه ﷺ نحو مائة حدیث فیه رفع یدیه فی الدعاء وقد جمعتها فی جزء (فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) لکنها فی قضایا مختلفة فکل قضیة منها لم تتواتر والقدر المشترک فیها وهو الرفع عند الدعاء تواتر اباعتبار المجموع۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے تقریباً سو کے قریب احادیث منقول ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے دعا میں ہاتھ بلند فرمائے ان تمام احادیث کو میں نے ایک مستقل کتاب (فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) میں جمع کر دیا ہے اگرچہ یہ دعائیں مختلف قضایا سے متعلق ہیں مگر ان میں ہاتھ اٹھانا چونکہ قدرے مشترک ہے اس لئے یہ (ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا) مجموعی اعتبار سے احادیث متواتر (سے ثابت) ہوگیا۔[3]

فتح الباری صفحہ ۱۴۲ ج ۱۱ میں ہے: ولا سیما مع کثرة الاحادیث الواردة فی ذلک (ای رفع الایدی فی الدعاء) فان فیه احادیث کثیرة افردها المنذری رحمة الله علیه فی جزء سردمنها النووی رحمة الله علیه فی الاذکار وفی شرح المهذب جملة وعقدلها البخاری رحمة الله علیه فی الادب المفرد صفحه ۹۰ (طبع التازیه) باباً۔۔۔الخ

ان صریح حوالوں سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ قال فی الاصل وینزل بها (ای عرفات) مع الناس لان الانتباذ تجبر والحال حال تضرع والاجابة فی الجمع ارجی۔[4]

اصل میں ہے کہ عرفات سے لوگوں کے ساتھ اتریں کیونکہ اکیلا اترنا تکبر ہے اور حال عاجزی کا ہے اور اجتماعی دعا میں مقبولیت کی بہت زیادہ امید ہے۔ واللہ اعلم ورسولہ ﷺ

(۵۷) ﴿باب نمبر ستاون سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء کے بیان میں﴾

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ مطلق اجتماعی

---

[1] (أخرجه ابن تیمیه فی مجموع فتاوی، ۵/ ۲۶۵)

[2] (اخرجه ابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۰۵)

[3] (أخرجه السیوطی فی تدریب الراوی، ۲/ ۱۸۰)

[4] (ہدایہ صفحہ ۲۲۴ ج ۱)

دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :کقولہ تعالٰی :وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط الآیۃ[1]
اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔اور کبیری ص ۳۸۹،شامی ۳۵۶،مراقی الفلاح ص ۱۸۷،اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ الا یۃ۔جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔[2]
حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا :فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتھد فی الدعاء[3]۔ یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ[4] بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔(کنز الایمان) اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔مثلا یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے : کقولہ تعالی :وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآیۃ(سورۃ الحشر)۔ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الا یۃ[5]۔اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی ومکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے :قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ الخ الا یۃ[6]۔تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں :فاعلموا ایھا الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنۃ مستحب عند العلماء۔ دوسری جگہ فرمایا ہے :فمن قال ان الدعاء بعد السنۃ بدعۃ فھو ضال مضل اجتنبہ ص ۱۵۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں :ان الدعاء بعد السنن والنوافل مستحب صرح بہ فقھائنا ومن انکرہ فھو ضال مضل۔[7]
شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳،ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ

---

[1] (سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۶۰)
[2] (الانشراح، پ ۳۰، آیت ۷)
[3] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)
[4] (پ ۱۸، المومنون، آیت ۱۰۹)
[5] (البقرۃ پ ۲، آیت ۱۸۶)
[6] (الفرقان پ ۱۹، آیت ۷۷)
[7] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

"لا یجتمع قوم فیدعوا بعضهم و یؤمن بعضهم الا اجابهم اللہ[1]" جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا ہے :اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد[2]۔ متقدمین ومتأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعة فی المسجد" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے "ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعده نافلة الناس ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین بالادعیة الماثورة الجامعة رافعی ایدیهم حذاء الصدر وبطونهما مما یلی الوجه بخشوع وسکون ثم یختمون بقوله تعالٰی سبحان ربک رب العزة عما یصفون الأیة ثم یمسحون بها ای بایدیهم وجوههم فی أخره واقره الطحطاوی" مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے۔ احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غورغشتوی دیوبندی کا فتویٰ "دعا بعد السنن بهیئة اجتماعیة" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔ دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "مسئلة التوسل والدعاء" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱) مولانا عبد الحی لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[3] اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں : "الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب" (تسہیل الترمذی) وفی الهدایة والسنة فی الادعیة تاخیرها عن الصلوة الخ[4] یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔ دوسری جگہ لکھا ہے "الاجابة فی الجمع ارجی" (ج ۲ ص ۱۴۴) کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : "الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین"[5] دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[6]

---

[1] (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷)

[2] (ج ۲ ص ۴۸۸ مطلب فی احکام المسجد)

[3] (بحوالہ تسہیل الترمذی ص ۳۱۵)

[4] (ھدایہ کسوف ص ۲۲۵)

[5] (خزینۃ الاسرار ص ۱۴۰)

[6] نور الایضاح ص ۸۰۔ بحر الرائق ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی ص ۱۸۷۔ فتاوی نور الہدی ص ۵۴۔ کبیری ص ۲۳۱۔ مظہر الحق ص ۹۔ البصائر ص ۱۲۱ لمولانا حمد اللہ مردان صوابی۔ تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۵۔ الذخائر ص ۲۷ لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبہ ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان ص ۱۶۲ المفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی بابا قدس سرہ۔ الرسائل الستہ ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریبا باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ ''عقائد المسلمین'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو ''اطفاء الفتن فی مسئلة الدعا بعد السنن'' جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔ فالحاصل الدعا بعد السنن والنوافل بهيئة الاجتماع مستحب والفاعل ماجور عند الله تعالى والمانع محروم عن الله تعالى من الاجر العظيم۔

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقيقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العناية واستمداده اياه المعونة[1] قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وهذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن[2] والدعاء اظهار العبودية والذلة والانكسار والرجوع الی الله تعالی[3] وفی روح البيان والمقصود من الدعاء انما هو اظهار العبودية والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنيل ايادیک[4] وفی قسطلانی مع ما فی الدعاء من الانقياد والاستلام واظهار الافتقار الی الله تعالی[5] وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقياد والاستلام واظهار الافتقار[6] وفی طحطاوی ويكون فی الدعاء بالاستغفار اظهار الافتقار الی الله تعالی[7] وفی تفسير الخازن الدعاء هو السوال وهو نوع من نوع العبادة[8] اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقوله تعالی ان الذين يستكبرون عن عبادتی الخ[9] قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انكر القرآن[10] قال السدی يستكبرون عن عبادتی ای دعائی[11] وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی الله تعالی فی الحوائج الدنيوية والاخروية الجليلة والحقيرة (صاوی) وقوله تعالی عن عبادتی الخ قال عليه السلام الدعاء هو العبادة وقرء هذه الاٰية ﷺ (مدارک) وفی تفسير كبير اعلم ان لفظ الدعاء يحتمل وجوها كثيرة ان يكون المراد من الدعاء العبادة قال عليه السلام الدعاء هو العبادة ومما يدل عليه قوله تعالی وقال ربكم ادعونی استجب لكم ان الذين يستكبرون الخ (کبیر، ج۲، ص۱۳۷)۔ مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ ''جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[12]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے۔ ''کقوله عليه السلام :عن النعمان بن بشير

---

[1] (تفسیر کبیر، ج۵، ص۱۰۶)

[2] (منهاج الحقائق، ص۳)

[3] (کبیر ص۱۳۶، ج۲)

[4] (روح البیان ص۴۳، ج۲)

[5] (قسطلانی ص۱۵۸، ج۹)

[6] (ج۱۱، ص۳۴)

[7] (طحطاوی ص۱۷۳، تنویر الایمان، ص۱۵۵)

[8] (خازن ج۲، ص۱۰۳)

[9] (سورۃ مومن، پ۲۴، آیت ۶۰)

[10] (تفسیر کبیر ج۵، ص۱۰۹)

[11] (تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص۵۲، نزهة المجالس، ج۱، ص۶۷، ابن کثیر، ج۴، ص۸۶)

[12] (روضۃ الطالبین ص۳۳)

رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ھو العبادۃ"[1]

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادۃ (قرطبی، ج۱۵،ص۳۲۶) وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مخ العبادۃ۔ (ترمذی، ج۲،ص۱۹۵،مشکوۃ، ج۱،ص۲۱۱، البصائر،ص۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین،ص۳۳، نفائس مطلوبہ،ص۱۴) وقال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ (کبیر، ج۴،ص۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن) ملا علی قاری فرماتے ہیں :فان السنۃ تابعۃ للفرض و مکملۃ لھا وقت العرض (مرقات، ج۲، ص۱۱۹، طبع ملتان) قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیۃ عنھا (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج۱، ص۳۳۰) ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے :عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ فان کان اکملھا کتبت لہ کاملۃ وان لم یکن اکملھا قال للملائکۃ انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بھا ما ضیع من فریضۃ ثم الزکوۃ ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک (مسند احمد، ج۴، ص۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۱۱، ص۴۱) وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلم تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ (رد المحتار، ص۳۹۱) وایضا فی الکبیری، ص۳۵۵) وھذا ھو السند علی کون الدعاء عبادۃ وھذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوۃ او لا وان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الصفات ویراد منہ الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین (البصائر، ص۱۲۲ لمولانا حمد اللہ دیوبندی مظاھری)

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فی تفسیرہ فاذا فرغت فانصب من الصلوۃ المکتوبۃ لا من الصلوۃ المطلقۃ قلنا قال ابن عباس فی تفسیرہ بصیغۃ الاطلاق ای قال ابن عباس وقتادۃ فاذا فرغت من صلوتک (تفسیر قرطبی، ج۲۰، ص۱۰۸، در منثور، ج۶، ص۳۶۵، مظھری، ج۱۰، ص۲۹۴، ابن جریر، ج۳۰، ص۱۵۱، روح المعانی، ج۳۰، ص۱۹۸، بیضاوی، ج۲، ص۵۶۵، جلالین، ص۵۶۵، مدارک، ص۳۹۰) اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری، صراح ص۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج۲،ص۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا (ص۷۴۲) ان معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔ (محزن الدلائل ص۷۷) مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت ونفل کے بعد دعا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت ونفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا کما لا یخفی علی من یعلم الخ تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور

---

[1] (تفسیر خازن، ج۴،ص۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵،ص۳۲۶، ابو داؤد، ج۱،ص۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴،ص۵۱، ابن کثیر، ج۴،ص۸۵، مشکوۃ، ج۱،ص۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے :قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بھیئۃ اجماعیۃ رافعین ایدیھم بعد الصلوۃ المکتوبۃ ولم یثبت ذالک فی عھدہ ﷺ ولا اخص بالمواظبۃ۔ نعم ثبتت ادعیۃ کثیرۃ بالتواتر بعد المکتوبۃ ولکنھا من غیر رفع الایدی ومن غیر ھیئۃ اجتماعیۃ۔ نعم ثبت دعاءہ ﷺ یرفع الیدین باجتماع بعد النافلۃ فی واقعتین احدھما واقعۃ بیت ام سلیم حین صلی فیہ السبحۃ ودعا لانس رضی اللہ عنھما۔[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں :ثم ان الدعاء بعد الصلوۃ بھیئۃ اجتماعیۃ برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلۃ فی اللاستسقاء وفی قصۃ الصلوۃ فی بیت ام سلیم[2] شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں :اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیۃ ونرفع لھا الایدی لثبوتہ عن عقیب النافلۃ وان لم یثبت بعد المکتوبۃ فاذا ثبت جنسہ لم تکن بدعۃ اصلا[3] وھذا امر مسلم ان الصلوۃ لاستسقاء سنۃ کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانہ یسن ان یصلوا صلوۃ الاستسقاء[4] وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء[5] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان واقامۃ ثم خطبنا ودعا۔[6]

مندرجہ بالا احادیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی :"عن انس قال دخل النبی ﷺ وما ھو الا انا وامی وام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غیر وقت صلوۃ فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منہ قال جعلہ علی یمینہ ثم دعا لنا اھل البیت بکل خیر من الدنیا والاٰخرۃ فقال امی یا رسول اللہ ﷺ خویدمک ادع اللہ لہ قال فدعا لی بکل خیر وکان فی اٰخر ما دعا لی بہ اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیہ[7] قال العلامۃ عبد الھادی الشاہ منصوری فی کتابہ عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بھم رکعتین وجھر فیھما بالقراءۃ واستقبل القبلۃ یدعو ورفع یدیہ وحول رداءہ حین استقبل القبلۃ انتھی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین وکذا رواہ ابن ماجۃ[8] قال العلامۃ سبحان الدین کوکاروی فی کتابہ فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول اللہ ﷺ مر بمسجد بنی معویۃ دخل فرکع فیہ رکعتین وصلینا معہ ودعا ربہ طویلا الخ[9] وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ ایۃ الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویھلل تمام المأۃ بان یقول لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم

---

[1] (معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)

[2] (معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)

[3] (فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)

[4] (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج۱، ص ۶۳۱)

[5] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج۱، ص ۴۴۸)

[6] (ابن ماجہ، ص ۹۱)

[7] (مسلم، ج۱، ص ۲۳۴، ج۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیہقی، ج۶، ص ۱۹۵)

[8] (تسہیل الترمذی، ص ۳۱۴)

[9] (مشکوۃ، ج۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبہ، ص ۳۵)

بقوله سبحان ربک رب العزة عما یصفون [1] وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لاکن عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ [2] وفی شرح شرعة الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبة قبل السنة علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انه قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والا واراد علی ما روی عن غره وهو المشهور المعمول فی زماننا فانه مستجاب بالحدیث [3] وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابه وان یستقبل بعده الناس ویستغفرون الله ویقرؤن اٰیة الکرسی والمعوذتین ویسبحون الله ثلاثا وثلاثین ویحمدونه کذالک ویکبرونه کذالک ثم یقولون لا اٰله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحوا وجوههم فی اٰخره۔ [4]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نورالایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہوگا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہوگی کہ :بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضة۔ کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع ومرجع میں مطابقت نہیں ہوگی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا :کقوله بعده ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعده نافلة [5] وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعده ای بعد التطوع الخ [6] وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ [7] وایضا فی ذریعة النجاح حاشیة نور الایضاح ان یستقبل بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة الخ [8] وفی سنن الهدی والجمهور علی ان الاولی الاشتغال بالسنة ثم بالدعاء وعلیه عمل اهل الحرمین وسائر دیار العرب [9] وقال اشرف علی التهانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة ان یستقبل الناس الخ [10] وقال ایضا فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه [11] قال العلامة حمد الله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء

---

[1] (الفقه علی مذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

[2] (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

[3] (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

[4] (نور الایضاح، ص ۸۰)

[5] (طحطاوی، ص ۱۷۱)

[6] (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد الله دیوبندی)

[7] (منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

[8] (ص ۹۷ لمولانا عبد الرزاق بتهر الوی)

[9] (سنن الهدی، ص ۴۸، بحواله دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاهر شاه قادری)

[10] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثوره لمولوی تهانوی دیوبندی)

[11] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۱۵۷ اشرف علی تهانوی دیوبندی)

بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوۃ فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوۃ اهم العبادات و اربح البضاعات و اما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوۃ علی طریق الخصوص قال اللہ تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوۃ فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادۃ وضحاک وغیرهما و کذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوۃ، ج ۲، ص ۹۳۷۔[1]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوۃ الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ (الرسائل الستہ، ص ۶۹)۔ علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے: وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیهم۔ (حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷) مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[2]

﴿تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان﴾

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے: کقوله باب تکریر الدعاء[3]۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: "هذا باب فی بیان تکریر الدعاء وهو ان یدعو به مرة بعد اخری لان فی تکرره اظهار الموضع الفقر والحاجة الی اللہ عز وجل والتذلل والخضوع له وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجه ابن حبان فی صحیحه[4]۔ اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے: کقوله علیه السلام "عن انس رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنة ثلاثا الا قالت الجنة اللهم ادخله الجنة ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللهم اجره من النار

---

[1] (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

[2] (رسائل ومسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

[3] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

[4] (عینی حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

اعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا و اذا سأل سأل ثلاثا [۲] ۔مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں :''وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرة برفع الیدین و من حدیث عائشة عند مسلم و هذا کله واضح معروف فی محله لا مساغ لانکارها [۳] قال النووی فی شرحه فیه استحباب اطالة الدعاء و تکریره و رفع الیدین [۴] و قال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء و یکرره ثلاثا [۵] ۔علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے :عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا و قال النووی فیه استحباب تکریر الدعاء ثلاثا [۶] ۔اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث :''کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمة اعادها ثلاثا حتی تفهم عنه [۷] ۔کے تحت فرمایا :''در لفظ کان محدثان را سخن است مقرر و مشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام و استمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد و عادت شریف این بود الخ [۸] و قال الرازی فی تفسیره فقال بعض الجهال الدعاء شیء عدیم الفائدة و احتجوا علیه من وجوه و قال جمهور من العقلاء ان الدعاء اهم مقامات العبودیة و یدل علیه وجوه من العقل و النقل الخ [۹] و قال العلامة الشیخ السید احمد شاه فی کتابه و منها ای من آداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیه ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا اللهم اغثنا قال الامام النووی هکذا هو مکرر ففیه استحباب تکرار الدعاء ثلاثا [۱۰] ۔علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے ۔[۱۱] علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہی :وفی کنز العباد و ادنی الالحاح ان یکرره ثلاثا و الاوسط خمسا و الاکمل سبعا [۱۲] ۔علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :و من آداب الدعاء ان یکرره ثلاثا [۱۳] ۔شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں :''دعا

---

[۱] (مسند احمد، ج ۳، ۱۵۵)

[۲] (التعلیق علی الترغیب الترهیب، ج ۲ ص ۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل ص ۵۵ مشکوۃ ص ۶۲۳)

[۳] (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[۴] (شرح مسلم للنووی، ج ۷، ص ۴۷ دار المعرفة بیروت، الفتح الرباني لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیباني ج ۸ ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الکوکب الوهّاج و الرَوض البهّاج في شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنهاج - دار طوق النجاة)

[۵] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

[۶] مسلم (ج ۲، ص ۱۰۸)

[۷] (مشکوۃ ص ۳۳)

[۸] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)

[۹] (کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)

[۱۰] (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)

[۱۱] (شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳)

[۱۲] (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن و النوافل، ص ۲۹)

[۱۳] (حصن حصین ص ۱۴ و شرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

میں تکرار چاہیئے۔ اعلیٰ حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں :"قال الرضا تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے :من لم یسئل اللہ یغضب علیہ"۔ بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔(ذیل المدعا الاحسن الوعاء ص ۲۲، ۲۳) حضرت علامہ عبدالجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں :وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار[۲]۔ مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں :قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا[۳] وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن حبیب ابن مسلمۃ الفھری وکان مستجابا انہ امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ تعالی وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ[۴]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی الحنفی لکھتے ہیں :"بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے :[۵] اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[۶] اس کی شرح میں مولانا عبدالہادی حقانی دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ لکھتے ہیں :وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلھا التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاھل بالسنۃ النبویۃ والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی بہ جامع الکمالات وھو المحقق[۷] قال العلامۃ الشیخ سید احمد شاہ فی کتابہ "وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقلہ التثلیث ویلح فیہ بالمداومۃ والمواظبۃ فی الحالات ولا یکفی بمرۃ ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔ تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے :"وتکرارہ ای الفعل وقوعہ مرۃ بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلۃ فی اوقات متعددۃ"[۸] قال العلامۃ الشیخ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری الداجوی "ومن اٰداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقلہ التثلیث۔ آگے فرماتے ہیں :وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعۃ بقیع الغرقد انہ علیہ السلام رفع یدیہ ثلاثا قال الامام النووی فیہ استحباب

---

[۱] (احسن الوعاء لاٰداب الدعاء ص ۲۲)

[۲] (الہدایہ ج ۲ ص ۳۶۶) (تنبیہ الاخوان ص ۳)

[۳] (طحطاوی ص ۱۷۳)

[۴] (معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی۔

[۵] صحیح البخاری "باب تکریر الدعاء (ج ۲ ص ۹۴۵)"

[۶] (مقالات غازی ص ۱۶)

[۷] (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

[۸] تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین ص ۳۷)

اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین [1] قال العلامة عبد الرزاق بتهر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر [2] ۔مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم وابی داؤد ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا [3] مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں :ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح [4] ۔بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں :وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکرره ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وهو ادناه واوسطه خمسا واکمله سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مرات وفی حق احمس عشر مرات رواه ابو داؤد ص ۸۰ [5] ۔مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں :عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواه الطبرانی فی الاوسط۔ [6]

دعا کے آداب: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا :کما فی البیهقی یرفع یدیه فی الدعاء [7] ۔مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں :الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرها دلت علیه الاحادیث منها ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیه یدیه ان یردهما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیه یدیه ثم لا یضع فیهما خیرا [8] ۔حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں :بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔ [9] شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں :دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا : کما فی البیهقی یرفع یدیه فی الدعاء [10] ۔علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں :ثم الدعاء لها آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲،ص ۹۳۸) وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم وذکر الشارح فی تلک الصفحة فی اثباته قوله علیه السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهما وجهک اھ ص ۱۷۳ [11] ۔علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل

---

[1] (البصائر ص ۱۲۴)

[2] (ذریعة النجاح حاشیہ نور الایضاح ص ۷۹)

[3] (مقالات ص ۱۶)

[4] (امداد الفتاوی مسائل المنثورہ ص ۵۷۰، جلد اول)

[5] (الرسائل الستہ ص ۷۲)

[6] کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)۔

[7] (مقالات فریدی ص ۱۵)

[8] (امداد الفتاوی ج ۱،ص ۵۷۲)

[9] (احسن الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

[10] (مقالات غازی ص ۱۴)

[11] (البصائر ص ۱۲۴)

صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں :عن ابن عباس قال المسألة ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ[1] عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[2] عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ و دعا[3]۔ علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں :ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنة[4]۔ ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[5] علامہ مولانا سبحان الدین کو کاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲،ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ :وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء[6]۔ علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں :وکذا رفع الیدین ومسح الوجہ بعد الفراغ کذا فی منھج العمال والعقائد السنیة کذا فی التحفة المرغوبة۔ آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی :لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما وفی السعایة لما ندب فی مطلق الدعاء استحبہ العلماء فی ھذا الدعاء ایضا[7]۔ فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے :

ان رفعکم ایدیکم بدعة ما زاد رسول اللہ ﷺ علی ھذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰة ص ۱۸۸، المسئلة ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادة فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیہ ای الاکف الی المدعو لہ او لا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں :فالمؤمن یرفع یدیہ الی ربہ خمسین مرة مثلا اتراہ تردھما خائبتین الخ۔[8]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں :دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے (ترمذی، ابو داؤد) پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے (معجم طبرانی) علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں :ومنھا ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد والصلوٰة علی الدعاء والصلوٰة والثناء علی اللہ اولا واٰخرا[9]۔ مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :ویبدأ الدعاء بالحمد للہ والثناء علیہ ویختم بہ ویصلی علی النبی ﷺ اولہ واٰخرہ ووسطہ[10]۔ علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں :دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[11] اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

---

[1] (ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۱۳،

[2] (مشکوٰۃ ج ۱،ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲،ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱،ص ۵۳۶)

[3] (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)

[4] (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)

[5] (دعا بعد السنن والنوافل ص ۳۲)

[6] (نفائس مطوبہ ص ۴۲)

[7] (صحیح مسلک ص ۳۰، ۳۱)

[8] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

[9] (البصائر ص ۱۲۴)

[10] (امداد الفتاوی، ج ۱،ص ۵۶۹)

[11] (احسن الوعاء ص ۱۵)

الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں : بیہقی وابوالشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں :الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اھل بیتہ۔[1]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ و صل علی ثم ادعہ[2] علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں :منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳ ، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لید ع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔[3]

آگے لکھتے ہیں کہ :ولان الثناء و الصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات و الرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء،[4]

علامہ محمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں :و من آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصلحین۔[5]

قطب الارشاد میں ہے :ویتوسل الیہ تعالی بانبیائہ و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء۔[6]

وینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ و الاولیاء الصالحین۔[7]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[8]

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں :قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و قال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔[9]

اللہ تعالی و رسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

(۵۸)﴿باب نمبر اٹھاون مسئلہ : حیلہ اسقاط کے بیان میں﴾

بعض علماء حیلہ اسقاط مع دورۂ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ حیلہ کی مشروعیت شریعت میں ضرورت کے وقت جائز

---

[1] (ذیل المدعا ص ۱۶)

[2] (مقالات ص ۱۶)

[3] (تنویر الایمان ص ۲۱۲)

[4] (ھدایہ ص ۲۲۲ ، ھکذا فی المستخلص ص ۴۳۲ ، اعلام المؤمنین ، ص ۴۱)

[5] (البصائر ص ۱۲۴)

[6] (قطب الارشاد ص ۲۴)

[7] (روح البیان ، ج ۱ ص ۲۹۸ ، دعا بعد السنن والنوافل ص ۲۱)

[8] (احسن الوعاء ص ۱۸)

[9] (ذیل المدعا ، ص ۱۸)

ہے۔ بشرطیکہ وہ حیلہ ادلہ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔حیلہ شرعیہ کا ثبوت قرآن کریم واحادیث صحیحہ واقوال فقہاء کرام سے موجود ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی اہلیہ کو سو کوڑے ماروں گا۔تو اللہ تعالیٰ نے قسم نہ توڑنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی :وخذ بیدک ضغثاً فاضرب بہ ولا تحنث یعنی تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مارو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بن یامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ ارشاد فرمایا جس کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔ایک بار حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی تھی کہ اگر قابو پاؤں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو۔تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہوگی،تو حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کان چھید دیں۔ وفی فتاویٰ املح جاء الصحابی الی النبی ﷺ فقال ھلکت واھلکت فقال کیف قال جامعت امرأتی فی نھار رمضان فقال فعلیک اعتاق رقبۃفقال رقبتی ھذہ ولیس لی غیرھا فقال النبی ﷺ صم شھرین متتابعین فقال لیس لی طاقۃ صوم واحد جامعت مع امرأتی فکیف اصوم شھرین متتابعین لیس لی طاقۃ فقال فاعط طعام ستین مسکینًا فقال لیس لی طاقۃ انا بنفسہ مسکین فقال اعطنی صاعا من تمر لافک بہ رقبتک فقال واللہ لیس عندی صاع تمر فقال یا عثمان اعط لذالک الرجل صاعا من تمر ففعل عثمان بن عفان کما امر رسول اللہ ﷺ فاعطی لذالک الرجل فقال لہ النبی ﷺ اعطنی ھذہ الصاع من التمر من فدیۃ صوم واحد ففعل وقبل النبی ثم اعطی لہ فقال اعطنی ثانیا ففعل وقبل النبی ففعل کک ستین مرۃ بالایجاب والقبول فقال علیہ السلام قد فک رقبتک بھذ الحیلۃ الیٰ آخرہ۔ وایضاً جاء فی الدرر للامام الغزالی رحمہ اللہ قال الشارح السمرقندی حدثنا عباس بن سفیان انہ قال عمر ایھا المؤمنون اجعلو القرآن وسیلۃ لنجات الموتی فتحلقوا وقولوا اللھم اغفر لھذا المیت بجزء من القرآن وتناولوا بایدیکم فتناولنا بدوران جزء القرآن لحیلۃ الاسقاط۔

یعنی ”فتاویٰ املح میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوا اور فرمانے لگا کہ میں خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کر دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کیسے؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں دن کے وقت مجامعت کر لی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سوا اپنی گردن کے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یکے بعد دیگرے (یعنی متواتر) دو ماہ روزے رکھو۔صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں مجھے ایک روزے کی طاقت رکھنے کی اور میں نے تو بیوی سے جماع کیا تو کیسے لگا تار روزے رکھوں؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ تو کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے کوئی طاقت نہیں میں خود مسکین ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو مجھے ایک صاع کھجوریں تا کہ میں تمہاری طرف سے غلام کو آزاد کرلوں۔پس کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم نہیں ہے میرے پاس کھجور کا صاع۔پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دیجئے اس آدمی کو ایک صاع کھجور سے پس عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ویسا کیا جیسا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔پس دے دیا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع۔پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کو، دیجئے مجھے یہ صاع کھجور کا ایک روزے کے فدیہ کی نیت سے، پس اس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔اور نبی ﷺ نے قبول فرمایا۔اور پھر وہی صاع اس کو دیا پھر فرمایا آپ ﷺ نے، مجھے دوبارہ دیجئے، پس اس نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا اسی طرح یہ طریقہ ساٹھ مرتبہ ایجاب وقبول سے ہوتا رہا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک آپ کا غلام اس حیلہ سے آزاد ہوا۔“(فائدہ :فتاویٰ املح کی اس روایت سے صاف طور پر دورہ اسقاط مع ایجاب و قبول ثابت ہوا۔)

اسی طرح الدرر تصنیف للامام غزالی رحمہ اللہ میں بسند شارح سمرقندی مذکور ہے کہ حضرت عباس بن سفیان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو بناؤ قرآن پاک کو وسیلہ نجات موتی کے لئے کہ حلقہ بناؤ اور کہو کہ اے اللہ بخش دیجئے اس میت کو وسیلہ اس قرآن حاضر کے اور لگاؤ اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے قرآن کے دوران سے برائے حیلہ اسقاط۔ (فائدہ :اس سے صاف ثابت ہوا کہ حیلہ اسقاط بذریعہ قرآن درست اور جائز ہے۔)

اذامات الرجل وعليه صلوٰت فائتة فاوصىٰ بان يعطى كفارة صلوٰة نصف صاع من بر ولصوم يومٍ نصف صاع من ثلث ماله وان لم يترك مالاً يستقرض ورثته نصف صاع ويرفع الى المسكين ثم يتصدق المسكين علىٰ بعض وارثه ثم وثم وثم حتى يتم لكل صلوٰة انتهى وهكذا او المنصوص عليه فى المذهب ان يجمع الوارث عشر رجال ليس فيهم غنى ولا عبد ولا صبى ولا مجنون لقوله تعالىٰ انّما الصدقات للفقراء والمساكين۔

یعنی ''جب کہ وفات پانے لگے کوئی آدمی اور اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وصیت کرے کفارہ دینے کے لئے نصف صاع گندم میں سے بعوض ہر نماز اور ہر ایک روزے کے لئے اپنے ثلث مال میں سے، اور اگر اس نے کوئی مال نہ چھوڑا تو اس کے ورثاء نصف صاع قرض لیں گے۔ اور ایک مسکین کو دیں گے۔ پھر یہی مسکین صدقہ کر دے اس کے بعض ورثہ پر، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ تمام نمازوں کا فدیہ اور روزوں کا ادا ہو جائے۔ اور اسی طرح ظاہر مذہب میں ہے کہ میت کے ورثاء دس آدمیوں کو جمع کریں جس میں کوئی غنی نہ ہو اور نہ غلام اور نہ نابالغ اور نہ دیوانہ ہو'' [1]

علمائے دیوبند کے شیخ القرآن والحدیث اور شاگرد خاص مولوی زکریا مولانا حمداللہ جان نے اپنی کتاب البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر میں مزید وضاحت سے اس مسئلے پر لکھا ہے۔

حیلہ اسقاط کے بیان میں:

اس مسئلے میں شیخ منکر اور ان کے مقلدین نے بہت شور وشغب کیا ہے۔ اور شیخ منکر نے اس بارے میں ایک رسالہ بنام ''النشاط من حیلۃ الاسقاط'' لکھا ہے۔ حالانکہ یہ رسالہ طعن وتشنیع اور گالی گلوچ سے بھرا پڑا ہے جس سے عقلمندوں کے کان خوش نہیں ہوتے۔ یہ اس قول کے قبیل سے ہے کہ (برعکس نہند نام زنگی را کافور) یعنی حبشی کو کافور کہا جائے۔ اسی طرح اس رسالے کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں عاقلوں کے لئے غم و پریشانی پیدا کرتا ہے۔ جبکہ شیخ منکر نے اس کا نام خوشی رکھا ہے۔ لہٰذا ہم بقدرِ ضرورت اس مسئلے کو ذکر کرتے ہیں تاکہ عاقل کو بصیرت حاصل ہو۔

سب سے پہلے ہم نام اور اس کی تشریح کا ذکر کریں گے اس کے بعد مسمّی کا ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالی)

جاننا چاہئے کہ حیلۂ اسقاط مرکبِ اضافی ہے۔ (حیلۃ الاسقاط) حیلہ کی اضافت الاسقاط کی طرف ہے۔ مرکب کی تشریح اجزاء کی تشریح پر اس طرح موقوف ہے جس طرح مرکب کی معرفت اجزاء کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے۔

حیلہ: ''مایتوصل به الى مقصود بطريق خفى مباح'' [2]

یعنی حیلہ وہ چیز ہے کہ مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچائے۔ یہ تعریف کتاب الحیل میں مذکور ہے۔ شارح نے فرمایا ہے کہ حیل، حیلہ کی جمع ہے جسکے

---

[1] (شامی ج ۱ ص ۴۸۶، بحر الرائق ص ۹۱ جامع الرموز ص ۱۶۱، عالمگیری فتاوی حمادیہ مراقی الفلاح ص ۲۶۳، نور الایضاح ص ۴۴، طحطاوی ص ۳۴۱، والمنہاج الواضح ص ۴۶۴، وخلاصہ ص ۱۵۳، وجواہر النفیس ص ۳۰، ملحقات الیسر ص ۲۳)

[2] (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۲۸)

ذریعے مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچا جائے۔اسقاط باب افعال کا مصدر ہے۔اس کا مجرد سقط یسقط باب (ن) ہے۔معنی یہ ہوا کہ مکلف کے ذمہ سے نماز وروزہ یا باقی عبادتوں کو ساقط کرنا۔

مرکب کا معنی یہ ہوا کہ ان امور کے اسقاط میں حیلہ یا ان امور کے اسقاط کیلئے حیلہ جب آپ نے جان لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے! کہ نفس حیلہ سے کوئی بھی عقل مند انکار نہیں کرتا اور خاص کر جب وہ عالم فاضل ہو۔کیونکہ قرآن میں ذکر ہے' سورۃ یوسف میں کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے پیالہ یا بادشاہ کا صاع (پیمانہ) اپنے کے سامان میں رکھوا دیا پھر اس کے بعد ان کو آواز دی گئی "یا ایتھا العیر انکم لسارقون۔" اس کے بعد ذکر ہے کہ (فرمان خداوندی) "کذالک کدنا لیوسف" یعنی اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے حیلہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حیلہ کا انکار نہیں فرمایا بلکہ امتنان واحسان کے مقام میں ذکر فرمایا اور اسے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

اسی طرح ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب کفار نے آپ سے عید کے میلے میں جانے کے لیے کہا تو آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔اس سے آپ نے ان کے ساتھ نہ جانے کا حیلہ فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے انکار نہ فرمایا بلکہ ذکر فرمایا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو تعلیم دی کہ جب آپ نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ محترمہ کو سو ۱۰۰ کوڑے ماروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث) یعنی ہاتھ میں گھاس پھوس کا گٹھا لے کر جس میں ۱۰۰ تنکے ہوں اس سے زوجہ کو ماریں کیونکہ ہر تنکہ (تنکا) بدن کو لگ جائے گا تو آپ حانث نہیں ہونگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس حیلہ خواہ مخارج کے نام سے یا حیل کے نام سے ذکر کیا جائے اس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے۔امام بخاری نے کتاب الحیل اور فقہاء نے بہت سے حیلے کتاب الشفعہ اور کتاب الطلاق میں ذکر فرمائے ہیں۔تو مطلق حیلہ سے انکار کس طرح ہوسکتا ہے۔اسی طرح روایت میں معاریض بھی ذکر کیے گئے ہیں۔مثلاً یہ روایت کہ اگر کوئی نماز کی حالت میں بے وضو ہو جائے یعنی وضو ٹوٹ جائے تو ہاتھ سے ناک کو پکڑے تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے۔اسے معاریض حیلہ سے گنا جاتا ہے۔خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مطلق حیلہ سے انکار کرنا کتاب وسنت اور اقوال فقہاء کے خلاف ہے۔اور برابر ہے کہ اسے معاریض کہا جائے یا مخارج یا حیل۔کیونکہ اعتبار معنیٰ کا ہوتا ہے۔(عبارا تنا شتیٰ وحسنک واحد وکل ذالک الی الجمال یشیر) یعنی ہماری عبارتیں مختلف ہیں مگر آپ کا حسن ایک ہی ہے اور ہر عبارت اسی حسن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔یہ نفس حیلہ کا بیان تھا۔اب رہا مسئلہ حیلۂ اسقاط کا جو متنازع فیھا ہے۔کیونکہ مخالف اس کا انکار کرتا ہے۔پس ہم کہتے ہیں کہ حیلۂ اسقاط مال کی زیادتی کیلئے ہے کیونکہ جب مال کم اور فدیہ زیادہ ہو تو حیلۂ اسقاط ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔اور نفس فدیہ سے تو کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کرتا چاہے نماز کا ہو یا روزہ کا۔اور روزے کا فدیہ قرآن سے ثابت ہے۔وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ یعنی اگر روزہ کی طاقت نہ ہو تو ایک مسکین کو فدیہ دو۔اور نماز کا فدیہ دلالۃ النص سے ثابت ہے اس لیے کہ نماز روزے سے افضل ہے۔جس طرح کہ اصول فقہ کی کتب میں تصریح ہے۔مثلاً نامی' مولوی شرح حسامی وغیرہ۔کیونکہ دلالت وہ ہے کہ غیر منطوق' منطوق سے فوق (بلند) ہو۔جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ اس سے معلوم ہوا کہ مارنا' پیٹنا اور گالی گلوچ کرنا بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔اور یہ دلالت النص سے ہے۔کیونکہ مارنے کا نقصان اُف سے زیادہ ہے۔اور نماز کے فدیے میں روزے کے ساتھ برابری ہے یعنی نماز اور روزہ کا فدیہ مقدار میں برابر ہے اور وتر علیحدہ نماز ہے اور یہ نماز چھٹی ہوئی۔پس دن رات میں چھ نمازیں ہیں۔جب چھ کو سال کے دنوں میں ضرب دیا جائے تو دو ہزار ایک سو ساٹھ (۲۱۶۰) ہو گئے۔ایک فدیہ کی مقدار صدقۂ فطر کے برابر ہے۔اور صدقۂ فطر کھجور، اور جَو کا ایک صاع اور گندم کا آدھا صاع ہے۔جو اس زمانے کے

محققین نے ثابت کیا ہے۔اسی طرح مولوی محمد شفیع دیوبندی نے اپنے رسالے ''ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل'' میں لکھا ہے کہ صاع دوسو اسی تولہ ہے۔لہٰذا آدھا صاع ایک سو چالیس تولہ ہے۔پس صاع ہمارے وزن کے مطابق یعنی جب ایک سیر اسّی تولے ہوگا تو صاع تین سیر اور آدھا یعنی ساڑھے تین سیر ہوگا اور اس کا نصف آدھا صاع ہوگا۔تو جب ہم اس آدھے صاع کو سال بھر کی نمازوں میں ضرب دیں گے تو گندم کے حساب سے فدیہ ایک سال کا ۹۲ من اور ۲۴ سیر گندم ہوگا اور ایک مَن کی قیمت ۲۰ درہم ہوتو مجموعی قیمت ایک ہزار تین سو بَہتر روپے (۱۳۷۲) ہوگی۔اس وجہ سے علماء نے حیلہ دَور کے طریقے سے بیان فرمایا ہے۔

نورالایضاح میں مذکور ہے کہ جس مال کی وصیت کی گئی ہے اگر وہ پورا نہ ہوتا ہو ان حقوق کی ادائیگی کے لئے جو میت کے ذمے ہوں تو پھر یہ کم مال فقیر کو دیں گے تو اس مال جتنا حق میت کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔اس کے بعد فقیر یہ مال ولی کو ھبہ کر دے گا تو ولی مال کو قبضہ کر کے دوبارہ فقیر کو فدیہ دے دیں اور فقیر ولی کو ھبہ کرتا جائے گا یہاں تک کہ میت کے ذمے سے حقوق ساقط ہو جائیں۔

اور نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا جائز ہے۔بخلاف قسم کے کفارے کے کہ وہ ایک شخص کو نہیں دے سکتے بلکہ الگ الگ شخص کو دیا جائے گا۔[1]

اور نورالایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ اگر وہ مال جس کی وصیت کی ہو یا ثلث مال یعنی مال کا ایک تہائی حصہ کافی نہ ہوتا ہو اور یا بالکل وصیت نہ کی ہو اور کوئی شخص میت کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہو لیکن مال اتنا کم ہے کہ میت کے حقوق کے لئے کافی نہ ہوتا ہو تو میت کو صوم وصلوٰۃ وغیرہ حقوق سے بَری کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کم مال جس کا حقوق کے ساتھ اندازہ کیا ہوگا کہ کتنے حقوق اس سے ساقط ہو جائیں گے وہ کسی فقیر کو دیں گے اسقاط کی نیت سے،تو اس مال کی مقدار کے برابر حقوق ساقط ہو جائیں گے پھر قبضہ کرنے کے بعد فقیر ولی کو واپس ہبہ کر دے یا کسی اور کو تو وہ قبضہ کر لے یہاں تک یہ طریقہ چلتا رہے گا جب تک کہ میت کے ذمہ سے سارے حقوق ساقط نہ ہو جائیں۔اس سے پتہ چلا کہ ولی کا فقیر کو فدیہ دینا اور فقیر کا ولی کو یا کسی اور اجنبی کو ھبہ کرنا دونوں طریقے جائز ہیں۔

جامع الرموز میں ذکر ہے کہ ہر نماز کا فدیہ چاہے فرض ہو یا واجب مثلاً وتر (سنتوں کے علاوہ) روزے کے فدیے کے برابر ہے۔اگر سنت قضاء یا فوت ہو جائے تو اس کا فدیہ نہیں ہے۔اور نہ ہی دینے کی ضرورت ہے۔اور قیل سے قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا فدیہ ایک دن کے روزے کے برابر ہے مگر جب کہ عاجز اور فقیر ہو۔مگر ظاہر مذھب اس کے خلاف ہے جیسے کہ خزانہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

محمد بن نے فرمایا ہے مگر فقیر و مالدار کی قید نہیں لگائی مگر عام مشائخ پہلے قول کے قائل ہیں کہ چاہے مالدار ہو یا فقیر ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے برابر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسے کہ کرمانی نے ذکر فرمایا ہے۔بلخی کے قول کے مطابق نماز کا فدیہ ناجائز ہے قیاس کے ذریعے جس طرح کہ قاضی خان نے ذکر فرمایا ہے مگر استحسان یہ چاہتا ہے کہ نماز کا فدیہ بھی جائز ہے۔اور روزے کا فدیہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔رہا نماز کا فدیہ تو وہ فصل کے عموم کی وجہ سے ہے۔اس وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(ان شاء اللہ) اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادا کرنے میں نقصان (کمی) کرے خواہشات نفس یا شیطان کے دھوکے سے اور پھر آخری عمر میں نادم ہو کر فدیے کی وصیت کرے تو جائز نہیں ہے لیکن مستصفیٰ کے دیباچے سے جواز معلوم ہوتا ہے۔اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وصیت نہ کی اور وارث نیکی اور احسان کرے تو جائز ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یجزی ان شآء اللہ یعنی ان شاء اللہ جائز ہے۔

زاھدی نے کہا ہے کہ قیل نے کہا ہے کہ روزے سے جائز نہیں اور تحقیق سے نماز سے جائز نہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ امر مستحسن

---

[1] (نورالایضاح: صفحہ ۱۰۱:)

ہے اور ایصال ثواب ہے۔اور فدیہ دفن کرنے سے پہلے دینا چاہیے اور بعد الدفن بھی جائز ہے۔طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر میں سے ۱۲ سال کم کر دیئے جائیں اور اگر عورت ہو تو ۹ سال کم کر دیئے جائیں پھر باقی عمر کا فدیہ مسکین کو دیا جائے جبکہ مال پورا (کافی) ہو۔اور ایک تہائی مال سے فدیہ پورا ہوسکتا ہو اگر ثلث مال سے پورا نہ ہو تو پھر جتنا بھی ہو وہ مسکین کو دیا جائے اور مسکین (فقیر) قبضہ کرنے کے بعد دوبارہ وارث کو دے دیں اس کے بعد پھر وہ فقیر کو دے گا یہاں تک کہ حقوق پورے ہو جائیں۔اگر میت کسی بھی مال کا مالک نہ تھا تو وارث قرض لیکر مسکین کو دیتے وقت کہے گا کہ میں اتنی نمازوں کا اور روزوں کا فدیہ فلان بن فلاں کی طرف سے تمھیں دے رہا ہوں۔مسکین کہے گا کہ میں نے قبول کیا۔اور اگر ایک فقیر کو مال پورا دیا اور عدد یا مقدار ذکر نہ کی مگر نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہیں۔اسی پر فتویٰ ہے۔یہ[1] کی عبارت ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیلہ جائز ہے چاہے میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر فدیہ پورا ادا نہ ہوا ہو پھر بھی بے فائدہ نہیں بلکہ ثواب ملے گا اور یہ امر مستحسن ہے۔قرض لینا مستحسن ہے تاکہ متوفی سے اسقاط کیا جاسکے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ فدیہ دفن کرنے سے پہلے دینا افضل ہے۔منکرین کی ناک خاک آلود ہوگئی اس بات سے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے۔حالانکہ اسقاط کے لیے دفن کرنے میں تاخیر حق' واجب اور ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرض کی وجہ سے میت کے جنازے میں تاخیر فرمائی تھی یہاں تک کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس قرض کے ذمہ دار اور کفیل بن گئے۔پھر اس کے بعد جنازہ پڑھایا گیا۔تو کیا یہ تاخیر نہیں تھی۔اور جب جنازہ میں تاخیر ہو جائے تو پھر دفن کرنے میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اسقاط کا مال ایک فقیر کو ہی دیا جائے تو بھی جائز ہے۔لیکن فدیہ سے کم دینا جائز نہیں۔

شیخ ماہر نے انکار' طعن' بہتان اور گالی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ طریقہ بدعتیوں نے ایجاد کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے آپس میں مال کھائیں اور یہ طریقہ انہوں نے ہندوستان کے برہمنوں سے سیکھا ہے۔اسی طرح کے کئی غلط الفاظ لکھے ہیں اور افتراء پردازی کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نفس حیلہ' نصوص' روایات اور فقہاء کرام کے حوالوں سے ثابت ہے اور اسی طرح حیلۂ اسقاط بھی علماء اور فقہاء سے ثابت ہے تو اسکی طرف بدعت کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف آپ نے جان لی ہے۔

اسی طرح لوگوں سے مال جمع کرنا' محارم کے اموال اور ان کو تکلیف پہنچانا شیخ منکر کا طریقہ ہے کیونکہ ان کا ناظم فدیہ لیکر بیت المال میں جمع کرتا ہے۔شیخ منکر کہتا ہے کہ اس کو طلباء (طالب علم) پر خرچ کرو۔حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ فدیہ کس طرح جائز ہے کیونکہ نہ تملیک ہے اور نہ مسکین ہے۔کیونکہ ناظم اور شیخ دونوں غنی ہیں اور بیت المال میں کوئی دوسرا مسکین نہیں کہ وہ قبضہ کرے۔اگر یہ کہتے ہیں کہ اسے طالب علم قبضہ کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قابض مالک ہوا پس مثل سوء صادق ہوا (استعارہ لمستعیر) کہ اپنے فقیر کیلئے طعام (کھانا) مانگتا ہے)۔کیونکہ یہ خود اسی سے کھاتا ہے۔ان کے قول کے سچا ہونے کی تقدیر پر جب تک طلباء ترجمہ کیلئے نہیں آتے اس وقت تک کھاتا رہتا ہے۔اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ ہم طلباء کے نفع کیلئے کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اب خود تم نے حیلے کا اقرار کیا حالانکہ اس سے پہلے تم حیلے کا انکار کرتے تھے اور تم لوگوں نے فدیہ ضائع کر دیا۔اگر یہ لوگ کہیں کہ اس میں طلباء کیلئے فائدہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حیلہ اسقاط میں مسلمان میت کا فائدہ ہے اور اگر تمھارا کلام صادق ہے تو زندہ مسلمان کا بھی فائدہ ہے۔حالانکہ میت کو فائدے کی ضرورت وحاجت ہے جیسے کہ صحابی کا دوسرے میت صحابی کا کفیل بننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمایا تھا کیونکہ میت پر قرض تھا۔اگر تم نہیں سمجھتے تو یہ مصیبت ہے اور اگر سمجھتے ہو تو پھر بڑی مصیبت ہے کہ جانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہو۔

رہا میت کی طرف سے کفالہ (کفیل) ہونا تو اس کا حکم فقہ میں مذکور ہے کہ یہ صحیح نہیں۔اور جو یہاں مذکور ہوا ہے تو وہ کفالہ نہیں ہے بلکہ

---

[1] (جامع الرموز اصفحہ ۱۶۱)

میت کی طرف سے قرض دینے کا وعدہ ہے۔مگر اس سے حقوق ادا کرنے کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز جنازہ سے منع فرمایا تھا۔

اگر کوئی یہ گمان کرے کہ یہ تو مدارس کے عام طریقہ سے انکار کرنا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم اس طریقے سے انکار نہیں کرتے بلکہ یہ شیخ منکر پر الزام ہے کہ وہ حیلہ سے انکار کرتا ہے اور ہم حیلے کے جواز کے قائل ہیں تا کہ زندہ اور مردہ دونوں کو فائدہ پہنچے۔(لہذا آپ خود سوچیں) اور شیخ منکر اسی طرح اپنے مریدوں سے جو اس کے علاقے کے ہیں۔زکوٰۃ لیکر بیت المال میں داخل کرتا ہے۔اور یہ بہتر ہے کہ اس کا نام بیت المال کی بجائے (بیت ضیاع الفدایا) یعنی لوگوں کے فدیے ضائع ہونے کی جگہ رکھ دیا جائے۔اور یہ مثل مشہور ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکہ تو نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔لہذا آپ کو تعصب اور تعسف سے اجتناب کرنا چاہیے۔

شیخ منکر نے کہا ہے کہ علماء نے کھانے کیلئے کیسا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ جب وارثوں میں چھوٹا نابالغ بچہ ہوتا ہے اور میت نے وصیت نہ کی ہو تو لوگ دور کر کے مال وارثوں کو واپس کر دیتے ہیں۔اور اس طرح بھی ہوا ہے کہ دور کیلئے مال قرض لیکر واپس کر دیا جاتا ہے لیکن جب وصیت کی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں اگر چہ وارث صغیر ہو یعنی چھوٹا ہو۔اس کے علاوہ فقہاء اور علماء نے یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے تم کہتے ہو کہ یہ ہندوؤں سے سیکھا ہے۔یہ بہت بری بات ہے۔(یہ تمھاری شان کے مناسب ہے کیونکہ تم شیخ ہو) اور اگر ورثاء میں نابالغ بھی ہو لیکن اگر بالغ سارا بوجھ خود برداشت کرلے تو اس میں کیا حرج ہے اور کیا ظلم ہے۔بلکہ ظلم یہ ہے کہ کوئی اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے ہزاروں روپے لے لیے۔

شیخ منکر نے یہ طریقہ کس سے سیکھا اس کا پیشوا اور مقتداء کون ہے۔بے شک اس کا پیشوا اور مقتداء محمد بن عبدالوھاب نجدی ہے۔اور وہ خارجیوں میں سے ہے۔اور خارجی اس شخص کا مال لینا جائز مانتا ہے جو اس کے عقیدے کے خلاف ہو جیسے کہ یہ بات عقائد علماء دیوبند اور شامی کے حوالے سے تفصیل سے گزری ہے۔

شیخ منکر نے حیلۂ اسقاط کو یہودیوں کے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کے حیلے پر قیاس کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعسف اور غلط بات ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو اپنے ھبہ کئے ہوئے مال کو واپس لیتا ہے تو اس طرح ہے جیسا کہ اپنی قے کو چاٹتا ہے اس لیے یہ لوگ حیلہ اسقاط کو قئی الکلب کہتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ منکر حدیث اور فقہ سے کئی وجوہات کی بناء پر لاعلم ہے۔

(۱) اول یہ ہے کہ اس طریقے میں ہبہ کرنے والے سے مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنی مرضی سے میت کی نفع رسانی کیلئے واپس کرتا ہے۔اس کے علاوہ یہ ہے کہ اس میں ھبہ کرنے والے کو دوبارہ ھبہ نہیں کیا جاتا بلکہ دوسرے شخص کو دیا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آخر میں موھوبہ (ھبہ کی ہوئی چیز) واھب ھبہ کرنے والے کو لوٹ کر آتا ہے۔مگر مطالبہ نہیں کیا جاتا۔(۲) دوئم یہ ہے کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مانع نہ ہو تو ھبہ میں رجوع کرنا درست ہے سلب کلی کے طریقے سے۔جس طرح کہ فقہ میں موانع (روکنے والی چیزیں) مذکور ہیں۔جو (حروف' دمع خزقہ) ہیں۔اس میں شک نہیں کہ ہمارے اس مسئلے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۳) سوئم یہ ہے کہ حدیث میں ہے "الواھب احق بھبۃ مالم یثب" یعنی جب تک ھبہ کا بدلہ نہ دیا گیا ہو تو ھبہ کرنے والا اپنے ھبہ کا زیادہ حقدار

ہے۔معلوم ہوا کہ جب تک واھب نے بدلہ نہ لیا ہو تو ھبہ واپس لینا جائز ہے۔

(۴) چہارم یہ ہے کہ کتے کے فعل کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کتا مکلف نہیں اگر چہ کراھت طبعی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(۵) پنجم یہ ہے کہ ھبۂ اول ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہوا۔دوسرا اور تیرا ھبہ الگ الگ ہے جو الگ الگ ایجاب وقبول کے ساتھ ہے۔ہاں اس بات کو مانتا ہوں کہ اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے کھانا خنزیر کا گوشت کھانا ہے۔ہم قارئین کی خوش طبعی کیلئے ایک لطیفہ ذکر کرتے ہیں۔

لطیفہ: ایک شخص نے زنا کیا جس سے حمل ٹھہر گیا اور وہ ظاہر بھی ہوگیا۔جس سے زانی بہت شرمندہ ہوا کسی نے اس سے احسان ومہربانی کرتے ہوئے کہا کہ تم نے عزل کیوں نہ کیا تا کہ شرمندگی سے بچ جاتے تو اس نے جواب دیا کہ عزل مکروہ ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔تو اس احمق وبے وقوف کی طرف دیکھئے کہ زنا سے نہیں بچتا جو قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور عزل سے بچتا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ جامع الرموز اور قھستانی کا قول ضیعف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو دوسرے فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے اور اس میں اصول دین کے خلاف کوئی چیز نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ حقیر رقم کیلئے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔اس لیے فقیر (غریب) کے جنازے میں کوئی حاضر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں پر بدگمانی ہے اور یہ گناہ ہے اور اس شیخ منکر کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ لوگ پیسوں کیلئے آتے ہیں۔کیا اس پر کوئی دلیل ہے یا یہ رجم بالغیب ہے۔یا یہ اپنے اوپر قیاس کرنا ہے۔کیونکہ ہمارے علاقے میں تو لوگ مالداروں کے مقابلے میں غریبوں فقیروں کی خدمت بڑے خلوص سے کرتے ہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ شیخ منکر کے علاقے میں وہی کام ہوا ہو جو اس نے بیان کیا ہے۔

ع: جس سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کیلئے راستے بھی الگ الگ ہیں۔حکم خاص لوگوں پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ جب حکم عام اور طریقہ نہ ہو تو افراد کی خصوصیات معتبر نہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم وھمی ہے اور اس طرح کا وھم باقی احکام میں بھی جاری ہوسکتا ہے۔مثلاً جہاد میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاد میں لوگ اس لیے جاتے ہیں کہ مال غنیمت حاصل ہو سکے نہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے۔لہذا جہاد جہاد نہ رہا۔اسی طرح مدارس وغیرہ بھی۔مگر ہم کسی پر بدگمانی نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے "ھلا شققت قلبه" تم نے اس کا دل کیوں نہ چھیڑا۔مگر شرع ظاہر کو دیکھتی ہے اس لیے ہم ظاہر پر عمل کرتے ہیں نہ کہ باطن پر کیونکہ باطن سے ہمارا کوئی سروکار نہیں اسے ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔جو قادر وقاھر ہے۔

اگر شیخ منکر یہ کہتا ہے کہ یہودیوں نے حیلہ کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا حیلہ حرام کو حلال کرنے کیلئے تھا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے اگر حیلے جائز ہو جائیں تو شرائع فاسد ہو جائیں گے اور نظام خراب ہو جائیگا۔حلال حرام اور حرام حلال ہو جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے مطلق حیلہ بند کرنا مقصود ہو تو یہ باطل ہے۔کیونکہ صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے تین طلاق کو گھر میں جانے سے معلق (مشروط) کیا تو ایک طلاق دے دے عدت گذرنے کے بعد بیوی گھر میں داخل ہو جائے تو قسم سے تبری (آزاد) ہو جائے گا اور دوبارہ نکاح کرلے (صفحہ ۱۳۰) قاضی خان نے لکھا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تک تم میرے پاس ہو اور میں نے تم سے جماع کیا تو تجھے تین طلاق۔اس کے بعد اس نے حیلے کا ارادہ کیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے طریقہ سکھایا یعنی حیلہ بتایا کہ طلاق بائن دے اور فوراً نکاح کرکے جماع کرلے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم نہیں ٹوٹے گی۔[1]

---

[1] (قاضی خان ۲ صفحہ ۲۲۳)

اسی طرح بہت سے حیلے کتاب الطلاق میں مذکور ہیں۔حاصل یہ ہے کہ ان امور میں اعتبار نیتوں کا ہے اور مسلمان پر حسن ظن اور اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ہم کہیں گے کہ مسلمان کی نیت اچھی ہوگی مگر بدگمانی اچھی نہیں ہے۔کیونکہ درمختار میں ہے کہ وہ نذر جو لوگ میت کیلئے کرتے ہیں اور دراھم (یعنی روپے)،شمع یا تیل وغیرہ اولیاء کے مزارات پر لے جاتے ہیں ان کا تقرب حاصل کرنے کیلئے تو یہ اجماعا باطل وحرام ہے جب تک فقیروں میں صرف (تقسیم) کرنے کی نیت نہ کی جائے۔بہت سے لوگ اس میں گرفتار ہیں۔[1] لہذا آپ شارح کی قید مالم یقصد کی طرف نظر فرمائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت کا اعتبار ہے اس لیے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔اور اگر فقیر کو دینے کی نیت ہو تو پھر حرام نہ ہوگا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے حیلہ اسقاط کی قباحت کے عنوان میں آئمہ کے اقوال میں سے علماء دیوبند کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عنوان اور معنوں میں اختلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس نے سوال ذکر نہ کیا کہ کونسا حیلہ مراد ہے۔کیونکہ حیلہ اسقاط تو شامی،نورالایضاح میں مذکور ہے اور یہ دونوں کتابیں علماء دیوبند کا معمول ہیں تو وہ کس طرح عدم جواز کا حکم کریں گے۔

شیخ منکر یہ کہے کہ شارع علیہ السلام نے حیلہ کا حکم نہیں فرمایا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ منع بھی نہیں فرمایا تو حرمت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ شرعی حکم کے لیے شرعی دلیل چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے ماآتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا یعنی جس کا حکم رسول فرمائیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں تو منع ہو جاؤ۔شیخ منکر نے لکھا ہے کہ اس میں مالایلزم کا الزام ہے۔اور یہ بدعت ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب استحباب ثابت ہو تو پھر دوام میں کون سے نقصانات ہیں۔جیسا کہ شیخ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ الملک کی تفسیر میں فرمایا کہ میں نے کبھی بھی سورہ ملک کو رات میں پڑھنا نہیں چھوڑا حالانکہ اس کا پڑھنا مستحب ہے۔اس کے علاوہ جواب یہ ہے کہ التزام کسی شئے کا لازم جاننا ہے اور یہ اعتقادی بات ہے کیونکہ بہترین عمل وہ ہے کہ جس میں دوام ہو جس طرح کہ حدیث میں ذکر ہے۔یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جب میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت ضرور پڑھتا ہوں حالانکہ یہ سب مستحبات ہیں۔مگر پھر بھی ان کا اہتمام کیا گیا ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ قیاس فی الدین سے نہیں آئی ہے۔اسکا جواب یہ ہے کہ اگر مطلق قیاس سے نہی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔کیونکہ اس میں اعتبار کو روکنا ہے جو اس آیت کریمہ میں مامور بہ ہے۔فاعتبروا یااولی الابصار یعنی اے عقل والوں اعتبار کرو یعنی عبرت حاصل کرو۔یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ اے اہل رائے تمہارا کیا خیال ہے۔اور اگر قیاس سے مراد وہ ہے جو نص کے مقابلے میں ہو تو وہ یہاں مراد نہیں ہے اور مدعی کو چاہیے کہ بیان کرے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ دعا بعد السنن بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔اور مردان کے مضافات کے ہوسئی نامی گاؤں میں بحث کے دوران شیخ منکر احناف کی کتب میں سے ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے صرف اس کی طرف سے انکار ہی انکار تھا کہ میں نورالایضاح نہیں مانتا ہدایہ نہیں مانتا فلاں نہیں مانتا۔

شیخ منکر کے استاذ علامہ غورشتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعا بعد السنن کے جواز میں فتوٰی دیا تھا کہ میرے اور میرے مشائخ کے نزدیک بعد السنن جائز ہے۔جو آجکل معمول ہے اور بعد الفرض سے مراد بعد السنن ہے کیونکہ سنن فرائض کے مکملات ہیں۔مگر شیخ منکر پر تعجب ہے کہ اپنے استاذ کا فتوٰی نہیں مانتا۔اسی طرح باقی اساتذہ بھی دعا کے مستحب ہونے کے قائل تھے مثلاً شاہ منصور بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شیخ منکر کے استاذ بھی ہیں مگر اس نے اس مسئلے میں اپنے استاذ کی سخت مخالفت کی ہے۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسے کہے کہ تم اپنے استاذ سے کیوں اختلاف کرتے تو کہتا ہے کہ نہ وہ میرا استاذ ہے اور نہ میں اس کا شاگرد ہوں۔حالانکہ منکر کے ہم عمر موجود ہیں جو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ان کے شاگرد

---

[1] (درمختار ج ا صفحہ ۱۵۳)

ہیں ۔لہٰذا شیخ منکر کا انکار مردود ہے ۔اس کے علاوہ شیخ منکر ان کی شاگردی کے انکار میں ماتم من جہتہ کا نقص کر رہا ہے ۔حالانکہ ماتم من جہتہ کا نقص کرنے والے کی کوشش مردود ہے ۔جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قاضی شریح صاحب نے فرمایا ہے کہ تمہارے خلاف تمہاری خالہ کی بہنیں کے بیٹے نے گواہی دی ہے ۔(۱)

شیخ منکر نے شاطبی کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے ۔اس کا جواب یہ ہے یہ ہمارے مذہب کی کتاب نہیں اور ہم پر حجت نہیں جس طرح کہ علم الاصول میں ذکر ہے ۔تعجب تو اس بات پر ہے کہ سماع موتیٰ کے مسئلے میں شیخ منکر اپنے گمان کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں ۔حالانکہ سماع موتیٰ کے اثبات میں کئی احادیث وارد ہیں ۔اب خود اندازہ لگائیں کہ شیخ منکر سماع موتیٰ کے مسئلے میں مذہب احناف پر کتنے سخت عمل پیرا ہیں ۔اور یہاں اپنے مذہب سے انحراف کرتے ہیں جب کہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں مگر عمل دوسرے مذہب پر کرتے ہیں ۔مثلاً شاطبی کے اعتصام، مدخل وغیرہ اور اپنے مذہب کی کتابوں کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں مانتا وہ نہیں مانتا وغیرہ ۔لہٰذا اپنے شخص کے قول کا اعتبار نہیں بلکہ یہ تلفیق کے قریب ہے اور تلفیق باجماع فقہاء حرام ہے ۔

(۱) یعنی تمہاری خالہ کی بہن تمہاری ماں ہے اور اس کے بیٹے تم خود ہو اور تم نے اقرار کر کے انکار کیا ہے تو قاضی صاحب کا مطلب یہ تھا اب اقرار کے بعد انکار قابل قبول نہیں ،۱۲ (حافظ کفایت اللہ)

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ مجھ پر جھوٹ اور افتراء کا الزام لگاتے ہیں ۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ تمہاری زبان یا تحریر سے ثابت ہے مثلاً اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے بھگانا یہ تم نے خود (شیخ جانا) نامی گاؤں (مردان) میں کہا ہے جب کہ تم تقریر کر رہے تھے اور کہا ہے کہ میں سنت کی اتنی اتباع کرتا ہوں کہ اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے نکال دیتا ہوں (نعوذ باللہ من ذٰلک) رہا یہ مسئلہ کہ محارم سے مال لینا تو ظاہر ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔اور فدیہ کا ضائع کرنا تو وہ تمہارے گاؤں کے لوگوں کو معلوم ہے ۔اور توسل و کرامات کا انکار کرنا تمہاری کتاب البصائر سے معلوم ہو رہا ہے ۔اور تم نے فقہ کا رد بار بار کیا ہے کہ میں لوگوں کو حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ لوگ مجھے فقہاء کے اقوال دیکھاتے اور بیان کرتے ہیں ۔یہ تمام باتیں تم نے تقریر و تحریر میں بیان کی ہیں تو یہ کس کی افتراء پردازی ہے ۔بلکہ ان باتوں کی طرف نسبت کرنا افتراء ہے تو تمہاری بات تم پر ہی حجت ہوئی نہ کہ ہم پر ۔شیخ منکر کی شخصیت ہی عجیب ہے کیونکہ اس نے اپنے رسالے ,, النشاط فی حیلۃ الاسقاط ،، میں فصحاء اور بلغاء عرب کے ناک کاٹ دیئے ہیں کیونکہ عربی لے لحاظ سے غلط عبارتیں لکھی ہیں ۔یا تو یہ شیخ منکر کی غلطی ہے یا کاتب کی یا پھر دونوں کی ۔لیکن پہلی بات ظاہر ہے کہ شیخ منکر کی غلطی ہے مگر میں نے اس طرح اس وجہ سے تعارض نہیں کیا کہ کلام طویل ہو جائے گا ۔اور اپنے موضوع سے الگ ہونے کا خدشہ ہوگا ۔شیخ منکر نے بعض حضرات کی تقریظ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہٰذہ تحقیق انیق ۔لہٰذا آپ خود اس عبارت کی طرف نظر فرمائیے کہ مبتداء مئونث ہے اور خبر مذکر جس سے مبتداء و خبر کی مطابقت نہ ہوئی ۔اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر یا اسم اشارہ جب مرجع ،مشار الیہ اور خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہے ۔تو ہذا تحقیق کہنا چاہیے تھا یعنی اسم اشارہ کو مذکر ذکر کرتا ۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ ایک جملہ صحیح نہیں کر سکتا اور اعتراضات کرتا ہے علماء کرام پر اور ان کی شان میں بے ادبی کرتا رہتا ہے ۔اور کافیہ نحو میر کے قواعد سے بے خبر ہے اور اپنے علم پر فخر کرتا ہے جس طرح کہ شعر میں ہے کہ : جب اس کی طرف سے فخر کی باتیں آئیں تو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے علقمہ فاخر کے فخر سے ۔یعنی میں نے تعجب کیا ۔(۱)

(۱) مولانا حمد اللہ صاحب نے بہت افسوس کا اظہار کیا کہ شیخ منکر کافیہ کے قواعد کا خیال نہیں رکھتے تو یہ افسوس بے جا ہے کیونکہ شیخ منکر اور اسکی ذریت

علم نحو کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ بدعت سے بچا جاتا ہے۔اور شعبہ کی روایات میں ہے کہ ,, مثل المحدث المفسر الذی لایعرف النحو کمثل الحمار علی رأسہ مخلاۃ لیس فیہا شعیر،یعنی بیہقی شعب الایمان میں مذکور ہے کہ وہ محدث یا مفسر جو علوم عربی سے عاری اور خالی ہو اس گدھے کی طرح ہے جس کے سر کی طرف کنالی رکھی ہو اور اس میں جو نہ ہوں۔یعنی لوگ اس میں علم کا یقین رکھتے ہیں حالانکہ اس میں علم نہیں ہے۔ ۱۲،(حافظ کفایت اللہ)

اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں کتاب کا رد کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ہم آپ اس مقرظ (تقریظ لکھنے والے) کی شان میں ایک عجیب واقعہ سناتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ بندہ ضعیف کے پاس پچھلے سال ایک طالب علم فنون پڑھتا تھا پھر وہ چار سدہ گیا۔جب واپس آیا تو اس نے کہا کہ میں اس مقرظ کے درس میں بیٹھا ہوا تھا جو اس آیتِ کریمہ ''ولا یودہ حفظھما'' کا ترجمہ کر رہا تھا یعنی اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی حفاظت کی ڈیوٹی کسی اور کو نہیں سونپتا تو میں نے کہا کہ مولانا صاحب حفظھما تو یودہ کا فاعل ہے اور آپ نے مفعول بہ کا معنیٰ کیا۔تو مولانا صاحب نے کہا کہ تم کیسے سمجھے کہ یہ فاعل ہے اور مفعول نہیں تو میں نے کہا کہ یہ مرفوع ہے کیونکہ اس کی طرف فعل کی اسناد قیام کے طریقے سے ہوئی ہے اور یہ فاعل کا حال (صفت) ہے تو اس نے کہا کہ فاعل تب مرفوع ہوتا ہے جب مضاف نہ ہو اور تم اس طرح کی مثال بتاؤ کہ فاعل مضاف ہو اور مرفوع ہو تو میں نے قرآن شریف سے مثالیں بیان کیں۔اس کے بعد مولانا نے کہا کہ تم ترجمہ کس طرح کرتے ہو اس آیتِ کریمہ کا تو میں نے کہا کہ ''لا یثقلہ حفظھما'یعنی اللہ تعالیٰ پر ان دونوں کی حفاظت میں بوجھ نہیں اور نہ تکلیف دہ ہے۔اس سے طلباء میں انتشار پیدا ہو گیا بعض میری طرف ہو گئے اور بعض اس کی طرف۔پس تعجب ہے اس دور کے مشائخ پر جو ان مدارس کے علماء و مہتمم ہیں کہ ہر کسی کو سند دے دیتے ہیں لیکن مسلم کے دیباچے میں مذکور اس کی شرائط کی طرف نہیں دیکھتے کہ آیا یہ حقدار ہے یا نہیں۔بلکہ یہ تو ان طلباء کو بھی سند دیتے ہیں جو مرفوع منصوب، مجرور، فاعل اور مفعول کو نہیں جانتے اور نہ کمزور اور طاقتور پہچانتے ہیں اور نہ ہی دایاں اور بایاں جانتے ہیں ایسے واقعات اس زمانے میں بہت ہیں۔

صفحہ :۴۰: پر استفتاء اور فتویٰ نقل کیا ہے۔سوال :مرنے کے بعد جو طریقۂ اسقاط عوام کرتے ہیں کہ فرائض وواجبات تجویز کر کے اس کے فدیہ میں جو گندم وغیرہ ہوں ان کے عوض ایک قرآنِ مجید دے کر سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔یہ طریقہ مروجہ ثابت اور جائز ہے یا نہیں۔از عبدالعزیز مرادآبادی۔

جواب: حیلہ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔اب یہ چند روپے کی خاطر ملاؤں کا مقررشدہ ہے۔حق تعالیٰ نیت سے خوب واقف ہے۔ہاں حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحتِ ورثہ کے۔کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ورنہ لغو اور دینا و دینہ۔فقط واللہ اعلم۔رشید احمد گنگوہی۔

شیخ منکر نے اس کو اس حیلہ پر اعتراض کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔جواب یہ ہے کہ سوال میں جو فرائض وواجبات مقرر کئے گئے ہیں اور اس کے لئے گندم وغیرہ معین کر کے اس کے عوض کلام اللہ دے کر اپنا ذمہ فارغ کر لیتے ہیں۔آپ خود نظرِ انصاف سے دیکھیں کہ ہمارے علاقوں میں حیلۂ اسقاط جو رائج ہے تو کیا اس کا طریقہ ایسا ہے جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے؟ بالکل نہیں بلکہ یہاں تو حسبِ طاقت مال ہوتا ہے جس کو زیادہ کرنے کے لئے گھمایا جاتا ہے تاکہ میت کو نفع زیادہ حاصل ہو اور اس کی تصریح فقہاءِ کرام نے فرمائی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔لہٰذا مرادآباد کے حیلے کے بطلان سے ہمارے علاقے کے حیلے کا بطلان کیسے لازم آئے گا۔یہ قیاس غلط اور فاسد ہے۔

گنگوہی صاحب نے سوال کا مناسب جواب دیا کیونکہ مُفتی سوال کے مطابق جواب دیگا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ گنگوھی کے جواب سے جواز معلوم ہو رہا ہے کہ یہ علماء نے مفلس کیلئے مقرر کیا ہے۔یہ لکھا ہے کہ بعید نہیں کہ اگر نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔اور حیلے کا جواز مفلس کیلئے مال کی کمی اور فدیہ کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔لہٰذا جب علماء نے وضع کیا اور قبولیت کی اُمید منجانب اللہ ہے۔اور فقہاء کرام مثلاً جامع الرموز نے جائز کہا ہے۔اس کے باوجود کہ اگر فدیہ سے جائز نہ ہو پھر بھی امر مستحسن ہے۔اور میت کے لیے فائدہ

مند ہے۔کیونکہ ایصال ثواب میں شک نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ میلاد منانا گاندھی کی تقلید ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس شیخ پر تعجب ہے کہ میلاد میں حضور علیہ السلام کی سیرت واوصاف کا تذکرہ ہوتا ہے اور جب یہ روایات صحیحہ کے ذریعے ہو تو اس کے لیے شرافت ہے۔اور حضور علیہ السلام کے حالات، معجزات، ریاضات اور معاملات کا بیان کرنا آپ علیہ السلام سے محبت کی دلیل ہے۔اور محبت واتباع کا سبب بھی ہے۔آیت کریمہ ہی۔"قُل ان کنتُم تحبون اللہ فاتبعونی"۔۔۔الخ

سلف صالحین آپس میں اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔رہی تخصیص کی بات کہ جس طرح شیخ منکر ترجمۃ القرآن کے لئے کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ اس بات کی تخصیص ہوئی ہے کہ عورتیں خاص وقت میں خاص مکان میں حضور علیہ السلام کا بیان سننے کیلئے جمع ہوتیں تھیں۔ اور جہاں تک منکرات کی بات ہے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ منکرات کی وجہ سے معروف کو نہیں چھوڑا جاتا۔اسی طرح خلیل احمد سہارنپوری نے عقائد علمائے دیوبند میں لکھا ہے کہ مسئلہ میلاد کے بارے میں (ص ۳۱) بعنوان عقیدہ دربارہ میلاد شریف اور ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے دراز گوش (گدھا) کے بول (پیشاب) اور حضور علیہ السلام کے بول وبراز کا تذکرہ کرنا ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔اور اس کتاب میں اس مسئلے کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔عوام کو منکرات سے منع کرنا چاہیئے۔مولانا عبدالحیٔ صاحب نے فتاویٰ میں میلاد شریف کا جواز لکھا ہے اور شیخ دھلوی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میلاد شریف کا ذکر علاقے میں اس سال امن وامان، خوشی کی بشارت کہ اپنے مقصود کو پالے۔(مجموعۃ الفتاویٰ) اس صفحہ پر قیام کا مسئلہ بھی مذکور ہے یعنی جو صاحب وجد شخص اپنے وجد میں صادق ہو اور قیام کرتا ہو مگر بناوٹ اور ریاکاری نہ کرتا ہو تو یہ معذور ہے محبت کے آداب میں سے یہ ہے کہ تمام حاضرین قیام کریں۔آخر میں لکھا ہے کہ حرمین شریفین کے علماء کرام بھی قیام کرتے ہیں۔اس کے بعد امام برزنجی کا قول نقل کیا ہے میلاد کے رسالے میں کہ اصحاب روایت آئمہ کے نزدیک مولد شریف کے ذکر کے وقت قیام کرنا مستحسن ہے۔پس اس شخص کیلئے خوش حالی اور خوش خبری ہے جس کا مقصد حضور علیہ السلام کی تعظیم ہو۔[1] مولانا مذکور نے [2] صفحہ ۱۵۰ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "النعمۃ الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد آدم" کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے کہ میلاد یہ ہے کہ آیت یا حدیث ہو اور اس کی شرح میں اور تفصیل میں حضور علیہ السلام کے فضائل وخصائل، خوارق ومعجزات وارھاصات کا ذکر ہو۔

اسی طرح اسی کتاب میں ہے کہ علم کے نشر کے افراد میں سے ایک فرد میلاد بھی ہے اور ہر علم کے نشر کا ہر فرد مندوب ہے۔لہذا میلاد مندوب ہے۔ [2] آخر میں لکھا ہے کہ ایک فرقہ قلیلہ (تھوڑی تعداد والا) میلاد کا انکار کرتا ہے۔جنکا امام تاج الدین فاکہانی مالکی ہے مگر ان کے پاس مقابلے کی طاقت نہیں۔اور جہاں تک مسئلہ میلاد کے ساتھ خراب امور کا ملانا ہے تو وہ الگ بات ہے اصل مقصد کو ضرر نہیں دیتے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ گاندھی کی تقلید نہیں بلکہ محقق علماء ذی وقار کی تقلید ہے۔پس آپ خود انھیں دیکھیں کہ علماء کرام کی بے ادبی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے تاکہ علم کے دقائق ومعارف انکے دل میں سما جائیں اور بے ادبی سے بچ جائیں۔

(۱) مومن کو تکلیف دینا اور علماء پر بہتان باندھنا عظیم جرم ہے آیت مبارکہ ہے وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿الاحزاب ۵۸﴾ یعنی جو لوگ مومن مرد وعورت کو تکلیف دیں تو انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس وجہ سے یہ لوگ اپنے گاؤں میں میلاد شریف کو اپنے ہاں منع کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔منصف عاقل کیلئے حیلہ

---

[1] (مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۲۹۷ ج ۲)

[2] (مجموعہ فتاویٰ ۲ صفحہ ۱۵۱)

کے مسئلے میں اس قدر کافی ہے۔

چند باتیں جو اس سے متعلق ہیں اب ذکر کی جائیں گی۔

نمبر:۱ قرآن شریف کا اسقاط میں گھمانا۔ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ قرآن شریف کا رکھنا یہ توسل کیلئے ہے جبکہ فرقہ نجدیہ توسل کا منکر ہے۔عمل کے بغیر دوسری چیز سے توسل کو نہیں مانتے قرآن کو وسیلہ بنانا جیسا کہ روایت میں آیا ہے''اللھم ارحمنا بالقرآن العظیم'' شاید یہ حیلہ قرآن کی برکت و وسیلے سے قبول ہو۔فتاوٰی سمرقندی میں ہے'دوران قرآن کے اجزاء کے بارے میں۔اوی طرح واقدی نے فتوح الشام میں لکھا ہے''اخبرہ ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شھاب عن ابی سلمۃ عن ابی موسیٰ قال فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أی دوران الاجزاء للقرآن''۔

(۱)مولانا صاحب نے ان کے لیے دعائی ہے مگر یہ دعا ان حق میں قبول نہ ہوئی کیونکہ شیخ منکر اپنے غلط عقیدے سمیت دار فانی سے دار باقی چلے گئے ہیں اب ان کے مرید یں اپنے غلط عقیدے پر بہت سخت ہیں اور اب اھل سنت کے قتل کو بھی جائز مانتے ہیں بلکہ قتل بھی کیا ہے۔تعوذ باللہ۔(حافظ کفایت اللہ) شیخ منکر نے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ صاحب مفتاح السعادۃ نے فقہیہ ابو اللیث سمرمندی کا فتاوٰی ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا سمرقندی کے فتاوی کا ذکر نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن کے اجزاء کا دوران صحیح نہیں کیونکہ عدم ذکر'عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ذکر وجود پر دلالت کرے گا جیسے کہ یہ وجوہ فاسدہ سے ظاہر ہے۔بے شک اگر کوئی معتمد کتاب یہ تصریح کرتی کہ سمرقندی کا فتاوی نہیں اور اسکی طرف فتاوی کی نسبت صحیح نہیں تو پھر ٹھیک ہوتا۔حالانکہ معتمد کتابوں میں فتاوٰی سمرقندی کا ذکر ہے۔جس طرح کہ فتاوی ھندیہ وغیرہ۔

شیخ منکر نے حدیث پر تنقید کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام سمرقندی متوفیٰ ۳۷۳ھ ہیں۔جس طرح الجواھر المضیئہ صفحہ ۱۹۶ میں ذکر ہے۔اور فوائد بھی صفحہ ۲۲۰ اور مفتاح السعادہ صفحہ ۳۹۱ ج ۲ میں ذکر ہے۔اور یہ بات تم نے بھی مان لی کہ امام سمرقندی فلاں سنہ میں وفات پا گئے جیسے کہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے۔اور وہ زمانہ اجتھاد کا زمانہ تھا۔اور جب مجتہد روایت سے استدلال و استنباط فرمائے اور پھر اس کے بعد نقاد اعتراض اور قدح کریں تو کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اکثر محشی احادیث وکتب فقہ احناف کے دلائل پر اعتراض کرتے ہیں۔بعض کو ضعیف اور بعض کو غریب کہتے ہیں اور بعض کے بارے میں کہتے ہیں کہ لم اجدہ یعنی میں نے اس کو نہیں پایا۔اور اسی طرح کے کئی اعتراضات کرتے ہیں۔

لہذا ہم جواب دیتے ہیں کہ امام کے اختیار کرنے کے بعد یہ کلام استدلال کو ضرر (یعنی نقصان) نہیں دیتا۔اس کی دلیل علامہ شعرانی کا وہ قول ہے جو میزان کبرٰی صفحہ ۷۲ مطبوعہ مصر میں ہے۔فرمایا کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں ضعف نہیں ہے روایت کی جرح سے سلامتی کیوجہ سے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضور علیہ السلام کے درمیان صحابہ وتابعین ہیں۔یعنی انہوں نے حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے۔حالانکہ بعض حفاظ جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔تو اس کا جواب کیا ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ اس کو ان راویوں پر محمول کریں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آئے ہیں اور اس حدیث کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے کے علاوہ دوسرے طریقہ سے لائے ہوں کیونکہ پر حدیث ہم نے امام صاحب کی مسانید ثلاثہ میں پائی ہے لہذا یہ صحیح ہے کیونکہ اگر صحیح نہیں ہوتی تو امام صاحب اس سے استدلال کیوں فرماتے۔اگر اس کے بعد کذاب'مہتم بالکذب راوی آیا ہو تو وہ قدح نہیں کہلائے گا اور ہمارے لیے حدیث کی حجیت اتنی کافی ہے کہ مجتہد اس سے استدلال کرے اور ہم پر اس پر عمل کرنا واجب ہے اگرچہ کسی دوسرے

نے روایت نہ کی ہو۔لہذا آپ یہ باریک نکتہ یاد کرلیں آپ کو کافی فائدہ ملے گا۔(ان شآءاللہ)اور یہ بات تم کسی اور محدث کے قول میں نہ پاؤ گے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف ضعف کی نسبت سے احتراز کرنا چاہیے۔اس کے بعد کہ تم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کرو اور یہ حدیث اس میں نہ پاؤ(علامہ شعرانی)

اللہ تعالیٰ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کو خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اتنی باریک بات بیان ونقل فرمائی۔اور یہ بات اس قابل ہے کہ اسے سنہرے حروف سے لکھا جائے کیونکہ بہت سے وہابیوں کی باتیں اس سے رد ہوگئیں کیونکہ وہ لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کی طرف ضعف کی نسبت کرتے ہیں۔اور یہ ان کے قواعد دینیہ سے جہالت کی دلیل ہے اور جہالت کا فساد بہت غلہ والا (یعنی بہت بڑا) ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

اسی طرح غیر مشہور کتابوں میں بھی دوران قرآن کا تذکرہ آیا ہے اور یہ بھی تائید کیلئے کافی ہے۔اور اس مسئلے کو صرف صاحب قنیہ نے ذکر نہیں کیا اور نہ قبول کیا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ صاحب قنیہ کا قول ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کی کتابیں مذہب کے نقل کیلئے بنائی گئی ہیں۔اور فقہاء کرام کا نقل کرنا ہی کافی ہے۔اور حیلۂ مذکورہ جامع الرموز،شامی،نورالایضاح،مراقی الفلاح،طحطاوی،ھندیہ،حمادیہ،بحرالرائق،منحۃ الخالق وغیرہ کتابوں نے ذکر کیا ہے۔اور نفس حیلہ ثابت ہے جس میں میت کیلئے نفع ہے۔اس لیے کہ اس میں فدیہ کی کثرت ہے کیونکہ ایک سال کے فدیے کے لیے بہت سامال چاہیے۔اور یہ ہر کسی کی طاقت نہیں اسی طرح حیلہ مذکورہ درر المنتقیٰ میں ذکر ہے جیسا کہ طحطاوی علی المراقی ص ۲۳۹ نے ذکر کیا ہے۔جب حیلہ کا ارادہ کرے تو عمر کا حساب گمان غالب سے لگایا جائے۔لڑکے کے بارہ سال اور لڑکی کی نو ۹ سال کم کرکے یہ طریقہ کئی بار کرے۔اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نماز میں نقصان کا احتمال ہونا ہے شرط اور رکن چھوڑنے کی وجہ سے کیونکہ اکثر لوگ لا علمی کی وجہ سے اس کا خیال نہیں کرتے۔لہٰذا حیلے کا جواز ثابت ہوا۔اور جب فقہاء کرام نے اپنی مذہب کی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے اور اس حیلہ میں اصولِ دین کی مخالفت بھی نہیں بلکہ تائید موجود ہے اور میت کو فائدہ بھی ہے تو اس کے جواز سے کون سی چیز مانع ہے؟اس کے علاوہ صدقہ کرنا تو اس میں فائدہ ہی ہے کیونکہ صدقہ کرنا مستحسن ہے۔کیونکہ نہی ضیافت کے بارے میں ہے نہ کہ صدقہ کے بارے میں۔اسی طرح طحطاوی صفحہ :۳۳۹: میں ہے کہ شارح کے قول ویکرہ الضیافۃ۔۔۔الخ کے بعد یعنی اہلِ میت کی ضیافت کرنا مکروہ ہے۔بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے دن کھانا پکانا،ہفتہ کے بعد،مقبرہ میں طعام کا لے جانا مواسم میں،قرأت قرآن کے موقع پر دعوت،قرّاء،صلحاء کو ختم قرآن کے لئے جمع کرنا،سورۃ الانعام،سورۃ الاخلاص وغیرہ کی تلاوت یہ مکروہ ہے۔لیکن برہان حلبی نے لکھا ہے کہ یہ بات اعتراض سے خالی نہیں۔کیونکہ کراہت کی کوئی دلیل نہیں بغیر جریر کی حدیث کے جو پہلے گزر چکی ہے۔جس میں ہے کہ ہم میت کے لئے جمع ہونا اور کھانا پکانے کو نیاحت کی طرح مکروہ جانتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جاہلیت کا فعل کراہت پر اس وقت دلالت کرتا ہے جب موت کے وقت ہو فقط نہ کہ دفن کے وقت اور مرنے کے بعد ہو۔اس کے علاوہ اس کے مقابل وہ روایت ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جنازے کے ساتھ گئے اور جب ہم واپس آئے تو میت کی بیوہ کی طرف سے بلاوا آیا اور کھانا لایا گیا۔۔۔الخ یہ حدیث میت کے اہل کی طرف سے کھانے پر اور دعوت پر دلالت کرتی ہے۔اور یہ بات بزازیہ میں کتاب الاستحسان سے ذکر کی گئی ہے۔اور اگر فقرآء کے لئے طعام (کھانا) پکایا تو حسن (یعنی اچھا) ہے۔لیکن اگر ورثاء میں نابالغ ہو تو پھر یہ میراث میں سے نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دَور میں ایسے لوگ بیٹھتے ہیں جو ایجاب وقبول کا علم نہیں رکھتے تو میت کے اولیا، یا اس عالم یا امام پر لازم ہے کہ یہ تمیز کرے کہ کون اہل ولائق ہے اور کون اہل نہیں ہے۔لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور یہ بات کئی بار مشاہدہ میں آئی ہے۔ہم نے تو مردہ کے نفع کے لئے پروگرام بنایا ہے تو ایسا کام ہونا چاہئے کہ اس کو نفع پہنچے۔اور جو کام بھی صحیح طریقے سے ہو اس میں فائدہ ہوتا ہے۔مگر لوگ غفلت کرتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں تمیز نہیں کرتے۔لہٰذا اس کام میں احتیاط واجب ہے اور صحیح راستہ طلب کرنا چاہئے تا کہ کام بھی صحیح ہو۔[1]

بس کنم خود زیر کان را ایں بس است

(۵۹)﴿باب نمبر انسٹھ مسئلہ علم تصوف کی فرضیت کا بیان﴾

بعض علماء فرضیتِ طلبِ علمِ تصوّف سے انکار کرتے ہیں حالانکہ علمِ باطن اور علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔تمام بڑے ائمہ کرام اور صوفیہ کرام اس علم کے حصول سے مشرف ہوئے۔بہت سی احادیث مبارکہ سے بھی علمِ باطن ثابت ہے۔اور اولیاء کرام نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے۔علمِ تصوف نصوص قطعیہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کا طلب کرنا فرض عین ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے :واما العلم اللدني في الذي يسمون أهلها بالصوفية الكرام فهو فرض عين لان ثمراتها تصفيه القلب عن الاشتغال بغير الله تعالى واتصافه بدوام الحضور وتزكية النفس عن رذائل الأخلاق من العجب والكبر والحسد وحب الدنيا والكسل في الطاعات وإيثار الشهوات والرياء والسمعة وغير ذلك وتجليتها بكرام الأخلاق من التوبة والرضا بالقضاء والشكر على النعماء والصبر على البلاء وغير ذلك ولا شك ان هذه الأمور محرمات وفرايض على كل بشر أشد تحريما من معاصي الجوارح وأهم افتراضا من فرائضها فالصلوة والصوم وشيء من العبادات لا يعبأ بشيء منها ما لم تقترن بالإخلاص والنية قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم ان الله لا يقبل من العمل الا ما كان له خالصا وابتغي به وجهه رواه النسائي عن ابى امامة وقال عليه السلام ان الله لا ينظر الى صوركم وأموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم- رواه مسلم عن ابى هريرة وكل مايترتب عليه من الفروض الأعيان فهو فرض عين والله اعلم۔

(ترجمہ)''اور علم لدنی جس کے حاملین صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے مسمّی ہیں، کا طلب کرنا فرض عین ہے کیونکہ اس علم کا ثمرہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ تعالیٰ کے اشتغال سے دل صاف ہو جائے اور دوام حضور سے متصف ہو جائے اور نفس بھی اخلاق رذیلہ سے صاف ہو جائے، مثلاً خود پسندی، تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی، شہوات نفسانی کو پسند کرنا، ریاکاری، سمعہ وغیرہا، نیز نفس اخلاق حمیدہ سے متصف ہو جائے مثلاً توبہ کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، مصائب پر صبر کرنا وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ اخلاق رذیلہ ہر بشر مکلف پر جوارح کے محرمات سے اشد محرمات ہیں اور مذکورہ فرائض ہر بشر مکلف پر جوارح کے فرائض سے اشد ہیں کیونکہ نماز، روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک معتد بھا اور مقبول نہیں ہیں جب تک کہ اخلاص دل اور صدق نیت ان کے ساتھ شامل نہ ہو۔حضور اقدس افرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہو اور اس عمل سے مقصود رضائے خداوندی کا طلب کرنا ہو۔نیز نبی کریم افرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔''[2]

(۶۰)﴿باب نمبر ساٹھ مسئلہ : بعض سنتوں کو بدعت کہنے کا بیان﴾

بعض علماء، رسول اللہ ﷺ کی سُنتوں کو بدعت کہتے ہیں۔مثلاً کسی نے عمامہ شریف باندھا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعتیوں کا شعار ہے۔افسوس صد افسوس

---

[1] (البصائر ص ۲۰۲ تا ۲۱۸)

[2] (مظہری ج ۴ سورۃ توبہ ص ۳۲۴)

ہے ان لوگوں پر جو عمامہ شریف کو بدعتیوں کا شعار کہتے ہیں۔ حالانکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پگڑی (عمامہ شریف) کے بارے میں ان الفاظ (باب ماجاء فی عمامۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔[1]

اور میں حیران اس بات پر ہوں کہ یہ لوگ سنت کسے کہتے ہیں۔ ان اہلِ ھواء کا یہ طریقہ ہے کہ قرآن کریم میں جو آیات مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اُن کو صادق اور صحیح العقیدہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ اور جہاں بتوں کا ذکر آتا ہے وہاں وہ اولیاءِ کرام پر چسپاں کرتے ہیں جو کہ پہلے خوارج کا طریقہ تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف اپنے اس اثر کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

و کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یراھم شرار خلق اللہ و قال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔[2]

(۶۱) ﴿باب نمبر اکسٹھ مسئلہ : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے کا بیان﴾

بعض علماء نداءِ انبیاءِ کرام علیہم السلام بالخصوص نداءِ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرک کہتے ہیں حالانکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شعار تھا۔

جیسے حافظ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ثمّ نادیٰ بشعار المسلمین و کان شعارھم یومئذٍ یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[3]

اس روایت کو علامہ ابن اثیر نے بھی اپنی کتاب[4] میں ذکر کی ہے۔ لکھتے ہیں : ثم برز خالد و دعا الی البراز و نادیٰ بشعارھم و کان شعارھم یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم یبرز الیہ احد الا قتلہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جنگ کے وقت یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے کا معمول تھا۔ کیونکہ ابن کثیر و ابن اثیر نے اس کو شعار المسلمین یعنی مسلمانوں کی علامت فرمایا ہے۔

بنا کی جنگ میں ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ و کان شعار المسلمین تلک اللیلۃ ینادون یا محمد یا محمد ایا نصر اللہ انزل۔ (فتوح الشام)

اس روایت سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شعار یہ تھا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتے تھے۔ اور نصر اللہ انزل کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے تھے۔ شعار اس لفظ کو کہتے ہیں جس کو فوج اپنے درمیان مقرر کرتی ہے تاکہ دوست اور دشمن کے درمیان فرق ہو جائے۔ صحابہ کرام ث نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ جو یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے اسے مسلمان مانا جائے گا۔ اور جو یہ نہ کہے وہ مرتد اور کافر ہوگا۔[5]

شعار یعنی یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نشانی تھی۔ اسی طرح آج جو بھی لوگ یارسول اللہ یا حبیب اللہ یا محمداہ کہتے ہیں تو وہ صحیح اہلسنت والجماعت ہیں۔ اور مخالفت کرنے والے گمراہ کافر بے دین ہیں۔ اور بعض تو "یارسول اللہ" کہنے کو زنا سے بھی بدتر کہتے ہیں جیسے منیر شاکر زندیق نے کہا ہے۔ حالانکہ نداء خصوصاً فی الجھاد الی الغائب اور نداء الی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطلب المعونۃ الروحانی باذن اللہ تعالیٰ اور بوجہ عشق و محبت آداب کے دائرہ میں (بمع درود شریف) جائز ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ہم نے ندا "یارسول اللہ" پر ۳۱۳ دلائل پیش کیے ہیں۔

---

[1] (شمائل ترمذی ص ۸)

[2] (بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴ باب قتال الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ)

[3] (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۲۹ ج ۶)

[4] "الکامل فی التاریخ" ص ۲۴۶ (مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

[5] (قاموس ص ۲۸، صراح ص ۱۸۷، لغات الحدیث ص ۵۸، لغات عربی مختار الصحاح ص ۳۳۹، المنجد ص ۵۳۰، مفردات ص ۵۴۱)

دلیل نمبر ۱:

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی۔یعنی اے رسول، اے نبی ﷺ کے ذریعے ندا کی گئی ہے اور جو کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ شرک نہیں ہوتا کیونکہ قرآن پاک شرک کی تعلیم نہیں دیتا

دلیل نمبر ۲:

پارہ چوبیس (۲۴) سورہ زمر آیت نمبر ۳۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت تک پیدا ہونے والی تمام امت کو آپ ﷺ نے "یا عبادی" کہہ کر مخاطب فرمایا ہے لہٰذا اس کے جواب میں امتی "یارسول اللہ" کہہ سکتے ہیں۔نہ وہ شرک تھا اور نہ یہ شرک ہے۔

دلیل نمبر ۳:

پارہ نمبر ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے درمیان اس طرح مخاطب نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کر کے آواز دیتے ہو۔[۱]

اس آیت کی تفسیر میں سعید بن جبیر اور مجاہد نے فرمایا "قولوا یا رسول اللہ فی رفق ولین ولا تقولوا یا محمّد بتجھم"[۲]

جسطرح تم لوگ ایک دوسرے کو نام لے کر سخت لہجے میں پکارتے ہو اس طرح حضور ﷺ کو مت پکارا کرو بلکہ آپ ﷺ کی صفات کا ذکر کر کے نہایت ادب و نرمی سے یارسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارا کرو۔

دلیل نمبر ۴ :

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور مفسر صاوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ھٰذا فی حیاتہ و کذا بعد وفاتہ فی جمیع مخاطباتہ"[۳]

یہ حکم آپ ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کا نام مبارک انتہائی ادب سے لینا ضروری ہے۔

دلیل نمبر ۵ :

یَاآدَمُ أَنۢبِئۡهُم بِأَسۡمَائِهِمۡ (سورۂ بقرہ-۴ع)

یعنی اے آدم علیہ السّلام انھیں تمام اشیاء کے نام بتا دیجئے۔

دلیل نمبر ۶ :

یَاآدَمُ اسۡكُنۡ أَنتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ (سورۂ بقرہ-۴ع)

اے آدم علیہ السّلام آپ اور آپ کی زوجہ جنّت میں رہیئے۔

دلیل نمبر ۷:

---

[۱] (سورۃ النور ۲۴، آیت نمبر ۶۳)

[۲] (تفسیر قرطبی، ص ۲۲۲، ج ۱۲)

[۳] (شرح الشفاء، ص ۳۸۶، ج ۳، تفسیر صاوی، ص ۱۴۹، ج ۳)

يَانُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ (سورۂ ھود ۴۸-۷ ع)

اے نوح علیہ السّلام ہماری طرف سے سلامتی اور برکت کے ساتھ کشتی سے اتر جائیں۔

دلیل نمبر ۸ :

يَامُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ (سورۂ قصص-ع)

اے موسیٰ علیہ السّلام بے شک میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں۔

دلیل نمبر ۹:

يَاإِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا (سورۂ ھود-)

اے ابراہیم علیہ السّلام اس سے اعراض فرمائیے۔

دلیل نمبر ۱۰ :

يَاعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ (آل عمران-۵۵)

اے عیسٰی علیہ السّلام میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤنگا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤنگا۔

دلیل نمبر ۱۱:

پارہ اٹھارہ (۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" یعنی اعراف والے جو مشرک نہ ہونگے بلکہ موحد ہونگے جنّتیوں کو کہیں گے تم پر سلامتی ہو۔اس سے بڑھ کر "السّلام علیک یارسول اللہ" کہنا ثابت ہوا۔

دلیل نمبر ۱۲ :

آپ ﷺ نے ہر زمانے میں ہر نمازی کو اس طرح سلام عرض کرنے کا حکم فرمایا۔ "السّلام علیک ایّھا النّبی" اے اللہ کے نبی ﷺ آپ پر سلامتی ہو۔[۱]

دلیل نمبر ۱۳:

آپ ﷺ جب بھی کسی درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ بلند آواز سے "الصّلٰوۃ والسّلام علیک یارسول اللہ" کہتا۔[۲]

دلیل نمبر ۱۴ :

آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی سواری گم ہو جائے تو وہ بلند آواز سے پکارے "یاعباداللہ احبسوا"[۳]

دلیل نمبر ۱۵:

---

[۱] (مشکوٰۃ شریف ص ۸۵)

[۲] (سیرت حلبیہ ص ۲۱۴ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۵۴۰)

[۳] (حیاۃ الحیوان ص ۳۱۹ ج ۱، البصائر ص ۱۵۱ المولوی حمداللہ دیوبندی، الرسائل الستہ فی المسائل الستہ ص ۵۲، صواعق الھیہ ص ۳۵)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی غیر آباد علاقے (اجنبی جگہ) میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ وظیفہ پڑھے۔ "اعینونی یا عباد اللہ" اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔[1]

چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اس لیے یارسول اللہ (ﷺ) کہہ کر ان سے مدد طلب کرنا بطریق اولیٰ جائز وثابت ہوا۔

دلیل نمبر ۱۶ :

صحابی رسول ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے صحابی کو وظیفہ "یا محمدﷺ" سکھایا جو حاجت مند تھا جب انہوں نے اس وظیفے پر عمل کیا تو خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً انکی حاجت پوری کر دی۔[2]

دلیل نمبر ۱۷:

ابن حنیف رضی اللہ عنہ اور انکے صاحبزادے رضی اللہ عنہ (یعلمون الناس) لوگوں کو وظیفہ یا محمدﷺ کی تعلیم دیتے تھے۔[3]

دلیل نمبر ۱۸ :

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص روضہء نبوی ﷺ پر حاضر ہو تو وہ یوں سلام عرض کرے "السلام علیک ایھا النبی"[4]

دلیل نمبر ۱۹ :

ابن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ سے سلام عرض کرتے تھے "السلام علیک یا رسول اللہ"[5]

دلیل نمبر ۲۰ :

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "یا اُمّۃ محمّد واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیراً"[6]

یعنی اے محمدﷺ کی امت خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر تم اسے جانتے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ اس حدیث مبارکہ میں تمام امت کو خطاب ہوا ہے لہٰذا تمام امتی بھی آپ ﷺ کو "یارسول اللہ" کے ساتھ خطاب کر سکتے ہیں۔ نہ وہ کفر تھا اور نہ یہ کفر ہے۔

دلیل نمبر ۲۱:

"یا ابابکر انّ اللہ سماک الصّدیق"[7]

---

[1] (نزل الابرار ص ۳۳۵، المولوی وحید الزمان غیر مقلد، تسکین الصدور ص ۳۳۴، اثبات الاغراض ص ۶۵) مولوی شیخ القرآن شائستہ گل رحمتہ اللہ علیہ، سماع البعید ص ۱۰۹، روح البیان ص ۱۰۱۷ ج ۲، سُنن الھدیٰ ص ۴۶۴)

[2] (انجاح الحاجۃ ص ۱۰۰، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۳۸ ج ۲، اثبات الاغراض ص ۷۶)

[3] (نسیم الریاض ص ۱۱۴ ج ۳)

[4] (انوار محمدیہ ص ۶۰۰)

[5] (انوار محمدیہ ص ۶۰۰)

[6] (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۰)

[7] (کنز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام صدیق رکھا ہے۔

دلیل نمبر ۲۲:

تبلیغی جماعت کے قائد اور دیوبندی مسلک کے ممتاز عالم مولوی زکریا لکھتے ہیں۔میرے خیال میں اگر درود اور سلام دونوں یکجا ہو جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔یعنی "السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا نبی اللہ" وغیرہ کی جگہ اگر "الصّلٰوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ، الصّلٰوۃ والسّلام علیک یانبی اللہ" آخر تک..... پڑھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔[1]

دلیل نمبر ۲۳ :

مجاھد حق گو، فاضل العصر، کامل الدھر، صادق الاحوال عاشق الرحمٰن والرسول حضرت مولانا الحاج محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبحان ربی الاعلٰی میں لکھا ہے کہ :

تکیہ دھمہ بے کسانو لاس راکیرہ : ولاب پہ کمر یارسول اللہ یم

پہ مخ ستام ستا شفاعت شہ نصب : لائق دستگیر یارسول اللہ یم

اسی طرح تمام نعتیہ کلام اس کتاب میں ہے جس میں یارسول اللہ ﷺ کہا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۲۴:

"لاتتّخذوا ھم غرضا من بعدی"[2]

میرے بعد میرے صحابہ (کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنانا اس حدیث شریف میں "الخطاب للحاضرین فی الذھن ممن یجئی بعدہٗ" قیامت تک پیدا ہونے والوں کو ذہن میں حاضر رکھ کر خطاب کیا ہے جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو ذہن میں حاضر رکھ کر خطاب کرنا درست ہے۔لہٰذا دونوں جہانوں کے سردار، شاھد اعظم ﷺ کو روحانی طور پر حاضر ماننا اور انھیں یارسول اللہ (ﷺ) کہہ کر پکارنا اور نداء کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۲۵ :

آپ ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو بینائی کے لئے یہ وظیفہ سکھایا "یا محمّد انّی اتوجّہ بک الی ربّک" اے محمّد ﷺ، میں آپ ﷺ کے وسیلے سے آپ ﷺ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔[3]

دلیل نمبر ۲۶ :

بانی دارالعلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ :

کروڑوں جرم کے آگے یہ نام کا سلام : کرے گا یا نبی اللہ میری یہ کیا پکار

---

[1] (فضائل درود شریف ص ۲۷)

[2] (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

[3] (ابن ماجہ ص ۱۰۰، شفاء ص ۲۱۲ ج ۱)

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا : نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار[1]

دلیل نمبر ۲۷:

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

یارسول اللہ شفاعت از تو میدارم امید : باوجود صد ہزاراں جرم در روز جزا[2]

دلیل نمبر ۲۸ :

حسن السنجری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

کعبۂ دل قبلۂ جان یارسول اللہ توئی : سجدہ مسکین حسن ہر لحظہ بادا سوئے تو[3]

دلیل نمبر ۲۹ :

حضرت محمّد بن سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی طرف پاپیادہ گیا جب راستے میں کمزوری پیدا ہوئی تو میں نے عرض کی "انا فی ضیافتک یا رسول اللہ"[4]

دلیل نمبر ۳۰ :

ایک مرتبہ احمد بن محمّد رحمۃ اللہ علیہ کنویں میں گر گئے انہوں نے "یا حبیبی یا محمّد" کہا تو فوراً باہر نکل آئے۔ [5]

دلیل نمبر ۳۱:

"یا ابابکر ھذا جبرئیل یقرئک من اللہ السّلام"[6]

اے ابوبکر یہ جبریل علیہ السلام آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کہتے ہیں۔

دلیل نمبر ۳۲:

"یا ابادوس ایاک و مشاورۃ النساء"[7]

اے ابودوس عورتوں کے مشورے سے بچتے رہنا۔

دلیل نمبر ۳۳ :

---

[1] (البصائر ص ۵۰، بحوالہ الشہاب الثاقب) (قصائد قاسمی از مولوی محمد قاسم نانوتوی مکتبہ رشیدیہ دہلی ص ۸)

[2] (بحوالہ البصائر ص ۷۷ مولوی حمد اللہ دیوبندی)

[3] (بحوالہ البصائر ص ۷۷ مولوی حمد اللہ دیوبندی)

[4] (حجۃ اللہ ص ۱۵)

[5] (حجۃ اللہ ص ۴۱۵ ج ۲)

[6] (کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

[7] (کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

"یا اباذر انّه لا یضر من الدنیا ما کان للاخرة"[1]

اے ابوذر رضی اللہ عنہ دنیا کی کوئی چیز بھی آخرت کیلئے مضر (نقصان دہ) نہیں۔

دلیل نمبر ۳۴ :

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مردہ کو دعائیہ صورت میں اس انداز سے پکارنا جائز لکھا ہے۔ "ویقول یا سیدی احمد بن علوان ان لم ترد علیَّ ضالتی لنزعتک من دیوان الاولیاء فان اللہ یرد علی من قال ذلک ضالة ببرکته"[2]

حاصل عبارت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور اس کا ارادہ ہو کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ واپس کر دے تو اسے چاہئے کہ بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو کر سورۃ فاتحہ پڑھ کر آپ ﷺ کی روح مبارک کو اور پھر سیدا حمد بن علوان کی روح مبارک کو بخش دے اور مذکورہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گمشدہ چیز کو واپس فرما دیگا۔ اگر مردے کو آواز دینا یعنی پکارنا منع (ناجائز) ہوتا تو علّامہ شامی یہ کیوں نقل فرماتے۔

دلیل نمبر ۳۵:

کثیر بن محمد کسی مرض میں مبتلا تھے۔ حکیم نے کہا کہ اس مرض کی کوئی دوا نہیں ہے۔ انہوں نے "یا محمد انّی اتوجه بک الی ربّک۔" پڑھا تو بالکل تندرست ہو گئے۔[3]

دلیل نمبر :۳۶

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی اذان سنتے اور اس میں حضُور پُرنور ﷺ کا اسمِ مبارک سنتے تو دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے اور پڑھتے "قرة عینی بک یا رسول اللہ"[4]

دلیل نمبر ۳۷ :

بہت سے مشائخ کرام کا یہ معمول ہے کی وہ جب بھی آپ ﷺ کا نام پاک سنتے تو "صلّی اللہ علیک یا سیّدی یا رسول اللہ" پڑھتے۔[5]

دلیل نمبر ۳۸ :

حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی قدس سرّہ دونوں انگوٹھے چوم کر "قرّة عینی بک یا رسول اللہ" پڑھتے۔[6]

دلیل نمبر ۳۹ :

سیّدنا حمزہ اور سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ "لا الہ الاّ اللہ" کے بعد سب سے بہترین وظیفہ "الصّلٰوة والسّلام علیک یا

---

[1] (کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

[2] (شامی مصری ص ۳۳۴ ج ۳، جاء الحق ص ۱۹۹، اعلام المومنین ص ۵۳ لمولوی سید احمد شاہ دیوبندی)

[3] (حجۃ اللہ ص ۴۱۹ ج ۲)

[4] (روح البیان ص ۲۲۹ ج ۷، جلالین ص ۳۵۷، برحاشیہ نمبر ۱۳)

[5] (مقاصد حسنہ ص ۳۸۴، ص ۳۸۵)

[6] (جواہر مجددیہ ص ۵۲)

رسول اللہ" ہے۔[1]

دلیل نمبر ۴۰ :

آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کعبہ شریف میرے روضۂ مطہرہ پر حاضر ہو کر السلام علیک یا محمد ﷺ کہے گا اور میں اس کے جواب میں وعلیک السلام یا بیت اللہ کہوں گا۔[2]

دلیل نمبر ۴۱ :

کنز العباد میں ہے کہ آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔[3]

دلیل نمبر ۴۲ :

"انا جلیس من ذکرنی"

مجھے جہاں بھی یاد کیا جاتا ہے میں وہاں موجود ہوتا ہوں۔[4]

دلیل نمبر : ۴۳

"من قال عشرة مرة الصلٰوة والسَّلام علیک یا رسول اللہ فکانما اعتق رقبة"

یعنی جس نے دس مرتبہ الصّلٰوة والسّلام علیک یا رسول اللہ پڑھا تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ (ان شاء اللہ)[5]

دلیل نمبر ۴۴ :

مولوی حسین احمد دیوبندی نے لکھا ہے۔ "الصّلٰوة والسَّلام علیک یا رسول اللہ وجملة الصور للصّلٰوة ولو بخطاب ونداء عند علمائنا مستحب مستحسن"[6]

دلیل نمبر ۴۵:

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں "واحضر فی قلبک النبی ﷺ وشخصه الکریم وقل السلام علیک ایّها النبی ورحمة اللہ وبرکاته، ولیصدق املک فی انّه یبلغه ویرد علیک ماهو اوفی منه"

یعنی اپنے دل میں آپ ﷺ کو حاضر رکھو اور انکی سراپا نور شخصیت کا تصور کرو پھر کہو السلام علیک ایّها النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اور یہ یقین رکھو کہ میرا اسلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے اور آپ ﷺ جواب عنایت فرماتے ہیں۔[7]

---

[1] (افضل الصلٰوۃ للنبہانی ص ۱۱۰)

[2] (تفسیر عزیزی فارسی سورۃ بقرہ ص ۴۶۳)

[3] (طحطاوی ص ۱۱۱، شامی ص ۲۹۳ ج ۱)

[4] (سعادۃ الدارین ص ۴۵۴، مدارج النبوۃ ص ۵۷۰ روح البیان ص ۳۳۵ ج ۲)

[5] (بحوالہ نسیم الریاض ص ۴۹۳ ج ۳، المدارج السنیہ ص ۵)

[6] (الشہاب الثاقب ص ۶۵)

[7] (احیاء العلوم ص ۱۶۹ ج ۱، عمدۃ القاری ص ۱۱۱ ج ۶، مواہب لدنیہ ص ۳۲ ج ۲، سعایہ ص ۲۲۷ ج ۱، حجۃ السالکین فی رد المنکرین ص ۹۷)

دلیل نمبر ۴۶ :

حضرت آدم علیہ السلام بروز قیامت بلند آواز سے فرمائیں گے "یا احمد یا احمد ھذا رجل منطلق بہ الی النار"[1]

اے احمد اے احمد (ﷺ) اس آدمی کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔

دلیل نمبر ۴۷ :

جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ کے لوگ چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے بچیاں گلیوں میں گھوم کر یہ نعرہ "ینادون یا محمّد یا رسول اللہ" بار بار لگاتے۔[2]

دلیل نمبر ۴۸ :

صالح بن شوشا فرماتے ہیں کہ ہم کشتی میں سوار تھے کہ دشمن کے جہاز نے ہمارا تعقب (پیچھا) کیا قریب تھا کہ ہماری کشتی ڈوب جاتی کہ میں نے عرض کیا "یا محمد ﷺ نحن فی ضیافتک الیوم یا رسول اللہ"[3]

یعنی یارسول اللہ ہم آج آپ ﷺ کے مہمان ہیں اچانک دشمن کے جہاز کا بادبان پھٹ گیا اور ہم خیریت سے تیونس پہنچ گئے۔

دلیل نمبر ۴۹:

محمّد بن محمود کو کبھی کبھی بخار آتا تھا انہوں نے ایک دن کتاب الشفاء کو سینے پر رکھا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے آپ ﷺ پر تکیہ کیا ہے تو فوراً بخار ختم ہو گیا۔[4]

دلیل نمبر ۵۰ :

سید العشاق، رئیس مداح سیّد نا محمّد ﷺ حاجی محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یارسول اللہ! ہِ غم کبن ڈوب شو یاران تا پسے۔

یعنی اے اللہ کے محبوب! آپ کے سارے ساتھی آپ کے غم میں نڈھال ہو گئے ہیں۔

دلیل نمبر ۵۱ :

ایک بزرگ سرکار دو عالم ﷺ کے مواجہ شریف میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ انّی جائع۔ یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ میں بھوکا ہوں ایک سیّد زادے آئے اور ان کو ساتھ لے گئے اور کھانا کھلایا پھر فرمایا کہ "اخی لو طلبت الجنّہ او المغفرۃ او الرضاء" یعنی اے بھائی کاش کہ آپ شہنشاہ رسالت سے جنت، مغفرت یا رضا خداوندی مانگتے تو اچھا ہوتا۔[5]

---

[1] (القول البدیع ص ۱۲۳)

[2] (مسلم شریف ص ۴۲۹)

[3] (حجۃ اللہ ص ۴۱۶ ج ۲)

[4] (حجۃ اللہ ص ۴۱۶ ج ۲)

[5] (حجۃ اللہ ص ۴۲۸ ج ۲)

دلیل نمبر ۵۲:

ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی ستر ۷۰ مرتبہ صلّی للہ علیک یارسول اللہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بلند آواز سے کہتا ہے کہ تجھ پر بھی درود ہو آج تیری مراد پوری ہوگی۔[1]

دلیل نمبر: ۵۳

حضرت یامین بن محمد فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے وادی القراء پہنچے تو بھوک نے بہت ستایا ہمارے ساتھی نے عرض کیا یا رسول اللہ نحن جیاع و نحن فی ضیافتک یا رسول اللہ۔ یعنی یارسول اللہ ﷺ ہم بھوکے ہیں اور آپ ﷺ کے مہمان ہیں تو فوراً مدینہ منورہ کی روٹیاں آئیں اور ہم نے تین دن تک تناول کیں۔[2]

دلیل نمبر ۵۴ :

حضرت جامع الشریعت والطریقت عالم باعمل مرشد اکمل حاجی محمد امین صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں۔

یا محمّد عربی تا پسے بہ مرم ترکومہ یعنی یا محمّد عربی آپ ﷺ پر کب تک مرتا رہونگا

دَ ہنکندن سلکسئ بہ تا پسے وھم ترکومہ یعنی آپ ﷺ کی جدائی میں نزع کی تکلیف کب تک سہتا رہونگا

دو انڑہ جہانہ چہ روخانہ کڑہ رب ستالمخہ یعنی دونوں جہاں کو اللہ نے آپ ﷺ کے چہرے سے روشن کیا

ستا دھجران تو روتیروکی بہ راہ یم ترکومہ یعنی آپ ﷺ کے ہجر کی تاریکی میں کب تک رہونگا۔

ما دوصال ساحل تہ اورسوہ للّٰہ محبوبہ یعنی مجھے للہ وصال کے ساحل تک پہنچا اے محبوب ﷺ!

ترینخ سمندر کی دَ ھجران بہ خکتہ حم ترکومہ یعنی ھجر کے ترش سمندر میں کب تک نیچے جاتا رہونگا۔

کو ردِ زڑ گی مِ شو دوخانہ ستادمخ پہ شمع یعنی میرے دل کا محل آپ کے شمع چہرہ سے روشن ہوا

لکہ پتنگ بہ پہ لمبو سر خونہ خورم ترکومہ مانند یعنی پتنگ شعلوں پر کب تک گھومتا رہونگا

ترحم اے دَ مدینے منورے مسیحا یعنی اے مدینہ منورہ کے مسیحا رحم فرمائیے

پٹئ دصبر بہ پہ زخم دزڑہ گدم ترکومہ یعنی صبر کی پٹی دل کے زخم پر کب تک لگاتا رہونگا

یو دھجران بل دَ پاکستان غمونہ یعنی ایک ھجر کا غم اور دوسرا پاکستان کا غم

زہ محمد آمین بہ داد واڑہ زغمم ترکومہ یعنی میں محمد امین ان دونوں کو کب تک برداشت کرتا رہونگا[3]

دلیل نمبر ۵۵ :

ایک پکڑے ہوئے ہرن نے فریاد کی "یا رسول اللہ ان لی اولاداً" اے اللہ کے رسول ﷺ میرے بچے بھوکے ہیں مجھے آزاد کیجئیے

---

[1] (حجۃ اللہ ص ۴۴، انوار محمدیہ ص ۶۰۱)

[2] (حجۃ اللہ ص ۴۲۹)

[3] (دستور جماعت ناجیہ صالحہ ص ۹)

تا کہ میں انھیں دودھ پلا آؤں۔[1]

دلیل نمبر ۵۶ :

حضرت ابوالخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ اس حال میں پہنچا کہ میں نے پانچ دن سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں پھر منبر رسول ﷺ کے پاس سوگیا۔خواب میں زیارت رسول ﷺ ہوئی اور آپ ﷺ نے روٹی عنایت فرمائی میں نے فوراً کھانا شروع کر دی آدھی روٹی کھائی تھی کہ بیدار ہوگیا کیا دیکھتا ہوں کہ آدھی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔[2]

دلیل نمبر ۵۷:

شیخ بہاء الدین شطاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف الارواح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف پھر دل پر یارسول اللہ کی ضرب لگائے۔[3]

دلیل نمبر ۵۸ :

مذاھب اِربعہ کے محقق سیدی عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سادات کرام اپنے درمیان اختلاف شروع کرتے ہیں تو میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر یارسول اللہ ﷺ کہتا ہوں اور ان کی اصلاح کیلئے دعا کرتا ہوں۔[4]

دلیل نمبر :۵۹

سیدی عبدالقادر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ روضہ ء اقدس پر حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ آپ کا غلام حاضر ہے۔یارسول اللہ ﷺ آپ کی بارگاہ کا ایک کتا آپ کے روضے کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی ایک نظر کرم مجھے مایوسی سے مستغنی کر دیگی۔یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی مہربانی کی ایک جھلک بھی میرے لیے کافی ہوگی۔تو روضہ ء انور سے آواز آئی کہ تو میرا بیٹا ہے اور میرے روضہ ء انور کی برکت اور اسکے سبب سے تو میرا منظور نظر ہے۔[5]

دلیل نمبر ۶۰ :

بیروت کے ایک پریشان حال شخص کو علامہ یوسف نبھانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح درود شریف سکھایا" اَللّٰھُمّ صلّ علٰی سیّدنا محمّدو علٰی اٰل سیّدنا محمّد قلت حیلتی ادرکنی یارسول اللہ"[6]

جب انہوں نے یہ درود شریف پڑھا تو مشکل حل ہوگئی۔

---

[1] (القول البدیع ص ۱۴۸)

[2] (حجۃ اللہ ص ۴۲۸ ج ۲)

[3] (اخبار الاخیار ص ۱۹۹ فارسی)

[4] (لطائف المنن ص ۱۵ ج ۲)

[5] (جامع کرامات الاولیاء ص ۲۱۸ ج ۲)

[6] (جواھر البحار ص ۳۵۴ ج ۲)

دلیل نمبر :۶۱

سیدنا علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آئمہ مجتہدین جب مسائل کا استنباط فرماتے تو کتابوں میں انھیں لکھنے سے پہلے بالمشافہ آپ ﷺ سے پوچھتے کہ "یارسول اللہ! قد فھمنا کذا من آیات کذا و فھمنا من قولک فی الحدیث الفلان کذا فھل تحبُّ"[1]

یعنی یارسول اللہ ہم نے فلاں آیت یا حدیث سے فلاں مسئلہ مستنبط کیا ہے استنباط صحیح ہے یا غلط؟ اور آپ کو پسند ہے یا نہیں؟ اس کے بعد جو حکم آپ ﷺ فرماتے اس کے مطابق عمل کرتے۔

دلیل نمبر ۶۲:

مخدوم جہاں سید جلال بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اوراد و وظائف میں یہ درود شریف بھی داخل ہے۔ "الصّلٰوۃ السَّلام علیک یا نبی اللہ"[2]

دلیل نمبر ۶۳ :

طریقہء شطاریہ کے بزرگوں کے اوراد میں یہ بھی داخل ہے "نادعلیّا مظھر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ھمّ و غم سینجلی بنبوتک یا محمّد و بولایتک یا علی یا علی یا علی"[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آواز دو جو مظہر عجائبات ہیں تو تم انکو اپنے تمام غم اور تکالیف میں مددگار پاؤ گے۔ آپ ﷺ کی نبوت کے وسیلے سے یارسول اللہ ﷺ اور آپ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولایت کے وسیلے یا علی یا علی یا علی تمام مصائب ختم ہو جائیں گے۔

دلیل نمبر ۶۴ :

دونوں جہان کے سردار، محبوب کبریا ﷺ نے فرمایا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو دو فرشتے لوگوں کو یا ایھا النّاس سے مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں "ما قل و کفی خیر ممّا کثیر و الھی" تھوڑا مگر کافی مال (جو کفایت کرے) بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔[4]

جب اتنی دور سے "یا ایھا النّاس" کہنا شرک نہیں تو یارسول اللہ کہنا کیسے شرک ہو سکتا ہے۔ پھر اگر تمام انسان یہ آواز نہیں سنتے مگر انسانیت کی روح حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ تو ضرور سنتے ہیں اسلیے کہ آواز سنانے کیلئے اور منادیٰ (جسے پکارا جائے) کو متوجّہ کرنے کیلئے ہوتا ہے۔[5]

دلیل نمبر ۶۵ :

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتے کو ساری مخلوقات کی آواز سننے کی طاقت بخشی گئی ہے۔ وہ قیامت تک درود شریف سنے گا اور عرض

---

[1] (المیزان الکبریٰ ص ۴۳)

[2] (جواھر خمسہ اردو ص ۱۰۲)

[3] (جواھر خمسہ ص ۲۸۲)

[4] (حلیۃ الاولیاء ص ۲۲۶ ج ۲)

[5] (شرح جامی ص ۹۶)

کرے گا یا محمد ﷺ فلاں بن فلاں بن فلاں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں نذرانۂ درود شریف پیش کیا ہے۔[1]

جب آپ ﷺ کے نور مبارک سے پیدا شدہ فرشتہ دور و نزدیک سے اگرچہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ سنتا ہے اور درود شریف پڑھنے والے اور اسکے آباء و اجداد کے نام جانتا ہے تو خود آپ ﷺ کیلئے ان اوصاف کو ثابت کرنا اور ماننا کیسے شرک ہو سکتا ہے۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان : کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

سوال : اپنی حاجت بیان کیے بغیر صرف یارسول اللہ (ﷺ) کہنا کیسے جائز اور ثابت ہے ؟

جواب : یارسول اللہ (ﷺ) اور یا اللہ اور دیگر نعروں میں محاورہ کے ساتھ سوال متضمن (پوشیدہ) ہے۔ اپنا مقصد لفظوں میں بیان کرنا اور نہ کرنا دونوں درست ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی حاجت مند اپنے مخدوم کو یا کریم، یا نفّاع، یا کریم، یا رحمٰن سے مخاطب کرے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مجھ پر کرم فرما، نفع عطا فرما اور رحم فرما کیونکہ یہ " **هٰذه الاذكار جارية مجرى السوال** " یعنی یہ الفاظ اور آواز سوال کے قائم مقام ہیں۔[2]

بناء بریں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مقصد کو بیان کیے بغیر بار بار یارسول اللہ (ﷺ) کہا اور اپنی حاجت روائی کی۔[3]

اسی طرح ایک دفعہ انصاری رضی اللہ عنہ نے یارسول اللہ کہا تو ان کا مقصد پورا ہو گیا۔[4]

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لوگ اپنی حاجت کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صرف " یا امیر المئومنین " پر اکتفاء کرتے تھے۔[5]

رئیس النحاۃ مولانا عبدالنبی فرماتے ہیں کہ یا محمد ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ بیا کہ من مشتاق توام۔ اے محمد ﷺ آیئے کہ میں آپ کے دیدار کا شوق رکھتا ہوں۔[6]

عارف ملا جامی نے شرح جامی ص ۹۶ میں یہ فرمایا ہے۔ "**فالحمد اللہ علٰی ذالک**"

دلیل نمبر: ۶۶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "**مرّ النبی ﷺ بقبور بالمدینة فاقبل علیهم بوجهه فقال السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللہ لنا و لکم انتم سلفُنا و نحن بالأثر**"[7]

---

[1] (شفاء السّقام ص ۴۶، القول البدیع ص ۱۲، جلاء الافهام ص ۵۲)

[2] (تفسیر کبیر ص ۱۵۱ ج ۱ طبع جدید)

[3] (بخاری شریف ص ۳۶۶)

[4] (بخاری شریف ص ۲۷۲، ۲۷۳ ج ۱)

[5] (بخاری شریف ص ۴۳۰ ج ۱)

[6] (جامع الغموص ص ۲۲ ج ۱)

[7] (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

"رفع النداء باعلی الصوت فی اثبات یارسول اللہ بعد الموت" ص ۷ (لمولوی شیخ طریقت علی محمد البلخی رحمتہ اللہ علیہ) آپ ﷺ کا مدینہ منورہ کی قبروں پر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ انکی طرف متوجہ ہوئے اور رفرمایا اے اھل قبور تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں معاف فرمائے۔ آپ ہم سے پہلے گزر گئے ہیں ہم پیچھے (بعد میں) آنے والے ہیں۔

دلیل نمبر ۶۷:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن مختلف لوگ حاضر ہونگے اور "اغثنی یارسول اللہ" عرض کرینگے۔ ۱

دلیل نمبر ۶۸:

مشہور حدیث میں ہے کہ جب لوگ تمام انبیاء علیہم السّلام کے بعد آپ ﷺ کی بارگاہ میں قیامت کے دن حاضر ہونگے تو یا محمّد ﷺ کہہ کر شفاعت کی درخواست کریں گے۔ ۲

غلامان احمد مختار یوں پہچانے جائیں گے : کہ محشر میں بھی ہوگا انکا نعرہ یارسول اللہ

دلیل نمبر ۶۹:

" وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون" ۳

ہم آپ کی جدائی میں اے ابراھیم (ضرور) غمگین ہیں۔

دلیل نمبر ۷۰:

اکابر علماء دیوبند حکیم الامت مولوی تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔

دستگیری کیجئے میرے نبی : کشمکش میں تم ہی میرے ولی

میں ہوں بس اور آپ کا دیار یارسول اللہ : ابر غم گھیرے نہ پھر مجھکو کبھی ۴

دلیل نمبر ۷۱ :

حضرت علامہ شمس العلماء سیدی جمال مکی حنفی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔ " سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یا رسول اللہ یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی مثلاً ھل ھو جائز شرعاام لا فاجبت نعم الاستغاثہ با لاولیاء ونداء ھم والتوسل بھم امر مشروع ومرغوب لاینکر الامکابر او معاند وقد حرم برکۃ الاولیاء الکرام" ۵

یعنی مجھ سے پوچھا گیا اس آدمی کے بارے میں جو تکلیف ومشکل میں یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہتا ہے۔ آیا یہ از روئے شریعت جائز ہے یا

---

۱ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۹۱)

۲ (مسلم شریف ص ۱۱۱ ج ۱)

۳ (مشکوٰۃ ص ۱۰۵ ج ۱)

۴ (نشر الطیب ص ۱۴۵)

۵ (المسئلۃ البیضاء ص ۲۲)

نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اولیاء کرام سے بذریعہ توسل امداد طلب کرنا اور انھیں پکارنا (مشروع) جائز اور مستحسن ہے۔اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا سوائے اس کے جو انصاف کا دشمن اور حق سے اندھا ہو اور ایسا شخص اولیاء کرام کی برکت سے محروم ہے۔

دلیل نمبر ۷۲ :

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ و مرشد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

یارسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی : برگزیدہ ذوالجلال پاک و بے ھتما توئی

دلیل نمبر ۷۳ :

حضرت شیخ محدث دھلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خرابم در غم ھجرت جمالت یارسول اللہ : جمال خود نمارحمے بجان راز وشیدا کن

بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما : بہ لطف خود سر و سامان جمع بے سرو پا کن[1]

یارسول اللہ آپ ﷺ کی جدائی کے غم سے میں برباد ہوا اپنا دیدار عطا فرمائیے یارسول اللہ ﷺ بے سرو پا قافلے کو سامان عطا فرمائیے۔

دلیل نمبر ۷۴ :

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ "یا محمّد لا أعذب احدا یسمی باسمک النار "یعنی اے محبوب ﷺ میں اس شخص کو دوزخ کا عذاب نہیں دونگا جس کا نام آپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔[2]

دلیل نمبر ۷۵ :

معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا "یا محمّد انھنّ خمس صلوات کل یوم ولیلۃ لکل صلوٰۃ عشر فذلک خمسون صلوٰۃ"

یعنی اے محبوب یہ پانچ نمازیں ہیں جنکو میں نے دن رات میں فرض کیا ہے۔ ہر نماز کا ثواب دس/10 نمازوں کے برابر ہے۔مطلب یہ ہے کہ ثواب کے لحاظ سے 50 نمازوں کے برابر ہے۔[3]

دلیل نمبر ۷۶:

"یا ابابکر انت عتیق اللہ من النار"[4]

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ دوزخ سے آزاد کر دیئے گئے ہیں۔

دلیل نمبر ۷۷:

---

[1] (اخبار الاخیار ص ۳۲۳)

[2] (نداء یا محمّد ص ۲۲)

[3] (مشکوٰۃ ص ۵۲۸ ج ۲)

[4] (رواہ احاکم فی المستدرک از کنز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

"یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما"[1]

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔

دلیل نمبر :۷۸

سرخیل دیوبند مولانا گنگوہی لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اشعار کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ جائز ہے۔

یارسول کبریا فریاد ہے : یا محمّد مصطفیٰ فریاد ہے

مدد کر بہر خدا حضرت محمّد مصطفیٰ : تم سے ہر گھڑی فریاد ہے[2]

دلیل نمبر ۷۹:

"یا اباذر صل صلوٰۃ لوقتھا" یعنی اے ابوذر اپنے وقت پر نماز ادا کرو۔[3]

دلیل نمبر ۸۰:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں مبارک سن ہوگیا تو آپ نے "یا محمّداہ" کہا تو پاؤں بالکل ٹھیک ہوگیا۔

یا محمّداہ میں "الف" استغاثہ کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ اے محبوب میری فریاد رسی فرمائیے۔

دلیل نمبر ۸۱ :

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی مسجد میں آتے یا جاتے تو کہتے السّلام علیک ایھا النبی۔[4]

دلیل نمبر ۸۲ :

آپ ﷺ کی بارگاہ میں کسی نے غربت کے بارے میں شکایت کی آپ ﷺ نے انھیں وظیفہ بتایا کہ جب آپ گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کہیں پھر مجھ پر سلام پڑھیں اور پھر سورۃ الاخلاص پڑھیں۔انہوں نے اس پر عمل کیا تو چند دن کے اندر غربت ختم ہوگئی اور خوشحالی آگئی۔[5]

دلیل نمبر :۸۳

علامہ علی قاری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں "لانّ روحہ علیہ السلام حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام"[6]

آپ ﷺ کی روح مبارک ہر مسلمان کے گھر موجود ہوتی ہے۔اس لیے گھر میں داخل ہوتے وقت "السّلام علی النبی" کی طرح "السّلام علیک ایھا النبی" بھی درست ہے۔

---

[1] (رواہ الشیخان کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

[2] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۹)

[3] (رواہ احمد از کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

[4] (شفاء ص ۵۳ ج ۲، نسیم الریاض ص ۴۶۵ ج ۳)

[5] (جلاء الافہام ص ۲۵۵، نسیم الریاض ص ۴۶۴ ج ۳)

[6] (شرح الشفاء ص ۴۶۴ ج ۳)

دلیل نمبر ۸۴:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہء کرام علیہم رضوان آپ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ۔[۱]

دلیل نمبر ۸۵ :

صحابہء کرام علیہم رضوان نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ مبارکہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور عرض کیا" السلام علیک یارسول اللہ" پھر کہا کہ ابوبکر حاضر ہے اور آپ کے پاس دفن کرنے کی اجازت درکار ہے آواز آئی" ادخلو االحبیب الی الحبیب "یعنی دوست کو دوست کے ساتھ ملاؤ۔[۲]

دلیل نمبر ۸۶:

ابوبکر بن مجاھد نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے جناب شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو دونوں بھوؤں کے درمیان بوسہ دیا اور اس شفقت کی وجہ یہ بتائی کہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ "صلّی اللہ علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں۔[۳]

دلیل نمبر ۸۷:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ سے درود شریف پڑھتے تھے "یا محمّد صلّی اللہ علیک و سلّم"[۴]

دلیل نمبر ۸۸ :

جب بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تو ان الفاظ سے سلام عرض کرتے۔"السّلام علیک یارسول اللہ"[۵]

دلیل نمبر ۸۹ :

ایک اعرابی آپ ﷺ کے روضہء انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ماقلت سمعنا یارسول اللہ آپ ﷺ نے جو فرمایا ہم نے سن لیا ہے ہم آپ ﷺ سے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ "فنودی من قبرہ قدغفر لک" قبر انور سے آواز آئی کہ تیری مغفرت ہوگئی۔[۶]

دلیل نمبر ۹۰ :

"یا ابا رافع اُقتل کل کلب بالمدینہ"[۷]

اے ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے تمام کتوں کو قتل کردو۔

۱(تنویر الملک ص ۲۳۰ ج ۱)

۲(تفسیر کبیر ص ۸۷ ج ۲۱، نزھتہ المجالس ص ۱۷۹ ج ۲)

۳(القول البدیع ص ۱۷۳، جلاء الافہام ص ۲۵۸، فضائل درود شریف از مولوی زکریا)

۴(القول البدیع ص ۲۲۵)

۵(القول البدیع ص ۱۸۵)

۶(مدارک ص ۲۲۴ ج ۱)

۷(رواہ احمد کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

دلیل نمبر :۹۱

"یا اباسعید لا یاکل طعامک الا تقی"

یعنی اے ابوسعید رضی اللہ عنہ تمہارا کھانا متقی شخص کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔[۱]

صحابہء کرام علیہم رضوان کا یہ طریقہ تھا کہ دور و نزدیک، حاضر و غائب کو ہر جگہ سے ہر حال میں ایک دوسرے کو "یا" کے ساتھ پکارتے تھے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہی طریقہ تمام مسلمانان اہلسنت کا ہے۔ منکرین و وھابیوں کا اعتراض صرف اہلسنت و جماعت پر نہیں بلکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر ہے۔

دلیل نمبر ۹۲ :

مفتی غلام رسول صاحب دارالعلوم جماعتیہ نے فرمایا کہ اذان سے پہلے اور بعد دونوں اوقات میں "الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" جائز ہے۔[۲]

دلیل نمبر ۹۳:

"یا ابافاطمہ ان اردت تلقائی فاکثر السجود"[۳]

اے ابو فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر تم میری ملاقات چاہتے ہو تو سجدوں کی کثرت کرو (یعنی سجدے زیادہ کیا کرو مراد نماز پڑھنا ہے۔) واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ۹۴:

" یا اباھریرۃ اذا توضأت فقل بسم اللہ" یعنی اے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جب بھی آپ وضو کریں تو بسم اللہ پڑھا کریں۔

دلیل نمبر :۹۵

"یا اباھریرۃ جدد الاسلام تکثر من الشھادۃ"[۴]

اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام کی تجدید کرتے رہو اور کلمہء شھادت کثرت سے پڑھا کرو۔

دلیل نمبر :۹۶

"یا اخی عمر لا تنسنا من دعائک"[۵]

اے بھائی عمر ہمیں اپنی دعاء میں نہ بھولنا۔

دلیل نمبر ۹۷ :

۱(رواہ حاکم کنوز، الترمذی فی النوادر الحقائق ص ۲۰۴ جلد ۲)

۲(فتاوی جماعتیہ ص ۱۲۵)

۳(کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

۴(از کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

۵(البصائر از کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

"یاابن عباس اذاقرأت فرتل"۔

اے ابن عباس جب آپ تلاوت کریں تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔[1]

دلیل نمبر ۹۸:

"یاسعدارم فداک أمی و أبی" اے سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی کرو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔[2]

دلیل نمبر ۹۹:

"یاعائشہ اعطی و لاتحصی فیحصی اللہ علیک"

اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخاوت کیا کرو اللہ کی راہ میں اور گنتی نہ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمھیں گن کر عطا کریگا۔

دلیل نمبر ۱۰۰ :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا چاہے تو اس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر انور کی طرف منہ کرے اور قبلہ شریف کی طرف پشت کرے اور اس طرح عرض کرے "السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ"[3]

دلیل نمبر ۱۰۱ :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتے "السَّلام علیک یارسول اللہ"[4]

دلیل نمبر ۱۰۲ :

سیدنا ابراھیم علیہ السلام جب کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آواز دی "ایھا النّاس انّ ربکم قد اتخذ بیتا فحجّوہ"

یعنی اے لوگو! بیت اللہ شریف کا حج کرو۔ تو قیامت تک جتنے بھی لوگ پیدا ہونے والے ہیں ان سب نے آواز کو سن لیا اور جن کی قسمت میں حج تھا انہوں نے لبّیک کہا۔[5] لبیک کہنے والوں میں آپ ﷺ بھی تھے۔ انھیں بھی آواز دی گئی اور انہوں نے جواب بھی دیا۔[6]

دلیل نمبر ۱۰۳ :

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔ "یا رحمۃ للّعٰلمین ادرک لزین العابدین محبوس فی ایدی الظالمین فی موکب و مزدحم"[7]

اے دونوں جہاں کیلئے رحمت زین العابدین کی مدد فرمائیے کہ وہ (ازدحام) ظالموں کے ہجوم میں پھنس گیا ہے۔

---

[1] (کنوز الحقائق)

[2] (کنوز الحقائق ص ۲۰۵)

[3] (مسند امام اعظم ص ۱۲۶)

[4] (مسند امام اعظم ص ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۴)

[5] (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۶ ج ۳، بخاری شریف ص ۴۷۶ حاشیہ نمبر ۵)

[6] (حیوٰۃ الحیوان ص ۱۱۵ ج ۱)

[7] (البصائر ص ۳۷، احسن المآرب ص ۳۴)

دلیل نمبر ۱۰۴ :

جب آپ ﷺ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں نماز ادا فرما رہے تھے انہوں نے نماز میں پڑھا "اشھد انک یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔[۱]

دلیل نمبر ۱۰۵:

سیدنا ابراھیم، سیدنا موسیٰ، سیدنا عیسیٰ علیہم السلام بلند آواز سے ان الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے۔

"السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"[۲]

دلیل نمبر ۱۰۶:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جب مسیلمہ کذّاب کے ساتھ لڑائی ہوئی تو صحابہ کرام نے میدان جنگ میں مسلمانوں کے شعار کے (مطابق) طور پر بلند آواز سے "یا محمّداہ" کہا۔[۳]

شعار اس لفظ کو کہتے ہیں جسے فوج اپنے درمیان مقرر کرتی ہے تاکہ دوست اور دشمن کے درمیان فرق ہو جائے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ جو یا محمداہ کہے تو اسے مسلمان مانا جائے گا اور جو یہ نہ کہے تو وہ مرتد و کافر ہوگا۔[۴]

شعار یعنی یہ صحابہء کرام علیہم الرضوان کی نشانی تھی۔ اسی طرح آج جو بھی لوگ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ اور یا محمداہ کہتے ہیں تو وہ صحیح اہل سنت و جماعت ہیں اور مخالفت کرنے والے گمراہ ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰۷ :

جناب عاشق الرحمٰن والرسول حاجی محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الصلوٰۃ والسلام یا رحمۃ للّعٰلمین

قاب قوسین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام یا رحمۃ للّعٰلمین

خیرات دیدار چاھیئے خوار و بے نوا محمد امین کو

آپ کا مداح عاجز مداح یا رحمۃ للّعٰلمین[۵]

اسی طرح چودہ (۱۴) اشعار ذکر کیے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰۸:

الحاج مولوی احتشام الحق دیوبندی نے بارگاہ نبوی میں اسطرح سلام عرض کیا ہے۔

---

[۱] (الانوار المحمدیہ من المواھب اللدنیہ ص ۳۳۴)

[۲] (انوار محمدیہ ص ۳۳۴)

[۳] (البدایہ والنھایہ ص ۳۳۴ ج ۲)

[۴] (قاموس ص ۲۸۱، صراح ص ۱۸۷، لغات الحدیث ص ۵۸، لغات عربی مختار الصحاح ص ۳۳۹، المنجد ص ۵۳۰، مفردات ص ۵۴۱)

[۵] (کتاب الحمدللہ ص ۱۰۰)

السلام علیک یا رسول اللہ : السلام علیک یا خیر خلق اللہ

السلام علیک یا حبیب اللہ : السلام علیک یا سید ولد آدم[1]

دلیل نمبر ۱۰۹:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ کے وقت مسلمانوں کا شعار یا محمد ﷺ، یا منصور امتک تھا۔ اے محبوب اے مدد کیے گئے اپنی امت کی مدد فرمائیے۔[2]

دلیل نمبر ۱۱۰:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا:

السلام علیک یا سید المرسلین، یا خاتم النبین، و یا شفیع المذنبین، طبتَ حیا و میّتا و رحتَ سعیداً و محمود اً و تر کتنا فی دار الظلام فکیف نعیش فی دار الدنیا بغیر ک"[3]

اے محبوب آپ زندگی اور موت دونوں میں خوش ہیں۔ آپ ﷺ نیک بخت اور صفت کیے گئے، تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے ہمیں تاریکی کے گھر میں چھوڑ دیا، ہم یہاں (دنیا میں) آپ کے بغیر کیسے زندگی گزاریں گے۔

دلیل نمبر ۱۱۱:

بھنسا کی جنگ میں ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سخت مشکل میں گرفتار ہو گئے "و کان شعار المسلمین تلک اللیلة ینا دون یا محمد یا محمد ﷺ یا نصر اللہ انزل"[4]

اس رات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا شعار یہ تھا یعنی یا محمد یا محمد ﷺ کے الفاظ سے آپ ﷺ کو پکارتے تھے اور نصر اللہ انزل کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۱۱۲:

حضرت مولانا شیخ المشائخ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین اخون حافظ عبد المقتدر رحمتہ اللہ علیہ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں :

اے داعی ھادی برھان : مجھے دیدار سے مشرف فرما

نورانی ماہ تاباں : مجھے دیدار سے مشرف فرما

یہ دنیا و عقبیٰ سب کچھ : آپ کے نور سے پیدا ہوا ہے.....الخ[5]

دلیل نمبر ۱۱۳:

---

[1] (تجلیات مدینہ ص ۸۱)

[2] (فتوح الشام للواقدی ص ۱۶۰ ج ۲)

[3] (تذکرۃ الواعظین ص ۲۷۴)

[4] (فتوح الشام ص ۲۱۸)

[5] (دیوان حافظ الپوری ص ۱۶، ولادت حافظ الپوری ۱۲۸۱ھ، وفات ۱۳۱۵ھ، بحوالہ تذکرہ اولیاء پاکستان ص ۸۰۹)

حاجی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

السّلام علیک یا نور الھدٰی

مرحبا، مرحبا، مرحبا، مرحبا [1]

دلیل نمبر ۱۱۴:

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط سالی ہوئی، ایک شخص روضۂ انور پر حاضر ہوا اور عرض کیا "استسق لامتک یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کیلئے بارش کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے خواب میں بشارت عطا فرمائی۔ [2]

دلیل نمبر ۱۱۵:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد عورتوں کی تعزیت کی مجلس میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا نے بلند آواز سے درود شریف پڑھا "یا خاتم الرسل المبارک ضوئہ صل علیک منزل القرآن" [3]

یعنی اے رسولوں کے سردار (خاتم) اے مبارک نور آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے درود ہو۔

دلیل نمبر ۱۱۶:

سیدنا زھیر رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ﷺ نے عرض کی "امنن علینا رسول اللہ فی کرم وانک المراء نرجوہ وننتظر" [4]

یا رسول اللہ ﷺ مہربانی فرمائیے اور ہم پر احسان فرمائیے ہم آپکے کرم کے امیدوار ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱۷:

ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا : واین فرار الناس الا الی الرسول

یا رسول اللہ ﷺ آپ کے علاوہ ہمارا کون ہے کہ ہم اسکی طرف مشکل اور سختی کے وقت دوڑیں۔ رسول ﷺ کے علاوہ لوگوں کے فرار کی جگہ کونسی ہے۔ [5]

دلیل نمبر ۱۱۸:

---

[1] (گلزارِ مدینہ ص ۵)

[2] (حجۃ اللہ ص ۴۳۰ ج ۲)

[3] (سیرۃ ابن ھشام ص ۳۸۰ ج ۲)

[4] (سیرۃ ابن ھشام ص ۳۰۶ ج ۲)

[5] (حجۃ اللہ ص ۲۳۷ ج ۲)

سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یا برد نار الخلیل یا سببا، لعصمة النار وھی تحرق "اے ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے ذریعے اور ان کو سخت آگ سے بچانے کے سبب۔[1]

دلیل نمبر ۱۱۹:

ایک اعرابی روضہء انور پر حاضر ہوئے اور رعرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ اور پھر عرض کی۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه : فیه العفاف و فیه الجود و الکرم

قال ثم أنصرف فحملني عيناي فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال يا عتبيّ الحق الأعرابي فبشره بأن الله قد غفر له"[2]

میری روح اس قبر (انور) پر قربان ہو جائے جس قبر (انور) میں آپ ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔جس میں عفو، بخشش اور مہربانی ہے نے فرمایا کہ مجھے خواب میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس اعرابی کو بخشش کی بشارت دے دو۔[3]

دلیل نمبر ۱۲۰ :

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔

یا سید السّادات جئتک قاصدا ارجو رضاک و احتمی بحماک

یارسول اللہ ﷺ بندہ آپ کے دربار میں حاضر ہے آپ کی خوشنودی اور حفظ و امان چاہیئے۔[4]

دلیل نمبر ۱۲۱:

شھاب الدین خفاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فیا سیّد الرسل یا من تری : مواطئه اثمد للمقل

اے رسولوں کے سردار۔اے وہ (عظیم) شخصیت جنکے قدموں کی مبارک خاک آنکھوں کا سرمہ ہے۔[5]

دلیل نمبر ۱۲۲ :

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

الا یا رسول الله کنت رجاءنا : و کنت بنا برا و لم تک جافیا

یارسول اللہ آپ ﷺ کی ذات سے ہماری امیدیں قائم ہیں۔آپ ﷺ نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا ہے۔آپ ﷺ نے کبھی بدسلوکی نہیں کی۔[6]

---

[1] (نسیم لریاض ص ۲۰۵ ج ۲)

[2] (خلاصۃ الوفاء ص ۸۵)

[3] (خلاصۃ الوفاء ص ۸۵)

[4] (قصیدہ نعمانیہ ص ۱)

[5] (نسیم الریاض ص ۵۷۹ ج ۴)

[6] (حجۃ اللہ ص ۳۳۹ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۲۳:

تحریک آزادی کے ایک شہید فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کالا پانی کے جزیرے میں عرض کیا۔

"یارحمۃ للعٰلمین ارحم علی من لا لہ فی العالمین وثاء"[1]

اے رحمت عالمین ﷺ اس شخص پر رحم فرمائیے جس کیلئے اس زمانے میں کوئی رحم نہیں۔

دلیل نمبر ۱۲۴ :

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

یاصاحب الجمال ویاسید البشر : من وّجھک المنیر لقد نور القمر[2]

اے حسن و جمال کے مالک ﷺ، اے انسانوں کے سردار ﷺ، آپ ﷺ کے روشن چہرے سے چاند نے روشنی حاصل کی ہے۔

دلیل نمبر ۱۲۵ :

آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا **"السّلام علیک یا حبیب اللہ و یا نبی اللہ ذھبت الی دارالسرور وترکتنا فی دارالغرور فکیف نحیی الی یوم النفور"** اے اللہ کے محبوب نبی ﷺ آپ دارالسرور یعنی خوشی کے گھر تشریف لے گئے اور ہمیں دھوکہ کے گھر چھوڑ گئے۔ہم مرنے تک کیسے زندگی گزاریں گے۔[3]

دلیل نمبر ۱۲۶ :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حاضر بارگاہ رسالت ﷺ ہوئے اور عرض کیا۔

"السلام علیک یا افصح العرب ومنبع الجود والکرم ویا صاحب التاج والعلم ذھبت الی دارالرضوان وترکتنا فی دارالخذلان لان فماندری کیف نجدالامان"

اے عرب کی فصیح ترین شخصیت اور سخاوت اور کرم کے سرچشمے، تاج وعلم والے (یارسول اللہ ﷺ) آپ جنت کی طرف گئے اور ہمیں شرمندگی کے گھر چھوڑ دیا۔ہم نہیں جانتے کہ کیسے امن پائیں گے۔[4]

دلیل نمبر ۱۲۷:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا **"السّلام علیک یا سیّد السادات ویا خزائن الرحمۃ والسعادۃ اخترت العقبیٰ وترکتنا فی دارالدنیا"**

یعنی اے سرداروں کے سردار آپ ﷺ پر سلام ہو۔اے رحمت ونیک بختی کے خزانے آپ نے آخرت کو ترجیح دی اور ہمیں دنیا میں چھوڑ گئے۔[5]

---

[1] (الثورۃ الھندیہ ص ۳۱۳)

[2] (تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰، اردو ص ۳۷۰، فارسی ص ۲۲۷)

[3] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)

[4] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)

[5] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)

دلیل نمبر ۱۲۸ :

اسی درمیان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا "الصلٰوۃ السلام علیک یا نور الھدی و تا ج الوریٰ انت ذھبت الی دار الجنان و ترکتنا فی دار البطلان فکیف حالنا"

اے ھدایت کے نور اور مخلوق کے تاج آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔آپ جنتوں کی طرف گئے اور ہمیں خرابی کے گھر چھوڑ گئے ہمارا کیا حال ہوگا۔[۱]

دلیل نمبر :۱۲۹

اسی دوران حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور عرض کیا "الصّلٰوۃ و السلام علیک یا امام المتقین و یا امین رب العٰلمین رحلت الی دار القرار و ترکتنا فی الدنیا و فی دار بلا اعتبار فکیف فی یوم البوار"

اے پرہیز گاروں کے امام اور رب العالمین کے امین آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو آپ نے دار قرار کی طرف سفر فرمایا اور ہمیں دنیا اور بے اعتباری کے گھر میں چھوڑ گئے۔ہمارا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔[۲]

دلیل نمبر ۱۳۰:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی عرض کیا "الصلٰوۃ و السلام علیک یا سلطان الأنبیاء و یا برھان الأصفیاء انت سافرت الی دار الامان و ترکتنا فی دار الاحزان فکیف حالنا یا نبی آخر الزمان"۔

اے سلطان الانبیاء اور برھان الاصفیاء آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔آپ نے دار الامان کی طرف سفر کیا اور ہمیں غم کے گھر چھوڑ گئے۔اے محبوب ﷺ اے نبی آخر الزماں ہمارا کیا حال ہوگا۔[۳]

دلیل نمبر ۱۳۱:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف لائیں اور عرض کیا کہ "السلام علیک یا رسول الثقلین و یا امام القبلتین ذھبت الی دار النعیم و ترکتنا فی دار الغمیم فکیف معیشتنا من الخواص و العمیم"[۴]

اے جن وانس کے رسول علیہ السلام،اے دونوں قبلوں کے امام آپ ﷺ پر سلام ہو آپ نعمتوں والے گھر تشریف لے گئے اور ہمیں غموں والے گھر میں چھوڑ گئے ہم خواص وعوام کی زندگی کیسے گزرے گی۔

دلیل نمبر :۱۳۲

علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

انت الشفیع و امالی معلقۃ : و قد رجوتک یا ذا الفضل تشفع لی

---

[۱] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)

[۲] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۳)

[۳] (تذکرہ الواعظین ص ۴۷۳)

[۴] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۳)

اے شفاعت فرمانے والے میری آرزوئیں آپ سے وابستہ ہیں۔اے فضل کے مالک میں آپ کی شفاعت کا امیدوار ہوں۔[1]

دلیل نمبر ۱۳۳ :

الشیخ احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جب میں دور ہوتا ہوں تو روح کو اپنا نائب مقرر کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجتا ہوں وہ میری طرف سے اس پاک سرزمین کو بوسہ دیتی ہے۔اب جب مجھے حاضری کی سعادت ملی ہے تو آپ ﷺ اپنا دست اقدس ظاہر فرمائیے تاکہ میرے ہونٹ اسے چومنے کی سعادت حاصل کریں تو فوراً آپ ﷺ کا دست اقدس ظاہر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بوسہ دیا۔[2]

دلیل نمبر ۱۳۴ :

امام ابن حجر الھیتمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یارسول اللہ یا جد الحسین کن شفیعی یا امام الحرمین" اے رسول خدا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نانا ﷺ میری شفاعت فرمائیے۔[3]

دلیل نمبر ۱۳۵:

امام شرف الدین البوصیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ : سواک عند حلول الحادث العمم

اے مخلوق میں معزز ترین مہربان نبی ﷺ۔عام مصائب کے نزول کے وقت آپ ﷺ کے سوا ہماری کوئی جائے پناہ نہیں کہ (ہم وہاں پناہ لیں)۔[4]

دلیل نمبر ۱۳۶:

حضرت العارف الصرمری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا :

الا یارسول الاله الذی : ھدانا بہ اللہ من کل تیہ

یارسول اللہ آپ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچایا اور ھدایت عطا فرمائی۔[5]

دلیل نمبر ۱۳۷ :

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

چہ وصف کند سعدی ناتمام : علیک الصلاۃ اے نبی والسلام

---

[1] (خلاصۃ الوفاء ص ۸۵)

[2] (نسیم الریاض ص ۴۴۲ ج ۳ + فضائل حج)

[3] (النعمۃ الکبریٰ ص ۲۶)

[4] (قصیدہ بردہ شریف)

[5] (نسیم الریاض ص ۳۰۵ ج ۱)

سعدی ناقص آپ ﷺ کی تعریف کیسے کر سکے گا یا نبی اللہ آپ ﷺ پر درود وسلام ہو۔[1]

دلیل نمبر :۱۳۸

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خالہ یا پھوپھی نے عرض کیا کہ "اے ہاشم کے بیٹے میری روح آپ پر قربان ہو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے امین اور ساری مخلوق کیلئے رسول ہیں"[2]

دلیل نمبر ۱۳۹ :

صحابیٔ رسول حضرت مازن بن عضوبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ کی خدمت میں میری سواری دوڑتی ہوئی آئی۔اس نے عمان سے عرج تک ایسا راستہ طے کیا کہ جس کے دونوں طرف درخت تھے۔[3]

دلیل نمبر ۱۴۰ :

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

یا نبی اللہ سلام علیک : انما الفوز و الفلاح لدیک۔[4]

اے اللہ کے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو، کامیابی اور کامرانی آپ کے پاس ہے۔

دلیل نمبر ۱۴۱:

زمھجوری بر آمد جان عالم : ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ کی جدائی کی وجہ سے تمام عالم کی روح نکلنے والی ہے۔اے اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمائیے رحم فرمائیے۔[5]

دلیل نمبر ۱۴۲:

مولانا احمد تھانیسری لکھتے ہیں "یا مولائی"، اے میرے آقا و مولیٰ ﷺ مجھ پر رحم فرمائیے، مدد فرمائیے، کرم فرمائیے کیونکہ آپ کے علاوہ میری کوئی جائے پناہ نہیں۔[6]

دلیل نمبر ۱۴۳ :

ھشیم بن جمیل الانطا کی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کی ٹوپی دیکھی جو ایک گز لمبی تھی اس کے اندر "**یا محمد ﷺ یا منصور ﷺ**" لکھا ہوا تھا۔[7]

---

[1] (بوستان سعدی ص ۱۱)

[2] (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ص ۳۲۸ ج ۴)

[3] (الاصابۃ ص ۳۳۶ ج ۴)

[4] (سلسلۃ الذھب ص ۱۴، روح البیان ص ۱۵۲ ج ۱)

[5] (زیلخا ص ۱۵، فضائل درود شریف)

[6] (اخبار الاخیار ص ۱۴۶)

[7] (میزان الاعتدال ص ۵۷۴ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۴۴:

شیخ المحدثین شاہ عبدالحق دھلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خرابم در غم ہجر جمالت یارسول اللہ :جمال خود نمارحمے بجان زارشیداکن

بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما :بلطف خود سروسامان جمع اے سروپاکن

یارسول اللہ ﷺ آپ کی جدائی کی وجہ سے میرا حال خراب ہے اپنا چہرہ انور دکھائیے اور عاشق زار پر رحم فرمائیے۔ یارسول اللہ ﷺ بہر صورت رحم فرمائیے میرے پراگندہ خراب حال اسباب کو ترتیب دیجئیے۔

دلیل نمبر ۱۴۵:

صلی اللہ علیک یارسول اللہ وسلم.[1]

دلیل نمبر ۱۴۶:

مجددِ چودھویں صدی، مفتی اعظم الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ انت بعثت فینا : کریمارحمۃ حصنا حصینا

تخوفنی العدی کیدا مثینا : اجرنی یاامان الخائفینا

یارسول اللہ آپ ﷺ ہم میں کریم، رحمت، قوی محافظ بنائے گئے ہیں ہمارے دشمن کو مضبوط تدبیر سے ڈرائیے۔ مجھے پناہ دیجئیے۔ اے ڈرے ہوئے کی جائے پناہ۔[2]

دلیل نمبر ۱۴۷ :

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

امت کا حق نے کر دیا آپ ﷺ کے ہاتھ : بس اب چاہو تراوَڈو باوَ یارسول اللہ[3]

دلیل نمبر ۱۴۸:

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کے جواز میں کوئی شک نہیں۔[4]

دلیل نمبر ۱۴۹:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مرید کو تعلیم دیتے ہیں کہ "اکیس (۲۱) مرتبہ استغفر اللہ اور تین مرتبہ "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔" پڑھو۔

---

[1] (مکتوبات برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۳۱۶)

[2] (فتاوی رضویہ ص ۳۷۱ ج ۱)

[3] (گلزارِ معرفت ص ۷)

[4] (امداد المشتاق ص ۵۹)

دلیل نمبر ۱۵۰ :

ہم اھل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے جبکہ وہابی اسے شرک کہتے ہیں ۔ یا جو بھی یارسول اللہ ﷺ کو شرک کہتے ہیں وہ اہل سنت سے خارج ہیں ۔[۱]

دلیل نمبر ۱۵۱ :

سیدنا محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"یارسول اللہ انظر حالنا : یا حبیب اللہ اسمع قالنا

انّنی فی بحر ھمّ مغرق : خذیدی سھل لنا اشکالنا[۲]

یارسول اللہ ﷺ میرے حال پر رحم فرمائیے اور میری فریاد رسی فرمائیے ، میں مشکلات کے دریا میں غرق ہوں ۔میری دستگیری فرمائیے اور میری مشکلات حل فرمائیے ۔

دلیل نمبر ۱۵۲ :

ولی کامل حاجی محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نصیب دِرب کڑہ سرداری اغثنی یارسول اللہ — اللہ آپ ﷺ کو سرداری عطا فرمائے اغثنی یارسول اللہ

شولہ راپیچہ لاچاری اغثنی یارسول اللہ — قسمت میں میری لاچاری ہے اغثنی یارسول اللہ

خاورے د درستام پہ سرکہ شی لطف و کرم بہ وی — آپ ﷺ کے در کی خاک اگر سر پر ہو تو لطف و کرم ہوگا

لرمہ دا امیدواری اغثنی یارسول اللہ — یہ امید رکھتا ہوں اغثنی یارسول اللہ

فقیر گدا محمد امین برائے رب العالمین — فقیر گدا محمد امین واسطے رب العالمین

وائی پہ شاہ مختاری اغثنی یارسول اللہ — شاہ مختار کو کہتا ہے اغثنی یارسول اللہ

اسی طرح بارہ اشعار ہیں ۔[۳]

دلیل نمبر ۱۵۳ :

آپ ﷺ کی مثالی صورت کا تصور کرکے درود شریف پڑھے ۔دائیں طرف یا احمد، بائیں طرف یا محمد، اور دل پر ہزار مرتبہ یارسول اللہ پڑھے ان شاء اللہ خواب میں یا بیداری میں زیارت رسول ﷺ ہو جائیگی ۔[۴]

دلیل نمبر ۱۵۴:

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم فرماتے ہیں :

---

[۱] (فتاوی خیریہ ص ۱۸۶، عقائد المسلمین ص ۱۷)

[۲] (جاء الحق ص ۲۰۱ ج ۱) (تنویر الایمان بوسیلۃ اولیاء الرحمٰن ص ۲۱۴)

[۳] (دیوان مدح ص ۲۲۲)

[۴] (ضیاء القلوب ص ۳۹)

؎ دلش نالد چرا نالد؟ نداند : نگاہے یارسول اللہ نگاہے[1]

دلیل نمبر ۱۵۵:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے میدان کربلا میں عرض کی "**یا محمداہ یا محمداہ صلی اللہ علیک**"[2]

دلیل نمبر ۱۵۶:

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ روم کے کفار نے تین غازیوں کو گرفتار کیا تو انہوں بلند آواز سے "**یا محمداہ یا محمداہ**" کہا[3]

دلیل نمبر ۱۵۷ :

درود شریف کی مشہور کتاب "دلائل الخیرات" میں ہے "**ھٰذہ الصلوٰۃ تعظیماً لحقک یا سیدنا محمداً**" یعنی یہ درود شریف آپ کی تعظیم کیلئے ہے۔[4]

دلیل نمبر ۱۵۸:

حضرت شیخ عبدالقادر البغدادی الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درج ذیل درود شریف کو ایک ہزار مرتبہ پڑھنے سے تمام مصیبتیں ٹل جاتی ہیں "**الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ قلّت حیلتی ادرکنی**"[5]

دلیل نمبر ۱۵۹:

جزیرۂ سقر کے ایک مسلمان قیدی نے جیل میں آپ ﷺ سے مدد طلب کی "**کان یستغیث ویقول یا رسول اللہ**" جب اُس مسلمان قیدی نے یارسول اللہ ﷺ کہا تو وہاں کسی کافر نے کہا "**قل لہٗ ینقذک**" کہ اپنے رسول ﷺ سے کہو کہ تمھیں رہائی دلائے۔ جب رات ہوئی تو کوئی شخص جیل میں آیا اور کہا کہ اذان دو جب اس نے اذان میں **اشھدانّ محمدرسول اللہ** پڑھا تو فوراً زنجیریں ٹوٹ گئیں اور وہ جیل سے رہا ہو گئے۔[6]

دلیل نمبر ۱۶۰:

---

[1] (ارمغان حجاز ص ۳۸)

[2] (البدیہ والنھایہ ص ۱۹۳ ج ۸)

[3] (شرح الصدور ص ۹۰)

[4] (ص ۱۳۸، مطالع المسرات ص ۲۸۲)

[5] (افضل الصلوات ص ۱۵۵)

[6] (حجۃ اللہ ص ۲۰۹ ج ۲)

ایک مسلمان قیدی نے کہا کہ ایک کافر بادشاہ کا جہاز سمندر میں پھنس گیا۔ تین ہزار افراد نے زور آزمائی کی مگر جہاز کو نہ نکال سکے۔ آخر کار مسلمان قیدیوں سے کہا کہ آپ لوگ جہاز نکالیں "فقلنا با جمعنا یا رسول اللہ" تمام قیدیوں نے ملکر بیک آواز یارسول اللہ کا نعرہ لگایا اور جہاز کو زور لگا کر نکال لیا حالانکہ ہم صرف چار سو پچاس (۴۵۰) آدمی تھے۔[۱]

دلیل نمبر ۱۶۱ :

حضرت ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ امیر شہر نے دوسو (۲۰۰) علماء کو گرفتار کیا۔ ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں آزاد ہونے کیلئے بارگاہ رسالت میں اس طرح فریاد کرنے کیلئے عرض کی "یا احمد، یا محمّد یا ابا القاسم یا خاتم النّبیّین یا سید المرسلین یا من جعله رحمة للعٰلمین" خواب میں آپ ﷺ نے بشارت دی کہ "غدا یطلقون ان شآء اللہ" کل ان شآء اللہ آپ آزاد ہو جائیں گے۔ جیسے ہی صبح ہوئی وہ سب آزاد کر دیئے گئے۔[۲]

دلیل نمبر ۱۶۲ :

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا اونٹ گم ہو گیا تلاش کرنے پر بھی نہ ملا تو پھر مدینہ منورہ کی طرف مُنہ کیا اور ان الفاظ سے فریاد کی "یا سیّدی یا رسول اللہ انا مستغیث بک" فوراً میرا اونٹ واپس مل گیا۔[۳]

دلیل نمبر ۱۶۳ :

آپ ﷺ نے ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں فرمایا کہ جب بھی آپ کو کوئی تکلیف دے تو مجھے ان الفاظ سے پکار کر فریاد کریں "انا مستجیر ک بک یا رسول اللہ" یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔[۴]

دلیل نمبر ۱۶۴ :

حضرت ابو سالم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ (مذکورہ) واقعہ سنا تو ایک نابینا شخص نے حفظ کر لیا جب وہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور (رابغ) مقام تک پہنچے تو پانی کا مشکیزہ سوکھ گیا تھا، نابینا شخص نے پیاس کی حالت میں کہا انا مستجیر ک بک یا رسول اللہ تو اچانک ایک شخص آیا اور اس کا مشکیزہ پانی سے بھر دیا۔[۵]

دلیل نمبر ۱۶۵ :

جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تمام صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ نعرہ لگایا "واویلاہ، واویلاہ، یا احمد خلق اللہ هیهات هیهات الی فراق حبیب اللہ"[۶]

دلیل نمبر ۱۶۶ :

---

۱ (حجۃ اللہ ص ۴۱۰ ج ۲)

۲ (حجۃ اللہ ص ۴۱۰ ج ۲)

۳ (حجۃ اللہ ص ۴۱۵)

۴ (حجۃ اللہ ص ۴۱۵)

۵ (حجۃ اللہ ص ۴۱۵)

۶ (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۴)

ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا "یا محمّد اسمع یا محمّد انا رب لطیف و انت نبی شریف فانت تنادی فی القیامۃ امتی امتی و انا اقول رحمتی رحمتی"[1]

اے محبوب ﷺ میں رب لطیف (کریم) ہوں اور آپ ﷺ شریف (شرافت والے) نبی ﷺ ہیں آپ ﷺ قیامت کے دن امتی امتی یعنی (میری امت امت) پکاریں گے اور میں رحمتی رحمتی کہونگا۔

دلیل نمبر ۱۶۷ :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیلئے ایک لشکر مجاھدین کا روانہ فرمایا اور ان کی کمان حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ ایک دن جمعہ کے خطبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "یا ساریۃ الجبل الجبل الجبل" اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف ہو جائیے۔ تین مرتبہ فرمایا، کچھ دن بعد جب لشکر کا قاصد پہنچا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے مجاہدین کے حالات دریافت فرمائے تو انہوں نے بیان کیا کہ اے امیر المومنین ایک دن ہم شکست کھانے والے تھے کہ اچانک ایک آواز آئی کہ اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف ہو جائیے یہ آواز تین دفعہ سنائی دی جب ہم پہاڑ کی طرف ہوئے تو کفار کے لشکر کو شکست ہوگئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے میں تین مرتبہ "یا ساریۃ الجبل" کہا اور یہ پہاڑ نہاوند میں ہے جو مدینہ منوّرہ سے تقریباً پندرہ (۱۵۰۰) سو میل کے فاصلے پر ہے۔

لطیفہ

زمانہ جاہلیت میں ایک واقف کار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم دونوں ہم عمر ہیں اور میری اتنی نظر باقی نہیں رہی کہ میں ایک میل تک کسی کو دیکھ سکوں اور آپ پندرہ سو (۱۵۰۰) میل تک دیکھ سکتے ہیں اور حفاظت کر سکتے ہیں۔ کون سی دوائی استعمال کرنے سے آپ کی نظر تیز ہوئی ہے وہ مجھے بھی بتا دیں تا کہ میں بھی استعمال کروں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ دوائی صرف اور صرف ادب اور عشق مصطفیٰ ﷺ ہے جسکے ذریعے میری ظاہری اور باطنی قوتوں اور کارخانوں کی تعمیر ہوئی ہے۔[2]

دلیل نمبر ۱۶۸:

شیخ الاسلام شہاب الرملی الانصاری الشافعی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آیا یہ جائز ہے؟ کہ لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ مصیبت کے وقت یا فلاں پیر یا دیگر اولیاء، انبیاء اور صالحین سے استغاثہ کرتے ہیں۔

"فاجاب بما نصہ الاستغاثہ بالانبیاء و المرسلین و الصالحین جائزۃ بعد موتھم . . . الخ" امام ممدوح رحمتہ اللہ نے جواب دیا کہ انبیاء، اولیاء علماء، صلحاء کی وفات کے بعد ان سے استعانت اور استمداد جائز ہے۔[3]

---

[1] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۸۶)

[2] (الجہاد ص ۱۲۶، محدث ھزارہ)

[3] (الصواعق الربانیہ فی الرد علی الوھابیہ ص ۲۴، فتاویٰ خیریہ ص ۲۸۲ تا ص ۲۹۰)

دلیل نمبر ۱۶۹:

علامہ امام شہاب الدین خفاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "والمنقول انھم کانوا یقولون فی تحیۃ الصلٰوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"[1]

صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ وہ دربار رسالت میں ان الفاظ سے سلام عرض کرتے تھے۔

(الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ)

دلیل نمبر ۱۷۰:

علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انہٗ ورد فی عدۃ طرق جماعۃ من الصحابۃ انھم قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک "[2] متعددٗ طرق سے منقول ہے کہ صحابہء کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت ان الفاظ سے درود شریف پڑھتی تھی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک"

دلیل نمبر ۱۷۱ :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قحط سالی ہوئی جو عام الرمادہ کے نام سے مشہور ہے۔اس قحط کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انکی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم موت کے قریب ہیں کوئی بکری وغیرہ ذبح کریں تو آپ نے کہا کہ بکریوں میں سے کچھ بھی نہیں بچا۔ بہرحال ان کے اصرار کی وجہ سے انہوں نے بکری ذبح کردی اور کھال اتاری دیکھا تو ہڈی کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔جب یہ حالت دیکھی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آواز دی فنادٰی یامحمّداہ فرأی فی المنام ان رسول اللہ ﷺ اتاہ فقال البشر۔[3]

آپ نے آواز دی کہ یامحمّداہ تو آپ ﷺ نے خواب میں ان کو بشارت فرمائی۔

دلیل نمبر ۱۷۲:

میدان کربلا میں جب ظالموں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ان کی بہن حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جب ان کی لاش خون میں آلودہ اور خاک آلود دیکھی تو روتے روتے آپ ﷺ کو اس طرح پکارا "

یا محمّداہ یا محمّداہ صلّی اللہ علیک وملک السماء ھذا حسین بالعراۃ مزمل بالدماء مقطع الاعضاء یامحمّداہ وبناتک سبایا وزریتک فقتلہ تسفی علیھا الصباء یامحمّداہ یامحمّداہ"[4]

یعنی یا محمد ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتوں کی طرف سے سلامتی ہو۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ بے گوروکفن، خون میں لت پت ہیں۔ ان کے اعضاء کٹ چکے ہیں۔ یا محمّداہ آپ کی بیٹیاں قیدی بنادی گئی ہیں اور آپ کی اولاد قتل کی گئی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔

---

[1] (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ص ۴۵۴ ج ۳)

[2] (زرقانی علی المواھب ص ۳۳۰ ج ۶)

[3] (ابن اثیر ص ۲۳۵ ج ۲، البدایہ والنھایہ ص ۹۱)

[4] (البدایہ والنھایہ ص ۱۹۳ ج ۸)

نوٹ:۔اگر یا محمدؐ کہنا شرک ہوتا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کیوں یا محمداہ کہتیں۔ ولکن الوھابیۃ لا یعلمون o

دلیل نمبر ۱۷۳ :

علامہ رملی حنفی رحمتہ اللہ علیہ جو مصنف درِّمختار کے استاذ ہیں اپنی کتاب میں فرماتے ہیں "قولھم یاشیخ عبدالقادر نداء فما الموجب لحرمۃ۔[1]

لوگوں کا یہ قول "یاشیخ عبدالقادر" یہ ایک آواز ہے۔ پھر اسکے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۷۴ :

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں "یاسیدی یارسول اللہ قد شرفت قصائدی بمدیح فیک قدر صفا"[2]

اے آقا و یارسول اللہ ﷺ آپ کی مدح سرائی کی وجہ سے میرے قصیدوں نے خوب عزت وشرافت حاصل کی۔

دلیل نمبر ۱۷۵:

امام الاولیاء سیّدی ابومدین المغربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

فھو النبی محمّد وھو الذی : ترجٰی شفاعتہ عذا فی الموقف

یعنی آپ ﷺ وہ شخصیت ہیں جنکی شفاعت کی امید کل بروز قیامت کی جائیگی۔[3]

دلیل نمبر ۱۷۶ :

دیوبندی جیّد عالم مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

یاشفیع العباد خذبیدی : انت فی الاضطرار معتمدی

اے مخلوق کی شفاعت کرنے والے میری دستگیری فرمائیے آپ مشکلات میں میری امیدگاہ ہیں۔[4]

دلیل نمبر ۱۷۷:

نواب صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

یاسیدی یاعروتی و وسیلتی یاعدتی فی شدۃ و رخاء

یامقصدی یااسوتی و معاضدی وذریعتی یامرصدی مولائی

شفعت جاھک ضارعا متزللا مالی وراءک صارف الضراء

انت المغیث برحمۃ و کرامۃ فی غمۃ و غوایل و بلاء

---

[1] (فتاوٰی خیریہ ص ۲۸۲ ج ۲، احسن المآرب ص ۲۷)

[2] (المجموعۃ النبھانیۃ ص ۵۸ ج ۲، المدائح النبویہ)

[3] (المجموعہ النبھانیہ ص ۳۸۰ ج ۲)

[4] (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب)

انجح مرامی یا کریم کرائم　　انت القدیر علی نفاذ رجائی

مالی وراءک مستغاث فارحمنی　　یارحمۃ للعٰلمین بکائی

یعنی اے میرے سردار اے میرے وسیلے اور سہارے، اے میرے سختی ونرمی کے ساز وسامان، اے میرے مقصود، اے میرے پیشوا اور میرے مددگار، اے میرے ذریعہ اور ٹھکانے اور اے میرے مولا، میں نے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے لیے آپ کی جاہ وجلال کو شفیع بنایا، میرے لیے آپ کے علاوہ کوئی اور تکلیف اور مصیبت دور کرنے والا نہیں۔[1]

دلیل نمبر ۱۷۸ :

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیہقی کی روایت میں حضرت فاطمہ خزاعیہ فرماتی ہیں۔

"ووقفنا علی قبرہ فقلنا السلام علیک یاعم رسول اللہ فسمعنا کلا ماردعلینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

یعنی ہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا مبارک، آپ پر سلامتی ہو تو ہم نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "سنا۔اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے سنکر جواب دیا۔[2]

دلیل نمبر ۱۷۹ :

امام عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدی شمس الدین محمدؒ حنفی اپنے حجرہ میں وضو فرمارہے تھے کہ اچانک ان کا ایک جوتا (نعل شریف) غائب ہوا حالانکہ حجرہ میں کوئی جانے کا راستہ بھی نہیں تھا۔اور دوسرا جوتا اپنے خادم کو دیا کہ اپنے پاس رکھو جب تک کہ دوسرا جوتا واپس نہ آئے۔کچھ دن بعد ملک شام سے ایک شخص نے وہی جوتا واپس لاکر دیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔"ان اللص لما علی صدری لیذبحنی قلت فی نفسی یا سیّدی محمّد یا حنفی فجاءتہ فی صدرہ فانقلب مغمی علیہ ونجانی اللہ عزّوجل ببرکتک"

یعنی جب ڈاکو نے میرے سینے پر بیٹھ کر مجھے قتل (ذبح) کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے دل میں کہا کہ (یاسیدی یاحنفی) جب میں نے یہ آواز دی تو اسی وقت غیب سے یہ جوتا آیا اور اس ڈاکو کے سینے پر اس زور سے لگا کہ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر گیا اور میں آپ کی برکت سے بچ گیا۔[3]

دلیل نمبر ۱۸۰:

مولوی سید نورالحسن بخاری دیوبندی لکھتے ہیں کہ علماء نجد میں ایک ممتاز عالم علامہ عبدالمجید خطیب، جو پاکستان میں سعودی سفیر کی حیثیت سے

---

[1] (مائر صدیقی موسوم بہ سیرت والاجاھی ص ۳۰+۳۱ ج ۲، القصیدۃ العنبریۃ فی مدح الخیر البریۃ، راہ حق)

[2] (شرح الصدور ص ۸۷)

[3] (طبقات الکبریٰ مصری ص ۹۵ ج ۲)

بھی رہے ہیں اور سعودی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے، نے آپ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا نام "تحیۃ للحبیب" ہے۔ مصر میں طبع ہوا ہے۔اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

وصلی اللہ والملائکۃ من قدیم — علیہ اللہ فی الرسل الکرام
وقال علیہ صلوا یاعبادی — وزیدوا فی التحیۃ والسلام
لھٰذا یارسول اللہ انی — اتیت مقدما کل احترام
وحسبنی ان ترد علی سلامی — بنفسک یاحبیبی بالسلام
علیک سلام اللہ یاسید الوریٰ — ومن قدرہ عندالالہ عظیم
وفی مسجدی یاقوم صلوا وسلموا — علی فانی بالسلام علیکم
ارد علیکم بالسلام فخالقی — یرد الی الروح وھو حکیم
وکان ابن فاروق یجئی اذاتی — الیہ من الاسفار وھو بھیم
ولم یعرض یوما علیہ صحابی — وھذا دلیل للجواز قویم

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ قدیم (پہلے) سے رسولوں کے درمیان میں رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے میرے بندو میرے رسول ﷺ پر درود پڑھو اور ھدیۂ سلام پیش کرو۔ یارسول اللہ ﷺ اس لئے میں انتہائی ادب اور احترام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔اے میرے محبوب میرے لئے یہ کافی ہے کہ آپ ﷺ میرے سلام کے جواب میں سلام فرمادیجئے۔اے سردار کائنات آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ بارگاہ الٰہی میں آپ کی بڑی عزت وقدر ومنزلت ہے۔اے مسلمانوں میری مسجد میں مجھ پر درود وسلام عرض کیا کرو کیونکہ میں صلوٰۃ وسلام سنتا ہوں اور میرا خالق میری روح کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔جب بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر سے تشریف لاتے تو بالارادہ آپ کے در پر حاضر ہوتے اور سلام عرض کرتے اور کسی صحابی رضی اللہ نے بھی آپ پر اعتراض نہیں کیا تو اس عمل پر یہ مضبوط دلیل ہے۔[1]

دلیل نمبر ۱۸۱:

دیوبندی مسلک کے حکیم الامت مولوی تھانوی صاحب اپنے ایک خط میں سخت پریشانی کے وقت اپنے مرشد کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں۔

یامرشدی یاموئلی یامغزعی : یاملجائی فی مبدئ ومعادی
ارحم علی یاغیاث فلیس لی : کھفی سوی حبکم من زاد
فاز الانام بکم وانی ھائم : فانظر الی برحمۃ یاھاد
یاسیّدی اللہ شیئا انّہ : انتم لی المجدی وانی جادی

اے میرے مرشد، میرے مولا۔اے میرے وحشت کے انیس، اے میری دنیا وآخرت کی جائے پناہ، اے میرے فریادرس مجھ پر رحم فرما

---

[1] (حیاۃ النبی سید الکائنات ص ۱۳۲) (رحمت کائنات ص ۲۳۵، ص ۲۳۶ مولوی زاہد الحسینی صاحب)

سئیے کیونکہ میں محبت کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا، اے ھادی مجھ پر نظرِ رحمت فرمائیے۔ اے میرے سردار اللہ کیلئے کچھ عطاء کیجئیے کیونکہ آپ دینے والے ہیں اور میں سوالی ہوں۔[1]

دلیل نمبر ۱۸۲ :

غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربۃ کشفت : عنہ و من نادی باسمی فی شدۃ

فرجت عنہ و من توسل بی : الی اللہ عزّ و جل فی حاجۃ قضیت لہ

یعنی جو بھی تکلیف کے وقت مجھ سے فریاد کرے تو اس کی تکلیف ختم ہو جائے گی اور جو بھی سختی کے وقت میرا نام لے تو سختی دور ہو جائے گی اور جو بھی مجھے حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔[2]

دلیل نمبر ۱۸۳ :

درمختار میں ہے "ویقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہ علی وجہ انشاء کانہ یحیی اللہ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیاءہ لا الاخبار عن ذلک ذکرہ فی المجتبی" تشھد کے الفاظ سے ان کے معنی کو انشاء کے طریقے سے مراد لیا جائے گویا کہ نمازی تحیۃ خداوندی ادا کرتا ہے اور اس کے رسول پر سلام عرض کرتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ پر اور اپنے آپ پر سلام عرض کرتا ہے۔ اس سے مراد اخبار نہ لیا جائے۔[3]

دلیل نمبر ۱۸۴ :

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ کیف نصلی علیک یعنی فی الصلوۃ قال تقولون اللھم صلّی علی محمّد... الخ"

یعنی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر نماز میں کس طرح درود پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللھم صلّی علی محمّد... الخ۔[4]

دلیل نمبر ۱۸۵:

علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ ﷺ ومن ربہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیھم السلام" یعنی التحیات میں "السلام علیک ایّھا النبی" سے واقعہ معراج کی حکایت کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔[5]

---

[1] (تذکرہ الرشید ص ۱۱۴ ج ۱)

[2] (بھجۃ الاسرار، خلاصۃ المفاخر، نزھۃ الخاطر، تحفہ قادریہ، زبدۃ الاثار)

[3] (درمختار ص ۳۵۴، البصائر ص ۱۰۵)

[4] (جلاء الافہام لابن قیم ص ۱۶)

[5] (ردالمحتار ص ۳۵۸)

دلیل نمبر ۱۸۶:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿الاحزاب ۵۶﴾ اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صلوٰۃ وسلام دونوں کا حکم فرمایا ہے۔اس کی تعمیل میں امّتی الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہہ سکتا ہے۔ صلوّا کے حکم سے الصلوٰۃ اور سلموا کے حکم سے السلام اور علیہ کے حکم سے علیک یارسول اللہ کہے۔گویا "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" اس حکم کی تعمیل ہے اگر اس آیت کریمہ کی تعمیل درود ابراھیمی سے ہو تو یہ تعمیل پوری نہ ہوگی کیونکہ درود ابراھیمی میں صلوٰۃ ہے مگر سلام نہیں ہے اور آیت میں دونوں کا حکم ہے۔لہٰذا آیت کریمہ کی مکمل تعمیل "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے ساتھ ہوگی۔اور رہی بات درود ابراھیمی کی کہ آپ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے تو یہ درود نماز کے ساتھ خاص ہے جسے تمام مسلمان پڑھتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۱۸۷ :

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا "یامحمّد لا یصلی علیک احد الا صلی علیہ الف ملک و من صلت علیہ الملائکۃ کان من اھل الجنّۃ"

اے محبوب ﷺ آپ پر جو بھی ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اس پر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔اور جس پر فرشتے درود شریف پڑھیں وہ جنتی ہے۔[2]

دلیل نمبر ۱۸۸ :

اتوار کے دن جب آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور پھر دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "الصَّلٰوۃ والسَّلام علیک یارسول اللہ"[3]

دلیل نمبر ۱۸۹:

"یاعائشۃ الویل ثم الویل لمن لم یرنی یوم القیامۃ" اے عائشہ رضی اللہ عنہا اس شخص پر ہلاکت ہو جو قیامت کے دن بھی مجھے نہ دیکھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے محبوب ﷺ وہ کون بدبخت ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا جو بخیل ہوگا۔پوچھا کہ بخیل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو میرا نام مبارک سنے اور مجھ پر درود پاک نہ پڑھے۔[4]

دلیل نمبر ۱۹۰:

حضرت علی رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر پر جا رہا تھا ایک جگہ پہاڑی سلسلہ آیا ابھی ہم زیادہ دور بھی نہیں گئے تھے کہ ایک آواز آئی "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاروں طرف

---

[1] (راہ حق ص ۳)

[2] (درۃ الناصحین ص ۲۷)

[3] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۶۱)

[4] (تذکرۃ الواعظین ص ۱۷۸)

دیکھا آواز تو آرہی ہے مگر کوئی نظر نہیں آرہا۔آواز دوبارہ آئی مگر نظر کوئی نہ آیا، میں نے بارگاہ اِقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اس پہاڑ میں کون آپ کا عاشق ہے جو محبت سے درود پڑھ رہا ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ پہاڑ نظر آرہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں : فرمایا اس کی چوٹی نظر آرہی ہے تو میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا کہ اس چوٹی پر ایک پتھر ہے جو مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۱۹۱ :

ویتحول قدر زراع حتی یحاذی رأس الصدیق ایضاً "ویقول السّلام علیک یا خلیفة رسول اللہ، السّلام علیک یا صاحب رسول اللہ فی الغار، السّلام علیک یا رفیقه فی الاسفار، السّلام علیک یا امینه علی الاسرار جزاک اللہ عنّا"[2]

پھر ایک گز فاصلے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک کے سامنے ہو جائے اور مذکورہ الفاظ سے سلام عرض کرے۔

دلیل نمبر ۱۹۲ :

"ثم یرجع قدر نصف ذراع فیقول السلام علیکما یا ضجیعی رسول اللہ ﷺ ورفیقیه ووزیریه ومشیریه والمعاونین له علی القیام فی الدین والقائمین بعده بمصالح المسلمین جزاکما اللہ تعالٰی احسن الجزاء"[3]

پھر نصف گز کے فاصلے سے واپس ہو کر مذکورہ الفاظ سے عرض کرے۔

دلیل نمبر ۱۹۳ :

مولانا شیخ القرآن والحدیث عبدالمتین دیوبندی شموزئی سواتی لکھتے ہیں کہ بعض دشمنانِ اسلام یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ جیسے ندائیہ الفاظ سے اور زیارت قبور سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غیر اللہ کو نداء کرنا (پکارنا) ناجائز ہے۔حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ غائب کو نداء کرنا (پکارنا) جائز ہے۔[4]

دلیل نمبر ۱۹۴ :

"ان جسده الشریف لا یخلو عنه زمان ولا مکان ولا عرش ولا کرسی ولا قلم ولا بر ولا بحر ولا سهل ولا وعر ولا برزخ ولا قبر"

بیشک آپ ﷺ کے جسم مبارک سے نہ کوئی زمانہ خالی ہے نہ مکان، نہ عرش، نہ کرسی، نہ قلم، نہ جنگل، نہ دریا، نہ نرم زمین، نہ سخت زمین نہ برزخ نہ قبر۔[5]

دلیل نمبر ۱۹۵:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴿الاحزاب ٦﴾ یعنی آپ ﷺ مومنوں سے انکی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔[6]

---

[1] (شفا شریف، بارہ تقریریں ص ۱۸۰)

[2] (سراج الوھاج ھندیہ، مراقی ص ۴۴۹)

[3] (سراج الوھاج، ھندیہ ص ۲۸۵)

[4] (الرسائل الستہ فی المسائل الستہ ص ۵۷)

[5] (جواھر البحار ص ۴۸۳)

[6] (تحذیر الناس ص ۱۴، عقائد اھلسنت ص ۹۶)

دلیل نمبر ۱۹۶ :

حضرت مولوی حمداللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں ۔ "ویقصد بالفاظ التشهد معانيها مرادة له على وجه الانشاء كانّه يحيى الله تعالٰى ويسلم على نبيه ﷺ وعلى نفسه"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تمام امت کے لوگوں نے نداء کی ہے لہٰذا یہ کفر اور شرک نہیں ہے اگر کوئی دور سے پکارنے کو کفر وشرک کہتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو کافر بناتا ہے ۔ [1]

دلیل نمبر ۱۹۷:

حضرت علامہ پیر طریقت شمع ھدایت شیخ گل صاحب لنڈی کوتل رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں "الصّلٰوة والسّلام عليك يارسول الله" درود شریف ہے اور اذان سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھنے کا بہت ثواب ہے یہ بات کتاب وسنت اور اقوال علماء اہلسنّت سے واضح ہے ۔ [2]

دلیل نمبر :۱۹۸

آپ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس طرح ندائیہ کلمات کی تعلیم دی ہے ۔ "السّلام عليك ايّها النبى ۔۔۔ الخ" اس غرض سے کہ یہ نداء قیامت تک ہوگی اور وقت زمین کے اوپر اور اندر دونوں کو شامل ہے تو اس سے نداء بعد الوفات ثابت ہوئی اس پر صحابۂ کرام علیہم رضوان، تابعین اور آئمہ اربعہ اور تمام امت نے عمل کیا ہے ۔ [3]

دلیل نمبر ۱۹۹:

قوله تعالىٰ حكاية عن شعيب عليه السلام "وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ (۹۰) فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (۹۱) "اى باركين على الركب متين (الى قوله) وقال يا قوم لقد ابلغتكم رسالت ربّى ونصحت لكم فكيف اٰسٰى على قوم كافرين ۔ (الاية)

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کا قصّہ یوں سنایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیب علیہ السلام کے تابع ہوئے تو تم ضرور نقصان میں رہو گے تو انہیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ۔ شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے ۔ شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے تو شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم میں تمھیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمھارے بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر کافروں کا

---

[1] (البصائر ص ۱۰۵، مراقی ص ۱۷۰، ھندیہ ص ۹۸، اثبات الاغراض ص ۶۵)

[2] (اوضح البیان ص ۱۴۰)

[3] (اثبات الاغراض ص ۶۵، البصائر ص ۱۰۵)

غم کروں۔[1]

دلیل نمبر ۲۰۰ :

دیوبندی مسلک کے ممتاز عالم مولوی حمداللہ صاحب لکھتے ہیں "یستحب ان یقال عند سماع الاول من الشھادۃ صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ، وعند الثانیہ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ" مستحب ہے کہ اذان میں پہلی مرتبہ اشھد انّ محمدرسول اللہ ﷺ پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شھادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہے۔[2]

دلیل نمبر :۲۰۱

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اذا اصاب احدکم جرحۃ بارض فلاۃ فلینادا عینوا یا عباداللہ یرحمکم اللہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی جنگل میں گرفتار ہو جائے تو یوں آواز دے کہ اللہ تعالیٰ کے بندو تم پر اللہ کی رحمت ہو میری مدد کرو۔[3]

دلیل نمبر ۲۰۲ :

یَادَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ﴿ص ۲۶﴾

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

دلیل نمبر ۲۰۳:

یَاعِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِي ﴿المائدۃ ۱۱۰﴾

اے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میرے احسانات کو یاد کرو۔

دلیل نمبر ۲۰۴:

یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ ﴿مریم ۷﴾

اے زکریا (علیہ السلام) ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۰۵ :

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ ﴿مریم ۱۲﴾

اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو مضبوطی سے پکڑلو۔

---

[1] (سورۃ الاعراف آیات ۹۳-۹۰ پارہ نمبر ۹)

[2] (البصائر ص ۱۰۰)

[3] (تفسیر کبیر ص ۱۶۳، البصائر ص ۵۱، اثبات الاعراض ص ۶۵، فدائے یا محمد ص ۱۵۲، ضیاء الصدور ص ۱۷، جآء الحق ص ۱۹۸، سماع البعید ص ۱۰۹، روح البیان ص ۱۷۱ ج ۲، الحجج البیّنات ص ۹، حصن حصین مع شرح تحفۃ الزاکرین ص ۱۸۱+ ص ۱۸۲، کتاب الاذکار ص ۲۰۱، الرسائل الستہ فی المسائل الستہ ص ۵۶، تنبیہ الضمائر ص ۳۹، طیب البیان ص ۵۵، المسائل المنتخبہ ص ۲۳، فتنۃ الوھابیۃ ص ۷۰، مقیاس مناظرہ ص ۶۶)

دلیل نمبر ۲۰۶ :

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿المزمل ۱﴾

اے کمبل میں لپٹنے والے۔

دلیل نمبر ۲۰۷:

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿المدثر ۱﴾

اے بالاپوش اوڑھنے والے۔

دلیل نمبر ۲۰۸:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴿الاحزاب ۳۲﴾

اے نبی کریم (ﷺ) کی ازواج مطہرات آپ دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۲۰۹ :

یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ ﴿الاحزاب ۳۰﴾

اے ازواج مطہرات آپ میں سے جو آئیں۔

دلیل نمبر ۲۱۰ :

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ ﷺ جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں اونٹ کو قتل کیا گیا تھا اور لوگ جمع تھے۔ جب آپ ﷺ اونٹ کے قریب ہوئے تو اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھ کر آواز دی "اغثنی یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول ﷺ میری دادرسی فرمائیے۔[1]

دلیل نمبر ۲۱۱ :

جب نبوت سرکار مدینہ کا ظہور ہوا تو اس دن تمام جمادات نے ان الفاظ سے سلام پیش کیا.

"السَّلام علیک یا رسول اللہ"[2]

دلیل نمبر ۲۱۲:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (پیر و مرشد اکابر دیوبند) لکھتے ہیں۔

آپ کی فرقت نے مارا یانبی : دل ہوا غم سے دو پارہ یانبی

طالب دیدار ہوں دکھلائیے : روئے نورانی خدارا یانبی

حق تعالیٰ کے تم ہی محبوب ہو : کون ہے ہمسر تمہارا یانبی

---

[1] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۹۰)

[2] (جواہر البحار ص ۱۷۹)

لیجئیے در پر بلاکب تک پھروں : دربدریاں ماراامارا یانبی
باغِ جنت سے ہےافضل لاکھ بار : مجھکووہ کوچہ تمھارایانبی
چین آتا ہےمیرے دل کو تمام : نام لیتے ہیں تمھارا یانبی
مرتے دم گر دیکھلوں روئے شریف : زندگی ہووے دوبارہ یانبی[1]

اگر ہم اہلسنت کو یارسول اللہ کہنے پر وہابی "مشرک" کہتے ہیں تو انکا اپنا پیر ومرشد بھی مشرکین کے زمرہ میں آتا ہے اور اگر وہ مشرک نہیں تو "یارسول اللہ" کا نعرہ لگانے والے بھی مشرک نہیں الغرض جن مسائل میں علماء وعوام مشرک نہیں ہوتے تو ان کو مشرک کہنا خود مشرک ہونا ہے۔[2]

دلیل نمبر ۲۱۳ :

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا ﴿الاحزاب ۴۵﴾

اے نبی غیب کی خبر دینے والے ہم نے آپکو گواہ بنا کر بھیجا۔

دلیل نمبر ۲۱۴:

"وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ من خبر الاولین والاٰخرین وما کان وماھو کائن قبل ذلک من فضل اللہ علیک یا محمد من خلقک"

یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین وآخرین کا علم دیا ہے جنکا آپ کو علم نہ تھا اور آپ کے پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماقبل اور بعد میں ہونے والے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۱۵ :

مشہور فقیہ عبدالرحمٰن بن الشیخ محمد بن سلیمان الحنفی المعروف بداماد آفندی لکھتے ہیں۔ **"ویقول السلام علیک یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ الکبریٰ واتوسل بک الی اللہ تعالیٰ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک"۔**

یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر سلامتی ہو میں آپ ﷺ کی شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کی ملت اور سنت پر مسلمان ہو کر مروں۔[4]

دلیل نمبر ۲۱۶ :

علامہ سیّد احمد طحطاوی رحمتہ اللہ علیہ "الشفاعۃ" کی تشریح فرماتے ہیں "ای نطلب منک الشفاعۃ یارسول اللہ" یارسول اللہ ہم آپ سے شفاعت کی التجاء

---

[1] (بحوالہ تحفہ محمدی ص ۲۲، حصہ چہارم)

[2] (برکاتِ میلاد شریف وسلام وقیام)

[3] (ابن جریر ص ۱۶۳ ج ۵)

[4] (مجمع الانھر ص ۳۱۳ ج ۱، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۶۱)

کرتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۲۱۷:

"ویبلغه سلام من اوصاه فیقول السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان یشفع بک الی ربک فاشفع له ولجمیع المسلمین۔۔۔الخ

"جو شخص کسی کو آپ ﷺ پر سلام کرنے کی وصیت کرے تو وہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر یوں سلام عرض کرے کہ یارسول اللہ فلان ابن فلان آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں اور آپ کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بناتے ہیں ان کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔[2]

دلیل نمبر ۲۱۸ :

خاتم المحدثین برکۃ المصطفیٰ فی الہند حضرت مولانا عبدالحق محدث دھلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ، وسلم علیک یا حبیب اللہ"[3]

دلیل نمبر ۲۱۹ :

"واخرج ابو یعلیٰ عن أبی هریرة رضی الله عنه سمعتُ رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنّهٗ"

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا فرمایا کہ قسم اس ذات (خداوندی) کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائیگا (آسمان سے اتارے گا) کہ جو میری قبر شریف پر کھڑے ہو کر یا محمد (ﷺ) کہیں گے تو میں ضرور جواب دونگا۔

دلیل نمبر ۲۲۰ :

وایضاً قال رئیس المخالفین مولوی اشرف علی تھانوی۔

یا شفیع العباد خذ بیدی : انت فی الاضطرار معتمدی

اے بندوں کی شفاعت کرنے والے میری دستگیری فرمائیے کیونکہ آپ پر میرا اعتماد و بھروسہ ہے۔[4]

دلیل نمبر ۲۲۱:

قَالُوا یَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿یوسف ۹۷﴾

بولے اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے بیشک ہم خطاوار ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲۲:

قوله تعالیٰ حکایه عن صالح علیه السلام وقالوا وَقَالُوا یَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (77) فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

---

[1] (طحطاوی ص ۴۰۶)

[2] (عالمگیری ص ۲۸۲ ج ۱)

[3] (تکمیل الحسنات ص ۷)

[4] (نشر الطیب ص ۱۹۴)

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (بارکین علی الرکب میتین)فَتَوَلَّى (اعرض صالح) عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ﴿۷۹﴾ (ای بعد ان ھلکوا وما تو ا کما خاطب النبی الکفار من قتلی بدر حین القوافی القلیب فقال عمر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ کیف تکلم اقواما قدجیفوا فقال ماانتم با سمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون۔[1]

یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کو آواز دینا (پکارنا) جائز ہے۔اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کا قصہ یوں بیان فرمایا ہے۔

"بولے اے صالح ہم پر لے آؤ وہ عذاب جس کا تم وعدہ کر رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انھیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔تو صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم! بیشک میں نے تمھیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور تمھارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرض (پسند کرنے والے) ہی نہیں۔(کنزالایمان) یہ باتیں اور نداء اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت اور موت کے بعد کی ہیں جیسے کہ آپ ﷺ نے ان کفار کو خطاب فرمایا تھا جو میدان بدر میں قتل کئے گئے تھے اور پھر کنویں میں پھینک دیئے گئے تھے۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ان لوگوں سے باتیں کرتے ہیں جو مر گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے یعنی یہ ہے کہ ایسا جواب نہیں دیتے جو تم نہیں سنتے۔

دلیل نمبر ۲۲۳:

مسلک اہل سنّت میں عقیدت سے یا شیخ عبدالقادر جیلانی اور اسی طرح دیگر اولیاء مثلاً پیر بابا، داتا گنج بخش، شاہ سمنگاں وغیرہم کو نداء کرنا (پکارنا) جائز ہے اور جو شخص ان الفاظ کے قائلین کو مشرک، کافر یا مرتد و ملعون کہتا ہے وہ خود ملعون، و کافر ہے۔[2]

وہابیوں کے امام ابن قیم نے بھی یہ حدیث بطور استدلال نقل کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مردے سنتے ہیں جب عام مردوں کا سننا ثابت ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی سماعت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہے۔

دلیل نمبر ۲۲۴:

مولوی حمداللہ جان دیوبندی صاحب جب حج کیلئے تشریف لے گئے تو امام الخوارج فی زمانہ مولوی محمد طاہر پنجپیری بھی گیا اور مکہ میں ان سے مناظرہ کیا اور پنج پیری کو ملامت کر کے شرمندہ کیا۔دوران مناظرہ مولانا سید جلال الدین نے مفتی مکہ مکرمہ سے پوچھا کہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ دربار نبوی سے باہر (دور) پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفتی مکہ مکرمہ نے کہا کہ میں یہاں بھی الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھتا ہوں یعنی مکہ مکرمہ میں اور یہ میرے نزدیک جائز ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۲۵:

دیوان قاضی بیدل میں اسطرح نداء کی گئی ہے۔

---

[1] (جلالین وصاوی)

[2] (الحق المبین)

[3] (دعوۃ التوحید والسنۃ ص ۴)

یاشفیع المذنبین المستغاث : یاامام المتقین المستغاث[1]

دلیل نمبر ۲۲۶:

شیخ القرآن والحدیث حافظ کفایت اللہ دیوبندی لکھتے ہیں۔اگر کوئی شخص بطور وظیفہ یہ وظیفہ پڑھے "یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیأًالله اقض حاجتی باذن الله وبحرمة محمد بن عبدالله"

اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ انھیں یہ آواز سُنا دے گا بطور کرامت تو یہ فعل جائز ہے۔اور شیأً مصدر ہے شوی یشوی شواءً سے مطلب یہ ہوا کہ محبت الٰہی میں بھُنا ہوا۔[2]

دلیل نمبر ۲۲۷:

مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ "یادافع البلاء والوباء" کہنا جائز ہے۔اس میں آپ ﷺ کی طرف نسبت مجازاً ہوئی ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۲۸ :

مولانا موصوف لکھتے ہیں جب کوئی شخص درود شریف "الصّلوٰۃ والسّلام علیک یارسول الله" پڑھے تو آپ ﷺ خود بطور خرقِ عادت اپنے کان مبارک سے سنتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲۹ :

دارالعلوم حقانیہ کے مفتی وشیخ الحدیث مفتی محمد فرید سے پوچھا گیا" یامحمّد و یارسول الله" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ یامحمّدکھنا اور پڑھنا جائز ہے اسکی مخالفت کرنے والے سلفی اور وھابی ہیں. (فتویٰ ہمارے پاس موجود ہے)

دلیل نمبر ۲۳۰:

حضرت علامہ حافظ کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ایک اعرابی آپ ﷺ کی وفات کے بعد روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور اپنے سر پر خاک پاک ڈالی اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ جو قرآن پاک آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت کریمہ بھی ہے "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴿النساء ۶۴﴾" میں حاضر ہوا ہوں میرے لیے دعا فرمائیے تو قبر انور سے آواز آئی کہ تمھاری بخشش ہوگئی ہے۔[4]

دلیل نمبر ۲۳۱ :

شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔بعض لوگ طریقت کے مقاصد کے حصول کیلئے ختم کرتے ہیں اس میں گیارہ مرتبہ "یاشیخ

---

[1] (دیوان، قاضی بیدل ص ۲۶)

[2] (الذخائر لاھل البصائر ص ۲۱)

[3] (الذخائر لاھل البصائر ص ۲۱)

[4] (تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۰ ج ۱، الذخائر ص ۵، تسکین الصدور ص ۳۵۲)

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ شیأاللہ" پڑھتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۲۳۲ :

خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں "الصلوۃ والسّلام علیک یارسول اللہ" پڑھنا بیشک جائز ہے اس کو شرک کہنا جہالت اور گمراہی ہے۔[2]

دلیل نمبر ۲۳۳:

مولانا قاضی حبیب الحق پر مولوی دیوبندی لکھتے ہیں انبیاء واولیاء کو نداء کرنا بطریقۂ توسل جائز ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۳۴ :

الحمدللہ اہلِ سنت وجماعت "الصلوۃ والسّلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں جو آیت کریمہ کی تعمیل ہے۔[4]

دلیل نمبر ۲۳۵:

مولانا شمس الحق افغانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور لکھتے ہیں یارسول اللہ شوق ومحبت سے پڑھنا جائز ہے اور جب کوئی شخص تشہد میں بیٹھے تو اپنے دل میں آپ ﷺ کو حاضر کرکے السلام علیک ایّھا النبی کہے۔[5]

دلیل نمبر ۲۳۶:

حضرت مولانا حافظ کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں "ان فلتت دابۃ احدکم فلیصلی رکعتین والیقراء فاتحۃ الکتاب فلیقل یاسیّدی احمدبن علوان لم ترد علیّ ضالتی لنزعتک من دیوان الاولیاء وھذا مجرب "اس میں میت سے توسل کرنا اور اسے (نداء کرنا) پکارنا ثابت ہے۔[6]

دلیل نمبر ۲۳۷ :

آپ ﷺ کے دربار گہربار میں آپ ﷺ پر درود شریف "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھا جاتا ہے۔جس میں آیت کریمہ کی تعمیل ہے۔جولوگ مذکورہ درود شریف کو شرک کہتے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ آیا یہ لوگ صبح وشام دربار نبوی میں شرک کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہاں شرک نہیں ہے مگر یہاں شرک ہے۔چونکہ یہ لوگ ہر کارِ خیر کو شرک کہتے ہیں اس لیے اگر درود شریف کو بھی شرک کہیں تو کوئی تعجب نہیں۔[7]

---

[1] (بحوالہ اظہارحق ص ۵۲،میاں ظاہر شاہ مدین سوات)

[2] (راہِ حق ص ۲)

[3] (المسائل المنتخبہ ص ۳۳)

[4] (راہِ حق ص ۶)

[5] (صحیح مسلک ص ۱۶،امداد الفتاویٰ ص ۳۸۳ ج ۵)

[6] (شامی ص ۳۳۴ ج ۳،الذخائر ص ۷)

[7] (راہِ حق ص ۷)

دلیل نمبر ۲۳۸ :

"اشفع لامتی حتی ینادینی ربی ارضیت یا محمّد فاقول ای رب رضیت" (فیصلہ حق و باطل) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھ سے فرمائیگا کہ یا محمد ﷺ کیا آپ راضی ہو گئے ہیں میں عرض کرونگا کہ اے میرے رب میں راضی ہوگیا۔

دلیل نمبر ۲۳۹ :

"یا محمد ارفع رأسک و قل تسمع و سل تعط و اشفع تشفع فاقول یا رب امتی امتی"[1]

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرمائیگا کہ سر اٹھائیے اور فرمایئے سنا جائیگا مانگئے عطا کیا جائیگا۔ شفاعت فرمائیے قبول ہوگی، میں عرض کرونگا کہ یا اللہ میری امت کو معاف فرما۔

دلیل نمبر ۲۴۰ :

مولانا عبدالجبار دیوبندی لکھتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو آواز دینا جائز ہے۔ اگر کوئی کہے "یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا رحمۃ للّعلمین، یا محمد ﷺ یا احمد، یا عیسیٰ، یا موسیٰ، یا داؤد، یا زکریا، یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدّثر، یا آدم علیھم السلام، یہ سب جائز ہیں"[2]

دلیل نمبر ۲۴۱ :

تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، آئمہ، اولیاء اللہ اور تمام اہلسنت یہ درود شریف پڑھتے ہیں "الصلوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" اور کہتے ہیں کہ یہ درود شریف حق ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۴۲:

آپ ﷺ کو احترام کے ساتھ یا محمد ﷺ سے پکارنا جائز ہے۔[4]

دلیل نمبر ۲۴۳:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں کوہِ حرا پر تھا کہ غیبی آواز یوں آئی "یا محمد انک رسول اللہ" میں نے ارد گرد دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو وہ فرشتہ نظر آیا جو وحی لیکر غارِ حرا آیا تھا۔[5]

دلیل نمبر ۲۴۴ :

حضرت علامہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح البیان میں لکھا ہے کہ درود شریف کی بہت فضیلت ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ یہ

---

[1] (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۸)

[2] (سنن الھدیٰ ص ۵)

[3] (راہِ حق ص ۹۲)

[4] (ندائے یا محمد ﷺ ص ۱۷)

[5] (شانِ حبیب الرحمٰن ص ۲۰۹)

درود شریف پڑھے۔ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" یا حبیب اللہ، یا خلیل اللہ۔[1]

دلیل نمبر ۲۴۵ :

مولانا حمد اللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی وفات پر فرمایا، "یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ"[2]

اے میرے والدِ محترم آپ نے رب کی دعوت قبول فرمائی۔ اے میرے ابا جان جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۴۶:

حضرت مولانا نوران شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یارسول اللہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، آپ کے وسیلے سے دنیا روشن ہوئی آپ کی مثل کوئی نہیں، میں اپنا سر و مال آپ پر قربان کرونگا.....الخ"[3]

دلیل نمبر ۲۴۷:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا" یا محمد ارسلنی اللہ الیک تکریما لک وتشریفالک خاصۃ لک"[4]

اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں آپ کی تعظیم وتکریم کیلئے بھیجا کیا ہے۔

دلیل نمبر ۲۴۸:

"یامحمد من ادرک احد والدیہ فلم یدخلاہ الجنۃ فابعدہ اللہ ثم ابعدہ"

اے محبوب ﷺ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور انکی خدمت کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو اپنی رحمت سے دور فرمائے۔[5]

دلیل نمبر ۲۴۹:

احادیث اور فقہ کی کتابیں ثابت کرتی ہیں کہ ہمیشہ کیلئے یارسول اللہ کہنا مستحب اور باعث برکت ہے۔[6]

دلیل نمبر ۲۵۰ :

یامحمد ان ربک یقرأ علیک السلام... (الخ)۔

---

[1] (شانِ حبیب الرحمٰن ص ۱۵۷)

[2] (بخاری شریف، البصائر ص ۱۰۵)

[3] (کیمیائے صداقت ص ۵)

[4] (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۴۹)

[5] (جلاء الافہام ص ۶۵)

[6] (بحوالہ ندائے یا محمد مفتی غلام سرور سیفی ص ۵۴، روح البیان ص ۲۲۸ ج ۷)

اے محبوب ﷺ بیشک اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۲۵۱ :

"کلھم یطلبون رضائی و انا اطلب رضاء ک یا محمد"

سب لوگ میری رضا طلب کرتے ہیں اور میں آپ کی رضا چاہتا ہوں۔[2]

دلیل نمبر ۲۵۲:

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی "فحانت الصلوۃ فاممتھم فلما فرغت من الصلٰوۃ قال لی قائل یا محمد ھذا ملک خازن النار فسلم علیہ فا التفت الیہ فبدأنی بالسّلام"

نماز کا وقت آیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو غیبی آواز آئی کہ یا محمد یہ دوزخ کا نگران فرشتہ مالک ہے سلام کیجئے جب میں نے انکی طرف دیکھا تو اس نے مجھ پر سلام کرنے میں پہل کی۔[3]

دلیل نمبر ۲۵۳ :

میں مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وھابی، پنج پیری، مودودی، تبلیغی کے چکر میں نہ آئیں بلکہ ذوق وشوق سے رحمتوں والا درود شریف "الصّلوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ، الصّلوۃ والسّلام علیک یا حبیب اللہ" پڑھیں۔[4]

دلیل نمبر ۲۵۴ :

"یا محمد من اٰمن بی و لم یؤمن بالقدر خیرہ و شرہ فلیلتمس ربا غیری"[5]

اے محبوب ﷺ جو مجھ پر ایمان لائے اور تقدیر خیر وشر پر ایمان نہ لائے تو وہ اپنے لیے، میرے علاوہ دوسرے خدا کو تلاش کرے۔

دلیل نمبر ۲۵۵:

حضرت مولانا حمد اللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اور یا محمد ﷺ بطور استعانت جائز ہے۔[6]

دلیل نمبر ۲۵۶:

مولوی فقیر محمد عباس قادری دیوبندی لکھتے ہیں۔ ہر مصیبت اور آفت سے بچنے اور سلامتی کیلئے "الصلوۃ والسلام علیک یا

---

[1] (الاتحافات السنیہ ص ۴۴)

[2] (تکمیل الایمان ص ۲۰)

[3] (مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

[4] (راہِ حق ص ۲۶)

[5] (الاتحافات السنیۃ ص ۲۲)

[6] (البصائر ص ۱۴۹)

رسول اللہ" بہترین وظیفہ ہے۔خواہ وہ مصیبت بمباری یا توپوں کی گولیاں کیوں نہ ہوں۔کیونکہ جو آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تو آپ بھی اس پر ضرور پڑھتے ہیں تو جس کیلئے آپ ﷺ سلامتی کی دعا فرماتے ہیں تو وہ یقیناً سلامت رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی دعا رد نہیں فرماتا۔[1]

دلیل نمبر ۲۵۷:

یا محمد، یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگانا مسجدوں میں یا گھروں میں ادب سے تو یہ جائز اور باعث برکت ہے۔[2]

دلیل نمبر ۲۵۸:

"یا محمد اخبر نی عن الاسلام"[3]

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجیے۔

دلیل نمبر ۲۵۹:

جو شخص "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" اس نیت سے پڑھے کہ فرشتے بارگاہِ نبوی میں پیش کریں گے تو اس طرح اس درود شریف کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔[4]

دلیل نمبر ۲۶۰:

حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی روح قبض کرنے کیلئے جب تشریف لائے تو عرض کیا کہ **"یا محمد ان اللہ ارسلنی الیک"[5]**

دلیل نمبر ۲۶۱ :

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بکار خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ : پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ
ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے : توئی خود ساز وسامانم اغثنی یارسول للہ[6]

دلیل نمبر ۲۶۲ :

مولانا موصوف لکھتے ہیں۔

---

[1] (دم درھم ص ۶۸)
[2] (میزائل ص ۱، اقتدار احمد خان شیخ الحدیث)
[3] (مشکوۃ شریف وصحیحین)
[4] (اختلافِ امت وصراط مستقیم ص ۴۶، مولانا لدھیانوی)
(۵ بیہقی بحوالہ مشکوۃ ص ۵۸۹)
[6] (بحوالہ اغثنی یارسول اللہ ص ۲۲، محمد منشاء تابش قصوری)

حبیب یارسول اللہ : اغثنی یارسول اللہ
خدا کے بعد ہے تیری : بڑائی یارسول اللہ
فرشتے تجھکو دیتے ہیں : سلامی یارسول اللہ
ثناء خواں ہوگئی ساری : خدائی یارسول اللہ
مصیبت میں ضرورت ہے : مدد کی یارسول اللہ[1]

دلیل نمبر ۲۶۳ :

امام واقدی (م ۲۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں کا روم کے عیسائیوں سے مقابلہ ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس جہاد میں پیش پیش تھے ان کا نعرہ یا محمداہ تھا۔

"کان خالد امامنا فی حملته و نحن من ورائه و کان شعارنا یا محمداہ یا منصور امتک امتک"[2]

دلیل نمبر ۲۶۴:

وسعت رزق کیلئے امام شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وظیفہ بتایا کہ جو کہے "یا رسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی و امددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات" تو اللہ تعالیٰ اسکی مشکلات آسان فرمادیگا۔[3]

دلیل نمبر ۲۶۵ :

مولانا نورالدین دیوبندی لکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا جائز اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔[4]

دلیل نمبر ۲۶۶:

حضرت مفتی اقتدار احمد خان نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک جسطرح یا اللہ لکھنا، پڑھنا جائز ہے اسی طرح یا محمد ﷺ بھی جائز ہے۔

دلیل نمبر ۲۶۷:

حضرت عبید اللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے قنسر کو فتح کرنے کیلئے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ کو بھیجا۔ راستے میں دشمن کے ۵۰۰۰ کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا جنگ کے دوران ہی دشمنوں کا ۵۰۰۰ کا لشکر مزید امداد کیلئے پہنچ گیا۔ مسلمان مصیبت میں پھنس گئے۔ انتہائی بے قراری کی حالت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا

---

[1] (اغثنی یارسول اللہ ص ۱۳۰)
[2] (فتوح الشام ص ۱۴۱)
[3] (شمع شبستان رضا حصہ دوم)
[4] (نورالوسیلہ ص ۳۲)

"یامحمداہ یامحمداہ یانصر اللہ انزل یامعشر المسلمین اثبتو اانماھی الساعۃ وانتم الاعلون"[1]

یا محمد یارسول اللہ ﷺ اے اللہ کی مدد نازل ہو۔اے مسلمانوں ثابت قدم رہو تھوڑی دیر مصیبت ہے پھر غلبہ ہمارا ہے۔

دلیل نمبر ۲۶۸ :

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "نعرہ رسالت یارسول اللہ" کہنا جائز ہے۔قرآن وحدیث سے جائز ہے۔"قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" (الاعراف ۱۵۸) اے محبوب فرمائیے کہ لوگوں میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو "یا" سے خطاب کیا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے مخاطب کون ہیں؟ آیا مکہ کے لوگ تھے جو آپ کے سامنے تھے۔اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر یہ کہنا ہوگا کہ آپ کو صرف اُن ہی لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا۔اور یہ حکم "اٰمنو ابالله و رسوله۔۔۔الخ"۔یہ بھی صرف انہیں لوگوں کیلئے ماننا پڑے گا۔مگر بات یہ نہیں ہے بلکہ یہ خطاب تمام بنی نوع انسان سے ہے جو قیامت تک آنے والے ہیں۔کیونکہ خطاب عام ہے اور لفظ (جمیعاً) اس پر قرینہ ہے۔جیسا کہ اس پر مفسرین کرام کا اتفاق ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو "یا" سے خطاب کیا۔[2]

دلیل نمبر ۲۶۹:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں" اگر کوئی شخص عشق ومحبت کی وجہ سے 'یارسول اللہ' کہے تو جائز ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۷۰:

غیر مقلدین کے پیشوا مولوی وحید الزماں لکھتے ہیں۔"ماتقولہ العامہ یارسول اللہ اَو یا علی او یا غوث النداء لا نحکم بشر کھم کیف وقد نادی رسول اللہ ﷺ قتلٰی بدر یا فلاں ابن فلاں و فلان بن فلاں"[4]

عام لوگ جو یارسول اللہ، یاعلی، یاغوث کے نعرے لگاتے ہیں ہم صرف ان کے اس کہنے کی وجہ سے انھیں مشرک نہیں کہتے اور کیسے مشرک کہیں گے کہ خود آپ ﷺ نے مقتولین بدر (کفار) کو یا فلان بن فلان سے خطاب فرمایا تھا۔اور عثمان بن حنیف رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث میں "یا محمد" کا لفظ بھی آیا ہے اور اس حدیث کو بیہقی اور جزری نے صحیح کہا ہے۔امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔دوسری روایت میں "یارسول اللہ" بھی آیا ہے اور یہ الفاظ یاعباداللہ اعینونی بھی حدیث میں آیا ہے۔[5]

دلیل نمبر ۲۷۱:

مولانا نور محمد بشیر لکھتے ہیں "یارسول اللہ یاعلی یاغوث" کے نعروں کو شرک نہیں کہا جاسکتا جو انھیں مشرک کہے وہ سخت غلطی پر ہے۔[6]

---

[1] (فتوح الشام ص ۲۹۸)

[2] (راہِ حق ص ۲۸)

[3] (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۴۵)

[4] (ھدیۃ المھدی ص ۲۴)

[5] (ھدیۃ المھدی ص ۲۴)

[6] (خطبات ص ۱۹۶)

دلیل نمبر ۲۷۲:

مولانا حافظ نذیر احمد حافظ انوری لکھتے ہیں۔ "اغثنی سیّدی انظر بحالی یا رسول اللہ تقبلنی و لا تردد سوالی یا رسول اللہ"[1]

دلیل نمبر :۲۷۳

حضرت مولانا فقیہہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حبیبی حبی محبوبی یا رسول اللہ : محبی حبی مطلوبی اغثنی یا رسول اللہ

عبیدک فی الرزایا و المراضا مستغیث یا رسول اللہ : طبیبی طبی مصحوبی اغثنی یا رسول اللہ[2]

دلیل نمبر :۲۷۴

حضرت مجاہد اعظم قاسم بریلوی لکھتے ہیں۔

مدد کیجئے شہنشاہ معظم یارسول اللہ : پریشان ہیں ہم مسلمانانِ عالم یارسول اللہ

خدا کے واسطے سن لیجئے صدقہ نواسوں کا : گرفتارِ بلا ہیں آج کل ہم یارسول اللہ[3]

دلیل نمبر ۲۷۵:

حضرت امام ابو محمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عبّاس روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا:

السّلام علیلک یا اول : السّلام علیک یا آخر

السّلام علیک یا ظاھر : السّلام علیک یا باطن[4]

دلیل نمبر ۲۷۶:

اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں درود شریف "الصلوۃ و السّلام علیک یا رسول اللہ" جائز اور مستحب ہے۔[5]

دلیل نمبر ۲۷۷:

مفتی غلام رسول دار العلوم جماعتیہ لکھتے ہیں۔ اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں "الصلٰوۃ و السّلام علیک یا رسول اللہ" دونوں طرح سے جائز ہے۔[6]

دلیل نمبر ۲۷۸ :

---

[1] (بحوالہ اغثنی یارسول اللہ ص ۸۴)

[2] (بحوالہ اغثنی یارسول اللہ ص ۱۷)

[3] (اغثنی یارسول اللہ ص ۸۲)

[4] (سعادۃ الدارین ص ۲۳۵ بحوالہ نداء یا محمد ص ۸۴)

[5] (اوضح البیان فی تائید احسن البیان ص ۱۲۵، مفتی سرحد ظاہر شاہ میاں مدین سوات)

[6] (فتاویٰ جماعتیہ ص ۱۲۵)

فقیہہ جلیل مولانا مفتی محمد رفیق صاحب لکھتے ہیں اذان سے پہلے اور اذان کے بعد بلند آواز سے "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کے جواز میں کوئی شک نہیں۔اس کے پڑھنے میں ثواب اور نہ پڑھنے میں عذاب نہیں لیکن اسکو بدعت سئیہ اور ناجائز کہنا جاہلوں کا کام ہے[1]

دلیل نمبر ۲۷۹ :

حضرت شیخ الحدیث مولانا فضل سبحان قادری صاحب لکھتے ہیں کہ اذان سے پہلے اور اذان کے بعد میں "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنا آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے اور صحابۂ کرام رضون اللہ عنہ علیھم اجمعین اور علماء اہلسنت سے ثابت ہے۔[2]

دلیل نمبر ۲۸۰ :

مفتی غلام سرور ایم اے اسلامک لاء لکھتے ہیں۔اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا مسنون اور مشروع ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۸۱ :

اورادِ فتحیہ میں یہ درود شریف بھی ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ :الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارحمۃ للعٰلمین :الصلوٰۃ والسلام علیک یاشفیع المذنبین

الصلوٰۃ والسلام علیک یاسیّد المرسلین :الصلوٰۃ والسلام علیک یاامام المتقی[4]

دلیل نمبر :۲۸۲

مولانا سیف الدین قندھاری دیوبندی لکھتے ہیں۔وہابی پنج پیری کافر ہیں کیونکہ یہ لوگ یارسول اللہ، یا محمد کو شرک وکفر کہتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے بنفس نفیس اپنے لختِ جگر کی وفات کے بعد یوں فرمایا "انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون" آپ ﷺ کے عمل سے مردوں کو نداء کرنا (پکارنا) ثابت ہوا تو اس کو شرک کی نسبت کرنا آپ ﷺ کی طرف نسبت شرک کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ)[5]

دلیل نمبر ۲۸۳:

حضرت استاذ العلماء مولانا ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری فرماتے ہیں۔

تجلی نور حبک فی فوأدی یارسول اللہ : وحبک اصل ایمان العباد یارسول اللہ

ومابی من الی الا بفضلک یارسول اللہ : مجدلی خذیدی یوم التنادیارسول اللہ[6]

---

[1] (انوار العرفان ص ۳۰)

[2] (احسن البیان ص ۵۸ بحوالہ اوضح البیان ص ۱۴۰)

[3] (مسئلہ صلوٰۃ والسلام ص ۴)

[4] (بحوالہ راہِ حق ص ۸)

[5] (کشف الاسرار ص ۸۶)

[6] (بحوالہ اشتی یارسول اللہ ص ۱۸)

دلیل نمبر ۲۸۴ :

حضرت استاذ العلماء عالم بے بدل سلطان المناظرین سیّد احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔ یارسول اللہ (ﷺ) سے انکار کرنا اصل میں معجزہ اور کرامت سے انکار کرنا ہے کیونکہ غائب کو نداء کرنا (پکارنا) ثابت ہے ۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قول سے ثابت ہے جب آپ جبل ابی قبیس پر چڑھے تو آواز دی "یا معشر المسلمین انّ ربکم بنی لکم بیتا و امر کم ان تحجوہ فاجا بہ الناس من اصلاب الآباء و ارحام الامھات فمن اجابہ مرۃ حج مرۃ و من اجاجہ عشرا حج عشرا"[1]

دلیل نمبر ۲۸۵:

مولانا موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی جو غائب تھے مثلاً "یا ساریۃ الجبل"[2]

دلیل نمبر ۲۸۶ :

مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ آپ ﷺ کو یوں ندِاء فرماتے ہیں "یا نبی اللہ سلام علیک انما الفوز و الفلاح لدیک"[3]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علامہ جامی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی غائب کو آواز دی ۔ان گمراہ، زندیق گروہ وھابی اور پنج پیری اور دورِ حاضر کے دیوبندیوں کے نزدیک یہ حضرات بھی مشرک ہونگے ۔ (نعوذ باللہ من ذالک) بہرحال مذکورہ تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا، نداء کرنا یعنی انبیاء کرام، شھداء کرام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو پکارنا قرآن، حدیث، مذاھب اِربعہ اور اجماع سے ثابت ہے اور ان کی مخالفت گمراہی ہے ۔ان دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی اس جائز فعل کو حرام و ناجائز کہتا ہے تو ان کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں "من حرم الحلال فقد وقع فی الضلال و استوجب العقوبۃ و النکال"[4] یعنی جو حلال کو حرام کہے تو وہ گمراہ ہے اور عذاب کا مستحق ہے ۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے طفیل ہر مسلمان کو ان بے دینوں، خارجیوں، وھابی خبیثوں کے قول و فعل سے محفوظ رکھے اور مسلک اِہلِ سنت و جماعت پر قائم و دائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے ۔ (آمین ثم آمین)

دلیل نمبر ۲۸۷:

بعض علماء اس دور میں کہتے ہیں کہ یارسول اللہ کہنا شرک ہے ۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔آیا قسطنطانی یا مصنف کنز العباد، دیلمی، امام طحطاوی اور مصنف روح البیان اور جامی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کیا یہ مشرک ہیں ۔نعوذ باللہ من ذالک ۔[5]

---

[1] (روح البیان ص ۲۲۶ ج ۱) (اظہار الکمال)

[2] (مشکوٰۃ ص ۵۴۶)

[3] (اظہار الکمال ص ۶)

[4] (فتاویٰ خیریہ ص ۱۸۳ ج ۲)

[5] (شرح نور الایضاح مصنف مولانا محمد عبید اللہ الایوبی القندھاری السلمانخیلی الحنفی) (ص ۳۷۰ جلد ۱)

یہ حضرات مشرک نہیں ہیں ۔بلکہ منع کرنے والے خود مشرک اور اسلام کے دائرہ سے باہر ہیں ۔

دلیل نمبر ۲۸۸ :

قرآن پاک کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرآن پاک میں" یا فرعون "سات حروف پر مشتمل موجود ملتا ہے ان پر بھی ستر ۷۰ نیکیاں ملتی ہیں ۔تو کیا یا رسول اللہ کہنے پر کچھ بھی نیکیاں نہیں ملیں گی ضرور ملیں گی ۔[1]

دلیل نمبر ۲۸۹ :

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بیان فرماتے ہیں ۔بعض عارفین نے بیان کیا ہے ۔کہ رسول اللہ ﷺ کو تشہد میں سلام اس وجہ سے عرض کیا جاتا ہے ۔کہ حقیقت محمدی نہ صرف یہ کہ تمام موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور تمام حوادث کے ہر فرد میں مومن آپ کے مشاہدہ سے غافل نہ ہوں تا کہ انوار قلب اور اسرار معرفت حاصل کرلیں ۔اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو ۔[2]

دلیل نمبر ۲۹۰:

مولوی ابن قیم جوزی اپنی کتاب جلا الافہام میں لکھتے ہیں کہ ابو بکر محمد بن عمر نے کہا کہ میں ابو بکر مجاھد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک شبلی آگئے تو ابو بکر بن مجاھد ان کے لئے کھڑے ہو گئے ان سے معانقہ کیا اور انکی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ۔میں نے کہا یا سیّدی تمام بغداد کے لوگ شبلی کو دیوانہ کہتے ہیں اور آپ نے اس کی اس قدر تعظیم کی ۔انہوں نے کہا میں نے اس کے ساتھ وہی کیا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا ہے ۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک دن خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ۔شبلی آئے تو رسول اللہ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ۔میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ شبلی کی اس قدر عزت افزائی کر رہے ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ شخص ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے ۔لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿توبة ۱۲۸﴾

ترجمہ : بے شک تمہارے پاس ایک عظیم رسول تشریف لائے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے ۔وہ تمہاری بھلائی بہت چاہنے والے ہیں اور مومنوں پر نہایت رحیم اور بے حد مہربان ہیں ۔اس آیت کے بعد تین بار مجھ پر درود پڑھتا ہے ۔اور کہتا ہے صلّی اللہ علیک یا محمد ۔ پھر جب میرے پاس شبلی آئے تو میں نے ان سے پوچھا آپ نماز کے بعد کیا پڑھتے ہیں ۔تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا ۔[3]

دلیل نمبر :۲۹۱

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں ۔اس میں ہے "**فقال الجبار یا محمد قال لبیک و سعدیک قال انہ لا یبدل القول لدی کما فرضت علیک فی ام الکتاب فکل حسنۃ بعشر**

---

[1] (تنبیہ الاخوان مصنف مولوی عبدالجلیل دیوبندی سواتی نوراللہ مرقدہ ص ۱۱)

[2] (لمعات ص ۱۸۱ ج ۳، مطبوعہ لاہور، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

[3] (ابن قیم جوزی جلا الافہام ص ۲۵۸، تبلیغی نصاب)

امثالها فهی خمسون فی ام لکتاب وهی خمس علیک"

ترجمہ :اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا محمد ﷺ! آپ نے کہا میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی میں نے جسطرح آپ پر ام الکتاب میں (نمازیں) فرض کی ہیں تو ہر نماز دس گنا ہے لہٰذا ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں۔اور آپ پر پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۲۹۲ :

امام احمد عبدالرحمٰن بن عائش کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔اس میں ہے **"اتانی ربی عزوجل اللّیلة فی احسن صورة قال یامحمّد"** یعنی آج رات میرے پاس میرا رب عزوجل بہترین صورت میں آیا اور فرمایا یا محمد۔[2]

دلیل نمبر ۲۹۳ :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف مسلسل شفاعت کرتا رہوں گا۔اور میری شفاعت قبول کی جاتی رہے گی حتیٰ کہ میں کہوں۔اے میرے رب جنہوں نے لاالہ الااللہ کہا ہے ان کے لیے میری شفاعت قبول فرما۔اللہ تعالیٰ فرمائیگا یا محمد ان کی مغفرت کرانا تمہارا منصب نہیں ہے۔ان کی براہِ راست مغفرت کرنا صرف میری خصوصیت ہے۔[3]

دلیل نمبر ۲۹۴:

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شاخ رکھی جس سے لوگوں کو خاموش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی یا محمد اپنی امت کے سروں کو نہ توڑیں۔اس کے بعد آپ کے پاس وہ شاخ نہیں دیکھی گئی۔[4]

دلیل نمبر ۲۹۵:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرائیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا محمد جو شخص مجھ پر ایمان لایا ہو اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لایا ہو وہ میرے علاوہ کوئی اور رب تلاش کرے۔[5]

دلیل نمبر ۲۹۶ :

فقیہہ اعظم محمد نوراللہ نعیمی فتاویٰ نوریہ میں لکھا ہے **"یستحب ان یقال عندالسماع الاولیٰ من الشهادة صلّی الله علیک یا رسول الله وعندالثانیة منها قرة عینی بک یا رسول الله ثم یقول اللّهم متعنی بالسمع والبصر بعدوضع الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائده الی الجنة"**[6]

---

[1] (صحیح بخاری ص ۱۱۲۱ ج ۲)

[2] (مسند احمد ص ۶۶ ج ۴، ترمذی ص ۴۶۶)

[3] (مسند ابویعلیٰ الموصلی ص ۱۸۸ ج ۳ بحوالہ شرح صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۱)

[4] (مصنف عبدالرزاق ص ۱۸۵ ج ۳)

[5] (علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی اتحاد السّادۃ المتقین ص ۶۵۱ ج ۹)

[6] (فتاویٰ نوریہ ص ۳۰۶ ج ۱، وقار الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲)

دلیل نمبر ۲۹۷:

علامہ غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے کہ یا محمد کہنا منع نہیں ۔اور اس کے بارے میں انہوں نے بہت دلائل جمع کئے ہیں ۔ان دلائل کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لئے کی ہے ۔کہ رسول اللہ ﷺ کو یا محمد کے ساتھ نداء کرنے کو مسلمان حرام سمجھنے سے باز رہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صحابہ کرام ،تابعین عظام ،سلف صالحین اور اخیارِ امت کی اتباع کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں ۔[۱]

دلیل نمبر ۲۹۸ :

"عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ۔قال ان اللہ ملائکۃ فی الارض سوی الحفظۃ یکتبون ما یسقط من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم عرجۃ بارض فلاۃ، فلینادا اعینو اعباد اللہ"

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کراماً کاتبین کے سوا اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں ۔جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے ۔تو وہ یہ نداء کرے ۔اے اللہ کے بندوں! میری مدد کرو ۔[۲]

دلیل نمبر ۲۹۹:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے ۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔اگر عیسیٰ میری قبر پر کھڑے ہو کر "یا محمداہ" کہیں ۔تو میں ان کو ضرور جواب دونگا ۔[۳]

دلیل نمبر ۳۰۰ :

عہد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا ۔کہ وہ شدائد اور ابتلاء کے وقت **"یامحمداہ"** کہ کر رسول اللہ ﷺ کو نداء کرتے تھے ۔[۴]

دلیل نمبر ۳۰۱ :

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربار رسالت ﷺ میں یوں فریاد کرتے ہیں

یارسول کبریا فریاد ہے
یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل

---

[۱] (شرح صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)

[۲] (کشف الاستار عن زوائد البزار ص ۳۴ ج ۴)

[۳] (شرح صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۷)

[۴] (الکامل فی التاریخ للامام محمد بن محمد ابن اثیر جوزی ص ۲۴۶ ج ۲، البدایہ ونہایہ ص ۳۲۴ ج ۶)

اے میرے مشکل کشا فریاد ہے[1]

دلیل نمبر ۳۰۲ :

مہاجر مکی حاجی امداد اللہ رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا طریقہ لکھتے ہیں ۔ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کا سفید شفاف کپڑے اور سبز پگڑی اور منور چہرہ کے ساتھ تصور کرے اور "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کی داہنے اور الصلوۃ والسلام علیک یانبی اللہ کی بائیں اور الصلوۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ کی ضرب دل پر لگائے ۔[2]

دلیل نمبر ۳۰۳ :

مولوی عبدالشکور دیوبندی لکھنوی اپنی تصنیف "علم الفقہ" کے (ص ۱۵۹) پر لکھتے ہیں اذان سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ اشھد ان محمد رسول اللہ سنے تو یہ بھی کہے ۔ صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری مرتبہ سنے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھ کر کہے "قرۃ عینی بک یارسول اللہ اللّٰھم متعنی باالسّمع والبصر "[3]

دلیل نمبر ۳۰۴:

حضرت شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب میں فرمایا کہ ابن عینیہ سے مروی ہے کہ حبیب خدا ﷺ ایک دن مسجد میں تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور جب اشھد ان محمدً ارسول اللہ کہا ۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے آنکھوں پر لگا کر پڑھا "قُرۃُ عینی بک یارسول اللہ" اور جب حضرت بلال رضی اللہ نے اذان ختم کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر جو کوئی یہ پڑھے جو تو نے پڑھا ہے از روئے شوق دیدار اور ایسے کرے جیسا تو نے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ اس کے نئے پرانے پوشیدہ اور ظاہر گناہ خطا سب معاف فرمادیگا ۔[4]

دلیل نمبر ۳۰۵:

علماء دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں ہم سے عہد لیا گیا کہ وعظ سے پہلے جب تک پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نہ کہہ لیں ۔ یارسول اللہ میں اجازت چاہتا ہوں ۔ کہ آپکی نیابت میں کچھ بیان کروں ۔ اس وقت تک وعظ نہ کہیں اور یہ اس لئے کہ جناب رسول ﷺ اور احباب یعنی علماء و اولیاء باطنی طریقہ سے ہماری امداد کریں ۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے بیان میں الجھنیں یا لغزش یا رکاوٹ نہ ہوگی ۔[5]

دلیل نمبر ۳۰۶ :

مولوی سرفراز خان دیوبندی "نداء یارسول اللہ ﷺ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ الفاظ یارسول اللہ ﷺ محبت اور عقیدت کے طور پر پیش کرتا ہے یہ بھی فی الجملہ درود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کردینگے ۔ تو درست اور

---

[1] (نالہ امداد غریب ص ۲۲، مطبع راشد کمپنی دیوبند)

[2] (ضیاء القلوب ص ۵۵، مطبع راشد کمپنی دیوبند)

[3] (جامع الرموز، کنز العباد، علم فقہ ص ۱۵۹، مطبع دار الشاعت کراچی، مصدقہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی)

[4] (حاشیہ تفسیر جلالین ص ۳۵۷، بحوالہ البرھان ص ۴۸۲ مصنف فقیہہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب فیصل آباد)

[5] (دعوۃ الحق مصنف مولانا سید گل بادشاہ فاضل دیوبند ص ۲۹ بحوالہ یارسول اللہ ﷺ کے متعلق فتویٰ از حضرت علامہ الحاج مفتی محمد آمین صاحب فیصل آباد)

صحیح ہے۔[1]

دلیل نمبر ۳۰۷:

ہمارے ہم عصر دیوبندی مسلک کے جید عالم دین۔ مفتی محمد فرید صاحب مجددی سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک فرماتے ہیں۔ انتہائی عشق ومحبت سے اگر آپ ﷺ کو حاضر اور مخاطب کی طرح سمجھ کر یارسول اللہ ﷺ سے پکارے تو یہ نہ شرک ہے نہ ایہام شرک ہے۔ بلکہ معمول ومعروف ہے۔[2]

دلیل نمبر ۳۰۸:

مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی وھابیہ خبیثیہ کا رد اس انداز سے فرماتے ہیں۔ کہ وہابیہ عرب کی زبان سے بار ہا سنا گیا ہے۔ کہ **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** کو سخت منع کرتے ہیں اور اس ندا اور خطاب کی وجہ سے اہل حرمین سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہ کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغۂ خطاب ونداء کیوں نہ ہوں۔ مستحب ومستحسن جانتے ہیں اور یہ اپنے متعلقین کو اسکا امر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ درود شریف بصیغہ خطاب کو منکر بدعت کہنے والے اور استہزاء کرنے والے وہابیہ خبیثیہ ہیں۔[3]

دلیل نمبر ۳۰۹ :

"ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة یجعل ظهرک الی القبلة و استقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاتہٗ"۔

ترجمہ : حضرت ابوحنیفہ نافع اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آئے پیٹھ قبلہ کی طرف کرلے اور رخ قبر انور کی طرف پھر کہے سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکت نازل ہو۔[4]

لیل نمبر ۳۱۰ :

امام مجتہد فقیہہ اجل عبدالرحمٰن ہُذَلی کوفی مسعودی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے اور اجلّہ تبع تابعین واکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ سر پر بلند ٹوپی رکھتے ہیں جس میں لکھا تھا "**محمّد یا منصور**"[5]

دلیل نمبر ۳۱۱ :

شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء ومرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے اور یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں اور اولیاء بعد انتقال کے بھی

---

[1] (سماع الموتیٰ ص ۱۰۷)

[2] (مقالات ص ۲۰، پشتو)

[3] (الشہاب الثاقب ص ۶۵)

[4] (مسند امام اعظم ص ۱۰۳)

[5] (انوالانتباہ ص ۱۱، مشارق الانوار ص ۵۹)

مدد فرماتے ہیں، یا نہیں ۔انہوں نے جواب دیا کہ بیشک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں ۔[1]

دلیل نمبر ۳۱۲:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کو قنسرین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا راستہ میں دشمنوں کے پانچ ہزار لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی ابھی مسلمان اس پر غلبہ بھی نہ پاسکے تھے کہ دشمن کی تازہ دم پانچ ہزار فوج کا دستہ ان کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور مسلمان بڑی مصیبت میں پھنس گئے ۔اس وقت نہایت بیقراری میں حضرت کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ نے پکارا، "**یا محمداہ ،یا محمداہ یانصر اللہ انزل یامعشر المسلمین اثبتوا انماھی الساعۃ وانتم الاعلون**" ۔

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ یارسول اللہ ﷺ اے اللہ کی مدد اتر آ اے مسلمانوں کے گروہ ثابت قدم رہو۔ یہ سختی کوئی دم بھر کی ہے پھر تم ہی غالب ہوگے ۔[2]

دلیل نمبر ۳۱۳ :

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی دیوبندیوں کے پیر، مرشد اپنی تصنیف گلزارِ معرفت سے نعتیہ کلام پیش کرتے ہیں ۔

کرکے نثار آپ پہ گھربار یارسول اللہ (ﷺ)

اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یارسول اللہ (ﷺ)

عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا

ہوں امتی تمہارا گنہگار یارسول اللہ (ﷺ)

کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی

مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ (ﷺ)

اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے

مجھے دیوانہ اور مجنوں بناؤ یارسول اللہ (ﷺ)

یہ غزل چھتیس ابیات پر مشتمل ہے ۔جو کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھی ہے ۔[3]

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک (ﷺ) کے طفیل ہر مسلمان کو ان بے دینوں، خارجیوں، وھابی خبیثوں کے قول وفعل سے محفوظ رکھے اور مسلک اہلِ سنت وجماعت پر قائم ودائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے ۔ (آمین ثم آمین)

---

[1] (نداء یارسول اللہ شیخ القرآن والحدیث مفتی شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ افغانی قندھاری ص ۱۲)

[2] (فتوح الشام ص ۲۹۸)

[3] (گلزار معرفت تصنیف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

(۶۲)﴿باب نمبر باسٹھ مسئلہ : گستاخان رسول ﷺ کا شرعی حکم اور سزا کا بیان﴾

بعض بدبخت ازلی شقی وگستاخان رسول ﷺ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا جُرم ہے اور ایسا جُرم ہے کہ اس کے مرتکب کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور آپ ﷺ کی گستاخی کرنے والا بالاتفاق علماءِ اُمّت کے نزدیک کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔اس کی توبہ قبول نہیں۔ بایں معنیٰ کہ وہ قتل سے بچ جائے اور گستاخیٔ رسول ﷺ کی وجہ سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔اس کے متعلق کثیر دلائل موجود ہیں مگر ہم اختصار کے پیشِ نظر چند عبارات پیش کرتے ہیں۔

قرآن پاک سے دلائل

آیت:۱ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ} (التوبۃ ۶۱ :)

ترجمہ : جولوگ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت :۲ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا}(الاحزاب ۵۷ :)

ترجمہ : بےشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیت:۳ مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا}(الاحزاب ۶۱ :،۶۲)

ترجمہ : پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں ملیں، پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔اللہ تعالیٰ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے، اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے۔

رسولِ اکرم ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی سے ارتداد لازم آتا ہے۔اور وہ شخص واجب القتل ہے۔رسولِ اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر فرضِ عین ہے۔اور اس کے برخلاف و برعکس آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے، خواہ صراحتاً ہو یا اشارتاً، انسان کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔چنانچہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ نبوت کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا :

آیت:۴ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ}(الحجرات : آیۃ۱،پ۲۶)

ترجمہ:''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اسے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بےشک اللہ سنتا جانتا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا کہ جو رسولِ پاک اکی بے ادبی کرے گا اس کی تمام نیکیاں اور عبادتیں برباد اور اکارت ہو جائیں گی۔

آیت:۵ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ}(الحجرات ۲:)

ترجمہ:''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔''

قَالَ الْعَلَامَۃُ الشَّامِی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فَھٰذِہِ الْاٰیَاتُ تَدُلُّ عَلٰی کُفْرِہٖ وَقَتْلِہٖ۔[1]

''یہ آیات مبارکہ گستاخِ رسول کے کفر اور قتل کے بارے میں ہیں۔''یعنی گستاخِ رسول ﷺ قتل کئے جائیں۔

بیہقی الوقت علم الھدیٰ مولانا القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی الپانی پتی رحمہ اللہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا

---

[1] (مجموعہ رسائل ج ۱ ص ۳۱۶)

وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

من اذی رسول اللہ ﷺ بطعن فی شخصہ اَو دینہ او نسبہ اَو صفۃٍ مِن صفاتہ اَو بوجہ من وجوہ الشّین فیہ صراحۃً اَو کنایۃً اَو تعرِیضًا اَوْ اشارۃً کفر ولعنہ اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعدّلہ عذاب جھنّم۔[1]

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء (تکلیف) دی وہ طعن آپ کی شخصیت میں ہو یا دین، نسب، کسی صفت میں یا برائیوں میں سے کسی برائی کے ساتھ صراحۃً ہو یا کنایہ سے یا اشارہ وتعریض سے، تو وہ کافر ہوگیا اور اس پر اللہ کی دنیا وآخرت میں لعنت ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا عذاب تیار کیا ہے۔

گستاخِ رسول واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں : قاضی صاحب اسی مذکورہ آیت کے تحت نیز فرماتے ہیں کہ کیا گستاخِ رسول اگی توبہ قبول ہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :قال ابن ھمام کل من ابغض رسول اللہ ﷺ بقلبہ کان مرتدا فالسباب بالطریق الاولیٰ ویقتل عندنا حدًا فلا تقبل توبتہ فی اسقاط القتل قالو اھٰذا مذھب اھل الکوفۃ ومالک ونقل عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: ''شیخ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو دلی طور پر رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے، تو گالی اور اہانت سے تو بطریق اولی مرتد ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اگر توبہ بھی کرے تو وہ توبہ کی وجہ سے قتل سے نہ بچ سکے گا، یہ اہل کوفہ (احناف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔''[2]

حضور ﷺ کو ثالث تسلیم نہ کرنے والا کافر ومرتد ہے

جو شخص مسلمان ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود نبی اکرم ﷺ کو برضا رغبت ثالث نہ مانے قرآن مجید کی رو سے کافر ہے، چنانچہ ایک یہودی اور ایک بظاہر کلمہ گو ایک مقدمہ لے کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا تو بظاہر کلمہ گو نے کہا یہ مجھے منظور نہیں، حضرت عمر ﷺ کے پاس چلتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔ لہٰذا دونوں حضرت عمر ﷺ کے پاس آئے آپ نے آنے کی وجہ دریافت کی اس نے سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر ﷺ نے واقعہ سن کر فرمایا یہیں ٹھہرو اور خود اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور تلوار ان کے ہاتھ میں لہرا رہی تھی، آپ ﷺ نے آتے ہی اس شخص کا سر اڑا دیا جس نے حضور ﷺ کا فیصلہ قبول نہیں کیا تھا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء:٦٥)

ترجمہ: ''(اے پیارے) تیرے رب کی قسم کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک آپ ﷺ کو اپنے تمام اختلافات میں اپنا حاکم تسلیم نہ کرلے پھر آپ ﷺ کے فیصلہ پر دل میں کسی قسم کی تنگی بھی محسوس نہ کرے اور خوب اچھی طرح تسلیم نہ کرلے۔''[3]

''الصارم المسلول'' میں ابن تیمیہ نے روایت نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ سیدنا عمر فاروق ﷺ نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے جواب دیا : ''میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کردے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر تصدیق فرمادی کہ وہ واقعی مؤمن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر ﷺ کو اس کے قتل کے الزام سے بری کر دیا۔

---

[1] (مظہری ۷ ص ۳۸۳، مکتبہ رشیدیہ)

[2] (مظہری ج ۷ ص ۳۸۲، مکتبہ رشیدیہ)

[3] (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۵۴، مکتبہ رشیدیہ)

اس آیتِ مبارکہ کے مذکورہ بالا شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کلمہ گو کو قتل کرنا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس آیت کو نازل فرمانے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے بھی واجب القتل ہے۔ آئیے قرآن پاک میں مذکورہ بالا آیت سے قبل کی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

گستاخِ رسول ﷺ کا قتل مباح ہے: اس واقعہ کے بعد اس مقتول کے ورثاء حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصاص کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا (٦٢) أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ (النساء ٦٢:٦٣)

ترجمہ: ''کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو انکے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے محبوب آپ (ﷺ) کے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا۔ ان کے دلوں کی تو بات اللہ جانتا ہے تو آپ ان سے چشم پوشی فرمائیں اور انہیں سمجھا دیں اور ان کے معاملہ میں ان سے قولِ بلیغ کے ساتھ نصیحت فرمائیں۔''

اس آیت میں "فاعرض عنهم" کے الفاظ سے مفسرین نے یہی مراد لیا ہے کہ آپ ﷺ ان کے مطالبہ قصاص کو مسترد کریں کیونکہ وہ شخص قتل کا ہی مستحق تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی جملہ کے تحت فرماتے ہیں: اَیْ عَنْ قَبُوْلِ اِعْتِذَارِهِمْ اَوْ عَنْ اِجَابَتِهِمْ فِی مُطَالَبَتِهِ دَمُ الْمَقْتُوْلِ فَاِنَّ دَمَهُ هدرٌ۔[1]

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے عذر اور قصاص اور مطالبہ کو ہرگز قبول نہ کیجئے کیونکہ وہ شخص مباح الدم ہونے کی بناء پر قصاص لیے جانے کے قابل ہی نہیں۔

چھٹی صدی کے امام مجتہد برھان الدین محمود بن صدر السعید حنفی صاحب محیط کا فتویٰ:

''وَفِی الْمُحِیْطِ مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ ﷺ اَوْ اِهَانَهُ اَوْ عَابَهُ فِیْ اُمُوْرِ دِیْنِهٖ اَوْ فِیْ شَخْصِهٖ اَوْ فِیْ وَصْفِ ذَاتِهٖ سَوَاءٌ كَانَ الشَّاتِمُ مِنْ اُمَّتِهٖ اَوْ غَیْرِهَا سَوَاءٌ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَوْ غَیْرِهٖ ذِمِّیًّا كَانَ اَوْ حَرْبِیًّا سَوَاءٌ كَانَ الشَّتْمُ اَوِ الْاِهَانَةُ اَوِ الْعَیْبُ صَادِرًا عَنْهُ عَمَدًا اَوْ سَهْوًا اَوْ غَفْلَةً اَوْ جِدًّا اَوْ هَزْلًا فَقَدْ كَفَرَ خُلُوْدًا بِحَیْثُ اِنْ تَابَ لَمْ یُقْبَلْ تَوْبَتُهٗ اَبَدًا لَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا عِنْدَ النَّاسِ وَحُكْمُهٗ فِی الشَّرِیْعَةِ الْمُطَهَّرَةِ عِنْدَ الْمُتَاَخِّرِیْنَ الْمُجْتَهِدِیْنَ اِجْمَاعًا وَعِنْدَ اَكْثَرِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ الْقَتْلُ قَطْعًا وَلَا یُدَاهِنُ السُّلْطَانُ وَنَائِبُهٗ فِیْ حُكْمِ قَتْلِهٖ''[2]

یعنی محیط میں ہے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی توہین (بے ادبی کی یا آپ کے امور دینیہ میں عیب لگایا یا حضور ﷺ کی ذات میں عیب لگایا یا اوصاف میں سے کسی وصف میں عیب نکالا عام ازیں کہ گالی دینے والا آپ ﷺ کی امت (اجابت) سے ہو یا نہ ہو اور عام اس سے کہ وہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہو یا ذمی (اسلامی حکومت میں پناہ گیر کافر) ہو یا حربی (حکومت کفار میں ساکن کافر) ہو برابر ہے کہ گالی یا توہین یا عیب اس سے جان بوجھ کر ظاہر ہو یا بطورِ سہو یا بطور غفلت یا کھری کلام میں یا مذاقیہ میں (بہرصورت) تحقیق وابدی اور دائمی کافر ہو گیا اس طرح کہ اگر وہ توبہ کرے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کی توبہ عند اللہ قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی عند الناس قبول ہوگی۔ شریعت مطہرہ میں متأخرین مجتہدین کے نزدیک اجماعاً اور اکثر متقدمین کے نزدیک اس کا حکم یقیناً قتل کرنا ہے۔ بادشاہ یا اس کا نائب اس کے حکمِ قتل میں دخل اندازی نہ کرے، یعنی

---

[1] (مظہری ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۷)

[2] (خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفاظ الکفر ج ۴ ص ۳۸۶، البرھان الجلی فی بیان حکم شاتم النبی ﷺ: ص ۴: سیف النبی ﷺ علی ساب النبی ﷺ: ص ۳:)

سستی نہ کرے۔

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ توہین کی یہ سزا صرف کافر کے لئے نہیں، بلکہ اگر کوئی مسلمان بھی اس کا ارتکاب کرے تو وہ مرتد وملعون ہے اور اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اگر کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی گستاخ کو معاف فرمادیا تو ہم اس پر کسی صدر یا وزیر اعظم کو قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ آپ ﷺ کا حق تھا کسی اور کو یہ سزا معاف کرنے کی اجازت نہیں۔ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کبھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ انہوں نے کسی گستاخ کو معاف کیا ہو۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اَجْمَعَتْ اُمَّةٌ عَلٰی قَتْلِ مُتَنَقِّصِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَابِّهٖ۔[1]

نیز امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے :اِنَّ جَمِيْعَ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ عَابَهٗ اَوِ الْحَقَّ بِهٖ نُقْصًا فِيْ نَفْسِهٖ اَوْ نَسَبِهٖ اَوْ دِيْنِهٖ اَوْ خَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِهٖ اَوْ عَرَّضَ بِهٖ اَوْ شَبَّهَهٗ بِشَيْءٍ عَلٰی طَرِيْقِ السَّبِّ لَهٗ اَوِ الْاِزْرَاءِ عَلَيْهِ اَوِ التَّصْغِيْرِ لِشَاْنِهٖ اَوِ الْغَضِّ مِنْهُ وَالْعَيْبِ لَهٗ فَهُوَ سَابٌّ لَهٗ وَالْحُكْمُ فِيْهِ حُكْمُ السَّابِّ يُقْتَلُ۔۔۔ تَصْرِيْحًا كَانَ اَوْ تَلْوِيْحًا وَكَذٰلِكَ مَنْ لَعَنَهٗ اَوْ دَعَا عَلَيْهِ اَوْ تَمَنّٰى مُضِرَّةً لَهٗ اَوْ نَسَبَ اِلَيْهِ مَا يَلِيْقُ بِمَنْصِبِهٖ عَلٰی طَرِيْقِ الذَّمِّ اَوْ عَبَثَ فِيْ جِهَتِهِ الْعَزِيْزِيَّةِ بِسَخَفٍ مِنَ الْكَلَامِ وَهَجْرٍ وَمُنْكَرٍ مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرٍ اَوْ عَيَّرَهٗ بِشَيْءٍ مِمَّا جَرٰى مِنَ الْبَلَاءِ وَالْمِحْنَةِ عَلَيْهِ اَوْ غَمَصَهٗ بِبَعْضِ الْعَوَارِضِ الْبَشَرِيَّةِ الْجَائِزَةِ عَلَيْهِ الْمَعْهُوْدَةِ لَدَيْهِ وَهٰذَا كُلُّهٗ اِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَئِمَّةِ الْفَتْوٰى مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اِلٰى هَلُمَّ جَرًّا۔

ترجمہ :یعنی بے شک ہر وہ شخص کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی، یا آپ کو عیب لگایا (عیب نکالنا سب سے عام ہے، بے شک وہ کہ جس نے کہا کہ فلاں حضور ﷺ سے زیادہ علم والا ہے تحقیق اس نے حضور ﷺ کو عیب لگایا اور آپ کی تنقیص کی حالانکہ یہ گالی نہیں) یا آپ ﷺ کی ذات میں یا آپ ﷺ کی صفات میں یا آپ ﷺ کے نسب میں یا آپ ﷺ کے دین اور سیرت اور حکومت میں یا آپ ﷺ کی خصلتوں میں سے کسی خصلت میں نقص لاحق کیا۔ ان چیزوں کی تصریح کی یا اشارہ سے کہا یا بطریق سبّ آپ کو کسی غیر حسن چیز سے تشبیہ دی یا آپ ﷺ کے حق میں تحقیر یا استخفاف کیا یا آپ ﷺ کی قدر ومنزلت وشان میں تحقیر وتصغیر وکمی کی یا آپ ﷺ کی اقل تنقیص کی، نقص قلیل لاحق کیا اور آپ کی طرف عیب منسوب کیا تو وہ بھی ساب (گالی دینے والا) ہے اور اس پر بھی ساب کا حکم جاری ہوگا، وہ یہ کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ آپ ﷺ کی شان میں سب بکنا صراحتہً ہو یا اشارۃً (بہر صورت قائل کو قتل کیا جائے گا) اور یہی حکم اس کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے (اللہ اللہ کی پناہ معاذ اللہ العیاذ باللہ نعوذ باللہ الف الف مرۃ) یا آپ ﷺ پر بد دعا کرے (معاذ اللہ العیاذ باللہ الف الف الف مرۃ) یا آپ ﷺ کے نقصان کی تمنا کرے یا بطریق ذم اس چیز کو آپ کی طرف منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب کے لائق نہ ہو، یا رذیل کلام اور قبیح ومنکر وجھوٹے قول سے آپ ﷺ کی متعلقہ چیز سے عبث (کھیل کود، مذاق) کرے، یا ان چیزوں میں سے کسی چیز سے آپ پر عیب لگائے جو آزمائشوں اور محنتوں سے آپ پر جاری ہوئیں، جیسے فقر اختیاری ہو اور دانتوں کے کناروں کا شہید ہونا، وغیرہما) یا بعض عوارض بشریہ جائزہ کی وجہ سے آپ ﷺ کی تحقیر وتنقیص کرے۔ اس سب کے سب پر یعنی مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے مرتکب پر کفر وقتل کے فتویٰ پر تمام علما مفسرین ومحدثین اور ائمہ فتویٰ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اس وقت تک سب کا اجماع واتفاق ہے۔"[2]

نیز قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :لَا نَعْلَمُ خِلَافًا فِيْ اِسْتِبَاحَةِ دَمِهٖ بَيْنَ عُلَمَاءِ الْاَمْصَارِ وَسَلَفِ الْاُمَّةِ وَقَدْ ذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ

---

[1] (شفا شریف، ج ۲، ص ۳۰۴ قسم رابع، نسیم الریاض، شرح شفاء لعلی القاری الصارم المسلول، ص ۳)

[2] (شفا شریف ج ۲ ص ۲۰۶-۲۰۷، طبع قدیم۔ الصارم المسلول ص ۵۲۵، مطبوعہ بیروت)

اَلْاِجْمَاعُ عَلٰی قَتْلِهٖ وَتَکْفِیْرِهٖ۔[1]

''یعنی گستاخ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مباح الدم (یعنی اس کا قتل کرنا جائز ہے) ہونے میں علماء زمانہ اور سلف امت میں سے کسی کا خلاف نہیں۔ اور بہت سے اماموں نے اس (گستاخ نبی) کے قتل وتکفیر پر اجماع ذکر کیا ہے۔''

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :وَفِیْ کِتَابِ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا أَصْحَابُ مَالِکٍ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ وَغَیْرِهٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِنْ مُسْلِمٍ اَوْ کَافِرٍ قُتِلَ وَلَمْ یُسْتَتَبْ۔[2]

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : جس مسلمان یا کافر نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی نبی کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی۔

امام محمد بن امام سحنون مالکی المحدث نے فرمایا :اَجْمَعَ الْعُلَمَآئُ (اَیْ عُلَمَآئُ الْاَمْصَارِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَمْصَارِ (ق) عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ ﷺ وَالْمُتَنَقِّصَ لَهٗ کَافِرٌ وَالْوَعِیْدُ جَآئَ عَلَیْهِ بِعَذَابِ اللّٰهِ لَهٗ وَحُکْمُهٗ عِنْدَ الْاُمَّةِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ کَفَرَ (لِاَنَّ الرِّضٰی بِالْکُفْرِ کُفْرٌ)۔

ترجمہ :''سب علماء کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا، آپ ﷺ کی تنقیص (بے ادبی کرنے والا) کافر ہے اور عذاب اللہ کی وعید (دھمکی) اس پر جاری ہے اور ساری امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے (یعنی اسے قتل کردو) اور جو اس (گستاخِ نبی) کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا (کیونکہ کفر پہ رضا بھی کفر ہے)۔''

اسی طرح ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں :وفی المحیط اذا سکت القوم عن المذکر وجلسوا عنده بعد تکلمه بالکفر کفروا۔ یعنی محیط میں مذکور ہے کہ جب کوئی واعظ اپنے وعظ میں کلمہ کفریہ پر تکلم کرے اور لوگ پھر بھی اس کے ساتھ بیٹھے رہیں تو وہ لوگ بھی کافر ہو جائیں گے۔[3]

حدیقیہ میں ہے :کما فی حدیقیه والرضاء بکفر نفسه فانه کفر مطلقًا والرضاء بکفر غیره مطلقًا عند البعض ای بعض العلماء قال فی شرح الدرر ورضا بکفر نفسه کفر بالاتفاق وام الرضاء بکفر غیره فقد اختلفوا فیه۔[4]

حضرت الشیخ الکل بیھقی الوقت عالم الھدی مولانا قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظھری النقشبندی الفانی فتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں :وَفِیْ الْفَتَاوٰی مِنْ مَذْهَبِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ یُقْتَلُ وَلَا یُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ سَوَائٌ کَانَ مُؤْمِنًا اَوْ کَافِرًا وَبِهٰذَا یُظْهِرُ اَنَّهٗ یَنْتَقِضُ عَهْدُهٗ وَیُؤَیِّدُهٗ مَا رَوٰی اَبُوْ یُوْسُفَ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهٗ سَمِعْتُ رَاهِبًا سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ لَهٗ لَوْ سَمِعْتُهٗ لَقَتَلْتُهٗ اِنَّا لَمْ نُعْطِهِمِ الْعُهُوْدَ عَلٰی هٰذَا۔

ترجمہ :مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ میں ہے کہ جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب بکا وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں ،برابر ہے کہ وہ مومن ہو یا کافر ہو، اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بوجہ سب نبی ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف حضرت حفص سے راوی ہیں کہ ایک مرد نے ان سے کہا کہ میں نے ایک راہب سے سنا ہے کہ وہ حضور ﷺ کو گالی دیتا تھا، تو آپ رحمۃ اللہ

---

[1] (شفا شریف، ج ۲ ص ۲۰۷)

[2] (الشفا، ج ۲ ص ۲۱۶)

[3] (شرح فقہ اکبر ص ۱۶۵)

[4] (حدیقیہ ج ۱ ص ۴۴۹)

تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا اگر میں اس سے آقا کے حق میں گالی سنتا تو میں اسے قتل کر دیتا، ہم نے ان ذمیوں کو اس بات پر عہد و امان نہیں عطا کی کہ وہ سب بکتے رہیں۔[1]

قَالَ اِبْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِکٍ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ قُتِلَ وَ لَمْ یُسْتَتَبْ قَالَ اِبْنُ الْقَاسِمِ اَوْ شَتَمَهٗ اَوْ عَابَهٗ اَوْ تَنَقَّصَهٗ فَاِنَّهٗ یُقْتَلُ کَالزِّنْدِیْقِ وَ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ تَوْقِیْرَهٗ ﷺ۔

ترجمہ: ابن القاسم امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے حضور ﷺ کو گالی بکی وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ نا مقبول ہوگی۔ ابن قاسم نے فرمایا حضور ﷺ کو گالی دی، یا عیب لگایا، یا تنقیص کی بے شک وہ قتل کیا جائے گا، زندیق کی طرح۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی توقیر و تعظیم (ہم پر) فرض کی ہے۔"

امام اہلسنت اعلیٰحضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہید الایمان مع حسام الحرمین ص ۲۸ میں لکھتے ہیں: وَ الْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ فَاِنَّهٗ یُقْتَلُ حَدًّا لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ مُطْلَقًا (وَ لَوْ سَبَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قُبِلَتْ لِاَنَّهٗ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ الْاَوَّلُ حَقُّ عَبْدٍ لَا یَزَالُ بِالتَّوْبَةِ) وَ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ کُفْرِهٖ کَفَرَ۔

یعنی انبیاء کرام میں سے کسی نبی کے سب کی وجہ سے جو کافر ہوا اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور ہرگز ہرگز اس کی توبہ مقبول نہیں اور اگر اللہ کو سب کرے تو سب کی توبہ مقبول ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا حق ہے اور پہلے حق عبد مقدس کا حق ہے، وہ توبہ سے زائل نہ ہوگا اور جو کوئی اس کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

امام ابن منذر فرماتے ہیں: وَ أَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ اَنَّ لَهُ الْقَتْلُ۔

ترجمہ: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔

وَ قَالَ الْخَطَّابِیُّ: لَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِخْتَلَفَ فِیْ وُجُوْبِ قَتْلِهٖ۔

ترجمہ: امام خطابی علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے شاتم رسول ﷺ کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔[2]

رد المحتار علی الدر المختار حاشیہ ابن عابدین المعروف بالشامی، ج ۳، ص ۳۲۱، میں لکھا ہے: وَ الْحَاصِلُ أَنَّهٗ لَا شَکَّ وَ لَا شُبْهَةَ فِیْ کُفْرِ شَاتِمِ النَّبِیِّ ﷺ وَ فِیْ اِسْتِبَاحَةِ قَتْلِهٖ۔ وَ هُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ۔

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ شاتم رسول ﷺ کے کفر اور اس کے مباح الدم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔

شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی[3] فرماتے ہیں: لَا تَصِحُّ رِدَّةُ السُّکْرَانِ اِلَّا الرِّدَّةَ بِسَبِّ النَّبِیِّ ﷺ فَاِنَّهٗ یُقْتَلُ وَ لَا یُعْفٰی عَنْهُ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَّةِ۔

ترجمہ: نشے والے کی ردّت صحیح نہیں مگر جو ردّت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے کے سبب سے واقع ہو تو اسے قتل کیا جائے اور اس سے درگزر نہیں کی جائے گی۔

---

[1] (تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۱۹۱، فتح القدیر جلد ۴ ص ۳۸۱)

[2] (شفا شریف ج ۲ ص ۲۰۸، الصارم المسلول ص ۴، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۰۷)

[3] (اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کتاب السیر، باب الردۃ ص ۱۷۵ میں)

معلوم ہوا کہ ساب وشاتم رسول ﷺ کسی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔عام مرتد اور شاتم رسول کے بارے میں لکھتے ہیں:

كُلُّ كَافِرٍ تَابَ فَتَوْبَتُهُ مَقْبُوْلَةٌ فِيْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا جَمَاعَةَ الْكَافِرِ بِسَبِّ نَبِيٍّ وَسَائِرِ الْاَنْبِيَآئِ وَبِسَبِّ الشَّيْخَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَبِالسِّحْرِ وَلَوْ اِمْرَأَةٌ وَبِالزِّنْدَقَةِ اِذَا اُخِذَ قَبْلَ تَوْبَتِهٖ۔

ترجمہ: ہر کافر جس نے توبہ کرلی تو اس کی توبہ قبول ہے دنیا اور آخرت میں مگر ایک جماعت جو حضور اکرم ﷺ اور تمام انبیاء (علیہم السلام) اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) یا دونوں میں سے ایک کو گالیاں دینے کے سبب کافر ہوگیا ہو یا جادوگر گو عورت ہو اور زندقہ کی وجہ سے کافر ہوگیا ہو توبہ کرنے سے پہلے پکڑے جائیں، تو قتل کئے جائیں۔

الْعُقُوْدُ الدُّرِّيَّةُ فِيْ تَنْقِيْحِ فَتَاوٰى حَامِدِيَّه بَابُ حُكْمِ الرَّوَافِضِ وَسَبِّ الشَّيْخَيْنِ میں لکھا ھے: اَمَّا سَبُّ الشَّيْخَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاِنَّهٗ كَسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ الصَّدْرُ الشَّهِيْدُ مَنْ سَبَّ الشَّيْخَيْنِ اَوْ لَعَنَهُمَا يُكْفَرُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ وَاِسْلَامُهٗ۔ یعنی شیخین کو گالیاں دینا ایسے ہی ہے جیسے نبی ﷺ کو گالیاں دینا ہے۔صدر الشہید نے فرمایا: جس نے حضرات شیخین کو گالی دی یا ان پر لعنت کی وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توبہ اور اسلام قبول نہیں کیا جائے گا۔[1]

فتاوی رضویہ میں لکھا ہے: كُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَتَوْبَتُهٗ مَقْبُوْلَةٌ اِلَّا الْكَافِرَ بِسَبِّ نَبِيٍّ اَوِ الشَّيْخَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا۔ یعنی ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوگیا اس کی توبہ قبول ہے مگر وہ کافر جس نے کسی نبی یا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دی۔[2]

درمختار میں ہے: مَنْ سَبَّ الشَّيْخَيْنِ اَوْ طَعَنَ فِيْهِمَا كَفَرَ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ۔

ترجمہ: جس نے حضرت ابوبکر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہے، اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔[3]

وَكُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَاِنَّهٗ يُقْتَلُ اِنْ لَّمْ يَتُبْ۔

ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوا تو بے شک وہ قتل کیا جائے گا، اگر توبہ نہ کی۔

یہ عام مرتد کی سزا اور شرطِ توبہ کا بیان ہے اور پہلے بیان کر دیا کہ جو ارتداد نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دینے سے واقع ہوگا اس کی سزا، سزائے موت ہے۔[4]

وَاِذَا مَاتَ رَدَّتُهٗ لَمْ يُدْفَنْ فِيْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا اَهْلِ مِلَّةٍ وَاِنَّمَا يُلْقٰى فِيْ حُفْرَةٍ كَالْكَلْبِ، وَالْمُرْتَدُّ اَقْبَحُ كُفْرًا مِنَ الْكَافِرِ الْاَصْلِيِّ، وَاِذَا شَهِدُوْا عَلٰى مُسْلِمٍ بِالرَّدَّةِ وَهُوَ مُنْكِرٌ لَا يَتَعَرَّضُ لَهٗ لَا لِتَكْذِيْبِ الشُّهُوْدِ الْعُدُوْلِ بَلْ لِاَنَّ اِنْكَارَهٗ تَوْبَةٌ وَرُجُوْعٌ فَتَثْبُتُ الْاَحْكَامُ الَّتِيْ لِلْمُرْتَدِّ لَوْ تَابَ مِنْ حَبْطِ الْاَعْمَالِ وَبَيْنُوْنَةِ الزَّوْجَةِ وَقَوْلُهٗ لَا يَتَعَرَّضُ لَهٗ اِنَّمَا هُوَ فِيْ مُرْتَدٍّ تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ فِي الدُّنْيَا لَا الرَّدَّةَ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ اھ اَلْاَوْلٰى تَنْكِيْرُ النَّبِيِّ كَمَا عُبِّرَ بِهٖ فِيْمَا سَبَقَ اھ مُلَخَّصًا غَمْزُ الْعُيُوْنِ۔[5]

ترجمہ: اور جب وہ اسی ارتداد پر مر جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ تو اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، نہ کسی ملت والے مثلاً یہودی یا نصرانی کے گورستان میں دفن کیا جائے، وہ تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے۔مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے اور اگر

---

[1] (بحوالہ فتاوی رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)

[2] (فتاوی رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)

[3] (بحوالہ فتاوی رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)

[4] (الاشباہ والنظائر، ص ۱۷۵)

[5] (فتاوی رضویہ، ج ۱۴ ص ۳۰۲)

کسی مسلمان پر گواہانِ عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فلاں فعل کے سبب مرتد ہوگیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لئے کہ اس کا انکار اس کفر سے توبہ ورجوع سمجھیں گے ولہٰذا گواہان عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہوگیا تھا، اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کرینگے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہوگئے اور جو رونکاح سے باہر، باقی سزا نہ دی جائے گی، مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کہ یہ وہ کفر ہے جس کی توبہ قبول نہیں۔ اور یہ قول کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے اس مرتد سے متعلق ہے جس کی توبہ دنیا میں مقبول ہے، نہ وہ مرتد جو نبی ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرے کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہیں، یونہی کسی نبی کی شان میں گستاخی علیہم الصلوۃ والسلام، اولی یہ تھا کہ لفظ نبی کو نکرہ ذکر کرتے جیسا کہ گزشتہ عبارت میں تعبیر کیا ہے اھ ملخصاً غمز العیون۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب احکام المرتدین میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں : ردت کا حکم یہ ہے کہ مرتد یا تو توبہ کرلے یا پھر قتل کردیا جائے اور کچھ مسائل ارتداد کے اس حکم ارتداد سے خارج ہیں۔

وَیُسْتَثْنٰی مِنْہُ مَسَائِل ۔(اس حکم سے کچھ مسائل خارج ہیں):

۱۔اَلْاَوْلٰی الرِّدَّۃُ بِسَبِّہٖ ﷺ قَالَ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ کُلُّ مَنْ اَبْغَضَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِقَلْبِہٖ کَانَ مُرْتَدًا فَالسَّابُّ بِطَرِیْقِ اَوْلٰی ثُمَّ یُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا فَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ فِیْ اِسْقَاطِ الْقَتْلِ قَالَ ھٰذَا مَذْھَبُ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ وَمَالِکٍ وَنُقِلَ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

ترجمہ : پہلا مسئلہ : وہ ردت جو نبی ﷺ کو گالیاں دینے کے ذریعے ہو، فتح القدیر میں فرمایا : جس نے رسول اللہ ﷺ پر دل سے غضب وغصہ کیا وہ مرتد ہوجاتا ہے۔ تو گالیاں دینے والا بدرجہ اولی مرتد ہے، پھر ہمارے نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ اس کے قتل کو ساقط کرنے میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی اہل کوفہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہی مذہب منقول ہے۔ معلوم ہوا کہ شاتم رسول کی ایسی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جس سے اس کی سزائے موت بطور حد کے ساقط ہوجائے۔

صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں :

وَالْحَقُّ اَنَّ الَّذِیْ یُقْتَلُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ ھُوَ الْمُنَافِقُ۔

ترجمہ : اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے وہ منافق ہے۔

۲۔اَلرِّدَّۃُ بِسَبِّ الشَّیْخَیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا

ترجمہ : دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینا بھی قتل کو واجب کردیتا ہے۔

۳۔لَا تُقْبَلُ تَوْبَۃُ الزِّنْدِیْقِ فِیْ ظَاھِرِ الْمَذْھَبِ وَھُوَ مَنْ لَّا یَتَدَیَّنُ بِدِیْنٍ

ترجمہ : تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی ظاہر مذہب میں اور زندیق وہ ہے جو کوئی دین نہ رکھتا ہو۔

فقہ حنفی کے معتبر فتاوے بزازیہ (مؤلفہ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ) میں ہے:

اِلَّا اِذَا سَبَّ الرَّسُوْلَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَوْ وَاحِدًا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تَوْبَۃَ لَہٗ اَصْلًا سَوَاءٌ بَعْدَ الْقُدْرَۃِ عَلَیْہِ وَالشَّھَادَۃِ اَوْ جَآءَ تَائِبًا مِّنْ قِبَلِ نَفْسِہٖ کَالزِّنْدِیْقِ لِاَنَّہٗ حَدٌّ وَجَبَ فَلَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ کَسَائِرِ حُقُوْقِ الْاٰدَمِیِّیْنَ وَکَحَدِّ الْقَذْفِ لَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ بِخِلَافِ مَا اِذَا سَبَّ اللّٰہَ تَعَالٰی ثُمَّ تَابَ لِاَنَّہٗ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ : مگر جب مرتد نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں یا کسی ایک نبی کو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے گالیاں دیں تو بے شک اس کو قتل کیا

جائے گا بطور حد کے، اس کی توبہ اصلاً نہیں ہے چاہے اس پر قدرت وشہادۃ موجود ہوتے ہوئے یا وہ اپنے آپ توبہ کرلے جیسے زندیق ہے اس لئے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے جو واجب ہو چکی ہے تو یہ حد توبہ سے ساقط نہ ہوگی جیسے باقی تمام انسانی حقوق ہیں اور جیسے حد قذف توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ جب اللہ تعالیٰ کو گالیاں دے اور بعد میں توبہ کرلے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

احادیث مبارکہ سے علماء کرام نے یہ فیصلہ ثابت کر دیا ہے کہ جس کسی نے نبی اکرم ﷺ کی اہانت کی اور تنقیص شان کی تو اس کی سزا، سزائے موت ہے اور یہ حکم قتل امتی کے لئے ثابت وقابل عمل رہے گا۔

رہا یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض گستاخوں کو معاف فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور صاحب حق کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا حق معاف کر دے۔ اب کون قابل معافی ہے اور کون نہیں ہے تو یہ امتیاز آپ ﷺ کو حاصل تھا آپ ﷺ کے بعد امت کے پاس اس امتیاز پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا گستاخ مرتد کی سزا، سزائے موت ہے۔

یاد رہے کہ اگر اصلی کافر بھی نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دے، اہانت کرے اگرچہ کہ وہ عورت ہو تو اسے بھی قتل کرنے کا حکم ہے کہ یہ اہانت ہے جو ارتداد کا اعلیٰ فرد ہے۔

نَعَمْ قَدْ يُقْتَلُ الْكَافِرُ وَلَوْ امْرَأَةً إذَا اعْلَنَ بِشَتْمِهِ ﷺ یعنی کافر کو قتل کیا جائے گا اگرچہ عورت ہو جب وہ نبی ﷺ کو کھلے عام گالیاں دیں۔[1]

وَالْمُرْتَدُ يُقْتَلُ لِأَنَّ كُفْرَهُ اغْلَظُ۔ یعنی اور مرتد کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ اس کا کفر زیادہ سخت ہے۔[2]

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اصل کافر سے اتنا زیادہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا زیادہ نقصان مرتد سے پہنچ سکتا ہے کیونکہ اسلام میں آ کر پھر اسلام سے نکل کر زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کے ایمان کو کمزور بنانے کا باعث بنتا ہے اور اسلام دشمنی میں زیادہ دلیر ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے مرتد کا قتل ضروری ہو جاتا ہے۔

فَظَاهِرُهُ أَنَّهُ يُقْتَلُ مُطْلَقًا وَهُوَ مُوَافِقٌ لِمَا افْتَى بِهِ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ وَالْحَقُّ أَنَّهُ يُقْتَلُ عِنْدَنَا إذَا اعْلَنَ بِشَتْمِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

پس ظاہر کلام یہ ہے کہ شاتم رسول کو مطلقاً قتل کر دیا جائے اور یہ خیر الرملی کے فتوے کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ شاتم رسول کو ہمارے نزدیک قتل کیا جائے جب وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کھلے عام گالیاں دے۔

اور اگر عورت ایسا کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا، اس پر امام محمد نے سیر کبیر میں دلیل بیان کی ہے:

جَآءَ رَجُلٌ إلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَالَ سَمِعْتُ امْرَأَةً مِنْ يَهُوْدٍ وَهِيَ تَشْتُمُكَ وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَّهَا لَمُحْسِنَةٌ اِلَيَّ فَقَتَلْتُهَا فَاَهْدَرَ النَّبِيُّ ﷺ دَمَهَا۔[3]

ترجمہ: ایک مرد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے ایک یہودی عورت کو سنا کہ وہ آپ ﷺ کو گالیاں دے رہی تھی، اللہ کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! میرے ساتھ وہ احسان کرنے والی تھی پھر بھی میں نے اسے قتل کر دیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس عورت کے خون کو رائیگاں فرما دیا۔

امام حجۃ الاسلام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں: وَقَالَ اللَّيْثُ فِي الْمُسْلِمِ يَسُبُّ النَّبِيَّ

---

[1] (رد المحتار باب المرتد)

[2] (رد المحتار)

[3] (رد المحتار، ج ۳ ص ۳۰۶)

ﷺ اَنَّهٗ لَا یُنَاظَرُ وَ لَا یُسْتَتَابُ وَیُقْتَلُ مَکَانَهٗ وَ کَذَالِکَ الْیَهُوْدِیُّ وَ النَّصَارٰی۔[1]

ترجمہ : اور لیث نے فرمایا ایسے مسلمان کے بارے میں جو نبی ﷺ کو گالیاں دیتا ہو کہ بے شک نہ اس سے مناظرہ کرے نہ مہلت دے اور نہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اور اسے اسی جگہ پر قتل کر دیا جائے۔ اور ایسے ہی یہودی اور نصاریٰ شاتم کا بھی حکم ہے۔

معلوم ہوا کہ سب سے بڑا بدترین ارتداد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو گالیاں یا اذیتیں دی جائیں، جس کی سزا بطورِ حد صرف قتل ہے۔ اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ قتل کرنا دنیا میں عذابِ الٰہی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ گستاخوں کو دیتا رہا ہے۔

احکام القرآن للجصاص، ج ۳، ص ۱۰۶ پر منقول ہے:

وَ لَا خِلَافَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ مَنْ قَصَدَ النَّبِیَّ ﷺ بِذٰلِکَ فَهُوَ مِمَّنْ یَنْتَحِلُ الْاِسْلَامَ اَنَّهٗ مُرْتَدٌّ یَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ۔

ترجمہ : مسلمانوں کا آپس میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی اہانت و ایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے، تو وہ مرتد اور مستحق قتل ہے۔

یعنی گستاخِ رسول ﷺ اگر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس گستاخی سے مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا، سزائے موت ہے۔ اس کی سزائے موت میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ شاتمِ رسول ﷺ کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر عام مرتد بھی توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بھی قتل ہے۔ عام مرتد ہو، یا شاتمِ رسول ﷺ خاص درجہ کا مرتد ہو، اس کا مستحق قتل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ بعض کے ہاں اتنی بات ہے کہ جو مرتد شاتم رسول ﷺ بھی ہو، اس کی توبہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس میں جمہور کی اکثریت اس پر قائم ہے کہ ایسے شاتم رسول ﷺ کے لئے عند اللہ توبہ قابل قبول ہو سکتی ہے لیکن ایسی توبہ کہ جس سے حدِ قتل معاف اور ساقط ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ توبہ کرنے کے باوجود سزائے موت دی جائے گی۔ جیسے قتل، زنا، چوری، ڈکیتی وغیرہ جرائم سے توبہ کی جا سکتی ہے لیکن حد معاف نہیں ہو گی۔

قاضی الشرق والغرب صاحب ابی حنیفہ الامام الحافظ الحجۃ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اَیُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَوْ کَذَّبَهٗ اَوْ عَابَهٗ اَوْ تَنَقَّصَهٗ فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰهِ وَ بَانَتْ مِنْهُ زَوْجَتُهٗ''۔[2]

یعنی جس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا آپ کو عیب لگایا یا آپ ﷺ کی تنقیص (بے ادبی) کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ سے انکار کیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔

''اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَاتِمَهٗ ﷺ کَافِرٌ وَ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ کُفْرِهٖ کَفَرَ''۔[3]

''وَ الْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ فَاِنَّهٗ یُقْتَلُ حَدًّا لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ مُطْلَقًا (وَ لَوْ سَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قُبِلَتْ لِاَنَّهٗ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ الْاَوَّلُ حَقُّ عَبْدٍ لَا یَزَالُ بِالتَّوْبَةِ) وَ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ کُفْرِهٖ کَفَرَ۔[4]

یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو گالی دینے کی وجہ سے جو کافر ہوا اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول ہے اس لیے کہ وہ اللہ کا حق ہے اور پہلا عبد مقدس (نیک بندے) کا حق ہے توبہ سے بھی زائل نہ ہو گا اور جو اس

---

[1] (احکام القرآن للجصاص، ج ۳، ص ۸۵)

[2] (کتاب الخراج ص ۱۸۲ للقاضی ابی یوسف۔ فَصْلٌ فِیْ حُکْمِ الْمُرْتَدِّ، درالمختار ج ۳ ص ۳۱۹)

[3] (شفا شریف، فتاوی خیریہ، تمہید الایمان ص ۲۸)

[4] (مجمع الانہار، ردالمحتار علی درمختار ج ۳ ص ۴۰۰، بزازیہ)

کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ "قُتِلَ فِیْ صُوْرَۃِ السَّبِّ وَاِنْ تَابَ" کے بارے میں فرماتے ہیں : لِاَنَّ الْحَدَّ لَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَۃِ فَھُوَ عَطْفُ تَفْسِیْرٍ وَ اَفَادَ اَنَّہٗ حُکْمُ الدُّنْیَا اَمَّا عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَھِیَ مَقْبُوْلَۃٌ کَمَا فِی الْبَحْرِ۔

ترجمہ : اس لئے کہ حد توبہ کرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی۔ اور اس کا یہ فائدہ ہوا کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ ہے البتہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

"وَفِی الدُّرَرِ۔۔۔۔ نَقْلاً عَنِ الْبَزَازِیَّۃِ وَقَالَ ابْنُ سِحْنُوْنِ الْمَالِکِیُّ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَاتِمَہٗ کَافِرٌ وَ حُکْمُہُ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَ کُفْرِہٖ کَفَرَ۔"

دُرر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ابن سحنون المالکی نے فرمایا کہ مسلمان کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

"اَجْمَعَ الْعُلَمَآئُ (اَیْ عُلَمَآئُ الْاَعْصَارِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَمْصَارِ۔ق) عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ ﷺ وَ الْمُتَنَقِّصَ لَہٗ کَافِرٌ اَلْوَعِیْدُ جَارٍ عَلَیْہِ بِعَذَابِ اللّٰہِ لَہٗ وَ حُکْمُہٗ عِنْدَ الْاُمَّۃِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَ عَذَابِہٖ کَفَرَ لِاَنَّ الرِّضٰی بِالْکُفْرِ کُفْرٌ"۔[1]

یعنی سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی تنقیص (بے ادبی) کرنے والا کافر ہے اور عذاب اللہ کی وعید (دھمکی وسزا) اس پر جاری ہے اور ساری امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ (یعنی اس کو قتل کر دو) اور جو اس (گستاخِ نبی ﷺ) کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا: "قَالَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا اَجْمَعَ الْعُلَمَائُ عَلٰی اَنَّ مَنْ دَعَا عَلٰی نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَائِ بِالْوَیْلِ اَوْ بِشَیْئٍ مِنَ الْمَکْرُوْہِ اَنَّہٗ یُقْتَلُ بِلَا اسْتِتَابَۃٍ"۔[2]

یعنی ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جس نے انبیاءِ کرام میں سے کسی نبی پر ہلاکت یا کسی مکروہ چیز کی دعا کی تو وہ بلا طلب توبہ قتل کیا جائے گا۔

محرر مذہبِ ابی حنیفہ الامام الحافظ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحبِ "مبسوط" نے فرمایا: "وَ ذُکِرَ فِی الْاَصْلِ (اَلْمَبْسُوْطِ) اَنَّ شَتْمَ النَّبِیِّ ﷺ کُفْرٌ۔" یعنی نبی ﷺ کو گالی دینا کفر ہے۔[3]

"قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ کُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ ﷺ اَوْ تَنَقَّصَہٗ مُسْلِمًا کَانَ اَوْ کَافِرًا فَعَلَیْہِ الْقَتْلُ وَ اَرٰی اَنْ یُّقْتَلَ وَ لَا یُسْتَتَابَ۔"[4]

یعنی امام احمد نے فرمایا ہر وہ شخص کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا لازم ہے اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ ہو۔

ہر کافر کی توبہ قبول ہے لیکن سیدِ عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزارہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں۔ اور

---

[1] (نسیم الریاض، شفا شریف، اکفار الملحدین لمولوی انور شاہ کشمیری : ص ۵۱:، الصارم المسلول : ص ۴:، ج ۲: ص ۲۰۸:)

[2] (الصارم المسلول ص ۵۲۶، شفاء شریف ج ۲ ص ۲۰۹)

[3] (شرح شفاء للقاری : ج ۴: ص ۳۲۸:)

[4] (الصارم المسلول : ص ۵۲۵:)

ہمارے علماء حنفیہ میں سے امامِ بزاز، امام محقق ابن ہمام، علامہ خسرو صاحب، علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق اور اشباہ والنظائر، علامہ عمر ابن نجیم صاحب نہر الفائق، علامہ ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ غزی صاحب تنویر الابصار، علامہ خیر الدین ابن رملی صاحب فتاویٰ خیریہ، علامہ شیخ زادہ صاحب مجمع الانہر، علامہ محمد بن علی حصکفی صاحب درمختار، علامہ امام اہل سنت مجاہد اعظم مجدد شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ، وغیرھم نے بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔

غزالی زمان علامہ سید احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت، پاکستان کو ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء بسلسلہ شریعت پٹیشن در توہین رسالت، ایک تحریری بیان پیش کیا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا : ''کتاب وسنت، اجماعِ امّت اور تصریحاتِ ائمہ دین کے مطابق توہین رسول ﷺ کی سزا صرف قتل ہے۔''

سب کفروں سے بڑھ کر کفر شتم وسب رسول ﷺ ہی ہے اور یہ شتم وسب رسول تمام فتنوں سے بڑھ کر فتنہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی سزا وعقوبت بھی بطورِ حد ہوگی، بطورِ تعزیر نہ ہوگی اور سب جرموں سے اہانت وسبّ رسول اللہ ﷺ بدترین جرم ہے اور شتم رسول ﷺ عام کفر سے زائد جنایت وجرم ہے بلکہ یہ جرموں کا جرم ہے، اس کی سزا وعقوبت بھی بطورِ حد سب عقوبتوں سے بڑھ کر ہے لہٰذا اہانت رسول ﷺ کا مرتکب مباح الدم ہوتا ہے اور ایسے بدترین مجرم کے خون کو بہانے والا سب سے بڑا مجاہد ہوتا ہے اور گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنے کی نیکی سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے اور افضل الاعمال وافضل الجہاد گستاخِ رسول ﷺ کو قتل کرنا ہے۔[1]

شاتم رسول ﷺ کی سزا صرف اور صرف قتل ہی ہے، نبی اکرم ﷺ کی توہین وتحقیر کرنے والے کی توبہ امت مسلمہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگی، تنقیص وتحقیر کرنے والا شاتم رسول اللہ ﷺ اگر توبہ کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہوگا، خداوند کریم اس کی توبہ رد کرے یا قبول فرمائے لیکن سزا اسے ضرور دی جائے گی یعنی اسے قتل کرنا واجب اور ضروری ہوگا اور یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت وناموس کا تحفظ کرے اور اگر اسلامی حکومت کسی وجہ سے یہ فرض ادا نہ کر سکے تو امت مسلمہ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ شاتم رسول کو قتل کر دیں تا کہ اس عظیم فتنہ کو پھیلانے والوں سے اللہ کی زمین پاک ہو جائے اور اس فتنہ وفساد سے اہل دنیا کو محفوظ کرایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ نبی کریم ﷺ ۔

صاف وصریح گستاخانہ کلمات میں تاویل وہیرا پھیری کرنا بھی کفر ہے

تمہید ایمان بآیاتِ قرآن میں صفحہ ۴۸ پر اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی

شفاء شریف میں ہے : **ادعاء التاویل فی لفظ صریح لا یقبل** ۔یعنی ''صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا''۔شرح شفائے قاری میں ہے **ھو مردود عند القواعد الشرعیۃ** ''ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے۔'' نسیم الریاض میں ہے **لا یلتفت لمثلہ ویعد ھذیانا**۔ ''ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔'' فتاویٰ خلاصہ وفصولِ عمادیہ وجامع الفصولین وفتاویٰ ہندیہ وغیرہا میں ہے : **واللفظ للعمادی قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر** یعنی ''اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول یا پیغمبر کہے اور معنے یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔'' یہ تاویل نہ سنی جائیں گے، **فاحفظ**۔''

علماء دیوبند کے شیخ کبیر مولوی انور شاہ کشمیری اپنی تصنیف ''اکفار الملحدین'' میں صفحہ ۹۹ پر تحریر کرتے ہیں :

---

[1] (الصارم المسلول، از ابن تیمیہ، ص ۲۹۱)

''علامہ موصوف ''مقاصد'' کی شرح میں ''باب الکفر والایمان'' کے ذیل میں ج ۲ ص ۲۶۸ تا ۲۷۰ پر اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں :
''(اہلِ قبلہ کے بارے میں) مذکورہ بالا بحث کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو ضروریاتِ دین مثلاً (توحید، نبوّت، ختمِ نبوّت، وحی والہام) حدوثِ عالم اور حشرِ جسمانی وغیرہ مجمع علیہ عقائد حقہ میں تو اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، لیکن ان کے علاوہ اور نظری عقائد واصول میں اہل حق کے مخالف ہوں، مثلاً صفاتِ الٰہیہ، خلق اعمال، ارادۂ الٰہی کا خیر وشر دونوں کے لئے عام ہونا، کلامِ الٰہی کا قدیم ہونا، رؤیت باری تعالیٰ کا ممکن ہونا، ان کے علاوہ وہ تمام نظری عقائد ومسائل جن میں حق یقیناً ایک ہے (اثبات یا نفی) ایسے مخالفین حق کے بارے میں بحث ہے کہ ان عقائد کا معتقد اور قائل ہونے (یا نہ ہونے) کی بنا پر کسی اہل قبلہ (مسلمان) کو کافر کہا جائے یا نہیں؟ ورنہ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ وہ اہل قبلہ (مسلمان کہلانے والے) جو عمر بھر روزہ، نماز وغیرہ تمام عبادات واحکام کا پابند رہا ہو لیکن عالم کو قدیم (ازلی ابدی) مانتا ہو، یا جسمانی حیات بعد الموت کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (ہر ہر چیز) کا عالم نہ مانتا ہو، وہ (قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باوجود) بلاشک وشبہ کافر ہے، اسی طرح کوئی اور کفریہ قول یا فعل اس سے سرزد ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ (مثلاً حضورِ اکرم ﷺ کی شان مبارکہ میں بے ادبی، گستاخی، اور عیب جوئی کرنا)۔
اور بعض علماء اور مفتی حضرات کبھی کبار کفریہ الفاظ میں تاویلات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ''اکفار الملحدین'' میں مولوی انور شاہ کشمیری صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں:
''کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی
اس لئے کہ طبرانی کی روایت میں اس حدیث میں ''کفرًا بواحا'' کے بجائے ''کفرً اصُراحا'' (''ص''، مضموم اور ''ر''، مفتوح کے ساتھ) آیا ہے (جس کے معنی ہیں صریح کفر)، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''فتح الباری'' شرح البخاری ج ۱۳ ص ۶ میں نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی۔ (یہ حدیثِ مبارکہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر درج ہے)۔
اور صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں :
''ضروریاتِ دین سے کسی متواتر امر ''مسنون'' کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے
ضروریاتِ دین اور متواترات کی اس تشریح وتحقیق کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً : ۱۔۔۔نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔ ۲۔۔۔اور مسواک کرنا سنت ہے، مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کی سنیت کا انکار کفر ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے، اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا (رسول اللہ ﷺ) کے عتاب یا (ترک سنت کے) عذاب کا موجب ہے۔ (دیکھا آپ نے ایک سنت کی سنیت کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے)۔
کیوں کافر ہو جاتا ہے؟ کیونکہ سنت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اور جب سنت کو حقارت کی نظر سے دیکھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے تو آپ ﷺ کی عیب جوئی یا گستاخی کرنے سے بطریق اولیٰ کافر ہو جاتا ہے۔
اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفا'' میں مزید وضاحت فرمائی ہے، صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں : ''تاویل کے قطعی طور پر باطل ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ تاویل قرآن کریم کی صریح آیت، یا حدیث مشہور، یا اجماع، یا قیاسِ جلی، (واضح قیاس) کے خلاف ہو۔'' (یعنی ہر وہ تاویل جو قرآن، حدیثِ مشہور، اجماعِ امت یا واضح قیاس کے مخالف ہو قطعاً نہیں مانی جائے گی)۔
اسی طرح صفحہ ۲۷۹ پر لکھتے ہیں:

جو تاویل ضروریاتِ دین کے مخالف ومنافی ہو، وہ کفر ہے:

''نیز کبھی انسان ایسے امور میں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، جن میں تاویل کی مطلق گنجائش نہیں جیسے ''قرامطہ'' کی تاویلیں اور بعض تاویلوں سے ضروریاتِ دین کی مخالفت لازم آجاتی ہے، اور تاویل کرنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا (اور کافر ہو جاتے ہیں) یہ وہ مقام ہے جس میں انسان علم الٰہی اور احکام آخرت کے اعتبار سے کفر کے خطرہ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا، اگرچہ ہمیں علم نہ ہو۔''

''اسی طرح علماء امت کا اس پر بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کسی بھی قطعی امر مسموع (یعنی ایسا امر جس کا رسول اللہ ﷺ سے مسموع ہونا یقینی ہو) کی مخالفت کفر اور اسلام سے نکل جانے کے مترادف ہے۔''

حضرت علامہ مفتی ابوالمحسن محمد منظور احمد فیضی اپنی کتاب ''مقام رسول'' میں صفحہ ۶۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ادعاء التاویل فی لفظ صریح لا یقبل یعنی صاف وصریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔ الصارم المسلول صفحہ ۵۲۷، اکفار الملحدین للکشمیری صفحہ ۷۲، بحوالہ الحق المبین صفحہ ۱۶ مصنفہ شیخ الحدیث رازیِ وقت حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی نور اللہ مرقدہ وجعل الجنّۃ مثواہ، آمین۔

هو مردود عند قواعد الشريعة۔ ''یعنی قواعد شرعیہ کی روشنی میں صاف وصریح لفظ (توہین) میں تاویل کرنا مردود ہے۔''[۲]

لا يلتفت لمثله ويعد هذيانا۔[۳]

''یعنی صاف (توہینی) لفظ میں تاویل وغیرہ کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور اس تاویل کو بکواس شمار کیا جاتا ہے۔''

والتاويل في ضروريات الدين لا يدفع الكفر۔ یعنی ضروریات دین میں تاویل کفر کو دفع نہ کرے گی۔''[۴]

وهٰكذا قال شيخ الصوفية الشيخ الاكبر محي الدين ابن العربي المتوفى ۶۲۸ھ[۵]

ان التاويل في القطعيات لا يمنع الكفر۔ یعنی قطعیات میں تاویل کفر کو منع نہیں کرتی۔[۶]

التاويل في ضروريات الدين لا يقبل ويكفر المتاول فيها۔ یعنی ضروریات دین میں تاویل قبول نہیں اور ان میں تاویل کرنے والا کافر ہو جائے گا۔[۷]

التاويل الفاسد كالكفر۔ ''فاسد تاویل کفر کی طرح ہے''[۸]

المدار في الحكم بالكفر على الظواهر ولا نظر للمقصود والنيات ولا نظر لقرائن حاله۔

یعنی حکم کفر کا دارومدار ظواہر پر ہوتا ہے۔ یہاں نہ نیت وارادہ درکار ہے اور نہ قرائن حال کا اعتبار۔[۹]

---

۱ (شفاء شریف ج ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

۲ (شرح شفا للقاری ج ۴ ص ۳۴۳)

۳ (نسیم الریاض للخفاجی الحنفی ج ۴ ص ۳۴۳)

۴ (خیالی صفحہ ۱۴۸ مع حاشیہ شمس الدین احمد خیالی متوفی ۸۷۰ھ وعبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۷۰ھ)

۵ (الفتوحات المکیۃ جلد ۲ صفحہ ۸۵۷)

۶ (اتحاف ج ۲ ص ۱۳ الوزیر یمانی)

۷ (اکفار الملحدین ص ۵۷ للکشمیری)

۸ (اکفار الملحدین ص ۶۱)

۹ (اکفار الملحدین ص ۷۳)

وقد ذکر العلماء ان التھور فی عرض الانبیاء وان لم یقصد السب کفر۔

یعنی علماء نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں جرات و دلیری کفر ہے اگر چہ توہین کا ارادہ نہ ہو۔"[1]

مولوی انور شاہ کشمیری "اکفار الملحدین" میں صفحہ ۸۵ پر رقمطراز ہیں:

"غلط تاویل کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں:

غرض صاحب شریعت علیہ السلام نے تاویل باطل پر کبھی کسی کو معذور نہیں قرار دیا، چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے:

-۱۔امیر سریہ (سپہ سالار فوج) عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے فوجیوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دینے پر فرمایا: اگر وہ لوگ (اپنے امیر کے کہنے پر) آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے، اس لئے کہ امیر کی اطاعت تو صرف از روئے شرع جائز امور میں کی جاتی ہے۔ (اور جان بوجھ کر آگ میں کود نا خودکشی اور حرام ہے، اگر چہ امیر کے حکم سے کیوں نہ ہو، معلوم ہوا کہ دخول فی النار کے جواز کے لئے اطاعت امیر کی تاویل باطل ہے)

-۲ ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے بارے میں جس کا سر پھٹ گیا تھا اور اس کے باوجود لوگوں نے اس کو ناپاکی کا غسل کرنے کا فتویٰ دیا تھا اور وہ غسل کرنے کی وجہ سے مر گیا تھا، فرمایا: "خدا ان کو ہلاک کرے، انہوں نے اس غریب کو مار ڈالا" دیکھئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان غلط فتویٰ دینے والوں کے فتوے اور تاویل کا مطلق اعتبار نہیں کیا اور اس کی موت کا ان کو ذمہ دار قرار فرمایا۔)

-۳ اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر کس قدر غصہ اور ناراض ہوئے، صرف اس بات پر کہ وہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے وقت لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: "افتّانٌ انت یا معاذ؟" "تم فتنہ میں ڈالتے ہو اے معاذ؟" (حالانکہ وہ آپ ﷺ کی ہی نقل اتارتے تھے، اور جو سورتیں آپ ﷺ نماز میں پڑھتے تھے وہ بھی وہی پڑھتے تھے، مگر آپ ﷺ نے ان کی اس تاویل کی طرف اصلاً التفات نہ کیا اور ان کے اس عمل کو فتنہ سے تشبیہ فرمایا)۔

اسی طرح نماز میں طویل قرأت کرنے کی وجہ سے ایک مرتبہ آپ ﷺ ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ پر بھی ناراض ہوئے (اور ان کا بھی کوئی عذر نہ سنا)۔

-۴ اسی طرح ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر ان لوگوں کو قتل کر دینے کی بنا پر سخت برہم ہوئے، جنہوں نے "اسلمنا اسلمنا" نہ کہہ سکنے کی وجہ سے "صَبَئْنا صَبَئْنا" کہہ کر اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا، مگر حضرت خالد ص نہ سمجھے اور ان کو قتل کر دیا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت خالد ص کی غلط فہمی پر ان کو معذور نہ قرار فرمایا)۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفر جہاد میں ایک بکریاں چرانے والے چرواہے کے "کلمہ پڑھنے" کو ایک حیلہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ یہ اپنی جان و مال بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھ رہا ہے، مگر آپ ﷺ ان پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا: "ھلّا شققت قلبه" یعنی "تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟"

(غرض آپ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس بظاہر عذر اور جائز تاویل کا قطعاً لحاظ نہیں فرمایا)

-۵ اسی طرح آپ ﷺ اس شخص پر بے حد ناراض اور غصہ ہوئے جس نے مرض الموت کے وقت اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے، حالانکہ وہی اس کی تمام پونجی اور سرمایہ تھا، اور آپ ﷺ نے اس شخص کو ورثاء کی حق تلفی کا مرتکب قرار دے دیا (اور اس کا کوئی عذر نہ سنا)۔

ان کے علاوہ بے شمار واقعات ہیں جن میں آپ ﷺ نے "بے جا تاویل" اور "بے معنی عذر" کا قطعاً اعتبار نہیں کیا۔

---

[1] (اکفار الملحدین ص ۱۷) (بحوالہ مقام رسول، ص ۶۱۷، ۶۱۸)

تاویل کہاں معتبر ہے؟

فقہاء کی اصطلاح میں چونکہ یہ تاویلیں امر مجتہد فیہ (محل اجتہاد) میں نہ تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کا اعتبار نہ فرمایا، اس کے برعکس ایسے امور میں آپ انے تاویل کو عذر قرار فرمایا اور تسلیم فرمایا ہے جو محل اِجتہاد تھے، مثلاً :

-۱ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ : ''عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا'' اور انہوں نے عصر کی نماز راستہ میں صرف اس لئے نہ پڑھی اور قضا کر دی کہ آپ ﷺ نے بنی قریظہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے (آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نمازِ عصر قضا کر دینے پر کچھ نہ کہا)۔[1]

-۲ اسی طرح ایک موقع پر دو صحابی سفر کر رہے تھے، راستہ میں پانی نہ ملا، اس لئے انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، اس کے بعد پانی مل گیا، وقت باقی تھا، ایک نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی، دوسرے نے نہ پڑھی، جب آپ ﷺ کی خدمت میں واقعہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی سرزنش نہ فرمائی، صرف اس لئے کہ ان امور میں تاویل کی گنجائش تھی۔

خلاصہ : رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اس باب میں مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور روشن لائحہ عمل ہونے چاہئیں، اور صرف انہیں امور میں تاویل اور عذر کا اعتبار کرنا چاہیے جن میں تاویل کی گنجائش ہو۔ ہدایت دینے والا تو اللہ ہی ہے، وہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو تو کوئی بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی اس موضوع پر زیادہ تحقیق چاہتا ہے تو ہمارے اور بھی رسائل ہیں، ''گستاخِ رسول ﷺ کا حکم قرآن و حدیث کی روشنی میں''، ''سیفِ احمدی بر گردنِ دشمن نبی ﷺ''، ''سیفِ احمدی علیٰ عنق السابی''، ''البرھان الجلی فی بیان حکم شاتم النبی ﷺ''، ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ گستاخِ رسول ﷺ کا واجب القتل ہونے کا فتویٰ عام ہے۔ کسے باشد کہ بادشاہ، وزیر، وزیر اعظم، حکمران، سیاستدان، زید، عالم، جاہل، مولوی، پیر، مدرس، بانی دار العلوم، کثرتِ طلباء وغیرہ، جس سے بھی نبی ﷺ کی بے ادبی، گستاخی، تنقیص تقریرًا یا تحریرًا صادر ہو وہ کافر ہے، مرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور واجب القتل ہے (قانون نافذ کرنے والوں اداروں پر لازم ہے کہ اسے قتل کر دیں)۔

(۶۳) ﴿باب نمبر تریسٹھ حیات الانبیاء علیہم السلام (انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونے) کا بیان﴾

بعض علماء حیاتِ انبیاء کے مُنکر ہیں حالانکہ ہمارے اہلِ سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام بالخصوص رحمۃ للعٰلمین ﷺ حیاتِ حقیقی جسمانی کے ساتھ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ اذان و اقامت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور حج کرتے ہیں۔ اور سُنتے، دیکھتے، جانتے اور کلام فرماتے ہیں۔ اور سلام پیش کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔ چلتے ہیں پھرتے ہیں اور جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ جس طرح چاہیں تصرفات فرماتے ہیں۔ اپنی امتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ اور مستفیضین کو فیوضات و برکات پہنچاتے ہیں۔ اس عالم دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کئی خوش نصیب حضرات کو ان کا دیدار بارہا نصیب ہوا ہے۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلے میں بہت سے دلائل ہیں جن میں سے بعض دلائل ہم پیش کرتے ہیں۔

دلیل نمبر :۱

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿زخرف ۴۵﴾

---

[1] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱)

ترجمہ: اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے بھیجا آپ سے پہلے، پوچھ لیجیئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے"۔

دلیل نمبر: ۲

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿الاسراء ۱﴾

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے محبوب کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف وہ (مسجدِ اقصیٰ) جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں۔ تا کہ ہم دکھائیں (اپنے محبوب کو) اپنی نشانیاں بے شک وہ (اللہ) دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی وہ اللہ جل جلالہٗ اپنے محبوب کے اقوال و افعال کو جانتا ہے۔

دلیل نمبر: ۳

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿البقرة ۱۵۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے"۔

دلیل نمبر: ۴

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (۱۶۹) فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

دلیل نمبر: ۵

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿سبا ۱۴﴾

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم بھیجا جنّوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آئے جنّوں کی حقیقت کُھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

اس آیت سے بھی بطریق دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط ترین اور سخت ترین عصا سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل اور آسان تھا مگر اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح آیت میں ذکر شدہ "خرورِ سلیمان" سے بھی حضراتِ انبیاء کی حیاتِ مبارکہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے زمین پر آجانے کو "خرّ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے مگر اس کو "سقط" سے تعبیر نہیں فرمایا کیونکہ "خرّ" کا لفظ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا (یوسف ۱۰۰:)

ترجمہ: سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَ خَرَّ مُوسَى صَعِقًا (اعراف :۱۴۳)

ترجمہ : پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش"۔

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے وہ قرآن کے معارف اور علوم سے ناواقف ہے۔[1]

دلیل نمبر :۶

وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ ﴿سجدہ ۲۳﴾

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو توریت کتاب عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر کہ (دونوں حضور پُرنُور ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی) معراج کی رات ملاقات ہوئی۔

دلیل نمبر :۷

وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿النساء ۶۴﴾

ترجمہ: اور جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اگر اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے۔

دلیل نمبر :۸

وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿الانبیاء ۱۰۷﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب ﷺ) مگر رحمت واسطے تمام جہان کے۔

دلیل نمبر :۹

وَ إِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴿الانعام ۵۴﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی کرنا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہِ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لیے خُداوندِ قدوس کا اپنے رسولِ رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دُعا کے ساتھ رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچائیے تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ماقبل الموت و مابعد الموت) کے لیے عام ہے یعنی رہتی دنیا تک کیلئے یہ حکم باقی ہے جس طرح قرآنِ کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کیلئے جاری و باقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کیلئے ہے۔[2]

دلیل نمبر :۱۰

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَ أَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب ۶)

---

[1] (آپ کے مسائل اور ان کا حل :مصنفہ مولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

[2] (آپ کے مسائل اور ان کا حل :لمولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

ترجمہ: یہ نبی (مکرم ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں۔

دلیل نمبر :۱۱

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (حضرات) انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔اس حدیث کو روایت کیا ہے ابویعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابویعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[1]

دلیل نمبر :۱۲

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیًا أبلغتہٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ : جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر دُرود پڑھا، میں خود اس کو سُنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔[2]

دلیل نمبر :۱۳

عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی ﷺ قال انّ من افضل ایّامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم علیہ السلام و فیہ قبض و فیہ النفخۃ و فیہ الصّعقۃ فاکثروا علیّ من الصلٰوۃ فانّ صلٰوتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا : یارسول اللہ! کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت ای یقولون قد بلیت، قال انّ اللہ عزّ و جلّ قد حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیھم السلام۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اس دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو بے شک تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمارا صلاۃ وسلام آپ کے انتقال کے بعد آپ کو کیسے پہنچے گا جبکہ آپ کا جسدِ مبارک خاک میں مِل چُکا ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر انبیاءِ کرام کے جسموں کو حرام کر دیا۔[3]

دلیل نمبر :۱۴

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انّ رسول اللہ ﷺ قال ما من احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ

---

[1] (رواہ ابویعلیٰ البزار ورجال ابی یعلی ثقات۔(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، ولسان المیزان : حسن بن قتیبہ : ص ۲۴۶، مسند ابویعلیٰ ج ۶ حدیث ۳۴۲۵، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، المطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۶۹، احادیث صحیحہ للالبانی حدیث ۶۲۱، الجامع الصغیر ص ۱۲۴، تکملہ فتح الملہم ج ۵ ص ۲۸، بیہقی حیات الانبیاء ص ۳، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱، مسند بزار ص ۲۵۶)

[2] (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔مشکوٰۃ ص ۸۷، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ و ۴۹۸ اتحاف السادۃ المتقین زبیدی ج ۳ ص ۲۸۹، تفسیر درِ منثور ج ۵ ص ۲۱۹، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۷)

[3] (اخرجہ ابو داؤد فی السنن، کتاب الصلٰوۃ، باب فضل الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵، ونسائی فی السنن، کتاب الجمعۃ، باب اکثار الصلٰوۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۶۰، کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۸، ابن ماجہ ص ۷۶، شرح الصدور ص ۳۱۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۹، کتاب الروح لابن قیم ص ۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۸)

نے مجھ پر میری روح لوٹادی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ میں سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[1]

دلیل نمبر :۱۵

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انّ للہ ملائکۃ سیّاحین فی الارض یبلّغونی عن امتی السّلام۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۱۶

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول :وصلّوا علیّ فانّ صلٰوتکم تبلغنی حیث کنتم۔

ترجمہ :حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ :مجھ پر دُرود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارا دُرود پہنچتا ہے چاہے تم جہاں بھی ہو۔[3]

دلیل نمبر :۱۷

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول :والذی نفس ابی القاسم بیدہٖ لینزلنّ عیسی ابن مریم۔۔۔۔ثم لئن قام علٰی قبری فقال یامحمّد :لاجبتہٗ۔قلت ھو الصحیح باختصار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریم۔۔۔۔پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر یہ کہیں گے :یا محمّد! تو میں ان کو جواب دُوں گا۔[4]

دلیل نمبر :۱۸

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال النبی ﷺ لیلۃ اسری بی لقیت موسٰی فنعتہٗ فاذا رجل حسبتہ قال مضطرب رجل الرأس کأنّہٗ من رجال شنوئۃ قال ولقیت عیسٰی فنعتہٗ النّبیُّ ﷺ فقال ربعۃ احمر کأنّما خرج من دیماسٍ یعنی الحمّام ورأیت ابراھیم وان اشبہ ولدہٗ بہٖ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی۔(حضرت ابو ہریرۃ) نے فرمایا کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا :پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا : کسی قدر گھنگریالے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلۂ شنوہ کے مرد ہوتے ہیں، فرمایا اور میں (ﷺ) حضرت عیسیٰ علیہ

---

[1] (رواہ ابو داؤد واحمد فی السنن، کتاب المناسک، باب زیادۃ القبور ج ۲ ص ۲۱۸، حدیث نمبر ۲۰۴۱، واحمد بن حنبل فی المسند ج ۲ ص ۵۲۷ حدیث نمبر ۱۰۸۲۷، والبیہقی فی السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵، ترغیب وترھیب ج ۲ ص ۴۹۹، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۸ حدیث نمبر ۲۲۰۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲)

[2] (نسائی ج ۱ ص ۱۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، موارد الضمان ص ۵۹۴، مشکوٰۃ ص ۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۳ ص ۸ حدیث نمبر ۹۰۱، مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۵)

[3] (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۷، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۹، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، مشکوٰۃ ص ۸۶، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸)

[4] (رواہ ابو یعلٰی ورجالہ رجال الصحیح۔ مسند ابو یعلٰی ج ۱۱ ص ۴۶۲ حدیث نمبر ۶۵۸۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳، باب حیاۃ فی قبرہ ج ۴ ص ۳۴۹، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

السلام سے ملا، پھر آپ ﷺ نے ان کا حُلیہ بیان فرمایا اور کہا : وہ چوڑے جسم کے سُرخ رنگ کے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانہ سے نکل کر آئے ہیں، اور میں (ﷺ) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔[1]

دلیل نمبر :۱۹

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال النبی ﷺ رأیت عیسی و موسی و ابراھیم، فامّا عیسی فاحمر جعد عریض الصدر و امّا موسی فادم جسیم سبط کأنّہ من رجال الزطّ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (شبِ معراج میں) میں (ﷺ) نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، پس حضرت عیسیٰ تو سُرخ رنگ، پُرگوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۲۰

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ انّ رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیف الاحمر و ھو قائم یصلّی فی قبرہ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔[3]

دلیل نمبر :۲۱

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت کنت ادخل بیتی الّذی فیہ رسول اللہ ﷺ و انی واضع ثوبی و اقول انّما ھو زوجی و ابی فلمّا دفن عمر رضی اللہ تعالی عنہ معھم فو اللہ ما دخلتہ الا و انا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں حضور اکرم ﷺ مدفون ہیں، بلاحجاب داخل ہو جاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم میں اس حجرے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔[4]

دلیل نمبر :۲۲

عن سعید بن المسیّب قال لم ازل اسمع الاذان و الاقامۃ فی قبر رسول اللہ ﷺ ایام الحرۃ حتی عاد النّاس۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور ﷺ کی قبر شریف سے اذان

---

[1] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۹، ۴۸۱۔ ج ۲ ص ۶۸۴، ۸۳۶، ۸۳۸، صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۶، ترمذی ج ۲ ص ۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۲۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲، نسائی ج ۲ ص ۳۲۹، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۲۱)

[2] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۹)

[3] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۸، ۲۴۸، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۴۲، کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱۸ تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۲۶ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۱۶)

[4] (مشکوٰۃ ص ۱۵۴، فتاوی مظہریہ ص ۴۲۰)

اور اقامت کی آواز سُنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔[1]

دلیل نمبر :۲۳

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ أکثروا الصلٰوۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملائکۃ وان احدا لن یصلی الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا قال :قلت! وبعد الموت؟ قال :وبعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حی یرزق رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ دُرود بھیجا کرو، یہ یوم مشہود ہے، اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی شخص جب بھی مجھ پر دُرود بھیجتا ہے اس کے فارغ ہونے تک میرے سامنے اس کا دُرود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا :اور موت کے بعد (کیا ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے انبیاءِ کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔[2]

دلیل نمبر :۲۴

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔[3]

دلیل نمبر :۲۵

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لقد رأیتنی فی الحجر، وقریش تسألنی عن مسرای، فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم أُثبتھا، فکربت کربۃ ما کربت مثلہٗ قط، قال :فرفعہ اللہ لی أنظر الیہ۔ ما یسألونی عن شئ الا أنبأتھم بہ۔ وقد رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء، فإذا موسٰی علیہ السلام قائم یصلّی، فإذا رجلٌ ضربٌ جعد کأنہ من رجال شنوئۃ۔ وإذا عیسی ابن مریم علیھما السلام قائم یصلّی، اقرب النّاس بہ شبھا عروۃ بن مسعود الثقفی۔ وإذا إبراھیم علیہ السلام قائم یصلّی، أشبہ النّاس بہ صاحبکم (یعنی نفسہٗ) فحانت الصلاۃ فأممتھم فلمّا فرغت من الصلاۃ، قال قائل :یا محمّد، ھٰذا مالک صاحب النّار فسلّم علیہ۔ فالتفت إلیہ فبدأنی بالسلام۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا اور قریش مجھ سے واقعۂ سفرِ معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جنہیں میں نے محفوظ نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اُٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق جو بھی چیز پوچھتے میں (دیکھ دیکھ کر ان کو بتا دیتا اور میں نے خود کو گروہ انبیاءِ کرام علیہم السلام میں پایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ قبیلہ شنوئہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے بالوں والے تھے اور پھر حضرت عیسیٰ بن

---

[1] (خصائص کبری ج ۲ ص ۲۸۱، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸ بحوالہ دلائل النبوۃ زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲، ۳۳۳)

[2] (سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ج ۱ ص ۵۲۴ حدیث نمبر ۱۶۳۷، الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۳۲۸ حدیث نمبر ۲۵۸۲، مصباح الزجاجۃ ج ۲ ص ۵۹ حدیث نمبر ۶۰۲)

[3] (رواہ الطبرانی، المعجم الکبیر، الدارقطنی عن حاطب فی السنن ج ۲ ص ۲۷۸ حدیث نمبر ۱۹۳، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۴۸۹ حدیث نمبر ۴۱۵۴، مجمع الزوائد للھیثمی ج ۴ ص ۲)

مریم علیہما السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارا دوست (یعنی خود حضور ﷺ) ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا، اور میں نے سب انبیاءِ کرام علیہم السلام کی امامت کروائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے ایک کہنے والے نے کہا: یہ مالک ہیں جو جہنم کے داروغہ ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے (مجھ سے) پہلے مجھے سلام کیا۔[1]

دلیل نمبر :۲۶

علامہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

وفی الفتاوی الرّملیة الانبیآء والشهدآء والعلماء لایبلون والانبیآء والشهدآء یاکلون فی قبور هم ویشربون ویصلّون ویصومون ویحجون۔

ترجمہ: فتاویٰ رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۲۷

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں کہ۔

إنه ﷺ حیٌّ فی قبره کسائر الانبیآءِ فی قبورهم وهم احیآء عندربهم وإنّ لارواحهم تعلقا بالعالم العُلویّ والسفلیّ کما کانوا فی الحال الدّنیویّ فهم بحسب القلب عرشیّون وباعتبار القالب فرشیّون واللہ سبحانهٗ وتعالٰی اعلمُ باحوالِ اربابِ الکمال۔

ترجمہ: بے شک وہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بیشک ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارباب کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔[3]

دلیل نمبر :۲۸

علامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إن الأنبیاء لایموتون وإنهم یصلون ویحجون فی قبورهم وإنهم احیآء۔

ترجمہ: بے شک انبیاءِ کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔[4]

دلیل نمبر :۲۹

إنّ اللہ تعالی یُعطی لارواحهم قوّة الاجساد فیذهبون من الأرض والسّمآء والجنّة حیثُ یشآءون وینصُرون اولیآءهم ویُدمّرون

---

[1] (رواہ مسلم۔ الصحیح المسلم کتاب ال إیمان باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال ج ۱ ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۱۷۲، النسائی فی السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۴۵۵ حدیث نمبر ۱۱۴۸۰، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۱۶ حدیث نمبر ۳۵۰، المسند المستخرج علی صحیح ال إمام المسلم ج ۱ ص ۲۳۹ حدیث نمبر ۴۳۳، فتح الباری العسقلانی ج ۶ ص ۴۸۷)

[2] (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۳۴)

[3] (شرح شفاء شریف ج ۲ ص ۱۴۲)

[4] (فیوض الحرمین ص ۲۸)

اعدآءھم۔ ان شآءاللہ تعالی۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انبیاءِ صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا فرماتے ہیں تو وہ زمین آسمان اور جنّت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔[1]

ان شاءاللہ تعالیٰ۔

دلیل نمبر :۳۰

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں۔

ولاشک ان حیاۃ الأنبیآء علیھم السّلام ثابتۃٌ معلومۃٌ مستمرّۃٌ وّ نبیّنا ﷺ افضلھم بالنصوصِ والاجماعِ (وإذ کان کذٰلک ینبغی) یجبُ أن تکون حیاتہ اکمل واتمّ من سآئرھم أی الأنبیاء علیھم السلام۔

ترجمہ: بلا شک وشبہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی ویقینی اور دوامی ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم وضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل واتم ہو۔[2]

دلیل نمبر :۳۱

دیوبند کے تمام بڑے بڑے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ۔

فھو ﷺ حیٌّ فی قبرہ الشریفِ یتصرّفُ فی الکونِ بإذن اللہ تعالٰی کیف شاء۔

ترجمہ: وہ نبی ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور جہان میں جیسے چاہتے ہیں باذن اللہ تصرّف فرماتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۳۲

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحقّقون من اصحابنا أن نبیّنا ﷺ حیٌّ بعد وفاتہ وإنّہ یسر بطاعات امّتہ ویحزن بمعاصی العُصاۃ منھم وإنّہ تبلغہ صلاۃ من یصلّی علیہ من أمّتہ۔ ترجمہ: ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔[4]

دلیل نمبر :۳۳

مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دیوبند فرماتے ہیں۔

ونُقِلَ عن مالک رحمہ اللہ تعالٰی أنّ احترام النبی ﷺ بعد وفاتہ ایضا کما کان فی حیاتہ وفی البیھقیّ عن انس وصحّحہ ووافقہ الحافظ فی المجلّد السادس أن الأنبیآء أحیاء فی قبورھم یصلون معناہ أن أرواح الأنبیاء علیھم السلام لیست بمعطّلۃ

---

[1] (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲)

[2] (زرقانی علی المواہب ج ۸ ص ۳۰۹)

[3] (المھند ص ۲۸)

[4] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۴)

عن العباداتِ الطیّبة و الأفعال المبارکة بل هم فی قبورهم ایضًا کم کانوا مشغولین حین حیاتهم فی صلاةٍ و حجّ و کذٰلک حال تابعیهم علی قدر المراتب۔

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بیشک نبی ﷺ کا ادب و احترام آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات میں تھا اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس کی تصحیح بھی کی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی جلد ششم میں اس کی موافقت کی ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) بے شک تمام انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں معنی اس حدیث کا یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ارواح عبادات اور افعال مبارکہ سے معطل نہیں ہوتیں بلکہ اپنی قبروں میں اسی طرح عبادات کرتی ہیں جس طرح ظاہری حیات میں نماز، روزہ، حج وغیرہ کرتی تھیں اسی طرح ان کے تابعین کا حال ہے۔علی قدر المراتب۔[1]

دلیل نمبر :۳۴

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلّل اور مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فحصل من مجموع هٰذا النقول و الأحادیث أن النبی ﷺ حی بجسده و روحه و أنه یتصرف و یسیر حیث شاء فی الأرض و فی الملکوت و هو بهیئته الّتی کان علیها قبل وفاته لم یتبدّل منه شئ و إنه فغیّب من الابصار کما غیّب الملآئکة مع کونهم احیآء باجسادهم فإذا اراد الله رفع الحجاب عمّن اراد اکرامه برؤیته رآه علی هیئته الّتی هو علیها لا مانع من ذٰلک و لا داعی إلی التخصیص برؤیة المثال۔

ترجمہ: ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلا شبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل از وفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بیشک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ آپ کی رؤیت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ﷺ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رؤیتِ مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[2]

دلیل نمبر :۳۵

سیّد الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ۔

من کانت حیاته بنفسه یکون مماته بذهاب روحه و من کانت حیاته بربّه فإنه ینتقل من حیات الطبع إلی حیاة الأصل و هی الحیاة الحقیقیّة و إذا کان القتیل بسیف الشریعة حیًّا مرزوقًا فکیف من قُتِل بسیف الصدق و الحقیقة۔

ترجمہ: جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیاتِ اصلی و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت کی

---

[1] (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

[2] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۶)

تلوار سے قتل ہوتا ہے وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہوگا۔[1]

دلیل نمبر :۳۶

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

أن النبی ﷺ حی کما تقرر و إنه یصلی فی قبره بأذان و إقامة۔

ترجمہ: بے شک نبی اکرم ﷺ (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا، اور بے شک آپ ﷺ اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۳۷

علامہ عینی لکھتے ہیں۔

فانهم لا یموتون فی قبورهم بل هم أحیاء۔

ترجمہ: یقیناً انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۳۸

علامہ شامی لکھتے ہیں۔

أن الأنبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث۔

ترجمہ: حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔[4]

دلیل نمبر :۳۹

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

أن حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا و الأنبیاء أحیاء فی قبورهم۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زندگی ایسی ہے جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[5]

دلیل نمبر :۴۰

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

أن الله جل ثنائه رد إلی الأنبیاء أرواحهم فهم أحیاء عند ربهم کالشهداء۔۔۔الخ۔

ترجمہ: بے شک اللہ جل شانہ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ارواح ان کی طرف لوٹا دی ہیں، سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔[6]

---

[1] (تفسیر روح البیان)

[2] (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

[3] (باب فضیلة ابی بکر علی سائر الصحابة عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷ ص ۶۰۰)

[4] (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۲)

[5] (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

[6] (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، زرقانی شرح مواهب ج ۵ ص ۳۳۲)

دلیل نمبر :۴۱

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

لا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ و کذا سائر الأنبیاء علیھم السلام أحیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیوۃ الشھداء الّتی اخبر اللہ بھا فی کتابہ العزیز الخ۔

ترجمہ: وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاءِ کرام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اُس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔[1]

دلیل نمبر :۴۲

علامہ سمہودی ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں۔

و أما أدلۃ حیاۃ الأنبیاء فمقتضاھا حیاۃ الأبدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء الخ۔

ترجمہ: بہرکیف حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہے جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۴۳

امام علی بن عبدالکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

و إما حیوۃ الأنبیاء أعلی و أکمل و اتمّ من الجمیع لأنھا للروح و الجسد علی الدوام علی ما کان فی الدنیا الخ۔

ترجمہ: بہرحال حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ، اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔[3]

دلیل نمبر :۴۴

امام علی بن عبدالکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

فإن الصلوٰۃ لیستدعی جسدًا حیا و کذٰلک الصفات المذکورۃ فی الأنبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام و لایلزم من کونھا حیاۃ حقیقیۃ أن یکون الأبدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج إلی الطعام و الشراب و الامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف و غیر ذٰلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قدیکون لھا حکم أٰخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیوٰۃ الحقیقیۃ لھم و أما الادراکات کالعلم و السماع فلا شک أن ذٰلک ثابت و سنذکر ثبوتہ لسائر الموتی فکیف بالانبیاء انتھٰی۔

ترجمہ: نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

[2] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

[3] (شفاء السقام ص ۱۵۴)

اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کرسکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو، رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، یہ تو تمام مردوں کیلئے ثابت ہیں پھر بھلا حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے کیوں نہ ثابت ہونگے؟[1]

دلیل نمبر :۴۵

تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الأنبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فإذا ثبت أن نبینا ﷺ حی فالحی لا بد من أن یکون إما عالمًا أو جاھلًا و لا یجوز أن یکون النبی ﷺ جاھلًا الخ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کیلئے لازم ہے کہ یا تو عالم ہو یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذ اللہ) (تو لامحالہ آپ ﷺ عالم ہونگے)۔۔۔۔۔الخ۔[2]

دلیل نمبر :۴۶

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ :

لأن عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس و یعلم و تعرض علیہ أعمال الأمۃ و یبلغ الصلوٰۃ و السلام علی ما بیّنا الخ۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حسّ وعلم سے موصوف ہیں اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کرآئے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۴۷

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

و من عقائدنا أن الأنبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم فأین الموت إلی أن قال و صنف البیھقی رحمہ اللہ تعالی جزؤا اسمعناہ فی حیوۃ الأنبیاء علیھم السلام فی قبورھم و اشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھٰذا القول إلی الشیخ الخ۔

ترجمہ: ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا) کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سُنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے۔[4]

دلیل نمبر :۴۸

---

[1] (شفاء السقام ص ۱۴۳)

[2] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۶ ص ۲۸۱)

[3] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ ص ۲۸۲)

[4] (طبقات ج ۶ ص ۲۶۶)

علامہ سمہودی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

انا لانسلم أنه لا يستغفر بعد الموت لما سبق من حياته و من استغفار أمّته بعد الموت عند عرض أعمالهم عليه الخ۔

ترجمہ: بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے کیونکہ پہلے گزر چُکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر :۴۹

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ۔

وقد ذهب جماعة من المحققين إلى أن رسول الله ﷺ حي بعد وفاته و أنه يسّر بطاعات أمته الخ۔

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۵۰

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد السہر وردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

وقد ورد في الخبر عن النبي ﷺ تعرض الأعمال يوم الإثنين و الخميس على الله و تعرض على الأنبياء و الآباء و الأمهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم و تزداد بياضًا و اشراقًا فاتّقوا الله و لا تؤذوا موتاكم و في خبر آخر أن أعمالكم تعرض على عشائركم و أقاربكم من الموتى فإن كان حسنًا استبشروا و إن كان غير ذٰلك قالوا اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کیے جاتے ہیں وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے روشن اور چمکیلے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اذیت مت دو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے[3]۔

دلیل نمبر :۵۱

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

لأن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم و قد اقام النكير على افتراء ذٰلك ابو القاسم القشيري رحمة الله تعالى عليه الخ۔

ترجمہ: اس لیے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔[4]

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

[2] (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

[3] (عوارف المعارف علی ھامش الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳)

[4] (شامی ج ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم)

دلیل نمبر :۵۲

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

والحاصل أن حیاۃ الأنبیاء ثابتۃ بالإجماع الخ۔

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔[۱]

دلیل نمبر :۵۳

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الأنبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الأدلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الأخبار الدالۃ علی ذٰلک الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔[۲]

دلیل نمبر :۵۴

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

أن من جملۃ ماتواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الأنبیاء فی قبورھم۔

ترجمہ: یعنی جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔[۳]

دلیل نمبر :۵۵

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

قد صحت الأحادیث أنہ ﷺ حی فی قبرہ یصلی بأذان وإقامۃ۔

ترجمہ: بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔[۴]

دلیل نمبر :۵۶

مولوی محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

إن کثیرًا من الأعمال قد ثبتت فی القبور کالأذان والإقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القرآن عند الترمذی۔

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأۃِ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔[۵]

۱(المنحۃ الوھبیۃ ص ۶ طبع اسبنول)

۲(انباہ الاذکیا ص ۲، فتاوی امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۲ ص ۱۴۷)

۳(النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴)

۴(منح المنۃ ص ۹۲)

۵(فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

دلیل نمبر :۵۷

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد امتنا اثنتین۔۔۔ الاٰیۃ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذٰلک ذکرھما بالتعریف وھما موتتان لکل أحد غیر الأنبیاء علیھم السلام فإنھم لایموتون فی قبورھم بل ھم أحیاء وأما سائر الخلق فھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ الخ۔

ترجمہ: دوموتوں سے مراد ہے، ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو مشہور اور معروف موتیں ہیں۔اس لیے ان کو (الف ولام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔[1]

دلیل نمبر :۵۸

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ۔

نقل عن الإمام مالک رحمہ اللہ تعالی انہ کان یکرہ أن یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رُشد رحمہ اللہ تعالی من اتباعہ أن الکراھۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتی وھو ﷺ أحیاہ اللہ تعالی بعد موتہ حیاۃ تامۃ واستمرت تلک الحیوۃ وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھٰذا خاصۃ بہ ﷺ بل یشارکہ الأنبیاء علیھم السلام فھو حی بالحیوۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی۔

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہے میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔علامہ ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم مردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت ﷺ ہی سے مختص نہیں بلکہ دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیاتِ کاملہ حاصل ہے لیکن دنیوی اور حسّی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔[2]

دلیل نمبر :۵۹

علامہ ابوالوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

قال ابن عقیل رحمۃ اللہ تعالی علیہ من الحنابلۃ وھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی۔

ترجمہ: علامہ ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۶۰

امام بدرالدین بعلی الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

---

[1] (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۶۰۰)

[2] (نورال ایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ص ۱۴، ونحوہ فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳)

[3] (الروضۃ البہیۃ ص ۱۴)

و الأنبياء أحياء في قبورهم و قد يصلون۔

ترجمہ: حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر :۶۱

فقیہ وقت امام حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

و لما هو مقرر عند المحققين أنه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الملاذ و العبادات غير أنه احجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات۔

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں، آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۶۲

امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

نحن نؤمن و نصدق بأنه ﷺ حي يرزق في قبره و أن جسده الشريف لا تأكله الأرض و الإجماع على هٰذا۔

ترجمہ: ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔[3]

دلیل نمبر :۶۳

علامہ محمد عابد سندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

أما هم فحياتهم لا شك فيها و لا خلاف لإحد من العلماء في ذٰلك إلى أن قال فهو ﷺ حي على الدوام۔

ترجمہ: بہر حال حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔[4]

دلیل نمبر :۶۴

مولوی احمد علی سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں کہ۔

و الأحسن أن يقال أن حياته ﷺ لا يتعقبها موت بل يستمر حيا و الأنبياء أحياء في قبورهم۔

ترجمہ: بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے اور باقی حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[5]

---

[1] (مختصر الفتاوی ص ۱۷۰)

[2] (نور الایضاح ص ۱۷۷)

[3] (القول البدیع ص ۱۲۵)

[4] (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

[5] (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

دلیل نمبر :۶۵

مولانا عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ۔

إنهم اتفقوا على حيوته ﷺ بل حيوة الأنبياء عليهم الصلٰوة و السلام متفق عليها لا خلاف لأحد فيه الخ۔

ترجمہ: محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیھا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[۱]

دلیل نمبر :۶۶

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

و دلت النصوص الصحيحة على حيوة الأنبياء عليهم السلام كما سيأتي إن شآء الله تعالى في موضع يليق به۔ انتهى۔

ترجمہ: نصوصِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ جیسا کہ مناسب موقع پر اس کا ذکر ہوگا۔ ان شآء اللہ تعالیٰ۔[۲]

دلیل نمبر :۶۷

مولوی خلیل احمد سہارنپوری تحریر کرتے ہیں کہ۔

ان نبي الله ﷺ حي في قبره كما أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم الخ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[۳]

دلیل نمبر :۶۸

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

''آپ ﷺ بنصِ حدیث قبر میں زندہ ہیں''۔[۴]

دلیل نمبر :۶۹

حضرت امام ربانی شہباز لامکانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرھندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں مواطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد ال أنبياء **يصلون في قبورهم** شنیدہ باشد۔

ترجمہ: چھوٹی برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے

---

[۱] (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

[۲] (فتح الملہم ج ۱ ص ۵۲۵)

[۳] (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

[۴] (التکشف ص ۴۴۶)

حالات خاصے متفاوت ہیں۔آپ نے یہ تو سُنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر :۷۰

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقوّيه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء افضل من الشهداء الخ۔

ترجمہ: اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداءِ کرام نصِ قرآن کی رُو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔(تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)[2]

دلیل نمبر :۷۱

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ۔

وهم أحياء في قبورهم ويستحب اتيان قبورهم لسلام عليهم۔

ترجمہ: اور حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر آنا ان پر سلام کہنے کے لیے مستحب ہے۔[3]

دلیل نمبر :۷۲

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

لأنه بعد موته وإن كان حيا فهي حياة أُخروية لا تشبه حيوة الدنيا الخ۔

ترجمہ: کیونکہ آپ ﷺ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔[4]

دلیل نمبر :۷۳

مولوی شمس الحق عظیم آبادی تحریر کرتے ہیں کہ۔

ان الأنبياء في قبورهم أحياء۔ یعنی حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[5]

دلیل نمبر :۷۴

مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں کہ:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات خصوصًا آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے فقط۔[6]

دلیل نمبر :۷۵

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] (مکتوبات شریف دفتر دوم ص ۲۹ طبع لکھنؤ)

[2] (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

[3] (قاعدہ فی المعجزات والکرامات ص ۹۷ من مجموعہ رسائل ابن تیمیہ)

[4] (فتح الباری ج ۴ ص ۳۶)

[5] (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

[6] (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۷۱)

انه ﷺ حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الأنبیاء أحیاء فی قبورهم وقد صححه البیهقی والف فی ذٰلک جزئً ا قال الأستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا أن نبینا ﷺ حی بعد وفاته انتهٰی ویؤیدذٰلک ماثبت أن الشهداء أحیاء یرزقون فی قبورهم والنبی ﷺ منهم الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلے میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے استاذ ابومنصور البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ان کا بیان ختم ہوا۔اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ بھی شہید ہیں۔[1]

دلیل نمبر :۷۶

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں۔حدیثِ معتبر سے ثابت ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور میں اس قسم کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۷۷

شیخ التفسیر علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی تحریر کرتے ہیں کہ۔

پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام واولیاءِ عظام سب کے سب زندہ ہیں انہیں مردہ کہنا یا مردہ تصور کرنا پرلے درجہ کی بے ایمانی اور گمراہی ہے۔[3]

دلیل نمبر :۷۸

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں۔[4]

دلیل نمبر :۷۹

شیخ التفسیر مفتی محمد فیض احمد اویسی لکھتے ہیں کہ۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ موت بمعنی استخراجِ روح کے ہی نہیں آتا بلکہ موت حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً قرآنِ مجید میں وارد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو چکے ہیں انہیں مردہ مت خیال کرو اور ان کو مردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں روزی کھاتے ہیں، ”فرحین ویستبشرون“ کے انعامات پر بے حد خوش ہیں پس جبکہ شہداء مجاہدین جن کا درجہ مرتبہ مراتبِ نبوت سے کم اور ادنیٰ ہے اور ان کے لیے زبان سے مردہ کہنا اور دل سے مردہ خیال کرنا منع اور حرام ہے تو انبیاءِ کرام علیہم السلام اور خاص کر آقائے نامدار ﷺ کو مردہ

---

[1] (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱، تسکین الصدور ص ۲۶۳)

[2] (فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۰)

[3] (فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)

[4] (فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۳)

کہنا تو ہر حال میں حرام اور منع ہے۔[1]

دلیل نمبر :۸۰

حافظ الحدیث مولانا غازی محمد کمال القادری المرشدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

جان لو کہ حیات الانبیاء یعنی انبیاء علیہم السلام موت کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری عبادات ادا کرتے ہیں اور یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔[2]

دلیل نمبر :۸۱

مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ۔

انهم أحياء في قبورهم يصلون و قد قال النبي ﷺ من صلّى عليّ عند قبري سمعته و من صلى عليّ نائيا بلّغته۔

ترجمہ: حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔[3]

دلیل نمبر :۸۲

مفتی سیّد عبدالرحیم صاحب دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

شیخ ابو یعقوب سنوی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مرجاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجدِ حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[4]

دلیل نمبر :۸۳

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ ''شرف مختتم'' میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ۔

وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحاق ابرہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہ میں ۵۵۵ھ میں سیّد احمد رفاعی کے ساتھ حج کے سفر میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریفہ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا ''**السلام علیک یا جدّی**'' (اے نانا جان آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا ''**وعلیک السلام یا ولدی**'' (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہلِ مسجد نے سُنا، حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر وجدِ شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک روتے رہے اور شدتِ شوق میں عرض کیا۔ **یا جداہ۔**

یعنی اے نانا جان! حالتِ بُعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے

---

[1] (فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)

[2] (مقالات غازی ص ۵۰)

[3] (التعلیقات السلفیۃ علی سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳۷)

[4] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱، فضائل صدقات حصہ دوم لمولوی زکریا دیوبندی ص ۴۷۸)

سو ذرا اپنا دایاں دستِ مبارک دیجئے تا کہ میرا لب اس کے بوسے سے مشرف ہو جائے، پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔ [1]

دلیل نمبر :۸۴

تنویر الایمان میں لکھا ہے کہ۔

''حضور ﷺ نے بھوک کی شکایت سُن کر روٹی عنایت فرمائی''۔ حضرت ابن جلا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ الرسول ﷺ میں آیا تو مجھ پر ایک دو فاقے گزرے۔ میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کی۔ ''انا ضیفک یا رسول اللہ ﷺ'' یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں سو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ میں ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی روٹی میں نے خواب میں کھائی اور بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ [2]

دلیل نمبر :۸۵

تنویر الایمان میں ہے کہ۔

''میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر فریاد کی اور حضور ﷺ نے مجھے نقد پیسے عنایت فرمائے''۔

احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین مہینوں تک جنگلوں جنگلوں گھوما یہاں تک کہ میرے بدن کا چمڑہ پھٹ گیا۔ میں مدینہ منورہ میں آیا اور مزار اقدس پر حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ اور دونوں صاحبان ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام بھیجا۔ اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ مجھ سے فرماتے ہیں۔ ''اے احمد! تو آیا کیا حال ہے تیرا؟ میں نے عرض کیا :''انا جائع فی ضیافتک یا رسول اللہ ﷺ'' اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کی ضیافت میں بھوکا ہوں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا! ''اپنا ہاتھ کھول''۔ میں نے ہاتھ کھولا۔ آپ نے چند درھم میرے ہاتھ میں رکھ دیے۔ میں بیدار ہوا تو درہم میرے ہاتھ میں تھے۔ میں نے بازار میں جا کر فطیرہ اور فالودہ خرید کر کھایا اور پھر جنگل کو چلا گیا۔ [3]

دلیل نمبر :۸۶

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

''اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی کہ اُسے رسول اللہ ﷺ نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا، اور یاد رہے کہ جو شخص انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مردہ جانے اس پر ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ''۔ [4]

دلیل نمبر :۸۷

غیر مقلد مولوی فضل الرحمن ہری پوری لکھتے ہیں کہ۔

''کُل پیغمبروں کے جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس دُرود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اگر دُور

---

[1] (مجمع البحور ص ۱۸۶ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۲، تنویر الایمان بوسیلۃ اولیاء الرحمن ص ۱۰۱)

[2] (جذب القلوب، تنویر الایمان ص ۹۹)

[3] (ص ۹۹، جذب القلوب)

[4] (کتاب عین الفقر از سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۰۲ بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۹۴)

سے دُرود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔اہلِ حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔[1]

دلیل نمبر :۸۸

مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ۔

''محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اُمت کی اطاعت کی خبر پا کر خوش ہوتے ہیں''۔[2]

دلیل نمبر:۸۹

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں کہ۔

و الّذی نعتقد أن رتبة نبینا ﷺ علی مراتب المخلوقین علی الإطلاق و إنه حی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل إذ هو افضل منهم بلاریب و إنه یسمع من یسلم علیه۔

ترجمہ: جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔جس کا ثبوت قرآنِ کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام کہتا ہے آپ ﷺ سُنتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۹۰

نواب قطب الدین دہلوی لکھتے ہیں کہ۔

''زندہ ہیں انبیاءِ کرام علیہم السلام قبروں میں۔یہ مسئلہ متفق علیہ ہے،کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے''۔[4]

دلیل نمبر :۹۱

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست''۔

ترجمہ: حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[5]

دلیل نمبر :۹۲

علماءِ دیوبند کے نزدیک حیات النبی ﷺ۔

عندنا و عند مشائخنا حیاة حضرة الرسالة ﷺ حی فی قبره الشریف و حیوته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف و هی مختصة به ﷺ و بجمیع الأنبیاء صلوٰت الله علیهم اجمعین و الشهداء لا برزخیة کما هی حاصلة لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما

---

[1] (رسالہ دُرود شریف ص ۱۶)

[2] (اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

[3] (بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

[4] (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

[5] (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

نص علیه العلامة السیوطی فی رسالته انباه الاذکیاء بحیوة الأنبیاء حیث قال قال الشیخ تقی الدین السبکی حیوة الأنبیاء و الشهداء فی القبر کحیاتهم فی الدنیا و یشهد له صلوٰة موسیٰ علیه السلام فی قبره فإن الصلوة تستدعی جسدا حیا إلی آخر ماقال فثبت بهٰذا أن حیوته دنیویة برزخیة لکونها فی عالم البرزخ و لشیخنا شمس الإسلام و الدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس الله سره العزیز فی هٰذا المبحث رسالة مستقلة دقیقة المأخذ بدیعة المسلک لم یُر مثلها قد طبعت و شاعت فی الناس و اسمها آب حیات أی ماء الحیات الخ۔

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے ''انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اور شہداءِ کرام کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔۔۔الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام ''آبِ حیات'' ہے۔[1]

دلیل نمبر: ۹۳

شیخ الحدیث مولوی عبدالحق و دیگر مفتیانِ کرام جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تحریر کرتے ہیں کہ۔

''حضور انور ﷺ و دیگر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بارے میں تمام اہلسنت و جماعت اور جملہ اکابرین دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انکے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ و مامون ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے جو حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن فطری تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب جو دُرود وسلام پڑھا جائے اس کو آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہ تمام محدثین، متکلمین اہلسنت و جماعت کا متفق علیہا عقیدہ ہے۔ اکابر علماء دیوبند کے مختلف رسائل میں اس کی تصریح موجود ہے۔[2]

دلیل نمبر: ۹۴

قاضی شوکانی تحریر کرتے ہیں کہ۔

ورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء أنهم أحیاء یرزقون و أن الحیاة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالأنبیاء و المرسلین۔[3]

دلیل نمبر ۹۵:

و اسئل من ارسلنا من قبلک الخ۔

اس آیت کریمہ سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] (المہند علی المفند ص ۱۳، ۱۴، عقائد علماء دیوبند و حسام الحرمین ص ۲۲۱، فتاوی مظاہر العلوم المعروف فتاوی خلیلیہ ج ۱ ص ۴۱۱)

[2] (فتاوی حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

[3] (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۲ بحوالہ فتاوی حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

"یستدل به علی حیاۃ الانبیاء"۔[1]

دلیل نمبر :۹۶

مفتی صوبہ سرحد، قاطع النجدیت، شائستہ گل القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

وکرامات الاولیاء لا تنقطع بعد موتهم اما الانبیاء علیهم السلام فلأنهم أحیاء فی قبورهم یصلون ویحجون کما وردت به الأخبار فتکون الاغاثة معجزة لهم والشهداء ایضا أحیاء فی قبورهم شوهدوا نهارا جهارا یقاتلون الکفار۔

ترجمہ: بعد وصال کرامات اولیاء کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام کے معجزات ختم ہوتے ہیں کیونکہ وہ سب اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے پس انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد ان کا معجزہ ہے اور اسی طرح شہداء بھی اپنی قبور میں زندہ ہیں دن کو سامنے ظاہر ہو کر کفار کو قتل بھی کرتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۹۷

امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افغانی قندھاری ثم بریلوی فرماتے ہیں کہ۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ میرے چشم عالَم سے چُھپ جانے والے[3]

دلیل نمبر :۹۸

مفتی عبد العلیم القادری الرضوی لکھتے ہیں کہ۔

یا حبیبی أنت حی فی المزار ہے عقیدہ دل نے پایا ہے قرار

حیاۃ النبی کا ہے عقیدہ، مصطفی ﷺ کا یہ فرمان ہے

نبی اللہ حیّ لا یموت، مجتبیٰ ﷺ کا ہی اعلان ہے۔[4]

دلیل نمبر :۹۹

متہ باباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

"میرے عزیز سُنی مسلمان بھائیو! دونوں احادیث مبارکہ کے الفاظ پر غور کرو (عرضت) (معروضة علیّ) (انّ اللہ حرّم) (فنبیّ اللہ حیّ) (یرزق) (بعد الموت) کی تردید (ارمت) کی تردید۔ یہ تمام صیغے و جملے اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں۔[5]

دلیل نمبر :۱۰۰

صاحب زاد المسیر لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] (مشکلات القرآن ص ۲۳۴، دُرِ منثور ج ۶ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲ ص ۲۵، جمل ج ۴ ص ۸۸، شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۴ ص ۴۴۴ بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۴۶۵)

[2] (المقاصد السنیہ ص ۱۲۷)

[3] (حدائق بخشش)

[4] (المقاصد السنیہ ص ۱۲۶)

[5] (المقاصد السنیہ ص ۱۳۳)

انه لما اسری به جمع الانبیاء فصلی بهم، ثم قال له جبریل سل من ارسلنا من قبلک، الآیة، فقال! لا اسأل، قد اکتفیت، رواه عطاء عن ابن عباس وهذا قول سعید بن جبیر والزهری وابن زید، قالوا! جمع له الرسل لیلة اسری به فلقیهم وامر ان یسألهم فما شک ولا سأل۔[1]

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ ﷺ کیلئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا! آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے الخ۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفاء کیا (جو مجھے بتلایا گیا)۔۔۔۔ حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے لئے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان سے پوچھئے، پس آپ ﷺ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ ﷺ نے پوچھا۔

دلیل نمبر :۱۰۱

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

قال عطاء عن ابن عباس رضی الله تعالی عنه لما اسری به ﷺ إلی المسجد الاقصٰی بعث الله له آدم وجمع المرسلین من ولده فأذن جبریل ثم اقام فقال! یا محمد! تقدم فصل بهم، فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلاة فقال له جبرئیل علیه السلام! واسأل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا، الآیة، فقال ﷺ لا اسأل لأنی لست شاکًا فیه۔

ترجمہ: حضرت عطاء، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، اور جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا! اے محمد ﷺ آگے بڑھئے اور ان کو نماز پڑھائیے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا! اے محمد ﷺ اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا! میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔[2]

دلیل نمبر :۱۰۲

تفسیر قرطبی میں ہے کہ۔

لمّا اسری برسول الله ﷺ من المسجد الحرام إلی المسجد الاقصٰی۔ وهو مسجد بیت المقدس۔ بعث الله له آدم ومن وُلد من المرسلین، وجبریل مع النبی ﷺ، فاذن جبریل علیه السلام ثم اقام الصلاة، ثم قال! یا محمد ﷺ تقدم فصل بهم، فلمّا فرغ رسول الله ﷺ قال له جبریل علیه السلام! سل یا محمد ﷺ من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن آلهة یعبدون۔ فقال رسول الله ﷺ لا اسأل قد اکتفیت۔ قال ابن عباس رضی الله تعالی عنه! وکانوا سبعین نبیّا منهم ابراهیم وموسٰی وعیسٰی علیهم السلام، فلم یسألهم لأنه کان أعلم بالله منهم، فی غیر روایة ابن عباس۔ فصلوا خلف رسول الله ﷺ سبعة صفوف، المرسلون ثلاثة صفوف والنبیّون أربعة، وکان یلی ظهر رسول الله ﷺ ابراهیم خلیل الله، وعلی یمینه

---

[1] (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۷ ص ۳۱۹)

[2] (تفسیر کبیر ج ۲۷ ص ۲۱۶)

اسماعیل وعلی یسارہ اسحاق ثم موسی، ثم سائر المرسلین، فأمهم رکعتین، فلمّا انفتل قام فقال! ''ان ربی أوحی إلیّ أن أسألکم هل أرسل أحد منکم یدعو إلی عبادة غیر الله؟'' فقالوا! یا محمد! انا نشهد انا أرسلنا أجمعین بدعوة واحدة أن لا إله إلا الله وأن مایعبدون من دونه باطل، وانک خاتم النبیین وسید المرسلین، قد استبان ذٰلک لنا بامامتک ایانا، وأن لانبیّ بعدک إلی یوم القیامة إلا عیسٰی بن مریم فإنه مأمور أن یتبع أثرک۔

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان واقامت کہی اور عرض کیا اے محمد ﷺ آگے بڑھئے اور ان کو نماز پڑھائیے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی! آپ سوال کیجئے ان رسولوں سے جو آپ ﷺ سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپ ﷺ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لیے کہ آپ ﷺ ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے علاوہ دوسری روایت میں ہے کہ، پس آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ ﷺ کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دو رکعتین نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ! بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا! اے محمد ﷺ! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت کے لیے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ کے، اور یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ اور بے شک آپ ﷺ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں، اور یہ بات اس سے واضح ہو گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ہماری امامت فرمائی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کے علاوہ قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کریں۔ (تفسیر قرطبی)

دلیل نمبر: ۱۰۳

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

وأراد بذٰلک لقائه ﷺ إیاه لیلة الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرهما، وروی نحو ذٰلک عن قتاده وجماعة من السلف، وکان المراد من قوله تعالٰی! فلاتکن فی مریة من لقائه علی هٰذا وعده تعالی نبیه ﷺ بلقائه موسٰی علیه السلام وتکون الآیة نازلة قبل الاسراء۔

ترجمہ: اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے، اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے، کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا، اس اعتبار سے یہ آیت

واقعۂ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔[1]

دلیل نمبر :۱۰۴

تفسیر زاد المسیر میں ہے کہ۔

والثانی من لقائه موسی لیلة الاسراء قاله ابو العالیه ومجاهد وقتاده وابن السائب۔

ترجمہ: دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔[2]

دلیل نمبر :۱۰۵

تفسیر بحرِ محیط میں ہے کہ۔

ای من لقائک موسی ای فی لیلة الاسراء، ای شاهدته حقیقة وهو النبی الذی اوتی التوراة وقد وصفه الرسول فقال طوال جعدٍ کأنه من رجال شنوة حین راءه لیلة الاسراء الخ۔

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے، یعنی آپ ﷺ نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے، اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ ﷺ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے جیسے قبیلۂ شنوۃ کے آدمی ہوتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر :۱۰۶

تفسیر جلالین میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

فانعم الله تعالی علی النبی ﷺ بالاسراء المشتمل علی اجتماعه بالانبیاء۔ (ای بارواحهم واجسادهم معًا علی الصحیح کما قال شیخنا)۔

ترجمہ: ہمارے شیخ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج کی رات لامکاں پر بلا کر بے پناہ انعامات فرمائے انہی میں سے جمیع انبیاءِ کرام علیہم السلام سے ملاقات بھی شامل ہے اور تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام بوقتِ ملاقات اپنے اجسام اور ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔[4]

دلیل نمبر :۱۰۷

صاحبِ تفسیر صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلاتکن فی مریة من لقائه (وقد التقیا لیلة الاسراء) جلالین، السجده۔ ای فی الارض عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره وفی السماء السادسة۔ کما ورد به الحدیث۔

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب تورات عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر (دونوں حضور پُرنور ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی) معراج کی رات ملاقات ہوئی۔ حضور پُرنور ﷺ فرماتے ہیں معراج کی رات جب میرا گزر کثیب

---

[1] (روح المعانی ج۲۱ ص۱۳۸)

[2] (زاد المسیر ج۶ ص۴۳)

[3] (تفسیر بحر محیط ج۷ ص۲۰۵)

[4] (جلالین وجمل ج۲ ص۱۶۱۰ اسری)

احمر (لال ٹیلہ) کے پاس سے ہوا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (اور جب حضور پُرنور ﷺ بیت المقدس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بمع جمیع انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بیت المقدس میں استقبال کیلئے حاضر ہیں) (اور جب حضور پُرنور ﷺ چھٹے آسمان پر پہنچے) تو وہاں پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی) جس طرح کہ احادیث میں وارد ہے۔

دلیل نمبر :۱۰۸

صاحبِ تفسیر خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال! قال رسول اللہ ﷺ لما اسری بی رأیت موسی علیہ السلام یصلی فی قبرہ فی کثیب الاحمر۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا جب مجھے (معراج کیلئے لے جایا گیا) (بیت المقدس جاتے ہوئے) میں نے کثیب احمر (لال ٹیلہ) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔[1]

دلیل نمبر :۱۰۹

صاحبِ تفسیر جمل فرماتے ہیں کہ۔

کیفیة الانبیاء الآتی ذکرھم فی السمٰوٰت السبع فاجتمع بھم کذٰلک فی جملة الانبیاء فی بیت المقدس فسبعة ھٰولآء المذکورین إلی السمٰوٰت صعدوا فوجدھم فیھا لحکم ومصالح۔ (تفسیر جمل ج ۲ ص ۲۱۱۔۔۔۔ قال جبرئیل علیہ السلام ھٰذا ابوک آدم فسلم علیہ فسلمت علیہ فرد السلام وقال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح۔

ترجمہ: ان انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر (جن کا ذکر میں اپنی تفسیر میں) آگے چل کر کرنے والا ہوں جنکے ساتھ حضور پُرنور ﷺ کی ساتوں آسمانوں پر ملاقاتیں ہوئیں (حالانکہ) یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام بیت المقدس میں دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ساتھ موجود تھے پھر ان انبیاءِ کرام کا ساتوں آسمانوں پر حضور ﷺ سے پہلے پہنچ جانا اللہ جل جلالہ کی حکمت و مصلحت (سے خالی نہیں) ہے (حضور پُرنور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں پہلے آسمان پر پہنچا) تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں جو آپ کے جدِ امجد (والد) ہیں انہیں سلام فرمائیں سو میں نے سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا نیز یہ بھی کہا۔ خوش آمدید۔ ایسے عظیم المرتبت، غیب جاننے والے، صالح فرزند کو خوش آمدید کہتا ہوں۔[2]

دلیل نمبر :۱۱۰

علامہ مفتی امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ۔

قرآن مجید میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا "**ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات**" پھر انبیاء تو انبیاء ہیں (علیہم السلام) حدیث میں ہے! **ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔**[3]

دلیل نمبر :۱۱۱

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ۔

لم یزل ﷺ ولا یزال متوجھًا إلی الخلق مقبلًا إلیھم بوجھہ۔

---

[1] (خازن ج ۵ سجدہ ۱۸۸، معالم ج ۵ ص ۱۸۸، صاوی ج ۲ ص ۲۶۶)

[2] (بخاری۔ باب المعراج۔ ۵۹)

[3] (فتاوی امجدیہ ج ۴ ص ۳۱۹)

ترجمہ: سرکار دوعالم ﷺ ہمیشہ مخلوق کی جانب چہرہ مبارکہ فرماتے رہیں گے۔لہٰذا آپ ﷺ حیاتِ جسمانیہ کے ساتھ زندہ رہنے کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں۔[1]

افلت شموس الاولین وشمسنا ابداعلی افق العُلی لاتغرب

دلیل نمبر :۱۱۲

امام بارزی کا فتوی۔

امام بارزی سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ استاذ العلماء ابومنصور البغدادی فقیہ اُصولی شافعیوں کے شیخ نے ''مسائل انجاز مبین'' میں فرمایا کہ علماء متکلمین محققین اہلِ سنت کا ارشاد ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں اور اپنی اُمت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور یہ کہ حضور ﷺ کے دربار میں تمام سرکاری غلاموں کا دُرود پیش ہوتا ہے۔

''وقال ان الانبیاء لایبلون ولاتاکل الارض منھم شیئا''

ترجمہ: اور یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بوسیدہ نہیں ہوتے اور ان حضرات کے پاک جسموں کا کوئی حصہ زمین نہیں کھا نہیں سکتی۔[2]

دلیل نمبر :۱۱۳

مولوی سید حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر''۔[3]

دلیل نمبر :۱۱۴

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

''وہ (وہابی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسد کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارے میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں''۔[4]

دلیل نمبر :۱۱۵

شیخ الاسلام علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

من انکر الحیوۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن نحانحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذٰلک۔

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں، اہلِ سنت نے ان کے دلائل کے

---

[1] (فیوض الحرمین ص ۳۰) بحوالہ (حیات الانبیاء والشہداء والموتیٰ)

[2] (انباء الاذکیاء لسیوطی ص ۹) بحوالہ (حیات الانبیاء والشہداء والموتیٰ)

[3] (مکتوباتِ شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۴۴، ج ۱ ص ۱۲۰)

[4] (نقشِ حیات ج ۱ ص ۱۲۰)

جوابات دیئے ہیں۔اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرین حیات، اہلِ سنت میں سے نہیں ہیں۔[1]

"قدتمسک بہ من انکر الحیوۃ فی القبر و اجیب عن اھل السنۃ۔۔۔ ان حیوتہ ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیّا"۔

ترجمہ: منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلِ سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ ﷺ اب بھی دائمی طور پر زندہ ہیں۔[2]

دلیل نمبر :۱۱۶

تفسیر قرطبی میں ہے کہ۔ عن علی رضی اللہ تعالی عنہ قال قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول اللہ ﷺ بثلاثۃ ایام، فرمی بنفسہ علی قبر رسول اللہ ﷺ و حثا علی رأسہ من ترابہ، فقال! قلت یا رسول اللہ ﷺ فسمعنا قولک و وعیت عن اللہ فوعینا عنک و کان فیما انزل اللہ علیک "ولو انھم إذ ظلموا انفسھم" الآیۃ۔ وقد ظلمت نفسی و جئتک تستغفر لی، فنودی من القبر انہ قد غفر لک۔

ترجمہ: یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی! "انہ قد غفر لک"[3]

دلیل نمبر :۱۱۷

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "التنویر" میں فرماتے ہیں کہ۔

ان النبیّ ﷺ حیّ بجسدہٖ و روحہٖ و انہ یتصرّف و یسیر فی اقطار الارض و فی الملکوت و ھیئۃ التی کان قبل وفاتہ و لم یبدل منہ شئ و أذن لھم ای الانبیاء فی الخروج من قبورھم و التصرف فی الملکوت العلویّ و السفلیّ و ان حیات النبی ﷺ فی قبرہ و حیات سائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الادلۃ القطُّ حجّۃ فی ذٰلک و تواترت بہ الاخبار منھا قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون و منھا قال رسول اللہ ﷺ حرم اللہ علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ جسم اور روح کے تعلق کے ساتھ حیات ہیں اور جس طرح کہ حضور ﷺ کو وفات سے پہلے اطراف زمین اور ملکوت میں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل تھی، اسی طرح اب بھی زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور اطرافِ زمین اور عالم ملکوت میں تصرّف فرماتے ہیں۔ ان امور میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اجازت دے رکھی ہے کہ قبروں سے نکل کر سیر فرمائیں اور ملکوتِ علوی اور سفلی میں تصرّف فرمائیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ اسی طرح سارے انبیاءِ کرام حیات ہیں۔ یہ بات ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے اس لیے کہ اس کے ثبوت میں قطعی دلائل اور حجتیں موجود ہیں اور متواتر حدیثیں وارد ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کو کھائے۔[4]

---

[1] (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۸ ص ۶۰۱)

[2] (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

[3] (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۶۵، ۲۶۶) (تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۸، ۴۵۹) (تسکین الصدور ۳۶۷)

[4] (التنویر لسیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

دلیل نمبر :۱۱۸

شیخ الاسلام مولوی سید احمد شاہ شاگردِ خاص مولانا غورغشتوی بابا فرماتے ہیں کہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔

پھر اسکے بعد لکھتے ہیں :ولا مانع من ان یراہ کثیرون فی وقت واحد کأنّہ کالشمس۔[۱]

دلیل نمبر :۱۱۹

فتاوی فیضِ نقشبندیہ میں لکھا ہے کہ۔

''حیاتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام اجماع سے ثابت ہے اور اجماع کی مخالفت کفر ہے''۔[۲]

اس سے معلوم ہوا کہ جو حیاتِ انبیاء کا منکر ہو وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے باہر ہے۔

(۶۴)﴿باب نمبر چونسٹھ عذاب قبر کے بیان میں﴾

اور بعض علماء عذابِ قبر کے منکر ہیں۔اور اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے، جیسا کہ علامہ طاہر بن احمد حنفی ''خلاصۃ الفتاوی'' میں لکھتے ہیں :ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کرامًا کاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیۃ لانّہ کافر۔

یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[۳]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع ﷺ۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع ا سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔[۴]

مولانا عبد العلی بحر العلوم حنفی لکھتے ہیں :منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ :اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[۵]

برزخ کے معنی دو چیزیں کے درمیان حدِّ فاصل اور روک کے ہیں۔

(مفردات القرآن امام راغب اصفہانی) برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد؛ روک؛ حائل؛ عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔[۶]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[۱] (تنویر الایمان فی اتباع مذہب النعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۵۱)

[۲] (فتاوی فیض نقشبندیہ ص ۶۵)

[۳] (خلاصۃ الفتاوی ص ۱۴۹، ج ۱)

[۴] (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)

[۵] (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

[۶] (لغات القرآن ج ۲ ص ۲۸)

ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون۔

ترجمہ: اورانکے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ اٹھائے جائیں گے) رہیں گے؛ برزخ باز داشت میان دو چیز یعنی برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے۔ وتقال مابین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ۔

ترجمہ: برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لیکر حشر تک ہے پس جو شخص مرگیا وہ برزخ میں داخل ہوگیا: (صراح؛ علامہ ابوالفضل محمد بن عمر القریشی) برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور فعل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں؛ مولوی سید نورالحسن بخاری لکھتے ہیں: تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور: عہد: زمانہ اور مدت کا نام ہے: اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہوجاتا ہے؛ اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی؛ اس لیے اسے برزخ کہتے ہیں؛ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے؛ گویا میت کیلئے قبر اور برزخ دونوں؛ ظرف؛ ہیں؛ برزخ ظرف زماں اور قبر ظرف مکاں:

قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے؛ قرآن وحدیث میں عموماً اس مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا: ولا تقم علیٰ قبرہ:[1]

اور اس کافر منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہو: واذا القبور بعثرت۔[2]

یعنی اور (قیامت کے دن) جب قبریں اکھاڑ جائیں گی؛ حدیث شریف میں ہے کہ: ان العبد اذا وضع فی قبرہ؛[3]

ترجمہ: بیشک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا۔[4]

ظاہر ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحاء کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کیلئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (ام المؤمنین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گیا اور کہا کہ اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھائیں تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے تین قبریں دکھائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سائلین کو علیین پر کیونکر لے گئیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فإذا وضع فی قبرہ وسوی علیہ وتفرق عنہ اصحابہ اتاہ منکر ونکیر فیجلسانہ فی قبرہ۔

ترجمہ: جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رخصت ہوجاتے ہیں تو اس کے پاس منکر

---

[1] (پ نمبر ۱۰ سورۃ التوبۃ)

[2] (پ ۳۰ س انفطار)

[3] (متفق علیہ) (مشکوٰۃ المصابیح باب عذاب القبر)

[4] (بخاری مع فتح الباری ص ۱۶۵)

اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔[1]

حضرت بشیر اکال المعوی کی حدیث کے الفاظ۔

انی مررت بقبر وھو یسأل عنی فقال لا ادری فقلت لا دریت۔

ترجمہ: بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا، جس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا، اس پر میں نے کہا کہ تم نے نہ خود جانا (نہ کسی جاننے والے کی بات مانی)۔[2]

حضور اکرم ﷺ میت (کی قبر پر) تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔[4]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المرأۃ (زوجہ سے ہم بستری) نہ کیا ہو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ فرمایا اس کی قبر میں اُتر جا پھر وہ بنتِ رسول ﷺ کی قبر میں اُترے۔[5]

عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئًا علی قبرہ فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر۔

ترجمہ: عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے قبر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا قبر والے کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔[6]

ان احادیث مبارکہ کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے ہیں، جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہے۔

باقی قبر کے معنیٰ لغات قرآن کے امام سے سُن لیجئے۔

القبر کے معنیٰ میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں۔ **اقبرہ** کے معنیٰ کسی کے لیے قبر مہیا کرنے کے ہیں تا کہ اسے دفن کیا جائے۔ قرآن میں ہے "**ثمّ اماتہ فاقبرہ**" پھر اس کو موت دی۔ پھر اسے قبر میں دفن کرایا۔[7]

عربی کی مشہور لغت "منجد" دیکھئے۔

---

[1] (شرح الصدور ص ۵۴)

[2] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۴۲، مجمع الزوائد ص ۴۸، شرح الصدور ص ۵۰)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح)

[4] (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹)

[5] (مشکوٰۃ المصابیح)

[6] (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹، ابن عساکر، مسند احمد، کنز العمال ج ۱۵ ص ۷۶۰ حدیث نمبر ۴۲۹۹۰)

[7] (مفردات القرآن للاصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۷۲۳)

القبر : آدمی کے دفن کا مقام جمع قبور اقبرہ : کسی کے دفن کرنے کو قبر بنانا،اقبر القوم : قوم کو مقتول کے دفن کی اجازت دینا۔[1]

لغات القرآن کے امام (راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) یا صاحب منجد نے قبر کے معنی میں کہیں گڑھا کا لفظ نہیں لکھا۔قبر کے معنی گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا،گڑھا تو ہیں حفرہ کے معنی،قبر کے معنیٰ تو ہیں : میت کو دفن کرنے کی جگہ،آدمی کے دفن کا مقام مقرّ المیت۔

قرآن کریم میں ایک جگہ "قبر" کا لفظ آیا ہے۔"قبرہ" (پارہ ۱۰ ع ۱۷) چار مقامات پر "القبور" ہے۔[2]

ایک مقام پر "القبور" ہے۔(پ ۳۰ ع ۷)

ایک مقام پر "اقبرہ" ہے۔(پ ۳۰ ع ۵)

ایک مقام پر "المقابر" ہے۔(پ ۳۰ ع ۲۷)

ان آٹھ مقامات میں سے کسی مقام پر بھی قبر کے معنیٰ نہ گڑھا ہیں اور نہ ہی عالم برزخ بلکہ آٹھوں مقامات پر قبر ہی مراد ہے۔اور حدیث میں بھی جہاں قبر کا ذکر آیا ہے وہاں یہی محسوس قبر ہے۔

قبر کا عذاب وثواب:

قبر کے عذاب وثواب پر جمیع اہلسنت متفق ہیں۔ان کے نزدیک عذابِ قبر حق ہے۔یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔نبی کریم ﷺ نے اسے حق فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا "نعم عذاب القبر حق" ہاں : قبر کا عذاب حق ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہو (الا تعوّذ باللہ من عذاب القبر) اور عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔استعیذوا باللہ من عذاب القبر۔[3]

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم انی اعوذ بک من العجز و الکسل و الجبن و الھرم، و اعوذ بک من عذاب القبر و اعوذ بک من فتنۃ المحیا و الممات۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز وکسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔[4]

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذابِ قبر صرف رُوح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف بدن کو۔لیکن اہلسنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

بل العذاب و النعیم علی النفس و البدن جمیعًا باتفاق اھلِ السنۃ و الجماعۃ۔

---

[1] (المنجد عربی اردو ص ۹۵۷)

[2] (پ ۷ ا ع ۸، پ ۲۲ ع ۱۵، پ ۲۸ ع ۸، پ ۳۰ ع ۲۵)

[3] (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰)

[4] (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۲، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۷، ترمذی ج ۲ ص ۱۸۷، نسائی ج ۲ ص ۳۱۳)

ترجمہ : عذاب وراحت وآرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اس پر تمام اہلِ سنت و جماعت کا اتفاق ہے۔[1]

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں۔

وقد اجمع اهل السنة والجماعة على اثبات الحيوة في القبور۔

ترجمہ: بیشک قبروں میں اثباتِ حیات پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔

ان حيوة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم في قبورهم لا شک فيها۔

ترجمہ: بلاشُبہ تمام مُردوں کا قبروں میں اپنے ارواح واجسام دونوں کے ساتھ زندہ ہونا، اس میں کوئی شک نہیں۔

حضرت علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

العذاب على الروح والبدن كما هو مذهب الجمهور وهو الصحيح۔

ترجمہ: قبر میں گناہ گار کے بدن وروح دونوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔

ومحل العذاب الروح والبدن جميعًا باتفاق اهل السنة والجماعة وكذا القول في التنعيم۔

ترجمہ: اہلِ سنت و جماعت اس بات پر متفق ہے کہ قبر میں عذاب وثواب روح اور جسم دونوں کو دیا جاتا ہے۔

ان براھین قاطعہ سے خوب واضح ہوا کہ قبر میں روح وجسد دونوں کو سزا وجزاء دی جاتی ہیں۔[2]

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

ومحل التنعيم والعذاب الروح والبدن جميعًا باتفاق اهل السنة والجماعة كما هو مذهب الجمهور وهو الصحيح۔ وقول العامّة واكثر ارباب الشرع على انهم احياء في الحال بحياة جسمانية۔

ترجمہ: اس بات پر اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ عطاءِ نعمت اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ اور عوام کا قول ہے اور اکثر ارباب شرع کا قول ہے کہ اب بھی وہ سب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔[3]

عذابِ قبر کے منکر کی اقتداء میں نماز کا حکم:

علامہ طاہر بن احمد حنفی ''خلاصۃ الفتاوی'' میں لکھتے ہیں۔

ولا يجوز الصلوٰة خلف من ينكر شفاعة النبي ﷺ وينكر كرامًا كاتبين وعذاب القبر كذا من ينكر رؤية لانّه كافر۔

ترجمہ: جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[4]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

---

[1] (کتاب الروح ص ۶۲)

[2] (المقاصد السنیۃ ص ۱۰۷)

[3] (شرح الصدور ص ۲۱۲، المقاصد السنیۃ ص ۱۰۵)

[4] (خلاصۃ الفتاوی ص ۱۴۹)

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع ﷺ۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

مولانا عبدالعلی بحرالعلوم حنفی لکھتے ہیں۔

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ: اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[1]

علامہ ابوالشکور سالمی فرماتے ہیں کہ۔

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوّا وعشیّا۔ یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ایّ موضع وعلی ایّ حال ومن انکر ھٰذا یصیر کافرًا۔ ''واللہ تعالیٰ اعلم''۔

ترجمہ: عذابِ قبر مؤمنوں کیلئے جائز اور کافروں کیلئے واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہے، یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فاعلموا ایھا الاخوان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولٰکن اللہ تعالیٰ یأخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الٰھیۃ ومن شک فی ذٰلک فھو ملحد الخ۔[2]

ترجمہ: اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب وراحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الٰہی کا تقاضہ ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

(۶۵) ﴿باب نمبر پینسٹھ تقلید کے بیان میں﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنے آباواجداد کی اتباع کرنا شرک اور حرام ہے۔ حالانکہ مؤمن آباواجداد کی اتباع دین میں رفع (یعنی بلندی) درجات کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَا اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ''[3]

مؤمن آباواجداد کی اتباع کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کی ہے: اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ط[4]

جو کوئی اپنے مؤمن آباء واجداد کی اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: (کہ یوسف علیہ السلام نے

---

[1] (رسائل بحرالعلوم ص ۹۹)

[2] (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ص ۳۶)

[3] (پ ۲۷ سورہ طور آیت ۲۱)

[4] (پ ۱ البقرہ آیت ۱۳۳)

فرمایا)"اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ ھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ کٰفِرُوۡنَ۔ وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰھِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ[1]

کانہ قال :انما فرتُ بما فرتُ بسبب انی لم أتبع ملة قوم کفروا بالمبدأ و المعاد و اتبعت ملة آبائی الکرام المؤمنین بذلک۔[2]

مؤمن آباو اجداد کا وہ طریقہ جس کی ممانعت قرآن پاک اور احادیث میں نہ ہو، اس کو غلط کہنا اور اس کا مذاق اڑانا یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا طریقہ ہے، نہ کہ مسلمانوں کا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَ ذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَھُمۡ لَعِبًا وَّ لَھۡوًا وَّ غَرَّتۡھُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا۔۔الخ"[3]

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یعنی الیھود و النصاریٰ و مشرک العرب اتخذوا دین آبائھم المؤمنین (لعباً) ضحکة (و لھواً) استھزاءً"[4]

کافر، مشرک، اور جاہل اباٰء و اجداد کی اتباع ان کے کفر و شرک وغیرہ میں ممنوع اور حرام ہے اور مؤمنوں کی اتباع جائز اور لازم۔ قرآن حکیم میں ہے :وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُھُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَھۡتَدُوۡنَ [5] اور سورہ مائدہ آیت ۱۰۴ میں ہے :لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَھۡتَدُوۡنَ۔ دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے :"اس میں دلالت ہے اس پر کہ جس شخص کے والد کا باعقل و بااھتداء ہونا اجمالاً بھی ثابت ہو جاوے اس کی اتباع مطلقاً جائز ہے۔ اور یہ اصل ہے بلا تردد مشائخ کی اتباع کرنے کا اھ۔[6]

سنن الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن و مسلمان آباو اجداد کی مخالفت کرنے والوں پر عذاب اِخروی سے قبل عذاب دنیوی بھی نازل فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے :"اِنَّا بَلَوۡنٰھُمۡ کَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ" تا اخیر رکوع۔[7]

قرآن حکیم میں مؤمن مسلمان آباو اجداد کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وعید شدیدہ آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡھُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَھَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا۔[8]

تفسیر کبیر میں ہے :تقریر الاستدلال، ان اتباع غیر سبیل المؤمنین حرام۔ فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجباً۔[9]

نیز ارشاد ہے :اَلَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَھُمۡ لَھۡوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتۡھُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰىھُمۡ کَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِھِمۡ ھٰذَا۔الخ[10]

---

[1] (پ ۱۲، سورہ یوسف آیت ۳۷، ۳۸)

[2] (روح المعانی ج ۴، پ ۱۲، ص ۲۴۲)

[3] (پ ۷، سورہ انعام، آیت ۷۰)

[4] (تفسیر ابن عباس ص ۸۹)

[5] (پارہ ۲، بقرہ، آیت ۱۷۰)

[6] (بیان القرآن، ج ۱، ص ۹۵، پ ۲، مسائل السلوک، میر کتب خانہ، کراچی) (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۱ امدادیہ ملتان)

[7] (پارہ ۲۹، سورہ قلم، آیت ۱۷ تا ۳۳)

[8] (پارہ ۵، سورہ النساء، آیت ۱۱۵)

[9] (جلد ۱۲، صفحہ ۴۳)

[10] (۵۱، الاعراف)

فقط برے خلیفہ کے بارے میں ہے : فخلف من بعدھم خلف [1] خَلف بسکون اللام اکثر برے خلیفہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے بڑوں کے طرز کے خلاف برائیوں میں مبتلا ہو۔ [2]

ان لوگوں پر یہ حدیث مبارک بھی دال ہے: عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم و لا اباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم۔ یعنی ''اخیر زمانہ میں جھوٹے اور دجال قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کرینگے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جن کو نہ آپ نے اور نہ آپ کے آباؤ اجداد نے سنا ہوگا۔ خبردار ان سے بچے رہنا، کہ یہ تم لوگوں کو گمراہ نہ کردیں اور فتنوں میں نہ ڈال دیں۔'' [3]

(۶۶) ﴿باب نمبر چھیاسٹھ کسی کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونے کا بیان میں﴾

بعض علماء کہتے ہیں کسی معزز شخص کے استقبال کے لئے قیام کرنا یعنی کھڑا ہونا، ناجائز ہے۔ حالانکہ کسی معزز و محترم شخصیت یا رہنمائے ملت و قوم کی آمد پر اس کے استقبال کے لئے قیام جائز ہے۔ اس جواز کی اصل سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے۔ درج ذیل احادیث اسی قسم کے قیام پر دلالت کررہی ہیں:

حضرت ابوسعید خدری ص سے روایت ہے : نزل اھل قریظۃ علی حکم سعد بن معاذ فأرسل النبی ﷺ الی سعد فاتی علی حمار فلما دنیٰ من المسجد قال رسول اللہ ﷺ للانصار قوموا الی سیدکم أو خیرکم۔ ''جب بنو قریظہ نے حضرت سعد کے حکم کو ماننے کا اقرار کرلیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا۔ وہ دراز گوش (گدھے) پر سوار ہو کر مسجد کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا : اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔''

یہ ارشاد گویا اس معنی میں ہے کہ سیادت کی وجہ سے ان کا استقبال کرو۔ اگر ان کو اتارنا مقصود ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو کسی ایک دو افراد کو مامور فرماتے، تمام لوگوں کو کھڑا ہونے کے لئے نہ فرماتے۔ آخر حدیث میں ''أو خیرکم'' کے الفاظ بھی قیام استقبال پر دلالت کررہے ہیں۔

امام ابوداؤد نے یہ حدیث کتاب الادب میں بیان کی ہے۔ اگر یہ قیام بیماری کی وجہ سے تھا تو اسے کتاب الادب میں بیان کیوں کیا گیا؟ پس معلوم ہوا کہ یہ قیام استقبال تھا۔ [4]

کبھی قیام کسی کے لئے از راہ محبت ہوتا ہے، والدین کا قیام اپنی اولاد کے لئے، استاذ کا شاگرد کے لئے، شیخ کا اپنے خاص الخواص مرید کے لئے، کسی بڑے کا قیام چھوٹے کے لئے، اسی زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔ قیام کی یہ صورت خود سنتِ مصطفی ﷺ سے ثابت ہے۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں : ما رأیت أحدا أشبہ سمتا و دلا و ھدیا برسول اللہ ﷺ فی قیامھا و قعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ قالت : و کانت اذا دخلت علی النبی ﷺ قام الیھا فقبلھا و أجلسھا فی مجلسہ و کان النبی ﷺ اذا دخل علیھا

---

[1] (اعراف آیت ۱۶۹ و مریم آیت ۵۹)

[2] (معارف ج ۴ ص ۱۰۳)

[3] (مسلم، مشکوۃ شریف ص ۲۸، باب الاعتصام)

[4] (بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب، ج ۴ ص ۱۵۱۱، رقم ۳۸۹۵، بخاری الصحیح، کتاب الاستئذان، باب قول النبی قوموا الی ج ۵ ص ۲۳۱۰، رقم ۵۹۰۷، مسلم الصحیح ج ۳ ص ۱۳۸۸، کتاب الجہاد، باب جواز قتال من نقض العہد، رقم ۱۷۶۸، ابو داؤد السنن، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام ج ۴ ص ۳۵۵، رقم ۵۲۱۵، السنن الکبری ج ۵ ص ۶۲، رقم ۸۲۲۲، ابن حبان الصحیح ج ۱۵ ص ۴۹۶، رقم ۷۰۲۶، سعید بن منصور، السنن، ج ۲ ص ۳۹۶، رقم ۲۹۶۴، میلاد النبی ص ۷۷)

قامت من مجلسها فقبلته و أجلسته فی مجلسها۔ یعنی ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو طریقہ، روش اور نیک خصلتی (اور ایک روایت میں ہے کہ بات کرنے میں) حضور ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں) جس وقت داخل ہوتی تھیں حضور نبی اکرم ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہوتے، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، حضور ﷺ جب ان کے ہاں جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دستِ مبارک کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (اس حدیث سے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : کان النبی ﷺ یجلس معنا فی المجلس یحدثنا فاذا قام قمنا قیاماً حتیٰ نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔ ''حضور نبی اکرم ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے۔ پھر جب اٹھتے تو ہم سب لوگ ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھہرے رہتے، یہاں تک کہ آپ اجرہ مبارک میں داخل ہو جاتے۔''[2]

دلیل الاحسان میں یہ حدیث مبارکہ موجود ہے : قال النبی ﷺ من قام لتعظیم العلماء جعل اللہ صورتہ و لباسہ کمثلی۔[3]

(۶۷) ﴿باب نمبر سڑسٹھ بزرگان دین کے عرس منانے کا بیان﴾

بعض علماء عرس شریف کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور خلفاء اربعہ ث بھی شہدائے احد رضی اللہ عنہم کی قبور پر ہر سال مقررہ ایام میں تشریف لاتے تھے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے : کان النبی ﷺ یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ الخ۔ یعنی ''رسول کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا، پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبورِ شہداء رضی اللہ عنہم پر جایا کرتے تھے۔[4]

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہیدوں رضی اللہ عنہ کی قبروں پر جانا ثابت ہوا جو کہ عرس کی اصل ہے۔

فخر الملت والدین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کو تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں :

عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھداء ث علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ ث ھکذا کانوا یفعلون۔

یعنی رسول اللہ ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے

---

[1] (ترمذی الجامع الصحیح، ج ۵ ص ۷۰۰، کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ رقم ۳۸۷۲، ابو داؤد السنن ج ۴ ص ۳۵۵، کتاب الادب رقم ۵۲۱۷، نسائی السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۶، رقم ۸۳۶۹، ابن حبان الصحیح ج ۱۵ ص ۴۰۳، رقم ۹۹۵۳، حاکم، المستدرک، ج ۳ ص ۱۷۴، رقم ۴۷۵۳، ابن راہویہ المسند، ج ۱ ص ۸، رقم ۶، عسقلانی، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲)

[2] (ابو داؤد، السنن ج ۴ ص ۲۴۷، کتاب الاداب، باب فی الحلم و اخلاق رقم ۴۷۷۵، بیہقی، شعب الایمان ج ۶ ص ۴۶۷، رقم ۸۹۳۰، بیہقی، المدخل ج ۱ ص ۴۰۱، رقم ۷۱۷، عسقلانی فتح الباری، ج ۱۱ ص ۵۲، سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۲، رقم ۳۸۳۶)

[3] (دلیل الاحسان ص ۴)

[4] (ج ۱۳، ص ۹۲)

صبر کیا پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبور شہداء رضی اللہ عنہ پر جایا کرتے تھے۔[1]

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں : حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء رضی اللہ عنہ پر تشریف لے جاتے اور فرماتے : ''سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔'' یہی طرزِ عمل ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ عنہ کا رہا۔''[2]

مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے فتاوٰی میں اس حدیث کو عرس کے ثبوت و جواز میں بطور اصل کے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھٰکذا کانوا یفعلون۔[3]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لیجانا اور پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے اپنے زمانے میں اس سنتِ مصطفی ﷺ پر عمل پیرا رہنا عرس بزرگانِ دین رضی اللہ عنہم کی اتنی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کسی صورت میں نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ ہر سال عرس اور برسی منانے کو شرک و بدعت وغیرہ کہنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، کہ سنتِ مصطفی ﷺ اور سنت خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کو تمسخر و استہزاء کی نظر سے دیکھنا اور دین سرورِ دو عالم کو اس قدر سنگین مذاق کا شکار بنانا انہیں کس طرف لے جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ میں بھی عرس کے جواز پر تصریح موجود ہے۔ مثلاً[4]

(۶۸) ﴿باب نمبر اڑسٹھ فوتگی کے بعد سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء میت کے گھر میں ساتویں دن تک خیرات کرنے کو ناجائز اور حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا بالکل درست، جائز اور روا ہے۔ اور اس کا ثواب بھی میت تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا مخالف فرقہ معتزلہ وہابیہ ہے۔ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن الرجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ فرأیت رسول اللہ ﷺ : وھو علی القبر یوصی الحافر یقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل رأسہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ، فاجاب و نحن معہ وجیئ بالطعام و وضع یدہ ثم وضع القوم : فاکلوا فنظرنا الی رسول اللہ ﷺ یلوک لقمۃ فی فیہ ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر اذن اھلھا : فارسلت المرأۃ تقول یا رسول اللہ ﷺ انی ارسلت الی النقیع و ھو موضع یباع فیہ الغنم لیشتری لی شاۃ فلم تجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاۃ ان یرسل بھا الیّ بثمنھا فلم یوجد فارسلت الی امرأۃ فارسلت الیّ

---

[1] (تفسیر کبیر ج ۱۹ ص ۴۵، تفسیر درمنثور، ج ۴ ص ۵۸، تفسیر قرطبی، ج ۹ ص ۳۱۲)

[2] (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۶ ص ۳۳۴)

[3] (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۴۹)

[4] (۱) تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۱، (۲) تفسیر کشاف (ج ۲ ص ۵۲۷) (۳) روح المعانی ج ۷ ص ۱۴۵۔ (۴) شرح الصدور ص ۸۷، (۵) ارشاد الساری لملا علی قاری ص ۳۴۷ (۶) البدایہ والنہایۃ (ج ۳ ص ۸۹)

بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمی ھذا الطعام الاسریٰ رواہ ابو داؤد والبیھقی فی دلائل النبوۃ۔[1]

ترجمہ : عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازے میں گئے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ اس قبر کو سر اور پاؤں کی طرف سے کشادہ کردو۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مرحوم کی بیوی کی طرف سے ایک آدمی جو آپ ﷺ کو بلانے کیلئے آیا تھا، آپ ﷺ سے ملا جب آپ ﷺ اس آدمی کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا جو آپ ﷺ کے اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھانا لوگوں نے کھایا اور آپ ﷺ اپنے منہ میں لقمہ چبانے لگے پھر فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑا گیا ہے، اس عورت نے آپ ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے بکری کی خریداری کے لئے ایک آدمی بھیجا تھا لیکن مجھے وہاں سے بکری نہ ملی پھر میں نے اپنے پڑوسی کو کہلا بھیجا کو جو بکری آپ خرید کر لائے ہیں وہ مجھے قیمتاً دے دیں مگر وہ آدمی نہ ملا پھر میں نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس عورت نے مجھے بکری بھجوادی، آپ ﷺ فرمایا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو۔

اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میت کے گھر والوں نے بلایا اور حضور ﷺ نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کھانا بھی کھایا اور وہ لقمہ جو حضور ﷺ نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اسے باہر نہیں گرایا۔

مرقات میں امرأۃ کی جگہ "امرأۃ المیت" اور ابو داؤد میں "امرأۃ" آیا ہے۔ ابو داؤد میں جو لفظ "امرأۃ" آیا ہے یہاں تنوین عوض کی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امرأۃ لفظ عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی بلکہ اور کوئی تھی۔ جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں شامل ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ کرنا جائز ہے۔

وھکذا الشیخ المحدث عبد الغنی الدھلوی شارح ابن ماجہ حیث قال اما صنعۃ الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا بأس بہ لان النبی ﷺ قبل دعوۃ امرأۃ المیت التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد ص ۴۷۳۔[2]

"حضرت شیخ محمد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر میت کے ورثاء فقراء کے لئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحقیق دعوت قبول فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی جس کا شوہر فوت ہوگیا تھا۔ یہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ اگر میت کے ورثاء بخوشی کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔ وھکذا قال عبد الحق المحدث الدھلوی والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذھابہ من الدنیا الی سبعۃ ایام۔[3]

والسنۃ ان یتصدق ولی المیت قبل مضی اللیلۃ الاولیٰ بشیء ممّا تیسّر لہ فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین۔[4]

طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء صدقہ کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کے لئے آسان ہو۔ اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں۔ ثابت ہوا کہ صدقہ میت کی پہلے رات گزرنے سے پہلے نہایت مفید ہے۔

---

[1] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۴)

[2] (انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ شریف مولفہ عبد الغنی ص ۱۱۷)

[3] (اشعۃ اللمعات ص ۶۳۴، ج ۱)

[4] (طحطاوی ۳۳۸، برھنہ ۳۶۳، ج ۱، شرح شرعۃ الاسلام وشرحھا ص ۵۶۸)

(۶۹)﴿باب نمبر انہتر شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا بیان﴾

بعض علماء پاجامہ یا شلوار اوپر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔حالانکہ پاجامہ کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفی ﷺ نے فرمایا منافق کی علامت اپنے پاجامے کو لمبا کرنا ہے تو جس شخص نے اپنے پاجامے کو لمبا کیا حتیٰ کہ قدموں کے نیچے گھسٹتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کے لئے دوزخ ہے۔[1]

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والوں کے لئے دردناک عذاب

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو یقیناً ناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑ گئے، آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑ گئے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، (۲) احسان جتلانے والا، (۳) جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا مغفرت سے محروم

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ لیلۃ برأت (شب برأت، نصف شعبان کی رات) میں بھی ایسا شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہتا ہے، چنانچہ مظاہر حق میں حدیث نقل کی گئی ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں سب بخشے جاتے ہیں مگر (۱) والدین کی نافرمانی کرنے والا، (۲) ہمیشہ شراب پینے والا، (۳) ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا نہیں بخشا جاتا۔[2]

(۷۰)﴿باب نمبر ستر داڑھی پر کالا خضاب لگانے کا بیان﴾

بعض علماء داڑھی کو کالا کرتے ہیں حالانکہ داڑھی کو کالا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔صحیح مذہب میں ہے کہ داڑھی اور سر کے بالوں پر کالا رنگ لگانا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے۔صرف مجاہدین کے لئے اس کا جواز ہے۔سیاہ رنگ کی حرمت اور کراہت پر احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ فقہاء موجود ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما **قال قال رسول اللہ** ﷺ **یکون قوم یخضبون فی اٰخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔**

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی بو نہ سونگھیں گے۔[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما **انّ النّبیّ** ﷺ **قال یکون فی اٰخر الزمان قوم یسودون اشعارھم لا ینظر اللہ الیھم۔**

---

[1] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۱۷، حدیث نمبر ۴۱۱۹۸)

[2] (مظاہر حق: ص ۴۹۵، ج ۳، کتاب اللباس)

[3] (خلاصۃ الفتاوی مع مجموعۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۵۱، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۶۸، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ، شرح صحیح مسلم للسعیدی ج ۶ ص ۴۱۴، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۲۶ مطبع کابل، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگے گی۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[1]

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما **قال قال رسول اللہ** ﷺ **الصفرة خضاب المؤمن والحمرة خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر۔**

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زرد رنگ مؤمن کا خضاب ہے، سرخ رنگ مسلم کا خضاب ہے اور سیاہ رنگ کافر کا خضاب ہے۔[2]

عن ابی الدرداء ص، قال :قال رسول اللہ ﷺ **من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامة۔**

ترجمہ : حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کردے گا۔[3]

عن مجاھد ص انہ کرہ الخضاب بالسواد وقال اول من خضب بہ فرعون۔ ترجمہ : حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔[4]

عن ایوب قال سمعت سعید بن جبیر ص وسئل عن الخضاب بالوسمة فکرھہ فقال یکسو اللہ العبد فی وجھہ النور ثمّ یطفئہ بالسواد۔

ترجمہ: ایوب بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپا دیتا ہے۔[5]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ **غیّروا الشیب ولا تقربوا السواد۔**

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بڑھاپا تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔[6]

عن عامر رضی اللہ عنہ مرسلاً :قال رسول اللہ ﷺ **:ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ من یخضب بالسواد یوم القیامة۔**

ترجمہ : حضرت عامر ﷺ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو سیاہ خضاب لگائے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔[7]

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکہ ورأسہ ولحیتہ کالشغامة بیاضاً قال رسول اللہ ﷺ **غیروا**

---

[1] (رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ جید، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

[2] (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۲۶، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۱۲۳ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

[3] (خلاصۃ الفتاوی مع مجموعۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۵۱، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۵ ص ۱۶۳، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۳)

[4] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۵۱)

[5] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۵۲)

[6] (المسند لاحمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۴۷، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۵)

[7] (کنز العمال للمتقی ج ۶ ص ۶۷۱، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۵)

هذا بشيءٍ واجتنبوا السواد۔[1]

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا در آں حالیکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

(۷۱)﴿باب نمبر ا کہتر سجدہ میں تکلفاً پیشانی رگڑ کر اس پر کالا داغ بنانے کا بیان﴾

بعض علماء وعوام اپنی پیشانیوں اور ناک پر کباب کی طرح مضبوط کالا نشان بناتے ہیں، تاکہ لوگوں پر اپنی پرہیزگاری ظاہر کریں۔ حالانکہ یہ خوارج کی علامت ہے۔ تفسیر الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۸۹ مکتبہ نوریہ رضویہ میں اس آیت کریمہ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ کے تحت لکھا ہے : اختلف فی تلک السیما فقیل انّ مواضع سجودھم یوم القیمۃ تری کالقمر لیلۃ البدر وقیل ھو صفرۃ الوجوہ من سھر اللّیل وقیل الخشوع الذی یظھر علیٰ الاعضاء حتّٰی یتوأی انّھم مرضیٰ ولیسوا بمرضیٰ ولیس المراد بہ ما یصنعہ بعض الجھلۃ المرائین من العلامۃ فی الجبھۃ فانّہ من فعل الخوارج۔ وفی الحدیث انّی لأبغض الرّجل واکرھہ اذا رأیت بین عینیہ اثر السجود۔

ترجمہ : اختلاف کیا گیا ہے اسی علامت کے بارے میں پس بعض نے کہا ہے کہ ان کے سجدے کی جگہ قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ علامت چہرے کی زردی ہے۔ شب بیداری کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ خشوع جو ان کے اعضاء پر ظاہر ہو اور وہ مریض دکھائی دے۔ حالانکہ وہ مریض نہیں ہوتے۔ اور اس علامت (سیما) سے مراد وہ نہیں ہے جو بعض جاہل ریاکار کرتے ہیں، جیسے کہ پیشانی پر نشانی بنا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی پیشانی پر سجدے کا اثر ظاہر کرنے کے لئے نشان بنانا خوارج کا فعل ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) میں ناپسند کرتا ہوں اور مکروہ جانتا ہوں اس شخص کو جس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا اثر دیکھتا ہوں۔

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ پیشانی پر یہ نشان خوارج کی علامت ہے۔

(۷۲)﴿باب نمبر بہتر انچاس کروڑ نمازوں کے ثواب کا بیان﴾

بعض علماء وفرقے والے کہتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ تبلیغ میں تشکیل میں جائے گا، اس کو ایک نماز کے بدلے انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ بیت اللہ شریف کے لئے نکلنے والوں کی حرم بیت اللہ شریف میں ایک نماز، ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے، کسی آیت یا حدیث سے ثبوت نہیں، اور نہ یہ کسی باشعور مسلمان کا عقیدہ ہے، اور نہ کوئی اس بات کو روا و جائز سمجھتا ہے، بلکہ حرم بیت اللہ شریف پر ایسے مقام کو فوق سمجھنا اور افضلیت دینا اور ایسے مقام کے لئے نکلنے والوں کو ایسا درجہ دینا بے وقوفی اور ہٹ دھرمی کی انتہاء ہے اور تخفیف حرم بیت اللہ شریف ہے۔[2]

(۷۳)﴿باب نمبر تہتر شرعی تعویذوں کا بیان﴾

بعض علماء تعویذ کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ شرعی اور صحیح تعویذ حضور علیہ الصلوۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، وفقہاء رحمۃ اللہ

---

[1] (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۲۲، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، ریاض الصالحین ص ۵۶۸ باب ۲۹۴)

[2] (اخراج المنافقین عن مساجد المؤمنین، ص ۵، مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۶۹۵)

علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ اذا فزع احد کم فی نومه فلیقل بسم الله اعوذ بکلمات الله التامات من غضبه وسوء عقابه ومن شر عباده ومن شر الشیاطین وان یحضرون فکان عبدالله یعلمها ولده من ادرک منهم ومن لم یدرک کتبها وعلقها علیه۔[1]

''عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب تم میں سے کوئی خواب میں ڈر جائے تو یہ کلمات کہے (بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وسوء عقابہ ومن شر عبادہ ومن شر الشیاطین وان یحضرون) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو جو ان میں سے بالغ تھے یہ کلمات یاد کراتے تھے اور جو بالغ نہیں تھے ان کیلئے لکھ کر ان کے گلے میں ڈالتے تھے۔''

عن ابن عباس قال اذا عسر علی المرأة ولدها فیکتب هاتین الآیتین والکلمات فی صفحة ثم تغسل فتسقی منها بسم الله لا اله الا هو الحلیم الکریم سبحان الله رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم کأنهم یوم یرونها لم یلبثوا الا عشیة او ضحاها کأنهم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار بلاغ فهل یهلک الا القوم الفاسقون۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب کسی عورت پر پیدائش اولاد سخت ہو جائے تو یہ دو آیات کسی کاغذ پر لکھے اور پھر دھو کر پی لے۔ (**بسم اللہ لا الہ الا ھو الحلیم الکریم** سے آخری آیت **الا القوم الفاسقون** تک)۔''[2]

عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت لا باس بتعلیق التعویذ من القرآن قبل نزول البلاء وبعد نزول البلاء۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ قرآن سے تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنے سے کوئی حرج نہیں خواہ بیماری سے قبل ہو یا بعد میں۔''[3]

عن علی رضی الله عنه قال من کتب یٰس ثم شربها دخل فی جوفه الف نور والف برکة والف دواء وخرج منه الف داء۔

ترجمہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے سورہ یٰس لکھی پھر پی لی تو اس کے پیٹ میں ہزار نور، ہزار برکتیں اور ہزار دوائیں داخل ہوئیں اور اس سے ہزار بیماریاں نکل گئیں۔''[4]

عن یونس بن حباب قال سألت أبا جعفر عن التعویذ یعلق علی الصبیان فرخص فیه۔ ترجمہ: ''حضرت یونس بن حباب سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر ابوجعفر رضی اللہ عنہما سے تعویذ کے بارے میں پوچھا جو بچوں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے انہوں نے اس کی اجازت دی۔''[5]

عن جویبر عن الضحاک لم یکن یری بأسا ان یعلق الرجل الشیء من کتاب الله اذا وضعه عند الغسل وعند الغائط۔

''حضرت جویبر امام ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے کہ ایک آدمی کتاب اللہ سے کچھ لکھ کر اپنے

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ص ۳۹، ج ۱۰، تفسیر قرطبی ص ۳۱۹ ج ۱۰، ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۷، مشکوۃ شریف ص ۲۱۷، ج ۱)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۷ ج ۸، کنز العمال ص ۶۴، ج ۱۰)

[3] (کنز العمال ص ۲۷ ج ۱۰)

[4] (کنز العمال ص ۵۹۱، ج ۱)

[5] (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰، ج ۸)

پاس رکھے جبکہ غسل اور پاخانہ کے وقت نکال کر باہر رکھ دیا کرے۔"[1]

عن ليث عن عطاء قال لا بأس ان يعلق القرآن۔

"لیث رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عطاء رحمہ اللہ قرآنی تعویذ میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے۔"[2]

عن اسماعيل بن مسلم عن ابن سيرين انه كان لا يرى بأسا بالشيء من القرآن۔[3]

"اسماعیل بن مسلم حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قرآنی تعویذ میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے۔"

خاتمۃ المحققین وعمدۃ المدققین مرجع اہل العراق ومفتی بغداد العلامۃ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں

وقال مالك :لا بأس بتعليق الكتب التي فيها أسماء الله تعالى على أعناق المرضى على وجه التبرك بها إذا لم يرد معلقها بذلك مدافعة العين، وعنى بذلك أنه لا بأس بالتعليق بعد نزول البلاء رجاء الفرج والبر.

كالرقي التي وردت السنة بها من العين، وأما قبل النزول ففيه بأس وهو غريب، وعند ابن المسيب يجوز تعليق العوذة من كتاب الله تعالى في قصبة ونحوها وتوضع عند الجماع، وعند الغائط ولم يقيد بقبل أو بعد، ورخص الباقر في العوذة تعلق على الصبيان مطلقا، وكان ابن سيرين لا يرى بأسا بالشيء من القرآن يعلقه الإنسان كبيرا أو صغيرا مطلقا، وهو الذي عليه الناس قديما وحديثا في سائر الأمصار.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا تعویذ مریضوں کے گلے میں بطور تبرک ڈالنے میں کوئی حرج نہیں جس میں اسماء الٰہی ہوں جبکہ اس سے مدافعۃ العین کا ارادہ نہ کرے میری مراد یہ ہے کہ نزول مراد کے بعد تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں اس امید پر کہ تکلیف اور بیماری دور ہوگی ۔جیسا کہ نظر کے بارے میں جن کے بارے میں سنت وارد ہوئی ہے ۔جبکہ نزول بلا سے پہلے میں حرج ہے امام مالک کا یہ حکم غریب ہے ۔حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک کتاب اللہ میں سے لکھا ہوا تعویذ ڈبیہ وغیرہ میں بند کر کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جماع (ہمبستری) اور بیت الخلا جاتے وقت اتار دیا جائے انہوں نے نزول بلا سے قبل اور بعد کی کوئی قید نہیں لگائی ۔امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کو مطلقاً تعویذ لٹکانے کی اجازت دی ہے اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن پاک میں سے لکھا ہوا تعویذ انسان کو لٹکایا جائے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا اسی پر پرانے اور نئے زمانے کے تمام شہروں کے لوگوں کا عمل ہے۔[4]

علامہ الدمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے مجھے خبر دی ہے کہ **أن أسماء الفقهاء السبعة، الذين كانوا بالمدينة الشريفة، إذا كتبت في رقعة وجعلت في القمح فإنه لا يسوس، ما دامت الرقعة فيه، وهم مجموعون في قول الأول:**

ألا كلّ من لا يقتدي بأيمة... فقسمته ضيزى عن الحق خارجه

فخذهم عبيد الله عروة قاسم... سعيد أبو بكر سليمان خارجه

مدینہ منورہ کے سات فقہاء کے نام کاغذ میں لکھ کر گندم میں رکھے جائیں تو جب تک وہ کاغذ گندم میں رہے گا اس گندم کو گھن (اور کیڑے) نہیں

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰ ج ۸)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰ ج ۸)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰، ج ۸)

[4] (تفسیر روح المعانی، سا ورۃ السراء تحت الآیۃ ۷۳-۱۱۱، ج ۸ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

لگے گی اوران فقہاء کے نام یہ ہیں : عبیداللہ رضی اللہ عنہ،عروہ رضی اللہ عنہ،قاسم رضی اللہ عنہ،سعیدرضی اللہ عنہ،ابوبکررضی اللہ عنہ،سلیمان رضی اللہ عنہ،خارجہ رضی اللہ عنہ۔[1]

علامہ الدمیری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وأفادني بعض أهل التحقيق، أن أسماءهم إذا كتبت وعلقت على الرأس، أو ذكرت عليه أزالت الصداع العارض له۔

ترجمہ: بعض اہل تحقیق نے مجھے بتایا ہے کہ ان فقہاء کے نام لکھ کر سر پر لٹکا دیا جائے یا ان سے دم کیا جائے تو سر کا درد دور ہو جاتا ہے۔[2]

علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین تفسیر نیشاپوری میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس :أن أسماء أصحاب الكهف تصلح للطلب والهرب وإطفاء الحريق تكتب في خرقة ويرمى بها في وسط النار، ولبكاء الطفل تكتب وتوضع تحت رأسه في المهد، وللحرث تكتب على القرطاس وترفع على خشب منصوب في وسط الزرع، وللضربان وللحمى المثلثة والصداع والغنى والجاه، والدخول على السلاطين تشد على الفخذ اليمنى، ولعسر الولادة تشد على فخذها الأيسر، ولحفظ المال والركوب في البحار والنجاة من القتل.

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب کہف کے نام تحصیل نفع و دفع ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچے پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں اور اگر بچہ روتا ہو لکھ کر جھولے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں اور کھیتی کی حفاظت کیلئے کاغذ پر لکھ کر کھیت کے درمیان میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر باندھ دیں اور رگیں ٹپکنے اور باری والے بخار اور درد سر اور حصول تونگری و وجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کیلئے دہنی ران پر باندھیں اور دشواری ولادت کیلئے عورت کی بائیں ران پر نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کیلئے۔[3]

شرح مواہب اللدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

إذا كتب أسماء أهل الكهف في شيء وألقي في النار أطفئت۔ یعنی جب اصحاب کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔[4]

امام ابن الحاج رحمہ اللہ اپنی کتاب مدخل میں فرماتے ہیں:

أَنَّ وَلَدَهُ مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا قَالَ :حَتَّى أَيِسْتُ مِنْهُ وَاشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيَّ فَرَأَيْت النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي الْمَنَامِ فَشَكَوْت لَهُ مَا بِوَلَدِي فَقَالَ لِي :أَيْنَ أَنْتَ مِنْ آيَاتِ الشِّفَاءِ؟ فَانْتَبَهْت فَفَكَّرْت فِيهَا فَإِذَا هِيَ فِي سِتَّةِ مَوَاضِعَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَهِيَ قَوْله تَعَالَى {وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ} [التوبة14 :]. {وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ} [يونس 57 :]. {يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ} [النحل69 :]. {وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ} [الإسراء82 :]. {وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ} [الشعراء80 :]. {قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ} [فصلت44 :] قَالَ :فَكَتَبْتهَا فِي صَحِيفَةٍ ثُمَّ حَلَلْتهَا بِالْمَاءِ وَسَقَيْته إيَّاهَا فَكَأَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ۔

شیخ ابوالقاسم رحمہ اللہ کا بیٹا شدید بیمار ہوگیا وہ فرماتے ہیں کہ اتنا بیمار ہوا کہ میں اس سے مایوس ہوگیا یہ معاملہ مجھ پر سخت ہوگیا میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور میں نے اپنے بیٹے کی بیماری کا عرض کیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم آیات شفاء سے شفاء حاصل کیوں نہیں کرتے فرماتے ہیں

---

[1] (حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۵۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[2] (حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۵۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تفسیر غرائب القرآن، ذکر اسماء اصحاب کہف ج ۱۵ ص ۱۱۰)

[4] (شرح زرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثامن ج ۷ ص ۱۰۸ مطبوعۃ بیروت)

کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے غور کیا تو وہ کتاب اللہ میں چھ جگہوں پر تھیں اور وہ یہ ہیں ۔ {وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ}[التوبة14 :].{وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ}[يونس57 :].{يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ}[النحل69 :].{وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ}[الإسراء82 :].{وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ}[الشعراء80 :].{قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ}[فصلت44 :] شیخ ابوالقاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان آیات کو ایک کاغذ میں لکھا اور پانی میں گھول کر اپنے بیٹے کو پلا دیا ایسا لگا گویا کہ اس کے پاؤں سے گرہ کھل گئی ہو یعنی اسے شفاء مل گئی ۔[1]

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ :يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْعُوذَةِ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ وَيَضَعُهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ، وَرَخَّصَ الْبَاقِرُ فِي الْعُوذَةِ تُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ.

ترجمہ؛سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآنی تعویذ کو کسی ڈبیہ یا کاغذ میں لپیٹ کر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ تعویذ جماع اور بیت الخلاء جاتے وقت اتار دیا جائے ۔امام باقر رضی اللہ عنہ نے بچوں کو تعویذ لٹکانے کی رخصت دی ہے امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن میں سے کچھ لکھ کر کسی انسان کے گلے میں لٹکایا جائے ۔[2]

اگر کوئی مزید تفصیل چاہے تو وہ ان حوالہ جات کا مطالعہ کرے :[3]

(۷۴)﴿باب نمبر چوہتر اولیاء اللہ کے انکار کرنے کے بیان میں﴾

بعض علماء وعوام اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں ۔حالانکہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے :ویکفی فی عقوبة المنکر علی الاولیاء قوله صلی الله علیه وآله وسلم فی الحدیث من اذی لی ولیاً فقد اذنته بالحرب ای اعلمته انی محارب له ومن حارب الله تعالیٰ لا یفلح ابداً وقد قال العلماء لم یحارب الله عاصیاً الا المنکر علی الاولیاء واکل الرباء وکل منهما یخشی علیه خشیة قریبة جدا من سوء الخاتمة اذ لا یحارب الله تعالیٰ الا کافر۔انتهیٰ۔

''اولیاء اللہ کے منکر کے لئے یہ سزا کافی ہے جو حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ جس نے میرے ولی کو اذیت دی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں یعنی اس کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جس سے اللہ تعالیٰ جنگ کرے گا وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور گناہ کرنے والے سے نہیں لڑتا سوائے اولیاء اللہ کے منکر اور سود کھانے والے سے اور ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ برا ہونے کا خطرہ ہوگا،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف کافر ہی لڑتا ہے ۔''

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقۃ الندیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک ولی سے بھی انکار کرنا ہے اگر چہ دیگر تمام اولیاء پر اعتقاد رکھتا ہو جیسا کہ تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ایک نبی سے انکار کرنا کفر ہے ۔عبارت ملاحظہ ہو :والحاصل ان الانکار بالقلب او باللسان علیٰ احد من اولیاء الله تعالیٰ الذین هم العلماء العاملون وسواء کانو احیاء او کانوا موتیٰ۔وکلهم احیاء عند من یعرفهم بحیاة الله تعالیٰ لا بانفسهم وکلهم موتی عن حیاتهم بانفسهم سوآء عرفهم من ینکر علیهم او لم یعرفهم وانکر مالم یعرف من احوالهم الصحیحة

---

[1] (المدخل لابن حاج مکی فصل طب الابدان والرقی الواردۃ ج ۴ ص ۱۲۱)

[2] (البحر المحیط فی التفسیر ص ۱۰۴ ج ۷ دار الفکر بیروت)

[3] (تفسیر القرطبی ص ۳۱ ج ۱،ص-۳۱۹-۳۲۰ ج ۱۰،مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۸۲۷-ج ۸،ص ۳۹-۳۷،ج ۸، ص ۵۰ ج ۸،تفسیر روح المعانی ص ۱۴۵،۱۴۶،ج ۱۵،کنزل العمال ص ۱۰۰،ج ۱۰،ص ۵۹۰ ج ۱،ص ۶۰،ج ۱۰،تفسیر مظہری ص ۱۵۶ ج ۶،التبیان فی دقائق السلوک والاحسان،ویلیہ الدلیل العزیز فی تعلیق التعویذ)

وافعالهم المستقیمة عنداللہ فھو کفر صریح والمنکر کافر باجماع المسلمین علی مقتضی جمیع مذاھب اھل الاسلام لانه انکر دین الاسلام والشریعة المحمدیة ﷺ۔

ترجمہ : ''خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک ولی اللہ سے قلباً یا لساناً انکار کرنا کہ وہ ولی اللہ علماء عاملین سے ہو خواہ وہ ولی اللہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو۔ اور تمام اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی حیات سے زندہ ہیں ان کے نزدیک جو ان کے احوال سے واقف ہیں اور نفس کے اعتبار سے زندہ نہیں ہیں خواہ منکرین اس ولی اللہ کے احوال صحیحہ اور افعال مستقیمہ عنداللہ سے واقف ہوں یا نہ ہوں، پس یہ انکار اولیاء کفر صریح ہے اور منکر اولیاء مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اور تمام مذاہب اہل اسلام کی رو سے کافر ہے کیونکہ اس منکر نے دین اسلام اور شریعت محمدی ﷺ سے انکار کیا۔'' [1]

(۷۵) ﴿باب نمبر پچھتر بیس رکعات تراویح کا بیان﴾

بعض علماء بیس رکعات تراویح کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ سنن الکبریٰ للبیہقی میں لکھا ہے : وروی البیھقی باسنادٍ صحیح عن سآئب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عھد عمر رضی اللہ عنه فی شھر رمضان بعشرین رکعةً۔ ''امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔'' [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : وروٰی مالکٌ عن السّائب بن یزید عشرین رکعةً۔ ''اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات نقل کی ہیں۔'' [3]

عن حسینٍ عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابیّ بن کعبٍ یصلّی بالنّاس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعةً ویوتر بثلاثٍ۔ [4]

''حسین عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے، اور تین رکعات وتر ادا کرتے تھے۔''

عن یزید بن رومان قال کان النّاس یقومون فی زمان عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنه فی رمضان بثلاث وّ عشرین رکعةً۔ ''یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں رمضان میں تئیس رکعات پڑھتے تھے۔'' (بیس تراویح اور تین وتر) [5]

(۷۶) ﴿باب نمبر چھہتر لفظ ''ضاد'' کو ''ظا'' کے مخرج سے پڑھنے کا بیان﴾

بعض علماء وقراء حضرات ''ضاد'' کی جگہ ''ظاد'' یا مشابہ ''ظاد'' کر کے پڑھتے ہیں، مثلاً ''غیر المغضوب'' کی جگہ ''غیر المغظوب'' پڑھتے ہیں یا پھر ''ولا الضّالّین'' کی جگہ ''ولا الظّالّین'' پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ''ض'' کی جگہ ''ظ'' پڑھنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور ایسے بدمذہب کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے پڑھ لی تو وہ واجب الاعادہ ہے۔ ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۷۸، فصل فی القرأۃ والصلاۃ پر لکھتے ہیں :

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمّن یقرأ الظّاء المعجمة مکان الضّاد المعجمة او یقرء اصحاب الجنّة مکان اصحاب النّار

---

[1] (حدیقۃ الندیہ صفحہ ۲۴۱، ج ۱)

[2] (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

[3] (فتح الباری ج ۵ ص ۱۵۷، وکذا فی مختصر قیام اللیل وقیام رمضان ص ۱۵۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

[4] (مصنف ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

[5] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

او علی العکس فقال لا تجوز امامته و لو تعمّد یکفر قلت امّا کون تعمّده کفر فلا کلام فیه۔

''امام فضلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ''ض'' کو ''ظ'' پڑھے۔ یا اصحاب النار کی جگہ اصحاب الجنۃ یا اس کے برعکس (یعنی اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا پڑھا تو اس نے کفر کیا۔ میں نے کہا کہ قصداً اس طرح پڑھنا کفر ہے تو اس میں کلام نہیں۔''[1]

کتاب الاذکار میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں **: و لو قال و لا الضّالّین بالظّاء بطلت صلوٰته علیٰ ارجح الوجهین الّا ان یّعجز عن الضّاد بعد التعلّم فیعذّره۔**

''اگر کسی نے نماز میں ''ولا الضالین'' میں ''ظ'' پڑھا (یعنی ''ولاالظالین'' پڑھا) تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ راجح قول ہے مگر سیکھنے کے بعد بھی (باوجود کوشش) کے نہ پڑھ سکے تو معذور ہے۔''[2]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے **:** اگر کوئی ''**و العٰدیات ضبحًا**'' کی بجائے ''**و العٰدیات ظبحاً**'' ظ سے پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔[3]

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے **: عن حذیفة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ :اقرأو القرآن بلحون العرب و اصواتها و ایاکم و لحون اهل العشق و لحون اهل الکتابین۔**

''قرآن پاک عرب کے لہجوں کے مطابق اور ان کی آواز (بولی) پر پڑھو۔ اہل عشق کے لحن اور یہود و نصاریٰ کے لحن سے بچو۔''[4]

ان روایات سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے حروف کا لہجہ و مخرج وہی صحیح ہے جو اہل عرب ادا کریں۔ الحمدللہ آج بھی عرب جملہ خطّوں میں مصر سمیت یہاں تک کہ وہابیوں کے پیشوا نجدی بھی ظا کے مخرج میں نہیں پڑھتے۔

قاضی عیاض قدس سرہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں **: و قد اجمع المسلمون ۔۔۔ من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زادٍ فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه و اجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر۔**

''بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے۔۔۔ کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔''[5]

یہ لوگ ضاد کو ظاء عمداً پڑھتے ہیں۔ آزما کر دیکھئے۔ جیسے ہم نے بھی آزمایا ہے۔ یہ لوگ خود تو پڑھتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ایسے پڑھنے پر مجبور بھی کرتے ہیں اور جو نہیں پڑھتے ان سے ان کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے **: ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبة و الرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔**

''جس مسئلے کے کفر میں اختلاف ہو اس کے قائل کو تجدید نکاح اور توبہ اور اس فعل سے رجوع کرنے کا احتیاطاً حکم کیا جائے گا۔''

---

[1] (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۴۸، ج ۴، باب مفسدات نماز، دارالاشاعت کراچی، عزیز الفتاویٰ ص ۱۴۹، فصل فی التجوید، دارالاشاعت، کراچی)

[2] (کتاب الاذکار للنووی ص ۳۸)

[3] (فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۴۱ جلد ۱، کبیری ۴۴۹)

[4] (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۱، الکامل ابن عدی جلد ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[5] (الشفاء شریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ما ہو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

عمداً ضاد کو ظا پڑھنے کے کفر میں اختلاف نہیں، بلکہ یقین ہے تو اب اس کے متعلق ناظرین کیا فرمائیں گے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح جزری میں لکھتے ہیں : قال بحر فلو بدل ضادا بالظاء عامداً بطلت صلاته علی الاصح لفساد معنیٰ۔ ''یعنی جو شخص ضاد کے بجائے عمداً ظاء پڑھتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہے۔''[1]

(۷۷) ﴿باب نمبر ستتر قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ وشجرہ یا عہد نامہ رکھنے کے بیان میں﴾

بعض علماء قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ وشجرہ یا عہد نامہ رکھنا حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ جائز ہے۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا، اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا : من کتب هذا الدعاء و جعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینله عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔

ترجمہ : جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[2]

فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا : ان هذا الدعآء له اصل و الفقیه ابن عجیل کان یامره به ثم افتی بجواز کتابته قیاساً علی کتابة الله فی نعم الزکوة۔

ترجمہ : اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[3]

وہ دعا یہ ہے۔

لا اله الا الله و الله اکبر لا اله الا الله وحده لا شریک له لا اله الا الله له الملک و له الحمد لا اله الا الله و لا حول و لا قوة الا بالله العلیّ العظیم۔

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ و عن طاوس انه امر بهذا الکلمات فکتب فی کفنه۔

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کردری کتاب الاستحسان۔[4]

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامة او کفن عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت و یجعله اماناً من

---

[1] (بحوالہ رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد، ص ۲۷، ۲۸)

[2] (نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الجلیل بیروت)

[3] (فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (الحرف الحسن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف)

عذاب القبر۔[1]

(۷۸)﴿باب نمبر اٹھتر آپ ﷺ کا کسی کو نفع اور نقصان دینے کا بیان﴾

بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ حالانکہ تفسیر صاوی میں علامہ العارف باللہ تعالیٰ الشیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ کے تحت لکھتے ہیں : فمن زعم أن النبی کآحاد الناس لا یملک شیئاً أصلاً و لا نفع به لا ظاهراً و لا باطناً فهو کافر خاسر الدنیا و الآخرة، و استدلاله بهذه الآیة ضلال مبین۔[2]

"جو شخص یہ گمان رکھے کہ نبی اکرم ﷺ عام لوگوں کی طرح ہیں، نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں، اور نہ وہ کسی کو ظاہر اور باطن میں نفع دے سکتے ہیں، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے، اس کی دنیا و آخرت برباد ہے۔"

نیز آگے آیت {وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل} کے تحت لکھتے ہیں : فمن اعتقد أن النبی لا نفع به بعد الموت بل هو کآحاد الناس فهو الضال المضل۔

"جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ وفات کے بعد کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ عام انسانوں کی طرح ہیں، تو ایسا شخص خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔"[3]

(۷۹)﴿باب نمبر انا سی اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ بنانا اور چادریں اور پگڑی وغیرہ رکھنے کے بیان میں﴾

بعض علماء اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ بنانا اور چادریں اور پگڑی وغیرہ رکھنے کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ تفسیر روح البیان میں ہے:

فبناء القباب علی قبور العلماء و الاولیاء و الصلحاء و وضع الستور و العمائم و الثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر۔ یعنی علماء، اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانے کو اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانا، عمامہ اور کپڑا رکھنا یہ جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔[4]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اولیاء کرام کے مزارت پر قبہ بنانے کے متعلق فرماتے ہیں :

و قد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ و العلماء المشهورین لیزورهم الناس و یستریحوا بالجلوس فیه . . . الخ۔ علماء سلف نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔[5]

علامہ شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزاراتِ اولیاء کرام پر قبہ بنانے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں : وقیل لا یکره اذا کان المیت من المشائخ

---

[1] (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش فتاویٰ ہندیہ کتاب الاحسان ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور) (درمختار باب الصلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی، باب الشہید سے کچھ قبل)

[2] (تفسیر صاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۳۱۲ مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور، وص ۱۵۸ جزاول، مطبعۃ داراحیاء الکتب العربیۃ، المقاصد السنیۃ ص ۱۳۱ ھکذا فی نور العقائد وتنویر الایمان وتحفۃ المؤمنین)

[3] (تفسیر صاوی، ص ۳۱۹، ج ۱ مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور، وص ۱۶۱، جزاول مطبعہ داراحیاء الکتب العربیۃ)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۳ ک، ص ۴۰۰، مطبوعہ احیاء تراث العربی بیروت)

[5] (مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۴، ص ۱۷۸، مکتبہ رشیدیہ)

و العلماء و السادات۔ ''اگر میت مشائخ علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں۔''[1]

علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر پر عمارت کے متعلق فرماتے ہیں: و لا یرفع علیه بناء و قیل لا بأس به و هو المختار۔ یعنی '' اور اس پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے اس (قبر) پر عمارت بنانا جائز ہے اور یہی مختار ہے۔''[2]

(۸۰) ﴿باب نمبر اسی اولیاء اللہ کا وفات کے بعد لوگوں کی امداد کرنے کا بیان﴾

بعض علماء امداد الاولیاء یعنی اولیاء اللہ کی بعد الوفات زندوں کی امداد کرنے کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کچھ نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اولیاء اللہ زندوں کی بعد الوفات امداد کر سکتے ہیں:

کقوله تعالیٰ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنصُرُنَّهٗ[3]

ترجمہ: تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صالحین بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں کیونکہ انبیاء سے دین محمدی ﷺ کی مدد کا عہد لیا گیا حالانکہ ربّ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضور کے زمانہ میں یہ حضرات وفات پا چکے ہوں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدد کی۔ اس طرح کہ شب معراج پچاس نمازوں کو پانچ کرا دیں۔ اس طرح اب بھی حضور کی مدد اپنی امت پر برابر جاری ہے اگر ان کی مدد نہ ہو تو ہم کوئی نیکی نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ، شہداء، مؤمنین، صالحین سے بعد وفات امداد طلب کرنا بھی حکم خداوندی ہے کہ اس پر عقیدہ اور عمل رکھنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ اور قرآن کریم پر ایمان رکھنا ہے لہٰذا اس کے منکر کیلئے سخت حکم ہے۔

تفسیر الصاوی جلد اول میں ہے: فمن زعم ان النبی ﷺ کآحاد الناس لا یملک شیئا أصلا و لا نفع به لا ظاهر او لا باطنا فهو کافر خاسر الدنیا و الآخرة و استدلاله بهٰذه الآیة ضلال مبین۔

ترجمہ: جس کا یہ گمان ہو کہ نبی اکرم ﷺ عام مسلمانوں کی مانند اور بالکل کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان کی ذات سے کوئی ظاہری باطنی نفع ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔

خسر الدنیا و الآخرة و استدلاله بهٰذه الآیة ضلال مبین۔[4]

سوال: اس میں تو صرف نبی علیہ السلام کے امداد اور نفع پہنچانے کی دلیل ہے اور صرف آپ ﷺ کی مدد اور نفع پہنچانے سے انکار کرنے والوں کیلئے وعید ثابت ہے نہ کہ اوروں کے متعلق۔

جواب: جس طرح نبی ﷺ سے یا اور کسی نبی علیہ السلام سے مدد طلب کرنا شرک و بدعت نہیں بلکہ عین ایمان ہے اسی طرح اولیاء اللہ، شہداء، صالحین اور مؤمنین سے مدد طلب کرنا بھی عین ایمان ہے کیونکہ اولیاء اللہ، شہداء، صالحین اور مؤمنین کی پیروی تابعداری عین نبی ﷺ کی اطاعت، تابعداری اور پیروی ہے۔ جس طرح نبی کی اطاعت اطاعتِ خداوندی ہے اسی طرح صالحین کی تابعداری رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ کقوله تعالیٰ۔ وَ مَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّینَ وَ الصِّدِّیقِینَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِینَ

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۰۱، باب دفن المیت)

[2] (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۳۵)

[3] (آیۃ ۸۱ سورۃ آل عمران نمبر ۳)

[4] (ج ۱۰ ص ۱۵۸، ج ۱ ص ۱۶۱ حصہ اول۔ تحفۃ المؤمنین ص ۱)

وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ﴿النساء ٦٩﴾

ترجمہ :اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالی نے فضل کیا یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا حکم مانے۔تو وہ صدیقین، شہداء، صالحین میں سے ہوگا (دوسرا یہ کہ) جو چیز انبیاء کے لئے معجزہ ہے وہی اولیاء اللہ کیلئے کرامت ہے۔معجزہ اصل ہے اور کرامت فرع ہے اور اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا معجزہ اور اولیاء اللہ کی کرامت بعد الوفات منقطع نہیں ہوتی بلکہ باقی ہے اس لئے جس طرح نبی سے بعد وفات مدد طلب کرنا اور نفع لینا عین ایمان ہے اسی طرح اولیاء اللہ صدیقین، مؤمنین اور صالحین سے بھی بعد وفات مدد طلب کرنا عین ایمان ہے اور اس عقیدہ کو بدعت، کفر اور شرک کہنے والا خود خارجی معتزلی، زندیق، منافق، وہابی جبری کافر ہے اگر ایسا عقیدہ بدعت، کفر، شرک اور حرام ہو تو دلیل پیش کرنا چاہیئے جیسا قولِ خداوندی ہے :قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا﴿الانعام ١٥٠﴾ تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا۔معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت نہ دکھائی جاسکے وہ حلال ہے اور یہاں شہداء سے مراد کتاب اللہ کی آیت یا ان کے پیغمبروں کے اقوال ہیں۔نہ کہ خود ان کی بکواس جیسا کہ وہابیہ کرتے ہیں۔اس لئے اکابرین اہلسنت اولیاء اللہ کی وفات کے بعد امداد طلب کرنے پر اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں جیسا حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :قال امام غزالی من یستمد به فی حیوته یستمد به بعد مماته[1]

وقال الامام الغزالی فی الاحیاء کل من یستمد به فی حیوته یستمد به بعد وفاته کذا نقل الشیخ عبدالحق الدهلوی فی شرح المشکوٰة وقال الامام الشافعی ان قبر الامام موسی الکاظم علیه الرحمة تریاق مجرب لاجابة الدعوات ونقل عن بعض المشائخ ان الشیخ معروف الکرخی والشیخ الغوث الاعظم سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سرهما تصرفهما فی القبور کتصرفهما فی الحیوة نفعنا الله تعالی ببرکاتهم واوصلنا الی مثل مالاتهم امین۔ کتاب نور الایمان بزیارت آثار حبیب الرحمٰن"۔

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْقُرْمُطِيُّ مِنْ وَلَدِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ بِبَغْدَادَ ,حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ نَضْلَةَ الْخُزَاعِيُّ, حَدَّثَنَا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ نَضْلَةَ ,عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ,حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بَاتَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا ,فَقَامَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ , فَسَمِعَتْهُ يَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِهِ:لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ ثَلَاثًا ,نُصِرْتَ نُصِرْتَ ثَلَاثًا ,فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ ,سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِكَ:لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ ثَلَاثًا ,نُصِرْتَ نُصِرْتَ ثَلَاثًا ,كَأَنَّكَ تُكَلِّمُ إِنْسَانًا ,فَهَلْ كَانَ مَعَكَ أَحَدٌ؟فَقَالَ :هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي ,وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ ,ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ,فَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تُجَهِّزَهُ ,وَلَا تُعْلِمَ أَحَدًا, قَالَتْ :فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ ,فَقَالَ :يَا بُنَيَّةُ ,مَا هَذَا الْجِهَازُ؟فَقَالَتْ :وَاللَّهِ ,مَا أَدْرِي ,فَقَالَ :وَاللَّهِ ,مَا هَذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ ,فَأَيْنَ يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ؟قَالَتْ :وَاللَّهِ ,لَا عِلْمَ لِي قَالَتْ :فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا ,ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ ,فَسَمِعْتُ الرَّاجِزَ يُنْشِدُهُ:

---

[1] (ص ۴۲ البصائر مصنفہ حمد اللہ دیوبندی)

[البحر الرجز]

يَارَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا... حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

إِنَّا وَلَدْنَاكَ وَكُنْتَ وَلَدَا... ثَمَّةَ أَسْلَمْنَا ,وَلَمْ نَنْزَعْ يَدَا

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا... وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

وَزَعَمُوا أَنْ لَسْتَ تَدْعُو أَحَدَا... فَانْصُرْ هَدَاكَ اللهُ نَصْرًا أَيَّدَا

وَادْعُ عِبَادَ اللهِ يَأْتُوا مَدَدَا... فِيهِمْ رَسُولُ اللهِ قَدْ تَجَرَّدَا

إِنْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ :لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ ثَلَاثًا ,نُصِرْتَ نُصِرْتَ، ثَلَاث.....الخ۔[1]

امام عبدالملک بن ہشام رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ انصرت یاعمرو بن سالم۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تمہاری مدد کی گئی۔

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

و خرج عمرو بن سالم الخزاعی فی اربعین راکبا من خزاعة فقدموا علی رسول اللہ ایخبرونه بالذی اصابهم ویستنصرونه۔

ترجمہ : حضرت عمرو بن سالم الخزاعی رضی اللہ عنہ چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ کو اس مصیبت کی خبر دی جو انہیں پیش آئی اور مدد کی درخواست کی۔[2]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ **قد نصرت یاعمرو بن سالم۔**

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[3]

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یاعمرو بن سالم۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[4]

امام اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اخبرنا الشریف ابو نصر الزینی انا ابو طاهر المخلص ثنا یحیی بن محمد املاء ثنا یحیی بن سلیمان بن نضلة الخزاعی بالمدینة سنة خمس و اربعین و مائتین حدثنی عمی محمد بن نضلة عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جده عن میمونة بنت الحارث زوج النبی ﷺ ان رسول اللہ ﷺ بات عندها فی لیلتها ثم قام یتوضا للصلاة فسمعته وهو یقول لبیک لبیک ثلاثا او نصرت نصرت ثلاثا قالت فلما خرج من متوضاه قلت یارسول اللہ بابی انت و امی سمعتک تکلم انسانا فهل کان معک احد؟ فقال هذا راجز بنی کعب یستصرخنی الخ۔

ترجمہ : حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ ﷺ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے

---

[1] (طبرانی صغیر ج ۲ ص ۷۳۔ ۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الاستیعاب ذکر حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ۱۱۷۵ برقم ۱۹۱۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[2] (طبقات الکبری ابن سعد سریۃ رسول اللہ ﷺ عام الفتح ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[3] (تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ الطبری ج ۲ ص ۱۵۳۔ ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (دلائل النبوۃ باب نقض قریش ماعاهدوا علیہ رسول اللہ ﷺ بالحدیبیۃ ج ۵ ص ۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرمارہے تھے۔کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔فرمایا ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا۔[1]

امام ابی الربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الاندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ نصرت یا عمرو۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[2]

محمد بن ابی بکر الدمشقی الشہیر بابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ نصرت یا عمرو ابن سالم۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[3]

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ رحمہ اللہ کرتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[4]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[5]

الامام العالم العلامۃ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

عن میمونۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ بات عندھا لیلۃ فقام لیتوضا للصلاۃ قالت فسمعتہ یقول لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت ثلاثاً فلما خرج قلت یا رسول اللہ سمعتک تقول لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انساناً فھل کان معک احد قال ھذا راجز بنی کعب یعنی خزاعۃ یزعم ان قریشاً اعانت علیھم بکر بن وائل ای بطنا منھم وھو بنو نفاثۃ۔

ترجمہ : حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرمارہے تھے۔کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ بنی کعب کا ایک فریادی تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف ایک ٹولہ بنو نفاثہ کی مدد کی ہے۔[6]

محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتا ہے۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ : حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[7]

---

[1] (دلائل النبوۃ للاصبہانی ص ۳۷۔۴۷ رقم الحدیث ۵۹ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)

[2] (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء غزوۃ الفتح ج ۲ ص ۲۱۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[3] (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد فصل فی الفتح الاعظم ج ۳ ص ۳۹۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[4] (السیرۃ النبویۃ غزوۃ الفتح الاعظم وکانت فی رمضان سنۃ ثمان ج ۳ ص ۴۹۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[5] (خصائص الکبری باب ما وقع فی فتح مکۃ من المعجزات والخصائص ج ۱ ص ۴۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[6] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۷۱۔۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۵)

[7] (مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۳۱ مطبوعہ دار القلم بیروت)

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اخرج الطبرانی عن میمونة ام المومنین رضی اللہ عنہا قالت بات عندی رسول اللہ ﷺ لیلة فقام لیتوضا للصلاة فسمعته یقول فی متوضئه باللیل لبیک لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت نصرت ثلاثاً فلما خرج قلت یارسول اللہ سمعتک تقول فی متوضئک لبیک لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انساناًفھل کان معک احدفقال ھذا راجز بنی کعب وھم بطن من خزاعة یستصرخنی الخ۔

ترجمہ : حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرمارہے تھے۔کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔فرمایاہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا.....[1]

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التُّسْتَرِيُّ، ثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ نَضْلَةَ الْمَدِينِيُّ، ثنا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ نَضْلَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاتَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، ثُمَّ قَامَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ فَسَمِعَتْهُ يَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِهِ :لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا، وَنُصِرْتُ وَنُصِرْتُ، ثَلَاثًا، قَالَتْ : فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا، وَنُصِرْتُ نُصِرْتُ، ثَلَاثًا، كَأَنَّكَ تُكَلِّمُ إِنْسَانًا فَهَلْ كَانَ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ :هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي، وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ، ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تُجَهِّزَهُ وَلَا تُعْلِمُ أَحَدًا، قَالَتْ :فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُوهَا فَقَالَ :يَا بُنَيَّةُ مَا هَذَا الْجِهَازُ؟ قَالَتْ :وَاللهِ مَا أَدْرِي، قَالَ :مَا هَذَا بِزَمَانِ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ فَأَيْنَ يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: لَا عِلْمَ لِي، قَالَتْ :فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ فَسَمِعْتُ الرَّاجِزَ يَنْشُدُهُ:

[البحر الرجز]

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدًا ... حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

إِنَّا وَلَدْنَاكَ فَكُنْتَ وَلَدًا ... ثَمَّةَ أَسْلَمْنَا فَلَمْ نَنْزَعْ يَدًا

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَ ... وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

وَزَعَمَتْ أَنْ لَسْتَ تَدْعُو أَحَدًا ... فَانْصُرْ هَدَاكَ اللهُ نَصْرًا أَلْبَدَا

وَادْعُ عِبَادَ اللهِ يَأْتُوا مَدَدًا ... فِيهِمْ رَسُولُ اللهِ قَدْ تَجَرَّدَا

أَبْيَضُ مِثْلُ الْبَدْرِ يُنَحِّي صُعُدًا ... لَوْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهِهِ تَرَبَّدَا

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نُصِرْتُ، ثَلَاثًا، أَوْ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا .... الخ۔[2]

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے طبرانی کبیر کے محشیٰ (جو کہ غیر مقلد ہے) نے مجمع الزوائد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن سلیمان نضلۃ ہے جو کہ ضعیف ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے جو کہ طے شدہ اصول کے مطابق قبول نہیں ہے۔علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح مبہم ہے اس

---

[1] (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴ رقم الحدیث ۱۰۵۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

وجہ سے قبول نہیں ہے۔دوم امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وذکرہ بن حبان فی الثقات۔

ترجمہ :یعنی امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔[1]

امام الحافظ عبداللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ رلکھتے ہیں۔احادیث عامتھا مستقیمۃ۔

ترجمہ :اس کی عام احادیث مستقیم ہیں۔[2]

اس حدیث مبارکہ میں واضح ثبوت ہے کہ حضور ﷺ راجز رضی اللہ عنہ کو دیکھ بھی رہے تھے ان کی آواز بھی سن رہے تھے اور نصرت نصرت فرما کر ان کی مدد فرمارہے تھے۔اس حدیث مبارکہ میں **علم غیب مصطفی** ﷺ کے ساتھ استمداد کا بھی ثبوت ہے۔

معلوم ہوا کہ آقا ﷺ اپنے غلاموں کی دستگیری فرماتے ہیں اور ان کے غموں کو دور فرماتے ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز مقام سے حضور ﷺ کو ندا بھی کرتے تھے اور مدد بھی طلب کرتے تھے۔

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا الحسین بن اسحاق التستری ثنا احمد بن یحیی الصوفی ثنا عبدالرحمن بن سھل حدثنی ابی عن عبداللہ بن عیسی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان عن نبی اللہ ﷺ قال اذا اضل احدکم شیئا او اراد احدکم عوناً وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباداللہ اغیثونی یاعباداللہ اغیثونی۔۔۔وقد جرب ذلک۔

ترجمہ :حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کوئی چیز گم کرلو یا مدد کا ارادہ کرلو اور اگر تم ایسی جگہ پر ہو کہ وہاں پر تمہارا کوئی انیس نہیں ہے تو اس طرح کہنا چاہیے۔اے اللہ کے بندو میری فریاد رسی کرو اے اللہ کے بندو میری فریاد رسی کرو۔امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجرب ہے۔

(طبرانی کبیر ج ۱۷ ص ۱۱۷ رقم الحدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الطیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔[3]

یا شفیع العباد خذ بیدی	انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میری نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لیس لی ملجاء سواک اغث	مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوج کلفت مجھ پہ آغالب ہوئی!
غشنی الدھر ابن عبداللہ	کن مغیثا فانت لی مددی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف	اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری
نام احمد چوں حصینے شد حصین	پس چہ باشد ذات آں روح الامین

---

[1] (لسان المیزان ج ۶ ص ۲۶۱ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

[2] (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۲۵۵ برقم ۲۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب ص ۱۸۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ''یارسول اللہ ﷺ'' کہہ کر پکارنا:

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عاشق رسول بزرگ تھے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو غائبانہ استغاثہ کی نیت سے ''یا'' حرف نداء کے ساتھ ''یارسول اللہ'' کہہ کر پکارا اور فریادیں کیں۔ لیجئے دیکھئے:

(۱)

۱۔ ذرا چہرہ سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہ (ﷺ)
مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یارسول اللہ (ﷺ)

۲۔ شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یارسول اللہ (ﷺ)

۳۔ یقیں ہو جائے گا کفار کو بھی اپنی بخشش کا
جو میدان میں شفاعت کے تم آؤ یارسول اللہ (ﷺ)

۴۔ جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یارسول اللہ (ﷺ)

۵۔ پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاشق کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یارسول اللہ (ﷺ)

(۲)

۱۔ یارسول کبریا (ﷺ) فریاد ہے
یا محمد مصطفیٰ (ﷺ) فریاد ہے

۲۔ سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل
اے میرے مشکل کشا (ﷺ) فریاد ہے

۳۔ چہرہ تاباں کو دکھلا دو مجھے
تم سے اے نور خدا (ﷺ) فریاد ہے[1]

الا ستعانة بالناس فی دفع الضرر و الظلم جائزة اور خازن زیر آیت ۴۲ **فانساہ الشیطٰن** میں ہے **الاستعانة بالمخلوق فی دفع الضرر** جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔ درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

ان الانسان اذا ضاع له شیئی و اراد ان یرده الله علیه فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلة و یقرء الفاتحة و یهدی ثوابها للنبی علیه السلام ثم یهدی ثوابها لسیدی احمد ابن علوان یقول یا سیدی یا احمد ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی و الا نزعتک من دیوان الاولیآء فان الله یرد ضالته ببرکته۔

---

[1] (نالۂ امداد غریب ص ۲۲ مصنف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، سیف سکندری ص ۳۰) تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت فلبث فی السجن بضع سنین (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۴۲) (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۳۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ : جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کے خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو ہدیہ کرے پھر یوں کہے کہ اے سیدی احمد بن علوان واپس نہ کر دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔[1]

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری　　جدلی بجودک وارضی برضاک

انا طامع بالجود منک لم یکن　　لابی حنیفة فی الانام سواک

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ　　سواک عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں　　جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت[2]

اگر ہم ان علماء وفقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔[3]

(امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اخبرنا القاضی ابو عبداللہ الحسین ابن علی بن محمد الصمیری قال انبانا عمر بن ابراھیم المقری قال نبانا مکرم بن احمد قال نبانا عمر بن اسحاق بن ابراھیم قال نبانا علی بن میمون قال سمعت الشافعی یقول انی لاتبرک بابی حنیفة واجئی الی قبرہ فی کل یوم یعنی زائرا فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت الی قبرہ سالت اللہ تعالیٰ الحاجة عندہ فما تبعد عنی حتیٰ تقضی۔

ترجمہ : حضرت علی بن میمون نے فرمایا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بے شک میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں تو وہ میری حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔[4]

نزہتہ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری ص ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

من استغاث بی فی کربة کشفت عنہ ومن نادانی باسمی فی شدة فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ فی حاجة

---

[1] (ردالمحتار باب اللقطہ ج ۳ ص ۳۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] (شرح الخرپوتی علی البردہ ص ۲۱۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۹ مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ)، (تانیب الخطیب ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ ملتان)

[4] (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قضیت۔

ترجمہ :یعنی جوکوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔[1]

---

[1] (بہجۃ الاسرار ص ۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ مصطفیٰ البابی مصر)